ترجمہ وتسہیل

شرح شذور الذہب

لابن ہشام الانصاریؒ

مولانا عبد الناصر صاحب

مولانا خورشید انور صاحب

مقابل آرام باغ کراچی

I

ترجمہ وتسہیل

شرح شذور الذهب

لابن هشام الانصاری

مترجم و شارح

مولانا عبد الناصر صاحب

مولانا خورشید انور صاحب

ناشر

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ کراچی

صفحہ

فہرست اہم حواشی متعلقہ بہ کنوز العرب ۵۰۲

فہرست مضامین "شرح شذور الذہب" ۵۰۴

کتابیات ______ ۵۰۶

ترجمۃ ابنِ ہِشام

کنیت: ابومحمد۔ لقب: جمال الدین، نام: عبداللہ بن یوسف بن احمد بن عبداللہ بن ہشام انصاری مصری،
آسمانِ علم وفضل کا یہ سورج ذی قعدہ ۷۰۸ھ/۱۳۰۹ء کو طلوع ہوا جس نے شہاب عبداللطیف بن مرحل بن سراج، ابوحیان، التاج الفاکہانی جیسی نابغۂ روزگار ہستیوں سے اکتسابِ فیض کرکے اپنی مخفی وخوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ علم وفن کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہوکر وہ قیمتی اور گرانمایہ موتی نکال کر لائے جن سے متقدمین کی نگاہیں ناآشنا تھیں۔ چنانچہ خداداد ذہانت اور محققانہ ومجتہدانہ بصیرت کی بنا پر بہت قلیل مدت میں اصحابِ فضل وکمال کے طبقہ میں اپنی عبقریت کا لوہا منوالیا۔ طاش کبریٰ زادہ نے سچ لکھا ہے اتقن العربیۃ ففاق الاقران بل الشیوخ (نحو میں ایسی مہارت حاصل کی کہ معاصرین بلکہ اپنے اساتذہ سے فوقیت لے گئے۔)

اور ابن خلدون نے شہادت دی: انّ ابن ھشام علی علمٍ جمٍّ یشھدُ بعلوّ قدرہٖ فی صناعۃِ النّحو۔
(ابن ہشام کا علم عربیت میں بے پایاں علم اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو فنِ نحو میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔)
نہ صرف علمِ نحو میں بلکہ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو علمِ ادب، اسماء الرجال، لغت، اشتقاق، حدیث اور تفسیر میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اسی وجہ سے محققین علماء نے آپ کی امامت وسیادت کا اعتراف کیا۔
اور تحقیق وتدقیق، تصنیف وتالیف اور علم ومعرفت، گہرائی وگیرائی کے اُفق پر رونما ہونے والے ستارے ان کی روشنی کے سامنے ماند پڑگئے۔ اور آپ کا شہرہ سرزمینِ مصر کی حدود سے گذر کر بلادِ مغرب[۱] تک پہونچا اور ابن خلدون کو کہنا پڑا: مازِلنا ونحن بالمغرب نسمع انہٗ ظھر بمصر عالِم بالعربیۃ یقال لہٗ ابن ھشام انحیٰ من سیبویہ۔
(برابر ہمیں مغرب میں اطلاعات ملتی رہیں کہ مصر میں عربیت کے ایک ماہر عالم پیدا ہوئے ہیں جن کو ابن ہشام کہا جاتا ہے وہ علمِ نحو میں سیبویہ سے بھی فائق ہیں۔)
علامہ ابن ہشام کو اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی میں ایجاز واختصار اور اطناب وتفصیل (بیان کی دونوں نوعوں) پر یکساں ملکہ حاصل تھا۔ ڈُو درجن سے زائد انتہائی مفید کتابیں تصنیف فرمائیں جنمیں بیشتر فنِ نحو سے متعلق ہیں جنکا تذکرہ شرح شذور الذہب مصری کے اوائل میں طبع شدہ موجود ہے۔

یہ آفتابِ عالمتاب ایک عالَم کو منور کرکے بروز جمعہ ذی قعدہ ۷۶۱/۶۲ھ/۱۳۶۰ء کو اس خاکدانِ دنیا کو الوداع کہکر قاہرہ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

---

[۱] بلادِ مغرب: سے مراد افریقہ کے شمال میں واقع ممالک لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش ہیں۔ جو مصر سے مغرب وشمال کی سمت میں واقع ہیں۔ (از المعجم الوسیط)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حمدًا لمن بیدہٖ زمام الامور، یصرّفھا علی النحو الذی یریدہٗ، فھو الفعّال لما یرید، اذا اراد امرًا، فانّما یقول لہٗ، کن، فیکون، سُبحانہٗ قد برئ کلامہٗ من لفظٍ وحرفٍ، و تقدّست اسماؤہٗ وجلّت صفاتہٗ وکانت اضالۃٗ عیون الحکمۃ وصلاۃً و سلامًا علی النبیّ العربیّ الاُمّی افصح من نطق بالضاد محمّدٍ عبدہٖ و رسولہٖ وعلی اٰلہٖ و اِخوانہٖ مِنَ الرّسُلِ والانبیاءِ مصابیح الھدیٰ واعلامِ النجاۃِ ومن غاص نحوَھم واقتدیٰ بھُداھم۔

امّا بعد۔ اس علمی انحطاط کے زمانہ میں چونکہ طبائع سہل نگاری کی عادی ہوچکی ہیں، اور علمی تحقیقات کے لئے شب بیداری وسحرخیزی تو کجا؟ ہم لوگ عمومی جدّوجہد سے بھی ناآشنا ہوتے جارہے ہیں۔ اسی وجہ سے روز بروز ٹھوس استعداد اور عمدہ صلاحیتوں کے حامل علماء گھٹتے جارہے ہیں۔ اس لئے داخل درس کتابوں کی اُردو شروحات کو مَالایُدرک کلّہٗ لایُترک کلّہٗ کے تحت اہمیت دی جارہی ہے۔ تاکہ درس وتدریس کا سلسلہ تو جاری رہے۔ مبادا عمدہ صلاحیتوں کے فقدان کے ساتھ علوم سے بھی یکسر محرومی ہوجائے۔

ہم خدائے بزرگ وبرتر کے ثناخواں وشکرگذار ہیں کہ اس نے علمی بے سروسامانی کے باوجود شرح شذور الذہب کے ترجمہ وتسہیل کی خدمت ہم سے لی۔ اس ترجمہ وتسہیل میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ کیا ہے۔

① چونکہ کتاب شرح ومتن کا مجموعہ ہے۔ مصنّف علام نے متن کے لئے لفظ قلتُ اور شرح کے لئے اقول مقرر کیا ہے۔ ہم نے قلت کی تعبیر متن کے "م" اور اقول کی تعبیر شرح کے "ش" سے کی ہے۔

② اشعار میں محلِ استشہاد کا تعین جہاں کہیں مشکل محسوس ہوا، ایسے موقع پر یا تو متن ہی میں محلِ استشہاد پر خط کشید کردیا گیا ہے۔ یا پھر ترجمہ کے تحت اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔

③ ترجمہ کو مطلب خیز اور زیادہ مفید بنانے کے لئے مناسب بین القوسین کا اضافہ بھی کردیا ہے۔

④ جن مقامات پر یہ محسوس ہوا کہ بین القوسین کے مختصر الفاظ مطلب کی وضاحت کیلئے ناکافی ہیں۔ وہاں حاشیہ پر تشریح کردی گئی ہے، تاکہ وہ مقام تشنہ نہ رہ سکے۔

⑤ بعض مباحث میں حاشیہ پر ضروری اور مفید معلومات کا بھی اضافہ کردیا گیا ہے۔

⑥ اگر کہیں شعر کا ایک ہی مصرعہ مذکور ہے اور ترجمہ کے وقت دوسرے مصرعہ کی ضرورت محسوس کی گئی تو مصرعۂ ثانی بھی ترجمہ کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔

⑦ قرآنی آیات جہاں جہاں بھی مذکور ہیں سہولت کی خاطر ان پر اعراب لگا دیا گیا ہے، اور ان کا ترجمہ حاشیہ پر بیان القرآن اور ترجمہ شیخ الہندؒ سے نقل کیا گیا ہے، اور آسانی کے لئے رکوع اور پارہ کا بھی حوالہ دیدیا گیا ہے۔ اور اگر کہیں پر مصنف نے آیت کی ایسی تشریح یا ترکیب پیش کی ہے، جو مذکورہ بالا دونوں ترجموں سے ہم آہنگ نہیں تو وہاں پر آیت کا ترجمہ مصنف کی منشاء کے مطابق کیا گیا ہے۔

⑧ صاحب کتاب نے آیات سے استشہادات کے بعض مقامات پر امام حفصؒ کی متداول قراءت کے بجائے دوسرے قاری کی قراءت پیش کی ہے۔ ایسے مواقع پر ہم نے اس قراءت کے قاری کا نام ذکر کر دیا ہے۔ اور بھی مزید قراءت حاشیہ پر لکھدی ہیں۔

⑨ ترجمہ کتاب میں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر متن میں ایک نوع کی چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں تو ترجمہ میں ایک مثال پر اکتفاء کر کے بقیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظِ وغیرہ لکھ دیا گیا ہے۔ اس لئے بقیہ مثالوں کیلئے متن ہی کی جانب رجوع کیا جائے۔

⑩ طلبہ کی استعداد کو مدِنظر رکھتے ہوئے ترجمہ میں عربی جملوں کی ترکیب کا لحاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے مگر کہیں اُردو جملہ کے طویل ہونے کی وجہ سے یا مفہومِ عبارت کو ذہن سے قریب کرنے کی خاطر ہم ایسا نہیں کرسکے ہیں اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ (تلك عشرة كاملة)

آخر میں ہم ان مخلص اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کے لباسِ ہستی زیبِ تن کرنے میں کسی طرح کا بھی تعاون فرمایا ہے۔ مثلاً مولانا محمد سالم صاحب کہ آپنے منتهى الارب اور جامع الدروس العربیہ جیسی کتابیں مہیا کیں۔ مولانا عبدالمنان صاحب کہ ان کی کتاب ”النحو الوافی“ سے استفادہ کیا گیا، اور جگہ جگہ تبادلۂ خیال بھی ہوتا رہا۔ اور مفتی محمد رضوان صاحب کہ آپنے مسودہ پر نظر ڈالی اور کتابت کے بعد تصحیح میں تعاون فرمایا۔ اور مولوی محمد ساجد سلّمہٗ کہ آں عزیز کی انتھک جفاکشی نے دورانِ تسوید بہت فائدہ پہنچایا، کہ مرادآباد کی بجلی کی بدانتظامی ہمارے کام میں مخل نہ بن سکی۔ اور مفتی محمد یوسف صاحب کہ آپنے کتابت کی ذمہ داری قبول فرماکر کتاب کو آپکے ہاتھوں تک پہنچانے میں تعاون فرمایا۔ اور کتب خانہ مدرسہ شاہی کا بھی یہ احسان ہے کہ اس کی کتابوں سے ہم نے استفادہ کیا۔

ربِّ کریم اس کو عزیز طلبہ کیلئے زیادہ سے زیادہ نفع بخش اور ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

المترجمون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال الشیخ الامامُ العالم العلامة العامل الجامعُ لِاَشْتَاتِ الفضائل وحیدُ دھرِہ وفریدُ عصرِہ صدرُ المحققین وبرکۃُ المسلمین جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن الشیخ جمال الدین یوسف بن احمد بن عبداللہ بن ھشام الانصاری تَغَمَّدَہُ اللّٰہُ برحمتِہٖ واَسکنہ فَسِیحَ جنّتِہٖ۔

شیخ (وقت) امام (النحو) عالم، علامہ، باعمل، گوناگوں کمالات کے حامل، یگانۂ روزگار، یکتائے زمانہ محققین کے سربراہ اور امتِ مسلمہ کیلئے باعثِ خیر و برکت یعنی جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن شیخ جمال الدین یوسف بن احمد بن عبداللہ بن ہشام الانصاری نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سایۂ رحمت میں لیکر اپنی وسیع جنت میں ٹھکانہ عطا فرمائے۔

اوّل ما اقول: انی احمد اللہ العلی الاکرم الّذی عَلّمَ بالقلمِ عَلّمَ الانسانَ مالم یَعلَمْ ثم اُتبِعُ ذلك بالصّلوٰۃ والتسلیم علی المرسَل رحمۃً للعالمین واِمامًا للمتقین وقُدوۃً للعاملین محمدٍ النبیِّ الامّیِّ والرسولِ العربی وعلیٰ اٰلِہِ الھادین وصحبِہ الرافعین لِقواعدِ الدین۔

میری سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں عظمتوں والے اس انتہائی مہربان خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے قلم سے تعلیم دی، انسانوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتے تھے۔ پھر اسکے بعد میں صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہوں اس ذاتِ گرامی پر جنہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت، متقیوں کے لئے مقتدیٰ، عمل کرنے والوں کے لئے اُسوہ بناکر بھیجا گیا یعنی نبی امّی، رسولِ عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اور آپکے ان متعلقین پر جو دینی رہنما تھے، اور آپ کے ان صحابہ پر جو دین کی دیواریں اٹھانے والے تھے۔

وبعد فھذا کتاب شرحت بہ مختصری المسمّٰی بہ "شذور الذھب" فی معرفۃ کلام العرب، تمّمت بہٖ شواھدہ، وجمعت بہ شواردہ، ومکّنت من اقتناص اوابدہ رائدہ، قصدت فیہ الی ایضاح العبارۃ، لا الی اِخفاء

الاشارة وعمدت فيه الى لمّ المباني والاقسام لا الى نشر القواعد والاحكام۔

اما بعد: یہ ایسی کتاب ہے جس میں میں نے اپنی اس مختصر "شذور الذہب" نامی کتاب کی شرح کی ہے۔ میں نے اس میں اس کے شواہد کی تکمیل کی ہے۔ اور چھوٹی ہوئی چیزوں کو جمع کیا ہے۔ اور میں نے وحشیوں کے شکار پر اس کی جستجو کرنے والے کو قابو دیدیا۔ اور اس میں میں نے حلِ عبارت کا قصد کیا ہے۔ نہ کہ اشارات کو مخفی رکھنے کا۔ اور میں نے اس کی اقسام ومقسم کو سمیٹنے کا ارادہ کیا ہے، نہ کہ احکام وقواعد کو پھیلانے کا۔

والتزمت فيه انني كلما مررت ببيت من شواهد الاصل ذكرت اعرابه وكلما اتيت على لفظ مستغرب اوردت فيه بما يزيل استغرابه وكلما انهيت مسئلة ختمتها بأية تتعلق بها من أى التنزيل واتبعتها بما تحتاج اليه من اعراب وتفسير وتأويل وقصدى بذلك تدريب الطالب وتعريفه السلوك الى أمثال هذه المطالب۔

اور اس میں میں نے اس کا التزام کیا ہے کہ جب بھی اصل (قاعدہ) کے شواہد میں سے کسی شعر پر میں پہونچا تو میں نے اس کی تعلیق ذکر کر دی۔ اور جب (متن کے) کسی نامانوس لفظ پر پہونچا تو اس کا ایسا مرادوف ذکر کر دیا جو اس کی غرابت (ووحشت) کو ختم کر دے۔ اور جب میں نے کسی مسئلہ کو پورا کیا تو اس کے اخیر میں قرآن کی آیات میں سے ایسی آیت ذکر کر دی جو اس مسئلہ سے متعلق ہو۔ اور اس کے بعد حسب ضرورت (آیت کی) ترکیب وتفسیر[1] اور تاویل بھی ذکر کر دی۔ اور اس سے میرا مقصد طالب علم کو (ترکیب وتفسیر کا) عادی بنانا اور اس کو ان جیسے مضامین کی طرف چلنے (اور متوجہ ہونے) کی تعلیم دینا ہے۔

والله تعالىٰ اسأل ان ينفعني واياكم بذلك، انه قريب مجيب، وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب۔

اور اللہ تعالیٰ ہی سے میں دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے مجھے اور تمہیں نفع پہنچائے۔ یقیناً وہ بہت قریب اور قبولیت بخشنے والا ہے۔ اور خیر کی جانب میری رہنمائی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

---

[1] مرادِ خداوندی کو اس طرح واضح کرنا کہ (۱) لفظ معنی حقیقی یا مجاز متعارف سے خارج نہو (۲) شاہدین وحی کے قول سے مؤید ہو۔ (۳) نصوص شرعیہ ظاہرہ کے خلاف نہو، تفسیر ہے۔ اور اگر ان شرائط میں سے ایک فوت ہوجائے تو تاویل قریب ہے۔ دو فوت ہوجائیں تو بعید ہے۔ تینوں فوت ہوجائیں تو تحریف ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت، قسط اول)

قلت: الکلمۃ قول مفرد۔ واقول: فی الکلمۃ ثلاث لغات ولھا معنیان۔ اما لغاتھا فکلمۃ علی وزن نبقۃ، وھی الفصحی ولغۃ اھل الحجاز وبھا جاء التنزیل وجمعھا کَلِمٌ کنَبِق، وکِلْمۃ علی وزن سِدرۃ، وکَلْمۃ علی وزن تمرۃ وھما لغتا تمیم وجمع الاولی کِلَمٌ کسِدْرٍ، والثانیۃ کَلْمٌ کتَمْرٍ۔ وکذلک کل ما کان علی وزن فَعِل نحو کَبِد وکَتِف۔ فانہ یجوز فیہ اللغات الثلاث، فان کان الوسط حرف حلق جاز فیہ لغۃ رابعۃ، وھی اِتْبَاع الاول للثانی فی الکسر نحو فِخِذ وشِھِد۔

م:۔ کلمہ اکیلے لفظ (کا نام) ہے۔ ش:۔ (لفظ) کلمہ میں تین لغات ہیں۔ اور اس کے دو معانی ہیں ۔ رہیں اس کی لغات تو (پہلی) کَلِمۃ بروزن نَبِقَۃ (بیر) ہے۔ یہی زیادہ فصیح ہے۔ اور حجازیین کی لغت ہے۔ اور یہی قرآن کریم میں آیا ہے[1]۔ اس کی جمع کَلِمٌ بروزن نَبِقٌ ہے۔ اور (دوسری) کِلْمَۃٌ بروزن سِدْرَۃٌ (بیری) ہے۔ اور (تیسری لغت) کَلْمَۃٌ بروزن تَمْرَۃٌ ہے۔ یہ (آخری) دونوں بنو تمیم کی لغات ہیں۔ پہلے کی جمع کِلْمٌ جیسے سِدْرٌ ہے۔ دوسرے کی جمع کَلْمٌ جیسے تَمْرٌ ہے۔ اسی جیسا ہر وہ کلمہ ہے جو فَعِل کے وزن پر ہو جیسے کَبِد، کَتِف کہ اس میں تینوں لغات آسکتی ہیں۔ لیکن اگر درمیانی (حرف) حرف حلقی ہو تو چوتھی لغت بھی آسکتی ہے اور وہ پہلے حرف کو بھی کسرہ میں دوسرے حرف کے تابع کر دینا ہے۔ جیسے فِخِذٌ، شِھِدَ[2]۔

واما معنیاھا فاحدھما اصطلاحی وھو ما ذکرت۔ والمراد بالقول: اللفظ الدال علی معنی کرجل وفرس، بخلاف الخط مثلاً فانہ وان دل علی معنی لکنہ لیس بلفظ وبخلاف المھمل۔ نحو دیز مقلوب زید فانہ وان کان لفظاً لکنہ لا یدل علی معنی، فلا یسمی شیٔ من ذلک ونحوہ قولاً۔

رہے اس کے دونوں معانی، تو ان میں سے ایک اصطلاحی ہے وہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ۔ اور قول سے مراد معنی بتلانے والا لفظ ہے جیسے رجل، فرس۔ بخلاف خط کے مثلاً اس لئے کہ وہ

---

[1] جیسے کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ پ۱۸ع۲، اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ پ۶ع۳

[2] قولہ شِھِد (س) شہادۃ سے ماضی مطلق کا صیغہ ہے۔

اگرچہ معنی کو بتلاتا ہے مگر لفظ نہیں ہے۔ اور بخلاف مہمل کے جیسے دیز جو (لفظ) زید کا اُلٹا ہے کیونکہ وہ اگرچہ لفظ ہے مگر وہ کسی معنی کو نہیں بتلاتا۔ لہٰذا اس (مذکورہ خط و مہمل) اور اس جیسی چیز کا نام قول نہیں رکھا جاسکتا۔[۱]

والمراد بالمفرد مالا یدل جزءہ علی جزء معناہ کما مثلنا من قولنا رجل وفرس ، الا ترٰی ان اجزاء کل منهما۔ وهی حروفه الثلاثة۔ اذا انفرد شیٔ منها لا یدل علی شیٔ مما دلت علیه جملته ، بخلاف قولنا (غلام زید) فانه مرکب، لانّ کلا من جزویه وهما غلام وزید۔ دال علی جزء المعنی الذی دلت علیه جملة غلام زید۔

اور مفرد سے مُراد وہ لفظ ہے جس کا جزء اسکے معنی کے جزء کو نہ بتلائے[۲] جیسا کہ ہم نے رجل وفرس کو مثال میں پیش کیا آپکو معلوم نہیں کہ ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک کے اجزاء۔ یعنی تینوں حروف۔ میں سے جب کوئی تنہا ہوتا ہے تو اس مفہوم کے کسی جزء کو نہیں بتلاتا جس مفہوم کو پورا لفظ بتلا رہا تھا۔ بخلاف غلام زید کے۔ کہ وہ مرکب ہے۔ کیونکہ اس کے دونوں جزوں میں سے ہر ایک یعنی غلام اور زید اس مفہوم کے ایک ایک جزء کو بتلا رہا ہے جس کو غلام زید کا مجموعہ بتلا رہا تھا۔[۳]

والمعنی الثانی لغوی، وهو الجمل المفیدة قال الله تعالیٰ (کَلَّآ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا) اشارة الی قول القائل (رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ)۔

دوسرے معنی لغوی ہیں یعنی جملہ مفیدہ جیسے کہ ارشاد باری کَلَّآ اِنَّهَا[۴] الخ (میں کلمہ سے) مراد قائل کا قول ربّ ارجعون[۵] الخ ہے۔

---

[۱] لفظ کے علاوہ معنی پر دلالت کرنے والی اور بھی اشیاء مثلاً عقود، اشارات، نصب اور تحریرات ہیں جن کو مصنفؒ نے بخلاف الخط مثلاً، کہہ کر خارج کیا ہے۔ کیونکہ وہ لفظ نہیں ہیں۔ [۲] مفرد کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) سرے سے لفظ کا جزء نہ ہو جیسے ہمزۂ استفہام، لام جر اور فاء عاطفہ۔ (۲) لفظ کا جزء ہو مگر بامعنی نہ ہو جیسے رجل، ابراہیم۔ (۳) لفظ کا جزء ہو، بامعنی ہو مگر وہ معنی اس معنی کا جزء نہ ہو جس پر مجموعہ دلالت کر رہا ہے جیسے قاضیخان، عبداللہ۔ کہ بحالت علمیت ان کی ذوات کے اجزاء پر دلالت نہیں ہوتی۔

[۳] یعنی غلام زید کے اجزاء (غلام اور زید) میں سے ہر ایک کا معنی مرکب اضافی برقرار رکھنے اور نہ رکھنے کی صورت میں ایک ہی رہتا ہے۔ [۴] ہرگز نہیں یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جارہا ہے۔ پ۱۸ ع۶۔

[۵] اے میرے رب مجھ کو واپس بھیج دیجئے تاکہ میں جس کو چھوڑ آیا ہوں (دنیا) اس میں نیک کام کروں۔ پ۱۸ ع۶۔

وكَلاّ في العربية على ثلاثة اوجهٍ: حرفُ ردعٍ وزجرٍ وبمعنى حقًّا وبمعنى إي؛ فالاول كما في هٰذه الآية اي إنته عن هٰذه المقالة: فلا سبيل الى الرجوع، وَالثاني نحو كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ اي حقا: اذ لم يتقدم على ذلك ما يُزجر عنه، كذا قال قوم، وقد اُعترض على ذلك بان حقا تُفتح أن بعدها وكذلك ألا التى بمعناها، فكذا ينبغي في كلّا والاولى ان تفسر كلا في الآية بمعنى ألا التى يُستفتح بها الكلام وتلك تُكسر بعدها إنّ نحو (أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ) والثالث قبل القسم: نحو كَلَّا وَالْقَمَرِ معناه إي وَالقمر، كذا قال النضر بن شميل وتبعه جماعة، منهم ابن مالك ولها معنى رابع: تكون بمعنى ألا۔

اور کلا عربی زبان میں تین طرح مستعمل ہے۔ ۱ باز رکھنے اور جھڑکنے (کے موقع) کا حرف ہے۔ ۲ حقا (یقیناً، واقعۃً) کے معنی میں۔ ۳ اِیٔ (نعم) کے معنی میں۔ پہلے کی مثال جیسے کہ اسی مذکورہ آیت میں ہے یعنی اس بات سے باز آ۔ اب واپسی کی کوئی راہ نہیں۔ دوسرے کی مثال جیسے کلاّ[1] الخ بمعنی حقا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے ایسی کوئی بات نہیں ہے جس پر ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔ بعض لوگوں کا یہی کہنا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حقا کے بعد انَّ مفتوح ہوتا ہے[2]۔ ایسے ہی اس الا کے بعد جو حقا کے ہم معنی ہوتا ہے۔ لہٰذا کلاّ بمعنی حقا میں بھی اَنّ مفتوح ہونا چاہیئے۔ (جواب) بہتر یہ ہے کہ آیت میں کلا کی تفسیر اس الا کے معنی میں لیکر کی جائے جو کلام کے شروع میں لایا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اِنّ مکسور ہوتا ہی ہے۔ جیسے الا انّ[3] الخ۔ اور تیسرا (بمعنی اِی جبکہ) قسم سے پہلے ہو جیسے کلّا والقمر، اس کے معنی ہیں، ہاں چاند کی قسم۔ نضر بن شمیل کا یہی کہنا ہے۔ اور ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے۔ جس میں ابن مالک شامل ہیں۔ اور اس کے چوتھے معنی بھی ہیں کہ اَلاَ کے معنی میں ہوتا ہے۔

وإنّ حرف تاكيدٍ ينصب الاسمَ بالاتفاق ويَرفع الخبرَ خلافًا للكوفيين والضمير اسمها: وهو راجع الى المقالة: وكلمة خبرها وهو قائلها جملة من مبتدأ

---

[1] واقعۃً بیشک انسان حد سے نکل جاتا ہے۔ پ۳۰ ع۲۱۔

[2] کما فی قول الشاعر احقا ان جيرتنا استقلوا ÷ فنيتنا ونيتهم فريق

[3] یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ (پ۱۱ ع۱۲)

وخبر فی موضع رفع علی انها صفۃ لکلمۃ وکذا شان الجمل الخبریۃ بعد النکرات واما بعد المعارف فھی احوال، کجاء زید یضحک۔

اِنّ حرف تاکید ہے۔ اپنے اسم کو بالاتفاق نصب دیتا ہے۔ اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ (مگر) کوفیوں کا اختلاف ہے[1]۔ ضمیر "ہا" اس کا اسم ہے، جو کہی ہوئی بات (ربّ ارجعون الخ) کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کلمۃ اس کی خبر ہے۔ ھُوَ قَائِلُھَا مبتدا خبر سے مل کر جملہ ہے۔ جو محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ کلمۃ کی صفت ہے (بلکہ) نکرہ کے بعد واقع ہونے والے تمام ہی خبری جملوں کی یہی حالت (ترکیب) ہوتی ہے (کہ صفت بنتے ہیں) مگر معرفہ[2] کے بعد (والے جملے) حال ہوتے ہیں۔ جیسے جَاءَ زیدٌ یضحک۔

ثم قلت: وھی اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ واقول: الکَلِمَۃ جنس تحتہ ھٰذہ الانواع الثلاثۃ لاغیر، اجمع علیٰ ذٰلک من یُعتدّ بقولہ قالوا: ودلیل الحصران المعانی ثلاثۃ: ذات وحدث ورابطۃ للحدث بالذات۔ فالذاتُ الاسمُ والحدثُ الفعلُ والرابطۃ الحرف، وان الکلمۃ ان دلّت علیٰ معنی فی غیرھا فھی حرف۔ وان دلّت علیٰ معنی فی نفسھا فان دلّت علیٰ زمانٍ محصّل فھی الفعل والّا فھی الاسمُ قال ابن الخباز: ولا یختص انحصار الکلمۃ فی الانواع الثلاثۃ بلغۃ العرب: لانّ الدلیل الذی دلّ علی الانحصار فی الثلاثۃ عقلی، والامور العقلیۃ لاتختلف باختلاف اللغات۔ انتہیٰ۔

م: وہ (کلمہ) اسم ہے، فعل ہے اور حرف ہے۔

ش: کلمہ جنس ہے۔ جس کے تحت صرف یہی تین انواع ہیں۔ اسی پر ان لوگوں کا اتفاق ہے جن کا قول اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے دلیل حصر بیان کی ہے کہ معانی (اشیاء) تین ہیں۔ (۱) ذات[3]

---

[1] وعند الکوفیین ھو مرتفع بما کان مرتفعا بہ فی قولک زید اخوک ولا عمل للحرف فیہ۔ المفصل للزمخشری
[2] معرفہ سے معرفہ خالصہ مراد ہے۔ یعنی وہ معرفہ جس میں نکرہ سے کسی بھی طرح کی مشابہت نہ پائی جاتی ہو۔ اسی وجہ سے نکرہ اور معرفہ غیر خالصہ (معرف بلام الجنس) کے بعد واقع ہونے والا جملہ صفت ہوتا ہے۔ جیسے ولقد امرّ علی اللئیم یَسُبُّنی ÷ فمضیت ثمت وقلت لایعنینی۔ میں یسبنی، اللئیم کی (معرف بلام الجنس کی) صفت بن رہا ہے۔
[3] جو شی اپنا وجود مستقل رکھے ذات ہے۔ جیسے رجل۔ قلم۔ کتاب۔

(۲) معنی مصدری[1] (۳) معنی مصدری کو ذات سے مربوط کرنے والی شئی۔ لہٰذا ذات، اسم ہے۔ معنی مصدری، فعل ہے۔ اور رابط حرف۔ اور دلیل حصر بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ کلمہ اگر ایسے معنی کو بتلائے جو دوسرے کلمہ میں پائے جاتے ہیں تو وہ حرف ہے۔ اور اگر ایسے معنی کو بتلائے جو اسی کلمہ میں پائے جاتے ہیں۔ .... پھر اگر ایسے زمانہ کو بھی بتلائے جو اس میں پایا جاتا ہو، تو وہ فعل ہے ورنہ وہ اسم ہے۔ ابن خباز کا کہنا ہے کہ کلمہ کا تین قسموں میں منحصر ہونا عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس لئے کہ تین قسموں میں منحصر ہونے کو بتلانے والی دلیل عقلی ہے۔ اور عقلی چیزوں میں زبانوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کی بات مکمل ہوئی۔

ولكلٍّ من هٰذه الثلاثة معنًى في الاصطلاح، ومعنًى في اللغة: فالاسمُ في الاصطلاح: مَا دلّ على معنًى في نفسه غيرِ مقترنٍ بأحدِ الأزمنة الثلاثة، وفي اللغة سِمةُ الشيءِ: اي علامتهُ، وهو بهٰذا الاعتبار يشمل الكلماتِ الثلاثَ، فان كلًّا منها علامةٌ على معناه۔ الفعل في الاصطلاح: مَا دلّ على معنى في نفسه مقترنٍ بأحدِ الأزمنة الثلاثة، وفي اللغة نفس الحدث الذي يُحدِثه الفاعل، من قيامٍ وقعودٍ او نحوِهِمَا۔ والحرف في الاصطلاح مَا دلّ على معنى في غيره، وفي اللغة طَرَفُ الشيءِ، كحرف الجبل، وفي التنزيل: (ومِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ عَلىٰ حَرْفٍ) الآية: اي على طرفٍ وجانبٍ من الدين، اي لا يدخل فيه على ثباتٍ وتمكُّنٍ فهو إنْ اصابَهُ خيرٌ۔ من صحةٍ وكثرةِ مالٍ ونحوهِمَا۔ اطمأنّ بِهِ۔ وَإنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ۔ اي شرٌّ من مرضٍ او فقرٍ او نحوهِمَا۔ اِنقلبَ على وجهِهِ عنه۔

ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک کا ایک اصطلاحی معنی ہے اور ایک لغوی۔ اسم اصطلاحی طور پر وہ کلمہ ہے جو تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کی شمولیت کے بغیر ذاتی معنی کو بتلائے۔ اور لغت میں کسی چیز کی علامت کو کہا جاتا ہے۔ اسم اس لغوی معنی کے اعتبار سے تینوں کلمات کو شامل ہو جائیگا کیونکہ

---

[1] وہ مفہوم جس کا تصور بغیر کسی ذات کے نہ ہو سکتا ہو جیسے ضرب بغیر ضارب و مضروب کے متصور نہیں اور قتل بغیر قاتل و مقتول کے۔

ان میں سے ہر ایک اپنے معنی کے لئے علامت ہے۔ اور فعل اصطلاحی طور پر وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی کو بتلائے جو ذاتی ہو، اور ازمنۂ ثلاثہ میں سے کوئی ایک زمانہ اس معنی میں پایا جاتا ہو۔ اور لغوی طور پر فعل معنی مصدری ہی کو کہا جاتا ہے جس کو فاعل ایجاد کرتا ہے۔ جیسے قیام، قعود وغیرہ۔ اور حرف اصطلاح میں وہ کلمہ ہے جو دوسرے میں پائے جانے والے معنی کو بتلائے۔ اور لغت میں (اسکے معنی ہیں) شئی کا کنارہ۔ جیسے حرف الجبل پہاڑ کا کنارہ قرآن پاک میں آیا ہے وَمِنَ النَّاسِ[1] الخ یعنی دین کے آخری حصہ اور کنارہ پر۔ مطلب یہ ہے کہ وہ دین میں جماؤ اور استقلال کے ساتھ داخل نہیں ہوتا ہے۔ اس کو اگر کوئی اچھائی یعنی صحت اور مال کی فراوانی وغیرہ حاصل ہوتی ہے تو جما رہتا ہے۔ اور اگر کوئی آزمائش یعنی ناگوار چیز جیسے مرض، غربت وغیرہ پہونچتی ہے تو اس سے روگردانی کرتا ہے۔

والواو عاطفة و(من) جارة معناها التبعيض، و (النّاس) مجرور بها، واللام فيه لتعريف الجنس، ومَن مبتدأ تقدم خبره فى الجار والمجرور و (يعبد) فعل مضارع مرفوع لخلوه من الناصب والجازم، والفاعل مستتر عائد على (مَن) باعتبار لفظها و (الله) نُصِبَ بالفعل، والجملة صلة لمَن ان قدرت من معرفة بمعنى الذى، وصفةٌ ان قدرت نكرة بمعنى ناس، وعلى الاول فلا موضع لها، وكذا كل جملة وقعت صلة، وعلى الثانى موضعها رفع، وكذا كل صفة فانها تتبع موصوفها و (على حرف) جار مجرور فى موضع نصب على الحال اى مُتَطَرِّفًا مستوفزًا (فان) الفاء عاطفة، وان: حرف شرط، (اصابه) فعل ماضٍ فى موضع جزم لانه فعل الشرط والهاء مفعول و (خير) فاعل و (اطمأن) فعل ماضٍ والفاعل مستتر، و (به) جار ومجرور متعلق باطمأن وقس على هذا بقية الأية۔

واوٌ عاطفہ ہے۔ مِنْ جارہ ہے جس کے معنی تبعیض کے ہیں۔ النَّاس مجرور، اور الف لام جنس (ناس) کو معرفہ بنانے کے لئے ہے۔ مَنْ مبتدا ہے جس کی خبر (کائن) جار مجرور (من الناس) میں پہلے مذکور ہو چکی ہے۔ یعبد فعل مضارع مرفوع ہے۔ کیونکہ ناصب وجازم سے خالی ہے۔ اور فاعل ضمیر مستتر ہے۔

---

[1] اور بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارہ پر (پ ۱۷ ع ۹)

جو مَن کی جانب باعتبار لفظ لوٹ رہی ہے۔ اور اللہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور جملہ فعلیہ (یا تو) مَن کا صلہ ہے۔ اگر مَن کو معرفہ بمعنی الّذی مانا جائے۔ (یا) صفت ہے اگر مَن کو نکرہ بمعنی ناس کے مانا جائے۔ پہلی صورت میں اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ یہی حالت (ترکیب) ہر اس جملہ کی ہے جو صلہ واقع ہو۔ اور دوسری صورت میں اس کا محل اعراب رفع ہے۔ یہی (ترکیب) ہر (اس) صفت کی ہوگی (جو جملہ واقع ہو یعنی محل اعراب میں ماقبل کے تابع ہوگی) کیونکہ صفت اپنے موصوف (کی حالت) کے تابع ہوتی ہے۔ علیٰ حرف جار مجرور، حال ہونے کی وجہ سے (محلاً) منصوب ہے۔ معنی ہوں گے متطرفاً (کنارہ پر کھڑے ہوکر) مستوفزًا (بھاگنے کو تیار) فَاِنْ (میں) فاء عاطفہ ہے۔ اِنْ حرف شرط ہے۔ اَصَابَہٗ فعل ماضی ہے۔ محل جزم میں ہے۔ کیونکہ یہ فعل شرط ہے اور ہٗ مفعول ہے۔ اور خَیْرٌ فاعل۔ اِطْمَاَنَّ فعل ماضی۔ فاعل ضمیر مستتر ہے۔ بِہٖ جار مجرور ہوکر اطمان کے متعلق ہے۔ اسی انداز پر باقی آیت (کی ترکیب) کو خود نکال لو۔

وفیھا قراءۃ غریبۃ، وھی خَسِرَ الدُّنیا والأٰخرۃِ بخفض «الأٰخرۃ». وتوجیھھا ان «خسر» لیس فعلاً مبنیًا علی الفتح، بل ھو وصفٌ معربٌ بمنزلۃ فَھِمٍ وفَطِنٍ، وھو منصوبٌ علی الحال، ونظیرہٗ قراءۃ الاعرج: «خَاسِرَ الدُّنیا والأٰخرۃِ» إلا ان ھٰذا اسمُ فاعلٍ فلا یلتبس بالفعل، وذلک صفۃ مشبھۃ علی وزن الفعل فیلتبس بہ۔

اس میں ایک شاذ قراءت[1] ہے یعنی خَسِرَ الدُّنْیَا وَالأٰخِرَۃِ آخرۃ کے جر کے ساتھ۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ خسر فعل ماضی مبنی بر فتحہ نہیں، بلکہ فَھِمٌ، فَطِنٌ کے وزن پر صفت (کا صیغہ) معرب ہے۔ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کی نظیر اعرج کی قراءت خَاسِرَ الخ ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں یہ اسم فاعل ہے جس کی وجہ سے فعل سے التباس نہیں ہو رہا ہے۔ اور وہ فعل کے وزن پر صفتِ مشبہہ کا صیغہ ہے جس کے باعث فعل سے التباس ہو رہا ہے۔

ثم قلت: فالاسمُ مَا یقبلُ ال، او النّداء، او الاسناد الیہ۔ واقول: ذکرتُ للاسم ثلاث علامات یتمیّز بھا عن قسیمیہ، احداھا۔ ال، وھٰذہ العبارۃ اولیٰ من

---

[1] شاذ اس لئے ہے کیونکہ متداول قراءت وَالآخِرَۃَ نصب کے ساتھ ہے۔

عبارة من يقول "الالف واللام" لانه لايقال فى "هل" الهاء واللام، ولا فى "بل" الباء واللام، وذلك كالرجل والكتاب والدار، وقول ابى الطيب:

۱- الخيلُ والليلُ والبيداءُ تعرفني ❊ والسيفُ والرمحُ والقرطاسُ والقلمُ

فهذه الكلمات السبع اسماء: لدخول "ال" عليها۔

م: اسم وہ کلمہ ہے جو اَلْ کے دخول، یا منادیٰ یا مسند الیہ ہونے کی صلاحیت رکھے۔

ش: میں نے اسم کی ایسی تین علامتیں ذکر کی ہیں۔ جن کے ذریعہ اسم اپنی دونوں قسموں سے ممتاز ہوجاتا ہے۔ انہیں ایک علامت (اسم کی) اَل ہے یہ تعبیر ان لوگوں کی تعبیر سے عمدہ ہے جو الف لام کہتے ہیں کیونکہ ھَلْ میں ھاء ولام اور بَلْ میں باء ولام نہیں کہا جاتا۔ اس کی مثال الرَّجُل وغیرہ۔ اور متنبی کا قول الخیلُ[1] الخ ہے۔ یہ ساتوں کلمات اسماء ہیں۔ کیونکہ ان پر اَلْ داخل ہے۔

فان قلت: فكيف دخلت ال على الفعل فى قول الفرزدق۔

۲- مَا اَنتَ بالحَكَمِ التُرضَى حُكومَتُهُ ❊ وَلاَ الاَصيلِ وَلاَذِى الرأي والجَدَلِ

قلت: ذلك ضرورة قبيحة، حتى قال الجرجاني مامعناه: ان استعمال مثل ذلك فى النثر خطأ باجماع، اى انه لايقاس عليه، و "ال" فى ذلك اسم موصول بمعنى الذى۔

اعتراض: فرزدق کے کلام ما انت[2] الخ میں (ترضیٰ) فعل پر اَلْ کیسے داخل ہوگیا ہے۔

جواب: یہ ایک مجبوری ہے (اور) قبیح ہے۔ اسی وجہ سے جرجانی نے کہا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ (اولاً تو) ایسا استعمال نثر میں بالاتفاق غلط ہے۔ یعنی اس پر (نثر کو) قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (ثانیاً) یہاں پر ال بمعنی الذی اسم موصول ہے (جس کا دخول فعل پر جائز ہے۔)

الثانية: النداء نحو "يا اَيُّهَا النَّبِيُّ" "يا نُوحُ اهْبِطْ" "يا لُوطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ"

---

[1] گھوڑے، رات، جنگل، تلوار، نیزہ، کاغذ اور قلم مجھے جانتے ہیں۔ شعر میں اپنی جوانمردی، بہادری اور انشاء پردازی کی تعریف کی ہے۔

[2] تو ایسا حاکم بھی نہیں جس کا فیصلہ قابل قبول ہو اور نہ ہی شریف النسب صاحب رائے اور ماہر خصومت ہے۔ فرزدق نے یہ شعر بنی عذرہ کے ایک آدمی کی ہجو میں کہا ہے جس نے عبد الملک بن مروان کی مجلس میں جریر کو فرزدق وغیرہ پر فوقیت دی تھی۔

«یاھُودُ مَاجِئتَنَا بِبَیِّنَۃٍ» «یَاصَالِحُ ائْتِنَا» «یا شُعَیبُ أَصَلٰوتُكَ تَأمُرُكَ» فکلّ من ھٰذہ الالفاظ الّتی دخلت علیھا «یا» اسم، وھکذا کل منادی۔

دوسری علامت (اسم کی) منادی ہوتا ہے۔ جیسے یا ایّھا النّبیّ وغیرہ۔ ان الفاظ میں سے ہر ایک لفظ جس پر «یا» داخل ہے، اسم ہے۔ اسی طرح ہر منادی (اسم ہوتا) ہے

فان قلت: فما تصنع فی قراءۃ الکسائی «اَلَا یا اُسجدوا للّٰہ» فانہ یقف علی «الا یا» ویبتدئ با «سجدوا» بالامر، وقولہ تعالیٰ «یَا لَیْتَنَا نُرَدُّ» وقولہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام: «یا ربّ کاسیۃٍ فی الدّنیا عاریۃٌ یوم القیامۃِ» فدخل حرف النّداء فیھن علی مالیس باسم۔ قلت: اختلف فی ذلك ونحوہ علی مذھبین، اَحَدُھُما: ان المنادی محذوف، ای یا ھٰؤلاء اسجدوا، ویا قوم لیتنا نرد، ویا قوم ربّ کاسیۃ فی الدّنیا، والثانی ان «یا» فیھن للتنبیہ، لا للنّداء۔

اعتراض: پھر کسائی کی قرارت (اَلَا یا اسجدوا للّٰہ[1]) میں کیا کریں گے وہ (اَلَا یا) پر ٹھہر کر اسجدوا صیغہ امر سے ابتدا کرتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ کے ارشاد (یالیتنا نرد) اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے فرمان (یا ربّ[2] الخ) میں (کیا کریں گے) کہ ان تینوں صورتوں میں حرفِ ندار غیر اسم پر داخل ہے۔ جواب: ان اور ان جیسی مثالوں میں دو مختلف مذہب ہیں (۱) (اصل) منادی محذوف ہے۔ اصل یاھٰؤلاء اسجدوا وغیرہ ہے (۲) ان مثالوں میں یار تنبیہ کا ہے۔ ندار کا نہیں۔

الثالثۃ: الاسناد الیہ، وھو: ان یسند الیہ ماتتم بہ الفائدۃ، سواء کان المسند فعلًا او اسمًا او جملۃ۔ فالفعل کـ «قام زید» فقام: فعل مسند، وزید: اسم مسند الیہ، والاسم نحو «زید اخوك» : الاخ: مسند، وزید: اسم مسند الیہ، والجملۃ نحو انا قمت» فقام: فعل مسند الی التاء، وقام والتاء جملۃ مسندۃ الی انا۔

قولہ اصلٰوتك: فیہ قراءتان الاولیٰ: بلا الف بعد اللام علی الافراد لحفص وحمزۃ والکسائی۔ والثانیۃ: بالواو مفتوحۃ بعد اللام والف بعدھا لفظیۃ علی الجمع للباقین۔ (بیان القرآن)

[1] امام حفص کی قرارت اَلَّا یسجدوا لِلّٰہ ہے۔ [2] اے میری قوم! دنیا کی بہت سی لباس پوش عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔

تیسری علامت مسند الیہ ہونا ہے (اور وہ یہ) ہے کہ اس کی طرف ایسے لفظ کی اسناد کی جائے جس سے فائدہ کلام کا پورا ہوجائے۔ خواہ وہ مسند فعل ہو یا اسم یا جملہ۔ فعل (کے مسند ہونے) کی مثال قامَ زیدٌ ہے۔ قامَ فعل مسند ہے اور زید اسم مسند الیہ ہے۔ اسم (کے مسند ہونے) کی مثال زیدٌ اخوکَ ہے کہ اس میں الاخ (اخو) مسند ہے۔ اور زید اسم مسند الیہ ہے۔ اور جملہ (کے مسند ہونے کی مثال) انا قمتُ ہے۔ (اس میں) قام فعل ہے جس کو تاء (ضمیر متکلم) کی طرف منسوب کردیا گیا ہے[1]۔ قام اور تاء (کا مجموعہ قمتُ) جملہ ہے جس کی اسناد انا کی طرف کی گئی ہے۔

فان قلت: فما تصنع فی اسنادهم «خیرٌ» الیٰ «تسمعُ» فی قولهم: تسمع بالمعیدی خیرٌ من ان تراہ[2] مع ان «تسمع» فعل بالاتفاق؟ قلتُ: «تسمع» علی اِضمار «اَن» والمعنی اَن تسمعَ، والذی حسّنَ حذفَ «ان» الاولیٰ ثبوتُ «ان» الثانیة وقد رُوی «ان تسمع» بثبوت «اَن» علی الاصل، و «ان» والفعل فی تاویل مصدر ای سماعك: فالاِخبار فی الحقیقة انما هو عن الاسم.

اعتراض: اہلِ عرب کے قول تسمع الخ میں تسمع (مسند الیہ ہے اور خیر مسند ہے۔ تو تسمع) کی طرف خیر کی اسناد کے بارے میں آپ کیا کریں گے جبکہ تسمع بالاتفاق فعل ہے (جو مسند الیہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔) جواب: تسمع، اَن (ناصبہ) کے حذف پر محمول ہے۔ اور مراد ان تسمع ہے۔ اور جس چیز نے پہلے ان کے حذف کا جواز پیدا کیا۔ وہ دوسرے اَن کا ذکر ہے[3]۔ نیز (اس مثل میں) ایک روایت ان تسمع کی بھی ہے جس میں اصلاً اَن مذکور ہے۔ بہرحال اَن (ناصبہ) اور فعل، مصدر یعنی سماعك کے معنی میں ہے۔ لہٰذا (اس مثل میں) درحقیقت اسم ہی کی خبر دی جا رہی ہے۔ (اور اسم ہی کو مسند الیہ بنایا جا رہا ہے۔ نہ کہ فعل کو)۔

وهٰذه العَلامة هی انفع عَلامَاتِ الاسم، وبها تُعرف اسمیةُ «ما» فی قوله تعالیٰ (قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ) (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ)

---

[1] لہٰذا فعل مسند ہوا اور ضمیر متکلم مسند الیہ ہوئی۔ مسند، مسند الیہ سے مل کر جملہ ہوگیا۔
[2] تمہارا معیدی (کے حالات) کو سُننا اس کے دیدار سے بہتر ہے۔
[3] یعنی ان تسمع والا اَن جیساکہ دوسرے اَن سے مراد ان تراہ والا اَن ہے۔

الا ترى انها قد أُسنِدَ اليها الأخيريّة في الآية الاولى، والنفادُ في الآية ..... الثانية، والبقاءُ في الآية الثالثة: فلهذا أحكم بانها فيهن اسم موصولٌ بمعنى الذي، وكذلك «ما» في قوله تعالى: (إِنَّ مَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ) هي موصولة بمعنى الّذي، و (صَنَعوا) صِلة، والعائد محذوف: اى ان الّذي صنعوه، و (كيد) خبرٌ ويجوز ان تُقَدِّرَهَا موصولاً حرفيًا: فتكون هي وصلتها في تاويل المصدر، ولا تحتاج حينئذ الى تقدير عائدٍ، وليس لك ان تقدرها حرفا كافًا، مثلهُ في قوله تعالى: (إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ) لانّ ذلك يوجب نصبَ (كيد) على انه مفعولُ (صنعوا)۔

اور یہ (مسند الیہ ہونے کی) علامت اسم کی علامتوں میں سب سے زیادہ اہم اور مفید علامت ہے — اللہ تعالیٰ کے ارشاد قل ما[1] الخ اور ما عندکم[2] الخ میں ما کے اسم ہونے کی شناخت اسی علامت کے ذریعہ ہورہی ہے کیا آپکو معلوم نہیں کہ پہلی آیت میں خیریۃ (زیادہ بہتر ہونے) کی اور دوسری آیت میں نفاد (ختم ہونے) کی اور تیسری آیت میں بقاء کی اسناد اسی (ما) کی طرف کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے ان آیات میں ما کے اسم موصول ہونے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو بمعنی الّذی ہے۔

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ إِنَّ مَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ[3] میں ما بمعنی الّذی موصول اور صنعوا صلہ ہے۔ اور (موصول کی طرف) لوٹنے والی (ضمیر) محذوف ہے۔ اصل عبارت ہوگی انّ الّذی صنعوہ، (الّذی الخ مبتدا) اور کید (اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا کی) خبر ہے۔ اور تم اس (ما) کو موصول حرفی (مصدریہ) بھی مان سکتے ہو۔ اس صورت میں ما اپنے صلہ سے مل کر مصدر کے معنی میں ہوگا۔ اور اب تمہیں کسی عائد کو محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہیگی لیکن اسے (فعل کے عمل سے) روکنے والا حرف یعنی ما کافہ نہیں مان سکتے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد

---

[1] آپ فرمادیجئے کہ جو چیز خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے۔ (پ۲۸ ع ۱۲)

[2] جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائیگا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا (پ۱۴ ع ۱۹)

[3] یہ جو کچھ بنایا ہے (ان جادوگروں نے) جادوگروں کا فریب ہے۔ (پ۱۶ ع ۱۲)

(إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ) میں ہے کیونکہ ماکافہ (ماننے کی صورت میں) صَنَعُوْا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے کیْد کا منصوب ہونا ضروری ہوگا (جبکہ کَیْد مرفوع ہے)۔

ثُمَّ قلت: والفعل إِمّا ماضٍ، وهو: مَا يقبل تاء التانيث السّاكنة كقامتْ وقعدتْ ومنه نعم وبئس وعسٰى وليس، أَوْ أمرٌ، وهو: مَا دلّ على الطلب مع قبول ياء المخاطبة كقُومي، ومنه هاتِ وتعال، أَوْ مضارعٌ، وهو: مَا يقبل لَمْ كَلَمْ يقم، وافتتاحه بحرف من «نأيت» مضموم إن كان الماضي رُباعيًا كأُدحرجُ و أُجيبُ، ومفتوحٍ في غيره كأَضرِبُ وأَستَخرِجُ۔

م: فعل یا تو ماضی ہوگا۔ ماضی وہ فعل ہے جو تا رتا نیث ساکنہ کو قبول کرے جیسے قامت، قعدت اسی کی قبیل سے نعم وغیرہ ہے۔ یا امر ہوگا۔ امر وہ فعل ہے جو واحد مؤنث حاضر کی یاء کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ طلب کے مفہوم کو ظاہر کرے جیسے قومی اسی کی قبیل سے ھَاتِ اور تَعَالَ ہے۔ یا مضارع ہوگا۔ مضارع وہ فعل ہے جو لَم کو قبول کرے جیسے لَمْ یَقُم اگر ماضی رُباعی ہو تو مضارع کے شروع میں (مجموعہ) نأیتُ میں سے ایک حرف مضموم کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے اُدَحْرِجُ و اُجِیْبُ اور رُباعی کے علاوہ میں مفتوح حرف کا ہونا ضروری ہے۔ (جیسے) اَضْرِبُ اَسْتَخْرِجُ۔

واقول: انواع الفعل ثلاثة: ماضٍ، وأمرٌ، ومضارعٌ. ولكل منها علامة تدلّ عليه فعلامة الماضي تاء التانيث السّاكنة كقامت وقعدت، ومنه قول الشاعر:

(۳) أَلَمَّتْ فَحَيَّتْ ثُمَّ قَامَتْ فَوَدَّعَتْ ❊ فَلَمَّا تَوَلَّتْ كَادَتِ النَّفْسُ تَزْهَقُ

وبذلك اُستدلّ على ان «عسٰى وليس» ليسا حرفين كما قال ابن السّرّاج وثعلب في عسٰى وكما قال الفارسي في ليس، وعلى ان «نعم» ليست اسمًا كما يقول الفراء ومن وافقه بل هي افعال مَاضية: لاتصال التاء المذكورة بها، وذلك كقولك: «ليست هند ظالمة فعست ان تفلح» وقوله عليه الصّلٰوة والسّلام «من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت» وقول الشاعر:

(۴) نِعْمَتْ جَزَاءُ الْمُتَّقِينَ الْجَنَّهْ ❊ دَارُ الْأَمَانِي وَالْمُنَى وَالْمِنَّهْ

واحترزتُ بالسّاكنة عن المتحركة، فانها خاصة بالاسماء، كقائمة وقاعدة۔

ش : اقسامِ فعل تین ہیں۔ ماضی، امر اور مضارع۔ ان میں سے ہر ایک کی ایسی علامت ہے جو اس فعل کی نشاندہی کرتی ہے۔ چنانچہ ماضی کی علامت تاء تانیث ساکنہ ہے۔ جیسے قامت، قعدت، اور شاعر کا کلام المت[1] الخ۔ اسی سے عسیٰ اور لیس کے حرف نہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابن سراج اور ثعلب کی عسیٰ کے بارے میں رائے ہے۔ اور فارسی کی لیس کے بارے میں۔ نیز نعم کے اسم نہ ہونے پر (استدلال کیا گیا ہے) جیسا کہ فراء اور ان کے ہمنواؤں کا مسلک ہے۔ بلکہ یہ افعال ماضی ہیں کیونکہ ان (تینوں) میں مذکورہ تاء (تانیث ساکنہ) لگی ہوئی ہے۔ تم کہتے ہو لیست ھند[2] الخ — اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے مَنْ توضّأ[3] الخ اور ایک شاعر کا قول ہے نعمت جزاء[4] الخ اور میں نے ساکنہ کی قید سے متحرکہ سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ اسماء کے ساتھ خاص ہے جیسے قائمۃ قاعدۃ

وعلامۃُ الامر مجموعُ شیئین لابد منھما، اَحدُھما: ان یدل علی الطلب، والثانی: اَن یقبل یاءَ المخاطبۃ، کقولہ تعالیٰ: (فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا) ومنہ «ھاتِ» بکسر التاء و «تعالَ» بفتح اللام خلافًا للزمخشری فی زعمہٖ انھما من اسماء الافعالِ، ولنا انھما یدلان علی الطلب ویقبلان الیاء، تقول: «ھاتی» بکسر التاء، و «تعالَی» بفتح اللام قال الشاعر:

(۵) اِذَا قُلْتُ ھَاتِي نَوِّلِينِي[5] تَمَايَلَتْ ∗ عَلَيَّ ھَضِيمَ الْكَشْحِ رَيَّا الْمُخَلْخَلِ

والعامۃ تقول (تعالِی) بکسر اللام، وعلیہ قول بعض المحدثین:

۶ — تَعَالِي اُقَاسِمْكِ الْھُمُومَ تَعَالِي ۔ والصواب الفتح کما یقال: اَخشَی واَسعَی۔

فلو لم تدل الکلمۃ علی الطلب وقبلت یاء المخاطبۃ، نحو «تقومین وتقعدین»، او دلت علی الطلب ولم تقبل یاء المخاطبۃ نحو «نزالِ یاھند» بمعنی انزلی، فلیست بفعل امر۔

---

[1] آئی، سلام کیا، پھر اس نے الوداع کہا، اور جب واپس جانے لگی تو میری جان نکلنے لگی۔ الماَم، آنا، تحیۃ سلام کرنا، تزہق (ف) زہقًا۔ نکلنا۔ [2] بہت ظالمہ نہیں اس لئے اس کی کامیابی متوقع ہے۔

[3] جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے بھلا کام کیا۔ (ترکیب) فبھا ای اخذ بالخصلۃ الحسنۃ ونعمت ای حسنت تلک الخصلۃ (حاشیہ ترمذی ص ۱۱۱/ج ۱) [4] جنت متقیوں کا بہترین بدلہ ہے۔ جو آرزوں، تمناؤں اور غایات کا محل ہے۔ [5] قولہ نولینی: کتاب کے بعض نسخوں میں ناولینی ہے۔

اور امر کی علامت دو چیزوں کا مجموعہ ہے جس میں سے ہر ایک کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) طلب کے معنی کو بتلانا (۲) واحد مؤنث حاضر کی یاء کو قبول کرنا جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فکلی[1] الخ اسی قبیل سے ھَاتِ بکسر التاء اور تعالَ بفتح اللام ہے۔ علامہ زمخشریؒ کے برخلاف، ان کے خیال کے مطابق یہ دونوں اسماء افعال ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ دونوں طلب کے معنی کو بتلاتے ہیں اور یاء کو قبول کرتے ہیں۔ تم بولتے ہو ھَاتِي بکسر التاء۔ تعَالَیْ بفتح اللام۔ شاعر نے کہا ہے اذا قلت[2] الخ جبکہ عام لوگ تعَالِي بکسر اللام کہتے ہیں۔ اور کسی محدث[3] کا قول تعالِ[4] الخ اسی قبیل سے ہے جبکہ صحیح فتحہ ہی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اخشَی اور اسعَی۔ اور اگر کوئی کلمہ طلب پر تو نہ دلالت کرتا ہو لیکن یاء مخاطبہ (واحد مؤنث حاضر کی یاء) کو قبول کرتا ہو جیسے تقومین، تقعدین۔ یا طلب پر دلالت کرتا ہو لیکن یاء مخاطبہ کو نہ قبول کرتا ہو (تو فعل امر نہیں ہے) جیسے نزالِ یا ھِسْد جو بمعنی انزل ہے تو یہ فعل امر نہیں۔

وعَلامَةُ المضارع: ان یَقبَلَ دخولَ (لم) کقولك «لم یقم ولم یقعد» ولابُدّ من کونہ مفتتحا بحرفٍ من احرف «نأیت» نحو: «نقوم واقوم ویقوم زید، وتقوم یازید» ویجب ضمّ ھٰذہ الاحرف ان کان الماضی غیر رُباعی، سواء نقص عنھا کما مثلنا، اَوْزاد علیھا نحو: «ینطلق ویستخرج» وضمّھا ان کان رُباعیا، سَواء کانَ کلّہ اصُولًا، نحو «دحرج یدحرج» اَو واحِدٌ من احرفہ زائدًا، نحو: «اجابَ یُجیب» وذلك لان اجابَ وَزْنُہ أفعلُ، وکذا کل کلمۃٍ وجدتَ احرفھا اربعۃً لاغیر، واول تلك الاربعۃ ھمزۃ فلحکم بانھا زائدۃ، نحو: اَحمد واِصبع واِثمد، ومن امثلۃ المضارع قولہ تبارك وتعالیٰ: «لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ»

---

[1] پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ (پ۱۶ ع ۵)

[2] جب میں کہتا ہوں کہ آجا مجھ پر فیاضی کر تو وہ نازک کمر اور خوبصورت پنڈلیوں والی ناز و نخرے دکھاتی میرے پاس چلی آتی ہے۔ ھضیم پتلی کمر والی۔ کشح پہلو، کمر ج کشوح۔ ریّ خوبصورت، خوش منظر۔ مخلخل پازیب پہننے کی جگہ

[3] المحدثون بتخفیف الدّال: ھم المتاخرون من العلماء والادباء وھم خلاف المتقدمین (المعجم الوسیط)

[4] آجا اپنے غموں میں تیرا بھی حصہ لگا دوں آجا۔ پہلا مصرعہ ہے ایا جارتاما انصف الدھر بیننا۔ فاغم مخاطبہ۔

اور مضارع کی علامت یہ ہے کہ وہ دخول لَم کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے لم یقم، لم یقعد اور مضارع کا "نایت" کے حروف میں سے کسی ایک حرف سے شروع ہونا ضروری ہے۔ جیسے نقوم وغیرہ۔ اور اگر ماضی غیر رباعی[1] ہو خواہ وہ چار حروف سے کم ہو (جیسے نصر) یا زائد جیسے ینطلق، یستخرج تو (مضارع کے شروع میں آنے والے) ان حروف کا مفتوح ہونا ضروری ہے۔ اور اگر رباعی ہو تو ان کا مضموم ہونا ضروری ہے۔ خواہ رباعی کے وہ چاروں حروف اصلی ہوں جیسے دَحْرَجَ يُدَحْرِجُ یا کوئی حرف زائد ہو جیسے اَجَابَ يُجِيْبُ (میں ہمزہ) اس لئے کہ اَجَاب کا (اصل) وزن افعل ہے۔ اسی طرح جس جس کلمہ میں بھی صرف چار حروف پاؤ اور پہلا حرف ہمزہ ہو تو ہمزہ کے زائد ہونیکا فیصلہ کر دیا کرو۔ (خواہ وہ کلمہ فعل ہو یا اسم) جیسے احمد (صیغہ واحد متکلم) اصبع (انگلی) اثمد۔ سرمہ کا پتھر، مقام کا نام) اور فعل مضارع کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد لَمْ يَلِدْ[2] الخ ہے۔

"لم" حرفُ جزمٍ لنفي المضارع وقلبِه ماضيًا، تقول: "يقوم زيد" فيكون الفعل مرفوعًا لخلوه عن الناصب والجازم، ومحتملًا للحال والاستقبال، فاذا دخلتْ عليه "لم" جَزَمَتْه وقَلَبَتْه الى معنى المضى، وفى الفعل الاول ضميرٌ مستترٌ مرفوع على الفاعلية، وفى الثانى ضمير مستتر مرفوع لنيابته منابَ الفاعل، ولا ضمير فى الثالث لانه قد رفع الظاهر، وهو "احد" فانه اسم "يكن" و"كفوًا" خبرها، وجوّزوا ان يكون حالًا على انه فى الاصل صفةٌ لاحدٍ، ونعت النكرة اذا تقدم عليها انتصب على الحال، كقوله:

٧ — لِمَيَّةَ مُوحِشًا طَلَلُ ⁂ يَلُوحُ كَاَنَّهُ خِلَلُ

اصله: لمية طلل موحش، وعلى هذا فالخبر الجار والمجرور، والظاهر الاول، وعليه العمل، ففى الآية دليل على جواز الفصل بين كان ومعموليها بمعمولِ معمولِها، اذا كان ذلك المعمول ظرفًا او جارًا ومجرورًا، نحو "كان فى الدار زيد جالسًا" و"كان عندك عمرو جالسًا" وهذا مما لا اختلاف فيه۔

---

[1] یہاں سے مضارع کی علامات اربعہ (ن ا ی ت) کے اعراب سے متعلق اصول پیش فرما رہے ہیں۔
[2] نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا۔ اور کوئی اس کے برابر نہیں پ ۳۰ ع ۲۷۔

لم حرف جزم ہے۔ جو فعل مضارع کو ماضی منفی بنانے کے لئے آتا ہے۔ جیسے یقوم زید (اس میں) فعل مضارع مرفوع ہے۔ کیونکہ ناصب جازم سے خالی ہے۔ اور زمانۂ حال واستقبال (میں سے ہر ایک) کا احتمال رکھتا ہے۔ لیکن جب اس پر لَم داخل ہوجاتا ہے تو اسے ماضی کے معنی میں کرنے کے ساتھ ساتھ جزم بھی دیتا ہے۔ اور فعلِ اول (یلد) میں ضمیر پوشیدہ ہے جو فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ اور فعل ثانی (یولد) میں نائب فاعل کی ضمیر مرفوع پوشیدہ ہے۔ اور تیسرے فعل (یکن) میں کوئی ضمیر نہیں۔ کیونکہ اس نے اسم ظاہر یعنی اَحد کو رفع دیا ہے۔ اسلئے کہ وہ یکن (فعل ناقص) کا اسم اور کفوًا اس کی خبر ہے۔ نحویوں نے (کفوًا کا) حال ہونا بھی جائز قرار دیا ہے[1]۔ کیونکہ یہ دراصل احد کی صفت ہے۔ اور نکرہ کی صفت جب مقدم ہوجاتی ہے تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوجاتی ہے۔ جیسے شعر لمیّة[2] الخ (میں موحشًا) اصل عبارت لمیّة موحش طلل ہے۔ اس صورت میں جار مجرور ( ) خبر ہے۔ ظاہر پہلی (ترکیب) ہے۔ اسی پر عمل ہے۔ آیت میں کان اور کان کے دونوں معمول (یعنی اسم وخبر) کے مابین اور کان کے معمول کے معمول (یعنی متعلق خبر) کے ذریعہ فصل کے جواز کی دلیل ہے۔ جبکہ وہ معمول ظرف یا جار مجرور ہو جیسے کان فی الدَّارِ زیدٌ جالسًا، کان عندک عمرٌو جالسًا[3]۔

---

[1] خلاصہ یہ ہے کہ احد، یکن کا اسم ہے۔ اور اس کی خبر یا تو لہٗ ہے۔ اس صورت میں کفوًا، اَحد سے حال واقع ہوگا۔ یا اس کی خبر کفوًا ہے۔ اور لہٗ، کفوًا سے متعلق ہے۔

[2] میّة عورت کا نام۔ موحشًا ویران۔ طلل کھنڈرات ج اطلال۔ خلل واحد خلہ چہرہ منڈھا ہوا میان۔ میہ کے ویران کھنڈرات ایسے نظر آتے ہیں گویا وہ چمڑہ منڈھے نیام ہیں۔ طلل مبتداء ذوالحال اور موحشًا حال ہے۔ صاحب "منتہی الادب" کو اس پر اعتراض ہے کہ اصح مذہب کے مطابق جمہور کے نزدیک مبتداء کو ذوالحال بنانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی ہوتا ہے۔ اور چونکہ مبتداء کا عامل عامل معنوی (ابتداء) ضعیف عامل ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو اپنا معمول نہیں بنا سکتا ہے۔

جواب :۔ جمہور کے علی الرغم امام النحو سیبویہ کے نزدیک مبتدا کو ذوالحال بنانا جائز ہے۔ علامہ رضی وغیرہ محققین اور علماء متأخرین نے اس مذہب کو حق وصواب بتایا ہے۔ اہل عرب کے اقوال مثلاً اعجبنی عطاء الحسن مبتسمًا اور مترنی صوتُ القاری خاشعًا سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ علامہ ابن ہشام نے اسی مذہب کے مطابق شعر پیش کیا ہے۔

دلیل سیبویہ :۔ حال خبر کے مشابہ ومماثل ہوتا ہے۔ اور مذہب صحیح کے مطابق جیسے خبر اور مبتدا الگ الگ دو عوامل کے معمول ہوتے ہیں۔ اسی طرح حال اور ذوالحال بھی الگ الگ عوامل کے معمول ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا مبتدا (ذوالحال) کا عامل ابتداء کو اور حال کا عامل مبتدا کو بنا دیا جائیگا۔ اس طرح عامل ضعیف والی شکایت ختم ہوجائیگی۔ فلاقیمة للاعتراض علی مجی الحال من المبتداء۔

(دیکھئے النحو الوافی ج ۲ ص ۳۶۴، جامع الدروس ص ۸۰ ج ۳)

[3] ان مثالوں میں "فی الدار" اور "عندک" کان کی خبر یعنی جالسًا کے معمول ہیں۔ جو کان اور اس کے دونوں معمولوں کے درمیان فاصل ہیں۔ اسی طرح آیت میں لہٗ، یکن اور کفوًا احد کے درمیان فاصل ہے۔

اور (آیت سے ماخوذ) اس اصول میں کوئی اختلاف نہیں۔

ثم قلت: والحرف ما عداذالك كهل، وفي و لم - واقول يعرف الحرف بأن لايقبل شيئاً من العلامات المذكورة للاسم والفعل، وهو على ثلاثة انواع:

(۱) ما يدخل على الاسماء والافعال كهل، مثال دخولها على الاسم قوله تعالى: «فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ» ، ومثال دخولها على الفعل قوله تعالى: وَهَلْ أَتٰـكَ نَبَأُ الْخَصْمِ»

(۲) وما يختص بالاسماء كفي، في قوله تعالى وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ» -

(۳) وما يختص بالافعال كلم، في قوله تعالى: «لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ»

م: حرف اس کے علاوہ ہے جیسے ہل، فی، لم۔

ش: حرف کی پہچان یہ ہے کہ اسم وفعل کی مذکورہ علامتوں میں سے کسی علامت کو قبول نہ کرے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ حرف جو اسمار وافعال دونوں پر داخل ہو۔ جیسے ہل۔ ہل کے اسم پر دخول کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ[1] ،اور فعل پر دخول کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَهَلْ أَتٰـكَ نَبَأُ الْخَصْمِ[2] ہے۔ (۲) وہ حرف جو اسمار کے ساتھ خاص ہو جیسے فی باری تعالیٰ کے ارشاد وفي السَّمَاءِ[3] الخ میں (۳) وہ حرف جو افعال کے ساتھ خاص ہو۔ جیسے لم باری تعالیٰ کے ارشاد لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ میں۔

ثم اعلم ان المنفي بها تارةً يكون انتفاؤه منقطعاً، وتارةً يكون متصلاً بالحال، و تارةً يكون مستمراً ابداً، فالاول نحو قوله تعالى (لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَذْكُوْراً) اى ثم كان بعد ذلك، والثاني نحو: (وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيّاً) والثالث نحو: (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ)

وهنا تنبيهٌ، وهو ان القاعدة ان الواو اذا وقعت بين ياءٍ مفتوحةٍ وكسرةٍ حذفت كقولك في وَعَدَ: يَعِدُ، وَفِي وَزَنَ: يَزِنُ، وبهذا تعلم لاى شيء حذفت في (يلد) و ثبتت في (يولد)۔

---

[1] سو تم شکر کروگے بھی؟ پ۱۷ ع۶۔ [2] بھلا آپ کو اہل مقدمہ کی خبر پہونچی پ۲۳ ع ۱۱

[3] اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔ پ۲۶ ع ۱۸

اس کے بعد یہ بھی یاد رکھئے کہ (مضارع) منفی بلَم کی نفی کبھی منقطع (عارضی) ہوتی ہے[1]۔ اور کبھی نفی حال (وقت کلام) سے مربوط ہوتی ہے۔ اور کبھی دائمی وابدی۔ پہلے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد "لم یکن الخ" (قابلِ تذکرہ چیز نہ تھا) یعنی پھر اس کے بعد ہوگیا۔ دوسرے کی مثال "ولم اکن الخ[2]" اور تیسرے کی مثال "لم یلد" ہے یہاں (لم یلد ولم یولد میں) (ایک قاعدہ کی) یاددہانی کراتا ہے۔ وہ یہ کہ واؤ جب یاء مفتوحہ اور کسرہ کے درمیان واقع ہوجائے تو وہ واؤ حذف ہوجائیگا۔ جیسے وعد یعد، وزن یزن میں اس اصول سے آپ جان سکتے ہیں۔ کہ یلد میں واؤ کیوں حذف ہوا۔ اور یولد میں کیوں باقی رہا۔

ثم قلت: والکلام قول مفیـد مقصود:

واقول: للکلام معنیان: اصطلاحی ولغوی:

فامّا معناہ فی الاصطلاح فھو: القول المفیـد، وقد مضی تفسیر القول، وامّا المفیـد فھو الدّال علی معنی یحسن السکوت علیہ نحو "زیـد قائـم" و "قام اخوك" بخلاف نحو "زید" ونحو "غلام زید" ونحو "الذی قام ابوہ" فلا یسمّی شیٔ من ھٰذا مفیدًا، لانہ لایحسن السّکوت علیہ، فلا یسمّی کلامًا۔

ت: کلام مفید ومقصود بات کا نام ہے۔ ش: کلام کے دو معنی ہیں۔

(۱) اصطلاحی (۲) لغوی۔ اصطلاحی معنی ہے القول المفیـد۔ قول کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔ رہا مفید، تو وہ ایسا لفظ ہے جو اتنا مفہوم ادا کرے جس پر خاموشی درست ہو[3]۔ جیسے زیـد قائـم، قام اخوك،

---

[1] الحاصل منفی بلم کی نفی تین قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) منقطع یعنی وہ نفی جو کلام منفی بولنے سے پہلے ہی (زمانۂ ماضی میں) ختم ہوچکی ہوتی ہے۔ زمانۂ حال تک باقی نہیں رہتی ہے۔ جیسے مہینہ بھر کے بعد اگر بارش ہو تو کہتے ہیں۔ لم ینزل المطر منذ شہر، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک مہینے سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ (۲) وہ ممکن الانقطاع نفی جو زمانۂ ماضی میں منقطع نہ ہوئی ہو بلکہ زمانۂ حال تک باقی ہو جیسے لم اکن بدعائک رب شقیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک میری دعا کبھی رد نہیں ہوئی۔ (۳) ممتنع الانقطاع: یعنی جس نفی کے ختم ہونے کا امکان ہی نہ ہو جیسے لم یلد۔ معلوم ہوا کہ منفی بلم کی نفی کا تعلق صرف زمانۂ ماضی سے ہوتا ہے۔ خواہ وہ ماضی بحال سے متصل ہو یا منقطع۔ اتنی بات ضرور ہے کہ نفی کا یہ زمانۂ ماضی عموماً طویل ہوتا ہے۔ اگرچہ انقطاعِ نفی کا زمانہ طویل ومختصر دونوں ہوتا ہے۔ لیکن زمانۂ مستقبل یا متصل بالمستقبل سے اس کا تعلق نہیں ہوتا ہے۔ یعنی جس چیز کی زمانۂ مستقبل سے نفی کرنی ہو اس کو منفی بلم کے ذریعہ ذکر کرنا غلط ہے۔ لہٰذا لم اُسافر غدًا جیسے جملے بولنا صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد النحو الوافی ص ۴۱۵ ج ۴)

[2] آپ سے مانگنے میں اے میرے رب، ناکام نہیں رہا ہوں۔ پ ۱۶ ع ۴)

[3] اس کے لئے مسند ومسند الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ کسی ایک پر خاموشی درست نہیں۔

بخلاف زید[1]، غلام زید، اور الذی قام ابوہ جیسے اقوال کے کہ ان میں سے کسی کو بھی مفید نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس لئے ان پر سکوت صحیح (و مفید) نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو کلام نہیں کہا جا سکتا۔

واما معناہ فی اللغۃ فانہ یطلق علیٰ ثلاثۃ امور۔ احدھا: الحدث الذی ھو التکلیم، تقول: اعجبنی کلامک زیدًا، ای: تکلیمک ایاہ، واذا استعمل بھذا المعنیٰ عمل عمل الافعال کما فی [ھذا] المثال، وکقولھم:

۸ — قَالُوا: كَلَامُكَ هِنْدًا وَهِيَ مُصْغِيَةٌ ✻ يَشْفِيكَ؟ قُلْتُ: صَحِيحٌ ذَاكَ لَوْ كَانَا[2]

ای: تکلیمک ھندًا۔ فـ «کلامک» مبتدأ ومضاف الیہ، و «ھندا»: مفعول، وقولہ «وھو مصغیۃ» جملۃ اسمیۃ فی موضع نصب علی الحال، و «یشفیک» جملۃ فعلیۃ فی موضع رفع علیٰ انھا خبر۔

رہے اسکے لغوی معنی، تو اس کا اطلاق تین امور پر ہوتا ہے۔ پہلا لغوی معنی: معنی مصدری یعنی تکلیم (گفتگو کرنا) جیسے اعجبنی کلامک زید۔ یعنی تکلیمک ایاہ۔ (تمہارا زید سے ہم کلام ہونا مجھے پسند آیا)

(قاعدہ) لفظ کلام جب اس معنی (مصدری) میں [illegible] ہوتا ہے۔ تو (مصدر ہونے کی وجہ سے) فعل جیسا عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ اس (مذکورہ) مثال میں۔ اور [illegible] ذیل شعر قالوا الخ میں (کلامک ھندًا) تکلیمک ھندًا کے معنی میں ہے۔ لہٰذا کلامک (مضاف) مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، ھندًا (کلام کا) مفعول بہ اور ہی مصغیۃ جملہ اسمیہ حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ اور یشفیک جملہ فعلیہ (کلامک ھندًا (مبتداء کی) خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

والثانی: مافی النفس مما یعبر عنہ باللفظ المفید، وذلک کأن یقوم بنفسک معنی «قام زید» او «قعد عمرو» ونحو ذلک: فیسمی ذلک الذی تخیلتہ کلامًا، قال الاخطل:

(۹) لَا يُعْجِبَنَّكَ مِنْ خَطِيبٍ خُطْبَةٌ ✻ حَتّٰى يَكُونَ مَعَ الْكَلَامِ أَصِيلَا
إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ، وَإِنَّمَا ✻ جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيلَا

---

[1] نحو زید سے مفردات کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ نحو غلام زید سے مرکبات ناقصہ کی طرف اور نحو الذی قام ابوہ سے ان مرکبات ناقصہ کی طرف اشارہ ہے جن کا کوئی جز جملہ ہو۔

[2] لوگ پوچھتے ہیں کیا تمہاری ہند سے گفتگو تمہارے لئے باعث تسکین ہوتی ہے۔ جبکہ وہ متوجہ ہو، میں کہتا ہوں ہاں یہ صحیح ہے بشرطیکہ ایسا ہو۔

دوسرا لغوی معنی مافی الضمیر (خیالی کلام) ہے جس کا اظہار کلام لفظی مفید سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً تمہارے ذہن میں قام زید یا قعد عمرو وغیرہ کا مفہوم آئے تو اس مفہوم کو بھی کلام کہا جاتا ہے جو تمہارے خیال میں آیا۔ اخطل نے کہا ہے۔ شعر لا یعجبنّک الخ۔

والثالث: مَا تحصل به الفائدة، سَواءٌ کان لفظًا او خطًّا او اشارة او مَا نطق به لِسَانُ الحال، والدّلیل علیٰ ذلك فی الخط قول العرب: (القلم احد اللسانین) و تسمیتهم ما بَین دفتی المصحف (کلام الله) والدلیل علیه فی الاشارة قوله تعالیٰ (اٰیتُكَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا) فاستثنی الرمز من الکلام، والاصل فی الاستثناء الاتصال۔

تیسرا لغوی معنی: جس چیز سے فائدہ حاصل ہو خواہ وہ چیز لفظ ہو یا تحریر یا اشارہ یا زبانِ حال کی گفتگو، تحریر کے کلام ہونے کی دلیل عربوں کا مقولہ القلم الخ ہے۔ اور قرآن کی دونوں دفتیوں کے درمیانی (نقوش) کو کلام اللہ کہنا ہے۔ اور اشارہ کے کلام ہونے کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد اٰیتك الخ ہے کیونکہ کلام سے اشارہ کا استثناء کیا ہے۔ اور استثناء میں اصل مستثنیٰ متصل ہونا ہے۔ (اور مستثنیٰ متصل مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا اشارہ کلام میں داخل ہوا۔)

واما قوله (۱۰)

اَشَارَتْ بِطَرْفِ العَیْنِ خِیفَةَ اَهلِهَا ۔۔۔ اِشَارَةَ مَحْزُوْنٍ وَلَمْ تَتَکَلَّمِ

فَاَیْقَنْتُ اَنَّ الطَّرْفَ قَدْ قَالَ: مَرْحَبًا ۔۔۔ وَاَهْلًا وَسَهْلًا بِالْحَبِیْبِ الْمُتَیَّمِ

فانما نفی الکلام اللفظی، لا مُطلق الکلام، ولو اراد بقوله لم تتکلم، نفی غیر الکلام اللفظی لَانْتَقَضَ بقوله «فایقنتُ ان الطرف قد قال مرحبًا» لانه اَثبتَ للطرف قولًا، بعد اَن نفی الکلام، والمراد نفیُ الکلامِ اللفظی واثباتُ الکلامِ اللغوی۔

۱؎ کسی مقرر کی تقریر سے گرویدہ نہ بنائے جبتک کہ کلام (کی عمدگی) کے ساتھ وہ مقرر بھی عالی نسب نہ ہو کیونکہ کلام دل میں ہوتا ہے۔ زبان کو تو دل کا محض ترجمان بنایا گیا ہے۔ استشہاد: انسان کے دل و دماغ میں پائی جانے والی بات پر بھی کلام کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس پر ان الکلام لفی الفؤاد کی دلالت واضح ہے، یاد رہے کہ کلام نفسی ہی حقیقی کلام ہے۔ تحریر اور کلام لفظی پر اس کا اطلاق مجازا ہے۔ اور معنی حقیقی اور مجازی کے درمیان دال مدلول کا رشتہ ہے۔ (مستفاد از منتہی الارب)

۲؎ قلم بھی ایک زبان ہے۔ زبان کے ملفوظ کو کلام کہا جاتا ہے۔ لہٰذا قلم کے ملفوظ (تحریر) کو بھی کلام کہا جائیگا۔

۳؎ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکوگے بجز اشارہ کے۔ (پ۳ ع ۱۲)

اور شعر اشارت الخ میں شاعر نے صرف کلام لفظی کی نفی کی ہے۔ نہ کہ مطلق کلام کی۔ اور اگر شاعر نے اپنے قول لَمْ تَتَكَلَّمْ سے غیر کلام لفظی (کلام اشاری) کی نفی مُراد لی ہوتی تو اس کا قول (لم تتکلم، خود) اسی کے قول فایقنت الخ کے معارض ہو جاتا۔ کیونکہ شاعر نے آنکھ کے لئے کلام ثابت کیا ہے۔ جبکہ کلام کی نفی کر چکا ہے۔ شاعر کی مراد کلام لفظی کی نفی اور کلامِ لغوی کا اثبات ہے۔[1]

والدّليل عليه فيما نطق به لِسَانُ الحال قولُ نُصَيب:

۱۱۔ فَعَاجُوا فَأَثْنَوا بِالَّذِي أَنْتَ أَهْلُهُ ‏ وَلَوْ سَكَتُوا أَثْنَتْ عَلَيْكَ الحَقَائِبُ[2]

وقال الله تعالیٰ: قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ[3] ۔ فزعم قومٌ مِنَ العلماء انهما تكلمتا حقيقةً، وقال آخرون: انهما لما انقادتا لامر الله عزّ وجلّ نُزّل ذلك بمنزلة القول۔

اور گفتگو بزبان حال (کو کلام کہنے) کی دلیل نصیب کا قول فعاجوا الخ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے قَالَتَا الخ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ زمین و آسمان نے (بزبان حال نہیں بلکہ) حقیقۃً گفتگو کی ہے۔ (لیکن) دیگر بعض علماء کا کہنا ہے کہ جب زمین و آسمان اللہ کے حکم کے سامنے سرنگوں ہو گئے (گویا زبانِ حال أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ کہدیا) تو ان کی اس حالت کو کلام کا درجہ دیدیا گیا (معلوم ہوا کہ آیت میں اس بات کی شہادت ہے کہ قول کا اطلاق "گفتگو بزبان حال" پر بھی ہوتا ہے)

---

[1] اس نے اپنے گھر والوں سے ڈر کر غمگین کی طرح کن انکھیوں سے اشارہ کیا اور بات نہیں کی، لیکن میں سمجھ گیا کہ آنکھ نے فدائی عاشق کو اہلاً وسہلاً و مرحبا کہا ہے۔ یہ شعر در اصل ایک اعتراض کے طور پر لایا گیا ہے۔ اعتراض: آپ نے اشارہ کو کلام کہا۔ حالانکہ شعر میں پہلے محبوبہ کے لئے اشارہ ثابت کیا گیا۔ پھر اس سے لم تتکلم کے ذریعہ کلام کی نفی کی گئی۔ معلوم ہوا اشارہ کلام نہیں۔ و فانما الخ سے جواب ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ اشارت میں کلام اشاری (کلام لغوی) کا اثبات ہے۔ اور لم تتکلم میں کلام لفظی کی نفی ہے۔ کیونکہ اس سے کلام اشاری کی نفی مراد ہو تو لم تتکلم اور قال الطرف میں تعارض ہو جائیگا۔ کہ ایک طرف تو (لم تتکلم میں) کلام اشاری کی نفی ہو رہی ہے اور دوسری طرف آنکھ کے اشارہ کو قول قرار دیکر کلام اشاری کا اثبات کیا جا رہا ہے۔

[2] یہ لوگ متوجہ ہوئے اور آپ کی شایان شان تعریف کی، اور اگر یہ خاموش رہتے (اور مدح سرا نہ ہوتے) تو (عطیات سے بھرے) تھیلے آپ کی تعریف کرتے۔ یہ شعر سلیمان بن عبد الملک بن مروان کی تعریف میں ہے۔ محل استشہاد: اثنت عليك الحقائب ہے کہ حقائب کے لئے ثنا، (بیان محاسن) کا اثبات کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ زبان حقائب بزبان حال ہی ثنا کر سکتے ہیں۔

[3] دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ (پ ۲۴ ع ۱۶)

وفی الآیۃ شاھدٌ ثانٍ علی اعطاء صفۃِ مالا یعقل حکمَ صفۃِ مَن یعقلُ اذا نُسِبَ الیہ مَا نُسِبَ الی العقلاء، اَلاترٰی ان «طائعًا» قد جمع بالیاء والنون لِمانُسِبَ لموصوفہ القول؟

وشاھد ثالث علی ان النصب فی نحو «جاء زید رکضًا» علی الحال، وتاویل رکضًا براکضًا، لاعلی انہٗ مصدرٌ لفعل محذوف: ای یرکض رکضًا، ولا علی انہٗ مصدر للفعل المذکور خلافًا لزاعمی ذلک، ووجہ الدلیل ان «طائعین» حال وھو فی مقابلۃ (طوعًا او کرھًا) فیدل علی ان المراد طائعین او مکرھین۔

اور آیت میں غیر ذوی العقول کی صفت کو ذوی العقول کی صفت کا حکم دینے کا ایک دوسرا ثبوت ہے۔ جس وقت کہ ذوی العقول (کی جانب منسوب ہونے والی کسی صفت) کو غیر عاقل کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو۔ کیا جانتے نہیں ہو کہ طائعًا کی جمع یاء اور نون کے ساتھ لائی گئی ہے جبکہ طائعًا کے موصوف (ارض وسماء) کی جانب (ذوی العقول کی صفت) قول کا انتساب کر دیا گیا۔ اور (آیت میں) ایک تیسرا ثبوت اس بات کا ہے کہ جاء زید رکضًا جیسی ترکیب[1] میں نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور رکضًا بمعنی راکضًا ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ فعل محذوف کا فعل مطلق ہے جس کی اصل یرکض رکضًا ہوگی۔ نہ اس وجہ سے کہ فعل مذکور (جاء) کا مفعول مطلق ہے۔ یہ ان لوگوں کے علی الرغم ہے جو اس کے قائل ہیں۔ اس ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ طائعین حال ہے جو طَوْعًا وکَرْھًا کے بالمقابل ہے۔ لہٰذا یہ دلیل بنے گا اس بات پر کہ طوعًا وکرھًا سے مراد طائعین او مکرھین ہے۔

ثم قلت: وھو خبرٌ وطلبٌ وانشاءٌ۔ واقول: کما انقسمت الکلمۃ الی ثلٰثۃ انواع: اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ، کذلک انقسم الکلام الی ثلاثۃ انواع: خبر وطلب وانشاء، وضابط ذلک اَنہٗ امّا ان یحتمل التصدیق والتکذیب اَوْلا، فان احتملھما فھو

---

[1] مراد ہر وہ منصوب مصدر ہے جو فعل مذکور کے معنی میں نہ ہو جیسے قَتَلَہٗ صبرًا (حبسًا) لقیۃٗ کِفاحًا وغیرہ۔ ایسے مصدر منصوب میں تین مذاہب ہیں (۱) فعل محذوف کا مفعول مطلق (۲) فعل مذکور ہی کا مفعول مطلق (۳) مصدر بتاویل مشتق حال۔ اس تیسرے مذہب کی دلیل آیت کریمہ اِئْتِیَا طوعًا اَوْ کرھًا قالتا اَتَیْنَا طائعین میں طوعًا او کرھًا کا حال ہونا ہے۔ جو مصادر ہیں۔ اور ان کے حال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ طائعین کے بالمقابل ہیں۔ جبکہ طائعین بالاتفاق حال ہے۔ لہٰذا طوعًا اور کرھًا بھی حال ہیں۔

نوٹ: قرآن کریم اور فصحاء عرب کے کلام میں اس قسم کے حال کا بکثرت استعمال ہے جیسے یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا، یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً، اِنِّیْ دَعَوْتُھُمْ جِھَارًا، کَلَّمْتُہٗ مُشَافَھَۃً وغیرہ۔ اسی وجہ سے محققین نے اس قسم کے حال کو قیاسی مانا ہے۔ اور المجمع اللغوی کی قاہرہ کانفرنس (منعقدہ فروری سنہ ۱۹۷۱ء) نے طویل بحث وتمحیص کے بعد محققین کے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(دیکھئے حاشیہ النحو الوافی ج ۲ ص ۳۶۳، ۳۰ ط)

الخبر، نحو (قامَ زیدٌ) و (مَا قامَ زیدٌ)، وان لَمْ یحتملھمَا فإمّا ان یتأخر وجودُ معناہ عن وجود لفظہ، او یقترنا، فان تأخر عنہ فھو الطلب، نحو (اضرب) و (لا تضرب) و (ھل جَاءكَ زید) وان اقترنا فھو الانشاء، کقولك لعبدك: (انت حرٌّ) وقولك لمن اوجب لك النکاح: (قبلتُ ھٰذا النکاح)

م: کلام، خبر، طلب اور انشاء ہے۔

ش: کلمہ کی جس طرح تین قسمیں ہیں اسم، فعل اور حرف۔ اسی طرح کلام کی بھی تین قسمیں ہیں۔ خبرؔ، طلبؔ اور انشاءؔ۔ اس کی دلیل حصر یہ ہے کہ کلام یا تو تصدیق و تکذیب کا احتمال رکھے گا یا نہیں اگر ان کا احتمال ہو تو خبر ہے جیسے قامَ زیدٌ، ماقامَ زیدٌ۔ اور اگر احتمال نہ ہو تو (اس کی دو صورتیں ہیں) یا تو معنی کا ثبوت الفاظ کے ثبوت کے بعد ہوگا یا ساتھ ہوگا۔ اگر بعد میں ہو تو طلب ہے جیسے اِضْرِبْ وغیرہ، اور اگر دونوں ساتھ ہوں تو انشاء ہے جیسے آپ اپنے غلام سے کہیں اَنْتَ حُرٌّ یا اس شخص سے قبلتُ ھٰذا النکاح کہیں جس نے آپ سے ایجاب نکاح کیا۔

وھٰذا التقسیم تبعتُ فیہ بعضھم، والتحقیقُ خلافہُ، وان الکلام ینقسم الی خبر وانشاء فقط، وان الطلبَ من اقسامِ الانشاء وان مَدلول (قُمْ) حاصل عند التلفظ بہٖ لا یتأخرعنہ وانما یتأخرعنہ الامتثالُ، وھوخارج عن مَدلول اللفظ ولما اختُصَّ ھٰذا النوع بان ایجادَ لفظہٖ ایجادٌ لمعناہ سمّی انشاء، قال اللّٰہ تعالیٰ (اِنَّآ اَنْشَأْنٰھُنَّ اِنْشَآءً) ای اَوْجَدْنٰھنّ ایجادًا۔

اور میں نے اس تقسیم (ثلاثی) میں بعض لوگوں کی اقتداء کی ہے۔ اور تحقیق برخلاف ہے اور (وہ) کہ کلام کی قسمیں صرف خبر و انشاء ہیں، اور طلب انشاء ہی کی ایک قسم ہے۔ اور قُمْ کا معنی قم بولنے کے ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے۔ بعد میں نہیں۔ اس سے مؤخر اطاعت و بجا آوری ہے۔ اور وہ لفظ کے مدلول سے خارج ہے۔ اور چونکہ یہ قسم اس (کلام) کے ساتھ خاص ہو گئی (جس کا مقصد) لفظ کے ساتھ ہی ساتھ معنی کو بھی وجود میں لانا (ہوتا) ہے تو اس کا نام انشاء رکھ دیا گیا۔ (کیونکہ انشاء بمعنی ایجاد آتا ہے۔ چنانچہ) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّآ اَنْشَأْنٰھُنَّ اِنْشَآءً یعنی ہم نے ان کو وجود دیا (پیدا کیا)۔

(انّا) انّ واسمها، والاصل اِنّنا: فحذفت النون الثانية تخفيفاً (أنشأنا هنّ) فعل ماض وفاعل ومفعول، والجملة فى موضع رفع على انها خبر انّ (انشاء) مصدر مؤكد، والضمير فى (انشأناهنّ) قال قتادة: راجع الى الحور العين المذكورات قبل، وفيه بعد، لانّ تلك قصة قد انقضت جملة، وقال ابو عبيدة: عائد على غير مذكور، مثل (حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ) والذى حسّن ذلك دلالة قوله سبحانه و تعالىٰ: (وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ) على المعنى المراد (وقيل: عائد على الفرش) وانّ المراد الازواج، وهن مرفوعات على الارائك: بدليل (هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ) او مرفوعات بالفضل والجمال على نساء الدّنيا).

انّا میں) انّ (حرف مشبہ بالفعل) اور اس کا اسم ہے۔ اس کی اصل اِنّنا تھی، دوسرا نون تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔ أَنْشَأْنَاهُنَّ (میں انشأ) فعل ماضی اور (نا) فاعل اور (ھنّ) مفعول ہے (پھر پورا) جملہ خبریہ محل رفع میں ہے۔ کیونکہ انّ کی خبر ہے۔ انشاء مفعول مطلق تاکیدی ہے۔ قتادہ کا کہنا ہے کہ (انشاناھنّ کی ضمیر منصوب) حورعین[1] کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جس کا ماقبل میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن یہ مستبعد ہے۔ اس لئے کہ وہ (حورعین کا واقعہ) ایک مستقل واقعہ ہے جو (پہلے ہی) مکمل ہو چکا ہے۔ ابو عبیدہ کی رائے ہے کہ (انشاناھنّ کی ضمیر محذوف (حور) کی طرف لوٹ رہی ہے جیسے حتیٰ توارت[2] میں توارت کی ضمیر مرفوع کا مرجع "الشمس" محذوف ہے) اور جس چیز نے اس (دوسری رائے) کو مستحسن بنا دیا وہ معنی مرادی (حورعین) پر باری تعالیٰ کے ارشاد وفرش مرفوعہ، کی دلالت ہے[3]۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ (ضمیر) فرش کی جانب لوٹ رہی ہے اور (فرش سے) مراد ازواج ہیں۔ اور (ان کی صفت مرفوعہ اس لئے لائی گئی کہ) وہ مسہریوں پر بالانشین ہوں گی (یہ تاویل) باری تعالیٰ کے ارشاد ھُمْ وَاَزْوَاجُھُمْ[4] الخ کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے۔ (یا اس لئے لائی گئی کہ) وہ حسن و کمال میں دنیاوی عورتوں سے فائق ہیں۔

---

[1] حورعین کا تعلق "السابقون" سے ہے۔ اور انا انشاناھن کا تعلق اصحاب الیمین سے ہے۔ لہٰذا دونوں الگ الگ واقعات سے متعلق ہیں۔ دیکھئے سورۃ واقعہ پ۲۷)۔ [2] یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا۔ پ۲۳ ع ۱۲) [3] فرش مرفوعۃ (اونچے اونچے) فرش) کی دلالت عورتوں پر بایں طور ہے کہ فرش مرفوعہ تک جنتی عیش کا تذکرہ ہے۔ اور عیش بغیر عورتوں کے ناتمام رہتا ہے۔ گویا دلالۃً عورتوں کا تذکرہ ہو گیا۔ [4] وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (پ۲۳ ع ۵)

ثم قلت: باب۔ الإعرابُ اثرٌ ظاهرٌ او مقدَّرٌ يجلبهُ العامِلُ فی اٰخرِ الاِسمِ المُتَمَكِّنِ والفعلِ المضارعِ۔

واقول: للاعراب معنيان لغوی، وصناعی۔

فمعناه اللغوی: الإبانة، يقال «اَعربَ الرَّجلُ عمّا فی نفسِه» اذا اَبَانَ عنه، وفی الحديث «البكرُ تُستامرُ واِذنُها صِماتُها، وَالايّمُ تعربُ عن نفسها» ای تُبَيِّنُ رضاها بصريح النطقِ۔

ش: باب، اعراب وہ ظاہری یا تقدیری اثر ہے جس کو عامل اسم متمکن اور فعل مضارع کے آخر میں لاتا ہے۔
اعراب کے دو معنی ہیں۔ لغوی، اصطلاحی۔ اس کے لغوی معنی اظہار (ظاہر کرنے) کے ہیں۔ بولا جاتا ہے، اعربَ الخ جس وقت کہ اظہار ما فی الضمیر کرے اور (یہی معنی) حدیث البکر[1] الخ میں ہے یعنی ثیبہ صاف لفظوں میں اپنی رضامندی ظاہر کرے گی۔

ومعناه الاصطلاحی ما ذكرت، مثال الآثار الظاهرة الضمةُ والفتحةُ والكسرةُ فی قولك «جاء زيدٌ» و «رأيت زيدًا» و «مررت بزيدٍ» ألا ترى انها آثار ظاهرة فی آخر «زيد» جلبتها العوامل الدّاخلة عليه ـ وهی: جاء، ورأى، والباء ـ ومثال الآثار المقدَّرة ما تعتقده منويًا فی آخر نحو «الفتى» من قولك «جاء الفتى» و «رأيت الفتى» و «مررت بالفتى» فإنك تُقدر فی آخره فی المثال الاول ضمةً وفی الثانی فتحةً، وفی الثالث كسرةً۔ وتلك الحركات المقدرة اعرابٌ، كما ان الحركات الظاهرة فی آخر «زيد» إعراب۔

اصطلاحی معنی وہی ہیں جو میں نے ذکر کیے۔ ظاہری آثار کی مثال ضمہ، فتحہ اور کسرہ ہے جیسے جاء زیدٌ وغیرہ دیکھیے یہ (حرکات) زید کے آخر میں آثار ظاہرہ ہیں جنہیں ان پر داخل عوامل یعنی جاء، رأی اور باء لائے ہیں۔ اور تقدیری آثار کی مثال وہ (اعراب) ہے جس کو تم اپنے قول جاء الفتیٰ وغیرہ کے الفتیٰ[2] جیسے (کلمہ) کے آخر میں منوی

---

[1] باکرہ سے رائے لی جائیگی، اس کی اجازت خاموشی ہے۔ اور ثیبہ اپنی رائے ظاہر کرے گی۔

[2] فتیٰ جیسے سے وہ کلمات مراد ہیں جن پر تقدیری اعراب آتا ہے تفصیل کتاب کے صفحہ پر آرہی ہے

(پوشیدہ) مان رہے ہیں۔ کیونکہ آپ فتیٰ کے آخر میں پہلی مثال میں ضمہ دوسری میں فتحہ اور تیسری میں کسرہ مان رہے ہیں۔ یہ تقدیری حرکات بھی اعراب ہیں جس طرح کہ زید کے آخر میں ظاہری حرکات اعراب ہیں۔

وخرج بقولی « یجلبه العامل » نحو الضمة فی النون فی قوله تعالیٰ (فَمَنُ اُوتِیَ کِتَابَه) فی قراءة وَرُش، بنقل حرکة همزة أُوتِیَ الیٰ مَاقبلها وإسقاط الهمزة والفتحة فی دال « قَدَ افلَحَ » علیٰ قراءته ایضًا بالنقل، والکسرة فی دال « اَلحَمُدِ لِلّٰهِ » فی قراءة من اتبع الدَّالَ اللامَ، فان هٰذه الحرکات وان کانت آثارًا ظاهرة فی آخر الکلمة لکنها لم تجلبها عَوامِل دخلت علیهَا، فلیست اعرابًا، وقولی « فی آخر الکلمة » بیان لمحل الاعراب من الکلمةِ، ولیس باحتراز، اذلیسَ لنا آثار تجلبهَا العوامل فی غیر آخر الکلمةِ فیحترز عنها۔

اور یجلبه العَامِل کی قید سے (ایک تو) ورش کی قرارت کے مطابق « فَمَنُ اُوتِیَ الخ » کے نون کا ضمہ جب نکل گیا۔ جو اوتی کے ہمزہ کی حرکت مَاقبل کو دینے اور ہمزہ گرا دینے کی وجہ سے (آیا ہے اور دوسرے) ان ہی کی قرارت کے مطابق قَدَافلح کی دال کا فتحہ (بھی نکل گیا) جو نقل حرکت کی وجہ سے (آیا) ہے[1]۔ اور (تیسرے) الحمدُلِلّٰہ کی دال کا کسرہ (بھی نکل گیا) ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے دال کو لام کے تابع مانا ہے۔ اسلئے کہ اگرچہ یہ حرکتیں کلمہ کے آخر میں ظاہر ہونے والے آثار ہیں۔ لیکن ان (حرکتوں) کو وہ عوامل نہیں لائے ہیں جو ان پر داخل ہیں۔ لہٰذا وہ اعراب نہیں ہیں۔ اور میرا قول « فی آخر الکلمة » کلمہ کے محل اعراب کی وضاحت (وتعیین) ہے۔ احتراز (کے لئے) نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہمارے یہاں ایسے آثار کا وجود ہی نہیں ہے جنکو (نحوی) عوامل، کلمہ کے آخری حرف کے علاوہ (کسی اور حرف) پر لاتے ہوں کہ ان سے احتراز کیا جائے۔

فإنُ قلتَ: بلیٰ، وُجِد ذٰلك فی امرئٍ) و (ابنمٍ) اَلَاتریٰ انهمَا اذا دخل علیهمَا الرافع ضم آخرهما ومَاقبل آخرهمَا، فتقول هٰذا امرُؤٌ وابنُمٌ) واذا دخل علیهما الناصب

---

[1] ورش کا اصول ہے کہ جب کسی کلمہ کے شروع میں ہمزہ ہو اور اس سے پہلے والے کلمہ کے آخر میں حرف صحیح ساکن ہو تو ہمزہ کی حرکت ماقبل والے حرف ساکن کو دیدیتے ہیں۔ اسی ضابطہ کی روشنی میں فَمَنُ اُوتِیَ کا تلفظ « فَمَنُوتِیَ » اور قَدُ اَفلَحَ کا تلفظ قَدَفلَحَ ہوگیا ہے۔
(مستفاد الوافی فی شرح الشاطبیہ ص۵۱)

فتحهما فتقول (رأيت امرأً وابنمًا) واذا دخل عليهما الخافض كسرهما فتقول (مررتُ بامرئٍ وابنمٍ) قال الله تعالى: (إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ) مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ) (لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ)۔

اعتراض: کیوں وجود نہیں؟ یہ بات اِمری ٔ اور ابنم[1] میں بھی تو پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے جب ان پر عاملِ رافع داخل ہوتا ہے۔ تو یہ ان کے آخری حرف اور آخر سے پہلے حرف کو بھی ضمہ دیدیتا ہے جیسے هٰذَا امْرُءٌ وابنُمٌ۔ جب عامل ناصب داخل ہوتا ہے تو دونوں کو فتحہ دیدیتا ہے۔ جیسے رأیتُ اِمْرأً وابنمًا اور جب عامل جار داخل ہوتا ہے تو جر دیدیتا ہے۔ جیسے مررتُ بامرئٍ وابنمٍ۔ (چنانچہ امرء قرآن میں تینوں طرح آیا ہے) اِنِ امْرُؤٌ[2] الخ۔ مَا کَانَ[3] الخ لکلِ امرئٍ[4] الخ۔

قلتُ: اختلف اهلُ البلدين فى هٰذين الاسمين، فقال الكوفيون انهما مُعْرَبانِ من مكانين، واذا فرّعنا على قولهم فلايجوز الاحتراز عنهما، بل يجب ادخالهما فى الحد، وقال البصريون، وهو الصّواب: انّ الحركةَ الاخيرةَ هى الاعراب، وما قبلها اتباع لها، وعلى قولهم فلا يصح ادخالهما فى الحد۔

جواب: اہلِ کوفہ و بصرہ کا ان دونوں اسموں میں اختلاف ہے۔ اہلِ کوفہ کہتے ہیں کہ (ان دونوں اسموں میں) دونوں حروف محلِ اعراب ہیں۔ اور ہم اگر ان کے قول کے مطابق (ان اسماء کا) تجزیہ کریں تو ان حروف کو نہیں نکالا جا سکتا۔ بلکہ (اعراب کی) تعریف میں ان حروف کا شامل کرنا ضروری ہوگا۔ اہلِ بصرہ کی رائے ہے اور یہی صحیح ہے۔ کہ (ان اسماء میں بھی) صرف آخری (حرف کی) حرکت اعراب ہے۔ رہا ماقبلِ آخر (کا اعراب) تو آخر کے تابع ہے۔ ان کی رائے کے پیشِ نظر ان دونوں[5] (حروف) کا (اعراب کی) تعریف میں شامل کرنا درست نہیں۔

وارتفاع (امْرُؤٌ) فى الآيةِ الأولىٰ على انّه فاعلٌ بفعلٍ محذوفٍ يُفسّره الفعلُ

---

[1] لغة فى ابن ۱۲

[2] اگر کوئی شخص مر جائے۔ (پ ۶ ع ۴) [3] تمہارے باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے۔ پ ۱۶ ع ۵)

[4] ان میں سے ہر شخص کو اس دن ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ (پ ۳۰ ع ۵)

[5] حرف آخر اور ماقبل اخیر حرف۔

المذکور والتقدیر: إِنْ هَلَكَ، ولا یجوز ان یکون فاعلاً بالفعل المذکور، خلافاً للکوفیین، لان الفاعل لا یتقدم علیٰ رافعه، ولا مبتدأ خلافاً لهم وللأخفش، لان ادوات الشرط لا تدخل علی الجملة الاسمیة وانتصابه فی الآیة الثانیة لانه خبر (کان) وانجراره فی الثالثة بالاضافة۔

اور امرؤٌ کا پہلی آیت میں مرفوع ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ فعل محذوف کا فاعل ہے جس کی تفسیر فعل مذکور کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت إِنْ هَلَكَ (اِمْرُؤٌ هَلَكَ الخ) ہے لیکن یہ فعل مذکور کا فاعل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ فاعل اپنے عامل رافع سے مقدم نہیں ہوتا ہے۔ اس میں کوفیوں کا اختلاف ہے۔ اور نہ مبتداء (بن سکتا ہے) کیونکہ حروف شرط جملہ اسمیہ پر نہیں آتے ہیں۔ اس میں کوفیوں کے ساتھ اخفش کا بھی اختلاف ہے۔ اور دوسری آیت میں (امرؤ) کا منصوب ہونا اس لئے ہے کہ کانَ کی خبر ہے۔ اور تیسری آیت میں اس کا مجرور ہونا اضافت کی وجہ سے ہے۔

ثم قلت: وانواعه رفعٌ ونصبٌ فی اسم وفعلٍ کـ (زید یقوم) و (انّ زیداً لن یقومَ) وجرٌّ فی اسم کـ (بزیدٍ) وجزمٌ فی فعلٍ کـ (لم یقم) والأصلُ کونُ الرّفع بالضمةِ والنصب بالفتحةِ، والجرّ بالکسرةِ، والجزم بالسّکون۔

م: اعراب کی قسمیں رفع و نصب ہے۔ اسم و فعل (دونوں) میں جیسے زیدٌ یقومُ، اِنَّ زَیداً لَنْ یقومَ۔ اور جر ہے (صرف) اسم میں جیسے بزیدٍ اور جزم ہے (صرف) فعل میں، جیسے لَمْ یَقُمْ اور (اعراب میں) رفع کا بشکل ضمہ اور نصب کا بشکل فتحہ اور جر کا بشکل کسرہ اور جزم کا بشکل سکون ہونا اصل ہے۔

واقول: انواع الاعرابِ اَرْبَعَة، رفعٌ ونصبٌ وجرٌّ وجزمٌ وعن بعضهم ان الجزم لیس باعرابٍ، ولیس بشیءٍ، وهٰذه الاربعة تنقسم الی ثلاثةِ اقسامٍ۔ (۱) ماهو مشترك بین الاسم والفعل، وهو الرفعُ والنصبُ، مثال دخول الرفع فیهما (زید یقوم) (فزید) مرفوع بالابتداء، وعلامة رفعه الضمة ویقوم مرفوع لانه فعل مضارع خالٍ عن ناصب وجازمٍ، وعلامة رفعه ایضاً الضمة ومثال دخول النصب فیهما (انّ زیداً لن یقوم) فـ (زیداً) اسم منصوب بانّ، وعلامة نصبه الفتحة، و (یقومُ)

فعل مضارع منصوبٌ بِلَنْ وعلامة نصبه ایضًا الفتحة۔

ش: اعراب کی قسمیں چار ہیں۔ رفع، نصب، جر، اور جزم، اور بعض لوگوں سے منقول ہے کہ جزم اعراب نہیں (مگر) یہ محقق نہیں، ان چاروں کی تین قسمیں بنتی ہیں۔ (۱) وہ اعراب جو اسم و فعل دونوں میں مشترک ہے وہ رفع اور نصب ہے[۱] دونوں پر رفع کے دخول کی مثال زیدٌ یقومُ ہے کہ زید مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور علامتِ رفع ضمہ ہے۔ اور یقومُ مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ فعل مضارع ہے۔ ناصب جازم سے خالی ہے۔ اس کی علامتِ رفع بھی ضمہ ہے۔ (اسم و فعل) دونوں پر نصب کے دخول کی مثال انّ زیدًا لن یقومَ ہے کہ زیدًا اسم ہے۔ انّ کی وجہ سے منصوب ہے، اور اس کی علامت نصب فتحہ ہے۔ اور یقومَ فعل مضارع ہے۔ لن کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور اس کی علامت نصب بھی فتحہ ہے۔

(۲) ومَا هو خاص بالاسم، وهو الجرّ، نحو (بزيدٍ) فـ (زيدٍ) مجرورٌ بالباء، وعَلامة جرّه الكسرة۔ (۳) ومَا هو خاص بالفعل، وهو الجزم، نحو (لَمْ يَقُمْ) فـ (يقم) فعل مضارع مجزومٌ بِلَمْ، وعَلامة جزمه حذفُ الحركة، والاصلُ فى هٰذه الانواع الاربعة ان يُدَلَّ علىٰ رفعها بالضمة، وعلىٰ نصبها بالفتحةِ، وعلىٰ جرّها بالكسرة، وعلىٰ جزمها بالسكونِ وهو حذفُ الحركة، وقد بينت ذٰلك كلّه فى الامثلةِ المذكورة، وقال الله تعالىٰ (وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ)۔

(۲) وہ اعراب جو اسم کے ساتھ خاص ہے۔ جر ہے جیسے بزیدٍ کہ زید باء کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور علامت جر کسرہ ہے۔ (۳) وہ اعراب جو فعل کے ساتھ خاص ہو، جزم ہے جیسے لَمْ یَقُمْ کہ یَقُمْ فعل مضارع ہے لَمْ کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اور علامت جزم، حرکت کا حذف ہے۔

ان چاروں قسموں میں اصل یہ ہے کہ رفع کا اظہار ضمہ کے ذریعہ ہو۔ اور نصب کا فتحہ کے ذریعہ، جر کا کسرہ کے ذریعہ اور جزم کا سکون یعنی حرکت کے حذف کے ذریعہ۔ ہم نے ان تمام کی وضاحت مذکورہ مثالوں میں کر دی ہے۔ اور باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ الخ

---

[۱] مصنف نے معرب کے اعراب کی جو قرآنی مثال پیش کی ہے اس میں صرف تین اعراب رفع، نصب اور جر آئے ہیں۔ جزم رہ گیا لیکن۔ ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئًا مذکورا، جیسی آیات کا تذکرہ موقع کے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جن میں چاروں اعراب پائے جاتے ہیں۔

اعرابُ ذالك (لولا) حرفٌ يدلّ على امتناع شيءٍ لوجود غيرہ، تقول لولا زيدٌ لاكرمتُكَ، تريد بذلك ان الاكرام امتنع لوجود زيدٍ (دَفْعُ) مبتدأ مرفوع بالضمة واسم الله مضاف اليه، ولفظهُ مجرورٌ بالكسرة ومحلّهُ مرفوع لانهُ فاعل الدّفع (والنَّاسَ) مفعول منصوبٌ بالفتحة، والناصب له الدَّفعِ، لانهُ مصدر حالٌ محلّ أنْ والفعلِ، وكلّ مصدرٍ كان كذلك، فانهُ يعمل عمل الفعل، اى ولولا أنْ دَفَعَ اللهُ النَّاسَ، و (بعضَهُم) بدل بعض من كلّ، وهو منصوب بالفتحةِ، وخبر المبتدأ محذوف وجوبًا، وكذا كل مبتدأ وقع بعد لولا، والتقدير: ولولا دَفعُ اللهِ الناسَ موجودٌ، والمعنى لولا ان يدفع الله بعضَ الناسِ ببعض لَغَلَبَ المفسدون وبطلت مصالح الارض، و قال ابو العلاء المعرّى فى صفة السيف:

۱۲ - يُذيبُ الرُّعبُ مِنه كلّ عَضْبٍ فَلَولَا الغِمدُ يُمسِكُهُ لَسَالَا

فاثر ذكر الخبر، وهو يمسكهُ.

اس کی ترکیب (یہ ہے کہ) لَولا حرف (شرط) ہے۔ جو کسی شئ کے ہونے کی وجہ سے دوسری شئ کے نہونے کو بتلاتا ہے۔ تم ، لولا زید الخ کہہ کر یہ مراد لیتے ہو کہ ، زید کے ہونے کی وجہ سے اکرام نہوا، دفع مبتدا ہے ضمہ کے ساتھ مرفوع ہے۔ اور لفظ اللہ مضاف الیہ ہے۔ اور لفظاً کسرہ کے ساتھ مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ دفع کا فاعل ہے۔ اور الناس مفعول ہے، فتحہ کے ساتھ منصوب ہے۔ اس کو نصب دینے والا دفع ہے۔ اس لئے کہ یہ مصدر ہے۔ جو اَن اور فعل کے قائم مقام ہے۔ ہر وہ مصدر جو ایسا ہو، فعل جیسا عمل کرتا ہے۔ ، اصل عبارت ، ولولا ان دفع الخ ہوگی بعضہم (الناس کا) بدل البعض ہے۔ اور فتحہ کے ساتھ منصوب ہے۔ مبتدا، (دفع) کی خبر وجوبًا محذوف ہے۔ یہی حال ہے ہر اس مبتدا کا جو لولا کے بعد واقع ہو۔ (کہ اس کی خبر وجوبًا محذوف ہوتی ہے[1]) اصل عبارت ولولا الخ ہے۔ ترجمہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو فسادی لوگ غلبہ پا لیتے۔ اور روئے زمین کے مفادات برباد ہوجاتے۔ ابو العلاء المعرّی نے تلوار کی تعریف میں کہا ہے:۔

---

[1] هٰذا مذهب الجمهور۔

یذیبُ الخ شاعر نے خبر یعنی یمسکہ کے ذکر کو (حذف پر) ترجیح دی ہے[1]۔

ثم قلت: وخرج عن ذلك الاصل سبعة ابواب۔ احدها: مالا ینصرف، فانهٗ یُجر بالفتحة، نحو (بافضلَ منه) الّا ان اضیف او دخلته الْ نحو (بافضلِکم) و (بالافضلِ) واقول: الاصل فی علامات الاعراب ما ذکرناه، وقد خرج عن ذلك سبعة ابواب۔

م: اس اصول سے سات باب خارج ہو گئے۔ پہلا باب غیر منصرف ہے۔ کیونکہ اس کو جر بشکل فتحہ دیا جاتا ہے۔ جیسے بافضلَ منہ الّا یہ کہ اس کو مضاف بنا دیا جائے، یا اس پر الْ داخل ہو جائے۔ جیسے بافضلِکم، بالافضلِ۔

ش: اعراب کی علامات میں اصل وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ (مگر) اس (اصل) سے سات باب خارج ہیں:

البابُ الاوّل: مالا ینصرف، وحکمه انهٗ یوافق ماینصرف فی امرین۔ وهما: انهٗ یرفع بالضمة، وینصب بالفتحة، ویخالفه فی امرین وهما: انه لاینوّن، وانه یجر بالفتحة، نحو جاءنی افضل منه، ورأیت افضل منه ومررت بافضل منه، وقال الله تعالیٰ: (فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا)[3] (یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَایَشَاءُ مِنْ مَحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ)[4] (وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ)[5]

پہلا باب غیر منصرف (کا باب ہے) اس کا حکم یہ ہے کہ دو چیزوں میں منصرف کے موافق ہوتا ہے وہ یہ کہ رفع بشکل ضمہ آتا ہے۔ اور نصب بشکلِ فتحہ۔ اور دو چیزوں میں مخالف ہوتا ہے تنوین نہیں آتی۔ اور جر بشکل فتحہ آتا ہے۔ جیسے جَاءَنِیْ اَفْضَلَ مِنْهُ وغیرہ۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَحَیُّوْا الخ[3] یَعْمَلُوْنَ الخ[4] وَاَوْحَیْنَا الخ[5]۔

---

[1] اذابہ " پگھلانا۔ عضبٌ تلوار۔ اس تلوار کا رعب ہر تلوار کو پگھلا ڈالتا ہے۔ اگر نیام اس کو نہ روکے رہتا تو وہ (پگھلی ہوئی تلوار) بہ جاتی ہے۔ [2] فاثر ذکر الخبر سے مصنف نے محققین کے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ انکا مذہب یہ ہے کہ لولا کی خبر اگر صفت مطلقہ پر دلالت کرنے والے الفاظ یعنی کائن، موجود، مستقر، حاصل، ثابت میں سے کوئی ہو تو اس کا حذف واجب ہے۔ اور اگر صفات خاصہ میں سے ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خبر کے حذف کا کوئی قرینہ نہ ہو تو اس کا ذکر ضروری ہے جیسے شعر مذکور۔ اور حدیث شریف لَوْلَا قَوْمُكِ حَدِیْثُوْ عَهْدٍ بِكُفْرٍ لَبَنَیْتُ الْكَعْبَةَ عَلٰی بِنَاءِ اِبْرَاهِیْمَ میں (۲) خبر کے حذف پر کوئی قرینہ ہو تو ذکر و حذف دونوں جائز ہیں۔ جیسے لولا انصارہ لهلك بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور لولا انصارہ حَمَوْهُ لَهَلَكَ بھی۔ {مستفاد از منتہی الادب صفحہ ۲۲ و جامع الدروس صفحہ ۲ ج ۲} لہٰذا شعر میں خبر کا ذکر کرنا جمہور کے نزدیک غلط ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے یمسکہ کو غمد سے بدل اشتمال مانا ہے۔ اور خبر کو محذوف۔ تاکہ شعر جمہور کے مطابق ہو جائے۔

[3] تو تم لوگ اس سے اچھے الفاظ میں سلام کرو۔ (جواب دو) پ ۵ ع ۸۔ [4] وہ جنات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے جو ان کو منظور ہوتا، بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں۔ پ ۲۲ ع ۸۔ [5] اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب کے پاس وحی بھیجی تھی پ ۶۔

ويُستثنىٰ مِن قولنا (مالاينصرف) مَسألتانِ يُجرُّ فيهما بالكسرةِ على الاصْلِ. إحْداهُمَا: ان يضاف، والثانيه: ان تصحبه الالف واللام، تقول: مررتُ بافضل القومِ وبالْاَفْضَلِ، وقال الله تعالىٰ: (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ)

ہمارے قول مَالاینصرف سے ان دوصورتوں کا استثنار کیا جاتا ہے جن میں بر اصل کے مطابق بشکلِ کسرہ آتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ غیر منصرف مضاف ہو۔ دوسری یہ کہ اس پر الف لام لگ جائے جیسے مَرَرْتُ الخ وغیرہ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الخ

اللامُ جوابُ القسمِ السّابق فی قولهٖ تعالیٰ: (وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ) ومابعدهمَا، و(قد) لها اربعة معانٍ، وذلك انها تكون حرف تحقيقٍ، وتقريبٍ، وتقليلٍ وتوقّعٍ، فالّتي للتحقيقِ تدخلُ على الفعل المضارع نحو (قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ) اى يعلم ما انتم عليه حقاً (قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَاءِ) وعلى الماضى نحو (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ) الأية وكذا حيث جاءت (قد) بعد اللّام فهى للتحقيق۔

لام اس قسم کا جواب ہے جو (اس سے پہلے) باری تعالیٰ کے ارشاد وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ الیٰ اٰخرالأیۃ میں مذکور ہے۔ اور قد کے چار معنی آتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ قد (کبھی) حرف تحقیق (کبھی) حرف تقریب (کبھی) حرف تقلیل اور (کبھی) حرف توقع ہوتا ہے۔ پھر جو تحقیق کے لئے آتا ہے وہ مضارع پر (بھی) داخل ہوتا ہے۔ جیسے قَدْ یَعْلَمُ الخ یعنی (اللہ تعالیٰ) واقعۃً ان حالات کو جانتا ہے جن پر تم ہو۔ قد نَرٰی الخ اور ماضی پر بھی جیسے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ۔ اسی طرح جس جگہ بھی قَدْ لام کے بعد آئیگا وہ برائے تحقیق ہوگا۔

وَالّتى للتقريب تختصُّ بالماضى نحو قول المؤذن (قد قامت الصَّلٰوة) اى قد حان وقتها ولذلك يحسن وقوع الماضى موقع الحال اذا كان معه قد، كقولك: رأيت زيداً قد عزمَ على الخروج، اى عازماً عليه والّتى للتقليل تختصّ بالمضارع، كقولهم: (قَدْ يَصْدُقُ الْكَذُوْبُ) و (قد يَعْثُرُ الجوادُ) اى رُبّما صدق الكذوبُ ورُبّما عثر الجواد

سلہ اور ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے پ ع ۲۰

سلہ ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف (واقعۃً) اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ پ ع ۱

اور جو قد تقریب (ماضی کو حال سے قریب کرنے) کے لئے آتا ہے وہ ماضی کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ جیسے مؤذن کا قول قد قامت الصلٰوۃ یعنی نماز کا وقت قریب ہوگیا۔ اسی وجہ سے جب ماضی کے ساتھ قد لگا ہوا) ہو تو حال کی جگہ پر اس کا آنا (ماضی کا حال بننا) صحیح ہوجاتا ہے۔ جیسے رأیت زیدًا قد عزم علی الخروج (حال ہونے کی وجہ سے) بمعنی عَازِمًا عَلَیْہِ ہے۔ اور جو قد تقلیل کے لئے آتا ہے وہ مضارع کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے قد یصدق الکذوبُ یعنی کبھی جھوٹا بھی سچ بول جاتا ہے۔ قَدْ یَعْثُرُ الْجَوَادُ کبھی عمدہ گھوڑا بھی پھسل جاتا ہے۔

والتی للتوقع تختص بالماضی، قال سیبویہ: واما (قد فعل) فجواب (ھل فعل)، لان السائل ینتظر الجواب: ای یتوقعہ، وقال خلیل، ھٰذا الکلام لقوم ینتظرون الخبر، یرید ان الانسان اذا سأل عن فعلٍ او عُلِمَ انہٗ یتوقع ان یخبر بہ قیل: قد فعل، واذا کان الخبر مبتدأ قال فعل کذا وکذا، ولم یأت بقد، فاعرفہ۔

اور جو قد توقع (وامید) کے لئے آتا ہے وہ ماضی کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ سیبویہ نے فرمایا: قد فعل، ھل فعل کا جواب ہے۔ کیونکہ سائل جواب کا منتظر اور امیدوار رہتا ہے۔ خلیل نے فرمایا یہ گفتگو ایسے لوگوں سے ہے جو خبر کے منتظر ہوں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی فعل کے بارے میں (یا تو) سوال کرے یا (کسی کے بارے میں) معلوم ہو کہ وہ اس (فعل) کی خبر کا منتظر (وامیدوار ہے) تو کہا جائیگا قد فعل اور جب خبر ابتدائی (مستقل اور بلا سوال اور بلا انتظار کے) ہو تو فعل کذا وکذا کہتے ہیں اور قد نہیں لاتے۔ اسے سمجھ لو۔

ثم قلت: الثانی مَاجُمِعَ بِأَلِفٍ وتاء مزیدتین کـ(ھندات) فانہٗ ینصب بالکسرۃ نحو (خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ)(فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ) بخلاف نحو (وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا) ورأیتُ قضاۃً، وأُلحق بہ (أُولاتٌ) واقول: الباب الثانی مما خرج عن الاصل: ماجُمِعَ بِأَلِفٍ وتاء مزیدتین، سواء کان جمعًا للمؤنث نحو (ھِندَات) و (زَیْنَبَات) او جمعًا للمذکر نحو "اِصْطَبْلَات" و "حَمَّامَات" وسواء کان سَالمًا کما مثلنا، اَوْ ذا تغیّر کـ(سجَدات) بفتح الجیم، و "غرفات" بضم الراء وفتحھا، و "سِدِرات" بکسر الدال وفتحھا،

م: دوسرا (باب) وہ اسم ہے جو الف تاء زائدتین کے ساتھ جمع لایا گیا ہو جیسے ھندات

اس لئے کہ یہ کسرہ کے ساتھ منصوب ہوتا ہے۔ جیسے خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ، فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ۔ برخلاف وکنتم اَمْوَاتًا اور رأیتُ قضاۃ کے۔ اور اسی کیساتھ اُولَات کو لاحق کیا گیا ہے۔

ش :- دوسرا باب جو اصل سے مستثنیٰ ہے۔ وہ (جمع) ہے۔ جس کو الف تار زائدتین کے ساتھ جمع بنایا گیا ہو۔ خواہ وہ مؤنث کی جمع ہو جیسے ھندات . زینبات۔ یا مذکر کی جمع ہو جیسے (اصطبل کی جمع) اصطبلات، اور (حمّام غسلخانہ کی جمع) حَمَّامَات، اور خواہ وہ جمع سالم ہو جیسا کہ ہم نے مثال دی، یا متغیر (مکسر) ہو جیسے (سَجْدَۃ کی جمع) سَجَدَات جیم کے فتحہ کے ساتھ، اور (غُرْفَۃٌ چلو بھر چیز کی جمع) غُرُفَاتٌ راء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔ اور (سِدرۃ بیری کا درخت کی جمع) سِدِرَات دال کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ۔

فھٰذہ کلّھا تُرفَع بالضمۃ وتُجرّ بالکسرۃ علی الاصلِ، وتُنصبُ بالکسرۃ علی خلاف الاصلِ، تقول: (جاءتِ الھنداتُ) و(مررتُ بالھنداتِ) و(رأیتُ الھنداتِ) و(خلقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ) (خلقَ) فعل ماضٍ و(اللّٰہُ) فاعل و(السَّمٰوٰتِ) مفعول بہٖ، والمفعول منصوبٌ، وعَلَامَۃُ النصبِ الکسرۃ نیابۃً عن الفتحۃ، وقال اللّٰہُ تعالیٰ (لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ)[1]۔ (کَذٰلِکَ یُرِیْھِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ حَسَرَاتٍ عَلَیْھِمْ)[2] (اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ)[3] ونظائر ذلک کثیرۃ۔

ان تمام (اسماء) کو اصل کے مطابق رفع بشکلِ ضمہ، جر بشکلِ کسرہ دیا جاتا ہے۔ اور نصب بشکلِ کسرہ خلافِ اصل دیا جاتا ہے۔ جیسے جاءَ الھندات وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خَلَقَ الخ۔ خَلَقَ فعل ماضی ہے، اللّٰہ فاعل اور السَّمٰوٰتِ مفعول بہٖ ہے۔ اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔ اور علامتِ نصب فتحہ کے بجائے کسرہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تتبعوا الخ کذلک الخ ان الحسنات الخ اس کی نظیریں بہت ہیں۔

وَاُلْحِقَ بھٰذا الجمع (اُولَات) فینصبُ بالکسرۃ نیابۃً عن الفتحۃ، وان لم یکن جمعا، وانما ھو اسم جمعٍ، لانّہ لا واحد لہٗ من لفظہٖ، حُمِلَ علی جمع المؤنث کما حُمِلَ (اُولُو)

---

[1] شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔ پ۲ ع۴۔ [2] اللہ تعالیٰ یونہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کر کے ان کو دکھلا دیں گے (پ۲ ع۴)
[3] بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں بُرے کاموں کو۔ پ۱۲ ع۱۰) [4] پھر متفرق طور پر نکلو۔ پ۵ ع۷۔

علیٰ جمع المذکر کما سیأتی، قال اللہ تعالیٰ: (وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ) (کنّ) کان واسمها و (اولات) خبرھا وعلامۃ نصبہ الکسرۃ۔

اس جمع کے ساتھ اُولَاتِ کو بھی لاحق کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ بھی بجائے فتحہ کے بشکل کسرہ منصوب ہوتا ہے۔ اگرچہ حقیقۃً یہ جمع نہیں (بلکہ) اسم جمع[1] ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی واحد لفظی نہیں ہے۔ جمع مؤنث پر محمول کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ اولو جمع مذکر پر محمول کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ كُنَّ الخ[2] کُنَّ (میں) کان اور اس کا اسم ہے۔ اور اولات اس کی خبر ہے۔ اس کی علامت نصب کسرہ ہے۔

ثم قلت: الثالث (ذو) بمعنی صاحب وما اضیف لغیر الیاء من (اب) و (اخ) و (حم) و (هن) و (فم) بغیر میم، فانها تعرب بالواو والالف والیاء، واقول: الباب الثالث مما خرج عن الاصل۔ الاسماء الستۃ المعتلۃ المضافۃ الی غیر یاء المتکلم، فانها ترفع بالواو نیابۃ عن الضمۃ، وتنصب بالالف نیابۃ عن الفتحۃ، وتختص بالیاء نیابۃ عن الکسرۃ۔

م: تیسرا باب: ذو ہے جو بمعنی صاحب ہوتا ہے۔ اور وہ اسماء ہیں جو یاء متکلم کے علاوہ کسی دوسرے اسم کی طرف مضاف ہوں۔ جیسے اب، اخ، حم، ھن اور فم بغیر میم کے (ف) ان کو واو، الف اور یاء کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے۔

ش: تیسرا باب جو اصل سے مستثنیٰ ہے۔ وہ اسماء ستہ ہیں جو معتل ہوں اور یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں۔ تو ان کو رفع ضمہ کے بجائے واؤ کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اور نصب، فتحہ کے بجائے الف کے ساتھ، اور جر، کسرہ کے بجائے یاء کے ساتھ دیا جاتا ہے۔

وشرط الاوّل منها۔ وهو ذو۔ ان یکون بمعنی صاحب تقول: (جاءنی ذو مالٍ) ورأیت ذا مالٍ) و (مررت بذی مالٍ) قال اللہ تعالیٰ: (وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ) وقال تعالیٰ: (اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ) وقال تعالیٰ (اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ) فوقع (ذو) فی الاوّل خبرًا لانّ فرفع بالواو، وفی الثانی خبرًا لکان فنصب بالالف، وفی الثالث صفۃ لظلّ فجرّ بالیاء، لانّ الصفۃ تتبع الموصوف۔

---

[1] اسم جمع وہ اسم ہے جس میں جمع کا مفہوم پایا جاتا ہو۔ اور اس کا کوئی واحد لفظی نہ ہو۔ (جامع الدروس صفحہ ۶۲/ج۲)

[2] اگر وہ حمل والیاں ہوں۔ (پ ۲۸ ع ۱۷)

ان میں سے پہلے یعنی ذُو کی شرط یہ ہے کہ وہ صاحب (والا) کے معنی میں ہو۔ مثلاً جَاءَ نِی ذومَالٍ وغیرہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْمَغْفِرَةٍ[1]، اَنْ کَانَ ذَامَالٍ[2] اور اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ[3] چنانچہ پہلی آیت میں ذُوْ انّ کی خبر واقع ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے واوٗ کے ساتھ رفع دیا گیا۔ اور دوسری آیت میں کان کی خبر بن رہا ہے۔ اسی وجہ سے الف کے ساتھ نصب دیا گیا۔ اور تیسری آیت میں ظِلٍّ کی صفت بن رہا ہے۔ اسی وجہ سے یاء کے ساتھ جر دیا گیا۔ کیونکہ صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔

واذا لم یکن (ذو) بمعنی صَاحب کان بمعنی الَّذِی، وکان مَبْنِیًّا علی سکون الواو، تقول (جَاءَنی ذو قَام) و (رأیت ذو قام) و (مررتُ بذو قام) وھی لغۃ طیّ، علی ان منھم من یجریھا مجری الّتی بمعنی صَاحب فیعربھا بالواوِ والالفِ والیاءِ، فیقول: جاءنی ذوقامَ، و رأیت ذاقام، و مررتُ بذِی قام، الّا ان ذالك شاذٌ، والمشھور مَاقدّمناہ، وسُمِعَ من کلامھم، لا وَذُو فِی السَّمَاء عرشُہ، فذو: موصُولۃ بمعنی الّذِی، وَمابعدھا صِلۃٌ، فلو کانت معربۃ لجرّتْ بواو القسم۔

اور جب ذُو بمعنی صاحب نہ ہو تو وہ بمعنی الّذی ہوگا۔ اور واوٗ کے سکون پر مبنی ہوگا۔ جیسے جَاءَنی ذوقام وغیرہ۔ اور یہ بنی طیّ کی لغت ہے۔ مگر ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو اِس کو اُس ذُو کے قائم مقام مانتے ہیں جو بمعنی صاحب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس کو واوٗ، الف اور یاء کے ساتھ اعراب دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں جَاءنی ذوقام وغیرہ۔ لیکن یہ شاذ ہے۔ مشہور وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔ نیز اہل عرب کے کلام میں (لاوذوفی السماء[4]) سنا گیا ہے۔ ذُو اسم موصول (یہاں) بمعنی الّذی ہے۔ اس کے بعد والا (جملہ) صلہ ہے۔ اگر ذُو معرب ہوتا تو واوٗ قسم کی وجہ سے مجرور (لاوذی) ہوتا۔

والخمسۃُ الباقیۃُ شرطھا ان تکون مضافۃ الی غیر یاء المتکلم، کقولہ تعالیٰ: وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ) وقولہٗ تعالیٰ: (اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ) وقولہٗ تعالیٰ (اِرْجِعُوْا اِلٰی اَبِیْکُمْ) فوقعَ الاَبُ فِی الآیۃِ الاولٰی مرفوعًا بالابتداءِ، وفی الآیۃِ الثانیۃِ منصوبًا بِاِنَّ، وفی الآیۃِ الثالثۃ

---

[1] آپ کا رب بڑی مغفرت والا ہے (پ ۱۳ ع ۱۱) [2] اس سبب سے کہ وہ مال والا ہو۔ (پ ۲۹ ع ۲)۔
[3] ایک سائبان کی طرف (چلو) جس کی تین شاخیں ہیں۔ (پ ۲۹ ع ۲۱)
[4] اس ذات کی قسم جس کا عرش آسمان پر ہے۔ لا زائدہ ہے، منشا، قول مشہور کی تائید ہے۔

مخفوضاً بالیاء، وھو فی جمیع ذلك مضاف إلی غیر الیاء، فلھذا اعرب بالواو والالف والیاء وکذلك القول فی الباقی۔

باقی پانچوں کی شرط یہ ہے کہ یاء متکلم کے علاوہ (کسی اسم) کی طرف مضاف ہوں، جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وابونا[1] الخ اِنَّ اَبَانَا[2] الخ اور ارجعوا[3] الخ چنانچہ پہلی آیت میں اَب مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور دوسری آیت میں اِنّ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور تیسری آیت میں اِلیٰ کی وجہ سے مجرور ہے۔ نیز یہ تمام (صورتوں) میں یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہے۔ اسی وجہ سے اس کو واؤ، الف اور یاء کے ساتھ اعراب دیا گیا۔ یہی بات باقی (تمام اسماء) میں ہے۔

ولو اضیفت ھذہ الاسماء إلی یاء المتکلم کسرت أواخرھا لمناسبة الیاء وکان اعرابھا بحرکات مقدرة قبل الیاء، تقول (ھذا ابی) و (رأیتُ ابی) و (مررتُ بابی) فتقدر حرکات الاعراب قبل یاء المتکلم، کما تفعل ذلك فی نحو غلامی۔

اور اگر ان اسماء کی اضافت یاء متکلم کی جانب کی جائے تو یاء کی مناسبت کی وجہ سے ان کے آخر کو کسرہ دیا جائیگا۔ اور اعرابی حرکات یاء متکلم سے پہلے تقدیری ہوں گی۔ جیسا کہ تم غلامی جیسے میں یہی کرتے ہو۔

وقد تکون فی الموضع الواحد محتملة لوجھین او اوجہ، فالاول کقولہ تعالیٰ: (اِنَّ ھٰذَا اَخِی لَہٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً) فیحتمل (اخی) وجھین، احدھما: ان یکون بدلاً من (ھذا) فیکون منصوبًا، لانّ البدل یتبع المبدل منه، فکانه قال: انّ اخی، والثانی: ان یکون خبرًا، فیکون مرفوعًا، وجملة (لہٗ تسعٌ وتسعون نعجةً) خبرثانٍ علی الوجه الثانی، وھو الخبر علی الوجه الاول۔

اور کبھی اسماء ستہ ایک ہی جگہ پر دو یا زائد وجوہ کا احتمال رکھتے ہیں۔ پہلی صورت (جو دو وجوں کا احتمال رکھتی ہے) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ ھٰذَا[4] الخ کہ (لفظ) اخی دو صورتوں کا احتمال رکھتا ہے، اول یہ کہ اخی، ہٰذا سے بدل ہو تو منصوب ہوگا۔ کیونکہ بدل، مبدل منہ کے تابع ہوتا ہے۔ گویا کہ اِنَّ اَخِی کہا، دوم یہ کہ (اِنَّ کی) خبر ہو تو مرفوع ہوگا، اور جملہ ۔ لَہٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً، دوسری صورت

---

[1] اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ پ۲۰ع۶) [2] واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی میں ہیں، پ۱۲ع۱۱)
[3] تم واپس اپنے باپ کے پاس جاؤ۔ پ۱۳ع۴) [4] یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں۔ پ۲۳ع۱۱)

میں (اِنّ کی) خبر ثانی ہے۔ جبکہ پہلی صورت میں اِنّ کی یہی خبر ہے۔

والثانی کقوله تعالیٰ: (رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ) فیحتمل (اخی) ثلاثة اوجهٍ احدها ان یکون مرفوعًا، وذلك من ثلاثة اوجهٍ: احدها ان یکون عطفًا علی الضمیر فی (املك) ذکره الزمخشری، وفیه نظر، لانّ المضارع المبدوء بالهمزة لا یرفع الاسم الظاهر، لاتقول (اقوم زیدٌ) فکذلك لایعطفُ الاسمُ الظاهرُ علی الاسم المرفوع به۔

دوسری صورت (جو متعدد وجوہ کا احتمال رکھتی ہے) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے رَبِّ اِنِّیْ[1] الخ چنانچہ اخی تین وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ اول یہ کہ مرفوع ہو۔ اور یہ تین وجہوں سے ہو سکتا ہے۔ نمبر ایک یہ کہ اَمْلِكُ کی ضمیر (اَنَا) پر اس کا عطف ہو۔ اس کو زمخشریؒ نے ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں تردد ہے۔ کیونکہ وہ مضارع جس کے شروع میں ہمزہ ہوتا ہے (یعنی صیغہ واحد متکلم) اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا۔ آپ اقوم زیدٌ نہیں کہہ سکتے۔ اور اسی طرح اسم ظاہر کا عطف اس اسم (ضمیر) پر نہیں کیا جا سکتا۔ جو اس (صیغہ واحد متکلم) کی وجہ سے مرفوع ہو۔

فان قلت: وایضًا فکیف یعطف علی الضمیر المرفوع المتصل ولم یُوجد تاکید کما فی قوله تعالیٰ[2] (لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)؟ قلت: الفصل بین المعطوف والمعطوف علیه یقوم مقام التاکید۔

اعتراض: نیز (املك کی) ضمیر مرفوع متصل پر کیسے عطف کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ کوئی تاکید بھی نہیں پائی گئی۔ جیسے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد لَقَدْ كُنْتُمْ الخ میں (ضمیر اَنْتُمْ کے ذریعہ) پائی جاتی ہے۔

جواب: معطوف و معطوف علیہ کے درمیان فصل (بالاجنبی) بھی تاکید کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

الثانی: ان یکون عطفًا علی محلِّ اِنّ واسمها، والتقدیر: واخی کذلك، والثالث: ان یکون مبتدأً حُذِفَ خبرهُ، والتقدیر: واخی کذلك، والفرق بین الوجهین ان المعطوف فی الوجه الثانی مفردان علی مفردین کما تقول: انّ زیدًا منطلق وعمرًا ذاهبٌ، وفی الوجه الثالث جملة علی جملة کما تقول: ان زیدًا منطلق وعمروٌ ذاهبٌ۔

---

[1] اے میرے پروردگار اپنی جان اور اپنے بھائی پر البتہ اختیار رکھتا ہوں۔ پ۶ ع۸)

[2] بے شک تم اور تمہارے باپ دادے صریح غلطی میں ہو۔ پ۱۷ ع۵

نمبر دو یہ کہ إنّ اور اس کے اسم (۵) ایکے محل پر عطف (ہونیکی وجہ سے مرفوع) ہو اصل عبارت ہوگی: وَاَخِي کذلك ـ نمبر تین یہ کہ مبتداء ہو جس کی خبر حذف کردی گئی ہو۔ اصل عبارت ہوگی: واخي کذلك ، فرق دونوں صورتوں میں یہ ہوگا کہ معطوف دوسری صورت میں دو مفرد ہیں (جن کا عطف ہو رہا ہے) دو مفردوں پر جیسے انَّ زیداً الخ۔ اور تیسری صورت میں جملہ کا عطف جملہ پر ہو رہا ہے۔ جیسے ان زیداً الخ۔

الثانی ان یکون منصوبًا، وذلك من وجهين، اَحَدُهمَا: ان یکون معطوفًا علیٰ اسم (انّ) والثانی: ان یکون معطوفًا علیٰ (نفسی)، والثالث: ان یکون مخفوضًا، وذلك من وجهٍ واحدٍ، وهو ان یکون معطوفًا علی الیاءِ المخفوضة باضافةِ النفس، وهذا الوجه لایجیزه جمهور البصریین، لانّ فیه العطف علی الضمیر المخفوض من غیر اعادة الخافض۔

دوم یہ کہ (اخی) منصوب ہو۔ یہ دو وجہوں سے ہو سکتا ہے۔ نمبر ایک یہ کہ انّ کے اسم پر معطوف ہو۔ نمبر دو یہ کہ نفسی پر معطوف ہو۔ سوم یہ کہ مجرور ہو۔ یہ ایک ہی وجہ سے ہے کہ یہ اس یاء پر عطف ہے جو نفس کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ اس صورت کو جمہور بصریین ناجائز کہتے ہیں[1] کیونکہ اس صورت میں ضمیر مجرور پر بغیر اعادۂ جار کے عطف پایا جا رہا ہے۔

ثم قلت: والافصحُ فی الهنِ النقصُ، واقول: الهنُ یُخالفُ الاَبَ، والاَخَ، والحمَ من جهةِ انَّها اذا أُفرِدتْ نَقَصَتْ اَواخِرُهَا وصارت علی حرفین واذا اضیفت تمت فصارت علی ثلثةِ احرفٍ تقول: هٰذا ابٌ بحذف اللامِ، واصلهُ (اَبَوٌ) فاذا اضفته قلت: هٰذا ابوك، وکذا الباقی واما (الهنُ) فاذا استعمل مفردًا نقص، واذا اضیف بقی فی اللغة الفصحیٰ علی نقصه، تقول: هٰذا هنٌ، وهٰذا هنُك، فیکون فی الافراد والاضافة علی حد سواء۔ ومن العرب من یستعمله تامًا فی حالة الاضافة، فیقول: هٰذا هنوك، ورایتُ هَنَاكَ، ومررتُ بهَنِیك، وهی لغة قلیلة، ولقلتها لم یطلع علیها الفراء ولا ابوالقاسم الزّجاجی: فادّعیا انّ الاسماء المعربة بالحروف خمسة لا ستة۔

---

[1] کوفیین اور ابن مالکؒ نے اس طرح کے عطف کو جائز قرار دیا ہے۔ دلیل حمزہؒ کی قرارت کے مطابق آیت کریمہ واتّقوا اللّٰه الّذی تساءلونَ به والارحامِ (میم کے جر کے ساتھ) ہے کہ یہیں الارحام کا عطف بہ کی ضمیر مجرور پر بغیر اعادۂ جار کے ہو رہا ہے۔ جبکہ بصریینؒ کا کہنا ہے کہ بہ کے بار کی وجہ سے نہیں بلکہ بار مقدرہ کی وجہ سے مجرور ہے۔
(مستفاد از بیان القرآن ص ۱۸/۲ و منتہی الارب ص ۴۳)

م: ھَنٌ (یعنی چیز یا ایسی چیز جس کا تذکرہ قبیح سمجھا جاتا ہو) میں زیادہ فصیح ناقص[1] ہونا ہے۔

ش: ھَنٌ مختلف ہے ابٌ، اخٌ اور حمٌ سے۔ اس اعتبار سے کہ (یہ کلمات) جب مفرد (غیر مضاف) ہوتے ہیں تو ان کے آخری حروف گر جاتے ہیں۔ اور وہ (گھٹ کر) دوحرفی رہ جاتے ہیں۔ اور جب ان کو مضاف کر دیا جاتا ہے تو پورے ہو کر سہ حرفی ہو جاتے ہیں۔ تم (غیر مضاف ہونے کی صورت میں) لام کلمہ کو حذف کرکے کہتے ہو: ھٰذَا اَبٌ، اس کی اصل اَبَوٌ ہے۔ اور جب اُسے مضاف بناؤ گے تو ، ھٰذَا اَبُوكَ ، کہو گے۔ بقیہ (کلمات، اَخٌ وغیرہ) کا یہی حال ہے۔ لیکن (ھَنٌ) جب مفرد (غیر مضاف) ہو کر استعمال ہوتا ہے تو ناقص رہ جاتا ہے۔ اور جب اس کی اضافت کی جاتی ہے تو بھی فصیح لغت کے مطابق نقص پر باقی رہتا ہے۔ جیسے ھٰذَا ھَنٌ، ھٰذَا ھَنُكَ۔ لہٰذا (ھَنٌ) مفرد اور مضاف ہونے (کی صورتوں) میں، یکساں رہے گا۔ اور بعض عرب اس کو بحالتِ اضافت کامل استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ھٰذَا ھَنُوْكَ وغیرہ۔ یہ قلیل الاستعمال لغت ہے۔ اس کے قلتِ استعمال ہی کی بنا پر نہ تو فراء اس پر مطلع ہو سکے اور نہ ابوالقاسم الزجاجی۔ اسی وجہ سے انہوں نے دعویٰ کیا کہ اعراب بالحرف قبول کرنے والے اسماء چھ نہیں پانچ ہیں۔

واعلم انّ لغۃ النقص مع کونھا اکثر استعمالاً ھی افصحُ قیاساً، وذلک لانّ ما کان ناقصًا فی الافراد فحقّہٗ ان یبقیٰ علیٰ نقصہٖ فی الاضافۃِ۔ وذلک نحو، یَدٍ، اَصْلُھَا یَدَیٌ فحذفوا لامَھَا فی الافرادِ وھی الیاءُ، وجعلوا الاعرابَ علیٰ مَا قبلھا فقالوا: ھٰذہ یدٌ، ثم لما اضافوھا اَبقوھا محذوفۃ اللَّامِ، قال اللہ تعالیٰ: (یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ) وقال اللہ تعالیٰ: (لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ) وقال اللہ تعالیٰ: (وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا)۔

یاد رکھئے کہ نقص والی لغت کثیر الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ از روئے قیاس (بھی) زیادہ فصیح ہے۔ کیونکہ جو لفظ مفرد (غیر مضاف) ہونے کی صورت میں ناقص ہو اسے مضاف ہونے کی صورت میں (بھی) نقص کی حالت پر باقی رہنا چاہئے۔ جیسے یَدٌ جس کی اصل یَدَیٌ تھی۔ اس کے لام کلمہ یعنی یاء کو مفرد (غیر مضاف) ہونے کی صورت میں حذف کر دیا۔ اور اعراب اس کے ماقبل (دال) پر جاری کرنے لگے۔ چنانچہ کہتے ہیں ھٰذِہٖ یَدٌ پھر جب اس کو مضاف (کرکے استعمال کیا) تو (حسب سابق) محذوف اللّام (حذفِ لام کی حالت میں) باقی رکھا۔ جیسے (ارشادِ ربانی ہے یَدُ[2] اللہ الخ

---

[1] ناقص ہونے سے ھن کے آخری حرف (واؤ) کا حذف ہونا مراد ہے [2] اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پ۲۶ ع ۹

اور لَئِنْ بَسَطْتَ[1] الخ اور خُذْ[2] الخ

فَاَمَّا الْاٰيَةُ الاولیٰ فـ(يَدُ) فيهامبتدأٌ مرفوعٌ بالضَّمة، و(الله) مضاف اليه مخفوضٌ بالكسرة، و(فوق) ظرفُ مكانٍ منصوبٌ بالفتحةِ، وهومتعلّق بمحذوفٍ هوالخبرُ: اى كائنةٌ فوق ايديهم، و(ايديهم) مضافٌ ومضافٌ اليه، ورجعت الياءُ الّتى كانت فى المفرد محذوفةً لانّ التكسيرَ يردُّ الاشياءَ الى اصُولِها.

بہرحال پہلی آیت تو ید اس میں مبتدا، اور مرفوع بالضم ہے۔ اللہ مضاف الیہ ومجرور بالکسر ہے۔ فوق ظرف مکان ومنصوب بالفتح ہے۔ جو محذوف یعنی خبر سے متعلق ہے۔ اصل عبارت کائنۃ فوق اَیْدِیْھِمْ ہے۔ اور اَیْدِیْھِمْ مضاف ومضاف الیہ (سے مل کر فوق کا مضاف الیہ) ہے۔ (اَیْدِیْھِمْ میں) وہ یا جو مفرد میں محذوف تھی اس لئے واپس آگئی کہ جمع تکسیر اشیاء (الفاظ) کو انکی اصل کی طرف واپس کر دیتی ہے۔

وَاَمَّا الْاٰيَةُ الثّانيةُ فاللّامُ دالّةٌ على قسمٍ مقدّرٍ: اى والله لَئِنْ، وتُسمّى اللّامَ المُؤذِنَةَ والموطِّئَةَ، لِاَنّها أذنت بالقسم ووَطّأت الجوابَ لهُ.

و(اِنْ) حرفُ شرطٍ، و(بَسَطْتَ) فعلٌ ماضٍ وفاعلٌ، و(اِلَىّ) جارٌ ومجرورٌ متعلّقٌ بِبَسَطْتَ، و(يَدَكَ) مفعولٌ بهٖ ومضاف اليه، و اللّامُ من (لتقتلنى) لامُ التعليلِ، وهى حرف جرٍّ، والفعل منصوبٌ بأنْ مضمرةٍ بعدَها جوازًا، لا بِها نفسِها خلافًا للكوفيّين، وأنْ المضمرةُ والفعلُ فى تأويلِ مصدرٍ مخفوضٍ باللّامِ: اى للقتلِ، و(ما) نافيةٌ، و(انا) اسمها ان قُدّرتْ حجازيةً وهوالظاهر، ومبتدأٌ انْ قدرتْ تميميةً والباءُ زائدةٌ فلا تتعلّق بشىءٍ، وكذا جميع حروفِ الجرِّ الزائدةِ، و(باسطٍ) خبرُ (ما) فيكونُ فى موضع نصبٍ، اَوْ خبرالمبتدأِ فيكون فى موضع رفعٍ، والجملة جواب القسمِ، فلا محلّ لها مِن الاعراب، وهى دالّةٌ على جواب الشرطِ المحذوف، والتقدير: وَالله مَا انا بِبَاسطٍ يَدِىَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ

---

[1] پوری آیت اس طرح ہے لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ۔ ترجمہ: اگر تو مجھ پر میرے قتل کے لئے دست درازی کریگا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں۔ پ۶ ع

[2] اور تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لو۔ پ۲۳ ع ۱۳

إِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ فَمَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ، وَأَمَّا الْآيَةُ الثَّالِثَةُ فَوَاضِحَةٌ ، وَالضِّغْثُ : قَبْضَةٌ مِنْ حَشِيْشٍ مُخْتَلِطَةِ الرَّطْبِ بِالْيَابِسِ۔

رہی دوسری آیت (لَئِنْ بَسَطْتَ الخ) تو لام قسم مقدر پر دلالت کر رہا ہے یعنی (تقدیر عبارت) وَاللّٰہِ لَئِنْ (ہے) اور اس لام کو لام موذنہ اور لام موطئہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ (لام) قسم کی خبر دیتا ہے۔ اور جواب قسم کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اِنْ حرف شرط، بَسَطْتَ فعل ماضی با فاعل، اِلَیَّ جار مجرور لفظ بسطت کے متعلق ہے۔ یَدَکَ مفعول بہ اور مضاف الیہ ہے۔ لِتَقْتُلَنِیْ کا لام، لام تعلیلیہ (لام کَیْ) ہے جو (اصلاً) حرف جر ہے، فعل (تقتل) اُس اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے جو لام کے بعد جوازاً محذوف ہے، نہ کہ خود لام کی وجہ سے۔ اہل کوفہ کے[1] برخلاف، اَنْ مقدرہ اپنے فعل کے ساتھ (مل کر) مصدر مجرور باللام یعنی للقتل کی تاویل میں ہے۔ مَا نافیہ، اَنَا اس (مَا) کا اسم ہے۔ اگر (ما) حجازی مانا جائے جیسا کہ ظاہر ہے، اور مبتدا ہے، اگر تمیمی مانا[2] جائے۔ بآء زائدہ ہے۔ لہٰذا یہ کسی کے متعلق نہیں ہے اور تمام حروف جر زائدہ کا یہی حکم ہے۔ بَاسِطٍ (حجازی مسلک کے مطابق) مَا کی خبر ہے۔ لہٰذا محلِ نصب میں ہے۔ یا (باقتضاء مسلک تمیمی) مبتدا کی خبر ہے لہٰذا محلِ رفع میں ہوگا، اور (پورا) جملہ جواب قسم ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے۔ اور یہ (جملہ) شرط کی جزاء محذوف پر دال ہے۔ اصل عبارت وَاللّٰہِ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ الخ ہے۔ (ترجمہ) بخدا میں تجھ پر تیرے قتل کے لئے دست درازی نہیں کرونگا۔ اگر تو مجھ پر میرے قتل کے لئے دست درازی کریگا تو میں تجھ پر تیرے قتل کے لئے دست درازی نہیں کروں گا۔ رہی تیسری آیت تو (اس کی ترکیب) واضح ہے۔ ضِغْثٌ (کا معنی) خشک و تر ملی جلی گھاس کا مٹھا۔

ثُمَّ قُلْتُ : الرَّابِعُ الْمُثَنّٰى كَالزَّيْدَانِ وَالْهِنْدَانِ فَإِنَّهُ يُرْفَعُ بِالْأَلِفِ وَيُجَرُّ وَيُنْصَبُ بِالْيَاءِ الْمَفْتُوْحِ مَا قَبْلَهَا الْمَكْسُوْرِ مَا بَعْدَهَا۔

وَأَقُوْلُ : الْبَابُ الرَّابِعُ مِمَّا خَرَجَ عَنِ الْأَصْلِ : الْمُثَنّٰى ، وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ دَالٍّ عَلَى اثْنَيْنِ ، وَكَانَ اخْتِصَارًا لِلْمُتَعَاطِفَيْنِ ، وَذٰلِكَ نَحْوُ الزَّيْدَانِ وَالْهِنْدَانِ ، إِذْ كُلٌّ مِنْهُمَا دَالٌّ عَلَى اثْنَيْنِ ، وَالْأَصْلُ فِيْهِمَا : زَيْدٌ وَزَيْدٌ ، هِنْدٌ وَهِنْدٌ ، كَمَا قَالَ الْحَجَّاجُ : أَنَا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ وَمُحَمَّدٌ فِيْ يَوْمٍ ،

---

[1] فَإِنَّ مَذْهَبَهُمْ أَنَّ النَّصْبَ إِنَّمَا هُوَ بِلَامِ كَيْ وَلَامِ الْعَاقِبَةِ لَا بِأَنْ مُضْمَرَةٍ وَهُوَ مَذْهَبٌ سَهْلٌ خَالٍ عَنِ التَّكَلُّفِ۔ (جامع الدروس ۳/۱۷۵)۔ [2] اہل حجاز مَا کو عامل اور بنو تمیم غیر عامل مانتے ہیں۔ اسی وجہ سے دونوں کی ترکیبوں میں فرق ہو گیا۔

ولكنهم عدلوا عن ذلك كراهية (منهم) للتطويل والتكرار۔

م چوتھا باب تثنیہ ہے۔ جیسے زیدان، ھندان اس کو رفع بشکل الف دیا جاتا ہے۔ اور جر، نصب بشکل یاء ماقبل مفتوح اور مابعد (یعنی ن) مکسور ہوتا ہے۔

ش: چوتھا باب جو اصل سے مستثنیٰ ہے تثنیہ ہے۔ تثنیہ ہر وہ اسم ہے جو دو کو بتائے۔ یہ (دراصل) باہم معطوف و معطوف علیہ بننے والے دو کلموں کا اختصار ہے۔ جیسے زَیْدَانِ، ھِنْدَانِ۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک دو کو بتلا رہا ہے۔ ان دونوں کی اصل زیدٌ و زیدٌ اور ھندٌ وھندٌ ہے۔ جیساکہ حجاج نے کہا ہے: انا الله، محمدٌ ومحمدٌ في يومٍ (انا اللہ دو محمد ایک دن میں) لیکن عربوں نے طوالت وتکرار کی قباحت کی وجہ سے اس انداز سے گریز کیا ہے۔

وحكمُ هذا الباب ان يُرفعَ بالالفِ نيابةً عن الضمة، وان يُجرّ ويُنصبَ بالياءِ المفتوحِ ماقبلها المكسورِ مابعدها نيابةً عن الكسرةِ والفتحةِ، نحو «جاء الزيدانِ» و «رأيتُ الزَّيدَيْنِ» و «مررتُ بالزَّيْدَيْنِ» وكذلك تقولُ في «الهندان»، وانما مثلتُ بالزيدانِ والهندانِ لِيُعْلَمَ انّ تثنيةَ المذكرِ والمؤنثِ في الحكمِ سواءٌ، بخلاف جمعهما السالمِ۔

اس باب کا حکم یہ ہے کہ اس کا رفع ضمہ کے بجائے الف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کا جر و نصب، کسرہ و فتحہ کے بجائے یاء ماقبل مفتوح مابعد مکسور کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے جاء الزیدان الخ اور یونہی ہند میں کہا جائیگا۔ اور میں نے زیدان اور ہندان دو مثالیں اس لئے دیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ مذکر و مؤنث کا تثنیہ اس حکم میں یکساں ہے۔ برخلاف جمع مذکر و مؤنث سالم کے۔

ومن شواهد الرفع قوله تعالى: (قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا) (قال) فعل ماضٍ، و (رجلان) فاعلٌ والفاعلُ مرفوعٌ، وعلامةُ الرَّفعِ هنا الألفُ نيابةً عن الضَّمةِ لانّه مثنى، ومعمولُ (يخافون) محذوفٌ: اى يخافون الله، وجملة (انعم الله عليهما) تحتمل ان تكون خبريةً فتكون في موضع رفعٍ على انها صفةٌ ثانيةٌ لرجلان: والمعنى: قال رجلان موصوفانِ بِأَنّهما من الذين يخافون، وبِأَنّهما انعم الله عليهما بالايمانِ، وتحتمل ان تكون دُعائيةً مثلها في قولك «جاءني زيدٌ رحمهُ الله!»، فتكونُ معترضةً بين القولِ والمقولِ، ولاموضع لها كسائر الجُمل المعترضة، ومثلهُ في الاعتراضِ

بالدُّعاء قول الشاعر:

۱۴- إِنَّ الثَّمَانِيْنَ ۔ وَبُلِّغْتَهَا ۔ ✧ قَدْ أَحْوَجَتْ سَمْعِي إِلَى تَرْجُمَانٍ

تثنیہ کے مرفوع ہونے کی ایک دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد قَالَ رَجُلَانِ[1] الخ ہے قَالَ فعل ماضی۔ رَجُلَانِ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ علامت رفع یہاں ضمہ کے بجائے الف ہے۔ اس لئے کہ یہ (رجلان) تثنیہ ہے۔ اور یَخَافُوْنَ کا معمول (مفعول) محذوف ہے۔ اصل عبارت یخافون اللہ ہے۔ اور جملہ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا خبریہ ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اس صورت میں محل رفع میں ہوگا۔ کیونکہ رُجلان کی دوسری صفت ہے۔ ترجمہ ہوگا ان دو شخصوں نے کہا جن کی (ایک) صفت یہ ہے کہ وہ ڈرنے والے ہیں اور (دوسری) صفت یہ ہے کہ ان کو اللہ نے ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔

اور دُعائیہ ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اسکی مثال جَاءَ زَيْدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ میں (رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ جملہ دُعائیہ ہے۔ اس صورت میں أَنْعَمَ اللّٰهُ قول اور مقولہ کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔ اس کا کوئی محل اعراب نہ ہوگا جیسا کہ تمام جملِ معترضہ (کا حکم ہے) جملہ معترضہ دعائیہ کی ایک اور مثال شعر: إِنَّ الثَّمَانِيْنَ الخ[2] (میں وبلغتها) ہے

وَمِنْ شَوَاهِدِ الْجَرِّ قوله تعالیٰ: (لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ)[3] (فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ)[4] (قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ) ومثال النّصب قوله تعالیٰ: (رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا) (رَبَّنَا) منادی [مضاف] حُذِفَ قَبْلَهُ حَرْفُ النِّدَاءِ، وَالتَّقْدِيْرُ: يَا رَبَّنَا، و (أَرِ) فعل دُعاءٍ۔ وَلَا تَقُلْ فعل امرٍ تأدُّبًا، وَ الفاعل مُسْتَتِرٌ، و (نا) مفعولٌ أوّلٌ، و (الَّذَيْنِ) مفعولٌ ثانٍ، وعلامة نَصبِهِ الياءُ۔ وَمَا بَعْدَهُ صِلَةٌ۔

مجرور ہونے کی شواہد باری تعالیٰ کے ارشادات: لَوْلَا نُزِّلَ الخ[3] فَقَضٰهُنَّ الخ[4]۔

---

[1] ان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ نے فضل کیا تھا کہا۔ پ۶ ع۸
[2] بیشک اسّی سال کی عمر (اور تم بھی اتنی سال کو پہونچ جاؤ) نے میرے کانوں کو ترجمان کا محتاج بنادیا۔
محل استشہاد: وبلغتها ہے جو ان کے اسم الثمانین اور اس کی خبر احوجت کے درمیان بطور جملہ معترضہ واقع ہے۔
[3] یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ پ۲۵ ع۹
[4] سو دو روز میں سات آسمان بنادیے۔ پ۲۴ ع۱۷

قَدْ کَانَ لَکُمْ[1] الخ ہیں۔ اور منصوب ہونے کی مثال رَبَّنَا اَرِنَا[2] الخ ہے۔

(ترکیب) رَبَّنَا منادیٰ مضاف ہے۔ جس سے پہلے حرفِ ندا کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اصل میں یَا رَبَّنَا ہے۔ اَرِ، فعل دعا ہے۔ ادب کے پیشِ نظر فعل امر نہ کہیے (کیونکہ حکم چھوٹوں کو دیا جاتا ہے۔) فاعل ضمیر مستتر ہے۔ اور نَا مفعول اوّل ہے۔ اَلَّذَیْنِ مفعول ثانی ہے۔ اس کی علامتِ نصب یاء ہے۔ اور اس (الَّذَین) کے بعد والا (جملہ) صلہ ہے۔

وقد اجتمع النصبُ بالیاء۔ والرفعُ بالالفِ فی قولہٖ تعالیٰ: (اِنَّ ھٰذَیْنِ لَسَاحِرَانِ) وفی ھٰذا الموضع قراءات: اِحداھا ھٰذِہٖ، وھی تشدید النون من (اِنَّ) و (ھٰذَیْنِ) بالیاء، وھی قراءۃ ابی عمرؒ، وھی جاریۃ علی سنن العربیۃ: فانَّ (اِنَّ) تنصبُ الاسمَ وترفع الخبرَ، و (ھٰذَیْنِ) اسمُھَا، فیجب نصبُہٗ بالیاء لانہٗ مُثَنًّی، و (سَاحِرَانِ) خبرھا فرفعہٗ بالالفِ۔

اور باری تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ ھٰذَیْنِ لَسَاحِرَانِ میں نصب بشکلِ یاء اور رفع بشکل الف (دونوں) جمع ہو گئے ہیں۔ اس مقام پر چند قرارتیں ہیں۔ ایک قرارت تو یہی ہے یعنی اِنَّ کے نون کی تشدید، اور ھٰذَیْنِ یاء کے ساتھ۔ یہ ابو عمروؒ کی قرارت ہے۔ یہ عربی (قواعد) کے طرز پر مستعمل ہے۔ کیونکہ اِنَّ اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہی ہے۔ اور ھٰذَیْنِ، اِنَّ کا اسم ہے۔ لہٰذا اس کا بشکلِ الف منصوب ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ تثنیہ ہے۔ اور سَاحِرَانِ، اِنَّ کی خبر ہے۔ اسی وجہ سے اس کو رفع بشکل الف دیدیا گیا۔

والثانیۃ (اِنْ) بالتخفیف (ھٰذَانِ) بالالفِ، وتوجیھُھَا انَّ الاَصْل (اِنَّ ھٰذَیْنِ) فخففت (ان) بحذف النون الثانیۃ، واُھْمِلَتْ کما ھو الاکثر فیھا اذا خُفِّفَتْ، وارتفع مابعدھا بالابتداءِ والخبر فجیئ بالالفِ، ونظیرۃُ انک تقول: اِنَّ زیدًا قائمٌ، فاذا خَفَّفْتَ فالاصح ان تقول: ان زیدٌ لقائمٌ، علی الابتداءِ والخبر، قال اللّٰہُ تعالیٰ: اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ)

دوسری قرارت (اِنْ ھٰذَانِ لَسَاحِرَانِ) اِنْ بلا تشدید اور ھٰذَانِ الف کے ساتھ ہے۔ اسکی توجیہ یہ ہے کہ اصل تو اِنَّ ھٰذَیْنِ ہی تھا۔ مگر اِنَّ کو دوسرا نون حذف کر کے مخففہ بنا دیا گیا۔ اور بے عمل

---

[1] بیشک تمہارے لئے ایک بڑا نمونہ ہے تو دو گروہوں میں۔ پ۲۸ ع ۱۰)

[2] اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں دکھلا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ پ۲۴ ع ۱۸)

چھوڑ دیا گیا۔ جیسا کہ اس میں اہمال ہی کثیر الوقوع ہے جس وقت کہ اِنْ کو مخفف بنا دیا جائے۔ اور اِنْ کا مابعد مبتدا و خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اسی وجہ سے الف کے ساتھ لایا گیا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ (مثلاً) آپ کہتے ہیں اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ جب آپ اسے مخفف بنائیں گے تو زیادہ فصیح لغت کے مطابق مبتدا وخبر ہونے کی وجہ سے اِنْ زَیْدٌ لَقَائِمٌ کہیں گے۔ (جیسے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنْ کُلُّ نَفْسٍ[1] الخ

والثالثة «انّ» بالتشديدِ (هٰذانِ) بالالفِ، وهي مشكلة: لانّ «انّ» المشدّدة يجب اعمالها: فكان الظاهرُ الاتيانُ بالياءِ كما كانَ في القراءة الأولى، وقد أُجيبَ عنها بأوجهٍ أَحَدُهَا: انّ لغةَ بَلْحارِث ابن كعب، وخثعمٍ وزبيدٍ وكنانةٍ وآخرين استعمال المثنى بالالفِ دائمًا: تقول: جاء الزيدَانِ، و رأيت الزيدَانِ ومررتُ بالزيدَانِ۔

قال: ۱۴۔ تَزَوَّدَ مِنَّا بَيْنَ اذناه طَعْنَةً۔

تیسری قرارت یہ ہے کہ اِنَّ تشدید کے ساتھ، ہٰذَانِ الف کے ساتھ ہو، یہ قرارت پیچیدہ ہے۔ اس لئے کہ اِنَّ مشددہ کو عمل دینا واجب ہے۔ لہٰذا (ہٰذان) کو یاء کے ساتھ لانا (ہی) ظاہر ہے۔ جیسا کہ پہلی قرارت میں ہے، کئی طرح اس کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلا جواب یہ ہے کہ بلحارث[2] ابن کعب، خثعم، زبید اور کنانہ وغیرہ کی زبان میں تثنیہ کا استعمال ہمیشہ الف کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے جَاءَ الزَّیْدَانِ الخ (میں زیدان)۔ اور تَزَوَّدَ الخ[3] (میں اذناہ تثنیہ مضاف الیہ جس کی رو سے اذنیہ ہونا چاہئے تھا)

وقال الأخر: ۱۵۔ انّ أباها وأبا أباها، قد بلغا في المجدِ غايتاها۔

فهٰذا امثال مجيءُ المنصوب بالالفِ، وذا الشمثال مجيءُ المجرورِ بالالفِ، والثاني انّ «انّ» بمعنى نَعَمْ مثلها فيما حُكي انّ رجلاً سأل ابن الزبير شيئًا فلم يعطه، فقال: لعن الله ناقةً حَمَلَتني اليك، فقال: انّ وراكبها، اي: نَعَمْ ولعنَ الله راكبها، و «انّ» التي بمعنى نعم لا تعمل شيئًا، كما انّ نعم كذلك، و(هٰذان) مبتدأ مرفوعٌ بالالفِ

---

[1] ہر شخص پر کوئی نہ کوئی یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر ہے۔ (پ ۳۰ ع ۱۱)

(نوٹ) ہم نے یہ ترجمہ مصنف کی رائے کے مطابق اِنْ کو مخفف اور لَمَّا کو زائدہ مان کر کیا ہے۔ ورنہ محققین نے اِنْ کو نافیہ اور لَمَّا کو بمعنی اِلَّا مان کر ذیل کا ترجمہ کیا ہے: کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس پر یاد رکھنے والا مقرر نہ ہو۔

[2] یہ کلمہ دو اسموں سے مرکب ہے (۱) بنی (۲) الحارث۔ اس کی اصل بنی الحارث ہے۔

[3] اس نے اپنے دونوں کانوں کے بیچ ہم سے نیزہ کی مار کھائی۔ تَزَوَّدَ: توشہ لینا، زخم کھانا۔

و (سَاحِرَانِ) خبر لمبتدإ محذوف، ای: لهما سَاحران، والجُملة خبر (هٰذَانِ) ولا يكون (لسَاحِرَان) خبر (هٰذانِ) لِانّ لام الابتداء لا تدخل علی خبر المبتدأ "

اور (تثنیہ کے مستعمل بالف ہونے کی مثال) (ان اباھا الخ)[له] (میں غایتاھا) ہے (یہ شعر) منصوب بشکل الف آنے کی مثال ہے۔ اور وہ (مصرعہ) مجرور بشکل الف آنے کی " دوسرا جواب یہ ہے کہ اِنَّ بمعنی نعم ہے۔ اس کی مثال ایک یہ نقل کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے کچھ مانگا، انہوں نے اسے مرحمت نہیں فرمایا۔ سائل نے کہا تمہارے پاس مجھے لانے والی اونٹنی پر اللہ کی لعنت ہو، اس پر آپ نے فرمایا: انّ وراکبھا یعنی ہاں اور اس کے سوار پر بھی اللہ کی لعنت ہو اور اِنَّ بمعنی نعم کوئی عمل نہیں کرتا۔ جیسا کہ نعم عمل نہیں کرتا۔ هٰذَانِ مبتدا ہے، الف کے ساتھ مرفوع ہے۔ اور سَاحِرَانِ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یعنی لهُمَا سَاحِرَانِ (یہ) جملہ هٰذَانِ (مبتدا) کی خبر ہے۔ لیکن لسَاحِرَانِ هٰذَانِ کی خبر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لام ابتداء مبتدا کی خبر پر نہیں آتا "

والثالث: انّ الاصل انّهٗ هٰذانِ لهُمَا سَاحِرَان. فالهاءُ ضمیر الشانُ وَمَا بعدها مبتدأ و خبرٌ، والجُملة فی موضع رفع علی انها خبر اِنَّ، ثم حُذِفَ المبتدأ وهو كثيرٌ، وحُذِفَ ضمير الشان كما حُذِفَ من قوله صَلى الله عَليه وَسَلّم "اِنَّ مِنْ اشدّ النّاسِ عذابًا یوم القيمةِ المصوّرون"، ومن قول بعض العرب: "اِنّ بك زيدٌ مَاخوذٌ"

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کی اصل انّهٗ هٰذان لهُمَا سَاحِرَان ہے۔ هاء ضمیر شان ہے۔ اور اسکے بعد (هٰذَانِ) مبتدا، اور (لهُمَا سَاحِرَانِ) خبر ہے۔ اور جملہ محل رفع میں ہے۔ کیونکہ انّ کی خبر ہے۔ پھر مبتدا (هُمَا) کو حذف کر دیا گیا۔ یہ (حذف) عموماً ہوتا ہے۔ اور ضمیر شان کو حذف کر دیا گیا جس طرح حضور کے ارشاد

[له] اس نے اپنے دونوں کانوں کے بیچ ہم سے نیزہ کی مار کھائی۔

[له] بیشک (ریّا نامی عورت) کے باپ دادا، شرافت و بزرگی کی انتہا کو پہونچ گئے ہیں۔ اس شعر میں چار چیزیں قابل ذکر ہیں۔ (۱) جمہور اہل عرب کے مطابق ابا ابیھا ہونا چاہئے تھا، مگر شاعر نے ان بعض اہل عرب کی تقلید کی ہے۔ جو اسماء ستہ میں الف مذکور لاتے ہیں۔ خواہ وہ مضاف ہوں یا نہوں، اور تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری مانتے ہیں۔ جیسے هٰذا ابا، رأیت ابا، مررت بأبا، (۲) غایتا، تثنیہ کو حالت نصبی میں الف کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ (۳) غایتاھا، کی ضمیر مؤنث مجد کی جانب بتاویل صفت مجد لوٹ رہی ہے۔ (۴) غایتا صیغۂ تثنیہ مفرد کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایسا استعمال عربوں کے کلام میں شائع ذائع ہے۔ یہ شعر اسلامی شاعر ابو النجم فضل بن قدامہ العجلی کے قصیدہ کا ہے۔ جس کا مطلع ہے واھا لریّا ثم واھا واھا ، وھی المنی لو اننا نلناھا

(منتہی الارب)
(وحاشیہ شرح ابن العقیل ص۳۴)

"اِنَّ مِنْ اَشَدِّ" الخ میں اور کسی عرب کے قول اِنّ بِكَ[2] الخ میں (ضمیر شان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

الرابع: انهُ لَمّا ثُنِّيَ (هٰذا) اجتمع اَلِفانِ: اَلِفُ هٰذا، والِفُ تثنيه، فوجبَ حذفُ واحدةٍ منهما لالتقاءِ السّاكنين، فمن قدَّر المحذوفةَ اَلِفَ «هٰذا» والباقيةَ الفَ التثنيةِ قَلَبَها في الجرِّ والنصبِ ياءً، ومن قدَّرَ العكسَ لم يغيرِ الالفَ عن لفظها۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ ھٰذا کو جب تثنیہ بنا دیا گیا تو دو الف جمع ہو گئے۔ ھٰذا کا الف، تثنیہ کا الف۔ لہٰذا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے دونوں میں سے ایک کا حذف واجب ہے۔ پھر جن لوگوں نے محذوف کو ہٰذا کا الف مانا اور باقی ماندہ کو تثنیہ کا الف، تو انہوں نے (تثنیہ کے الف کی طرح) اس کو حالتِ جری ونصبی میں یاء سے بدل دیا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے برعکس مانا ہے تو انہوں نے (ہٰذا کے الف کی طرح) الف میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

والخامس انّهٗ لَمّا كان الإعرابُ لا يظهر في الواحِد۔ وهو (هٰذا) ۔ جُعِلَ كذلك في التثنية ليكون المثنّٰى كالمفرد، لانهٗ فرعٌ عليه

واختار هٰذا القول الامام العلّامة تقي الدّين ابو العباس احمد بن تيميةَ رحمه الله وزعم انّ بناء المثنّى اذا كان مفردهٗ مبنيًّا افصح من اعرابه، قال: وقد تفطّن لذلك غيرُ واحدٍ من حُذّاق النحاة۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ جب اعراب مفرد یعنی ہٰذا پر نہیں ظاہر ہو رہا ہے تو تثنیہ کو بھی اسی کی طرح کر دیا گیا۔ تاکہ تثنیہ مفرد کی مانند ہو جائے۔ کیونکہ یہ اسی کی فرع ہے۔ اس قول کو علامہ ابن تیمیہؒ نے ترجیح دی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ جب تثنیہ کا مفرد مبنی ہو تو اس (تثنیہ) کا مبنی ہونا اس کے معرب ہونے سے زیادہ فصیح ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بہت سارے ماہر نحویوں نے اس کو محسوس کیا ہے۔

---

[1] تصویر بنانے والے لوگ قیامت کے دن سخت عذاب والے لوگوں میں شامل ہوں گے۔
ضمیر شان کے محذوف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اِنّ مشددہ کبھی ملغیٰ نہیں ہوتا۔ اور المصوّرون، ان کا اسم بن نہیں سکتا۔ ورنہ المصوّرین ہوتا۔ اس لیے ترکیب یہی ہوگی کہ المصوّرون مبتدا، اور من اشدّ الناس خبر مقدم پورا جملہ اِنّ کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع اور ضمیر شان محذوف اس کا اسم۔ (ماخوذ از منتہی الارب)
[2] زید تمہاری وجہ سے گرفتار ہے۔

ثم اعترض على نفسه بأمرين، احدهما: ان السبعة اجمعوا على الياء في قوله تعالى: (إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ) مع ان "هاتين" تثنية "ها تا" وهو مبني، والثاني: ان "الذي" مبني وقد قالوا في تثنيته اللذين في الجر والنصب، وهي لغة القرآن لقوله تعالى: (رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا)۔

پھر انہوں نے خود اپنے اوپر دو باتیں لیکر اعتراض کیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ قراء سبعہ نے باری تعالیٰ کے ارشاد اِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ میں یاء کے ہونے پر اجماع کیا ہے۔ جبکہ ھاتین، ھاتا کا تثنیہ ہے۔ اور یہ مبنی ہے۔ (لہٰذا اس کا تثنیہ بھی ھاتان یعنی مبنی ہونا چاہیے۔ نہ کہ ھاتین) دوسری بات یہ کہ الذی مبنی ہے جبکہ اہلِ عرب اس کو تثنیہ بناتے وقت حالتِ جری و نصبی میں اللذین کہتے ہیں۔ یہی قرآن کی لغت ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلَّانَا۔

واجاب عن الاول بانه انما جاء "هاتين" بالياء على لغة الاعراب لمناسبة "ابنتي"، قال: فالاعراب هنا افصح من البناء، لاجل المناسبة، كما ان البناء في "ان هذان لساحران" افصح من الاعراب، لمناسبة الالف في "هذان" للالف في "ساحران"

پہلے اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ ھاتین یاء کے ساتھ معرب لغت کے مطابق ابنتیَّ سے (قرب و مناسبت کی وجہ سے) آیا ہے۔ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ مناسبت ہی کی وجہ سے معرب ہونا یہاں مبنی ہونے سے زیادہ فصیح ہے جس طرح کہ اِنَّ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ میں (هٰذَانِ کا) مبنی ہونا معرب ہونے سے زیادہ فصیح ہے۔ کیونکہ هٰذَانِ کا الف سَاحِرَانِ کے الف سے مناسبت رکھتا ہے۔

و اجاب عن الثاني بالفرق بين "اللذان" و "هذان"، بأن "اللذان" تثنية اسم ثلاثي فهو شبيه بالزيدان، و "هذان" تثنية اسم على حرفين فهو عريق في البناء لشبهه بالحروف۔

دوسرے اعتراض کا جواب اللَّذَانِ اور هٰذَانِ میں فرق .... کے ذریعہ دیا ہے۔ کہ اللَّذَانِ اسم ثلاثی[1] کا تثنیہ ہے جس کی وجہ سے یہ الزیدَانِ کے مشابہ ہے۔ اور هٰذَانِ دو حرفی اسم (ذا) کا تثنیہ ہے۔ جس کی وجہ سے راسخ فی البناء ہے۔ کیونکہ یہ حرف سے مشابہ ہے۔

---

[1] یعنی لذی کا تثنیہ ہے۔ رہا الف لام تو وہ مستقل کلمہ ہے۔ جیسے هٰذا میں حارِ تنبیہ الگ کلمہ ہے۔

قال رحمه الله تعالیٰ: وقد نعم قوم ان قراءة من قرأ (ان ھذان) لحن، وان عثمان رضی اللہ عنہ قال: ان فی المصحف لحنا وستقیمه العرب بألسنتها، وهذا خبر باطل لا یصح من وجوہ۔

ابن تیمیہؒ نے فرمایا:۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے ان ھذان پڑھا ہے ان کی قرارت غلط ہے۔ (دلیل) حضرت عثمانؓ کا ارشاد ہے کہ " قرآن میں چند غلطیاں (رہ گئی) ہیں۔ اہلِ عرب ان کو اپنی زبانوں سے صحیح کرلیں گے۔ حالانکہ یہ اثر غیر مستند ہے۔ کئی وجوہ سے درست نہیں ہے۔

احدھا: ان الصحابہ رضی اللہ عنہم کانوا یتسارعون الی انکار ادنی المنکرات، فکیف یقرون اللحن فی القرآن، مع انہم لا کلفۃ علیہم فی ازالتہ۔

وجہ اول یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ معمولی سے معمولی برائیوں پر (بھی) نکیر کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لیجاتے تھے، پھر قرآن میں کیسے غلطی کو باقی رکھ سکتے تھے۔ حالانکہ ان کو اس کے ختم کرنے میں کوئی پریشانی نہ تھی۔

والثانی: ان العرب کانت تستقبح اللحن غایۃ الاستقباح فی الکلام، فکیف لا یستقبحون بقاءہ فی المصحف؟ والثالث: ان الاحتجاج بان العرب ستقیمه بالسنتها غیر مستقیم لان المصحف الکریم یقف علیه العربی والعجمی۔

وجہ دوم یہ کہ اہلِ عرب کلام کی غلطی کو قبیح ترین غلطی سمجھتے تھے۔ تو قرآن کریم میں غلطی کے باقی رہنے کو کیسے نہ معیوب سمجھتے؟ وجہ سوم یہ کہ (حضرت عثمانؓ کا غلطی کو باقی رکھنے کے لئے) یہ استدلال کہ "عرب خود اپنی زبانوں سے درست کرلیں گے" صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سے تو عربی، عجمی (سب) واقف ہوں گے۔ (اور ظاہر ہے کہ عجمی درست نہیں کرسکیں گے تو اصلاح کیسے ہوگی؟)

والرابع: انہ قد ثبت فی الصحیح ان زید بن ثابت اراد ان یکتب (التابوہ) بالھاء علی لغۃ الانصار فمنعوہ من ذلک، ورفعوہ الی عثمان رضی اللہ عنہم، وامرھم ان یکتبوہ بالتاء علی لغۃ قریش، ولما بلغ عمر رضی اللہ عنہ ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرأ (عتی حین) علی لغۃ ھذیل انکر ذلک علیه، وقال أقرئ الناس بلغۃ قریش فان اللہ تعالیٰ انما انزلہ بلغتہم، ولم ینزلہ بلغۃ ھذیل۔ انتہی کلامہ ملخصاً۔

وجہ چہارم یہ کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے «التَّابوت» کو انصار کی لغت کے مطابق «التابوہ» (تاء مدوّرہ) سے لکھنے کا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے ان کو روک دیا۔ اور اس (معاملہ) کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کو قریش کی لغت کے مطابق «ت» (مستطیلہ) کے ساتھ لکھنے کا حکم فرمایا۔ (اسی طرح) جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ ابن مسعودؓ (حتی حین کو (ہذیل کی لغت کے مطابق «عتی حین» پڑھتے ہیں۔ تو ان پر نکیر کی اور فرمایا، لوگوں کو قریش کی لغت کے مطابق (قرآن) پڑھایئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (اصلاً) ان ہی کی لغت میں قرآن نازل فرمایا ہے۔ نہ کہ ہذیل کی لغت میں۔ (ان کے کلام کا خلاصہ پورا ہوا)

وقال المهدوی فی شرح الهدایة: ومَا روی عن عائشة رضی الله عنها ـ من قولها «انّ فی القرآن لحنا ستقیمه العرب بالسنتها»، لم یصح ولم یُوجَدْ فی القرآنِ العظیم حرفٌ واحدٌ الّا وله وجهٌ صحیحٌ فی العربیّة. وقد قال الله تعالیٰ (لَا یَأْتِیهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِیلٌ مِنْ حَکِیمٍ حَمِیدٍ) وَالقرآنُ محفوظ من اللحنِ والزیادة والنقصان، انتهیٰ۔

مہدوی نے شرح ہدایہ میں فرمایا: حضرت عائشہؓ کا جو یہ قول نقل کیا جاتا ہے۔ انَّ فِی القرآن الخ صحیح نہیں ہے۔ اور قرآن کریم میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جس کی عربی اصول کے اعتبار سے کوئی صحیح توجیہ نہ ہو۔ ارشاد باری ہے «غیر واقعی بات نہ اُسکے آگے کی طرف سے آسکتی ہے نہ اسکے پیچھے کی طرف سے، یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے» قرآن کریم غلطی اور کمی بیشی سے پورے طور پر محفوظ ہے۔

مہدوی کی بات پوری ہوئی۔

وهذا الاثر انّما هو مشهورٌ عن عثمان رضی الله عنه کما تقدّم من کلام ابن تیمیة رحمه الله لا عن عائشة رضی الله عنها کما ذکره المهدوی، وانّما المروی عن عائشة مَا رواه الفراء عن ابی معاویة عن هشام بن عروة عن ابیه انها رضی الله عنها سئلت عن قوله تعالیٰ فی سُورة النساء (وَالْمُقِیمِینَ الصَّلَاةَ) بعد قوله: (لٰکِنِ الرَّاسِخُونَ) وعن قوله تعالیٰ فی المائدة: (اِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَالَّذِینَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ) وعن قوله تعالیٰ فی سُورة طٰهٰ: (ان هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ) فقالت: یا ابن اخی، هٰذا خطأ من الکاتب روی هٰذه القصة الثعلبی وغیره من المفسرین۔

یہ اثر صرف حضرت عثمانؓ سے (منقول و) مشہور ہے۔ جیسا کہ ابن تیمیہؒ کے کلام میں پہلے آچکا ہے۔ نہ کہ حضرت

عائشہؓ سے۔ جیسا کہ مہدوی نے ذکر کیا۔ بلکہ حضرت عائشہؓ سے تو وہ قول مروی ہے جس کو فراء نے ابو معاویہ عن ہشام بن عروہ عن ابیہ (کی سند) سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے سورۂ نساء کی آیت کریمہ لٰکِنِ الرَّاسِخُوْنَ کے بعد وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ اور سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ الخ اور سورۂ طٰہٰ کی آیت اِنَّ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ بھتیجے! یہ کاتب کی غلطی ہے۔ یہ واقعہ ثعلبی اور دیگر مفسرین نے نقل کیا ہے۔

وهذا ايضا بعيد الثبوت عن عائشة رضى الله عنها. فان هٰذه القرأت كلها موجهة كما مرّ فى هٰذه الأية. وكما سيأتى ان شاء الله تعالى فى الأيتين الاخيرتين عند الكلام على الجمع، وهى قراءة جميع السبعة فى (المقيمين) و (الصابئون) وقراءة الاكثر فى (ان هٰذان) فلا يتجه القول بأنها خطأ، لصحتها فى العربية وثبوتها فى النقل۔

اس کا بھی ثبوت حضرت عائشہؓ سے مشکل ہے۔ کیونکہ یہ مذکورہ تمام قراءتیں مدلل ہیں۔ جیسا اس (آخری) آیت کے ذیل میں گذرا۔ اور جیسا کہ جمع پر کلام کرتے وقت بقیہ دونوں آیتوں کے ذیل میں آئندہ آئے گا۔ اور یہ "المقيمين" اور "الصابئون" تمام قراء سبعہ کی قراءت ہے۔ اور "ان هٰذان" میں اکثر قراء کی قراءۃ ہے۔ لہٰذا اس قراءت کو غلط کہنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی ہے کیونکہ یہ عربی اصول کے مطابق درست ہے۔ اور (قراء) سے اس کی نقل ثابت ہے۔

ثم قلت: والحق به اثنان واثنتان وثنتان، مطلقا، وكلا وكلتا مضافين الى مضمر؛
واقول: الحق بالمثنى خمسة الفاظ وهى: اثنان للمذكرين، واثنتان للمؤنثتين، فى لغة الحجاز وثنتان لهما فى لغة تميم وهٰذه الثلاثة تجرى مجرى المثنى فى اعرابه دائما، من غير شرط، وانما لم نسمها مثناة لانها ليست اختصارا للمتعاطفين، اذ لامفرد لها، لايقال، اثن، ولا، اثنة ولا، ثنت،۔

م: اور اثنان، اثنتان اور ثنتان تمام احوال میں تثنیہ کے ساتھ ملحق ہیں۔ کلا، کلتا صرف ضمیر کی جانب مضاف ہونے کی حالت میں (ملحق ہیں) ش: تثنیہ سے ملحق پانچ الفاظ ہیں۔ اثنان تثنیہ مذکر کیلئے اہل حجاز کی لغت میں اثنتان۔

لہ مہدوی کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ محدثین نے اس حدیث کو صحیح علی شرط الشیخین بتایا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کاتبوں نے جمع قرآن کے وقت انتخاب قراءت میں غلطی کی ہے۔ کہ قریش کے بجائے دوسرے قبائل کی قراءتوں کو لکھ دیا ہے۔ یہ مطلب بالکل نہیں کہ کاتبوں نے قرآن میں کوئی غلط چیز لکھ دی۔ (مستفاد از الفوز العظیم ۲۷)

اور بنی تمیم کی لغت میں ثنتان تثنیہ مؤنث کے لئے ہے۔ یہ تینوں بلا کسی شرط کے اعراب میں ہمیشہ تثنیہ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کو تثنیہ نہیں کہا۔ کیونکہ یہ معطوف و معطوف علیہ کے اختصار نہیں ہیں اس لئے کہ ان کا کوئی مفرد نہیں۔ چنانچہ اثنٌ، اثنۃ اور ثنتٌ نہیں کہا جاتا۔

ومن شواهد رفعها بالالف قوله تعالیٰ: (فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا) فـ(اثنتا) فاعل بانفجرت، وقوله تعالیٰ: (شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ) فـ(اثنان) مرفوعٌ: اما علی انه خبر المبتداءِ، وهو شهادة، وذلك علی ان الاصل شهادة بينكم شهادة اثنين. فحذف المضاف واُقيم المضاف اليه مقامهُ فارتفع (ارتفاعه) وانما قدرنا هذا المضاف لان المبتدا لابد ان يكون عين الخبر نحو. زيدٌ اخوك، او مشبهاً به نحو. زيدٌ اسدٌ، والشهادة ليست نفس الاثنين ولا مشبهة بهما، واما علی انهٗ فاعلٌ بالمصدر، وهو الشهادة، والتقدير: وممّا فرض عليكم ان يشهد بينكم اثنان۔

اور ان کے بشکل الف مرفوع ہونے کے شواہد باری تعالیٰ کا ارشاد فانفجرت[1] الخ ہے۔ کہ اثنتا انفجرت کا فاعل ہے۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد شھادۃ[2] بینکم الخ ہے کہ اِثنَانِ مرفوع ہے۔ یا تو اس وجہ سے کہ مبتدار (شہادۃ) کی خبر ہے۔ اس کی اصل شھادۃ الخ ہے۔ (تمہارے درمیان گواہی دو آدمیوں کی گواہی ہے۔) مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اسی وجہ سے وہ (اثنان) خبر کے مرفوع ہونے کی طرح مرفوع ہوگیا۔ اور ہم نے مضاف اس لئے محذوف مانا کیونکہ مبتدا کے لئے ضروری ہے یا تو عین خبر ہو[3] جیسے زَیدٌ اَخُوْکَ یا خبر کے مشابہ ہو[4] جیسے، زیدٌ اسدٌ، اور لفظ شہادۃ نہ تو بعینہٖ اثنان ہے اور نہ اثنان کے مشابہ ہے۔ یا اس وجہ سے مرفوع ہے کہ وہ اثنان مصدر (شہادۃ) کا فاعل ہے۔ اصل عبارت ہے مِمّا فَرَضَ الخ تمہارے اوپر یہ بھی فرض کیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان گواہی دو آدمی دیں۔

---

[1] پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ (پ ۱ ع ۷)

[2] تمہارے درمیان گواہی جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے یعنی بوقت وصیت دو آدمیوں کی گواہی ہے۔ (پ ۷ ع ۴)

[3] یعنی مبتدا و خبر کا مصداق ایک ہو۔ [4] یعنی دونوں کا مصداق تو الگ الگ ہو مگر دونوں میں مشابہت کا رشتہ ہو جیسے زیدٌ اسدٌ کہ اس کی اصل زید کالاسد ہے۔

ومن شواهد النصب قوله تعالیٰ: (إِذْ أَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ) (قَالُوا رَبَّنَآ أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ
فـ (اثنین) مفعول به، و (اثنتین) مفعول مطلق: ای اماتتین۔ وکذلك (وَأَحْيَيْتَنَا
اثْنَتَيْنِ) ومنه ایضاً قوله تعالیٰ: (وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا) فـ (اثنی) مفعول
(بعثنا) وعلامة نصبه الیاء۔

اور (تثنیہ کے) نصب کے شواہد باری تعالیٰ کا ارشاد إِذْ أَرْسَلْنَا الخ[1] قَالُوا رَبَّنَا الخ[2] ہیں کہ
اثنین مفعول بہ ہے۔ اور اثنتین مفعول مطلق ہے۔ اصل (امتّنا) اماتتین ہے۔ اسی طرح (ایک نظیر)
أَحْيَيْتَنَا الخ[3] ہے۔ اور اسی قبیل سے باری تعالیٰ کا ارشاد وبعثنا الخ[4] ہے۔ کہ اثنی، بعثنا کا
مفعول بہ ہے۔ اس کی علامت نصب یاء ہے۔

والکلمتان الرابعة والخامسة کِلا وکِلتا، وشرط إجرائهما مُجرَى المثنیٰ، إضافتهما
إلی المضمر، تقول جاءنی کلاهما، ورأیت کِلَیهما ومررت بِکلَیهما، وکذلك فی کِلتا،
قال الله تعالیٰ: (إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا) فـ (احدهما) فاعلٌ
وکلاهما معطوف علیه، والالفُ علامة لرفعه، لانّه مضاف الی الضمیر۔

اور چوتھے وپانچویں کلمے کِلَا اور کِلْتَا ہیں۔ ان کو تثنیہ کے قائم مقام کرنے کی شرط ان کا اسم ضمیر کی
طرف مضاف (ہوکر استعمال) ہوتا ہے۔ جیسے جاءنی وغیرہ۔ اور اسی طرح کِلْتَا میں (تم کہو گے
جاءتنی کِلتاهما وغیرہ) اور باری تعالیٰ کا ارشاد إِمَّا يَبْلُغَنَّ الخ[5] ہے کہ احدهما فاعل ہے۔ اور
کلاهما اس کا معطوف۔ اور (کلا کا) الف علامت رفع ہے۔ کیونکہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہے۔

ویقرأ (إِمَّا يَبْلُغَانِ) بالالف، فالالفُ فاعل و (احدهما) فاعل بفعل محذوف وتقدیره:
ان یبلغه أحدُهما او کلاهما، وفائدة إعادة ذلك التوکید، وقیل: (ان احدهما)
بدل من الالف، او فاعل (یبلغان) علی ان الالف علامة، ولیسا بشیءٍ، فتأمل ذلك۔

---

[1] جب کہ ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا۔ پ۲۲ ع۱۹) [2] وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دوبار
مردہ رکھا۔ پ۲۴ ع۷) [3] اور دوبار زندگی دی۔ پ۲۴ ع۷

[4] اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے۔ پ۶ ع۷)

[5] اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہونچ جائیں۔ پ۱۵ ع۳)

اور ایک قراءت إِمَّا يَبْلُغَانِ الف (تثنیہ) کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں الف فاعل ہے۔ اور أَحَدُهُمَا فعل محذوف کا فاعل ہے۔ تقدیر عبارت أَنْ يَبْلُغَهُ الخ ہے۔ فعل کے اعادہ کا فائدہ تاکید ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ أَحَدُهُمَا یا تو الف تثنیہ سے بدل ہے، یا يَبْلُغَانِ کا فاعل ہے۔ اسلئے کہ الف تثنیہ (فاعل نہیں بلکہ) فاعل کی علامت ہے۔ ان دونوں اقوال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا غور کر لو۔

فَإِنْ أُضِيفَا إِلَى الظَّاهِرِ كَانَا بِالأَلِفِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَكَانَ إِعْرَابُهُمَا حِينَئِذٍ بِحَرَكَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي تِلْكَ الأَلِفِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: (كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا) أي: كل واحدة من الجنتين أعطت ثمرتها ولم تنقص منه شيئاً. فـ (كلتا) مبتدأ و(آتت أكلها) فعل ماض، والتاء علامة التأنيث، وفاعله مستتر، ومفعول ومضاف إليه، والجملة خبر، وعلامة الرفع في (كلتا) ضمة مقدرة على الألف، فإنه مضاف للظاهر۔

اور اگر یہ دونوں (کلا و کلتا) اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو بہر حال الف ہی کے ساتھ رہیں گے۔ اور اس وقت ان کا اعراب اس الف پر تقدیری حرکتوں کے ساتھ ہوگا۔ جیسے) ارشاد باری ہے كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ الخ یعنی دونوں باغوں میں سے ہر ایک اپنا پھل دیتا تھا، کوئی باغ اپنے پھل میں ذرا بھی کمی نہ کرتا تھا۔ (ترکیب) كِلْتَا مبتدا ہے۔ اور آتَتْ أُكُلَهَا فعل ماضی، (اس میں) تاء علامتِ تانیث، فاعل ضمیر مستتر۔ اور (اکلها) مفعول بہ اور مضاف الیہ (کا مجموعہ) ہے۔ اور پورا جملہ (كِلْتَا الخ کی) خبر ہے۔ كِلْتَا میں علامتِ رفع الف پر تقدیری ضمہ ہے۔ کیونکہ یہ اسم ظاہر کا مضاف ہے۔

ثُمَّ قُلْتُ: الْخَامِسُ جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ، كَالزَّيْدُونَ وَالْمُسْلِمُونَ، فَإِنَّهُ يُرْفَعُ بِالْوَاوِ وَيُجَرُّ وَيُنْصَبُ بِالْيَاءِ الْمَكْسُورِ مَا قَبْلَهَا الْمَفْتُوحِ مَا بَعْدَهَا. وَأَقُولُ: الْبَابُ الْخَامِسُ مِمَّا خَرَجَ عَنِ الأَصْلِ: جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ، وَاحْتَرَزْتُ بِالْمُذَكَّرِ عَنِ الْمُؤَنَّثِ كَهِنْدَاتٍ وَزَيْنَبَاتٍ وَبِالسَّالِمِ عَنِ الْمُكَسَّرِ كَغِلْمَانٍ وَزُيُودٍ۔

م: پانچواں (باب) جمع مذکر سالم ہے۔ جیسے الزَّيْدُونَ، الْمُسْلِمُونَ اس کو رفع واؤ کی شکل میں اور جر، نصب یاء ماقبل مکسور (اور) مابعد مفتوح کی شکل میں دیا جاتا ہے۔

ش: پانچواں باب ان (ابواب سبعہ) میں سے جو اصل سے مستثنیٰ ہیں جمع مذکر سالم ہے۔ میں نے

مذکر (کی قید) کے ذریعہ مؤنث سے احتراز کیا ہے۔ جیسے ھِندات، زینبات۔ اور سالم (کی قید) کے ذریعہ جمع مکسّر سے (احتراز کیا ہے) جیسے غِلمان، زُیود۔

وحُکمُ ھٰذا الجمع انہٗ یُرفع بالواوِ نیابۃً عن الضمۃِ ویجرّ وینصب بالیاءِ المکسُورِ مَاقبلھَا المفتوح مابعدھَا نیابۃً عن الکسرۃِ والفتحۃِ، تقول: جاء الزَّیدُوْنَ و المُسْلِمُوْن ومررتُ بالزَّیدین والمسلمین ورأیت الزَّیدین والمُسْلمین، وانّما مثلتُ بالمثالین لیعلمَ انَّ ھٰذا الجمع یکون فی اعلام العقلاء وصفاتھم۔

اس جمع کا حکم یہ ہے کہ اس کا رفع ضمہ کے بجائے واوؔ کے ساتھ اور جر ونصب کسرہ وفتحہ کے بجائے یاء ماقبل مکسور، مابعد مفتوح کے ساتھ ہوتا ہے جیسے جاء الزیدون وغیرہ۔ اور میں نے دُو دُو مثالیں اس لئے دیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ جمع ذوی العقول کے اعلام اور ان کی صفات میں (یکساں) ہوتی ہے۔

فإن قلتَ: فمَا تصنع فی (المقیمین) من قولہ تعالیٰ فی سُورۃِ النساء: (لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْھُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ) فانّہٗ جَاءَ بالیاء، وقد کان مقتضی قیاس ماذکرتَ ان یکون بالواوِ، لانّہٗ معطوف علی المرفوع، والمعطوف علی المرفوع مرفوعٌ۔ وجمعُ المذکر السالم یُرفعُ بالواوِ کما ذکرت۔؟

اعتراض: اگر آپ اعتراض کریں کہ سورۃ نساء میں (مذکور) باری تعالیٰ کے ارشاد لٰکِنِ[1] الرّٰسِخُوْنَ الخ میں المقیمین میں کیا کریں گے۔ کہ وہ یاء کے ساتھ آیا ہے۔ جبکہ آپ کے ذکر کردہ (اصول پر) قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ واوؔ کے ساتھ ہو۔ کیونکہ وہ مرفوع (الرّٰسِخُوْنَ) کا معطوف ہے۔ اور مرفوع کا معطوف مرفوع ہوتا ہے۔ اور جمع مذکر سالم میں رفع واوؔ کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ آپ نے ذکر کیا۔؟

---

[1] لیکن ان میں جو لوگ علم میں پختہ ہیں، اور جو لوگ ایمان لانے والے ہیں کہ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر بھی بھیجی گئی۔ اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے بھیجی گئی، اور نماز کی پابندی کرنے والے ہیں۔ پ ع ۲

وماتصنع بـ (الصَّابئون) من قوله تعالیٰ فِي السُّورَةِ الَّتِي تليها (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا والصَّابِئُوْنَ) فإنه جاء بالواو، وقد كان مقتضیٰ قياس ماذكرت ان يكون (والصَّابِئِيْنَ) باليَاء، لانه معطوف على المنصوب، والمعطوف على المنصوب منصوب وجمع المذكر السَّالم ينصب بالياءِ كما ذكرت۔

نیز اس سُورۃ سے متصل سورۃ (مائدہ) میں مذکور باری تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ الَّذِيْنَ الخ[1] میں الصَّابِئُوْنَ کا کیا کریں گے کہ یہ واؤ کے ساتھ آیا ہے۔ جبکہ آپ کے ذکر کردہ (اصول پر) قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ وَالصَّابِئِيْنَ یاء کے ساتھ ہوتا۔ کیونکہ منصوب کا معطوف ہے۔ اور منصوب کا معطوف منصوب ہوتا ہے۔ اور جمع مذکر سالم یاء کے ساتھ منصوب ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ذکر کیا۔

قلت: امَّا الأيَةِ الاولى ففيها اَوْجُهٌ، ارجحها وجهان، اَحَدُهمَا: انَّ «المقيمين» نصبٌ على المدح، وتقديرهٗ: وامدح المقيمين، وهو قول سيبويه والمحققين، وانما قُطِعَتْ هٰذِه الصفة عن بقية الصِّفات لبيان فضلِ الصَّلوٰةِ على غيرها، وثانيهما: انهٗ مخفوضٌ لانهٗ معطوف على «ما» فى قوله تعالیٰ (بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ) اى يؤمنون بالكتب وبالمقيمين الصَّلوٰة، وهم الانبياء، وفى مصحف عبدالله (والمقِيمُوْنَ) بالواوِ وهِيَ قراءةُ مالك بن دينار والجَحْدَرِيِّ وعيسى الثقفى ولا اشكال فيهما۔

جواب: پہلی آیت میں متعدد توجیہات ہیں۔ ان میں سے راجح دو توجیہ ہیں۔ پہلی یہ کہ مقیمین (پر) نصب بربنا مدح ہے۔ اس کی اصل وامدح المقیمین ہے۔ یہی سیبویہ اور محققین کا قول ہے۔ اور نماز کی غیر نماز پر فوقیت ظاہر کرنے کے لئے اس صفت کو بقیہ صفات سے الگ کر دیا گیا۔ دوسری توجیہ یہ کہ یہ مجرور ہے۔ کیونکہ یہ باری تعالیٰ کے ارشاد بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ میں مذکور مَا کا معطوف ہے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ کتابوں اور نماز کی پابندی کرنے والے یعنی انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ کے صحیفہ میں وَالمقِيمُوْنَ واؤ کے ساتھ ہے یہی مالک بن دینار جحدری اور عیسیٰ ثقفی کی قرارت ہے۔ تب تو آیت میں کوئی اشکال نہیں۔

---

[1] یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور فرقہ صابئین۔ (پ ۶ ع ۱۴)

وَاَمَّا الاٰیَۃُ الثَّانِیَۃُ فَفِیْھَا اَیْضًا اَوْجُہٌ، اَرْجَحُھَا وَجْھَانِ، اَحَدُھُمَا: ان یکون (الَّذِیْنَ ھَادُوْا) مرتفعًا بالابتداءِ، و (الصَّابِئُوْنَ وَالنَّصَارٰی) عطفًا علیہ، والخبرُ محذوف، والجملۃ فی نیۃ التاخیر عمّا فی حَیِّز "ان" من اسمھا وخبرھا، کانہ قیل: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمنوا بالسنتہم من اٰمنَ منھم۔ ای بقلبہ۔ باللہ اِلٰی اٰخرِ الاٰیۃ، ثمّ قیل: وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ والنصارٰی کذٰلک۔

اور دوسری آیت میں بھی متعدد توجیہات ہیں۔ ان میں سے راجح دو توجیہ ہیں۔ اول یہ کہ الَّذِیْنَ ھَادُوْا مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔ اور الصَّابِئُوْن والنَّصَارٰی کا اسی پر عطف ہو۔ اور خبر محذوف ہے۔ اور جملہ مراداً اِنَّ کے تحت واقع اسم وخبر سے مؤخر ہے۔ گویا کہ کہا گیا اِنَّ الَّذِیْنَ الخ بیشک جو لوگ اپنی زبانوں سے ایمان لائے ان میں سے جو لوگ اپنے دل سے (بھی) اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے الخ پھر کہا گیا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا الخ اور یہودی، صابی اور نصارٰی بھی ایسے ہی ہیں[1]۔

والثانی ان یکونَ الامرُ علٰی مَا ذکرناہ من ارتفاع (الَّذِیْنَ ھَادُوْا) بالابتداءِ وکون مَا بعدھَا عطفًا علیہ، ولکن یکون الخبرُ المذکور لہٗ، ویکون خبر "ان" محذوفًا مدلولًا علیہ بخبرِ المبتدأ کانہٗ قیل: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمنوا من اٰمنَ منھم، ثم قیل: وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا الخ والوجہُ الاوّل اجود، لانّ الحذفَ من الثانی لِدلالۃِ الاوّلِ اَولٰی مِنَ العکسِ، وقرأ اُبَیّ بن کعب (وَالصَّابِئِیْنَ) بالیاء، وھی مرویۃ عن ابن کثیر، ولا اشکال فیھا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ صورت (ترکیب) وہی ہو جو ہم نے ذکر کی، یعنی مبتدا ہونے کی وجہ سے الَّذِیْنَ ھَادُوْا کا مرفوع ہونا، اور مابعد (الصَّابِئُوْنَ) کا اسی پر عطف ہونا۔ لیکن (فرق یہ ہے کہ) مذکورہ خبر اس (الَّذِیْنَ ھَادُوْا) کی ہوگی۔ اور اِنَّ کی خبر محذوف ہوگی جس پر مبتدا کی خبر کے ذریعہ دلالت ہو رہی ہے گویا کہ کہا گیا، اِنَّ الَّذِیْنَ الخ پھر کہا گیا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا الخ پہلی توجیہ زیادہ عمدہ ہے۔ کیونکہ خبر اوّل کی

---

[1] اس توجیہ کو سمجھنے کے لئے پوری آیت پیش نظر رکھیں: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصَارٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (پ ۶ ع ۱۴) اس توجیہ کے مطابق الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مبدل منہ، مَنْ اٰمَنَ الخ بدل البعض۔ دونوں مل کر اِنَّ کا اسم، فلا خوفٌ علیہم، اِنَّ کی خبر ہے۔ اور الَّذِیْنَ ھَادُوْا تا النَّصَارٰی مبتدا، اور کذٰلک خبر محذوف ہے۔

وجہ سے دوسرے یعنی الَّذِیْنَ ھَادُوْا سے (خبر کا) حذف اس کے برعکس کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔
اور ابی بن کعبؓ نے " الصَّابِئِیْنَ " یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہی قرارت ابن کثیر سے مروی ہے۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

ثمّ قلت: واُلحِقَ بِه: أُولُو، وعَالَمُوْنَ، وأَرَضُوْنَ، وَسِنُوْنَ، وَعِشْرُوْنَ، وبابُهُمَا واَهْلُوْنَ وعِلِّيُّوْنَ ونحْوُه۔ واقول: اُلحق بجمع المذكر السّالم الفاظٌ، منها اُولو، وليس بجمع، وانّما هو اسم جمع، لا واحد له من لفظه، وانّما له واحد من معناه، وهو ذُو، ومن شواهده قوله تعالیٰ: (وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰی۔)

م: اسی سے ملحق ہیں اُولو، عَالمون، ارضون، سنون اور عشرون اور ان (آخری) دونوں کے اخوات اور اھلون، علیون وغیرہ۔

ش: جمع مذکر سالم سے ملحق کچھ الفاظ ہیں۔ ان میں سے ایک اُولو ہے۔ یہ جمع نہیں، بلکہ اسم جمع ہے[۱]۔ اس کا کوئی واحد لفظی نہیں ہے لیکن اس کا واحد معنوی یعنی " ذو " ہے۔ من جملہ اس کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَلَا يَأْتَلِ[۲] الخ ہے۔

(لا) ناهية (يَأْتَلِ) فعل مضارع مجزوم بلا النّاهية، وعلامة جزمه حذف الياء واصله يَأْتَلِي، ومعناه يحلف، وهو يفتعل من الالية۔ وهي اليمين، أو من قولهم: "مَا أَلَوْتُ جُهْدًا" اى مَا قصّرتُ، وعلى الاوّل فاصلُ (ان يُّؤتوا) على ان لا يؤتوا، فحذفت على ولا، كما قال الله تعالیٰ: (يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوْا)، اى لِاَنْ لاتَضِلُّوا، وعلى الثاني فأصله في ان يّؤتوا، فحذفت "في" خاصة، وقرئ (ولا يَتَأَلَّ) واصله يَتَأَلَّى، وهو يتفعّل من الأَلِيّة، و(اُولوا) فاعل يأتل وعلامة رفعه الواو، و (اُولِي) مفعول بيؤتوا، وعلامة نصبه الياء۔

---

[۱] جمع وہ اسم ہے جو تین یا زائد افراد کو بتائے، اور اس کا کوئی واحد لفظی ہو۔ اسم جمع وہ اسم ہے جس میں جمعیت کا معنی ہو، مگر اس کا واحد لفظی نہ ہو، ہاں واحد معنوی ہو۔ جیسے جندی کی جمع جیش، رَجُل یا اِمرأة کی جمع قوم ما جامع الدروس العربیہ ج۲ ص

[۲] اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں اہل قرابت کو دینے سے قسم نہ کھائیں۔ پ۱۸ ع ۹)

• لا • برائے نہی • یأتلِ • فعل مضارع ، لائے نہی کی وجہ سے مجزوم ہے۔ علامتِ جزم یار کا حذف ہے۔ اس کی اصل یأتلِی ہے۔ اور اس کے معنی • یحلف • (قسم کھاتا ہے) کے ہیں۔ اور یہ یا تو الالیۃ بمعنی الیمین یا ان کے قول • مَا الوتُ جُہدًا بمعنی • مَاقصرتُ سے یفتعل (باب افتعال کا فعل مضارع) ہے پہلی صورت میں • ان یُؤتوا • کی اصل علیٰ ان لایُؤتُوا • ہوگی۔ لہٰذا علیٰ اور لَا (دو کلمے) حذف کر دیے گئے، جس طرح باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔ اس کی اصل لِاَنْ لَاتَضِلُّوا ہے (اس میں بھی لِ اور لَا حذف کر دیے گئے۔) اور دوسری صورت میں اس کی اصل • فی اَنْ یُؤتوا ہوگی۔ اس صورت میں صرف • فی • حذف کیا گیا۔ اور ایک قرارت • وَلَا یَتَأَلَّ ہے۔ جس کی اصل یَتَأَلّیٰ ہے۔ اور وہ الالیۃ سے یتفعل (باب تفعل کا مضارع) ہے۔ اور اُولو، یأتلِ کا فاعل ہے۔ علامت رفع واؤ ہے۔ اُولی، یُؤتوا کا مفعول بہ ہے۔ اس کی علامتِ نصب یار ہے۔

وقَالَ اللّٰہُ تعالیٰ: (اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ): فھٰذا مثال المجرور، وذانک مثالا المرفوع والمنصوب۔ ومنھا • عَالَمُون • و • عشرون • وبابہ الی التسعین: فانّھا اسماء جموع ایضًا لا واحد لھا من لفظِھا۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ الخ یہ (اُولوا) مجرور کی مثال ہے۔ اور وہ دونوں (اُولو) مرفوع و منصوب کی مثالیں ہیں۔ اور انہیں الفاظ میں سے عالمون ، عشرون اور تسعون تک اس کے اخوات ہیں۔ کیونکہ یہ بھی اسمار جمع ہیں (جمع نہیں) ان کا کوئی واحد لفظی نہیں ہے۔

ومنھا • اَرَضُوْنَ • وھو بفتح الرّاءِ، وھو جمع تکسیر لمؤنث لا یعقل: لاَنّ مفردہٗ اَرْضٌ سَاکِن الرّاءِ۔ والارض مؤنثۃ: بدلیل (واخرجتِ الارضُ اثقالھا) وھی مِمّا لا یعقل قطعًا، وانّما حق ھٰذا الاعراب۔ ای الّذی یجمع بالواوِ والنّونِ۔ ان یکون فی جمع تصحیح لمذکر عاقل، تقول ھٰذہ اَرَضُوْنَ، ورأیتُ اَرَضِیْن، ومررتُ بِاَرَضِیْن،

۱؎ میں نے کوشش میں کوتاہی نہیں کی۔ ۲؎ وہ نہ دینے کی قسم نہ کھائیں۔

۳؎ دینے میں کوتاہی نہ کریں۔ ۴؎ اس میں اہلِ عقل کے لیے بڑی عبرت ہے۔ پ۲۳ ع ۱۷)

وفی الحدیث، ومن غصب قِیدَ شِبْرٍ من اَرْضٍ طُوِّقَهُ من سَبْعِ اَرَضِین یوم القیٰمۃ ،
ورُبَّمَا سکنت الرّاءُ فی الضرورۃ، کقولہ :

۱۲- لَقَدْ ضَجَّتِ الاَرْضُونَ اذ قامَ من بنی ❊ هَدَادٍ خطیبٌ فَوْقَ اَعْوَادِ مِنْبَرِ

اور انہیں الفاظ میں سے "اَرَضُوْن" بفتح الرّاء ہے۔ یہ مؤنث غیر عاقل کی جمع تکسیر ہے۔ کیونکہ اس کا واحد "اَرْضٌ" بسکون الراء ہے۔ اَرْضٌ مؤنث ہے اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ الخ[1] کی دلیل سے۔ یہ قطعی طور پر غیر عاقل ہے۔ اس معرب یعنی جس کی جمع واوَ نون کے ساتھ آتی ہے۔ کو مذکر عاقل کی جمع سالم (کے حکم) میں ہونا چاہئے۔ جیسے هٰذِهٖ اَرَضُوْنَ وغیرہ۔ اور (جیسے) حدیث میں ہے من غصب[2] الخ اور ضرورۃً کبھی رار کو ساکن کردیا جاتا ہے۔ جیسے لَقَدْ ضَجَّتْ[3] الخ

ومنها، سِنُون، وهو کاَرَضون، لانّه جمعُ سَنَةٍ، وسَنَةٌ مفتوح الاوّل، وسِنُون مکسور الاوّل، وسَنَة مؤنث غیرعاقل، واصلهٗ سَنَوٌ اَوْ سَنَهٌ بدلیل قولهم فی جمعه بالالف والتّاءِ: سَنَوَاتٌ، وسَنَهَات، وقولهم فی اشتقاق الفعل منه: سَانَهتُ و سَانَیْتُ، واصل سَانَیْتُ سَانَوْتُ فقلبُوا الواوَ یاءً حین تجاوزت متطرفة ثلاثة اَحْرُفٍ۔

انہیں الفاظ میں سے سِنُون ہے۔ یہ بھی اَرَضُوْنَ کی مانند ہے۔ کیونکہ یہ سنة کی جمع ہے۔ اور سَنَةٌ کا پہلا حرف مفتوح ہے، اور سِنُوْنَ کا پہلا حرف مکسور ہے۔ سَنَةٌ مؤنث غیر عاقل ہے۔ اس کی اصل سَنَوٌ یا سَنَهٌ ہے۔ اس کی (پہلی) دلیل عربوں کا اس کی جمع الف تار کے ساتھ لاتے وقت سَنَوَاتٌ اور سَنَهَاتٌ کہنا ہے۔ اور (دوسری) دلیل اس سے فعل کے اشتقاق کے وقت میں سَانَهتُ اور سَانَیْتُ کہنا ہے۔ سَانَیْتُ کی اصل سَانَوْتُ ہے۔ پھر جب ثلاثی کلمہ میں کنارہ پر واقع واوَ آگے بڑھ (کر چوتھے حرف کی جگہ پہونچ) گیا تو اہل عرب نے واوَ کو یار سے بدل دیا۔

---

[1] اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ پ۳۰ ع ۲۲)

[2] جس شخص نے ایک بالشت زمین غصب کرلی، قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق بناکر اس کے ڈالا جائیگا۔

[3] اہل زمین شور و غوغا مچارہے ہیں اس لئے کہ بنی ہداد کا خطیب منبر کی لکڑیوں (سیڑھیوں پر) کھڑا ہوگیا۔ شاعر بنی ہداد کی مذمت کررہا ہے۔ کہ یہ لوگ سربراہی اور صدارت کے اہل نہیں۔ یہ تو گفتگو بھی صحیح نہیں کرپاتے۔ چہ جائیکہ خطابت۔ مستدل: الارضون ہے۔ رار ضرورۃً ساکن ہے۔ الف نون کے ساتھ جمع مذکر عاقل کی آتی ہے جبکہ یہ اَرْضٌ مؤنث غیر عاقل کی جمع ہے۔

ومن شواهد سنين قوله تعالىٰ: (وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ) نقرأ (مائة) علىٰ وجهين: منونة وغير منونة، فمَن نوّنها فـ(سنين) بدل من ثلاث، فهي منصوبة، والياء علامة النصب، قيل: أو مجرورة بدل من مائةٍ، والياء علامة الجر وفيه نظر، لانّ البدل يعتبر لصحته إحلاله محل الاوّل مع بقاء المعنى، ولو قيل: ثلاث سنين لاختلّ المعنى كما ترىٰ، ومن لم ينوّنها فسنين مضاف اليه فهي مخفوضة والياء علامة الخفض، ولم تقع في القرآن مرفوعة، ومثالها قول القائل۔

۱۷۔ ثم انقضت تلك السّنون واهلها ، فكأنّها وكأنّهم أحلامُ

اور "سنین" کی ایک مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَبِثُوا[1] الخ تم "مِائة" کو دو طرح پڑھ سکتے ہو۔ بالتنوین، بلا تنوین۔ پھر جو حضرات اس کو تنوین دیتے ہیں تو (ان کے نزدیک) سنین (یا تو) ثلاث سے بدل ہے۔ اس صورت میں منصوب ہوگا۔ اور یاء علامت نصب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یاء مجرور ہے۔ مِائة سے بدل ہے۔ اور یاء علامت جر ہے۔ اس قول میں تردد ہے۔ اس لئے کہ بدل کے صحیح ہونے کے لئے بقاء معنیٰ کے ساتھ بدل کا اول (مبدل منہ) کے قائم مقام ہونا معتبر (ضروری) ہے۔ اگر (دوسرے قول کے مطابق) "ثلاث سنین" کہا جائے تو معنی بگڑ جائیں گے۔ جیسا کہ صاف ظاہر (نظر آرہا) ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کو تنوین نہیں دی ہے تو (ان کے نزدیک) سنین مضاف الیہ ہے جس کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور یاء علامت جر ہے۔ اور قرآن میں (سنون) مرفوع نہیں آیا ہے۔ سنون (مرفوع) کی مثال شعر ہے ثم انقضت[2] الخ

واشرت بقولي "وبابه" إلىٰ ان كلّ ما كان كسنين — في كونه جمعًا للثلاثي، حذفت لامُهُ، وعوّض عنها هاء التأنيث — فانّه يُعرب هذا الاعراب۔ وذلك كقُلَةٍ وقُلِينَ، وعِزَةٍ وعِزِينَ، وعِضَةٍ وعِضِينَ، قال الله تعالىٰ (عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ)

---

[1] اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس رہے۔ پ۱۵ ع ۱۶)

[2] وہ سال بھی ختم ہوگئے اور سال والے بھی۔ ایسا لگتا ہے کہ سال اور سال والے خواب تھے۔ یعنی دوستوں میں بیٹھکر ہنسی خوشی میں بیتے ایام خواب وخیال معلوم ہوتے ہیں۔ یہ شعر ابو تمام حبیب بن اوس الطائی (متوفی ۲۳۱ھ) کے قصیدہ کا ہے۔ ان کا شمار قابل حجت شعراء میں نہیں ہے۔ محل استشہاد السّنون ہے جو اسم اشارہ سے بدل (مشار الیہ) ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں ہے۔ ملحق بجمع مذکر سالم ہونے کی بناء پر اس کو رفع بشکل واؤ دیا گیا ہے۔

ای فِرقًا شتّٰی، لِاَنّ کلّ فرقۃٍ تعتزی الیٰ غیر من تعتزی الیہ الفرقۃ الاخریٰ، وانتصابھا علیٰ انھا صفۃ لمُھْطِعِیْنَ بمعنی مسرعین، وانتصاب مھطعین علی الحال۔

اور میں نے اپنے قول "وبَابُہٗ" سے ہر اس (اسم) کی جانب اشارہ کیا ہے جو ثلاثی کلمہ کی جمع ہونے میں سِنِیْنَ کی طرح ہو جس کا لام کلمہ حذف کر دیا گیا ہو۔ اور اس کے عوض میں تاء تانیث (مدوّرہ) لائی گئی ہو۔[1] تو اس کو یہی اعراب دیا جاتا ہے۔ جیسے قُلَۃٌ (گُلّی) قُلِیْنَ، عِزَۃٌ (گروہ) عِزِیْنَ، عِضَۃٌ (فرقہ، ٹکڑا) عِضِیْنَ۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، عَنِ الْیَمِیْنِ" یعنی داہنے اور بائیں سے اوڑے چلے آرہے ہیں آپ کی طرف) مختلف گروہ بن بن کر، کیونکہ ہر فرقہ منسوب ہوتا ہے اس شخص کے علاوہ کی جانب جس کی جانب دوسرا فرقہ منسوب ہے۔ اور عِزِیْنَ کا منصوب ہونا مُھْطِعِیْنَ کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور مُھْطِعِیْنَ کا منصوب ہونا حال ہونے کی وجہ سے ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ: (الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ) فعضین: مفعول ثانٍ لجعل منصوبٌ بالیاء، وھو جمع عِضَۃٍ، واختلف فیھا، فقیل، اَصْلُھَا عِضْوٌ۔ من قولھم "عضّیتہ تعضیۃً" اذا فرّقتہٗ: قال رؤبۃ: ۱۸ – " وَلَیْسَ دِیْنُ اللّٰہِ بِالْمُعَضّٰی "

یعنی بالمُفَرَّقِ: ای جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ اَعْضَاءً، فقال بعضھم: سحرٌ، وقال بعضھم کھانۃٌ، وقال بعضھم اساطیر الاوّلین، وقیل: اَصْلُھا عضھۃٌ من العضہِ، وھو الکذبُ والبُھتانُ، وفی الحدیث "لا یَعْضَہْ بَعْضُکم بعضًا"

---

[1] حاصلِ کلام یہ ہے کہ بابِ سنین سے مراد ہر وہ جمع ہے جس کے مفرد میں تین قیدیں پائی جاتی ہوں۔ (۱) مفرد ثلاثی ہو۔ لہٰذا جعفر جیسا خارج ہوجائیگا۔ کیونکہ ثلاثی نہیں۔ (۲) لام کلمہ حذف کر دیا گیا ہو۔ لہٰذا عِدۃ، صِفۃ اور ضِعۃ خارج ہوجائیگا۔ کیونکہ ان میں فاء کلمہ حذف کیا گیا ہے۔ اور تمرۃ اور کلمۃ بھی اس قید سے نکل جائیں گے۔ کیونکہ ان میں کچھ حذف ہی نہیں ہوا۔ (۳) لام محذوف کے عوض تاء تانیث لائی گئی ہو۔ لہٰذا یدٌ، دمٌ نکل جائیگا۔ کیونکہ ان میں حذف کا عوض نہیں لایا گیا۔ اور اسی قید سے اِسمٌ جیسا لفظ بھی نکل جائیگا۔ کیونکہ اس میں عوض بشکل تاء تانیث نہیں لایا گیا۔ مؤلفؒ کو مزید چوتھی قید ذکر کرنی چاہیے تھی کہ اس کی جمع تکسیر نہ آتی ہو۔ لہٰذا شاۃ اور شفۃ نکل جائیگا۔ کیونکہ ان کی جمع تکسیر شیاہ اور شفاہ آتی ہے۔ ذکر کردہ چار قیدوں کے بعد اگر کسی اسم کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے تو وہ شاذ کہلائیگی۔ مثلاً اَضَاۃٌ کی جمع اَضُوْنَ اور حَرّۃ کی حرّون شاذ ہے۔ کیونکہ ان میں حذف نہیں ہوا۔ اسی طرح رِقۃ، لِدۃ، حِشۃ کی جمع رِقُوْنَ، لِدُوْنَ اور حِشُوْنَ شاذ ہے۔ کیونکہ ان میں فاء کلمہ محذوف ہے۔ جیسا کہ ابٌ، اخٌ کی جمع ابُوْنَ، اخُوْنَ بھی شاذ ہیں۔ کیونکہ ان میں لام کلمہ محذوف ہے۔ لیکن ان کا کوئی عوض نہیں لایا گیا۔ اور ظُبَۃ کی جمع ظبون بھی شاذ ہے۔ کیونکہ اس کی جمع تکسیر ظُبًی بروزن مُدًی آتی ہے۔

(منتہی الارب)

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الخ عِضِیْنَ. جَعَلُوا کا مفعول ثانی ہے، بشکلِ یا منصوب ہے۔ یہ عِضَۃٌ کی جمع ہے۔ اس (کی اصل) میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی اصل عِضْوٌ ہے۔ جو اہل عرب کے قول عضّیتہٗ تعضیۃً سے ماخوذ ہے (اسوقت بولا جاتا ہے) جبکہ آپ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ رؤبہ شاعر نے کہا ہے ولیس دین الخ (اللہ کا دین مُعَضّٰی (یعنی ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا) نہیں ہے) یعنی جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے تھے کہ بعض لوگوں نے جادو کہا۔ بعض نے کہانت اور بعض نے گذشتہ لوگوں کے افسانے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی اصل عضھۃ تھے جو عضہ بمعنی جھوٹ، بہتان سے ماخوذ ہے۔ حدیث شریف میں ہے لا یعضہ الخ

ثمّ قلت: السّادسُ یفعلان وتفعلان ویفعلون وتفعلون وتفعلین، فإنّها ترفع بثبوتِ النّون، وتنصبُ وتجزم بحذفِها، وامّا تحاجّونی فالمحذوف نون الوقایۃ، وامّا (إلّا أن یَعْفُوْنَ) فالواو اصل، والفعل مبنیٌّ، بخلاف (وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی)

وا قولُ: البابُ السّادسُ مِمّا خرجَ عنِ الاصلِ: الامثلۃُ الخمسۃُ، وھی: کلّ فعلٍ مضارعٍ اتّصل بہ الف اثنین او واوُ جماعۃ، او یاء مخاطبۃ۔

م: چھٹا (باب) یفعلانِ وغیرہ بیان کا رفع نون کے ذکر کے ساتھ، اور نصب جزم نون کے حذف کے ساتھ آتا ہے۔ رہے "تُحَاجُّوْنِی" جیسے کلمات۔ تو (ان میں) نونِ وقایہ محذوف ہے۔

---

[۱] جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے تھے۔ (پ ۱۴ ع ۶) [۲] مؤلف نے عِضِین کے مفرد عِضَۃ کی اصل کے سلسلہ میں دو مذہب ذکر کئے ہیں (۱) تعضیۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا، جدا جدا کرنا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "عَضّیتُ الذّبیحۃ" میں نے جانور کے حصے بخرے کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی معنی کے پیش نظر جعلوا القرآن عضین کی تفسیر "جزّوا القرآن اجزاءً" سے کی ہے۔ اور شاعر نے اسی معنی میں "معضّی" استعمال کیا ہے۔ اس لحاظ سے اسکی اصل عِضْوٌ ہوئی۔ جس کی جمع اَعْضَاء آتی ہے۔ اور اعضاء جسم کے ٹکڑے ہوتے ہی ہیں۔ عضوٌ ثلاثی معتل لام ہے۔ لام کلمہ کے عوض "ۃ" لائی گئی۔ تو عِضَۃ ہوگیا۔ (۲) عِضَۃ (یعنی جادو، کہانت، بہتان اور الزام) سے ماخوذ ہے۔ حدیث میں یہی معنی مراد ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع عِضَاہ آتی ہے جیسے شَفَۃ کی جمع شِفَاہٌ آتی ہے۔ اور اس کی تصغیر عُضَیْہَۃ آتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جمع اور تصغیر میں الفاظ کی اصل واپس آجاتی ہے

[۳] ایک دوسرے پر بہتان نہ لگائے۔

[۴] یعنی وہ صیغے جن میں نونِ تثنیہ یا نونِ جمع کے ساتھ نونِ وقایہ جمع ہوجائے اور ایک نون گرا دیا گیا ہو تحاجونی میں ایک قرارت نونِ مشدّدہ کے ساتھ ہے، اور ایک مخففہ کے ساتھ۔ یہاں دوسری قرارت مراد ہے۔

(مذکر نونِ جمع) اور اِلَّا اَنْ یَّعْفُوْنَ (میں) واؤ اصلی ہے۔ (مذکر جمع کا) اور یہ فعل (مضارع صیغہ جمع مؤنث غائب) مبنی ہے۔ برخلاف، وان تعفوا کے۔

ش: چھٹا باب ان (ابوابِ سبعہ) میں سے جو اصل سے مستثنیٰ ہیں (مذکورہ) پانچ مثالیں ہیں یعنی ہر وہ فعل مضارع جس میں تثنیہ کا الف یا جمع کا واؤ یا واحد مؤنث حاضر کی یا لگی ہوئی ہو۔

وحُکمُھَا اَنْ تُرْفَعَ بثبوتِ النُّونِ نیابۃً عنِ الضمۃ، وتنصبَ وتُجزمَ بحذفِھَا نیابۃً عنِ الفتحۃِ والسُّکونِ، مثالُ الرَّفعِ قولہُ تعالیٰ: (فِیْہِمَا عَیْنَانِ تَجْرِیَانِ) (وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) (وَاَنْتُمْ تَشْہَدُوْنَ) (وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ) فالمضارع فی ذلک کلِّہ مرفوع، لِخُلُوِّہٖ عنِ النَّاصبِ والجازمِ۔ وَعلامۃُ رفعِہٖ ثبوتُ النُّونِ، ومثالُ الجزمِ والنصبِ قولہُ تعالیٰ: (فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا) فـ (لم تفعلوا) جازمٌ ومجزومٌ، و (لن تفعلوا) ناصبٌ ومنصوبٌ، وعلامۃُ الجزمِ والنصبِ فیہِمَا حذفُ النُّونِ۔

ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو رفع ضمہ کے بجائے، نون کے ذکر کے ساتھ اور نصب و جزم۔ فتحہ و سکون کے بجائے نون کے حذف کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ رفع کی مثالیں فِیْہِمَا[1] الخ وغیرہ ہیں کہ مضارع ان تمام مثالوں میں ناصب و جازم سے خالی ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ علامتِ رفع نون کا ذکر ہے۔ اور جزم و نصب کی مثالیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا الخ ہے۔ لم تفعلوا جازم و مجزوم ہے، اور، لن تفعلوا، ناصب و منصوب ہے۔ اور جزم و نصب کی علامت نون کا حذف ہے۔

فان قلت: فما تصنع فی قولہٖ تعالیٰ: (اِلَّا اَنْ یَّعْفُوْنَ) فانَّ، اَنْ، ناصبۃ، والنُّونُ ثابتۃ معہ؟ قلتُ: لیست الواوُ ھُنا واوَ الجماعۃ، وانّما ھی لامُ الکلمۃ التی قولک، زیدٌ یَعْفُو، ولیست النون ھنا نونَ الرَّفع، وانَّما ھی اسمٌ مضمرٌ عائدٌ علی المطلقات مثلھا فی (والمطلّقاتُ یَتَرَبَّصْنَ) والفعلُ مبنیٌّ لاتصالہٖ بنونِ النِّسوۃ، ووزن یعفون علی ھذا یَفْعُلْنَ، کما انّک اذا قلت، النِّسوۃُ یَخرجن، او، یَکْتُبْنَ، کان ذلک وزنہٗ وامّا اذا قلتَ، الرِّجالُ یَعْفُوْنَ، فالواوُ واوُ الجماعۃ، وَالنُّونُ علامۃُ الرَّفعِ، والأصلُ

---

[1] ان دونوں (باغوں) میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جاویں گے۔ (پ ۲۷ ع ۱۳)

يَعْفُوُوْنَ، بواوين أولا هما لام الكلمة والثانية واوُ الجماعةِ، فَاسْتُثْقِلَتِ الضَّمة على واو قبلها ضمة وبعدها واو ساكنة - وهي الواو الأولى، فحذفتِ الضمة فالتقى ساكنان، وهما الواوان، فحذفت الأولى -

اعتراض :- آپ باری تعالیٰ کے ارشاد اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ میں کیا کریں گے۔کیونکہ اَنْ ناصبہ ہے۔ اور "نون" اس کے باوجود باقی ہے -

جواب : - واوَ یہاں واوِ جمع (مذکر غائب کا) نہیں - بلکہ یہ تو لام کلمہ ہے - جیسا کہ تمہارے قول زیدٌ يَعْفُوْ میں ہے۔ اور نون یہاں نونِ رفع (نون اعرابی) نہیں بلکہ یہ تو اسم ضمیر ہے - جو المطلّقات کی طرف لوٹ رہی ہے - جیسے وَ "المطلّقاتُ يَتربَّصْنَ" میں - اور فعل یعنی "یعفون" نون جمع مؤنث سے متصل ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔ اس صورت میں یعفون کا وزن يَفْعُلْنَ ہے - جیسا کہ جب آپ کہیں گے النسوة يخرجن یا يكتبن - تو یہ اس کے ہموزن ہوں گے - لیکن جب آپ "الرِّجال يعفون" کہیں گے، تو یہ اس کے ہموزن نہیں ہوگا، بلکہ اس میں) واو، واوِ جمع ہوگا، اور نون علامت رفع - اور اس کی اصل يَعْفُوُوْنَ دُو واوَ کے ساتھ ہے جن میں پہلا لام کلمہ اور دوسرا واوِ جمع ہے - پھر ضمہ ثقیل محسوس ہوا - اُس واوَ پر جس سے پہلے ضمہ ہے اور اس کے بعد واوَ ساکن ہے - اور (جس پر ضمہ ثقیل ہے) وہ پہلا واوَ ہے لہٰذا ضمہ حذف ہوگیا - پھر دُو ساکن یعنی دُو واوَ جمع ہوگئے - جس کی وجہ سے پہلا حذف کر دیا گیا -

وانّما خُصّت بالحذفِ دون الثانيةِ لِثلاثةِ امورٍ: أحدُها: اَنّ الاوّل جزءٌ (كلمةٍ) وَالثانيةَ كلمةٌ، وحَذْفُ جزءٍ اَسهلُ مِن حذف كلٍ، والثاني: انّ الأُولى آخِرُ الفعل، والحذف بالأواخِرِ أَولىٰ، والثالث: انّ الأُولى لاتدلّ على معنى والثانيةَ دالّةٌ على معنى، وحذف مالايدلّ أولى من حَذفِ مايدلّ، ولهٰذه الأوجهِ حذفوا لامَ الكلمةِ في "غازٍ" و "قاضٍ" دون التنوين، لانّه جِيءَ به لمعنى، وهو كلمةٌ مستقلة، ولايوصف بأنّه آخِر، اذ الآخِر الياء، ويزيد وجهًا رابعًا، وهو انّه صحيحٌ والياءُ معتلّةٌ۔

فلمّا حُذِفت الواوُ صار وزن يَعْفُوْنَ يَفْعُوْن، بحذف اللامِ، ولهٰذا اِذا أدخلت عليه النّاصبَ اوالجازمَ قلتَ: "الرِّجال لم يعفوا" و "لن يعفوا" فاعرف الفرق۔

دوسرے کے بجائے صرف پہلے ہی کو تین وجہوں سے حذف کیا گیا۔ اوّل یہ کہ پہلا واو جزء کلمہ ہے، دوسرا پورا کلمہ ہے۔ جزء کا حذف کل کے حذف سے سہل ہے۔ دوّم یہ کہ پہلا واؤ فعل کا آخری کلمہ ہے (اور دوسرا واوُ فعل سے خارج بطور علامتِ جمع ہے) اور آخر کا حذف بہتر ہے۔ سوّم یہ کہ پہلا کسی معنی پر دال نہیں ہے۔ اور دوسرا معنیٰ (جمع) پر دال ہے۔ غیر دال کا حذف دال کے حذف سے اولیٰ ہے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر اہلِ عرب نے "غازٍ" اور "قاضٍ" میں بجائے تنوین کے لام کلمہ حذف کیا۔ کیونکہ تنوین کو ایک معنی کے لئے لایا گیا ہے۔ اور یہ ایک مستقل کلمہ ہے۔ اور اس کو کلمہ کا آخری جز بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ آخر میں تو یا ہے۔ اور ایک چوتھی وجہ کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ کہ تنوین حرفِ صحیح ہے۔ اور یا حرفِ علّت ہے۔ جب واو کو حذف کیا گیا تو یعفون کا وزن لام کلمہ حذف ہوجانے کی وجہ سے (یفعلون سے گھٹکر) یفعون رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اس پر ناصب یا جازم داخل کریں گے تو "الرّجال لم یعفوا اور لن یعفوا کہیں گے۔ فرق سمجھ لیجئے۔

ثمّ قلت: السَّابِعُ الفعلُ المعتلّ الأخر کیغزُوْ، ویخشٰی، ویرمِی، فانّهٗ یُجزم بحذفه، ونحو (اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ)[1] مُؤوَّلٌ۔ واقولُ: هٰذِهٖ خاتمةُ الابواب السَّبعة الّتی خَرجتْ عن القیاس، وهو الفِعلُ (المضارع) الّذی اٰخِرهٗ حرفُ عِلّةٍ، وهو الواوُ والالِفُ والیاءُ۔ فانّهٗ یجزمُ بحذفِ الحرفِ الاخیرِ نیابةً عن حذفِ الحرکة، تقول: "لَمْ یَغْزُ" و "لَمْ یَخْشَ" و "لَمْ یَرْمِ"۔

م: ساتواں باب وہ فعل ہے جس کے آخر میں حرفِ علّت ہو جیسے یَغْزُوْ وغیرہ۔ کیونکہ اس کو جزم حرفِ علّت کے حذف کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ اور اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ، جیسا مؤول (تاویل کردہ) ہے۔ ش: یہ ان سات ابواب میں سے آخری باب ہے جو قیاس (اصل) سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی وہ فعل مضارع جس کے آخر میں حرفِ علّت یعنی واو، الف اور یا ہو، اس کو حرکت کے حذف کے بجائے آخری حرف حذف کرکے ...... جزم دیا جاتا ہے جیسے لَمْ یَغْزُ وغیرہ۔

قال الله تعالیٰ: (فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ) اللّام لامُ الامرِ، و "یدع" فعل مضارع مجزومٌ، علامة جزمه حذف الواو، (و نادِیه) مفعول ومضاف الیه، وظهرت الفتحة علی المنقوصِ

---

[1] جو شخص واقعی گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے (تو اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے) (پ ۱۳ ع ۴)

لخفتها، والتقدير فليدع اهل نادية: اى اهل مجلسه۔ وقال الله تعالیٰ: (وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ) (وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ) فهذان مثالان لحذف الالف، وقال الله تعالیٰ: (لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهُ) (لما) حرف جزم لنفي المضارع وقلبه ماضيا، كما ان «لم» كذلك، والمعنى ان الانسان لم يقض بعدُ ما امره الله تعالیٰ به حتى يخرج من جميع اوامره، وهذا مثال حذف الياء۔ والله أعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلْيَدْعُ الخ لام، لامِ امر ہے۔ «يدع» فعل مضارع مجزوم ہے۔ اور علامتِ جزم واؤ کا حذف ہے۔ نادِيَه مفعول اور مضاف الیہ (کا مجموعہ) ہے۔ اسم منقوص پر فتحہ خفیف ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوگیا۔ اصل فليدع أهل ناديه ہے یعنی اب یہ اپنے اہل مجلس کو بلالے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَمْ يَخْشَ[1] الخ وَلَمْ يُؤْتَ[2] الخ (بصورتِ جزم) یہ دونوں حذفِ الف کی مثالیں ہیں۔ اور ارشادِ خداوندی ہے لَمَّا يَقْضِ الخ «لمّا» حرفِ جزم ہے۔ فعل مضارع کو منفی اور ماضی بنانے کے لیے (آتا) ہے۔ جیساکہ «لم» کا یہی حال (عمل) ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ انسان نے ابتک وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا تھا (اور اُسوقت تک پورا کرنیوالا نہیں ہوسکتا ہے) جب تک کہ تمام احکام سے عُہدہ برآ نہ ہوجائے۔ یہ بصورتِ جزم حذفِ یاء کی مثال ہے۔ واللہ اعلم۔

واما قوله تعالیٰ: (إِنَّهُ مَن يَتَّقِي وَيَصْبِرْ) بإثبات الياء فى (يتّقى) وإسكان الراء فى (يَصْبِر) على قراءة قُنبل ـ فمؤوَّل، هذا جوابُ سؤال تقديره أنّ الجازم وهو (مَنْ) دخل على (يتّقى) ولم يحذف منه حرف العلّة، وهو الياء، فالجوابُ عنده أنّ (مَنْ) موصولة لا أنها شرطية، وسكون الراء من (يَصْبِر) اما لتوالي حركاتِ الياءِ والراءِ والفاء والهمزة تخفيفا، أوْ لِأنّه وَصَلَ بنية الوقف، اوعلى العطف على المعنى، لِأَنَّ «مَنْ» الموصولة بمنزلة الشرطية بعمومها وابهامها۔

رہا باری تعالیٰ کا ارشاد اِنَّهُ مَن يَتَّقِي وَيَصْبِرْ قُنبل کی قرارت کے مطابق يتقى میں اثبات یاء

---

[1] اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں (پ ۱۰ ع ۹) [2] اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ پ ۲ ع ۱۶)

اور یَصْبِرْ میں سکونِ را، کے ساتھ، تو مؤوّل ہے۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ جازم یعنی مَنْ (شرطیہ) یتق پر داخل ہے۔ اور اس (کے آخر) سے حرفِ علت «یار» کو حذف (کیوں) نہیں کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ من شرطیہ نہیں۔ موصولہ ہے۔ اور رآء کا سکون یا تو یاء، را، فاء اور ہمزہ[1] کی متواتر حرکتوں کی وجہ سے تخفیف کی بنا پر ہے۔ یا (سکون) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے وقف کی نیت سے وصل کیا[2] ہے۔ یا معنی پر عطف کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ مَنْ موصولہ اپنے عموم وابہام کی وجہ سے مَنْ شرطیہ ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔

ثُمَّ قلتُ: فصل۔ تُقَدَّرُ الحرکاتُ کلّها فی نحو «غلامی» ونحو «الفتی» ویُسمّٰی مقصورًا والضمّةُ والکسرةُ، فی نحو «القاضی» ویُسمّٰی منقوصًا، والضمّةُ والفتحةُ فی نحو «یخشٰی» و الضمّةُ فی نحو «یدعو» و «یرمی» واقول: الّذی تقدّر فیه الحرکات ثلاثة انواعٍ، مَا تقدّر فیه الحرکات الثلاث ومَا تقدّر فیه حرکتان، ومَا تقدّر فیه واحدة۔

م: فصل۔ غُلاَمِی اور الفتی جیسے میں تمام حرکات تقدیری ہوتی ہیں۔ اس (الفتی) کا نام اسم مقصور رکھا جاتا ہے۔ اور القاضی جیسے میں ضمہ اور کسرہ تقدیری ہوتے ہیں۔ اس کا نام اسم منقوص رکھا جاتا ہے۔ اور یخشٰی جیسے میں ضمہ اور فتحہ تقدیری ہوتے ہیں۔ اور یدعو، یرمی جیسے میں ضمہ تقدیری ہوتا ہے۔

ش: جس کلمہ میں حرکات تقدیری ہوں اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) جس میں تینوں حرکات تقدیری ہوں (۲) جس میں دو حرکات تقدیری ہوں۔ (۳) جس میں ایک حرکت تقدیری ہو۔

فامّا الّذی تقدّر فیه الثلاث فنوعان، احدُهما: مَا اضیف إلی یاءِ المتکلّم ولیس مثنّی، ولا جمعَ مذکرٍ سالمًا، ولا منقوصًا، ولا مقصورًا، وذٰلك نحو «غلامی» و «غلمانی» و مسلمانی، فهٰذه الامثلة ونحوها تعرب بحرکاتٍ مقدّرةٍ علی ما قبل الیاء، والّذی منع من ظهورها انهم التزموا ان یأتوا قبل الیاءِ بحرکةٍ تجانسها، وهی الکسرة، فاستمال حینئذٍ

---

[1] اس فار اور ہمزہ سے یصبر کے بعد فَاِنَّ اللّٰہَ لا یضیع کا فار اور ہمزہ مراد ہے۔

[2] یعنی اصلاً تو یہ مرفوع ہے لیکن چونکہ حالتِ وقف میں مرفوع بھی ساکن پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے وقف کی نیت کرلی تو ساکن پڑھ دیا۔ اگرچہ وقف نہیں کیا۔

المجئ بحركات الاعراب قبل الياء، إذ المحل الواحد لا يقبل حركتين فى الآن الواحد، فنقول: «جاء غلامي» فتكون علامة رفعه ضمة مقدرة على ما قبل الياء، و «رأيت غلامي» فتكون علامة نصبه فتحة مقدرة على ما قبل الياء، و «مررت بغلامي» فتكون علامة جره كسرة مقدرة على ما قبل الياء، لا هذه الكسرة الموجودة كما زعم ابن مالك، فإنها كسرة المناسبة، وهى مستحقة قبل التركيب. وإنما دخل عامل الجر بعد استقرارها.

جس میں تینوں حرکات تقدیری ہوتی ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ اسم جس کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہو، اور تثنیہ، جمع مذکر سالم، اسم منقوص اور اسم مقصور نہو۔ جیسے غُلَامِي وغیرہ۔ یہ اور ان جیسی مثالوں کو ماقبل یاء پر تقدیری حرکتوں کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے۔

جس چیز نے حرکتوں کو ظاہر ہونے سے روکا وہ یہ ہے کہ اہل عرب نے اس کا التزام کیا ہے کہ یاء سے پیشتر ایسی حرکت لائیں جو یاء سے مشابہت رکھتی ہو یعنی کسرہ، تب تو (ظاہر ہے کہ) اسوقت یاء سے پہلے اعرابی حرکات کا آنا محال ہوگا۔ کیونکہ محلِ واحد، آنِ واحد میں دو حرکتوں کو قبول نہیں کرتا ہے۔

لہٰذا جب ہم جَاءَ غُلَامِي کہیں گے تو علامتِ رفع مَاقبل یاء (میم) پر تقدیری ضمہ ہوگا۔ اور رَأَيْتُ غَلَامِي کہیں گے تو علامتِ نصب ماقبل یاء پر فتحہ تقدیری ہوگا۔ اور مَرَرْتُ بِغَلَامِي کہیں گے تو علامتِ جر ماقبل یاء پر کسرہ تقدیری ہوگا۔ نہ کہ یہ موجودہ کسرہ، جیسا کہ ابن مالکؒ کا خیال ہے۔ کیونکہ یہ تو (یاء کی) مناسبت کا کسرہ ہے جس کا استحقاق ترکیب (میں واقع ہونے) سے پہلے ہی ہوچکا تھا۔ اور عاملِ جر تو اس کے مستحق ہوجانے کے بعد آیا ہے (اور اعرابی کسرہ عامل سے پیشتر نہیں آتا ہے۔)

واحترزت بقولي «وليس مثنى ولا جمع مذكر سالمًا» من نحو «غُلَامَايَ [وغُلَامَيَّ] و «مُسْلِمِيَّ» فإن الياء تثبت فيهما جرًّا ونصبًا مدغمة فى ياء المتكلم، والالف تثبت فى المثنى رفعًا، وليس شيء من [الحرف] المدغم ولا من الالف قابلًا للتحريك، وقولى «ولا منقوصًا» لان ياء المنقوص تدغم فى ياء المتكلم، فتكون كالمثنى والمجموع جرًّا ونصبًا، وقولى «ولا مقصورًا» لان المقصور تثبت ألفه قبل الياء والالف لا تقبل الحركة فهو كالمثنى رفعًا.

اور میں نے اپنے قول ولیسَ مثنیٰ الخ سے غُلَامَایَ وغیرہ جیسے سے احتراز کیا ہے۔کیونکہ حالتِ جری ونصبی میں تثنیہ وجمع کے اندر یارِ تثنیہ وجمع، یارِ متکلم میں مدغم ہو کر باقی رہتی ہے۔اور حالتِ رفعی میں تثنیہ کے اندر الف باقی رہتا ہے (لہٰذا اعراب لفظی ہوا) اور نہ کوئی حرف مدغم حرکت قبول کرتا ہے اور نہ الف، اور میرا قول " وَلَا مَنْقُوْصًا " اس لئے ہے کہ اسم منقوص کی یار، یارِ متکلم میں مدغم ہو جاتی ہے۔لہٰذا یہ (یارِ منقوص) حالتِ جری ونصبی میں تثنیہ وجمع (کی یار) کی طرح ہو گی۔ (اور اس کا بھی اعراب لفظی ہوگا) اور میرا قول " وَلَا مَقْصُوْرًا " اس لئے ہے کہ اسم مقصور کا الف، یارِ متکلم سے قبل باقی رہتا ہے، اور الف حرکت کو قبول نہیں کرتا ہے۔لہٰذا یہ حالتِ رفعی میں تثنیہ کی طرح ہو گا۔

قال الله تعالیٰ: (يَا بُشْرَايَ هٰذَا غُلَامٌ) نُودِيَتِ البشریٰ مضافةً إلی یاءِ المتکلم، وفی الالفِ فتحةٌ مقدّرة، لانّهُ مُنادی مضاف، وقرأ الکوفیّون (يَا بُشْرٰی) بغیر اضافةٍ، فالمقدّر فی الالفِ امّا ضمّة کما فی قولك " یا فتی " لِمُعَیّنٍ، وامّا فتحة علی انّهُ نِداءٌ شائع مثل: (یَا حَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ) الّا انّهُ لم ینوّن، لکونه لا ینصرف لِاجْلِ الفِ التانیث۔

اور جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے يَا بُشْرَايَ[1] الخ بُشْریٰ کو یارِ متکلم کی جانب مضاف کر کے منادیٰ بنایا گیا۔اور الف پر فتحہ تقدیری ہے۔کیونکہ یہ منادیٰ مضاف ہے۔اور کوفیوں[2] نے یَا بُشْرٰی، بلا اضافت پڑھا ہے۔اس صورت میں الف پر تقدیری اعراب یا تو ضمہ ہو گا جیسے کسی متعین نوجوان کو ندا دیتے وقت " یَا فَتٰی " کہنا، یا فتحہ ہو گا۔کیونکہ یہ ندائے عام (نکرہ غیر معینہ) ہے جیسے یَا حَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ مگر بُشْریٰ کو تنوین نہیں دی گئی۔کیونکہ الف تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

والنوع الثانی: المقصور، وھو: الاسمُ المعربُ الّذی فی آخرِہ الف لازمة کـ " الفتی " و " العصا " تقول " جاء الفتی "، و " رأیت الفتی "، و " مررت بالفتی " فتکون الالف

---

[1] اے میرے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ تو لڑکا نکلا۔ پ ۱۲ ع ۱۲) بُشْرَايَ، عاصم، حمزہ، کسائی کے علاوہ کی قرأت ہے۔

[2] کوفہ میں حضرت عاصم، حمزہ اور کسائی کی قرأت کا رواج تھا۔(مقدمہ معارف القرآن)

سَاكِنة على كلّ حالٍ، وتقدر فيها الحركات الثلاث لتعذر تحركها. ومن محاسن بعض الفضلاء انّه كتب من مدينة "قوص" الى الشيخ العلامة بهاء الدّين محمّد بن النحاس الحلبي رحمه الله يتشوق اليه، ويشكو له نحوله، فقال:

۱۹- سَلِّمْ عَلَى المَوْلَى البَهَاءِ وَصِفْ لَه ... شَوقِي اِليه وأَنَّنِي مَمْلُوكُه
اَبداً يُحَرِّكُنِي اِليه تَشَوُّقِي ... جِسمِي به مَشْطُورُهُ مَنْهُوكُه
لٰكِن نَحلتُ لِبُعدِهٖ، فَكَأَنَّنِي ... اَلِفٌ، وَلَيس بِمُمكِنٍ تَحرِيكُه

دوسری قسم مقصور ہے۔ یعنی وہ اسم معرب ہے جس کے آخر میں الف لازم ہو جیسے فتی، عصا۔ آپ کہیں گے جاء الفتی وغیرہ۔ لہٰذا الف ہر حال میں ساکن ہو گا۔ اس پر حرکت کے متعذر ہونے کی وجہ سے تینوں حرکات تقدیری ہوں گی۔ اور کسی فاضل کا یہ کمال ہے کہ اس نے شہر قوص سے علامہ بہاء الدین حلبیؒ کو شوقِ ملاقات کا اظہار اور اپنے ضعف و لاغری کا شکوہ کرتے ہوئے لکھا۔ چنانچہ کہا ہے سلم[1] الخ

واما الّذي تقدر فيه الحركتان فنوعان، اَحَدُهما: ماتقدر فيه الضمة والكسرة فقط، وتظهر فيه الفتحة، وهو المنقوص، وهو الاسم المعربُ الّذي اٰخِرهٗ ياء لازمة قبلها كسرة، نحو "القاضي" و "الداعي" تقول: "جاء القاضِي" و "مررتُ بالقاضِيْ" بالسكون و "رأيت القاضيَ" بالتحريك، وانما قُدرتِ الضمةُ والكسرةُ للاستثقال، وانّما ظهرتِ الفتحة للخِفّةِ، قال الله تعالى: (فَلْيَدْعُ نَادِيَه) (اَجِيبُوا دَاعِيَ الله) (وَاِنِّي خِفْتُ المَوَالِيَ) (كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ) والتراقي جمعُ تَرْقُوَةٍ -بفتحة التاءِ- وهي العظم الّذي بين ثُغرة النحر والعاتق۔

---

[1] میرے آقا بہاء الدین کو میرا سلام پہنچا دو، اور ان سے میرے شوقِ ملاقات کو بیان کر دو۔ اور یہ بھی کہ میں ان کا غلام ہوں۔ میرا شوقِ ملاقات مجھے ہمیشہ ان کی خدمت میں حاضری کے لئے بیقرار رکھتا ہے، میرا جسم اس (شوق) کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے اور بے جان ہے۔ لیکن میں ان کی دوری کی وجہ سے (ایسا) لاغر ہو گیا ہوں گویا میں الف ہوں، اور الف کو حرکت دینا ممکن نہیں۔ (نوٹ) ان اشعار سے نہ کوئی استشہاد مقصود ہے اور نہ کسی قاعدہ کی تمثیل۔ مگر چونکہ ماسبق میں الف کے غیر متحرک ہونے کا ذکر تھا اس مناسبت سے اشعار ذکر کر دیئے گئے۔ شاعر نے علم بدیع کی صنعت توجیہ کے استعمال میں جو کمال دکھایا ہے کہ اس نے اپنے ضعف اور چلنے پھرنے سے عجز کو اصطلاحی زبان یعنی الف اور اسکے غیر متحرک ہونیکے ذریعہ بیان کیا ہے وہ کسی صاحب ذوق پر مخفی نہیں۔

جس میں دو حرکتیں تقدیری ہوتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ اسم جس میں صرف ضمہ اور کسرہ تقدیری ہوتا ہے لیکن فتحہ ظاہر (اور لفظی) ہوتا ہے۔ اور وہ اسم منقوص ہے یعنی ہر وہ اسم معرب جس کے آخر میں یاء لازمہ ماقبل مکسور ہو جیسے القَاضِی، الدَّاعِی آپ کہیں گے جَاءَ القَاضِی وغیرہ۔ اور ضمہ، کسرہ ہی (یاء پر) دشوار ہونے کی وجہ سے تقدیری رکھے گئے۔ اور فتحہ خفیف ہونے کی وجہ سے ظاہر (اور لفظی) ہوا۔ ارشاد باری ہے فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ، اجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ[1]، إِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ[2] كَلَّا إِذَا[3] الخ اور التَّرَاقِي۔ تَرْقُوَة (بفتح التاء) کی جمع ہے۔ وہ ہڈی جو سینہ اور شانہ کے درمیانی کنارہ پر ہوتی ہے (یعنی ہنسلی)

وَالنَّوعُ الثَّانِی: مَا تقدّر فیه الضمة والفتحة، وهو الفعلُ المُعْتَلُّ بالالفِ، تقول: «هو يَخْشَى» و «لن يَخْشَى» فاذا جَاءَ الجزمُ ظهر بحذفِ الآخرِ، فقلت «لم يَخْشَ» قالَ اللّٰهُ تعالى: (وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا)

دوسری قسم وہ فعل ہے جس میں ضمہ اور فتحہ تقدیری ہوتے ہیں۔ اور وہ فعل معتل الفی ہے جیسے هُوَ يَخْشَى وَلَنْ يَخْشَى اور جب (اس پر) جزم آتا ہے تو حرف آخر (الف) کے حذف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے لَمْ يَخْشَ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَنْسَ[4] الخ

وَامَّا الَّذِی یتقدّر فیهِ حرکةٌ واحدةٌ فهو شَیْئَانِ: الفعلُ المعتلُ بالواوِ کـ «یَدعو» و الفعلُ المعتلُ بالیاءِ کـ «یَرمِی» فهٰذان تُقَدّرُ فیهما الضمةُ فقط للاستثقالِ، تقول: «هو یَدعو» و «هو یَرمِی» فتکونُ علامةُ رفعِهِمَا ضمةً مُقَدَّرَةً، ویظهرُ فیهما شیئانِ: اَحَدُهُمَا النصبُ بالفتحةِ، وذلك لخفّتِها نحو «لن یَدعُوَ» و «لن یَرمِیَ» قال اللّٰه تعالى: (لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلٰهًا) (لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا) (لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ) (اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى) (لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ) الثانی: الجزمُ بحذفِ الآخرِ نحو «لَمْ یَدْعُ» و «لَمْ یَرْمِ» قال اللّٰه تعالى: (وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ) (وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ) (وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا) وانتصاب (مَرَحًا) على الحالِ، ای: ذامرحٍ وقُرِئَ (مَرِحًا) بکسرِ الرَّاءِ۔

---

[1] اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو (پ ۲۶ ع ۴) [2] میں (اپنے بعد) رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں (پ ۱۶ ع ۴) [3] ہرگز ایسا نہیں۔ جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے (پ ۲۹ ع ۱۷) [4] اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لینا) فراموش مت کر (پ ۲۰)

جن میں ایک حرکت مقدر ہوتی ہے وہ دو چیزیں ہیں (۱) فعل (مضارع) معتل واوی جیسے یَدْعُو اور فعل معتل یائی جیسے یَرْمِيْ ان دونوں میں ثقیل ہونے کی وجہ سے صرف ضمہ تقدیری ہوتا ہے۔ آپ کہیں گے ھُوَ یَدْعُوْ اور ھُوَیَرْمِیْ۔ تو ان میں علامت رفع تقدیری ضمہ ہوگا۔ اور دو چیزیں (حرکتیں) ان میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک نصب فتحہ کے ساتھ۔ اور یہ اس کے خفیف ہونے کی وجہ سے ہے جیسے لَنْ یَدْعُوَ، لَنْ یَرْمِيَ ارشاد باری ہے۔ لَنْ نَدْعُوَ الخ[1] لَنْ یُؤْتِیَهُمُ الخ[2] لِنُحْیِیَ[3] الخ اَلَیْسَ الخ[4] لَنْ نُغْنِیَ[5] الخ دوسرے جزم آخری حرف حذف ہونے کے ساتھ جیسے لَمْ یَدْعُ، لَمْ یَرْمِ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَقْفُ[6] الخ وَلَا تَبْغِ[7] الخ وَلَا تَمْشِ[8] الخ اور "مرحا" کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی اترانے والا۔ اور "مَرِحًا" بکسر الراء بھی پڑھا گیا ہے۔

ثم قلت: بابٌ ۔ البناءُ ضِدُّ الإعراب، والمبنی إمّا ان یطّرِدَ فیه السّکون وهو المضارع المتصل بنون الإناث، نحو: (یَتَرَبَّصْنَ) و (یُرْضِعْنَ) أو الماضی المتصل بضمیرِ رفعٍ متحرّكٍ کـ "ضَرَبْتُ" و "ضَرَبْنَا" أو السّکون او نائبُهٗ وهو الامرُ، نحو "اضرِبْ" و "اضرِبَا، واضرِبُوا و اضرِبِي، واغزُ، واخشَ، وارْمِ۔

م: باب۔ مبنی ہونا، معرب ہونے کی ضد ہے۔ اور مبنی میں یا تو لازمی طور پر سکون آئیگا۔ اور وہ، وہ فعل مضارع ہے جس میں جمع مؤنث کا نون لگا ہو جیسے یَتَرَبَّصْنَ، یُرْضِعْنَ اور یا وہ فعل ماضی ہے جس میں ضمیر مرفوع متحرک لگی ہو جیسے ضَرَبْتُ، ضَرَبْنَا اور یا اس میں سکون یا نائب سکون (لازمی طور پر آئیں گے) اور وہ امر ہے (سکون کی مثال) جیسے اِضْرِبْ (نائب سکون کی مثال جیسے) اِضْرِبَا وغیرہ۔

واقول: قد مضٰی أنّ الإعرابَ اثرٌ ظاهرٌ أو مقدّرٌ یجلبُه العاملُ فی اٰخرِ الکلمةِ۔ وذکرتُ هنا ان البناءَ ضدُّ الاعراب، فکأنّنی قلتُ: لیسَ البناءُ اثرًا یجلبُه العاملُ فی اٰخرِ الکلمةِ، وذلك کالکسرةِ فی "هؤلاءِ" فانّ العاملَ لم یجلبْها، بدلیل وُجُودِها مع جمیع العوامل

---

[1] ہم اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے (پ ۱۵ ع ۱۴) [2] اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا (پ ۴)
[3] تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں، اور اس سے سیراب کریں (پ ۱۹) [4] کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے (پ ۲۹) [5] ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے ان کے مال (پ ۴)
[6] جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو (پ ۱۵) [7] اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو (پ ۲۰)
[8] اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل (پ ۱۵)۔

وَالبناء: لزومُ آخرِ الكلمةِ حالةً واحدةً لفظًا أو تقديرًا، وذلك كلزوم «هؤلاءِ» للكسرة، و «منذُ» الضمة، و «أينَ» للفتحة۔

ش: یہ گذر چکا ہے کہ اعراب وہ ظاہری یا تقدیری اثر ہے جسے عامل کلمہ کے آخر میں لاتا ہے۔ میں نے یہاں (متن میں) یہ ذکر کیا کہ بناء اعراب کی ضد ہے۔ گویا کہ میں نے یہ کہا کہ بناء ایسا اثر نہیں جس کو عامل کلمہ کے آخر میں لاتا ہو جیسے «ہٰؤلاءِ» میں کسرہ، کیونکہ عامل اس کسرہ کو نہیں لایا ہے۔ اسی وجہ سے کہ یہ تمام عوامل کے (بدلنے کے) باوجود باقی رہتا ہے۔ بناء، کلمہ کے آخری حرف کا لفظاً یا تقدیراً ایک ہی حالت پر باقی رہنے کا نام ہے جیسے «ھٰؤلاءِ» کا کسرہ اور «منذُ» کا ضمہ اور «اینَ» کا فتحہ پر باقی رہنا۔

ولمّا فرغتُ من تفسيرهِ شرعتُ في تقسيمهِ تقسيمًا غريبًا لم أُسبَق اليه، وذلك انّي جعلت المبنيّ على تسعةِ اقسامٍ: الاوّل المبني على السُّكون، وقدّمتُه لانهُ الأصلُ، والثّاني المبني على السّكونِ أو نائبِه المذكورِ في الباب السّابقِ وثنّيتُ به لانّه شبيهٌ بالسُّكون في الخفّةِ، و الثّالثُ المبني على الفتحِ، وقدمتهُ على المبني على الكسرِ لانّهُ اخفّ منه، والرابعُ المبني على الفتح اونائبِه المذكورِ في الباب السّابقِ، والخامسُ المبني على الكسرِ، وقدمتهُ على المبني على الضمِ، لانّهُ اخفّ منه، والسّادسُ المبني على الكسرِ أو نائبه المذكورِ في الباب السّابقِ - والسّابعُ المبني على الضم، والثّامنُ المبني على الضّمِ اونائبه، والتّاسعُ ماليسَ لهُ قاعدةٌ مستقرةٌ، بَل منه مايُبنَى على السُّكون، ومَايُبنَى على الفتح، ومَايُبنَى على الكسرِ، ومَايُبنَى على الضّمِّ، كما شرحها مفصّلةً ان شاء اللهُ تعالىٰ شرحًا يُزيل عنها خفاءَها۔

جب میں مبنی کی تعریف سے فارغ ہوا تو اس کی تقسیم میں نے انوکھے طریقہ پر شروع کی، جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ وہ تقسیم یہ ہے کہ میں نے مبنی کی نو قسمیں کیں۔ (۱) سکون پر مبنی جس کو میں نے سب سے مقدم رکھا۔ کیونکہ یہی اصل (مبنی) ہے۔ (۲) سکون یا نائب سکون پر مبنی۔ جو گذشتہ باب میں مذکور ہوا۔ اس کو میں نے دوسرے نمبر پر رکھا۔ کیونکہ یہ تخفیف میں سکون کے مشابہ ہے۔ (۳) فتحہ پر مبنی۔ میں نے اس کو مبنی علی الکسر پر مقدم رکھا۔ کیونکہ یہ اس سے خفیف ہے۔ (۴) فتحہ یا نائب فتحہ پر مبنی۔ جس کا تذکرہ گذشتہ باب میں ہوا۔ (۵) کسرہ پر مبنی۔ میں نے اس کو مبنی علی الضم پر مقدم رکھا۔ کیونکہ یہ اس سے خفیف ہے

(۶) کسرہ یا نائب کسرہ پر مبنی جس کا تذکرہ گذشتہ باب میں ہوا (۷) ضمہ پر مبنی (۸) ضمہ یا نائب ضمہ پر مبنی، (۹) وہ مبنی جس کا کوئی مستقل قاعدہ نہیں۔ بلکہ اس کی بعض قسمیں مبنی علی السکون، بعض مبنی علی الفتح بعض مبنی علی الکسر، بعض مبنی علی الضم ہوتی ہیں۔ اور میں ان شاء اللہ ان تمام کی ایسی تفصیلی شرح کروں گا جو ان کے اجمال وابہام کو ختم کردے۔

البابُ الاوّل: مَالزِمَ البناءَ علی السُّکون، وھو نوعانِ: اَحَدُھُمَا المضارِعُ المتصل بنون الإناثِ، کقولہ تعالیٰ: (وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ) (وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ) فیتربَّصْنَ ویُرْضِعْنَ: فعلانِ مضارعانِ فی موضعِ رفعٍ، لخلوِّھِمَا مِنَ النَّاصِبِ وَالجازِمِ، ولکنّھما لمّا اتصلا بنون النسوۃِ بُنِیَا علی السُّکون، وھٰذانِ الفعلانِ خبریانِ لفظًا، طلبیانِ معنًی، ومثلھما یرحمكَ اللہ، وفائدۃ العُدولِ بھما عن صیغۃِ الامرِ التوکیدُ والإشعارُ بانّھما جدیرانِ بأن یُتلقّیا بالمسارعۃِ، فکأنّھن امتثلنَ فھما مخبرٌ عنھما بموجودین۔

پہلا باب: وہ الفاظ جن کا سکون پر مبنی ہونا ضروری ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: وہ فعلِ مضارع ہے جس میں جمع مؤنث کا نون لگا ہوا ہو۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ[1]، وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ[2]۔ کہ (ان میں) افعال یتربصن اور یرضعن محلِ رفع میں ہیں۔ کیونکہ دونوں ناصب وجازم سے خالی ہیں۔ لیکن جب دونوں فعل نونِ جمع مؤنث کے ساتھ متصل ہوگئے۔ تو مبنی بر سکون ہوگئے۔ یہ دونوں فعل لفظاً خبری اور معنیً انشائی ہیں۔ جیسے "یرحمک اللہ" (بھی لفظاً خبر معنیً انشاء ہے) اور ان دونوں کو صیغہ امر سے ہٹانے کا فائدہ تاکید ہے۔ اور اس بات کی خبر دینا ہے کہ یہ دونوں فعل اس کے مستحق ہیں کہ بلا تاخیر ان پر عمل کیا جائے تو گویا کہ عورتوں نے عمل کرلیا۔ پھر ان کے بارے میں موجود افعال کی خبر دی گئی۔

الثانی: الماضی المتصل بضمیرِ رفعٍ متحرك، نحو "ضربتُ" و "ضربتَ" و "ضربتِ" و "ضربنا زیدًا"، والأصلُ فیہِ ضَرَبَ بالفتحِ، فاتصل الفعل بالضمیرِ المرفوعِ المتحرك، وھو التاء فی المُثُلِ الثلاثۃِ الاولیٰ، لِانّھا فاعِل، و "نا" فی المثال الرابع ۔ وھُمَا متحرکانِ، واعنی

---

[1] اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں (تین حیض تک) (پ ۲)

[2] مائیں (اپنے بچوں کو دو سال کامل) دودھ پلائیں۔ (پ ۲)

بذلك ان التاء متحركة والحرف المتصل بالفعل من «نا» وهو النون ـ متحركٌ، فلذلك بُنِيَت الامثلة على السّكون۔

دوسری قسم : وہ ماضی ہے جس میں ضمیر مرفوع متحرک لگی ہو جیسے ضربتُ وغیرہ۔ ان کی اصل ضربَ (بار کے فتحہ کے ساتھ) ہے۔ پھر فعل، ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ جڑا ہو وہ (ضمیر) پہلی تین مثالوں میں «تار» ہے۔ (جو مرفوع ہے) کیونکہ فاعل ہے۔ اور چوتھی مثال میں «نا» ہے۔ یہ دونوں متحرک ہیں۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ «تار» متحرک ہے۔ اور «نا» کا وہ حرف جو فعل سے متصل ہے۔ یعنی نون متحرک ہے۔ اسی وجہ سے تمام مثالیں سکون پر مبنی ہیں۔

واحترزتُ بتقييدِ الضمير بالرّفع من ضمير النصب، فانّهٗ يتصل بالفعل ولا يُغيّرهٗ عن بنائه على الفتح الذی هو الاصل فيه، نحو «ضَرَبَكَ زَيْدٌ» و «ضَرَبَنا زيد» و بتقييدهٖ بالمتحرك من الضمير المرفوع السّاكن، نحو «ضربَا» و «ضربوا»، فانّهٗ لا يقتضی سكونَ الفعل ايضًا۔ بَل يبقی آخر الفعل فيه قبل الالف مفتوحًا ويُضمّ قبل الواو كما مثّلنا۔

اور میں نے ضمیر کو مرفوع کے ساتھ مقید کر کے ضمیر نصب سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ ضمیر نصب فعل سے متصل ہوتی ہے۔ اور فعل کو اس فتحہ پر مبنی ہونے سے نہیں ہٹاتی جو بنار میں اصل ہے۔ جیسے ضَرَبَكَ زَيْدٌ وغیرہ۔ اور میں نے ضمیر کو متحرک کے ساتھ مقید کر کے ضمیر مرفوع ساکن سے (احتراز کیا ہے) جیسے ضَرَبَا وغیرہ۔ کیونکہ یہ بھی فعل پر سکون نہیں چاہتی ہے۔ بلکہ فعل کا آخر اس میں الف سے پہلے مفتوح رہتا ہے۔ اور واؤ سے پہلے مضموم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے مثالیں دیں۔

واما نحو (اِشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى) ونحو (دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا) فالاَصلُ اِشْتَرَيُوا بياءٍ مضمومةٍ قبلَ الضمير السّاكنِ، ودَعَوُا بِوَاوَيْنِ اُولٰهُمَا مضمومة قبل (الضمير) السّاكنِ، ثم تحركتِ الياءُ والواوُ وانْفَتَحَ مَا قبلهُمَا فقلبتا الفينِ ثم حذفت الالف لالتِقاءِ السّاكنين، ومعنى «دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا»، قالوا: يا ثبوراه، ای: يا هلاكاه۔

اور رہا اِشْتَرَوُا الخ اور دعَوْا الخ (میں واؤ سے پہلے مضموم نہ ہونا) تو اس کی اصل اِشْتَرَيُوا

لہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے۔ (پ ۱)

کہ تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ (پ ۱۸)

ضمیر ساکن سے پہلے یا مضموم کے ساتھ ہے۔ اور دَعَوُوْا دو واؤں کے ساتھ ہے۔ جن میں پہلا مضموم ہے ضمیر ساکن سے پہلے۔ پھر یاء، واؤ متحرک ہوگئے اور ماقبل ان کا مفتوح۔ لہٰذا ہم نے الف سے بدل دیا۔ پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے الف حذف ہوگیا۔ اور دَعَوْا الخ کے معنی ہیں پکاریں گے یَا ثبوراہ۔ یعنی اسے ہلاکت۔

البابُ الثانی: مَالزم البناء علی السّکون اَوْنائبہٖ، وهو نوعٌ واحدٌ، وهو فعل الأمر، وذلك لِانّه، یُبنٰی علٰی مایُجزم بہٖ مضارعُهٗ، فیُبنٰی علی السُّکون فی نحو "اضرب" وعلٰی حذفِ النّون فی نحو "اضربَا، اضربوا" و "اضربی" وعلٰی حَذفِ حرفِ العِلّة فی نحو "اُغزُ، واخشَ، وارمِ"۔

دوسرا باب: وہ ہے جس میں سکون یا نائب سکون پر مبنی ہونا ضروری ہو، اس کی ایک ہی قسم ہے۔ وہ فعلِ امر ہے۔ یہ اس لئے کہ امر کو اُس حالت پر مبنی رکھا جاتا ہے جس پر فعل مضارع مجزوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اضرب جیسے میں سکون پر مبنی ہوگا۔ اور اِضْرِبَا وغیرہ جیسے میں نون کے حذف پر مبنی ہوگا۔ اور اُغزُ وغیرہ جیسے میں حرفِ علّت کے حذف پر مبنی ہوگا۔

ومن غریب مَایُحکی ان بعضَ من یَتَعَاطٰی اِقراءَ النحو ببلدنا هٰذہ سمع قول بعض المُعربین فی قولهٖ عزّ وجلّ: (فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا) ان (قولا) مبنی علی حذفِ النون، فانکر ذلك علیه، وهو قول مشهور" بین الطلبة فخفاؤهٗ علی من یتصدی للاقراء غریب۔

ایک لطیفہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے جو ہمارے اس شہر (مصر) میں نحو کا درس دیا کرتے تھے باری تعالیٰ کے ارشاد فَقُوْلَا[1] کے بارے میں ایک عربی کے ماہر کی یہ بات سُنی کہ "قُوْلَا" نون کے حذف پر مبنی ہے۔ تو اس پر انہوں نے نکیر کی، جبکہ یہ طلبہ کے درمیان مشہور بات ہے۔ لہٰذا اس (مشہور بات) کا ایک ایسے شخص پر مخفی رہ جانا عجوبہ ہے جو تدریسی مشغلہ رکھتا ہو۔

والفاءُ فی الأیۃِ الکریمۃِ عاطفۃ لقولا علی (اذهبا) من قولهٖ تعالیٰ: (اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی) وکل منهما فعل اَمرٍ وفاعِل، وهما مبنیّانِ علی حَذفِ النون، و(له) جارٌ مجرور

---

[1] پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ (پ۱۶ ع ۱۱)

متعلق بقولا (وسمّی ابن مالك هذہ اللام لام التبلیغ، ومثله: (وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) (قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ) (مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ) و (قولا) مفعول مطلق، و (لَيِّنًا) صفة له، ای قولا متلطفا فيه ولا تغلظا عليه، والقول اللين قد جاء مفسرا فی قوله تعالیٰ: (فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ، وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ)

اور آیت کریمہ میں "فا" اس اِذْهَبَا پر "قُوْلَا" کا عطف کرنے کے لئے ہے جو باری تعالیٰ کے ارشاد اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ الخ[1] میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک فعل امر اور فاعل ہے۔ اور یہ دونوں نون کے حذف پر مبنی ہیں۔ "لہ" جار مجرور "قولا" کے متعلق ہے۔ اور ابن مالک نے اس لام کا نام لام تبلیغ[2] رکھا ہے۔ اسی (لام تبلیغ) کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَقُلْ لِعِبَادِي[3]، قل للمؤمنين[4] الخ اور ماقلت[5] الخ ہے۔ اور قولا مفعول مطلق ہے۔ اور لَيِّنًا اس کی صفت، یعنی ایسی بات (کہو) جس میں نرمی برتی گئی ہو۔ اور اس سے سخت کلامی نہ کرو۔ اور باری تعالیٰ کے ارشاد فقل هل[6] الخ میں نرم گفتگو، ہی کی تفسیر ذکر کی گئی ہے۔

ثم قلت: او الفتح، وهو سبعة: الماضی المجرد كضرب وضربك وضربا، والمضارع الذی باشرته نون التاكيد، نحو (لَيُنْبَذَنَّ) و (لَيُسْجَنَنَّ او ليكونا) بخلاف نحو (لَتُبْلَوُنَّ) (وَلَا يَصُدُّنَّكَ) ومارکب من الاعداد الظروف والاحوال والاعلام، نحو "احد عشر" ونحو هو یاتینا صباح مساء و "بعض القوم یسقط بَيْنَ بَيْنَ" ونحو: هو جاری بیت بیت: ای ملاصقا، ونحو "بعلبك" فی لغية۔

---

[1] تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ بہت نکل چلا ہے۔ (پ ۱۶)

[2] یعنی وہ لام جر جو اپنے متعلق کے مضمون کو مجرور تک پہونچانے کا کام کرتا ہے۔ (النحو الوافی ج۲ ص ۴۲۸)

[3] آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو (پ ۱۵) [4] آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں (پ ۱۸) [5] میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا تھا مگر وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو (پ ۷) [6] سو اس سے کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے اور میں تجھ کو تیرے رب کی طرف سے رہنمائی کروں تو تو ڈرنے لگے۔ (پ ۳۰)

م : یا فتحہ (لازمی طور پر آئیگا) اس کی سات انواع ہیں۔ وہ[۱] ماضی جو (ضمیر مرفوع متحرک[۲]) خالی ہو۔ جیسے ضَرَبَ وغیرہ۔ وہ مضارع جس میں بلاواسطہ نون تاکید لگا ہو۔ جیسے لَيُنْبَذَنَّ[۳]، لَيُسْجَنَنَّ[۴]، وَلَيَكُوْنًا[۵]۔ بخلاف لَتُبْلَوُنَّ[۶] اور وَلَا يَصُدُّنَّكَ[۷] کے۔ اور وہ اعداد، ظروف، احوال اور اعلام جو مرکب ہوں جیسے احد عشر (مثال عدد) ھو یاتینا[۸] الخ (مثال ظرف زمان) اور بعض القوم الخ (مثال ظرف مکان) ھو جاری الخ وہ میرا پڑوسی ہے گھر گھر کا یعنی ملا ہوا۔ حال کی مثال ہے اور بعلبك ایک معمولی لغت کے مطابق[۹]۔ علم مبنی علی الفتح کی مثال ہے

والزَّمَنُ المُبهَمُ المضافُ لجملةٍ، واعرابُهُ مرجوحٌ قبلَ الفعلِ المبنيّ نحو على حِينَ عاتبتُ المشيبَ على الصِّبا، على حِينَ يستصبينَ كُلَّ حَليم ● وراجحٌ قبلَ غيرِه، نحو: (هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُم) و● على حِينِ التَّواصلِ غيرُ داني ● والمبهمُ المضافُ لمبنيّ نحو (وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ) (ومِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ) (لقد تقطع بينكم) (إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ) ويجوز اعرابُهُ۔

اور وہ زمانہ مبہم جس کی اضافت جملہ کی طرف ہو رہی ہو۔ اور فعل مبنی سے پہلے اس کا معرب ہونا مرجوح ہے جیسے علیٰ حین[۱۰] الخ علیٰ حین الخ اور فعل مبنی کے علاوہ (کسی اور جملہ) سے پہلے معرب ہونا راجح (اور مبنی ہونا مرجوح) ہے جیسے ھٰذا یوم[۱۱] الخ اور علیٰ حین[۱۲] التواصل الخ اور وہ[۱۳] زمانہ مبہم جو مبنی کی جانب مضاف ہو جیسے ومن خزی[۱۴] الخ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلك[۱۵]، لقد تقطع[۱۶] الخ اور اِنَّهٗ لَحَقٌّ[۱۷] الخ اور اس کا معرب ہونا بھی جائز ہے۔

۱؎ وہ ضرور ڈالا جائیگا۔ واحد مذکر غائب مضارع مجہول ۲؎ وہ ضرور قید میں ڈالا جائیگا، واحد مذکر غائب مضارع مجہول۔ ۳؎ وہ ضرور ذلیل ہوگا۔ واحد مذکر غائب مضارع مجہول ۴؎ ضرور تم کو آزمایا جائیگا۔ جمع مذکر حاضر مضارع مجہول۔ ۵؎ وہ آپ کو ہرگز باز نہ رکھیں گے۔ جمع مذکر غائب مضارع معروف۔ ک، ضمیر منصوب ۶؎ وہ ہمارے پاس صبح وشام آتا ہے ۷؎ ترجمہ ص۹۵ پر آرہا ہے ۸؎ لغیۃ لغۃ کی تصغیر ہے۔ قلیل الاستعمال اور شاذ کا مفہوم ادا کرنے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ کیونکہ بعلبک جیسے اعلام کا جزو ثانی مشہور مذہب کے مطابق غیر منصرف ہوتا ہے نہ کہ مبنی علی الفتح۔ اور بعلبک جیسے سے وہ اعلام مراد ہیں جن میں ترکیب امتزاجی پائی جاتی ہو۔ اور جزو ثانی «ویہ» نہ ہو۔ کیونکہ «ویہ» والے اعلام مبنی علی الکسر ہوتے ہیں۔ جیسے سیبویہ (قطر الندی ص۱۰۲) ۹؎ ترجمہ ص۹۵ پر آرہا ہے۔ ۱۰؎ جس وقت کہ وہ عورتیں ہر بردبار کو بچہ سمجھتی رہیں۔ ۱۱؎ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئیگا۔ ۱۲؎ ترجمہ ص۹۵ پر آرہا ہے۔ ۱۳؎ اور اس دن کی رسوائی سے (بچا لیا) (پ ۲) ۱۴؎ اور بعضے اور طرح کے ہیں (پ ۱۱) ۱۵؎ واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہوگیا۔ (پ ۷) ۱۶؎ کہ وہ برحق ہے۔ جیسا کہ تم بات کر رہے ہو۔ پ ۲۶ (۱۸)

واقول: الباب الثالث من المبنيات: مالزم البناء على الفتح، وهو سبعة انواع، النوع الاوّل: الماضي المجرد ممّا تقدم ذكرہ، وهو الضمير المرفوع المتحرك نحو "ضَرَبَ" و "دَحْرَجَ" و "استخرج" و "ضربا" و "ضَرَبَكَ" و "ضَرَبَهُ"، وامّا نحو "رمى" و "عفا" فاصلهٗ رَمَيَ وعَفَوَ، فلما تحركت الياء والواو وانفتح ماقبلهما قُلِبَتَا اَلِفَيْنِ، فسكون اٰخرهما عارض، والفتحة مقدرة فى الالف، ولهٰذا اذا قصد سكون الاٰخر رجعت الياء والواو، فقيل: رميتُ وعفوتُ كما سيأتى۔

ش: مبنیات کا تیسرا باب وہ ہے جس کا فتحہ پر مبنی ہونا ضروری ہے۔ اس کی سات قسمیں ہیں۔
قسم اول: وہ ماضی جو اس سے خالی ہو جس کا تذکرہ پہلے ہوا اور وہ ضمیر مرفوع متحرک ہے۔ جیسے ضَرَبَ، وغیرہ۔ رہا رَمٰی اور عَفَا جیسے (جو بظاہر مبنی علی الفتح نہیں) تو اس کی اصل رَمَیَ اور عَفَوَ ہے۔ پھر جب یاء اور واوٗ متحرک ہوگئے اور ماقبل مفتوح، تو واوٗ، یاءٗ الف سے بدل گئے۔ لہٰذا ان دونوں کے آخری حرف کا سکون عارضی ہے، اور الف پر فتحہ تقدیری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخر کا سکون متعین ہوجاتا ہے تو یاء، اور واوٗ واپس آجاتے ہیں۔ جیسے رَمَیْتُ وعَفَوْتُ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

والنوع الثاني: المضارع الّذى باشرتهٗ نونُ التاكيد، كقوله تعالىٰ (لَيُنبَذَنَّ فِى الحُطَمَةِ) واحترزتُ باشتراط المباشرة من نحو قوله تعالىٰ (لَتُبْلَوُنَّ فِي اَمْوَالِكُمْ وَاَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ) فانَّ الفعل فى ذلك معرب وانْ اُكِّدَ بالنون، لانهٗ قد فُصِلَ بينهما بالواو التى هى ضميرُ الفاعلِ، وهى ملفوظ بها فى قوله تعالىٰ (لَتُبْلَوُنَّ) ومقدرة فى قوله تعالىٰ (لَتَسْمَعُنَّ) اذ الاَصل تسمعونن، فحُذفت نونُ الرفع استثقالاً لاجتماع الامثال، فالتقى ساكنان الواو والنون المدغمة: فحذفت الواوُ لِالتقاءِ السّاكنين۔

قسم دوم: وہ فعل مضارع جس پر بلاواسطہ نونِ تاکید لگا ہو۔ جیسے لَيُنبَذَنَّ[1] الخ اور میں نے مباشرة (بلاواسطہ داخل ہونے کی) شرط سے باری تعالیٰ کے ارشاد لَتُبْلَوُنَّ[2] الخ جیسے سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ فعل اس میں معرب ہے۔ اگرچہ اس میں نونِ تاکید لگا ہوا ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں (فعل اور نونِ تاکید)

---

[1] واللہ وہ شخص تیز آگ میں ڈالا جائیگا۔ (پ ۲۹)
[2] البتہ آگے اور آزمائے جاؤگے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں۔ اور البتہ آگے کو اور سنوگے (بہت سی باتیں) (پ ۴ ع ۱۰)

کے درمیان واؤ یعنی ضمیر فاعل کے ذریعہ فصل کر دیا گیا ہے۔ اور یہ واؤ باری تعالیٰ کے ارشاد لَتُبْلَوُنَّ میں ملفوظ ہے۔ اور باری تعالیٰ کے ارشاد لَتَسْمَعُنَّ میں مقدر ہے۔ کیونکہ اصل لَتَسْمَعُوْنَنَّ ہے۔ پھر کئی ہم مثل (تین نونوں) کے اجتماع کے باعث ثقل کی وجہ سے نون رفع (اعرابی) کو حذف کر دیا گیا۔ پھر دو ساکن یعنی واؤ اور نونِ مدغم جمع ہو گئے۔ لہٰذا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے واؤ حذف کر دیا گیا۔

والنوع الثالث: مَارُكِّبَ تركيبَ المزجِ من الاعداد، وهو الأحدَ عشرَ، والإحدى عشرة الى التسعة عشر، والتسع عشرة، تقول: جاءنى أَحَدَ عَشَرَ، ورأيتُ أَحَدَ عَشَرَ، ومررتُ باحدَعشرَ، ببناءِ الجزئين على الفتح، وكذلك القولُ فى الباقى، الّا، اثنى عشر، واثنتى عشرة، فان الجزءَ الاول منهما معربٌ إعرابَ المثنّٰى: بالالف رفعًا وبالياءِ جرًّا ونصبًا۔

قسمِ سوم: وہ عدد جن کو جوڑ کر مرکب امتزاجی بنایا گیا ہو۔ اور وہ اَحَدَ عَشَر (برائے مذکر) اور اِحْدٰی عشرۃ (برائے مؤنث) سے تسعۃ عشر اور تسع عشرۃ تک ہیں۔ جیسے جاءنِی اَحَدَ عَشَر وغیرہ۔ دونوں جزوں کو فتحہ پر مبنی بنانے کے ساتھ۔ اور یہی بات سوائے اثنا عشر اور اثنتا عشرۃ، کے بقیہ تمام میں ہے۔ کیونکہ ان کا پہلا جز تثنیہ کے اعراب کی طرح معرب ہوتا ہے۔ یعنی حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ اور حالتِ جری نصبی میں یاء کے ساتھ۔

وَالنوع الرابع: مَارُكِّبَ تركيبَ المزج من الظروف: زمانيةً كانت اومكانيةً۔ مثالُ مَارُكِّبَ من ظروفِ الزمانِ قولك: فُلانٌ يَاتِينا صَبَاحَ مَسَاءَ، والأصلُ صَبَاحًا ومَسَاءً اى فِى كلِّ صباحٍ ومساءٍ، فحُذِفَ العَاطفُ، ورُكِّبَ الظرفان قصدًا للتخفيف تركيبَ خَمْسَةَ عَشَرَ، قال الشاعر:

۲۰۔ وَمَن لَّا يَصْرِفِ الوَاشِينَ عَنْهُ ❊ صَباحَ مساءَ يَبْغُوهُ خَبَالًا

قسمِ چہارم: وہ ظروف جن کو جوڑ کر مرکب امتزاجی بنایا گیا ہو، خواہ وہ ظروفِ زمان ہوں یا مکان، ظروفِ زمان مرکب کی مثال فلانٌ یاتینا الخ اس کی اصل صَبَاحًا ومَسَاءً (واوِ عطف کے ساتھ ہے) یعنی ہر (روز) صبح و شام، پھر حرفِ عطف کو حذف کر دیا گیا، اور دونوں ظرفوں کو بہ نیتِ تخفیف خَمْسَةَ عَشَر کی طرح مرکب کر دیا گیا۔ شعر ومن لا[1] الخ۔ ولو اَضَفْتَ فَقُلْتَ، صَبَاحَ مَسَاءٍ، لجاز

[1] جو آدمی چغلخوری کرنیوالوں کو اپنے پاس سے صبح و شام ہٹاتا نہیں ہے تو وہ اسکی بربادی چاہتے ہیں۔

ای صَبَاحًا ذا مسَاءٍ، فلذلك اضفتهُ اليه لما بينهما من المناسبة، وان كان الصَّباح والمساء لا يجتمعانِ، ونظيرهُ فى الاضافةِ قولهُ تعالى: (لم يَلبثوا الا عشيَّةً اوضُحَاها) فاضيف الضحى الىٰ ضمير العشية، وقيل: الاَصْل اوضحى يومها، ثم حذف المضاف، ولاحاجة الى هٰذا،

وتقول: فلانٌ يَاتينا يَومَ يَومَ، اى يومًا فيومًا، اى كل يوم، قال الشاعر:

۲۱۔ اتِ الرزقَ يومَ يومَ، فاَجمِلْ ✧ طلبًا وَابْغِ للقيامة زادا

اور اگر آپ اضافت کرکے "صباح مساءٍ" کہیں تو درست ہے، مطلب ہوگا صَبَاحًا ذا مساءٍ (شام والی صبح) پھر اسی وجہ سے آپ نے اس کی اضافت اس کی طرف کردی کہ ان دونوں میں مناسبت ہے، اگرچہ صبح وشام اکٹھا نہیں ہوسکتے۔ اور بصورتِ اضافت ظرفِ مرکب کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد لم یَلبثوا الخ[1] ہے کہ ضحیٰ کی اضافت عشیَّہ کی ضمیر کی جانب کردی گئی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اسکی اصل ضُحیٰ یَومِہا ہے۔ پھر مضاف (یوم) کو حذف کردیا گیا، جبکہ اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ اور جیسے تمہارا قول فلانٌ یَاتینا یومَ یومَ۔ یعنی فلاں شخص ہمارے پاس آتا ہے روز بروز۔ یعنی ہر روز۔ شعر: اتِ الرزقَ[2] الخ

ومثال مَا رُكِّبَ مِنْ ظروفِ المكان قولُكَ: سُهِّلَتِ الهمزةُ بَيْنَ بَيْنَ وَاَصْلُهُ بينها وبَيْنَ حرفِ حركتِها فحذف مَا اضيف اليه بين الاولىٰ وبين الثانية وحُذِفَ العاطف وركب الظرفان، وقال الشاعر:

۲۲۔ نَحْمِى حَقِيقَتَنَا وَبَعْـ ـضُ القَومِ يَسقُطُ بَيْنَ بَيْنَا

والاَصْل: بَيْنَ هٰؤلاءِ وبَيْنَ هٰؤلاءِ، فازيلت الاِضافة، وركب الاسمان تركيب خمسة عشر، وهٰذانِ الظرفانِ اللّذانِ صارا ظرفًا واحدًا فى موضع نصب على الحالِ، اذ المراد: وبعض القوم يسقط وَسَطًا، والحقيقة ما يجبُ على الإنسانِ ان يحميه من الاَهْلِ والعشيرة، يقال: رَجُلٌ حَامِى الحقيقة، اى: انَّهُ شَهْمٌ لايُضَام۔

---

[1] نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اس کی۔ (پ۳۰ س۴) [2] روزی ہر روز ملیگی لہٰذا اچھی (حلال) کمائی کرو، اور توشۂ آخرت کی جستجو کرو۔ شعر نمبر ۲۰/۲۱/۲۲/۲۳ میں بالترتیب صباح مساء، یوم یوم، بین بینا اور اخول اخولا شوہد ہیں کہ دو دو ظرفوں کو ملاکر اسم واحد کے درجہ میں کردیاگیا، اور دونوں ظرف متضمن حرف عطف ہونیکی وجہ سے احد عشر کے مشابہ ہوگئے اسی وجہ سے ان کو مبنی علی الفتح قرار دیاگیا۔

اور ظرف زمان مرکب کی مثال تمہارا قول سھّلت[1] الھمزۃ بین بین ہے۔ اس کی اصل بینھا وبین حرف حرکتھا ہے۔ پہلے والے بین اور دوسرے والے بین کے مضاف الیہ کو حذف کرنے کے ساتھ حرف عطف کو بھی حذف کر دیا گیا۔ اور دونوں ظرفوں کو مرکب کر دیا گیا۔ اور جیسے شاعر کا قول نحمی الخ[2] اور اس کی اصل بَیْنَ ھٰؤُلَاءِ وبَیْنَ ھٰؤُلَاءِ ہے۔ اضافت ختم کی گئی، اور دونوں اسموں کو خمسۃ عشر کی طرح جوڑ کر مرکب کر دیا گیا۔ اور یہ دونوں ظرف جو (مل کر) ایک ہو گئے، حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہیں۔ کیونکہ مراد وبعض القوم یسقط وَسَطًا ہے۔ اور حقیقۃ (سے مراد) اہل وعیال اور کنبہ کے لوگ ہیں جن کی نگہداشت انسان کے ذمہ ضروری ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے رجل الخ (اپنے کنبہ کا محافظ آدمی) یعنی وہ ایسا سربراہ ہے جو دباؤ میں نہیں آتا ہے۔

النوع الخامس: مَارکب ترکیب خمسة عشر من الأحوال، یقولون: فلانٌ جَاری بیتَ بیتَ واصله بیتًا لبیت: ای مُلاصقًا، فحذف الجار وهو اللام، ورکب الاسمان، وعامل الحَال مَافی قوله، جاری، من معنی الفعل، فانهٗ فی معنی مجاوری، وجوزوا ان یکون الجار المقدر الی، وان لا یقدر جَارٌّ اصلًا۔ بل فاء العطف۔

قسم پنجم: وہ حال جن کو خمسۃ عشر کی طرح جوڑ کر مرکب کیا گیا ہو۔ اہل عرب کہتے ہیں جَاری بیتَ بیتَ اس کی اصل بیتًا لبیت ہے۔ (فلاں میرے گھر کا پڑوسی ہے) یعنی اس کا گھر ملا ہوا ہے۔ پھر حرف جر یعنی لام کو حذف کر دیا گیا اور دونوں اسموں کو ایک کر دیا گیا۔ اور حال کا عامل وہ معنی فعل ہے جو قائل کے قول، جاری، میں (پایا جا رہا) ہے۔ کیونکہ جاری کا معنی مُجاوِری (اسم فاعل مضاف بیار متکلم) ہے۔ علمار نحو نے یہ (بھی) جائز قرار (دیا ہے کہ وہ) حرف جار جو (بیت بیت کے درمیان) مقدر ہے۔ الیٰ ہو۔ اور یہ (بھی جائز قرار دیا ہے) کہ کوئی جار مقدر نہ ہو، بلکہ فار عاطفہ (مقدر) ہو۔

---

[1] ہمزہ میں بین بین تسہیل کردی گئی۔ نوٹ: ہمزہ کو، ہمزہ اور ہمزہ کی حرکت کے مناسب حرف مد (واؤ، الف، یار) کے بیچ بین ادا کرنا تسہیل کہلاتا ہے۔ (ضیار القرارت)

[2] ہم اپنی واجب الحفظ چیزوں (جان، مال، آبرو اور قبیلہ) کی حفاظت کرتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ درمیان ہی میں ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ یہ عبید بن ابرص اسدی کا مصرعہ ہے۔ اسکی قوم بنو اسد نے امرؤ القیس بن حجر کندی کے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ جب امرؤ القیس نے بنو اسد کو دھمکی دی تو عبید اسدی نے جواباً امرؤ القیس کی قوم کو بے بسی، بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے اپنی اور اپنی قوم کی تعریف میں قصیدہ کہا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

وقالت العرب ایضا، تساقطوا اَخول اَخول ، ای متفرقین ، وهو بالخاء المعجمة ، قال الشاعر یصف ثوراً یطعن الکلاب بقرنه ،

۲۳ - یُساقِطُ عنه رَوقُهُ ضَارِبَاتِها ٭ سِقَاطَ شَرَارِ القَینِ اَخوَلَ اَخوَلاَ

وفی الحدیث «کان یتخولنا بالموعظة : ای یتعهدنا بها شیئاً فشیئاً مخافة السآمة علینا

قال ابوعلی : «هومن قولهم : تساقطوا اَخول اَخول : ای شیئاً بعد شیءٍ ، وکان الأصمعی یرویه ، یتخوّننا ، بالنون — ویقول معناه یتعهدنا ۔

اورعربوں نے (حال کی مثال دیتے ہوئے) تساقطوا اَخول اَخول بھی کہا ہے ، یعنی (گرے) الگ الگ اور وہ (اخول) خاء معجمہ کے ساتھ ہے ۔ ایک شاعر نے ایک ایسے بیل کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے جو کتوں کو اپنے سینگوں سے مارتا تھا ۔ یساقط الخ ۔ اور حدیث میں (یہ مادہ آیا) ہے کان یتخولنا بالموعظة یعنی آپ ہماری کبیدگی کے اندیشہ سے گاہ بگاہ وعظ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے ۔ ابوعلی نے کہا ہے کہ یتخول ان کے قول تساقطوا الخ سے ماخوذ ہے ۔ یعنی (گرے) یکے بعد دیگرے ۔ اور اصمعی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں ۔ یتخوننا نون کے ساتھ ۔ اور کہتے ہیں اس کا مفہوم ہے آپؐ ہماری رعایت فرماتے ہیں

فان قلت : مَا الفرق بَین هٰذ االنوعِ والبیتِ الّذی انشدتَهُ فی النوع الذی قبلهُ ، فانك زعمتَ ثَمّ ان «بین بین » فیه حَال ؟ قلت : معنی قولی هنالك انه متعلق باستقرار محذوف ، وذلك المحذوف هوالحال ، لا انهُ نفسَه حَالٌ ۔ بخلاف هٰذا النوع ، فان المرکب نفسَهُ حَال ، لانهُ لیسَ بظرف (بخلاف «بین بین » فانهُ ظرف ۔)

اعتراض : اس قسم اور اس شعر میں کیا فرق ہے جو آپ نے اس سے پہلے والی قسم میں لکھا ہے ۔ کیونکہ آپ نے وہاں کہا ہے کہ بین بین اس میں حال ہے ؟ جواب : وہاں میرے قول کا مفہوم یہ تھا کہ بین بین ، مستقر محذوف کے متعلق ہے جو حال ہے ۔ خود بین بین حال نہیں ۔ بخلاف اس قسم کے ۔ کیونکہ یہاں مرکب خود حال ہے ۔ کیونکہ ظرف نہیں ۔ بخلاف بین بین کے ۔ کیونکہ وہ ظرف ہے ۔

---

[۱] وہ ایک ایک کرکے گر گئے ۔ [۲] روق ، سینگ ۔ ضاربات ، ضاربة کی جمع ہے ، پھاڑنے والا ۔ مراد کتے ۔ قین لوہار ۔ اخول اخول ، متفرق ، تھوڑا تھوڑا ۔ ادھر ادھر ، یکے بعد دیگرے ۔ شرار : واحد شرارہ ۔ چنگاری ۔ اس کے سینگ کاٹنے والے کتوں کو اپنے سے دور ، ادھر ادھر گراتے ہیں لوہار کے چنگاریوں کو گرانے کی طرح ۔

وإذا أخرجتَ شيئًا من هٰذِهِ الظروفِ والأحوالِ عن الظرفيةِ والحالية تعيّنت الإضافة وامتنع التركيب، تقول: هٰذه همزةُ بينِ بينٍ، مخفوضَ الأوّلِ غيرَ منوّنٍ والثاني منونًا ومثله: فلانٌ يأتينا كلَّ صباحِ مساءٍ۔

قال: ۴۴۔ ولولا يومُ يومٍ ما أردْنا ✤ جزاءكَ، والقروضُ لها جزاءُ

جب آپ ان ظروف واحوال میں سے کسی کو بھی ظرفیت وحالیت سے ہٹا دیں گے تو اضافت متعین ہو جائے گی۔ اور ترکیب ممتنع ہوگی۔ جیسے آپ کے قول ھذہ ھمزۃ الخ میں پہلا "بین" مجرور بلا تنوین اور دوسرا بالتنوین ہے۔ اسی طرح فلانٌ یاتینا الخ ہے۔ شاعر نے کہا ولولا یومُ[1] الخ

وهٰذا يفهم من كلامي في المقدمة، فإني قلت: وَمَا رُكِّبَ مِنَ الظروفِ وَالأحْوالِ، فعلم أنّ البناء المذكور مقيد بوجود الظرفيةِ والحاليةِ، وإنها متى فقدت وجبَ الرجوع إلى الإعراب، وإنما قدّمتُ الظروف على الأحوالِ لِأنّ ذلك في الظروفِ أكثر وقوعًا، فكان أولى بالتقديم، فإن قلت: قد وقع التركيب المذكور فيما ليس بظرفٍ ولا حالٍ، كقولهم: وقعوا في حَيصَ بَيصَ، أي في شدة يعسُرُ التخلّصُ منها، قلتُ: هو شاذ، فلذلك لم أتعرض لذكره في هٰذا المختصر۔

اور یہ (تعینِ اضافت، امتناعِ ترکیب والی) بات سابق (متن) میں مذکور میرے کلام سے بھی جاری ہے۔ کیونکہ میں نے کہا تھا وَمَا رُکِّبَ الخ جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بنا ظرفیت وحالیت کے باقی رہنے کے ساتھ مقید ہے۔ اور جب یہ ظرفیت وحالیت فوت ہو جائے گی تو معرب کی جانب لوٹنا ضروری ہے۔ اور میں نے ظروف کو حالوں پر مقدم کیا۔ کیونکہ اس کا وقوع ظرف ہی میں زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ تقدم کا زیادہ حقدار ہے۔

اعتراض: مذکورہ ترکیب تو ایسی جگہ بھی واقع ہوتی ہے جو نہ ظرف ہے نہ حال، جیسے وقعوا فی حیص بیص یعنی ایسی الجھن میں (پڑ گئے) جس سے نجات مشکل ہے۔

جواب: یہ شاذ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کا تذکرہ اس مختصر (رسالہ) میں نہیں چھیڑا۔

ولم يقع في التنزيل تركيبُ الأحوال ولا تركيبُ الظروف، وإنما وقع فيه تركيبُ

---

[1] اگر دن کا دن (یعنی وہ دن جس میں ہم نے تمہاری مدد کی تھی) نہ ہوتا تو ہم تجھ سے (اپنی مدد کا) بدلہ نہ مانگتے۔ اور قرض [illegible] (چکانا پڑتا) ہے۔ اس میں استدلال یومَ یومٍ ہے۔ چونکہ یہ مرکب بنائی نہیں ہے اس لئے پہلے جزء کو عامل ابتداء کی وجہ سے مرفوع اور دوسرے کو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور مانا گیا ہے۔

الاَعْدَاد، نحو (اِنِّی رَأَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا) (فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشَرَةَ عَیْنًا) (عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ)
ای علی سَقَرَ تِسْعَةَ عَشَرَ مَلَکًا یحفظون امرها، وقیل: صنفًا، وقیل: صفًا من الملائکة
وقُرِیَٔ تِسْعَةُ اَعْشُرٍ) جمع عَشِیْرٍ، مثل اَیْمُنٍ فی جمع یمینٍ، وعلی هٰذا فتسعة مرفوع،
واعشر مخفوض بالاضافةِ مُنَوَّنٌ، ویجیئُ هٰذا الترکیب فی الاَحْوالِ قلیلٌ بالنسبةِ اِلٰی مجیئه
فی الظروفِ۔

اور قرآنِ پاک میں نہ تو احوال کی ترکیب واقع ہوئی ہے اور نہ ظروف کی ترکیب۔ ہاں ترکیب عددی واقع ہوئی ہے۔ جیسے اِنِّی رَأَیْتُ[1] الخ فانفجرت[2] الخ اور علیها تسعة عشر، یعنی دوزخ پر انیس فرشتے (مامور) ہیں۔ جو اس کے امور کی نگہداشت رکھتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ فرشتوں کی (انیس) قسمیں (اس پر مامور ہیں) اور کہا گیا ہے کہ فرشتوں کی قطاریں (مامور ہیں۔) اور تسعة اَعْشُرٍ بھی پڑھا گیا ہے۔ (اعشر عشیر (رفیق، ساتھی) کی جمع ہے۔ جیسے اَیْمُن، یَمِیْن کی جمع۔ اس آخری قرارت کے مطابق تسعة مرفوع ہے۔ اور اَعْشُرٍ اضافت کی وجہ سے بالتنوین مجرور ہے۔ احوال میں اس ترکیب کا استعمال، ظروف میں استعمال کی بہ نسبت کم ہے۔

النوعُ السَّادسُ: الزَّمنُ المُبْهمُ المضافُ لجملۃ، واعنی بالمبہم مَالایدلّ علٰی وقتٍ بعینہ،
وذٰلک نحو الحینِ والوقتِ والسَّاعة والزَّمان، فهٰذا النوع من اسماءِ الزَّمان تجوز اضافتُهٗ الی
الجُمْلة، ویجوز لک فیه حینئذٍ الإعرابُ والبناءُ علی الفتح، ثمّ تارةً یکون البناء ارجح
من الاعراب، وتارة العکسُ، فالاوّل اذا کان المضاف الیه جملۃ فعلیۃ فعلها مبنی کقوله

۲۵۔ علٰی حینَ عَاتَبْتُ المَشِیْبَ علی الصِّبَا ÷ وقلتُ اَلَمَّا اَصْحُ والشَّیْبُ وازِعُ

یروی «علی حینِ» بالخفض علی الاعراب، و «علی حینَ» بالفتح علی البناءِ، وهو الارجحُ، لکونه
مضافًا الی مبنی، وهو عاتبتُ۔

قسم ششم: وہ ظرفِ زمان مبہم جس کی اضافت جملہ کی طرف ہو۔ مبہم سے میری مُراد وہ ظرف ہے جو متعین وقت کو نہ بتلائے جیسے حین وغیرہ۔ اسمارِ زمان کی اس قسم کی اضافت جملہ کی طرف ہو سکتی ہے۔

---

[1] میں نے گیارہ ستارے دیکھے۔ (پ ۱۱) [2] پھر اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ (پ ۱)

تب آپ کو معرب اور مبنی علی الفتح بنانے کا اختیار ہے۔ پھر کبھی معرب ہونے کی بہ نسبت مبنی ہونا راجح ہوتا ہے کبھی برعکس، پہلا (بناء راجح) اسوقت ہوگا جبکہ مضاف الیہ ایسا جملہ فعلیہ ہو جس کا فعل مبنی ہو، جیسے شعر: علی حین[1] الخ۔ اور معرب ہونے کی بناء پر علی حینٍ، جر کے ساتھ مروی ہے۔ اور مبنی ہونے کی بناء پر علی حینَ، فتحہ کے ساتھ مروی ہے۔ یہ دوسری صورت راجح ہے اس کے مبنی یعنی غاتبت کی جانب مضاف ہونے کی وجہ سے۔

وَالثانی اِذا کان المضاف الیه جُملةً فعلیةً فِعْلُهَا معرب، اَوْ جُملةً اسمیّةً، فالاوّل کقوله تعالیٰ: (هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ) فیومُ: مضاف الیٰ ینفع، وهو فعل مضارع، والفعل المضارع معربٌ کما تقدم، فکان الارجحُ فی المضاف الاعرابَ، فلذلك قرأ السّبعةُ کلهم الا نافعًا برفع الیوم علی الاِعراب، لِاَنهٗ خبر المبتدأ، وقرأ نافع وحدهٗ بفتح الیوم علی البناء، والبصریّون یمنعون فِی ذلك البناءَ ویُقَدِّرون الفتحةَ اعرابًا مثلها فی «صُمتُ یومَ الخمیس»، والتزموا لِاجل ذلك ان تکون الاشارة لیست للیوم، واِلّا لَزِمَ کون الشیُ ظرفًا لنفسه، والثانی کقول الشاعر:

۲۶ ۔ تَذَکَّرَ مَا تَذَکَّرَ مِنْ سُلَیْمٰی ❊ علیٰ حِیْنَ التَّوَاصُلُ غیرُ دَانِ

روی بفتح الحین علی البناءِ، والکسر ارجح علی الاعراب ولا یُجیزُ البصریّونَ غیرَہ۔

اور دوسرا (معرب ہونا راجح) اس وقت ہوگا جبکہ مضاف الیہ ایسا جملہ فعلیہ ہو جس کا فعل معرب ہو یا (مضاف الیہ) جملہ اسمیہ ہو۔ پہلے (جملہ فعلیہ) کی مثال هٰذَا یَوْمُ[2] الخ چنانچہ «یوم» ینفع کا مضاف ہے۔ اور وہ فعل مضارع ہے۔ اور فعل مضارع جیسا کہ گذرا، معرب ہوتا ہے۔ لہٰذا مضاف کا معرب ہونا راجح ہے۔ اسی وجہ سے سوائے نافع کے تمام قراء سبعہ نے معرب ہونے کی بناء پر یوم کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور تنہا نافع نے مبنی ہونے کی بناء پر یوَم کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور بصری اس آیت میں مبنی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ اور فتحہ کو اعراب (نصب[3]) مانتے ہیں جیسے صمتُ یومَ الخمیس میں

---

[1] اس وقت جبکہ میں نے حرص وشہوت پر بڑھاپے کو سخت ملامت کی۔ اور میں نے کہا کیا اب تک میں ہوش میں نہیں آیا، حالانکہ بڑھاپا (باربار) تنبیہ کر رہا ہے۔

[2] یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آویگا (پ ۷) [3] یعنی معرب پر آنے والا زبر۔

(یوم منصوب ہے) اور اسی وجہ سے بصریوں نے یہ ضروری سمجھا کہ اشارہ یوم کی جانب نہو ۔ ورنہ تو شئی کا اپنے لئے ظرف ہونا لازم آئے گا۔[1] اور دوسرا (جملہ اسمیہ) جیسے شاعر کا قول تذکّر الخ[2] مبنی ہونے کی بنا پر حینَ فتحہ کے ساتھ مروی ہے۔ اور معرب ہونے کی بنا پر کسرہ زیادہ راجح ہے۔ اور بصریین اس (اعراب) کے علاوہ (بناء) کو جائز ہی نہیں قرار دیتے۔

النوعُ السَّابع: المُبہم المضافُ لمبنی، سَواء کان زمانًا أو غیرہ، ومرادی بالمبہم: مالا یتضح مَعناہ إلّا بما یضاف الیہ، کـ "مِثل" و "دون" و "بین" ونحوھن، ممّا ھو شدید الإبہام فھٰذا النوع إذا اضیف إلٰی مبنی جاز ان یکتسب من بنائہ، کما تکتسبُ النکرۃ المضافۃ الی معرفۃٍ من تعریفھا، قال اللہ تعالیٰ: (وَمِنۡ خِزۡیِ یَوۡمِئِذٍ) یقرأ علی وجھین، بفتح الیوم علی البناء، لکونہ مبہمًا مضافًا الی مبنی وھو اذ، وبجرہ علی الاعراب۔

قسم ہفتم: وہ ... مبہم جو مبنی کی جانب مضاف ہو۔ خواہ وہ زمان ہو یا غیر زمان، اور مبہم سے مُراد وہ لفظ ہے جس کے معنی مضاف الیہ کے (ذکر کئے) بغیر واضح نہوں۔ جیسے مثل، دون، بین، اور ان جیسے وہ الفاظ، جن میں ابہام بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی اضافت جب مبنی کی طرف کر دی جائے تو جائز ہے

---

[1] الحاصل یوم کے اندر دو قراءتیں ہیں۔ (۱) مرفوع، ھٰذا کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں بصریین و کوفیین متفقہ طور پر یوم کو معرب مانتے ہیں۔ اور ھٰذا کا مشارٌ الیہ الیوم مقدر مانتے ہیں۔ (۲) مفتوح (بلا تنوین) اس صورت میں یہ اہل کوفہ کے نزدیک مبنی بر فتحہ اور ھٰذا کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔ ھٰذا کا مشارٌ الیہ اور آیت کا مطلب اس صورت میں بھی حسب سابق ہوگا۔ آیت کی اصل گویا ھٰذا الیوم ھو یوم ینفع الخ ہوگی۔ جبکہ اہل بصرہ کے نزدیک یہ معرب ہے۔ ان کی رائے میں یوم قال کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب (اور اضافت کی وجہ سے تنوین سے خالی) ہے۔ گویا آیت کی اصل قال اللہ فی یوم ینفع الخ ہے۔ رہا ھٰذا کا مشارٌ الیہ اما اس کی خبر تو محذوف ہے۔ ای ھٰذا جزاء صدقك۔ مبتداء خبر سے مل کر قال کا مقولہ ہے۔
منصوب ہونے کی دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یوم کو ھٰذا کی خبر محذوف (واقعٌ یا کائنٌ وغیرہ) کا مفعول فیہ بنا دیا جائے۔ لیکن اس صورت میں ھٰذا کا مشارٌ الیہ اللہ جل شانہٗ اور حضرت عیسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا مذکورہ سوال وجواب ہوگا۔ تقدیر عبارت ہوگی: ھٰذا الّذی ذکر من سوال اللہ تعالیٰ لعیسیٰ ؑ و جواب عیسیٰ علیہ السّلام واقع فی الیوم الّذی ینفع الخ فافھم ھٰذا التحقیق فانہٗ نفیس۔

[2] اسے سُلیمیٰ کی جتنی ادائیں یاد آسکتی تھیں وہ سب یاد آئیں، ایسے وقت میں جبکہ وصال قریب نہیں (بہت دور) تھا۔ شعر ۲۵/۲۶ کے مستدلات: بالترتیب علیٰ حین عاتبتُ اور علیٰ حین التواصل ہیں۔ کہ حین میں دو صورتیں جائز ہیں۔ (۱) علی کے دخول کی بنا پر حین پر جر۔ (۲) مبنی علی الفتح۔ دونوں مثالوں میں فرق یہ ہے کہ حین عاتبتُ میں مبنی علی الفتح ہونا راجح ہے۔ کیونکہ اس کا مضاف الیہ جملہ فعلیہ ہے جس میں فعل، ماضی ہے جو مبنی ہے جس کی بنا پر (بقیہ حاشیہ ص۱۰۹ پر ملاحظہ ہو)

کروہ (مضاف) اس (مضاف الیہ) کی مبنیت سے بنار کو حاصل کرلے۔ جیسے وہ نکرہ جس کی اضافت معرفہ کی جانب ہو۔ تو اس (معرفہ) کی تعریف سے تعریف حاصل کرلیتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ۔ اس کو دُوطرح پڑھا جاتا ہے۔ (۱) مبنی ہونے کی بنا پر یومَ کے فتحہ کے ساتھ۔ اسکے مبہم اور مبنی یعنی اذ کی جانب مضاف ہونے کی وجہ سے (یہ قرارت نافع وکسائی کی ہے) اور (۲) معرب ہونے کی بنا پر جر کے ساتھ۔ (یہ بقیہ قرار کی ہے)۔

وقال الله تعالیٰ: (وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ)۔ «منا» جار ومجرور خبر مقدم و «دون» مبتدأ مؤخر، ومبنی على الفتح لإبهامه واضافته الى مبنی وهو اسم الاشارة، ولو جاءت القراءة برفع «دون» لكان ذلك جائزا، كما قال الآخر:

۲۷ - أَلَمْ تَرَيَا أَنِّي حَمَيْتُ حَقِيقَتِي ❊ وَبَاشَرْتُ حَدَّ الْمَوْتِ وَالْمَوْتُ دُونُهَا

الرواية «دونها» بالرفع، وقال الله تعالیٰ: (لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ) يقرأ على وجهين: برفع «بين» على الاعراب، لِانه فاعل، وبفتحه على البناء، وقال الله تعالیٰ (انَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ) يقرأ على وجهين: برفع «مثل» على الاعراب، لِانّه صفة لِحقّ، وهو مرفوع، وبالفتح على البناء۔

اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ «منّا» جار مجرور (ہوکر) خبر مقدم، اور «دون» مبتدا مؤخر۔ اس کے مبہم ہوتے، اور اس کے مبنی یعنی اسم اشارہ کی جانب مضاف ہونے کی وجہ سے۔ مبنی علی الفتح رکھا گیا۔ اور اگر (کوئی) قرارت «دون» کے رفع کے ساتھ آتی تو بھی درست ہوتی۔ جیسا کہ ایک دوسرے شاعر نے کہا اَلَمْ تَرَيَا الخ روایت «دونها» رفع کے ساتھ ہے، اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد تقطع بینکم۔ اس کو دوطرح پڑھا جاتا ہے۔ (۱) معرب ہونے کی بنا پر «بین» کے رفع کے ساتھ، کیونکہ فاعل ہے (۲) اور مبنی ہونے کی بنا پر فتحہ کے ساتھ۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّهُ لَحَقٌّ الخ اس کو دوطرح پڑھا جاتا ہے۔ معرب ہونے کی بنا پر «مثل» کے رفع کے ساتھ۔ کیونکہ یہ «حق» کی صفت ہے۔

لہ کیا تم دونوں کو معلوم نہیں کہ میں نے اپنی واجب الحفظ چیز کی حفاظت کی، اور موت کی سختی سے بھڑ گیا۔ حالانکہ موت اس سے پہلے تھی۔

لہ فيه قراءتان: الاولى بفتح النون لنافع وحفص والكسائي، والثانية بالرفع للباقين۔ (وجوه المثاني)

لہ یہ قرارت حمزہ، کسائی اور شعبہ کی ہے، اور فتحہ والی قرارت بقیہ قرار کی ہے۔ (وجوہ المثانی)

جو مرفوع ہے۔ اور مبنی ہونے کی بنا پر فتحہ کے ساتھ۔

ثم قلت: أوِ الفتح أو نائبه، وهو الاسمُ لَا النافيةِ للجنسِ إذا كان مفردًا، نحو «لَا رَجُلَ» و «لا رِجَالَ» و «لا رجلَيْنِ» و «ولا قائمِين» و «لا قائمات»، وفتح نحو «قائمات» أرجح من كسرة، وذلك في الاسم الثاني من نحو «لا رجُلَ ظريفَ»، و «لا ماءَ باردَ»، النصبُ والرفعُ والفتحُ، وكذا الثاني من نحو «لاحَوْلَ ولا قوّة» ان فتحتَ الاوّل، فان رفعتَه امتنع النصبُ في الثاني، فان فُصِلَ النعت أو كان هو أوِ المنعوتُ غيرَ مفردٍ امتنع الفتحُ۔

م: یا فتحہ یا نائبِ فتحہ (اس مبنی پر لازماً آئیگا) وہ لائے نفی جنس کا اسم ہے جس وقت کہ وہ مفرد ہو، (مضاف و شبہ مضاف نہ ہو) جیسے لا رجل وغیرہ۔ اور قائمات جیسے کا فتحہ اس پر کسرہ کی بہ نسبت راجح ہے۔ اور آپ کو لا رجُلَ ظریف[1] ولا ماءَ بارد جیسی ترکیبوں کے دوسرے اسم میں نصب، رفع اور فتح کا اختیار ہے۔ اگر جزءِ اوّل کو فتحہ دیدیں تو لاحول ولا قوۃ جیسی تراکیب کے جزءِ ثانی کا یہی حال ہے لیکن اگر پہلے کو رفع دیدیں تو دوسرے میں نصب محال ہوگا۔ پھر اگر صفت (موصوف سے) منفصل ذکر کی گئی ہو، یا صفت یا موصوف غیر مفرد ہو تو فتحہ محال ہوگا۔

و اقول: البابُ الرابع من المبنیّاتِ: مَا لزم الفتح أو نائبه۔ وهو اثنان الیاء والکسرة وذلك اسمُ لا۔ وخلاصة القول في ذلك ان «لا» إذا كانت للنفي، وكان المرادُ بذلك النفي إستغراقَ الجنسِ بأسرهِ بحيث لا يخرج عنه واحد من افرادهِ، وكان الاسم مفردًا۔ ونعني بالمفرد هنا وفي باب النِداء: مَا ليسَ مُضافًا ولا شبيهًا بالمضافِ، ولو كان مثنّى أو مجموعًا۔ فإنهُ حينئذٍ يستحق البناء على الفتح في مسألتين، والبناء على الياء في مسألتين، والبناء على الكسرِ أو الفتحِ في مسألةٍ واحدةٍ۔

---

[1] نحو لا رجل الخ سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لائے نفی جنس کا اسم خود بھی مفرد ہو، اور اس کی صفت بھی مفرد ہو اور صفت و موصوف متصل ہوں)۔

اگر ان تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط فوت ہوجائے تو اس کی صفت میں دو ہی اعراب آئیں گے (۱) نصب (۲) رفع فتحہ کا آنا محال ہے۔ مثلاً پہلی شرط (اتصال) فوت ہوجائے تو کہیں گے لا تلمیذ فی المدرسة کسولا، کسولٌ۔ اور دوسری شرط (صفت کا مفرد ہونا) فوت ہوجائے تو کہیں گے لا رجُل ذا شر، ذو شر فی المدرسة اور لا رجُل راغبا فی الشر، راغبٌ فی الشر، عندنا۔ اسی طرح اگر تیسری شرط (موصوف یعنی اسم لا کا مفرد ہونا) فوت ہوجائے تو کہیں گے لا طالبَ علم کسولا کسولٌ فی المدرسة اور لا طالبا علما کسولا، کسولٌ عندنا۔ مگر اس صورت میں نصب بہتر ہے (جامع الدروس ص ۳۳۱/۲) آخری دونوں صورتوں کی دو، دو مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک مضاف کی اور دوسری شبہ مضاف کی۔

ش: مبنی کا چوتھا باب وہ ہے جس پر فتحہ یا نائبِ فتحہ لازماً آئیگا۔ نائبِ فتحہ دو ہیں۔ یاء اور کسرہ اور وہ (باب) لا کا اسم ہے۔ اس باب کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب "لا" نفی کے لئے ہو۔ اور اس نفی سے مُراد پوری جنس کا احاطہ ہے کہ اس سے اس کا کوئی بھی فرد خارج نہ ہو اور اسم مفرد ہو۔ اور یہاں اور منادیٰ کے باب میں مفرد سے ہماری مُراد وہ اسم ہے جو نہ مضاف ہو اور نہ شبہ مضاف، اگرچہ تثنیہ، جمع ہو تو اس وقت وہ دو صورتوں میں مبنی علی الفتح کا اور دو صورتوں میں مبنی علی الیاء کا اور ایک صورت میں مبنی علی الکسر یا مبنی علی الفتح کا حقدار ہوگا۔

امّا ما یستحق فیه البناء علی الفتح فضابطه: ان یکون الاسمُ غیرَ المثنی ولا مجموعٍ، نحو رجل وفرس، اَوْ مجموعاً جمعَ تکسیرٍ، نحو رجال وافراس، تقول "لا رجلَ فی الدّارِ" ولا فرسَ عندنا: و "لا رجالَ فی الدّارِ" و "لا افراسَ عندنا"۔ واَمّا ما یستحقّ فیه البناء علی الیاء فضابطه: ان یکون الاسم مثنی اَوْ جمع مذکر سالمًا، نحو "لا رجلین" و "لا قائمین"۔ قال الشاعر:

۲۸۔ تعزَّ فلا اِلفَین بالعیش مُتِّعا ✣ ولٰکن لورّاد المنون تتابُعُ

وقال الآخر: ۲۹۔ یُحشر الناس لا بنینَ ولا آ ✣ باءَ الّا وقد عنتهم شئُونُ

واَمّا ما یستحق فیه البناء علی الکسر اَو الفتح فضابطه: ان یکون جمعًا بالالفِ والتاءِ المزیدتین نحو "مُسلِمات"، تقول "لا مسلماتِ فی الدارِ"، قال الشاعر:

۳۰۔ انّ الشبابَ الّذی مجدٌ عواقبُهُ ✣ فیه نلذّ، ولا لذّاتِ للشّیب

یروی بکسر "لذّات" وفتحه۔

جس (اسمِ لا) میں مبنی علی الفتح کا استحقاق ہوتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اسم تثنیہ نہ ہو اور جمع نہ ہو۔ جیسے لا رَجُلَ وغیرہ۔ اور جس میں مبنی علی الیاء کا استحقاق ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ تثنیہ یا جمع مذکر سالم ہو۔ جیسے لا رَجُلَین وغیرہ۔ اور شعر تعزّ[1] الخ اور دوسرا شعر یحشر[2] الخ

---

[1] اِلفَین، اِلف کا تثنیہ ہے، دولت۔ وُرّاد، وَارِد کی جمع ہے (گھاٹ پر آنے والا) ترجمہ: صبر کرو کیونکہ کوئی بھی دو دوست زندگی سے (حسبِ منشاء) لطف اندوز نہیں ہوئے۔ لیکن موت کے گھاٹ پر آنے والوں کا تسلسل ہے۔

[2] لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائیگا (ساتھ میں) نہ بیٹے ہوں گے نہ باپ۔ مگر بڑے بڑے حالات نے ان کو پریشان وغمگین بنا رکھا ہوگا۔ عنّا یعنو بمعنی عنایۃ۔ غمگین کرنا، پریشان کرنا۔ شئون شأن کی جمع ہے۔ اہم واقعات وحوادث۔

مذکورہ بالا دونوں شعروں میں شواہد۔ الفین اور بنین ہیں۔ دونوں لائے نفی جنس کے اسم ہیں۔ علامتِ نصب یعنی یاء پر مبنی ہیں۔ پہلا تثنیہ ہے۔ اس لئے یا، ماقبل مفتوح ہے۔ اور دوسرا جمع مذکر سالم ہے اس لئے یاء ماقبل مکسور ہے۔

اور جس میں مبنی علی الکسر یا مبنی علی الفتح کا استحقاق ہوتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اسم، الف اور تاء مزیدتین والی جمع ہو۔ جیسے مُسْلِمات تم کہوگے لاَمُسْلِمات فی الدّارِ اور شعر ہے اِنَّ الشَّبابَ[1] الخ (جو) اللذّات کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

وَلَمّا ذکرت اسم «لا» اوردت مَسْألتین یتعلّقانِ ببابِ «لا» المَسْألۃ الاولیٰ: انّ اسمھا اذا کان مفردًا، ونُعِتَ بمفردٍ، وکانَ النعتُ والمنعوتُ متصلَین، نحو «لا رجُل ظریفًا فی الدّارِ» جاز لك فی النعت ثلاثۃ اُوجہٍ، اَحَدُھا: النصبُ علی محل اسمِ «لا» فانہٗ فی موضع نصب بلا، ولٰکنہٗ بنی فلم یظھر فیہ اعراب، فتقول: «لا رَجُل ظریفًا فی الدّارِ»

والثانی الرفع علی مراعاۃِ محل «لا» مع اسمِھا، فانھما فی موضع رفع بالابتداء، فتقول: «ولا رَجُلَ ظریفٌ فی الدّارِ» برفع ظریف، وانّما کانت «لا» مع «رجل» فی موضع رفع بالابتداءِ، لانّ «لا» قد صارت بالترکیب مع «رجل» کالشیٔ الواحد، وقد علمت انّ الاسم المُصَدَّر بہ المخبَر عنہ حقّہٗ ان یرتفع بالابتداءِ۔

والثالث الفتح، فتقول: «لا رَجُلَ ظریفَ فِی الدّارِ» وھو اَبْعَدُھا عن القیاسِ فلھذا اخّرتہٗ فی الذکر، ووجہُ بُعدِہٖ ھو انَّ فَتحَہٗ علی الترکیب، وھم لا یُرَکِّبون ثلاثۃَ اشیاء ویجعلونھا شیئًا واحدًا، ووجہُ جوازِہٖ انّھم قدّروا ترکیبَ الموصُوف وصفتہٖ اوّلًا ثمّ اَدخَلُوا علیھما «لا» بعد انْ صارا کالاسمِ الواحدِ، ونظیرہٗ قولك «لا خمسَۃَ عشرَ عندنا»

اور جب میں نے «لا» کے اسم کا تذکرہ کیا تو «باب لا» سے ہی متعلق دو مسئلے ذکر کیے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ «لا» کا اسم جب مفرد ہو۔ اور مفرد ہی اس کی صفت لائی گئی ہو۔ اور صفت موصوف متصل ہوں۔ جیسے لا رَجُلَ ظریفًا فی الدّارِ تو صفت میں تم کو تین صورتوں کا اختیار ہے۔ (۱) اسم لا کے محل (میں ہونے) کی بنا پر نصب، کیونکہ وہ (صفت) «لا» کی وجہ سے محلِ نصب میں ہے۔ لیکن مبنی ہو گئی جس کی وجہ سے اس پر اعراب (معرب ہونا) ظاہر نہیں ہوا۔ چنانچہ آپ کہیں گے «لا رَجُلَ ظریفًا فی الدّار»۔

(۲) اپنے اسم سمیت لا کے محل (میں ہونے) کی رعایت میں رفع۔ کیونکہ وہ دونوں ابتداء کی وجہ سے محلِ رفع

---

[1] یعنی وہ جوانی جس کے نتائج اچھے ہوتے ہیں ہم اس میں مزے لے رہے ہیں۔ اور بوڑھوں کے لئے کوئی مزہ نہیں۔ مستدل: لا لذّات ہے۔ لائے نفی جنس کا اسم جمع مؤنث سالم ہو تو وہ مبنی علی الفتح اور مبنی علی الکسر دونوں ہو سکتا ہے۔ جمع مؤنث سالم پر فتحہ بھی بشکل کسرہ آتا ہے۔ شیب۔ اشیب کی جمع ہے۔

میں ہیں۔ چنانچہ آپ کہیں گے۔ لا رَجُلَ ظریفٌ فی الدَّارِ، ظریف کے رفع کے ساتھ۔ اور «لا» رجل سمیت، ابتدار کی وجہ سے محلِ رفع میں اس لئے ہے کہ «لا» رجل کے ساتھ مل کر شیٔ واحد کے حکم میں ہوگیا۔ اور آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ جو اسم شروع میں مذکور ہو (اور) اسکے متعلق خبر دی جارہی ہو، اسکا حق یہ ہے کہ ابتدار کی وجہ سے مرفوع ہو۔

(۳) فتحہ، چنانچہ تم کہوگے۔ لا رَجُلَ ظریفَ فِی الدَّارِ، یہ صورت تمام صورتوں میں قاعدہ سے دور ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کا آخر میں تذکرہ کیا ہے۔ اور بُعد کی وجہ یہ ہے کہ اس کا فتحہ مرکب ہونیکی بنا پر ہے۔ اور اہلِ عرب تین اشیار کو جوڑ کر شیٔ واحد نہیں بناتے ہیں۔ اور اس کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب نے اوّلاً موصوف صفت کی ترکیب مانی، پھر موصوف صفت کے ایک اسم ہوجانے کے بعد ان پر «لا» داخل کردیا۔ اور اس کی نظیر تمہارا قول لاخمسة عشر عندنا ہے۔

والمسألة الثانية: ان «لا» واسمها اذا تكرّرا نحو لَا حَوْلَ ولا قوّة الّا بالله، جاز لك فی جملة التركيب خمسةُ اوجهٍ، وذلك لانهُ يجوز فی الاسم الاوّلِ وجهانِ: الفتحُ والرّفعُ، فان فتحتَهُ جاز لك فی الثانی ثلاثةُ اوجهٍ: الفتح والرفع، والنصب، مثال الفتح قولهُ تعالیٰ: (لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ) ومثال الرّفع قول الشاعر:

۳۱- هٰذا العَمْرُكمُ الصَّغارُ بِعَينِه ❊ لا اُمَّ لی- اِن كان ذاك - ولا ابٌ

ومثال النصب قول الآخر:

۳۲- لا نَسَبَ اليوم ولا خُلَّـةً ❊ اتّسع الخرق علی الرّاقع

وان رَفعتَ الاسمَ الاوّلَ جاز لك فی الاسم الثانی وجهانِ: الفتح والرفع، فالاوّل كقوله فی هٰذا البيت:

۳۳- فلا لغوٌ ولا تأثيمَ فيها ❊ وما فاهوا به ابدًا مقيمُ

والثانی كقولهٖ تعالیٰ: (لا بيعٌ فيه ولا خلّةٌ) فی قراءةِ مَن رفعهما يجوز لك اذا رفعت الاوّل ان تنصبَ الثانی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب «لا» اور لَا کا اسم مکرر آئیں جیسے لَا حَوْلَ وَلَا الخ۔ تو تم کو پوری ترکیب میں پانچ صورتوں کا اختیار ہے۔ اور یہ اس لئے کہ پہلے اسم میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں فتحہ اور رفع۔

اگر آپ نے پہلے کو فتحہ دیدیا تو دوسرے اسم میں آپ کو تین صورتوں کا اختیار ہے۔ فتحہ، رفع[1] اور نصب[2]۔ فتحہ کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد لا لغو فیہا الخ رفع کی مثال شعر ھٰذا لعمرکم[3] الخ نصب کی مثال شعر: لا نسب الیوم[4] الخ اور اگر پہلے اسم کو آپ رفع دیدیں تو دوسرے اسم میں آپ کو دو صورتوں کا اختیار ہے۔ فتحہ، رفع۔ پہلا (فتحہ) جیسے شعر فلا[5] لغو فیہا الخ دوسرا (رفع) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد لا بیع[6] الخ ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے دونوں کو رفع دیا ہے۔ اور جب آپ پہلے کو رفع دیدیں تو آپکے لئے دوسرے کو نصب دینا جائز نہیں۔

ثُمَّ قلت: أو الكسر، وهو خمسةٌ: العلمُ المختومُ بِوَيهِ كَسِيبَوَيْهِ، والجَرْمِيُّ يُجيزُ منعَ صَرفِهِ، وفَعَالِ للأمر، كنَزَالِ ودَرَاكِ، وبَنُو أَسَد تَفتحه، وفعالِ سباً للمؤنث كفَسَاقِ وخَبَاثِ، ويختص هٰذا بالنداء، وَيَنقَاس هو ونحو نزالِ من كل فعلٍ ثلاثيٍ تامٍ، وفعالِ علماً لمؤنثٍ كحَذَامِ في لغةِ اهلِ الحجاز، وكذلك «أمسِ» عندهم إذا اريد به معيّنٌ واكثرُ بني تميمٍ يُوافِقُهم في نحو سَفَارِ ووَبَارِ مطلقاً، وفي أَمسِ في الجرِ والنصب ويمنع الصرفَ في الباقي۔

م: یا کسرہ (اس پر لازماً آئیگا) وہ پانچ ہیں (۱) وہ علم جس کے آخر میں وَیہ لگا ہو جیسے سیبویہ، اور جرمی اس کو غیر منصرف ہونا بھی درست قرار دیتے ہیں (۲) اور فعالِ جو امر (کے معنی) کے لئے ہو جیسے نَزَالِ، دَرَاكِ اور بنو اسد اس کو فتحہ دیتے ہیں (۳) اور فعالِ جو عورت کو بُرا بھلا کہنے کے لئے ہو جیسے فساقِ، خباثِ۔ یہ قسم صرف ندا میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ (وزنِ فعال) اور نزالِ جیسا (جو بمعنی امر ہو) ہر فعل ثلاثی تام (غیر ناقص) سے بن جاتا ہے۔ (۴) اور فعالِ جو کسی مؤنث کا علم ہو جیسے حذامِ حجازیوں کی لغت کے مطابق۔ اور ان کے نزدیک «امسِ» کا بھی یہی حال ہے (مبنی علی الکسر ہے) جس وقت

---

[1] اس میں نہ بک بک لگے گی نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی۔ (پ ۲۷) یہ قرارت ابن کثیر اور ابو عمرو کی ہے۔ بقیہ قراء لا لغو فیہا ولا تاثیم پڑھتے ہیں (وجوہ المثانی ج ۱) [2] تمہاری عمر کی قسم یہ تو ذلت ہی ذلت ہے۔ اگر ایسا ہو تو میرے ماں باپ (زندہ) نہ رہیں۔ محل استشہاد: لا ام لی ولا اب ہے۔ کہ اس میں اب کا عطف ام پر لا کے تکرار کے ساتھ ہو رہا ہے۔ لائے نفی جنس کا اسم ہونیکی بنیاد پر پہلا یعنی اُم مبنی علی الفتح ہے اور اَب مرفوع ہے۔ یا تو اس وجہ سے اس کا عطف لا کے محل پر اسکے اسم سمیت کردیا جائے۔ اور لا کا محل مبتدا ہونے کی بنا پر محلِ رفع ہے۔ یا اس وجہ سے کہ دوسرا لا، لیس جیسا عمل کر رہا ہے۔ اور لیس کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ مبتدا ہے اور لا غیر عامل ہے۔ پہلی صورت میں عطف مفرد پر مفرد ہے۔ اور دوسری اور تیسری صورت میں عطف جملہ پر جملہ ہے۔

(باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

اس سے متعین (دن کل گذشتہ) مراد لیا جائے۔ اور اکثر بنو تمیم سفارِ، وبارِ جیسے (ذوات الراء فعال) میں علی الاطلاق اور اَمسِ میں بحالتِ جری نصبی (مبنی علی الکسر مان کر) اہلِ حجاز کی موافقت کرتے ہیں۔ اور باقی (حالتِ رفعی) میں غیر منصرف کہتے ہیں۔

واقول: البابُ الخامسُ من المبنیات: مَا لزمہ البناء علی الکسر، وھو خمسۃ انواعٍ، النوعُ الاوّل: العلمُ المختوم بویہ کسیبَوَیْہِ وعَمْرَوَیْہِ ونِفْطَوَیْہِ ورَاھَوَیْہِ ونحو ذلک، فلیس فیھن الّا الکسر، وھو قول سیبویہ والجمھور وزعم ابو عمر الجرمی انہ یجوز فیھن ذلک والاعراب، اعراب مَالا ینصرف۔ النوع الثانی: مَا کان اسمًا للفعل، وھو علی وزنِ فَعَالِ، وذلک مثل نَزَالِ بمعنی اِنزل، ودَرَاکِ بمعنی اَدرِک، وتَرَاکِ بمعنی اُترُک، وحَذَارِ بمعنی احذَرْ، قال الشاعر:-

۳۴- حَذَارِ من ... اَرمَاحِنا حَذَارِ۔ وقال الآخر ۳۵- تَرَاکِھَا مِنْ ابل تَرَاکِھَا۔

وَمَا اَحْسَن قولَ بعضھم:-

۳۶- ھِیَ الدُّنیا تقولُ بمِلْءِ فِیھا ⁂ حَذَارِ حَذَارِ مِنْ بَطْشِی وَ فَتْکِی

فَلَا یَغرُرْکُمُ مِنّی اِبْتِسَامٌ ⁂ فَقَولِی مُضحِکٌ وَالفِعلُ مُبْکِی

وبنو اسد یفتحون فَعالِ فی الامرِ لمناسبۃِ الالفِ وَالفتحۃِ التی قبلھا۔

مبنی کا پانچواں باب وہ ہے جس میں کسرہ پر مبنی ہونا لازم ہے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ قسمِ اوّل، وہ علم جس کے آخر میں وَیہ ہو جیسے سیبویہ وغیرہ۔ ان میں سوائے کسرہ کے (دوسرا کوئی اعراب) نہیں ہوگا۔ یہی سیبویہ اور جمہور کا قول ہے۔ اور ابو عمر جرمی کا خیال ہے کہ ان (اعلام) میں یہ (کسرہ) بھی جائز ہے۔ اور غیر منصرف جیسا اعراب دینا بھی۔ قسمِ دوم وہ ہے جو اسم فعل (بمعنی امر) ہو۔ اور فعالِ کے وزن پر ہو۔ جیسے نَزَالِ بمعنی انزِل، دَرَاکِ بمعنی اَدرِک (پالے، پکڑلے) تَرَاکِ بمعنی اُترُک (چھوڑ) حَذَارِ بمعنی احذَرْ (احتیاط کر، بچ) شاعر کا قول ہے حَذَارِ[1] الخ دوسرے شاعر کا قول ہے تَرَاکِھَا[2] الخ

---

[1] بچو، ہمارے نیزوں سے بچو [2] چھوڑدے اونٹوں کو چھوڑدے۔ دوسرا مصرعہ ہے اَمَا تَری الموت لدی اَوکارِھَا۔ ای ھی محمیۃ من ان یغار علیھا فاترکھا وانج نفسک۔ (کتاب سیبویہ ج ۱)

کسی نے کیا خوب کہا ہے ھی الدُّنیاؓ الخ اور بنو اسد الف اور اس سے پہلے والے فتحہ کی مناسبت کی وجہ سے فعالِ بمعنی امر کو فتحہ دیتے ہیں (اور فعالَ پڑھتے ہیں)۔

النوع الثالث: ما کان علیٰ فعَالِ، وھو سبٌّ للمؤنث، ولا یستعمل ھٰذا النوع الّا فی النداءِ تقول: "یَاخَبَاثِ بمعنی یاخبیثة، و "یادَفارِ" بالدّالِ المھملةِ بمعنی یامنتنة، و "یالکاعِ" بمعنی یالئیمة: ومن کلام عُمَر رضی الله عنه لبعض الجواری: "اتتشبهین بالحرائر یالکاعِ"

ولا یقال: جاءتنی لکاعِ، ولا رأیت لکاعِ، ولا مررتُ بلکاعِ، فاما قوله:

۳۰۔ أُطَوِّفُ ما أُطَوِّفُ، ثمّ آوِي ✲ الیٰ بیتٍ قعیدتُهُ لکاعِ۔

فاستعملها فی غیر النداء، فضرورةٌ شاذةٌ، ویحتمل انّ التقدیر: قعیدته یقال لها: یالکاعِ، فیکون جاریا علی القیاسِ۔

قسم سوم: وہ ہے جو فعالِ (کے وزن) پر ہو۔ اور وہ مؤنث کے لئے سب وشتم (کا کلمہ) ہو۔ اس قسم کا استعمال منادیٰ کے علاوہ میں نہیں ہوتا۔ جیسے یاخباثِ بمعنی یاخبیثة اور یادفارِ (بے نقطہ دال کے ساتھ) بمعنی یامنتنة (سڑی ہوئی) یالکاعِ بمعنی یالئیمة (کمین) اور حضرت عمرؓ کا ایک باندی سے کہنا اتشبہینؓ الخ اور جاءتنی لکاعِ وغیرہ نہیں کہا جا سکتا۔ (کیونکہ منادیٰ نہیں ہے۔) رہا شعر اُطوّفُ[2] الخ کہ شاعر نے اس کو ... غیر منادیٰ میں استعمال کیا ہے۔ تو ضرورتِ (شعری اور) شاذ ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی اصل قعیدته یقال لھا یالکاعِ ہو۔ اس صورت میں اصول کے مطابق ہوگا۔

ویجوز قیاسا مطرداً صوغُ فعالِ ھٰذا وفعالِ السابق — وھو الدّال علی الامر — ممّا اجتمع فیه ثلاثة شروط، وھی: ان یکون فعلاً، ثلاثیاً، تامّاً، فیبنی من نَزَل نَزالِ، ومن ذَھبَ ذَھابِ، ومن کَتَبَ کَتابِ بمعنی انزِلْ واذھَبْ واکتُبْ، ویُقال من فَسَقَ وفَجَرَ وزَنا وسَرَقَ یافساقِ ویافجارِ ویازناءِ ویاسراقِ بمعنی یا فاسقة یافاجرة، یازانیة، یاسارقة ولا یجوز

---

[1] فتك (ض) غفلت میں پکڑنا یا قتل کرنا، ترجمہ: ـ یہ دنیا منہ بھر کر کہتی ہے۔ بچو بچو، میری گرفت اور پکڑ سے، بڑی مسکراہٹ تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے، کیونکہ میری بات ہنسانے والی اور میرا عمل رُلانے والا ہے [2] اے کمین کیا آزاد عورتوں جیسی بنتی ہے۔

[3] چکر پر چکر لگاتا رہتا ہوں، پھر اس گھر میں قیام کرتا ہوں جس کی عورت کمینی ہے۔ قعیدةٌ۔ عورت۔

(باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

بناء شیء منهما من نحو الصُّوصِيَةِ، لانها لا فعل لها، ولا من نحو دحرج واسحنون وانطلق، لانها زائدة على الثلاثة، ولا من نحو كَانَ وظلّ وباتَ وصارَ، لانها ناقصة لا تامة-

اور یہ وا لافعالِ اور پہلا والا فعالِ جو بمعنی اَمر ہو عام قاعدہ کے تحت ہر اُس کلمہ سے بنایا جا سکتا ہے جس میں تین شرطیں پائی جاتی ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ فعل (متصرف) ہو، ثلاثی ہو، تام (غیر ناقص) ہو۔ لہٰذا نزلَ سے نزالِ، ذهبَ سے ذهابِ، کتبَ سے کتابِ بنایا جائیگا معنی ہیں (بالترتیب) اُتر، جا، لکھ، اور فسق، فجر، زنا اور سرق سے کہا جائیگا یا فسَاقِ یا فجارِ یا زناءِ یا سرَاقِ۔ معنی ہیں (بالترتیب) اے بدکار، اے فاحشہ، اے زناکار، اے چوٹٹی۔ اور ان میں سے کوئی بھی اللصوصیة جیسے (مصدر) سے نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ اس سے فعل نہیں آتا۔ اور نہ ہی دحرج وغیرہ سے۔ کیونکہ یہ ثلاثی سے زائد ہیں۔ اور نہ ہی کانَ وغیرہ سے۔ کیونکہ یہ (افعال) ناقص ہیں تام نہیں۔

ولم يقع في التنزيلِ فعالِ اَمرًا الّا في قراءة الحسنِ (لا مَسَاسِ) بفتح الميم وكسر السين وهو في دخول «لا» على اسم الفعل بمنزلة قولهم للعاثر اذا دعوا عليه بان لا يَنتَعِشَ اي لا يرتفع۔ لا لعًا، وفي معاني القرآن العظيم للفراء: ومن العرب من يقول: لا مسَاسِ، يذهب به الى مذهب دراكِ ونزالِ وفي كتاب ليس لابن خالويه لا مسَاسِ مثل دراكِ ونزالِ، وهذا من غرائب اللغة وحمله الزمخشری والجوهري على انه من باب قطامِ وانه معدول عن المصدر، وهو المسّ۔

اور قرآن پاک میں فعالِ ... اَمر بن کر نہیں آیا ہے۔ سوائے حضرت حسن کی قراءت لَامَسَاسِ (بفتح الميم وكسر السين) کے، اور یہ اسم فعل پر لَا کے دخول کی شکل ایسی ہی ہے جیسے اہل عرب پھسلنے والے شخص کو لا لعًا[1] کہنا جس وقت کہ اس کو نہ اُٹھنے کی بددعا دیتے ہیں۔ اور فراء کی کتاب معانی القرآن العظیم میں (لکھا) ہے کہ بعض عرب لامَسَاسِ کہتے ہیں۔ اور اس کو لیجا کر باب دَرَاكِ ونزالِ سے جوڑ دیتے ہیں۔ اور ابن خالویہ کی کتاب لیس میں (تحریر) ہے کہ لامسَاسِ (کا حکم) دَرَاكِ ونزالِ جیسا ہے۔ یہ غریب (الاستعمال) لغت ہے[2]۔

---

[1] خدا نہ اُٹھائے۔ [2] غرابت کا حکم فراء اور ابن خالویہ کی ذکر کردہ بات پر لگایا ہے۔ نامانوس الاستعمال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لا، اسم فعل پر داخل ہوا ہے جبکہ مشہور استعمال کے مطابق اسم فعل پر عامل مؤثر کا دخول درست نہیں۔

در زمخشری وجوہری نے اس پر حکم لگایا ہے کہ یہ باب قطام کے قبیل سے ہے۔ اور مصدر یعنی المسّ سے معدول ہے۔

النوع الرابع: مَا كان على فعالِ، وهو علم على مؤنث، نحو حَذَامِ و قطامِ و رقاشِ و سجاحِ - بالسّين المهملة والجيم وآخرها حاء مهملة - اسم للكذّابة التي ادّعت النبوّة، وكسابِ: اسم لكلبة، و سكابِ: اسم لفرس، وهذه الاسماء ونحوها للعرب فيها ثلاث لغاتٍ: إحْدَاهَا: لاهلِ الحجاز وهي البناء على الكسر مطلقًا وعلى ذلك قول الشاعر:

۳۸ - إِذَا قَالَتْ حَذَامِ فَصَدِّقُوهَا ÷ فَإِنَّ القَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَامِ

والثانية: لبعض بني تميم، وهي إعرابه إعرابَ مَالا ينصرف مطلقًا - والثالثة: لجمهورهم وهي التفصيل بين ان يكون مختومًا بالراء فيبنى على الكسر أوْ غيرَ مختوم بها فيمنع الصرف، و مثال المختوم بالراء "سَفَارِ" بالسّين المهملة والفاء اسم لماء، و "حضارِ" بالحاء المهملة والصاد المعجمة اسم لكوكب، و "وَبَارِ" بالباء الموحدة، اسم لقبيلةٍ، و "ظفارِ" بالظاء المعجمة والفاء، اسم لبلدةٍ - قال الشاعر انشده سيبويه:

۳۹ - مَتَى تَرِدُنْ يَوْمًا سَفَارِ تَجِدْ بِهَا ÷ أُدَيْهِمَ يَرْمِي المُسْتَجِيزَ المعوّرا

قسمِ چہارم: جو فعالِ (کے وزن) پر ہو اور کسی مؤنث کا علم ہو[1]، جیسے حَذَامِ، قطامِ، رقاشِ، سجَاحِ، (س، جیم کے ساتھ اور آخر میں حا رہے) اس جھوٹی عورت کا نام ہے جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا، کسابِ، کتیا کا نام ہے۔ سَکابِ، گھوڑی کا نام ہے۔ ان (میں) اور ان کی مانند اسماء میں عربوں کی تین لغات ہیں۔ پہلی لغت اہلِ حجاز کی ہے۔ اور وہ ہر حال میں کسرہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اسی کے مطابق شاعر کا کلام ہے۔ إِذَا قَالَتْ الخ[2] دوسری لغت بعض بنی تمیم کی ہے۔ اور وہ اس کا ہر حال میں غیر منصرف کی طرح معرب ہوتا ہے۔ تیسری لغت (بقیہ) تمام بنی تمیم کی ہے۔ اور وہ (اس) تفصیل (کے ساتھ) ہے کہ (یا تو) اسکے آخر میں راء ہو، تو مبنی علی الکسر ہوگا۔ یا اس کے آخر میں راء نہیں ہوگا تو غیر منصرف ہوگا۔ آخر الراء کی مثال سَفارِ (س و فاء کے ساتھ) ایک چشمہ کا نام ہے۔ حَضَارِ (حاء ضاد کے ساتھ) ایک ستارہ کا نام ہے۔ وَبَارِ،

---

[1] فعالِ کے وزن پر آنے والے مؤنث اعلام ہ (وہ الفاظ جو کسی ذات کیلئے بحیثیت علم مستعمل ہوتے ہیں) مؤنث ہی ہوتے ہیں۔ خواہ ذاتِ مسمیٰ مذکر ہو یا مؤنث، کما صرح بہ الرضی فی شرح الکافیہ (ص ۳۵) لہٰذا سَفارِ اور حضَارِ جیسے اعلام سے اشکال نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اگرچہ مذکر یعنی ماء و کوکب کے نام ہیں لیکن خود مؤنث ہیں۔

[2] جب حذام کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کرو۔ کیونکہ (اصل) بات وہی ہے جو حذام نے کہی۔

(بار کے ساتھ) ایک قبیلہ کا نام ہے۔ ظَفَارِ (ظفار وفار کے ساتھ) ایک شہر کا نام ہے۔ شعر متی تردت الخ جسے سیبویہ نے (استشہاد میں) پیش کیا ہے[1]

وقال الاعشى فجمع بين اللغتين التميميتين ۔

۴۰۔ أَلَمْ تَرَوْا إِرَمًا وَعَادًا ❊ أَوْدَى بِهَا اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ
وَمَرَّ دَهْرٌ عَلَى وَبَارِ ❊ فَهَلَكَتْ جَهْرَةً وَبَارُ

فبنى «وبار» الأوّل على الكسر، واعربَ «وبارِ» الثاني، وقيل: ان «وبارِ» الثاني ليس بآم كوَبارِ الّذي في حشو البيت، بل الواو عاطفة، ومابعدها فعل ماضٍ وفاعل، والجملة معطوفة على قوله: «هلكت، وقال اولًا «هلكت بالتانيث على معنى القبيلة، وثانيًا «باروا» بالتذكير على معنى الحيّ، وعلى هذا القول فتكتب «وبَاروا» بالواوِ والالفِ كما تكتب «سَاروا»

اعشی نے کہا ہے۔ جس میں اس نے تمیمی دونوں لغتوں کو جمع کر دیا ہے۔ اَلَم تَروا الخ[2] کہ پہلے والے «وبار» کو مبنی علی الکسر جانا، اور دوسرے «وبار» کو معرب۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرا وَبار اس وَبار کی طرح اسم نہیں جو درمیانِ شعر میں ہے۔ بلکہ واؤ عاطفہ ہے۔ اور اس کے بعد والا (بَار) فعل ماضی اور (ھم ضمیر اسمیں) فاعل ہے۔ اور جملہ کا اس کے قول ھلکت پر عطف کیا گیا ہے۔ (شاعر نے فعل) اوّلاً ھلکت بتاویلِ قبیلہ مؤنث ذکر کیا۔ اور ثانیًا «باروا» بتاویلِ حیّ مذکر۔ اس قول کے مطابق «وبَاروا» واوَ اور الف کے ساتھ لکھا جائیگا۔ جیسے سَاروا لکھا جاتا ہے۔

النوعُ الخامِسُ: «امسِ» إذا اردتَ به معينًا، وهو اليوم الّذي قبل يومك، وللعرب فيه حينئذٍ ثلاث لغاتٍ: إحْدَاهَا: البناء على الكسر مطلقًا، وهي لغت اهلِ الحِجَازِ،

---

[1] جب تم کسی دن «سفارِ» پر پہونچوگے تو وہاں تمہیں اُدیہم ملے گا جو دُور کر رہا ہوگا ایسے شخص کو جو پانی کا طلبگار ہو اور اسے پانی نہ دیا گیا ہو۔ سَفَارِ، کسی چشمہ یا کنویں کا نام ہے۔ اُدیہم بن مرداس ایک بدزبان شاعر تھا المعوّر (اسم مفعول) جس کو پانی سے روک دیا گیا ہو۔ ۲؎ صاحب منتہی الارب نے مؤلف کے قول «انشدہ سیبویہ» پر نقد کیا ہے کہ «تلاش وجستجو کے باوجود کتاب سیبویہ میں مجھے یہ شعر نہیں مل سکا۔

[2] کیا تم نے قوم ارم وعاد کو دیکھا نہیں جن کو لیل ونہار (کی گردش) نے ہلاک کر دیا۔ اور قوم وبار پر ایک زمانہ گذرا۔ پھر وبار بھی برملا ہلاک ہوگئی۔ اودی ایداءً ہلاک ہونا۔ وَبَار عرب عاربہ کی ایک قوم ہے جو عاد وثمود کی مانند نیست ونابود ہوگئی۔ (حاشیہ کتاب سیبویہ ج ۲)۔

فيقولون: «ذهب أمسِ بما فيه» و «اعتكفت امسِ» و «عجبت من امسِ» بالكسر فيهن، قال الشاعر: ۴۱ - مَنَعَ البَقَاءَ تَقَلُّبُ الشَّمْسِ ❊ وطلوعُها من حيثُ لا تُمْسِي

ثم قال: اليومُ أعلمُ مَا يَجِيءُ بِهِ ❊ وَمَضَى بِفَصْلِ قَضَائِهِ أَمْسِ

الثانية: إعْرَابُهُ إعرابَ مَا لا ينصرف مطلقًا، وهي لغة بعض بني تميم وعليها قولُهُ:

۴۲ - لقد رأيتُ عَجَبًا مذ أمسا ❊ عجائزًا مثل السعالي خمسا

يأكُلْنَ مَا فِي رَحْلِهِنَّ هَمْسَا ❊ لَا تَرَكَ اللهُ لَهُنَّ ضِرْسا

وقد وَهِمَ الزّجاجي، فزعم أن من العرب من يَبْنِي أمسِ على الفتح، واستدل بهذا البيت

پانچویں قسم "اَمسِ" ہے جبکہ آپ اس سے معین (دن) مراد لیں۔ یعنی وہ دن جو تمہارے آج کے دن سے پہلے ہے، اہل عرب کی اس وقت اس میں تین لغات ہیں۔

پہلی لغت: ہر حال میں مبنی علی الکسر ہونا۔ یہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں: ذهب أمسِ بما فيه وغیرہ تمام میں کسرہ کے ساتھ۔ شعر منع البقاء[1] الخ اسکے بعد کہا ہے اليوم أعلم[2] الخ دوسری لغت: اس کو ہر حال میں غیر منصرف جیسا اعراب دیا جاتا ہے اور یہ بعض بنی تمیم کی لغت ہے۔ اسی کے مطابق شعر ہے۔ لقد رأيت[3] الخ اور زجاجی کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ بعض عرب اس کو مبنی علی الفتح مانتے ہیں۔ اور انہوں نے استدلال اسی شعر سے کیا ہے۔

الثالثة: اعرابُهُ اعرابَ مالا ينصرف فی حالةِ الرفع خاصة، و بناؤه على الكسر في حالتَي النصب والجر، وهي لغة جمهور بني تميم، يقولون: «ذهب أمسُ» فيضمونه بغير تنوين، و «اعتكفت امسِ» و «عجبت من امسِ» فيكسرونهُ فيهما، وهذا كلهُ يُفهم من قولي في المقدمة «ويمنع الصرف في الباقي» وقولي «الباقي» اردتُ به «امس» في

---

[1] سورج کی گردش اور اس کا ایسے مقام سے طلوع، جہاں اس کی شام نہیں ہوتی ہے چیزوں کے دوام کے لئے مانع ہے۔

[2] آج کا دن خود ان چیزوں سے بخوبی واقف ہے جن کو وہ لائیگا۔ اور کل کا دن اپنے واضح فیصلہ کے ساتھ چلا گیا۔ محل استشہاد اَمسِ ہے۔ جو مضٰی کا فاعل ہونے کے باوجود مکسور ہے۔ اسی وجہ سے مبنی علی الکسر ہے۔ اور مکسور ہونے کی دلیل اوپر والے شعر کا قافیہ ہے۔

[3] میں نے کل ایک عجیب چیز دیکھی یعنی چڑیل جیسی پانچ بوڑھی عورتیں۔ جو چپکے چپکے اپنے کجاوے کی چیزیں کھا رہی تھیں۔ اللہ ان کی کوئی داڑھ نہ چھوڑے۔ السعالی واحد سِعلاة چڑیل، بھوتنی۔ عجائز واحد عجوز، بوڑھی۔ همسا (ض) منہ بند کرکے چبانا

(بقیہ صفحہ ۱۰۹ پر)

(بقیہ صفحہ ۹۶ کا) مضاف بھی مضاف الیہ سے بناء حاصل کر لیگا جس طرح مضاف اپنے مذکر مضاف الیہ سے تذکیر اور اپنے مؤنث مضاف الیہ سے تانیث حاصل کر لیتا ہے۔ اس اصول کی توضیح یہ ہے کہ جب مضاف مذکر ہو اور مضاف الیہ مؤنث ہو تو مضاف پر اس کی اصلیت یعنی تذکیر کے اعتبار سے مذکر کے احکامات اور مضاف الیہ سے مستفاد تانیث کے اعتبار سے مؤنث کے احکامات جاری کرنا بھی جائز ہے۔ جیسے

شعر: مَشَيْنَ لَمَا اهتزت رِمَاحٌ تَسَفَّهَتْ ❊ أَعَالِيهَا مَرُّ الرِّيَاحِ النَّوَاسِمِ

میں تسفّہت کو مؤنث استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ اس کا فاعل مرّ مذکر ہے جس کا تقاضا فعل کی تذکیر ہے۔ مگر مرّ نے اپنے مضاف الیہ الرّیاح سے تانیث حاصل کر لی۔ اس کی ایک اور مثال ع:

کما شرقت صدرُ القناة من الدم ہے۔

مضاف کے "مضاف الیہ مؤنث" سے تانیث حاصل کر لینے کی مثال ایک رائے کے مطابق اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيبٌ ہے۔

اور جریر نے کہا ہے: لَمَّا أَتَى خَبَرُ الزُّبَيْرِ تَضَعْضَعَتْ ❊ سُورُ المَدِينَةِ وَالجِبَالُ الخُشَّعُ

اول الذکر مثال رحمۃ کی خبر مذکر اس لئے ... لائی گئی کیونکہ اس کا مضاف الیہ مذکر ہے جس سے رحمت نے تذکیر حاصل کر لی۔ اور مؤخر الذکر مثال میں فاعل یعنی سُور کے مذکر ہونے کے باوجود تضعضعت فعل کو مؤنث اس لئے لایا گیا سُور کا مضاف الیہ المدینۃ مؤنث ہے جس کی تانیث مضاف کی جانب سرایت کر گئی۔ (منتہی الارب)

(بقیہ صفحہ ۱۰۲ کا) ؁ اب (جبکہ بگاڑ کے اسباب انتہا کو پہونچ گئے) نہ کوئی قرابت ہے نہ دوستی (کیونکہ) پیوند کاری کرنے والے کے لئے پھٹن حد سے بڑھ چکی ہے۔

اس میں محل استدلال لا خلةَ نصب کے ساتھ ہے۔ اس طور پر کہ دوسرا لا زائدہ مانا جائے۔ اور خلّۃ کا عطف پہلے والے لا کے اسم پر کیا جائے۔ جو لفظاً منصوب ہے۔

؁ نہ اس میں بکواس ہوگی نہ گناہ کی باتیں۔ اور جو کچھ لوگ لیں گے ہمیشہ باقی رہے گا۔

(نوٹ) شعر میں مصنف سے تلفیق ہوگئی ہے۔ ورنہ اصل شعر اس طرح ہے۔

فَلَا لَغْوٌ وَلَا تَأْثِيمَ فِيهَا ❊ وَلَا حَيْنٌ، وَلَا فِيهَا مُلِيمُ

وَفِيهَا لَحْمُ سَاهِرَةٍ وَبَحْرٍ ❊ وَمَا فَاهُوا بِهِ أَبَدًا مُقِيمُ

مستدل: لا لغو ولا تاثیم ہے۔ لغوٌ مرفوع ہے۔ اس پر داخل ہونے والا لا غیر عامل ہے۔ اور تاثیم یا مبنی علی الفتح ہے کیونکہ لا نفی جنس کا اسم نکرہ مفرد مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ یا مرفوع ہے۔ کیونکہ "لا لغو" کے محل پر عطف ہے۔ اور یہ لا اپنے اسم سمیت محل رفع میں ہے۔

؁ جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی۔ (سیپارہ ۳)

(بقیہ صفحہ ۱۰۳ کا) محل استشہاد: لکاع ہے جس کے بارے میں اعتراض ہے کہ: فَعَالِ کا وہ وزن جو عورت کو سب وشتم کرنے کے لئے آتا ہے اس کو تو منادی ہی بنا کر استعمال کیا جانا چاہئے۔ پھر شعر میں خبر کیسے بنایا گیا۔ متن میں اس کے دو جواب مذکور ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۰۴ کا) خرجنا دائرہ ج اعْوَاس وضَرُوس۔ محل استشہاد مذا امسا ہے کہ امسا پر حرف جر داخل ہونے کے باوجود کسرہ کے بجائے فتحہ آیا۔ اور یہی غیر منصرف کا اعراب ہے۔

بقیہ حواشی

(بقیہ صفحہ ۱۱۴ کا) ہوتا۔) ؎ میں پہلے اس سے شروع کروں گا۔ ؎ میرے لئے پینا آسان ہو گیا۔ حالانکہ پہلے مجھے میٹھے پانی سے بھی پھندا لگ جایا کرتا تھا۔ یزید بن الصعق کے اس شعر میں صحیح روایت الفرات کی جگہ، الحمیم، بمعنی البارد ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲۲ کا) محل استدلال: یاطلحۃ بن عبید اللہ ہے۔ جو علم مفرد موصوف با بن اور مضاف الی علم آخر ہے۔ ایسے منادی پر اصول کے مطابق ضمہ آتا ہے۔ مگر تین وجوہ اس پر فتحہ کے جواز کی بھی ہیں۔ (۱) طلحۃ کی تاء پر اعرابی یا بنائی فتحہ نہیں بلکہ اتباعی فتحہ ہے یعنی ابن کے نون کے فتحہ کی اتباع میں تاء کو بھی فتحہ دیدیا گیا۔

اعتراض: جناب اتباعی فتحہ میں تابع و متبوع کا اتصال ضروری ہے۔ جیسے الحمدِ لِلّٰہ کے دال اور لام میں جبکہ یہ اتصال طلحہ اور ابن میں نظر نہیں آرہا ہے۔ جواب: یہاں بھی طلحۃ کی تاء اور ابن کے نون میں اتصال ہے۔ رہا باء تو وہ اگرچہ تلفظ میں حائل ہے۔ مگر چونکہ ساکن ہے۔ اور ساکن حائل ضعیف ہوتا ہے اس لئے اس کو کالعدم مانا گیا۔ یہ توجیہ علامہ ابن مالک کی پسندیدہ ہے جس کو انہوں نے اپنی کتاب شرح التسہیل میں تحریر فرمایا ہے۔ (۲) یہ فتحہ بنائی فتحہ ہے۔ اس کو علامہ فخر الدین رازی نے پسند کیا ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ طلحۃ اور ابن کو احد عشر کی طرح مرکب کر کے دونوں جزوں کو فتحہ پر مبنی بنایا گیا۔ اس کے بعد اس پر حرف نداء داخل ہوا لہٰذا یاطلحۃَ بن عبید اللہ، یا اَحَدَ عَشَر کی طرح ہو گیا۔

(۳) یہ فتحہ اعرابی فتحہ ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ طلحۃ، عبید اللہ کی جانب مضاف ہے۔ اور ابن زائد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب منادی مضاف ہو تو اس کا اعراب نصب ہوتا ہے۔ لہٰذا یاطلحۃ عبید اللہ۔ یا غلام زید کی طرح ہو گیا۔ علماء نحو کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ طلحۃ کے ضمہ اور فتحہ میں کون راجح ہے۔ اس میں دو مذہب ہیں۔ پہلا مذہب تمام نحاۃ بصرہ کا ہے۔ جو ضمہ کی بہ نسبت فتحہ کو راجح کہتے ہیں۔ اور ابن کیسان کا کہنا ہے کہ عربوں کی زبان پر فتحہ کا استعمال زیادہ ہے۔ اور دوسرا مذہب ابو العباس المبرد کا ہے۔ جو ضمہ کو راجح کہتے ہیں۔ (منتہی الارب)

(بقیہ صفحہ ۱۲۶ کا) ؎ حالات سے تنگ دل مت ہو کیونکہ حالات (کی وجہ سے آنے والی) بے چینی کبھی کبھی بلا تدبیر ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی لوگ ایک چیز کو ناپسند کرتے ہیں (حالانکہ) اس کا (ایسا آسان) حل ہوتا ہے جیسے رسّی کا کھل جانا۔

مستدل ربّ ما ہے۔ ما رب کے دخول کی بناء پر نکرہ ہے۔ کیونکہ رُبَّ صرف نکرہ ہی کو جر دیتا ہے۔

نوٹ:- یہ مَا کافہ نہیں بلکہ اسم بمعنی شئی ہے۔ کیونکہ لَہٗ اور تکرہٗ کی ضمیر اس کی جانب لوٹ رہی ہے۔ جو علامت اسمیت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۱ کا) (۲) ایسی کلی ہو جس کے افراد متعدد ہوں جیسے رجل، امرأۃ، فتاۃ، کتاب وغیرہ۔ لہٰذا اگر اس کا ایک ہی فرد ہو جیسے قمر، شمس اس کو تمیز بنانا درست نہیں۔ ہاں اگر اس کلی کو مقید کر دیا جائے تو درست ہے۔ جیسے نعم شمسًا شمسُ یومنا۔ نعم قمرًا قمر یومنا۔ کیونکہ شمس و قمر دن و رات کی تعداد سے متعدد ہوتے ہیں۔ اس وقت اس کی حیثیت نکرۂ عام جیسی ہو جائیگی۔ (۳) ایسا نکرہ ہو جو الف لام کے دخول کے ذریعہ معرفہ بن سکتا ہو اس شرط کی بناء پر لفظ مثل اور غیر جیسے خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کی نکارت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ تعریف کو قبول نہیں کرتے۔

(۴) تمیز فعل اور بئس سے مؤخر ہو۔ تمیز کی تقدیم درست نہیں۔ (۵) یہ تمیز مخصوص بالمدح یا بالذم سے مقدم ہو۔ لہٰذا تاخیر درست نہیں۔ نعمَ رجُلًا زیدٌ جیسی مثال مذکورہ پانچوں شرطوں کو جامع ہے۔ اس وجہ سے مصنف علام نے شرائط کا تذکرہ کرنے کے بجائے مثال پر اکتفاء کیا۔ ؎ ہرم (بن سنان المری) کیا ہی عمدہ آدمی ہے۔ نہیں اترتی ہے کوئی مصیبت مگر وہ اس مصیبت سے گھبرانے والے کے لئے ایک پناہ گاہ ہے (یعنی ہر مصیبت میں کام آنے والا ہے)۔ محل استشہاد، نعمَ امرأً هَرِمٌ، ہے۔

(باقی ص ۵۰۲ پر)

الوقع وما ليس فى آخرهٖ راء من باب حَذامِ وقطامِ۔

تیسری لغت: اس کو صرف حالتِ رفعی میں غیر منصرف جیسا اعراب دیا جانا، اور حالتِ نصبی وجری میں مبنی علی الکسر ہونا۔ اور یہ تمام بنی تمیم کی لغت ہے۔ بولتے ہیں ذھب امسُ۔ اس کو بلا تنوین ضمہ دیتے ہیں۔ اور اعتکفت وغیرہ، اور ان میں کسرہ دیتے ہیں۔ اور یہ (مضمون) متن میں (مذکور) میرے قول " ویمنع الصرف فی الباقی " سے سمجھا جارہا ہے۔ اور میں نے اپنے قول " الباقی " سے اَمس بحالتِ رفع مُراد لیا ہے۔ اور وہ (فعالِ) جس کے آخر میں راء نہو۔ یعنی باب حَذامِ، قطامِ۔

واذا اُرید بامسٍ یوم ما من الایّامِ الماضیة، اَوْ کُسِّرَ، اَوْ دَخَلَتْهُ " ال " اَوْ اضیف۔ اعرب باجماع، تقول: " فعلت ذلك امسا " ای فی یومٍ ما من الایّامِ الماضیة، وقال الشاعر:

۴۳۔ مَرَّتْ بِنَا اوّلَ من اُمُوسٍ ❊ تَمِیْسُ فِیْنَا مِیْسَةَ العَرُوسِ

وتقول: " مَا کان اطیب امسنا " وذکر المبرّد والفارسی وابن مالك والحریریؒ انّ " اُمَیْسِ " یُصَغَّرُ فیعرب عند الجمیع، کما یعرب اذا کسّر، ونص سیبویه علی انّهٗ لا یصغر وقوفا منه علی السّماع، والاوّلون اعتمدوا علی القیاس، ویشهد لهم وقوع التکسیر، فانّ التکسیر والتصغیر اخوانِ۔

اور جب " امس " سے گذشتہ دنوں میں سے کوئی (غیر معیّن) دن مُراد لیا جائے، یا اس کی جمع تکسیر لائی جائے، یا اس پر الف لام داخل ہوجائے، یا اسے مضاف بنا دیا جائے تو بالاتفاق معرب ہوگا۔ جیسے فعلتُ ذلك امسًا (میں نے یہ کام کل) یعنی گذشتہ ایام میں سے کسی دن کیا۔ (جمع تکسیر کی مثال) شعر مرّت بنا الخ[1] (مضاف کی مثال) جیسے ما کانَ[2] الخ اور مبرد، فارسی، ابن مالک اور حریری نے ذکر کیا ہے کہ " امس " کی تصغیر (بھی) لائی جاتی ہے۔ اس صورت میں بالاتفاق معرب ہوتا ہے۔ جیسے جبکہ اس کی جمع تکسیر لائی جائے (تو معرب ہوتا ہے) سیبویہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ سماع پر موقوف

---

[1] گذشتہ ایام سے پہلے وہ ہمارے پاس سے اس حال میں گذری کہ ہمارے درمیان دولہن کی طرح ناز و انداز سے چل رہی تھی۔ تمیس (ض) میسًا، ناز و انداز سے چلنا۔ میسۃ ناز سے چلنے کی کیفیت۔ محل استشہاد اموس ہے جو امس کی جمع تکسیر ہونیکی بنا پر معرب ہے۔ معرب ہونیکی وجہ یہ ہےکہ جمعیت اسم کا خاصہ ہے، اور کوئی بھی خاصہ فی خاصہ کے منافی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، اور اسمیت اصلًا بنا کے منافی ہے۔

[2] ہمارا کل کس قدر خوشگوار تھا فوٹ :۔ ترکیب۔ مَا تعجبیہ مبتدا۔ کَانَ زائدہ۔ اطیب فعل تعجب مبنی علی الفتح ہے، ضمیر مستتر فاعل ہے۔ جو ما کی جانب لوٹ رہی ہے۔ امس مفعول بہ ہے۔ پورا جملہ مل کر خبر ہے۔

ہونے کی وجہ سے اس کی تصغیر نہیں بنائی جاسکتی۔ مذکورہ حضرات نے قیاس پر اعتماد کیا ہے۔ اور جمع تکسیر کا وقوع (واستعمال) ان کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ جمع تکسیر اور تصغیر بھائی بھائی (باہم نظائر) ہیں۔

وقال الشاعر: ۱؎ ۔ فانی وقفت الیوم والامس قبله ⁂ ببابك حتی کادت الشمس تغرب

روی هذا البیت بفتح ۔ امس، علی انه ظرف معرب لدخول ال علیه ویروی ایضا بالکسر۔ وتوجیهه، اما علی البناء، وتقدیر ال، زائدة او علی الاعراب علی انه قدّر دخول، فی، علی الیوم، ثم عطف علیه عطف التوهم، ۲؎ وقال الله تعالی: (فجعلناها حصیدا کان لم تغن بالامس) الکسرة فیه کسرة اعراب لوجود ال، وفی الآیة ایجاز ۳؎ ومجاز، ۴؎ وتقدیرهما فجعلنا زرعها فی استئصاله کالزرع المحصود فکان زرعها لم یلبث بالامس، فحذف مضافان واسم کان، وموصوف اسم المفعول، واقیم فعیل مقام مفعول، لانه ابلغ منه، ولهذا لایقال لمن جرح فی انملته جریح، ویقال له: مجروح۔

(معرب باللام ہونیکی مثال) شعر فانی وقفت الخ ۔ یہ شعر اَمس کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے۔ کیونکہ ظرف ہے۔ اور الف لام کے دخول کی وجہ سے معرب ہے۔ اور کسرہ کیساتھ بھی نقل کیا جاتا ہے۔ اور اسکے مکسور ہونیکی توجیہ (یہ ہیکہ وہ) یا تو الف لام کو زائدہ ماننے کے ساتھ مبنی ہونیکی وجہ سے ہے۔ یا اس بنیاد پر معرب ہونیکی وجہ سے ہے کہ شاعر نے اولاً الیوم پر، فی، کا دخول مقدر مانا۔ پھر اسی (الیوم خیالی مجرور) پر الامس کا عطف توہم کر دیا۔ (الف لام کے دخول کی مثال) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فجعلناها الخ اسمیں کسرہ الف لام کے ہونیکی وجہ سے معرب ہونیکا کسرہ ہے۔ اور آیت میں ایجاز (اختصار) اور مجاز ہے۔ ان کی اصل فجعلنا زرعها الخ ہے (ہم نے اسکی کھیتی کو کٹی ہوئی کھیتی کی مثل بنا دیا گویا اسکی کھیتی کل موجود ہی نہیں تھی) پھر دونوں مضاف (زرع، استئصال) اور کان کا اسم (زرعها) اور اسم مفعول (محصود) کا موصوف (الزرع) کو حذف کیا گیا۔ اور فعیل (حصید) کو مفعول (محصود) کے قائم مقام کیا گیا کیونکہ فعیل (کے وزن پر کلمہ کا مفہوم) مفعول سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے جس کی (صرف) پوروں میں زخم ہو جائے۔ اور اسکو جریح نہیں کہا جائیگا بلکہ اسکو مجروح کہا جائیگا۔

۱؎ میں آج اور آج سے پہلے والے دن بھی تیرے دروازہ پر سورج کے چھپنے تک کھڑا رہا۔ ۲؎ سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا گویا وہ کل یہاں موجود ہی نہ تھی (ث ۱۱) ۳؎ زیادہ معانی کو تھوڑے الفاظ میں بیان کر دینا ایجاز کہلاتا ہے۔ اسکی ایک قسم ایجاز حذف ہے۔ جملہ یا جملہ سے کم یا زائد الفاظ کو حذف کر دینا جس پر کوئی قرینہ دال ہو ایجاز حذف کہلاتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔

۴؎ علاقہ غیر تشبیہ کی وجہ سے کلمہ کو غیر اصلی معنی میں استعمال کرنا مجاز مرسل کہلاتا ہے۔ بشرطیکہ معنیٰ اصلی مراد نہ ہونیکا کوئی قرینہ ہو۔ یہاں مجاز سے یہی مجاز مرسل مراد ہے۔ بایں طور کہ جعلنا ھا کی ضمیر منصوب کا مرجع "ارض" ہے جس سے مراد ما علی الارض یعنی کاشت ہے۔ علاقہ محلیت کا ہے۔ ۵؎ مستدل الامس ہے۔ اور ال کے دخول کے باعث معرب ہے۔ وجوہ اعراب متن میں مذکور ہیں

ثم قلتُ: او الضمّ وهو، مَا قطع لفظًا لا معنًى عن الإضافةِ من الظروفِ المبهمة كقبلُ وبعدُ واوّل، وأسماء الجهات، والحق بهَا علُ، المعرفة، ولا تضافُ، و، غيرُ، إذا حذف مَا تضاف اليه، وذلك بعد ليس، ک، قبضت عشرةً ليس غيرُ، فيمن ضمّ ولم ينوّن، و، أيُّ، الموصولة إذا أضيفت وكان صدر صلتها ضميرًا محذوفًا، نحو (أيّهُم أشدُّ) وبعضهم يعربها مطلقًا۔

م: یا ضمہ (لازمًا آئیگا) "وہ ظروفِ مبہم ہیں جن کی اضافت لفظًا و معنًی ختم کردی گئی ہو۔ جیسے قبلُ، بعدُ، اوّل اور اسماء جہات" اور "عَلُ" معرفہ، انہیں سے ملحق ہے۔ اور یہ مضاف (ہوکر مستعمل) نہیں ہوتا ہے۔ اور "غَیْرُ" جبکہ اس کا مضاف الیہ حذف کر دیا گیا ہو۔ اور یہ "لَیْسَ" کے بعد (واقع) ہو جیسے قَبَضْتُ الخ[1]، ان لوگوں کے نزدیک جنہوں نے اس کو ضمہ بلاتنوین دیا ہے۔ اور "اَیٌّ" اسم موصول جبکہ اس کو مضاف بنا دیا جائے اور اس کے صلہ کا ابتدائیہ ضمیر محذوف ہو۔ جیسے اَیُّھُمْ اَشَدُّ اور بعض لوگ اس کو علی الاطلاق معرب مانتے ہیں۔

وَاقول: الباب السّادس من المبنيات مَا لزم الضمّ: وهو اربعة انواع: النّوع الاوّل مَا قطع عن الاضافة لفظًا لا معنًى من الظروف المُبْهَمَة كقبلُ وبعدُ واوّل واسماء الجهات نحو قُدّام، وأمام وخلف واخواتها: كقوله تعالى (لِلّٰهِ الامرُ مِن قبلُ ومِن بعدُ) في قراءة السّبعة بالضّم، وقدّره ابن يعيش على انّ الأصل من قبل كلّ شيء ومن بعده انتهى۔ وهذا المعنى حق، الّا انّ الانسب للمقام ان يقدّر (من قبل الغلب) من بعده، فحذف المضاف اليه لفظًا ونوى معناه، فاستحق البناء على الضمّ ومثله قول الحماسي:

۴۵۔ لَعَمْرُكَ مَا أَدْرِي وَإِنِّي لَأَوْجَلُ ؛ عَلَى أَيِّنَا تَعْدُو الْمَنِيَّةُ أَوَّلُ

وقال الآخر ۴۶۔ إِذَا أَنَا لَمْ أُوْمَنْ عَلَيْكَ وَلَمْ يَكُنْ ؛ لِقَاؤُكَ إِلَّا مِنْ وَرَاءُ وَرَاءُ

ش: مبنیات کا چھٹا باب وہ ہے جس میں ضمہ لازم ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں۔ قسم اوّل، وہ مبہم ظروف جن کی اضافت لفظًا ختم کردی گئی ہو، معنًی نہیں جیسے قبل، بعد، اوّل اور اسماء جہات مثلًا قُدّام، اَمام، خلف اور اسکے اخوات۔

---

[1] یعنی میں نے صرف دس لئے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لِلّٰہِ الْاَمْرُ[1] الخ قرارتِ سبعہ کی قرارت کے مطابق ضمّہ ہے۔ اور ابن یعیش نے اس کی اصل من قبل الخ نکالی ہے۔ انتہیٰ۔ یہ مفہوم درست ہے۔ مگر مقام کے مناسب یہ ہے کہ اس کی اصل من قبل الخ نکالی جائے۔ مضاف الیہ لفظاً حذف کر دیا گیا۔ اور اسکے معنیٰ کو نیت میں باقی رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے اس کو بناء علی الضم کا استحقاق ہوگیا۔ اور اس کی مثال حماسی کا کلام ہے لعمرك[2] الخ ایک اور شاعر نے کہا ہے۔ اِذَا اَنَا[3] الخ

وقولی «لفظا» احترازمن ان يقطع عنها لفظا ومعنى، فانها حينئذٍ تبقى على إعرابها. وذلك كقولك «أَبْدَأُ بِذَا أَوَّلًا» إذا اردتَ أبدأ به متقدمًا، ولم تتعرض للتقدم على ماذا وكقولِ الشاعر:

۴۷۔ فَسَاغَ لِي الشَّرَابُ وَكُنْتُ قَبْلًا ✽ أَكَادُ أَغَصُّ بِالْمَاءِ الْفُرَاتِ

وقول الآخر: ۴۸۔ وَنَحْنُ قَتَلْنَا الْأُسْدَ أُسْدَ خَفِيَّةٍ ✽ فَمَا شَرِبُوا بعداً عَلَى لذةٍ خَمْرًا

وقرئ (لله الامر من قبلٍ ومن بعدٍ) بالخفض والتنوين، على ارادةِ التنكير وقطع النظر عن المضاف اليه: اى لفظًا ومعنىً، وقرأ الجحدرى والعقيلى بالجرّ من غير تنوين على ارادة المضاف اليه وتقدير وجوده۔

اور میرا قول «لفظا» ان ظروف سے احتراز ہے جن کی اضافت لفظاً ومعنیً ختم کر دی گئی ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت معرب ہی رہتے ہیں۔ جیسے ابدأ الخ[4] (اس وقت بولتے ہیں) جبکہ اس سے تمہاری مراد یہ ہو کہ پہلے اس سے شروع کرونگا اور کس چیز پر مقدم ہوتا ہے؟ (اس) کا تذکرہ تم نے نہ کیا ہو۔ اور جیسے شعر فَسَاغَ لِي الخ

---

[1] ابن یعیش کی تقدیر کے مطابق ترجمہ ہوگا:۔ ہر چیز سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اللہ ہی کو اختیار تھا۔ اور صاحب کتاب کی تقدیر کے مطابق ترجمہ ہوگا:۔ مغلوبیت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اللہ ہی کو اختیار تھا۔ (پ۲۱ ع۴) [2] تیری عمر کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ ہم میں سے پہلے کس کو موت آئیگی۔ حالانکہ مجھے ڈر لگا رہتا ہے، یعنی ہماری زندگی مختصر ہے، آدمی ہر لمحہ موت کے دہانہ پر ہے۔ لہٰذا دوری و بے تعلقی کے ساتھ زندگی گزارنا ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ (سبیل الہدیٰ)

[3] جب میں آپ کی نظر میں قابلِ اطمینان نہیں ہوں، اور آپ سے ملاقات بھی دور ہی دور سے ہوتی ہے (ایسے میں دوستی کس کام کی)۔ شعر ۵م/ ۶م میں محلِ استشہاد اوّلُ اور من ورَاءُ ہے۔ دونوں مضاف الیہ کے محذوف منوی ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم ہیں۔ تقدیرِ عبارت اوّل الأخر ہے اور من ورائے ہے۔ (ورنہ پہلا ظرفیت کی بنا پر منصوب ہوتا اور دوسرا من کی وجہ سے مجرور) (باقی صفحہ ۱۱۷ پر)

اور دوسرا شعر ونحن الخ اور بِلّٰہِ الامرُ الخ جرو تنوین کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے۔ نکرہ مان کر، اور مضاف الیہ سے لفظاً ومعنیً قطع نظر کرکے۔ اور جحدری وعقیلی نے جر کے ساتھ اور بلا تنوین پڑھا ہے۔ مضاف الیہ کو (نیت میں) مراد لینے اور اس کے وجود کو مقدر ماننے کی وجہ سے۔

النوع الثانی: ما الحق بقبل وبعد من قولهم «قبضتُ عشرةً ليسَ غيرُ»، والأصلُ ليسَ المقبوضُ غيرَ ذلك. فأُضمِرَ اسمُ «ليسَ» فيها وحذف ما أُضيفَ إليه غير» وبنيت «غير» على الضم تشبيها لها بقبل وبعد، لإبهامها ويحتمل ان التقدير: ليس غيرُ ذلك مقبوضا ثم حذف خبر «ليس» وما أضيفت اليه «غير» وتكون الضمة على هذا ضمةَ اعراب، و الوجه الأول اولى، لان فيه تقليلاً للحذفِ، ولانّ الخبر في باب «كان» يضعف حذفُه جدًا. ولا يجوز حذف ما اضيفت اليه «غير» إلا بعد «ليسَ» فقط. كما مثّلنا، واما ما يقع فی عباراتِ العلماء من قولهم «لا غير» فلم تتكلم به العرب، فإمّا انهم قاسوا «لا» على «ليسَ» أو قالوا ذلك سهوا عن شرطِ المسألة.

قسم دوم: عربوں کے قول قبضت عشرة لیس غیر (میں غیر) ہے جو قبلُ وبعدُ سے ملحق ہے۔ اس کی اصل لیسَ المقبوض غیرذٰلك ہے لیسَ کے اسم کو لیسَ میں مضمر کر دیا گیا۔ اور غیر کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا۔ اور غیر کو مبنی علی الضم بنا یا گیا۔ کیونکہ غیر کو مبہم ہونے کے باعث قبلُ بعدُ سے مشابہت حاصل ہے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ اصل لیسَ غیرذٰلك مقبوضا ہو۔ پھر لیسَ کی خبر اور غیر کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا۔ اور اس صورت میں ضمہ اعرابی ضمہ ہوگا۔ پہلی شکل زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں حذف کی قلت ہے۔ اور اس لئے کہ «باب کان» (افعالِ ناقصہ) کی خبر کا حذف بہت ضعیف ہے۔ اور غیر کے مضاف الیہ کو حرف «لیس» کے بعد حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے ہم نے مثال دی اور رہا «لا غیر» جو علماء کی عبارتوں میں واقع ہوا ہے تو اس کا تکلم اہلِ عرب نے نہیں کیا ہے۔ پھر (بھی اس لئے پایا جاتا ہے کہ) یا تو انہوں نے لا کو لیسَ پر قیاس کر لیا ہے یا انہوں نے مسئلہ کی شرط بھول کر یہ کہا ہے

لہ اور ہم نے شیروں یعنی خفیہ کے شیروں کو قتل کر ڈالا جس کے نتیجہ میں پھر وہ لوگ مزے لیکر شراب نہ پی سکے۔
نوٹ:۔ غفیہ کے بجائے «شنوءة» صحیح ہے۔ جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ خفیہ: مطلق جھاڑی کو کہتے ہیں۔ یہاں کوفہ کے علاقہ کی ایک جھاڑی مراد ہے۔ جس کے شیر مشہور ہیں۔ شعر ۴۷/۴۸ میں مستدل قبلا اوبعدا ہے۔ شاعر نے دونوں کو منصوب منون استعمال کیا ہے۔ کیونکہ انکا مضاف الیہ لفظاً اور معناً نسیا منسیا کر دیا گیا ہے۔ اگر مضاف الیہ منوی ہوتا تو تنوین نہ آپاتی لانّ المنوی کالمذکور و المضاف لا یدخلہ التنوین۔

النَّوعُ الثالثُ: مَا أُلحِقَ بقبلُ وبعدُ مِن «عَلُ» المراد بهٖ مُعيَّنٌ، كقولك اخذت الشئَ الفلانی من اسفل (الدار) والشئَ الفلانی من عل: ای من فوق الدار:

قال الشاعر: ۴۹ـ وَلَقَدْ سَدَدتُ عَلَيكَ كلَّ ثَنِيَّةٍ ٭ وأتَيتُ فَوقَ بَنِی كُلَيبٍ مِن عَلُ

ولا تستعمل «عَلُ» مضافة اصلًا، ووقع ذلك فی كلام الجوهری، وهو سهوٌ، ولو اردت بعل عُلُوًّا مجهولًا غير معروف تعين الاعراب كقوله:

۵۰ـ كَجُلمُودِ صَخرٍ حَطَّهُ السَّيلُ مِن عَلٍ، ای من مكانٍ عالٍ۔

قسم سوم: وہ (اسم) ہے جو قبل وبعد سے ملحق ہے یعنی وہ عل جس سے کوئی معین مراد ہو جیسے اخذتُ[1] الخ اور شعر ولقد سددتُ[2] الخ اور عَلُ مضاف ہو کر بالکل استعمال نہیں ہوتا۔ اور جوہری کے کلام میں واقع ہوا (مگر) وہ سہوًا ہے۔ اور اگر عَلُ سے مجہول غیر معین بلندی مراد ہو تو معرب ہونا متعین ہے جیسے کجلمود[3] الخ یعنی بلند جگہ سے۔

النَّوعُ الرابعُ: مَا الحق بقبلُ وبعدُ من «ای» الموصولة۔ واعلم انّ ايًّا الموصولة معربة فی جميع حَالاتِهَا، الّا فی حَالةٍ واحدةٍ، فانّها تبنی فِيهَا على الضمّ، وذلك اذا اجتمع شرطان احدُهما: ان تضاف، الثانی: ان يكون صَدر صلتها ضميرًا محذوفًا، وذلك كقوله تعالى (ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا)

قسم چہارم: وہ (اسم) ہے جو قبلُ، بعدُ سے ملحق ہے یعنی ایّ موصولہ۔ جان لیجئے کہ «ای» موصولہ سوائے ایک حالت کے تمام حالتوں میں معرب ہے۔ کیونکہ وہ اس حالت میں مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ یہ اسوقت ہے جبکہ اس میں دو شرطیں اکٹھی پائی جائیں۔ اوّل یہ کہ مضاف ہو۔ دوسرے یہ کہ اسکے صلہ کا

---

[1] میں نے فلاں چیز گھر کے نیچے سے لی اور فلاں چیز اُوپر سے، یعنی گھر کے اوپر سے۔

[2] اور میں نے تمہارا ہر راستہ بند کردیا ہے۔ اور بنو کلیب پر ان کے اوپر سے میں نے چڑھائی کردی۔ (نوٹ) شعر میں مِن عَلُ محلِ استشہاد ہے۔ جو فوق کا ہم معنی ہے۔ اس کا مضاف الیہ «ہم» محذوف منوی ہے۔ تقدیر عبارت: واتیت نحو بنی کلیب من فوقہم ہے۔ یہ شعر فرزدق نے جریر بن عطیہ اور اس کی قوم بنو کلیب کی ہجو میں کہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جریر! میں نے تیرا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اور تیری قوم پر اس طرح حملہ آور ہوا ہوں جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔

[3] جیسے پتھر کی چٹان جس کو (پانی کے) بہاؤ نے اوپر سے گرا دیا ہو۔ اس مصرعہ میں گھوڑے کی برق رفتاری کو اُوپر سے لڑھکنے والی چٹان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مستدل مِن عَلٍ ہے۔ جو مطلقًا بلند جگہ کے معنی میں ہونیکی وجہ سے معرب ہے۔ مِن کے دخول کے باعث مجرور ہے۔

ابتدائیہ ضمیر محذوف ہو۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ[1] الخ (تقدیر آیت ہے ایّهم هو اشدّ)

(ثمّ) حرف عطف علی جواب القسم، وهو قوله تعالیٰ: (فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ)

واللّام لام التوكيد الّتي يتلقّى بها القسم، مثلها في (لنحشرنّهم) و (ننزع) فعلٌ مضارعٌ

مبنيّ على الفتح لمباشرته لنون التوكيد (والفاعل ضمير مستتر والنون للتوكيد) و (من كلّ)

جارٌ ومجرورٌ متعلق بننزع، و (شيعة) مضاف اليه، و (اي) مفعول، وهو موصول اسمي يحتاج

الى صلةٍ وعائدٍ، والهاء والميم مضاف اليه، و (اشد) خبر لمبتدأ محذوفٍ: اي أيّهمُ

هُوَ اشدّ، والجُملة من المبتداءِ والخبر صلة لاىّ. و (على الرّحمٰن) متعلق باشدّ، و (عتيًّا)

تمييز، وكان الظاهر ان تفتح أي، لانّ اعراب المفعولِ النصب، الّا انها هنا مبنيّةٌ على الضّمِّ

لِاضافتِها الى الهاءِ والميم وحذف صَدر صلتها، وهو المقدر بقولك «هو» ۔

ثُمَّ جواب قسم یعنی فوربّك[2] الخ (میں لَنَحْشُرَنَّهُمْ) پر عطف کا حرف ہے۔ اور (لننزعنّ کا) «لام»

لام تاکید ہے جس کے ذریعہ قسم (جواب قسم سے) جُڑتی ہے۔ اسی کی طرح لنحشرنّهم میں (لام، لام تاکید)

ہے۔ اور «ننزع» فعل مضارع ہے مبنی علی الفتح ہے کیونکہ اس سے بلاواسطہ نونِ تاکید لگا ہوا ہے۔

اور فاعل ضمیر مستتر ہے، اور نون تاکید کا ہے۔ اور «من کلّ» جار مجرور ننزع کے متعلق ہے۔

شیعة «(کل کا) مضاف الیہ ہے اور «ای» مفعول ہے۔ یہ اسم موصول ہے جسے ایک صلہ اور ایک عائد

کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ھار میم (ای کا) مضاف الیہ ہے۔ اور «اشد» مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

اصل ایّهم هو اشدّ ہے۔ اور جملہ مبتدا، خبر سے مل کر «ای» کا صلہ ہے۔ اور «علی الرحمن» اشد کے متعلق ہے

اور «عتيًّا» تمیز ہے۔ ظاہر یہ تھا کہ «ای» مفتوح ہوتا۔ کیونکہ مفعول کا اعراب نصب ہے۔ مگر یہاں

مبنی علی الضم ہے۔ کیونکہ ھار، میم کی طرف اس کی اضافت ہے۔ اور صلہ کا ابتدائیہ حذف کر دیا گیا۔

اور وہ تمہارے الفاظ میں «هُوَ» ہے۔

---

[1] پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کر دیں گے جو اُن میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتے تھے۔ پ۱۶ ع۸)

[2] سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم اُن کو جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی۔ پ۱۶ ع۸)

نوٹ :- آیت کریمہ کے جزو اوّل فوربّك کا تذکرہ اس موقع پر نامناسب ہے۔ کیونکہ مقصود بالذکر صرف معطوف علیہ یعنی لنحشرنّهم ہے نہ کہ قسم۔

ومن العَرَبِ من يعربُ ايًّا فى احوالِهَا كلِّهَا، وقد قرأ هارون و معاذ و يعقوب (ايَّهم اَشَدُّ) بالنصب، قال سيبويه: وهى لغة جيّدة، وقال الجرمى ، خرجت من الخندق ، يعنى خندق البصرة حتى صرت الى مكة، فلم اَسْمَع احدًا يقول ، اضرب ايَّهم افضل ، اى كلهم ينصب ولا يضم۔ والمعنى اقسم بربّك لنجمعن المنكرين للبعث و قرناءهم من الشياطين الّذين اَضلّوهم مقرنين فى السّلاسل كل كافر معه شيطانهُ فى سلسلةٍ، ثمّ لنحضرنّهم حول جهنم جاثين على الركب، ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا: اى جرأة وقيل: فجورًا وكذبًا وقيل: كفرًا، اى: لننزعن رؤساءهم فى الشر فنبدأ بالاكبر، فالاكبر جرمًا (والاكثر جرأة) (ثم لنحن اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صُلِيًّا[م]) اى احق بدخول النّارِ، يقال صَلِىَ يَصْلىٰ صُلِيًّا كما يقال لَقِىَ يَلْقىٰ لُقِيًّا، ويقال صَلىٰ يَصْلِى صُلِيًّا مثل مَضٰى يَمْضِى مُضِيًّا۔

اور بعض عرب ای کو تمام حالتوں میں معرب مانتے ہیں۔ اور ھارون، معاذ اور یعقوب نے ایّہم اَشَدّ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ سیبویہؒ نے کہا ہے یہ لغت عمدہ ہے۔ اور (ابوعمرو) جرمیؒ نے کہا کہ میں بصرہ کی خندق سے نکلا یہاں تک کہ میں مکہ پہنچا، کسی کو میں نے اضرب[1] اَیّہم اَفْضَلُ کہتے نہیں سنا۔ یعنی تمام کے تمام نصب دیتے ہیں ضمہ نہیں دیتے۔

آیت کا ترجمہ ہے: تمہارے رب کی قسم، ہم بعث بعد الموت کے منکرین اور ان کے ساتھی شیطانوں کو جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا بیڑیوں میں جکڑ کر اس طرح جمع کریں گے کہ ہر کافر کے ہمراہ اس کا شیطان بیڑی میں جکڑا ہوگا۔ پھر ان کو جہنم کے اردگرد اس حال میں لائیں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ پھر ہر گروہ میں سے

م صُلِيًّا فيه قراءتان الاولى بكسرِ الصّاد لحفص وحمزة والكسائى والثانية بضمها للباقين (وجوه المثانى) اختار المؤلّفُ الثانيةَ۔ [1] یہ صیغہ امر ہے۔ جیساکہ کتاب سیبویہ ج۲ سے سمجھا جارہا ہے۔

[2] یعنی ای کا ضمہ نہیں سنا گیا۔ جرمیؒ کے برخلاف ابوجعفر النحاس اور زجاج نے سیبویہ کی تردید کی ہے۔ نحاس فرماتے ہیں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس مسئلہ میں تمام نحویوں نے سیبویہ کی تغلیط کی ہے۔ اور زجاج کا خیال ہے کہ کتاب سیبویہ کی جو دو خامیاں سامنے آئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کیونکہ سیبویہ "ای" کو عدم اضافت کی صورت میں معرب مانتے ہیں لہٰذا اضافت کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ معرب ماننا چاہئے۔ حالانکہ سیبویہ مبنیت کے قائل ہیں۔ (مزید تفصیل کیلئے روح المعانی ج۱۶ دیکھئے) رہا جرمیؒ کا ارشاد تو عدم سماع عدم وجود کو مستلزم نہیں۔

ان لوگوں کو نکال لیں گے جو ان میں اللہ کے سامنے سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہوگا، دلیری وجرأت میں۔ اور ایک قول کے مطابق برملا گناہ کرنے میں۔ اور بقول بعض جھوٹ بولنے میں۔ اور بعض کے بقول کفر کرنے میں۔ یعنی ہم ان کے بڑے بڑے شریروں کو اس طرح نکالیں گے کہ پہلے بڑے مجرم پھر اس سے بڑے مجرم اور سب سے زیادہ جری کو۔ پھر ہم جانتے ہیں ان لوگوں کو جو جہنم میں ڈالے جانے کے زیادہ مستحق ہیں یعنی جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ حقدار ہیں۔ صَلِیَ یَصْلیٰ صُلِیًّا بولا جاتا ہے جیسے لَقِیَ یَلْقیٰ لُقِیًّا اور صَلیٰ یَصْلِی صُلِیًّا بولا جاتا ہے جیسے مَضیٰ یَمْضِیْ مُضِیًّا (پہلا باب سَمِعَ سے ہے بمعنی جلنا۔ دوسرا باب ضَرَبَ سے ہے بمعنی آگ میں ڈالنا۔ بھوننا۔

ثُمَّ قلت: أوالضَّم أَوْ نَائِبُهُ، وهو المنادى المفرد المعرفة، نحو «يا زيد»، و«يا جِبَال»، و«يا زَيْدَان»، و«يا زَيْدُون»، وأقول: البابُ السَّابِعُ من المبنيات: مَالَزِمَ الضَّمَّ أَوْنَائِبَهُ، وهو الالف والواو، وهو نوعٌ واحدٌ. وهو المنادى المفرد المعرفة. ونعني بالمفرد هنا: مَاليسَ مُضَافًا ولا شبيهًا به ولو كان مثنى أَوْمجمُوعًا، وقد سبق هٰذا عِنْدَ الكلامِ على اسم «لا»، ونعني بالمعرفةِ مَا أُرِيْدَ به معين، سَواء كان علمًا او غيرهٗ۔

م: یا ضمہ یا نائبِ ضمہ (لازمًا آئیگا) وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے جیسے یَازَیْدُ وغیرہ۔

ش: مبنی کا ساتواں باب وہ ہے جس پر ضمہ یا نائب یعنی الف اور واوٗ لازم ہو۔ اس کی ایک قسم یعنی منادیٰ مفرد معرفہ ہے۔ اور یہاں مفرد سے ہماری مُراد وہ اسم ہے جو مضاف اور مشابہ مضاف نہو، اگرچہ تثنیہ یا جمع ہو۔ اور یہ بات (اس سے پہلے بھی) «اسمِ لا» پر کلام کرتے وقت گذر چکی ہے۔ اور معرفہ سے ہماری مُراد وہ (اسم) ہے جس سے کسی معین کا قصد کیا جائے خواہ علم ہو یا غیر علم۔

فهٰذا النوعُ يبنىٰ على الضَّمِ في مَسْألتين: إحداهُما: ان يكون غيرَمثنى ولا مجمُوع، جمعَ مُذكّر سَالِمًا، نحو «يَازَيدُ» و«يَارَجُلُ» وقولِ الله تعالى: (يَانُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ) (يَانُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ) (يَاصَالِحُ ائْتِنَا) (يَا هُودُ مَاجِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ) الثانية: ان يكون جمع تكسير نحو قولك «يَازُيُودُ» وقولهُ تعالى: (يَاجِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ) ويبنىٰ على الالفِ ان كان مثنى، نحو «يَازَيدَانِ» و«يَارَجُلَانِ»، إذَا أُرِيْدَ بهما مُعَيَّنٌ: ويبنى على الواو ان كان جمع مذكر سَالِمًا، نحو «يَازَيدُون» و«يَامُسْلِمُونَ»، إذَا أُرِيْدَ بهما معيّن۔

یہ قسم دو صورتوں میں مبنی علی الضم ہوتی ہے۔ پہلی یہ کہ تثنیہ و جمع مذکر سالم نہ ہو۔ جیسے یَا زَیْدُ، یَا رَجُلُ اور باری تعالیٰ کا ارشاد یَا نُوْحُ[1] الخ یَا نُوْحُ[2] الخ یَا صَالِحُ[3] الخ یَا هُوْدُ[4] الخ دوسری صورت یہ کہ جمع تکسیر ہو جیسے یا زیود اور باری تعالیٰ کا ارشاد یَا جِبَالُ[5] الخ اور اگر منادیٰ تثنیہ ہو تو الف پر مبنی ہوتا ہے جیسے یَا زَیْدَانِ یَا رَجُلَانِ جس وقت کہ ان دونوں (زَیْدَانِ، رَجُلَانِ) سے معین (افراد) مراد ہوں۔ اور اگر جمع مذکر سالم ہو تو واو پر مبنی ہوتا ہے۔ جیسے یَا زَیْدُوْنَ، یَا مُسْلِمُوْنَ جسوقت کہ ان دونوں (زیدون، مسلمون) کی مراد معین ہو۔

واَمَّا اِذَا کَانَ المنادیٰ مضافًا اَوْ شبیهًا بالمضافِ اَوْ نکرةً غیرَ معینةٍ فانّهُ یعربُ نصبًا علی المفعولیةِ، فلا یدخل فی باب البناءِ، فالمضاف کقولك یَا عَبْدَ اللّٰهِ، ویَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وفی التنزیلِ (قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ای یا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ (اَنْ اَدُّوْا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ) ای یَا عِبَادَ اللّٰهِ، ویجوز ان یکون (عِبادَ اللّٰه) مفعُوْلًا بِاَدُّوْا کقولهِ تعالیٰ: (اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ) ویجوز ان یکون (فاطر) صفة لِاِسْمِ اللّٰه تعالیٰ، خلافًا لسیبویه، والشبیه بالمضاف، وهو ما اتصل به شیءٌ من تمامِ معناه، کقولك: یَا کَثِیْرًا بِرُّهٗ، "یا مفیضًا خیرهٗ"، "یا رفیقًا بالعبادِ" والنکرة کقولِ الاعمیٰ: یَا رَجُلًا خُذْ بِیَدِیْ، وقول الشاعر:

۵۱ - اَیَا رَاکِبًا اِمَّا عَرَضْتَ فَبَلِّغَنْ ✽ نَدَامَایَ مِنْ نَجْرَانَ اَنْ لَا تَلَاقِیَا

اور جسوقت منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ غیر معینہ ہو، تو مفعول ہونے کی بنا پر نصب کا اعراب دیا جائیگا۔ (اور مبنی نہیں ہوگا) مضاف کی مثال جیسے یَا عَبْدَ اللّٰهِ، یَا رَسُوْلَ اللّٰه اور قرآن پاک میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ[6] فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی یَا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ اور اَنْ اَدُّوْا اِلَیَّ[7] عِبَادَ اللّٰهِ یعنی یَا عِبَادَ اللّٰهِ، اور عِبَادَ اللّٰهِ، اَدُّوْا کا مفعول بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے اَنْ اَرْسِلْ[8] الخ (میں بنی اسرائیل مفعول ہے)

---

[1] اے نوح یہ شخص تمہارے گھر والوں میں نہیں (پ ۱۲ ع ۴) [2] اے نوح اترو ہماری طرف سے سلام لیکر۔ (پ ۱۲ ع ۴)
[3] اے صالح (جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے ہیں اسکو) منگوائیے (پ ۸ ع ۱۷) [4] اے ہود آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش کی نہیں (پ ۱۲ ع ۵) [5] اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ باربار تسبیح کرو (پ ۲۲ ع ۸)
[6] اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے (پ ۲۴ ع ۵) [7] کہ اے اللہ کے بندو (حق اللہ کی ادائیگی میں) میرا اطاعت کرو۔ الاداء بمعنی الفعل للطاعة و قبول الدعوة (روح المعانی ج ۲۵ ص ۱۲۱) اور مفعول بہ ہونے کی صورت میں ترجمہ ہوگا اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کردو۔ (پ ۲۵ ع ۱۴) [8] کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے (پ ۱۹ ع ۲)

اور فَاطِر (اللّٰھُمَّ میں) لفظ اللہ کی صفت ہو سکتی ہے سیبویہ کا اختلاف ہے۔ اور مشابہ مضاف وہ اسم ہے جس کے ساتھ اس کے معنی کی تمامیت کی کوئی شئ متصل ہو۔ جیسے تمہارا قول یا کثیراً برّہٗ[1] وغیرہ۔ اور نکرہ کی مثال جیسے اندھے کا قول یا رجلاً خذ بیدی اور شاعر کا قول ایا راکباً[2] الخ

ویجوز فی المُنادی المستحق للضم ان یُنصب اذا اضطر الی تنوینه کقول الشاعر:

۵۲۔ ضَرَبَتْ صَدرَهَا اِلیَّ وَقَالَتْ ❊ یَا عَدِیًّا لَقَد وَقَتْكَ الاَوَاقِی

وان یبقیٰ مضمومًا کقوله

۵۳۔ سَلَامُ اللّٰهِ یَا مَطَرٌ عَلَیْهَا ❊ وَلَیْسَ عَلَیكَ یَا مَطَرُ السَّلَامُ

ویجوز فی المُنادی ایضًا ان یفتح فتحة اتباع، وذلك اِذا كان علمًا: موصوفًا بابن، متصل به مضاف الی علمٍ، کقولك: «یا زیدَ بن عمرٍو» وقول الشاعر:

۵۴۔ یا طَلحَةَ ابنَ عبیدِ اللّٰهِ قد وَجَبَتْ ❊ لَكَ الجِنَانُ وَبُوِّئْتَ المَهَا العِینَا

وبقاءُ الضمّ اَرجح عند المبرد، والمختار عند الجمهور الفتح۔

---

[1] سیبویہ کا خیال ہے کہ «لازم الندا اسماء» کو ایسے فوائد کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جو صفت کے ذریعہ دوسرے اسماء کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور اللّٰھُمَّ لازم الندا اسماء میں سے ہے۔ لہٰذا اس کے بعد والے الفاظ کو صفت کے بجائے کچھ اور بنانا چاہیے۔ مثلاً آیت کریمہ میں فاطر سے پہلے حرف ندا محذوف مان کر اسے مستقل منادیٰ بنا دیا جائے۔ لیکن سیبویہ کا یہ خیال زیادہ وقیع نہیں ہے۔ کیونکہ اوّلاً تو عدم احتیاج الی الفائدہ عدم افادیت کو مستلزم نہیں۔ جبکہ افادیت کے پیش نظر ایسے مواقع پر صفت کے تذکرہ میں لفظی قباحت ہے نہ معنوی۔ ثانیاً صفت نہ بنانے کی صورت میں محذوف ماننا پڑتا ہے۔ «وهو خلاف الاصل، فالانسب الاخذ بالاباحة كما هو رأى الجمهور» از النحو الوافی

[2] اے زیادہ بھلائیوں والے! اے اپنی بھلائی کی فیاضی کرنے والے! اے بندوں پر مہربان! نکتہ: معو علام شبیہ مضاف کی تین مثالیں دیکر اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ متصل بالمنادیٰ مثال اول کی طرح فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہو۔ یا مثال ثانی کی طرح مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہو۔ یا مثال ثالث کی طرح مجرور بحرف الجر ہو تینوں صورتوں میں شبیہ مضاف کا ایک ہی حکم ہے۔ کہ معرب اور منصوب ہوتا ہے۔ تاہم ایک صورت رہ گئی یعنی شبیہ مضاف کے اوپر کسی ایسے اسم کا عطف کر دیا گیا ہو جس سے «شبیہ مضاف» کا معنی مکمل ہوتا ہو۔ اس صورت میں بھی شبیہ مضاف سابقہ صورتوں کی طرح معرب و منصوب ہوتا ہے۔ جیسے «یا ثلاثة وثلاثین» جب کسی شخص کا نام رکھ دیا گیا ہو۔ (اسم منقول الخ)

[3] اے سوار! اگر تو حجاز پہنچے تو میرے نجرانی دوستوں کو یہ پیغام ضرور پہونچا دینا کہ ہماری کوئی ملاقات (متوقع) نہیں ہے۔ یہ شعر عبد یغوث ابن وقاص الحارثی کا ہے۔ جو اس نے کلاب ثانی میں تیم کے قید ہوتے وقت کہا تھا۔ محل استشہاد: ایا راکبا ہے کہ منادیٰ نکرہ غیر معینہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ عرضت، عروض میں پہونچنا۔ عروض: مکہ، مدینہ اور ان کے اطراف کو کہا جاتا ہے۔

اور جب مستحق ضمہ منادی کو ضرورۃً تنوین دینی پڑے تو اس کو نصب (بھی) دیا جا سکتا ہے جیسے شعر ضربت[1] الخ اور مضموم (بالتنوین[2]) بھی چھوڑا جا سکتا ہے جیسے شعر سلام[3] الخ۔ اور اس منادی کو اتباعی فتحہ بھی[4] دیا جا سکتا ہے جبکہ علم ہو، ایسے ابن کا موصوف ہو جو اس علم سے متصل ہو اور کسی علم کی طرف مضاف ہو[5] جیسے تمہارا قول یا زید بن عمرو۔ اور شاعر کا قول یا طلحۃ[6] الخ اور مبرد کے نزدیک ضمہ کا ہونا راجح ہے۔ اور جمہور کے نزدیک مختار فتحہ ہے۔

ثم قلت: واما ان لا یطرد فیہ شیٔ بعینہ وھو: الحروف کھلْ وثُمّ وجَیرِ ومُنذ، والاسماءُ غیرُ المتمکنۃ، وھی سبعۃ: اسماءُ الافعال کصہ وامینَ وایہِ وھیتُ، والمضمراتُ کقومی، وقمتَ وقمتِ وقمتُ والاشارات کذی، وثَمّ وھؤلاءِ وھؤلاءُ والموصولات کالذی والتی والذین والاُولاءِ فیمن مدّہ وذاتُ فیمن بناہ وھو الافصح الّذینِ وتَین واللذین واللتین فکالمثنی واسماءُ الشرطِ واسماءُ الاستفھام کمَن ومَا واَین الا ایًّا فیھما، وبعضُ الظروفِ کاِذ والآن وامسِ وحیث مثلثًا۔

---

[1] اس نے (جنگ کی ہولناکیوں سے) میری نجات پر تعجب کرتے ہوتے سینہ پر (ہاتھ) مارا (جیسا کہ بوقت تعجب عورتوں کی عادت ہوتی ہے) اور بولی، اے عدی! محافظین نے تجھے بچا لیا۔ الیّٔ میں الی بمعنی من ہے۔ یا متکلم سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ (یعنی نجات یا امر) جار مجرور متعجبۃ کے متعلق ہوکر حال ہے۔ تقدیر عبارت: ضربت صدرھا متعجبۃ من نجاتی الخ، وقت، وقایۃ (ض) سے۔ ماضی کا واحد مؤنث غائب ہے۔ الاواقی واقیۃ بمعنی حافظۃ کی جمع ہے۔

[2] بالتنوین کی قید جامع الدروس العربیہ (ج۳ ص ۱۵۱) سے ماخوذ ہے۔ پہلی حالت میں علم مضاف کی طرح منصوب و معرب ہوتا ہے۔ اور دوسری حالت میں مبنی۔ [3] اے مطر اسیر تو سلام ہو (لیکن) تجھ پر سلام نہ ہو۔ احوص انصاری کا اپنی سالی سلمٰی سے خفیہ معاشقہ چل رہا تھا اسی دوران مطر نامی ایک آدمی سے اس کا رشتہ ہوگیا جس سے متاثر ہوکر غلبۂ عشق و وارفتگی میں اس نے یہ شعر کہا پہلا مطر محل استشہاد ہے۔ کیونکہ منادی مفرد معرفہ ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ یا زید کی طرح مبنی علی الضم ہو، لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے اس پر تنوین آرہی ہے۔

[4] علم کی طرف مضاف ہونے والا، ابن، جب علم منادی کی صفت بنتا ہے تو تابع منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ اس تابع کی اتباع میں، علم موصوف، پر بھی فتحہ جائز ہے، اسی فتحہ کو، اتباعی فتحہ، کہا گیا ہے۔ [5] منادی پر فتحہ کا جواز مذکورہ چار قیود پر موقوف ہے۔ ان میں سے اگر کوئی ایک قید فوت ہو جائے تو پھر منادی صرف مبنی علی الضم ہوگا۔ مثالیں بالترتیب یہ ہیں۔ یا رجل ابن خالد۔ یا ھند بنت خالد۔ یا حامد ابن اخینا۔ یا علی الفاضل ابن سعید۔ (نوٹ) موصوف بابنۃ اور موصوف بابن کا ایک ہی حکم ہے۔ لہٰذا یا فاطمۃ ابنۃ خالد میں بھی دونوں اعراب جائز ہیں۔ [6] اے طلحہ بن عبید اللہ تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی، اور بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ تمہیں خلوت ملی۔ مھا جمع مھاۃ جیسے فلاۃ جمع فلاۃ نیل گائے۔ جس سے حسین عورتوں کو تشبیہ دی جاتی ہے، مراد بہشتی حور۔ العین واحد عیناء، فراخ چشم عورت۔ (باقی صفحہ ۱۱۰ پر)

م : یا اس میں کوئی متعین شئی (اعراب) لازم نہو، تو وہ حروف ہیں جیسے هَلْ وغیرہ اور اسمار غیر متمکنہ ہیں اور وہ سات ہیں۔ اسمائے افعال جیسے صَهْ وغیرہ اور مضمرات جیسے قُوْمِیْ وغیرہ، اور اشارات جیسے ذِی وغیرہ۔ اور موصولات جیسے الَّذِی ، الَّتِی ، الَّذین اور الاولاء۔ ان لوگوں کے نزدیک جو اس کو مَد دیتے ہیں۔ اور ذات ان لوگوں کے نزدیک جو اس کو مبنی مانتے ہیں، اور یہی فصیح ہے۔ سوائے ذین، تین ، اللذین ، اللتین کے کہ (یہ اعراب میں) تثنیہ کی مانند ہیں، اور اسمائے شرط اور اسمارِ استفہام ، جیسے مَن وغیرہ سوائے اَیّ شرطیہ اور استفہامیہ کے۔ اور بعض ظروف جیسے اذ ، الآن اَمس اور حیثُ شمار پر تینوں حرکتوں کے ساتھ۔

واقول: لمّا انہیتُ القولَ فی المبنیاتِ السّبعۃِ المختصۃِ شرعتُ فی بیانِ مالا یختص ، وحصرتُ ذلک فی نوعین، احدھما: الحروف، وقدّمتُھا لانّھا اقعد فی باب البناء، والثانی الاسماء غیرُ المتمکنۃ، وحصرتُھا فی سبعۃ انواع وفصّلتھا ومثّلتُ کلا منھا، ورتبت امثلۃ الجمیع علی ما یجبُ لھا، فبدأت بما بنی علی السّکون لانّہٗ الاَصل فی البناء ثمّ ثنّیتُ بما بنی علی الفتح لانّہٗ اخفُّ من غیرہ، ثمّ ثلّثتُ بما بنی علی الکسر ثمّ ختمتُ بما بنی علی الضمّ۔

ش : جب میں نے ان ساتوں مبنیات کے سلسلہ میں اپنی گفتگو پوری کرلی جو (کسی ایک اعراب کے ساتھ) خاص ہیں تو ان مبنیات کے بیان کا آغاز کیا جو (کسی ایک اعراب کے ساتھ) خاص نہیں ، اور اس کو دُو ہی قسموں میں منحصر کیا۔ اوّل حروف، ان کو اس لئے مقدم کیا کہ بنار کے باب میں اصل ہیں۔ دوسرے اسمارِ غیر متمکنہ۔ ان کو سات قسموں میں منحصر کیا اور ان کی تفصیل کی۔ اور ہر ایک کی مثال دی، اور تمام کی مثالیں ایسی ترتیب سے ذکر کیں جیسی ہونی چاہیے کہ (ہر قسم کی مثال میں) پہلے نمبر پر مبنی علی السکون کو رکھا، کیونکہ وہ مبنی ہونے میں اصل ہے۔ دوسرے نمبر پر مبنی علی الفتح کو رکھا، کیونکہ فتحہ دوسروں کی بہ نسبت خفیف ہے۔ پھر تیسرے نمبر پر مبنی علی الکسر کو رکھا، پھر مبنی علی الضم کو آخر میں رکھا۔

فمثال مابنی علی السّکون من الحروف: کھَلْ، وبَلْ وقَدْ ولَمْ ومثال مابنی منھا علی الفتح ثمَّ واِنَّ ولعلَّ ولیتَ، ومثال مابنی منھا علی الکسر: جَیْرِ۔ بمعنی نعم واللّامِ والباءِ فی قولک "لِزَیدٍ" و "بِزَیدٍ" ولا رابع لھنّ الا "مِ اللہ" فی لغۃ من کسرالمیم وذلک علی القول بحرفیتھا، ومثال ما بنی منھا علی الضمّ مُنْذُ فی لغۃ من جربھا ، وقولھم فی القسم

«مُ اللهِ» فيمن ضم الميم و «مُنُ اللهِ» فيمن ضم الميم والنون، ومن قال فيهما وفي «مِ اللهِ» انها محذوفة من قولهم «ايمن الله» فلا يصح ذكرها هنا، فانها على هذا القول من باب الاسماءِ، لا من باب الحروف۔

مبنی علی السکون حروف کی مثال: ھَلْ وغیرہ ہے۔ اور مبنی علی الفتح کی مثال: ثُمَّ وغیرہ، اور مبنی علی الکسر کی مثال جَیْرِ بمعنی نَعَمْ ہے۔ اور تمہارے قول «لِزَیْدٍ، بِزَیْدٍ» میں لام، باء ہے۔ اور انکا چوتھا (مبنی علی الکسر کوئی حرف) نہیں ہے، سوائے «مِ اللہ» کے (وہ بھی) ان لوگوں کی لغت کے مطابق جو میم کو کسرہ دیتے ہیں۔ اور یہ اس کو حرف کہنے کی بنیاد پر ہے۔ اور مبنی علی الضم کی مثال: مُنْذُ ہے ان لوگوں کی لغت کے مطابق جو اس کو جارّہ مانتے ہیں۔ اور اہلِ عرب کا قول بوقت قسم «مُ اللہ» ان لوگوں کے نزدیک جو میم کو ضمہ دیتے ہیں۔ اور «مُنُ اللہ» ان کے نزدیک جو میم و نون کو ضمہ دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ان دونوں اور «مِ اللہِ» کے بارے میں کہا کہ یہ «ایمن اللہ» کا مخفف ہے، تو (اس صورت میں) اس کا تذکرہ یہاں درست نہیں۔ کیونکہ یہ اس قول کے مطابق اسماء کے قبیل سے ہے نہ کہ حروف کی قبیل سے۔

ومثال ما بني على السكون من أسماءِ الافعالِ: صَه - بمعنى أُسْكتْ - ومَهْ - بمعنى انكفف، ولا تقل بمعنى اكفف كما يقول كثير منهم - لان اكفف يتعدّى ومَهْ لا يتعدّى. ومثال ما بني منها على الفتح آمين - بمعنى استجب - لما ثقل بكسر الميم وبالياء بعد ما بني على الفتح، كما بني أينَ وكيفَ عليه لثقل الياء، وفيه اربع لغات: إحداها آمين، بالمدّ بعد الهمزة من غير امالة، وهذه اللغة اكثر اللغاتِ استعمالاً، ولكن فيها بعدٌ عن القياسِ، اذ ليس في اللغة العربية اسم على فاعيل، وانما ذلك في الاسماءِ الاعجمية كقابيلَ وهابيلَ ومن ثمّ زعم بعضهم أنّه اعجمي، وعلى هذه اللغة قوله:

۵۵- (يَا رَبِّ لَا تَسْلُبَنِّي حُبَّهَا أَبَدًا) * وَيَرْحَمُ اللهُ عَبْدًا قَالَ آمِينَا

مبنی علی السکون اسماءِ افعال کی مثال ہے صَہ بمعنی «چپ رہ» اور مَہْ بمعنی «رُک»۔ اور بمعنی «روک» نہ کہئے۔ جیسا کہ بیشتر لوگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ «اکفف» متعدی ہے۔ اور مَہْ متعدی نہیں ہے۔ اور مبنی علی الفتح کی مثال: آمین بمعنی «قبول کر» ہے۔ جب میم کے کسرہ اور بعد والے

یار کی وجہ سے ثقل پیدا ہوگیا تو مبنی علی الفتح کر دیا گیا جس طرح اَیْنَ وکَیْفَ کو یار کے ثقل کی وجہ سے فتحہ پر مبنی کر دیا گیا۔ اور اس میں چار لغات ہیں۔ پہلی لغت "آمین" ہمزہ کے بعد مد کے ساتھ بلا اِمالہ۔ یہ لغت کثیر الاستعمال لغت ہے۔ لیکن اس میں قاعدہ سے دوری (انحراف) ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں فَاعِیْل کے وزن پر کوئی اسم نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو عجمی اسمار میں (مستعمل) ہے۔ جیسے قابیل، ھابیل اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عجمی ہے۔ اور اسی لغت کے مطابق شعر ہے یَارَبِّ[1] الخ

والثانیۃ" کالاولٰی، الّا انّ الالف مُمَالۃ لِلکسرۃِ بعدھا، ورویت عن حمزۃ والکسائی، والثالثۃ امین" بقصرِ الالفِ علٰی وزنِ قَدیرٍ وبَصیرٍ قال:

۵۶۔ ○ اَمِینَ فَزَادَ اللہُ مَابیننا بُعدًا ○

وھٰذہِ اللغۃ افصح فِی القیاسِ واقل فِی الاستِعمَالِ حتّٰی اِن بعضھم انکرھا، قال صَاحبُ الإکمَالِ: حکی ثعلبُ القصرَ، وانکرہٗ غیرہٗ، وقال إنما جَاء مقصورًا فی الشعر، انتہٰی

وانعکسَ القولُ عن ثعلب علی بن قُرقُولٍ فقال: انکر ثعلب القصر الّا فی الشعر وصححہٗ غیرہٗ، وقال صَاحب التحریر فی شرح مُسلم: وقد قَال جمَاعۃ اِنّ القَصرَ لم یجئ عن العرب، واِنّ البیت اِنّما ھو:

○ فَاٰمِین زَادَ اللہُ مَابیننا بُعدًا ○ (۵۶)

دوسری لغت پہلی لغت کی طرح ہے۔ مگر (فرق) یہ کہ الف میں بعد والے کسرہ کی وجہ سے اِمالہ ہے۔ حمزہ وکسائی سے (اسی طرح) مروی ہے۔ تیسری لغت "امین" الف کے قصر (غیر مد) کے ساتھ قَدِیْر وبَصِیْر کے وزن پر ہے۔ شعر فَزَادَ اللہُ[2] الخ یہ لغت ازروئے اصول افصح اور قلیل الاستعمال ہے۔ حتّٰی کہ بعض لوگوں نے (سرے سے ہی) اس کا انکار کیا ہے۔ صاحب اکمال نے کہا ہے کہ (صرف) ثعلب نے قصر نقل کیا ہے۔ اور دیگر حضرات نے اس کا انکار کیا ہے۔ نیز فرمایا کہ صرف شعر میں بالقصر آیا ہے۔ انتہٰی۔

---

[1] اے میرے رب اس (لیلیٰ) کی محبت مجھ سے کبھی بھی نہ چھین، اور اللہ اس بندہ پر رحم کرے جس نے (میری دعا پر) آمین کہی۔
[2] پہلا مصرعہ ہے تباعَدَ منی فُطحُل اذ سَالتہ۔ جب میں نے فطحل سے (مدد کی) درخواست کی تو اس نے مجھ سے دُوری اختیار کی، اے اللہ تو ایسا ہی کرے (دوری اور بڑھا) چنانچہ اللہ نے ہمارے درمیان دُوری بڑھا دی۔
شعرہ/۵۶ میں محل استشہاد اٰمینا اور اَمین ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلے میں الف ممدودہ ہے میم غیر مشددہ مکسورہ ہے اور دوسرے میں الف (ہمزہ) غیر ممدودہ اور میم غیر مشددہ ہے۔

ثعلب کی بات ابن قرقول کے یہاں (پہونچکر) اُلٹ گئی چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ ثعلب نے شعر کے علاوہ میں قصر کا انکار کیا ہے۔ جبکہ دیگر حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور صاحب تحریر نے شرح مسلم میں یہ کہا ہے کہ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ قصر عربوں سے منقول نہیں ہے۔ اور شعر تو اس طرح ہے فامین[1] الخ

والرّابعة آمّين، بالمدّ وتشديد الميم، روى ذلك عن الحسن، والحسين بن الفضل، وعن جعفر الصّادق، وانه قال: تاويله قاصدين نحوك وانت اكرم من ان تخيب قاصدًا، نقل ذلك عنهم الواحدى فى البسيط، وقال صاحب الاكمال: حكى الدّاؤدى تشديد الميم مع المدّ، وقال: وهى لغة شاذة، ولم يعرفها غيره، انتهى، قلت: انكر ثعلب والجوهرى (والجمهور) ان يكون ذلك لغة، وقالوا، لانعرف آمّين الّا جمعًا بمعنى قاصدين كقوله تعالى: (وَلَآ آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ)

چوتھی لغت آمّین (الف کے) مد اور میم کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ حسن وحسین سے اور جعفر صادق سے مروی ہے۔ اور یہ (بھی مروی ہے کہ) انہوں نے فرمایا: اس (آمین) کے معنی ہیں قاصدین نحوك الخ (آپ کا قصد کرتے ہوئے) اور آپ تو اس سے زیادہ برتر ہیں کہ کسی قصد کرنے والے کو ناکام فرمائیں۔ یہ ان حضرات سے الواحدی نے نقل کیا ہے۔ صاحبِ اکمال نے فرمایا کہ داؤدی نے مد کے ساتھ میم کی تشدید نقل کرتے ہوئے فرمایا: یہ لغت شاذہ ہے۔ اور یہ ان کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔ انتہیٰ۔
میں کہتا ہوں: ثعلب وجوہری اور جمہور (سرے سے) اس کے لغت ہونے کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم آمین کو صرف (آمّ کی) جمع بمعنی قاصدین جانتے ہیں (نہ کہ اسم فعل)۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا آمّین[2] البیت الحرام۔

ومثال مَابنى منها على الكسر ايهِ بمعنى امضِ فى حَدِيثك — ولا تقل بمعنى حَدِّث. كمايقولون، لِمَا بيّنتُ لك فى مَهْ، وامّا قولُه:

۵۷۔ ٥ اِيهِ أَحَادِيثَ نَعْمَانٍ وساكِنِهِ ٥

---

[1] شعر کا ترجمہ اوپر گذر چکا۔ بس فرق یہ ہے کہ اوپر والے مصرعہ میں آمین بروزن بصیار تھا۔ اور اس میں اَمِین بروزن فاعیل ہے۔

[2] اور نہ ان لوگوں کا بے حرمتی کرو) جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جارہے ہوں۔ (پ ۵)

فلیس بعربی ، وعند الاصمعی انها لاتستعمل الاَمنوَّنة ، وخالفوہ فی ذٰلك ، واستدلوا

بقول ذی الرمة: ۵۸- ۵ وَقَفْنَا فَقُلْنَا إِيهِ عَنْ أُمِّ سَالِمٍ ۵

وکان الاصمعی یُخَطِّئُ ذاالرمة فی ذٰلك وغیرہ ، ولا یحتج بکلامه۔

اسمِ فعل مبنی علی الکسر کی مثال ایه ہے۔ جو بمعنی امْضِ فی حدیثك ہے اور بمعنی حدیث مت کیجئے[1] جیساکہ لوگوں کا کہنا ہے۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو میں نے صَهْ (کے ذیل) میں بیان کی۔ اور رہا شاعر کا قول ایه[2] الخ تو (اس کا جواب) یہ عربی نہیں ہے۔ اور اصمعی کے نزدیک یہ بلا تنوین استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اور دیگر حضرات نے ان کی اس سلسلہ میں مخالفت کی ہے۔ اور انہوں نے ذوالرمہ کے قول وقفنا[3] الخ سے استدلال کیا ہے۔ اور اصمعی اس اور اس کے علاوہ (دیگر مقام پر) ذوالرمہ کی تغلیط کرتے تھے۔ اور ان کے کلام کو حجت نہیں مانتے تھے۔

ومثال مَابنی منها علی الضم: هیت - بمعنی تهیّات - قال تعالیٰ: (وقالت هَیتُ لَكَ) و قیل المعنی هَلُمَّ لك فلك تبیینٌ مثل سقیًا لك وتری هَیْتُ مثلثة التاء ، فالکسر علی اصل التقاء السّاکنین ، والفتحُ للتخفیف ، کمافی اَیْنَ وکَیْفَ ، والضم تشبیهًا بحَیْثُ ، وقرئ ، هِئْتُ ، بکسر الهَاءِ وبالهمزة ساکنةً ، وبضم التاء ، وهو علی هٰذا فعلُ مَاضٍ وفاعلٌ من هَاءَ یهَاء کشاء یشاء اومن هَاء یهِیْءُ کجَاء یجِیْءُ۔

اسمِ فعل مبنی علی الضم کی مثال هَیْتُ بمعنی تَهَیَّاتُ ہے۔ ارشادِ باری ہے قالت[4] الخ۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی هلم لك ہیں۔

---

[1] اپنی بات جاری رکھئے، کہتے رہیئے۔ [2] وادیٔ نعمان اور اس کے مکین کی باتیں سنائیے۔ نعمان ایک وادی اور خط کا علم ہے۔ تانیث وعلم کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ مگر مقام غیر معین کی تاویل میں لیکر منصرف اور مکسور پڑھا گیا ہے۔
نوٹ: علامہ اثیر کے تین بیٹے ہیں۔ (۱) ابوالسعادات۔ محمد بن محمد بن عبد الکریم (متوفی ۶۰۶ھ) یہ محدث ہیں۔ (۲) ابوالحسن علی بن محمد (متوفی ۶۳۰ھ) یہ مورخ ہیں۔ (۳) ضیاء الدین ابوالفتح نصر اللہ بن محمد۔ یہ بہت بڑے ادیب ہیں۔ مگر تینوں نظم ونثر میں ناقابلِ احتجاج ہیں۔ اور یہ شعر مذکورہ تینوں میں سے کسی ایک کا ہے۔
[3] ہم لوگ ٹھہرے پھر کہا: ام سالم کے احوال سنائیے۔ نوٹ: لفظ ایه گفتگو میں اضافہ طلب کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر مخصوص ومتعین کلام میں اضافہ مطلوب ہوتا ہے تو ایه کو بلا تنوین استعمال کرتے ہیں۔ اور بلا تعیین نفس گفتگو میں اضافہ مطلوب ہوتا ہے تو ایه کو تنوین کے ساتھ بولتے ہیں۔ اور یہ تنوین تنکیر کی ہوتی ہے۔ امام لغت حضرت اصمعی غیر منون کو غلط کہتے ہیں۔ مگر جمہور کا نظریہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ (منتہی الارب)
[4] کہنے لگی کہ آجاؤ۔ تم ہی سے میں کہتی ہوں۔ (پ ۱۲، ۱۳)

اس صورت میں "لک" برائے تبیینؑ ہے۔ جیسے سقیا لك (میں) اور ھیتُ تار پر تینوں حرکتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں کسرۂ اجتماعِ ساکنین کے اصول کی بنا پر ہے۔ اور فتحہ تخفیف کی بنا پر ہے۔ جیسے این وکیف میں اور ضمہ حیثُ سے مشابہت کی بنا پر۔ اور ھِیْتُ ہار کے کسرہ، ہمزہ ساکنہ اور تار کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہےؑ۔ اور یہ اس اعراب کے مطابق فعل ماضی اور فاعل (اس میں ضمیر انا) ہے۔ ھَاءَ یَھَاءُ (س) سے بروزن شاءَ یشاءُ یا ھَاءَ یھِیْئُ سے بروزن جَاءَ یجیئُ۔

؎ لام تبیین: اس لام جارہ کو کہتے ہیں جو فاعل معنوی یا مفعول معنوی پر داخل ہو۔ لامِ تبیین تین مواقع پر استعمال ہوتا ہے۔
(۱) ایسے فاعل معنوی پر داخل ہوتا ہے جس کا مفعول سے التباس نہ ہو۔ جیسے هیهات هیهات لما توعدون، بُعْدًا للقوم الظٰلمین۔ تقدیر عبارت بَعُدَ ما توعدون۔ بَعُدَا لقومُ الظالمون ہے۔ (۲) ایسے مفعول معنوی پر جس کا فاعل سے التباس نہ ہو۔ جیسے سقیًا لك، رعیًا لك۔ نحوی ترکیب کے اعتبار سے سقیًا اور لك کو الگ الگ دو جملے بنانا ضروری ہے۔ اور اس اعتبار سے تقدیر عبارت ہوگی اسق یا رب۔ الدُّعاء لك ایّها المخاطب۔ لیکن پہلے جملہ میں اسق (فعل متعدی) کا مفعول بہ فلانًا محذوف ہے۔ اور فلانًا کا مصداق مدعولہ (مخاطب) ہے جس کو دوسرے جملہ میں "لك" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا لك ازروئے معنی سقیًا کا مفعول معنوی ہے۔
نوٹ:۔ اس دعائیہ جملہ میں سقیاً سے مراد عنایاتؑ نوازشات کی فراوانی اور کمالِ رضامندی کی دعا ہے۔ نہ کہ محض ظاہری معنی پلانا وسیراب کرنا۔ (النحو الوافی ج ۱ ص ۵۱۲)
(۳) ایسے فاعل معنوی پر بھی لام تبیین داخل ہوتا ہے جس کا مفعول سے التباس ہو۔ اس صورت میں لام تبیین التباس کو ختم کرنے کا کام کرتا ہے ——— رفعِ التباس والا یہ لامِ تبیین ہمیشہ ایسے فعل تعجب اور اسم تفضیل کے بعد آتا ہے جو حُب یا بُغض اور ان کے ہم معنی الفاظ مثلاً مودّت وکراہت وغیرہ سے مشتق ہوں۔ جیسے الوالد احبُّ لابنہ جو یحبّ الابنُ الوالدَ کے معنی میں ہے یعنی لام ابن کی فاعلیت کو بتارہا ہے۔ لامِ تبیین کی طرح اِلیٰ تبیینیہ بھی ہوتا ہے لیکن وہ مفعول معنوی پر داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا الوالد احبّ لابنہ میں اگر ابن پر لام کے بجائے الیٰ داخل کرکے الوالد احبّ الی ابنہ کہیں تو الابن مفعول معنوی ہوگا۔ تقدیر عبارت یحب الوالدُ ابنہٗ ہوگی۔ (مستفاد النحو الوافی ج ۲ ص ۹۷ م ۶۹۱، منتہی الارب)
؎ ھیت میں مشہور قراءتیں تین ہیں۔ (۱) ہشام کی قراءت "ھِئْتُ لك" علمائے نحو اس پر متفق ہیں کہ یہ شِئْتُ اور جِئْتُ کی طرح ھَاءَ یھِیئُ اور ھَاءَ یھَاءُ سے فعل ماضی واحد متکلم ہے۔ معنی ہیں تھیّاتُ (میں آپ کے لئے تیار رہوں گی)
(۲) ذکوان کی قراءت "ھِیتُ لك" یہ بھی سابق کی طرح ماضی متکلم کا صیغہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس میں ہمزہ یار سے بدل گیا ہے کیونکہ اہل حجاز کے یہاں ہمزۂ ساکنہ جس کا ماقبل متحرک ہو۔ ماقبل کی حرکت کے مطابق جوازاً حرفِ علت سے بدل جاتا ہے جیسے ذِئْبٌ۔ (۳) ھَیْتَ لك۔ اسمیں دو مسلک ہیں (۱) اسم فعل ماضی ہے۔ جو بمعنی تھیّاتُ ہے۔ اور لك اسی فعل کے متعلق ہے (۲) اسم فعل امر ہے بمعنی اَقْبِل، ھَلُمَّ (آجا) جار مجرور یا تو اقول فعلِ محذوف کے متعلق ہے۔ یا اسم محذوف کے جس کا مبتدا بھی محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ارادتی ورغبتی کائنۃ لك۔ یا دعائی کائن لك ہے۔
(منتہی الارب)

ومثال مَا بنی من المضمرات علی السکون قُومِي وقومَا وقُومُوا ومثال مَابنی منها علی الفتح: قمت للمخاطب المذکر، ومثال مابنی منها علی الکسر: قمتِ للمخاطبة، ومثال مَابنی منها علی الضم: قمتُ للمتکلم۔ ومثال ما بنی علی السّکون من اسماءِ الاشارة: ذا للمذکر، وذِی للمؤنث، ومثال مابنی (منها) علی الفتح: ثَمَّ۔ بفتح الثاءِ۔ اشارة الی المکانِ البعید، قال اللّٰه تعالیٰ: (وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ) ای ازلفنا الآخرین هنالك؛ ای قربناهم ومثال مَابنی منها علی الکسر: هٰؤُلاءِ، ومثال مَا بنی منها علی الضم ماحکاہ قُطْرُبٌ من ان بعض العَرب یقولون: هٰؤُلاءُ ۔ بالضم۔ فلذٰلك ذکرت هٰؤلاءِ فی المقدمة مرتین: اولاهما تضبط بالکسر، والثانیة بالضم۔

اور ضمیر مبنی علی السکون کی مثال قومِي وغیرہ ہے۔ اور مبنی علی الفتح کی مثال قمتَ برائے مذکر حاضر، اور اسکے مبنی علی الکسر کی مثال قمتِ برائے مؤنث حاضر۔ اور اسکے مبنی علی الضم کی مثال قمتُ برائے متکلم ہے۔ اور اسم اشارہ مبنی علی السکون کی مثال "ذا" برائے مذکر اور "ذی" برائے مؤنث۔ اور مبنی علی الفتح کی مثال "ثَمَّ" ثاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ دور جگہ کی طرف اشارہ کے لئے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَزْلَفْنَا الخ معنی ہیں، ہم نے اس جگہ پیچھے والوں کو بھی قریب کر دیا۔ ازلفنا بمعنی قربنا ہے۔ اور مبنی علی الکسر کی مثال هٰؤلاءِ اور مبنی علی الضم کی مثال وہ ہے جو قطرب نے بیان کی ہے۔ کہ بعض عرب هٰؤلاءُ ضمہ کے ساتھ بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے متن میں ہٰؤلاء دو مرتبہ ذکر کیا۔ پہلے پر کسرہ لگایا جاتا ہے۔ دوسرے پر ضمہ۔

ومثال مابنی علی السکون من الموصولات: الَّذِی والَّتِي ومَنْ ومَا، ومثال مابنی منها علی الفتح: الذین، ومثال مَابنی منها علی الکسر: الْأُلَاءِ ۔ بالمدّ ۔ لغة فی الالی بمعنی الَّذِین قال الشاعر:

۵۹- اَبَی اللّٰهُ للشُّمِّ الأُلَاءِ کَأَنَّهُم ‍ ‍ ‍ سُیُوفٌ أَجَادَ القَیْنُ یَوْمًا صِقَالَهَا

ومثال مَابنی منها علی الضم ذات بمعنی الّتی، وذلك فی لغة بنی طیء، وحکی الفراء انه سمع بعض السُّؤَّالِ یقول فِي المسجد الجامع: "بالفضل ذو فضّلکم اللّٰه به والکرامة ذاتُ اکرمکم اللّٰه به" ۔ بضم ذات مع انها صفة للکرامة: ای اسألکم بالفضل؛ قوله "به"

يفتح الباء، واصله ـ بها ـ فحذفت الالف ونقلت فتحة الهاء الى الباء بعد تقدير سلب كسرتها.

اور اسم موصول مبنی علی السکون کی مثال الّذِی ـ الّتِی ـ مَا اور مَنْ ہے ـ اور مبنی علی الفتح کی مثال الّذِین ہے ـ اور مبنی علی الکسر کی مثال الأُلاءِ لام کے ساتھ ـ یہ الأُلیٰ میں ایک لغت ہے جو بمعنی الّذِین ہے ـ شعر ابی اللہ اھ مبنی علی الضم کی مثال ذاتُ بمعنی الّتی ہے ـ اور یہ بنی طے کی لغت ہے ـ فراء نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کسی سوالی کو جامع مسجد میں کہتے ہوئے سنا بالفضلِ اھ ذات کے ضمہ کے ساتھ جبکہ کرامت کی صفت ہے (جو مجرور ہے) تقدیر عبارت اسألکم بالفضل اھ ہے (یعنی بالفضل کا متعلق فعل محذوف ہے) اور سوالی کا قول ـ بَہْ ـ باء کے فتحہ کے ساتھ ہے ـ اس کی اصل بِھَا ہے ـ الف کو حذف کر دیا گیا اور ہاء کا فتحہ باء کے کسرہ کو معدوم ماننے کے بعد باء کو دیدیا گیا ـ

ثُمَّ استَثْنَيتُ من أسماءِ الاشارة والاسماءِ الموصُولة ذين وتين و اللّذين و اللّتين فذكرت انهمَا كالمثنى، واعنى بذلك انهمَا معربَانِ بالالف رفعًا، وبالياءِ المفتوح ماقبلها جرًا ونصبًا، كما ان الزيدين والرجلين كذلك، وفُهِمَ من قولي ـ كالمثنى ـ انهمَا ليسَا مثنيين حقيقةً، وهو كذلك وذلك لانه لايجوز ان يثنى من المعارف الا مايقبل التنكير كزيد وعمرو، الاترى انهمَا لما اُعتقد فيهما الشياعُ والتنكيرُ جازت تثنيتُهما ولهذا قلتَ ـ الزيدَان ـ و ـ العمران ـ فَاَدخلتُ عليهمَا حرفَ التعريف ولو كانا باقيين على تعريفِ العلمية لم يجُزْ دخولُ حرفِ التعريف عليهما، وذا والذى لايقبلان التنكير، لانّ تعريفَ ذا بالاشارة، وتعريفَ الذى ـ بالصلة، وهما ملازمان لذا والّذِى فدل ذلك على ان ذين والّذين ونحوهمَا اسماءُ تثنية بمنزلة قولك: همَا وانتما، و ليسَا بتثنية حقيقة، ولهذا لم يصح فى ذين ان تدخل عليها ال، كما لايصح ذلك فى هما وانتما ـ

۱۔ اللہ نے ان اونچی ناک والوں (یعنی شرفاء) کی حفاظت فرمائی جو گویا کہ ایسی تلوار ہیں جن کو لوہار نے آج ہی بہت عمدہ بنایا ہے۔ محل استشہاد: الألاءِ ہے کہ مبنی علی الکسر ہے اسکے معنی الذین ہیں جسکی دو دلیلیں ہیں (۱) یہ صفت ہے اسکا موصوف القوم ہے جو قوم کی جمع تکسیر ہے (۲) صلہ کا اسم سیوف میں ضمیر جمع اسکی طرف لوٹ رہی ہے صفت و موصوف اور ضمیر اور مرجع میں تبھی مطابقت ہو پائیگی جبکہ الألاء کو بمعنی الذین لیں۔

۲۔ اس فضل (مال) کے طفیل جو اللہ نے تم کو عطاء فرمایا اور اس عزت کے طفیل جس سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے۔

پھر میں نے اسماء اشارہ اور اسماء موصولہ میں سے ذَیْنِ وغیرہ کو مستثنیٰ کیا پھر ذکر کیا کہ یہ (اعراب میں) تثنیہ کی طرح ہیں۔ میری مراد اس سے یہ ہے کہ یہ معرب ہیں (یعنی) حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ، حالتِ جری ونصبی میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ۔ جیسا کہ الزیدان، الرجلان (اعراب میں) اسی طرح ہیں۔ اور میرے قول "کالمثنی" سے یہ بات سمجھی گئی کہ یہ حقیقۃً تثنیہ نہیں ہیں۔ اور اصل بات یہی ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ معارف تثنیہ نہیں بنائے جا سکتے۔ مگر وہی جو تنکیر کو قبول کرتے ہیں جیسے زید وعمر چنانچہ جب ان میں تعمیم وتنکیر مان لی جائے تو ان کا تثنیہ آ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے الزیدان، العمران کہا، یعنی ان پر حرف تعریف داخل کیا۔ اور اگر علمیت والی تعریف پر باقی رہتے تو ان پر حرف تعریف کا دخول جائز نہیں ہوتا۔ اور ذا، الّذی تنکیر کو قبول نہیں کرتے ہیں کیونکہ ذا کی تعریف، اشارہ کے ذریعہ ہے اور الّذی کی تعریف صلہ کے ذریعہ۔ یہ دونوں (اشارہ وصلہ) ذا، اور الّذی کیلئے لازم ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ذین اور اللذین وغیرہ اسم تثنیہ ہیں۔ جیسے تمہارا قول هما وانتما اور یہ حقیقۃً تثنیہ نہیں۔ اسی وجہ سے ذین پر "ال" داخل ہونا درست نہیں۔ جیسے کہ هما اور انتما پر۔

فان قلت: فهلا إستثنيتَ من الموصولات «أيا» ايضا فانها معربة إلّا اذا أُضيفت وكان صَدرُ صِلتها ضميرًا محذوفًا؟ قلتُ: قد علم مما قدمت ان «أيًّا» مبنيةٌ في هذه الحالة، معربةٌ فيما عداها، فلم أحتج الى إعادته.

اعتراض: آپ نے اسمائے موصولات سے "ایّ" کا بھی استثنا کیوں نہیں کر دیا۔ کیونکہ وہ بھی معرب ہے۔ الا یہ کہ مضاف بنے، اور اس کے صلہ کا ابتدائیہ ضمیر محذوف ہو۔

جواب: ماقبل میں مذکور گفتگو سے معلوم ہو گیا ہے کہ ایّ اس حالت میں مبنی ہے، اور اس کے سوا (حالات) میں معرب ہے۔ لہٰذا میں نے اعادہ کی ضرورت نہیں محسوس کی

ومثالُ المبنيّ من أسماءِ الشرطِ والاستفهام على السكون: مَنْ، وَمَا، ومثالُ المبني منهما على الفتح: أينَ وأيّانَ، وليس فيهما ما بُني على كسرٍ ولا ضمٍّ فاذكرهُ؛

فان قلتَ: فان من أسماءِ الشرط «حيثما» وهي مبنية على الضم، قلتُ: المبني على الضم حيثُ، واسمُ الشرط انما هو حيثما، فما اتصلتْ بحيث وصارت جزءًا منها، فالضم في حشوِ الكلمة، لا في آخرها۔

اسمارِ شرط و استفہام میں سے مبنی علی السکون کی مثال مَنْ و مَا ہے۔ اور مبنی علی الفتح کی مثال اَیْنَ و اَیَّانَ ہے۔ ان میں (اسمارِ شرط و استفہام میں) مبنی علی الکسر و علی الضم نہیں ہے کہ ان کو ذکر کرتا۔

اعتراض: (آپ نے فرمایا کہ اسمارِ شرط میں مبنی علی الضم نہیں ہے جبکہ) اسمارِ شرط میں سے حیثما ہے جو مبنی علی الضم ہے۔

جواب: مبنی علی الضم حیثُ ہے۔ اور اسم شرط حیثما ہے۔ تو "ما" حیثُ کے ساتھ جڑ کر اس کا جزء ہو گیا۔ لہٰذا ضمہ درمیان کلمہ میں ہے۔ آخر میں نہیں۔

واستثنيتُ من أسماءِ الشرط وأسماءِ الاستفهام "ايًّا"، فانها معربةٌ فيهما مطلقًا، باجماع، مثال الاستفهامية في الرفع قولهُ تعالى: (اَيُّكُمْ يَأْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا) (اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا) ومثالها في النصب (فَاَيَّ اٰيَاتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ) (وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ) فايُّكم فيهما مبتداء، وايَّ من قوله: (فَاَيَّ اٰيَاتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ) مفعولٌ بهٖ لتنكرون، وايَّ من قوله تعالىٰ: (ايَّ منقلب) مفعولٌ مطلقٌ لينقلبون، وليست مفعولاً به ليعلم، لِانّ الاستفهامَ لا يعمَل فيه ما قبله، ومثالها في الخفض: (فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ بِاَيِّكُمُ) وايّ في هٰذه الأية مخفوضةٌ لفظًا مرفوعةٌ محلًّا، لِانَّها مبتداء والباء زائدة، والاصل اَيُّكم المفتون، والجملة نصب بتُبصِر اَوْ يُبْصِرُوْنَ، لانهما تنازعاها وهما مُعلَّقانِ عن العمَلِ بالاستفهام، وفي الأية مباحثُ أُخرُ۔

اور میں نے اسمارِ شرط و استفہام میں سے "ایّ" کو مستثنیٰ کیا۔ کیونکہ استفہام و شرط کی ہر حالت میں بالاجماع معرب ہے۔ ایّ استفہامیہ بحالتِ رفع کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ[1] الخ اَیُّکُمْ زَادَتْهُ[2] الخ اور ایّ۔۔ بحالتِ نصب کی مثال ہے فَاَیَّ اٰیَاتِ اللّٰهِ[3] الخ وسیعلم[4] الخ "ایّ" ان دونوں میں مبتداء ہے۔ اور باری تعالیٰ کے قول "ایّ منقلب" میں "ایّ" ینقلبون کا مفعول مطلق ہے۔ "سَیَعْلَمُ" کا مفعول بہٖ نہیں ہے۔ کیونکہ استفہام میں اس کا ماقبل (والا عامل) عمل نہیں کرتا۔

---

[1] تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کا تخت حاضر کر دے۔ (پ ۱۸) [2] اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی۔ (پ ۱۱) [3] سو تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے۔ (پ ۲۴) [4] اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائیگا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کس طرح ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ (پ ۱۹)

اور مجرور کی مثال فستبصر الخ[۱] ہے۔ اور "ای" اس آیت میں لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ مبتدا ہے اور با، زائدہ ہے اصل اَیُّکُم المفتون ہے۔ اور جملہ تبصر یا یبصرون کی وجہ سے منصوب ہے۔ کیونکہ اس میں ان دونوں فعلوں کا تنازع ہے۔ اور یہ دونوں استفہام کی وجہ سے عمل سے بے دخل ہیں۔ اور آیت میں دیگر مباحث ہیں۔

ومثال الظرفِ المبنيِ على السّكون "اذ" وهو ظرفٌ لما مضىٰ من الزمانِ، ويُضافُ لكلٍ من الجملتين، نحو: (وَاذكُرُوا اِذ اَنتُم قَلِيلٌ) (وَاذكُرُوا اِذ كُنتُم قَلِيلًا) (وَلَن يَّنفَعَكُمُ اليَومَ اِذ ظَّلَمتُم) وتأتي ظرفًا لما يستقبل نحو: (فَسَوفَ يَعلَمُونَ اِذِ الاَغلٰلُ فِي اَعنَاقِهِم) وقولِهِ تعالىٰ: (يَومَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخبَارَهَا) بعد قولِهِ سُبحانَهُ وتعالىٰ: (اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ) وتأتي للتعليل، نحو: (وَاِذِ اعتَزَلتُمُوهُم وَمَا يَعبُدُونَ اِلَّا اللهَ فَأوُوا اِلَى الكَهفِ) اى، ولِاَجلِ اِعتزالِكم اِيّاهم، والإستثناءُ في الآيةِ متصلٌ اِن كان هٰؤلاءِ القومُ يعبدون اللهَ وَغيرَهُ، ومنقطعٌ اِن كانوا يخصّون غيرَ اللهِ سُبحانَهُ بالعِبادةِ، وكذلك البحثُ في قولِهِ تعالىٰ: (قَالَ اَفَرَءَيتُم مَّا كُنتُم تَعبُدُونَ، اَنتُم وَاٰبَاؤُكُمُ الاَقدَمُونَ فَاِنَّهُم عَدُوٌّ لِّي اِلَّا رَبَّ العٰلَمِينَ) وتأتي للمُفاجاةِ كقولِهِ:

۲۰- اِستَقدِرِ اللهَ خيرًا وارضَيَنّ بهٖ ؛ فبينما العُسرُ اِذ دارت مَياسِيرُ

مبنی علی السکون ظرف کی مثال "اذ" ہے۔ یہ زمانۂ ماضی کے لئے ظرف ہے۔ اور دونوں جملوں (اسمیہ، فعلیہ) میں سے ہر ایک کی جانب مضاف ہوتا ہے۔ جیسے واذکروا اذ انتم[۲] الخ واذکروا اذ کنتم[۳] الخ ولن ینفعکم[۴] الخ اور مستقبل کے لئے (بھی) ظرف بن کر آتا ہے جیسے فسوف[۵] الخ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اس کے قول اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ کے بعد یومئذٍ[۶] الخ اور "اذ" علت بتانے کے لئے (بھی) آتا ہے جیسے وَاِذِ اعتَزَلتُمُوهُم[۷] الخ یعنی تمہارے ان سے الگ ہوجانے کی وجہ سے اگر یہ لوگ اللہ اور غیر اللہ کی

---

[۱] سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ کس کو جنون تھا۔ (پ ۲۹ ع ۲)
[۲] اور اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم قلیل تھے۔ (پ ۹ ع ۱۸) [۳] اس حالت کو یاد کرو جب تم کم تھے (پ ۸ ع ۱۸)
[۴] اور جب تم کفر کر چکے تھے تو آج تمہارے کام نہ آئے گی۔ (پ ۲۵ ع ۱۰) [۵] سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے۔ (پ ۲۴ ع ۱۳) [۶] اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی۔ (پ ۳۰ ع ۲۲)
[۷] اور اس وجہ سے کہ تم ان لوگوں سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے الگ ہوگئے ہو غار میں چل کر پناہ لو (پ ۱۵ ع ۱۴)

عبادت کرتے ہوں۔ تو آیت میں استثناء متصل ہے۔ اور اگر صرف غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوں[1] تو استثناء منقطع ہے۔ ایسی ہی بحث باری تعالیٰ کے ارشاد قال افرءیتم[2] الخ میں ہے۔ اذ مفاجات کے لئے (بھی) آتا ہے جیسے شعر استقدر[3] اللہ الخ

ومثال المبنی منها علی الفتح «الآنَ» وهو اسم لزمنٍ حضر جمیعُه او بعضُه. فالاول نحو قوله تعالیٰ: (الآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ) وفی هٰذه الآیة حذفُ الصِّفة، ای بالحق الواضح، ولولا ان المعنی علی هٰذا لکفروا بالمفهوم هٰذه المقالة، والثانی نحو قوله تعالیٰ: (فَمَنْ یَسْتَمِعِ الْآنَ) وقد تعربُ، کقوله:

۶۱- لِسَلْمٰی بِذاتِ الخالِ دارٌ عرفتُها ÷ وَاُخْرٰی بِذاتِ الجِزعِ اٰیاتُها سَطْرُ

کَاَنَّهُمَا مِلْاٰنِ لَمْ یَتَغَیَّرا ÷ وَقَدْ مَرَّ لِلدَّارَیْنِ مِنْ بَعْدِنَا عَصْرُ

اَصْلُه «کأنهما من الآنَ» فحُذِفَ نونُ «مِن» لِالتقائها ساکنةً مع لام «الآن» ولم یحرکها لالتقاءِ الساکنین کما هو الغالب، واُعرب «الآن» فخفضُه بالکسرة.

اور ظرف مبنی علی الفتح کی مثال «الآن» ہے۔ یہ اس زمانہ کا نام ہے جس کا کل یا جزء موجود ہو۔ پہلا: جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے الآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ۔ اور اس آیت میں صفت کا حذف ہے۔ اصل بالحق الواضح ہے۔ اور اگر تفسیر اس انداز پر نہ ہو تو وہ (بنی اسرائیل) اس قول کے مفہوم مخالف کی وجہ سے کافر ہو جاتے[4]۔ دوسرا (جس کا جزء زمانہ موجود ہو) باری تعالیٰ کا ارشاد فَمَنْ یَسْتَمِعِ الْآنَ ہے۔

---

[1] ابراہیمؑ نے فرمایا، بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی، کہ یہ میرے لئے باعث ضرر ہیں۔ مگر ہاں رب العالمین۔ (پ ۱۹ ع ۸) [2] اللہ سے خیر کا نصیبہ مانگو اور اس پر راضی رہو، کیونکہ بری حالی کے اوقات میں اچانک آسانیاں آجاتی ہیں۔ دارت (ن) دورا تا گردش کرنا۔ لوٹ آنا۔ میاسیر، میسور بمعنی یُسر کی جمع ہے، آسانیاں ۱۲ [3] کیونکہ الآنَ جئتَ بالحق کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اب سے پہلے آپ نے حق بات نہیں کہی۔ [4] حال کی دو قسمیں ہیں حقیقی، عرفی۔ حال حقیقی: ماضی و مستقبل کے درمیان پایا جانے والا مختصر ترین لمحہ حال حقیقی ہوتا ہے۔ اسے «آنِ حاضر» بھی کہتے ہیں۔ الآن جئت بالحق میں یہی مراد ہے۔ ترجمہ:- اب یعنی اس لمحہ آپ نے پوری بات فرمائی۔ حال عرفی: وہ زمانہ جس میں کام ہو رہا ہو۔ حال عرفی میں مستقبل کے وہ تمام اجزاء داخل ہوتے ہیں جو یکے بعد دیگرے حال بنتے رہتے ہیں۔ اور حال عرفی اس کام کے اعتبار سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے جو اس زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ «فلان یصلی» کا زمانۂ حال مختصر اور «فلان حج» کا زمانۂ حال طویل ہوتا ہے۔ فمن یستمع الآن میں یہی حال عرفی مراد ہے۔ ترجمہ:- تو جو شخص اب کبھی سننا چاہتا ہے الخ مستدل ۱۲ اذ ہے جو مفاجات کے معنی دے رہا ہے اذ کے ظرف زمان، ظرف مکان ہونے میں دونوں رائے ہیں

اور یہ کبھی معرب ہو جاتا ہے۔ جیسے شاعر کا کلام لسلمی الخ اس کی اصل "کانھما من الاٰن" ہے۔ پھر من کا نون حذف کر دیا گیا کیونکہ وہ ساکن ہو کر الاٰن کے لام کے ساتھ جمع ہو گیا تھا۔ اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے اس کو حرکت نہ دی، جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ اور الاٰن کو معرب بنا دیا گیا۔ لہٰذا اس کو کسرہ کے ساتھ جر دیدیا گیا۔

ومثال مَا بني منهَا على الكسر، امس، وقد مضى شرحه، وانّما ذكرتهُ هناك لشبهه بمسألة حَذام في اختلاف الحجازيين والتميميّين فيهُ وانما (كان) حقهُ ان يُذكر هُنا خاصّةً، لانّهُ كلمة بِعَينها، وليسَ فردًا داخلاً تحت قاعدةٍ كليّةٍ، ومثالُ مَا بُني منهَا على الضم "حيثُ" وهوظرفُ مكان يُضاف للجملتين، ورُبمَا اُضيف لمفرد، كقوله:

۹۲ــ أَمَا تَرَى حَيثُ سُهَيلٍ طَالعًا۔

وقد يُفتح وقد يُكسر وبعضهم يعربه، وقرئ (سَنَسْتَدْرِجُهُم مِنْ حَيثِ لَا يَعْلَمُونَ) بالكسر، فيحتمل الاعراب والبناء۔

ظرف مبنی علی الکسر کی مثال "امس" ہے۔ اس کی تشریح گذر چکی۔ اور وہاں میں نے اس لئے ذکر کر دیا کہ یہ بنو تمیم اور اہل حجاز کے اختلاف میں مسئلہ حذام سے مشابہ ہے۔ جبکہ اس کو صرف یہیں ذکر کیا جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ مستقل کلمہ ہے۔ کوئی فرد نہیں جو کسی قاعدہ کلیہ کے تحت داخل ہو۔ اور مبنی علی الضم کی مثال "حیث" ہے۔ یہ ظرف مکان ہے جس کی اضافت دونوں قسم کے جملوں کی طرف ہوتی ہے۔ اور کبھی مفرد کی جانب ہوتی ہے ۔۔۔۔ جیسے اَمَا تَرَى الخ۔ اور حیث کبھی مفتوح ہوتا ہے کبھی مکسور، اور بعض لوگ اس کو معرب مانتے ہیں۔ اور پڑھا گیا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُم الخ (حیث کے) کسرہ کے ساتھ (اس قرارت میں) معرب و مبنی دونوں ہونے کا احتمال رکھتا ہے

---

[1] سلمیٰ کا ایک گھر تو ذات الحال میں ہے۔ جسے میں نے پہچان لیا۔ اور دوسرا ذات الجزع میں۔ جس کے آثار ایسے (ہیں) جیسے یمنی نقش ونگار پرانے ہوتے ہیں) گویا کہ وہ دونوں تب سے اب تک بدلے نہیں ہیں۔ جبکہ دونوں گھروں پر ہمارے بعد ایک زمانہ گزرا ہے۔ ذات الحال۔ ذات الجزع مقامات کے نام ہیں۔ مستدل: ملاٰن ہے جو معرب ہے۔ من کی وجہ سے مجرور ہے۔

[2] کیا تم سہیل کے مقام (طلوع) کو بحالت طلوع نہیں دیکھتے ہو۔ سہیل موسم گرما کے اواخر میں طلوع ہونے والا ستارہ ہے۔ جس کی تاثیر پھلوں کو پکاتا ہے۔ محل استدلال: حیث سہیل ہے کہ حیث کی اضافت مفرد کی جانب کی گئی ہے۔ جو امام کسائی کے یہاں جائز ہے۔ جبکہ جمہور اس کو شاذ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اضافت الی الجملہ ضروری ہے۔ خواہ وہ جملہ فعلیہ ہو یا اسمیہ۔

[3] ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں۔ اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ (پ ۹ ع ۱۲)

ثم قلت: باب الاسم نكرةٌ وهو: مَا يقبل رُبّ، اقول: ينقسم الاسم - بحسب التنكير والتعريف الى قسمين: نكرة، وهو الاصل، ولهذا اقدمته، ومعرفة: وهو الفرع، ولهذا اخرته، وعلامة النكرة: ان تقبل دخول "رُبّ" عليها، نحو رجلٍ وغلامٍ، تقول: "رُبّ رجلٍ" "ورُبّ غلامٍ" وبهذا استُدِل على ان "من" و "مَا" قد يقعان نكرة. كقوله:

۶۳- رُبَّ مَنْ أَنضَجتُ غَيظاً قَلبَهُ ÷ قَدْ تَمَنّىٰ لِي مَوتاً لَم يطع

وقوله ۶۴- لَاتَضِيقَنَّ بالأُمورِ فَقد تُكشَفُ ÷ غَمّاؤُهَا بِغَيرِ احتِيالِ

رُبَّمَا تَكرَهُ النُّفُوسُ مِنَ الأَمرِ ÷ لَهُ فَرجَةٌ كَحَلِّ العِقَالِ

فدخلت "رب" عليهما. ولا تدخل الا على النكرات، فعلم ان المعنى رُبّ شخص انضجت قلبه غيظا، وربّ شيء من الامور تكرهه النفوس -

م:- باب - اسم (کی ایک قسم) نکرہ ہے[۱] اور وہ (اسم) ہے جو رُبَّ کو قبول کرے۔

ش:- اسم کی نکرہ و معرفہ کے اعتبار سے دو قسمیں بنتی ہیں۔ نکرہ، وہی اصل ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے اس کو مقدم کیا۔ بلکہ معرفہ۔ اور یہ فرع ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کو مؤخر کیا۔

نکرہ کی علامت یہ ہے کہ رُبَّ کے دخول کو قبول کرے جیسے رَجُلٌ و غُلَامٌ تم کہوگے رُبَّ رجلٍ، رُبَّ غلامٍ۔ اسی سے استدلال کیا گیا ہے اس پر کہ "مَنْ" و "مَا" کبھی نکرہ ہوجاتے ہیں۔ جیسے شعر رُبَّ مَن الخ[۱] اور شاعر کا قول لاتضیقن الخ کہ رُبَّ دونوں پر داخل ہو۔ اور وہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ (رُبَّ مَنْ کا) معنی رُبَّ شخصٍ الخ اور (رُبَّمَا کا معنی) رُبَّ شیءٍ الخ ہے۔

فان قلت: فانك تقول: "رُبّه رجلاً" قال الشاعر:

۶۵- رُبَّهُ فِتيَةٍ دَعوتُ اِلىٰ مَا ÷ يُورِثُ المَجدَ دَائباً فَأَجَابُوا

والضمير معرفة، وقد دخلت عليه ربّ، فبطل القول بانها لا تدخل الا على النكرات

قلت: لا نسلم ان الضمير فيما اوردته معرفة، بل هو نكرة: وذلك لان الضمير فی المثال

---

[۱] کچھ ایسے لوگوں نے، جن کے دل میں نے غصہ سے پکا دیئے، میری موت کی آرزو کی (اور) ان کی مانی نہیں گئی۔
محل استشہاد: رُبَّ مَنْ ہے۔ اور من یہاں نکرہ ہے۔ اسی وجہ سے جملہ، انضجت الخ، یا، قد تمنی الخ، کو اس کی صفت بنانا جائز ہوا کیونکہ جملہ بحکم نکرہ ہوتا ہے۔ اگر من معرفہ ہوتا تو صفت بھی معرفہ لائی جاتی۔ اور من کے نکرہ ہونے کی دلیل اس پر رب کا دخول ہے۔
(باقی صفحہ پر)

والبيت راجع الیٰ ما بعدہٗ : من قولك « رجلاً » وقول الشاعر « فتية » وهما نكرتان ۔

اعتراض : آپ بولتے ہیں « ربّہٗ رَجُلاً ۔ اور شاعر نے کہا ہے ربّہٗ فتیۃ الخ (ان میں) ضمیر معرفہ ہے ۔ اور اس پر « ربّ » داخل ہے ۔ لہٰذا یہ قول آپ کا باطل ہوگیا کہ « ربّ » صرف نکرہ پر داخل ہوتا ہے ۔

جواب : ہمیں تسلیم نہیں کہ ضمیر آپ کی ذکر کردہ مثالوں میں معرفہ ہے ۔ بلکہ نکرہ ہے ۔ اس لئے کہ ضمیر مثال اور شعر میں مابعد یعنی تمہارے قول رَجُلاً اور شاعر کے قول « فتیۃ » کی جانب لوٹ رہی ہے ۔ اور وہ دونوں نکرہ ہیں ۔

وقد اختلف النحويون فی الضمیر الراجع الی النکرۃ : هل هو نکرۃٌ او معرفة ، علی مذاهبَ ثلاثةٍ : احدُها انه نکرۃ مطلقًا ، والثانی انه معرفة مطلقًا ، والثالثُ : ان النكرةَ التی یرجع الیها ذلك الضمیرُ اِمّا ان تکونَ واجبَةَ التنکیرِ او جائزَتَه ، فاذا کانت واجبةَ التنکیرِ کما فی المثالِ والبیتِ فالضمیر نکرۃٌ ، وان کانت جائزَتَه ، کما فی قولك « جاءنی رجل فاکرمتُه » فالضمیر معرفة ، وانما کانت النکرۃُ فی المثال والبیت واجبةَ التنکیرِ لانها تمییزٌ ، والتمییز لا یکون الّا نکرۃ ، وانما کانت فی قولك « جاء نی رجل فاکرمته » جائزۃ التنکیرِ لِانَّها فاعِل ، والفاعل لا یجبُ ان یکون نکرۃ ۔ بل یجوز ان یکون نکرۃ وان یکون معرفة تقول « جاءنی رجُلٌ » وجاءنی زیدٌ » ۔

نکرہ کی جانب لوٹنے والی ضمیر کے بارے میں ۔ کیا وہ نکرہ ہے یا معرفہ ۔ اہل نحو تین مذہبوں میں بٹ گئے ہیں (۱) علی الاطلاق نکرہ ہے ۔ (۲) علی الاطلاق معرفہ ہے ۔ (۳) وہ نکرہ جس کی جانب وہ ضمیر لوٹ رہی ہے ، یا تو واجب التنکیر ہوگا ، یا جائز التنکیر ۔ پھر جب واجب التنکیر ہو جیسے مثال اور شعر میں تو ضمیر نکرہ ہوگی ۔ اور اگر جائز التنکیر ہو جیسے تمہارے قول « جاءنی رجُلٌ فاکرمته » تو ضمیر معرفہ ہوگی ۔ اور مثال مذکور اور شعر میں نکرہ واجب التنکیر اس لئے ہے کہ تمیز ہے ۔ اور تمیز نکرہ ہی ہوتی ہے ۔ اور تمہارے قول جاءنی رجُلٌ فاکرمته « میں جائز التنکیر اس لئے ہے کہ فاعل ہے ، اور فاعل کا نکرہ ہونا ضروری نہیں ۔ بلکہ نکرہ بھی ہوسکتا ہے اور معرفہ بھی جیسے تم کہتے ہو جاءنی رجُلٌ ؛ جاءنی زیدٌ ۔

۱؎ بہت سارے مرد یا کچھ آدمی ۔ ۲؎ بہت کم ہیں ایسے نوجوان جن کو میں نے ایسے امور کی دعوت دی ہو جو ہمیشہ عزت و عظمت کا سبب بنتے ہیں ۔ پھر انہوں نے میری بات مان لی ہو ۔

ثم قلت: وَمعرِفَةٌ وَهِيَ سِتَّةٌ، اَحَدُهَا المُضمَرُ، وهوَ مَادلّ على مُتكلّمٍ اومُخاطبٍ اوغائبٍ،
واقول انواع المعارف ستة: احدها المضمر، ويسمّى الضمير ايضًا، ويسمّيه الكوفيون:
الكناية والمكنّي، وانما بدأتُ به لانه اعرف الانواع الستة على الصّحيح وهو عبارة
عمّا دلّ على متكلم نحو انا ونحن، اومخاطبٍ نحو انت وانتما اوْ غائبٍ نحو هو وهما، وانما سمي
مضمرًا من قولهم «اَضمرت الشئ» اذا سَترتَهُ و اَخفيتَهُ، ومنه قولهم «اضمرتُ الشئَ
في نفسي» اَوْمِنَ الضُّمور وهو الهُزال لانهُ في الغالب قليلُ الحروفِ، ثمّ تلك الحروفُ
الموضوعة لهُ غالبهَا مهموسَة وهي التاء والكاف والهاء. والهمسُ: هوالصّوتُ الخفي.

م: اور (اسم کی دوسری قسم) معرفہ ہے۔ وہ چھ ہیں۔ پہلا مضمر ہے اور وہ (اسم) ہے جو متکلم یا حاضر یا غائب کو بتلائے۔ ش:۔ اقسامِ معرفہ چھ ہیں۔ اول مضمر ہے۔ اس کا نام ضمیر بھی رکھا جاتا ہے۔ اور کوفی اس کا نام کنایہ اور مکنی رکھتے ہیں۔ اور میں نے اسے اس لئے شروع کیا کہ صحیح مسلک کے مطابق چھ قسموں میں بڑا معرفہ ہے۔ ضمیر نام ایسے اسم کا ہے جو متکلم جیسے انا، نحن یا حاضر جیسے انت، انتما یا غائب جیسے ھو، ھما پر دلالت کرے۔ اور اس کا نام مضمر، ان کے قول «اضمرتُ الشئ» سے لیکر رکھا گیا ہے (یہ اسوقت بولا جاتا ہے) جبکہ آپ اس کو چھپا دیں اور مخفی کر دیں۔ اسی قبیل سے ہے ان کا قول «اضمرتُ الشئ فی نفسی»[1] یا ضمور بمعنی ھُزال (دبلا) سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ عموماً ضمیر میں حروف کم ہوتے ہیں۔ پھر وہ حروف جو اس کے لئے وضع کئے گئے ہیں ان میں سے بیشتر مہموسہ[2] یعنی تا، کاف، ہا، وغیرہ ہیں۔ ہمس، بمعنی دھیمی آواز ہے۔

فَاِن قلتَ: يَرِدُ على الحدّ الذي ذكرتَهُ للمضمرِ الكافُ مِن «ذلك» فَاِنّها دالّةٌ على المخاطَبِ
وليستْ ضميرًا باتفاق البصريين، وانّما هي حرفٌ لامحلّ لهُ من الاعراب، قلتُ: لانسَلّم
انّها دالّة على المخاطب وانما هي دالّة على الخطاب فهي حرفٌ دالٌ على معنى ولا دَلالة لهُ على
الذاتِ البتة، وكذلك ايضًا الياء في «ايّاى» والكاف في «اِيّاكَ» والهاء في «اِيّاه» ليست
مضمراتٍ، وانّما هي — على الصّحيح — حروفٌ دالّةٌ على مجردِ التكلّمِ والخطابِ والغيبةِ،

---

[1] میں نے کچھ اپنے دل میں چھپائے رکھا ہے۔ [2] مہموسہ وہ حروف کہلاتے ہیں جن کی ادائیگی کے وقت آواز ہلکی پڑجاتی ہے۔ ان کا مجموعہ فحثہ شخص سکت ہے۔

والدال على المتكلم والمخاطب والغائب انما هو "ايا"، ولكنه لما وضع مشترکا بينها وارادوا بيان من عنوا به احتاج الى قرينة تتصل به تبين المعنى المراد منه۔

اعتراض: اس تعریف پر جو آپ نے ذکر کی "ذالك" کے کاف سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مخاطب پر دال ہے۔ اور باتفاق اہل بصرہ ضمیر نہیں ہے۔ بلکہ وہ حرف ہے جس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

جواب: ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ مخاطب پر دال ہے، بلکہ وہ خطاب پر دال ہے۔ لہٰذا یہ حرف ہے جو معنی پر دال ہے۔ اور اس کی دلالت ذات پر بالکل نہیں۔ یہی حال "ایای" کی "یاء"، اور "ایاک" کے کاف اور "ایاہ" کے "ہاء" کا بھی ہے۔ یہ ضمیریں نہیں، بلکہ صحیح مذہب کے مطابق یہ حروف ہیں۔ جو صرف تکلم، خطاب اور غیبت پر دال ہیں۔ اور متکلم، مخاطب اور غائب پر دال تو "ایا" ہے۔ لیکن جب اس کی وضع ان تمام کے درمیان مشترک ہے۔ اور اہل عرب نے ان افراد کو ظاہر کرنا چاہا جو انہوں نے اس لفظ سے مراد لئے تو ایک ایسے قرینہ کی ضرورت پڑی جس سے معنی مرادی کی وضاحت ہو جائے۔ (تو "ی" متکلم کیلئے، "ک" حاضر کے لئے، "ہ" غائب کے لئے بڑھا دی)۔

ثم اتبعت قولی "غائب" بأن قلت "معلوم نحو: (إِنَّا أَنزَلْنَاهُ) أو متقدم مطلقاً، نحو (والقمر قدرناه) أو لفظا لا رتبة نحو (وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ) او نية نحو (فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ) أو مؤخر مطلقا فى نحو: (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) أو (قَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا) و "نعم رجلا زيد" و "ربه رجلا" و "قاما وقعد اخواك" و "ضربته زيدا"

ونحو قوله:

✿ جزى ربه عنى عدى بن حاتم ✿ والاصح ان هذا ضرورة۔

پھر میں نے اپنے قول "غائب" کا تابع (صفت) ذکر کرتے ہوئے کہا (کرایسا غائب) جو متعین ہو جیسے انا انزلناہ یا علی الاطلاق (لفظاً و رتبۃً) مقدم ہو۔ جیسے وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ۔

ؔ تقدم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تقدم لفظی: یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع صراحۃً (لفظاً و کتابۃً) مقدم ہو جیسے وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ۔
(۲) تقدم رتبی: یہ ہے کہ عربی اصول و قواعد کی رُو سے مرجع کو۔ اجزائے جملہ کی ترتیب میں۔ ضمیر پر حق تقدم حاصل ہو۔ جیسا کہ فاعل کو مفعول پر۔ مبتدا کو خبر پر۔ ممیز کو تمیز پر۔ اور مضاف کو مضاف الیہ پر حق تقدم حاصل ہے۔ اسی کو متن میں تقدم فی النیۃ اور شرح میں تقدم فی التقدیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ان مذکورہ دونوں کے مجموعہ کو مطلقاً سے۔
ؔ ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں۔ (پ ۲۳)

یا لفظًا (مقدم ہو) نہ کر رتبۃً جیسے وَاِذِ ابْتَلٰی الخ[1] یا مرادًا (رتبۃً) جیسے فَاَوْجَسَ الخ[2] یا علی الاطلاق مؤخر ہو جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ الخ[3]، قالوا ما هِیَ الخ[4] اور نِعْمَ رَجُلًا زَیْدٌ اور رُبَّهٗ رَجُلًا اور قاما وقعد اخواك اور ضربته زیدًا اور جیسے شاعر کا قول جزی[5] الخ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ضرورۃ ہے۔

واقول: لابُدّ للضمیر من مفسِّرٍ یبیِّن مَا یراد بہ، فان کان لمتکلم او مخاطب فمفسِّرُہٗ حضورُ من هُوَ لہٗ، وان کان لغائب فمُفسِّرُہٗ نوعانِ: لفظٌ وغیرُہ، والثانی نحو (اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ) ای: القرآن وفی ذلك شهادةٌ لہٗ بالنَّبَاهَةِ وانہ غنیٌّ عن التفسیر، والاول نوعانِ: غالبٌ، وغیرُہ، فالغالب اَن یکون متقدمًا، وتَقَدُّمُہٗ علی ثلاثۃ انواع: تقدُّمٌ فی اللفظِ والتقدیرِ، والیہ الاشارۃ بقولی «مطلقًا»، وذلك نحو: (وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ) والمعنی قدّرنا لہٗ منازِلَ، فحذِفَ الخافِضُ، اَو التقدیر: ذَا منازِل، فحذفَ المضاف، وانتصابُ «ذا» اِمّا علی الحال، اَو علی اَنّہٗ مفعولٌ ثانٍ لِتَضْمِینِ (قَدَّرْنٰهُ) معنی صَیَّرْنٰهُ، وتقدُّمٌ فی اللفظِ دُونَ التقدیر، نحو: (وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ) وتقدُّمٌ فی التقدیر دون اللفظ، نحو: (فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی) لِاَنَّ «ابراهیم» مفعولٌ، فهو فی نیۃ التاخیر، و«موسٰی» فاعلٌ فهو فی نیۃ التقدیم، وقیل: ان فاعل «اَوْجَسَ» ضمیرٌ مستتر، وان «موسٰی» بَدلٌ منہ، فلا دَلیلَ فی الآیۃِ۔

ش: ہر ضمیر کے لئے ایک ایسے مفسِّر کا ہونا ضروری ہے جس سے اس کی مراد بیان کی جائے۔ اگر ضمیر متکلم یا ضمیر مخاطب (حاضر) ہو تو اس کا مفسّر اس شخص کا موجود رہنا ہے جس کے لئے وہ (لائی گئی) ہے۔ اور اگر ضمیر غائب ہو تو اس کے مفسّر (مرجع) کی دو قسمیں ہیں، ملفوظ، غیر ملفوظ۔ دوسرا جیسے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ یعنی قرآن کو (ہم نے نازل کیا) اس میں قرآن کے مشہور ہونے کی اور اسبات کی شہادت ہے کہ یہ تفسیر (مرجع) سے مستغنی ہے۔ پہلے (ملفوظ) کی دو قسمیں ہیں۔ عمومی۔ غیر عمومی۔ عمومی یہ ہے کہ مقدم ہو۔ اس کے تقدم کی تین اقسام ہیں۔ (۱) لفظًا ورتبۃً تقدم۔ میرے قول «مطلقًا» سے یہی مراد ہے جیسے وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ الخ

---

[1] اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم کا ان کے پروردگار نے۔ (پ ۱۵)
[2] سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔ (پ ۱۶، ۱۴) [3] کہہ دیجئے بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ (پ ۳۰، ۳۷)
[4] لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے۔ (پ ۲۵، ۱۹)
[5] اس کا ترجمہ صفحہ ۱۴۳ پر دیکھیں۔ نوٹ ۳۱ کے تحت

اصل وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَا لَهُ مَنَازِلَ ہے۔ پھر جار (ل) کو حذف کر دیا گیا۔ یا اصل ذَا مَنَازِلَ ہے۔ مضاف کو حذف کر دیا گیا، ذَا کا منصوب ہونا یا تو حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ یا (قدّرناہ کا) مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ قدّرناہ، صیّرناہ کے معنی کو متضمن ہے۔ (۲) لفظاً تقدم نہ کر رتبۃً جیسے واذ ابتلیٰ الخ (۳) رتبۃً تقدم نہ کر لفظاً جیسے فَاَوْجَسَ الخ کیونکہ ابراھیم مفعول ہے جو تاخیر کی نیت (درجہ) میں ہے۔ اور "موسیٰ" فاعل ہے۔ جو تقدیم کی نیت (درجہ) میں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اَوْجَسَ کا فاعل ضمیر مستتر ہے۔ اور "موسیٰ" اس سے بدل ہے۔ اس وقت آیت میں (تقدم رتبی کے جواز کی) کوئی دلیل نہیں۔

والنوع الثانی ان یکون مؤخرًا فی اللفظ والرتبۃ، وھو محصورٌ فی سبعۃ ابواب۔ اَحَدُھا: باب ضمیر الشان، نحو "ھو۔ اَوْھِیَ۔ زَیْدٌ قَائِمٌ" ای الشان والحدیث او القصۃ، فانہٗ مفسر بالجملۃ بعدہٗ، فانھا نفس الحدیث والقصۃ ومنہ: (قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ) (فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ) والثانی: ان یکون مخبرًا عنہ بمفسرہ، نحو (مَا ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا) ای: مَا الْحَیٰوۃُ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا، والثالث: الضمیر فی باب "نعم" نحو نعم رَجُلًا زَیْدٌ "وَبِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا"، فانہٗ مفسر بالتمییز۔ والرابع: مجرور "ربّ" نحو "رُبَّہٗ رَجُلًا" فانہٗ مفسر بالتمییز قطعًا۔

دوسری قسم (غیر عمومی) یہ ہے کہ مرجع لفظاً و رتبۃً مؤخر ہو۔ یہ سات ابواب میں منحصر ہے۔ پہلا باب۔ ضمیر شان ہے جیسے ھُوَ یا ھِیَ (فاطمۃ جمیلۃ)۔ زَیْدٌ قَائِمٌ۔ یعنی حال۔ بات (یہ ہے کہ زید کھڑا ہے) یا قصہ (صورت حال یہ ہے کہ فاطمہ خوبصورت ہے) کیونکہ اس کی تفسیر بعد والے جملہ سے کی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ جملہ بعینہٖ بات یا قصہ ہے۔ اور اسی کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد قل ھو الخ اور فانھا لا الخ[1] ہے۔ دوسرا باب یہ ہے کہ ضمیر اپنے مفسر کا مخبر عنہ (مبتدا) بن رہی ہو۔ جیسے مَا ھِیَ الخ تیسرا باب۔ باب نعم کی ضمیر ہے جیسے نِعْمَ رَجُلًا زَیْدٌ۔ اور بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا[2]۔ کیونکہ اس ضمیر کی تفسیر تمیز کے ذریعہ کی گئی ہے۔ چوتھا باب "ربّ" کا (مدخول و) مجرور ہے۔ جیسے "رُبَّہٗ رَجُلًا"۔

---

[1] بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں۔ (پ ۱۷ ع ۱۳) [2] ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے۔ (پ ۱۵ ع ۱۹)

کیونکہ اس کی تفسیر بلا احتمال تمیز کے ذریعہ کی گئی ہے۔[1]

والخامس: الضمیر فی باب التنازع إذا أعملت الثانی واحتاج الأول الٰی مرفوع نحو قاما وقعد أخواك فانّ الألف راجعة[2] الی الأخوین: والسادس: الضمیر للمبدل منه ما بعده کقولك فی ابتداء الکلام: ضربته زیدًا، وقول بعضهم اللّٰهمّ صلّ علیه الرؤوف الرحیم، والسابع: الضمیر المتصل بالفاعل المقدم العائد علی المفعول المؤخر وهو ضرورة علی الأصح کقوله:

۹۶ — جَزَی رَبُّه عَنِّی عَدِیَّ بنَ حَاتِمٍ ＊ جَزَاءَ الکِلَابِ العَاوِیَاتِ وَقَدْ فَعَلَ

فاعید الضمیر من "ربه" الی "عدی" وهو متأخر لفظًا ورتبة[3]۔

پانچواں باب۔ تنازع (فعلان) کے باب کی ضمیر ہے جبکہ آپ دوسرے کو عمل دیدیں، اور پہلے کو ضمیر مرفوع کی ضرورت ہو جیسے قاما وقعد اخواك۔ کیونکہ الف (تثنیہ) اخوان، کی طرف لوٹ رہا ہے۔

چھٹا باب (مبدل منہ کی) وہ ضمیر جس کا بدل بعد میں آ رہا ہو جیسے ابتداء گفتگو میں آپ کا کہنا ضربتهٗ زیدًا اور بقول بعض اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ[2] الخ ساتواں باب۔ وہ ضمیر ہے جو فاعل مقدم سے جڑی ہوئی ہو اور مفعول مؤخر کی جانب لوٹ رہی ہو۔ یہ صحیح مذہب کے مطابق ضرورۃً (جائز) ہے۔ جیسے شعر جزی ربہ[3] الخ اس میں "ربہ" کی ضمیر، عدی کی جانب لوٹ رہی ہے۔ جو لفظًا[4] و رتبۃً مؤخر ہے۔

ثم قلت: الثانی العَلَمُ وهو شخصیٌّ إن عیّن مسمّاه مطلقًا کزید، وجنسیٌّ إن دلّ بذاته علی ذی الماهیة تارةً وعلی الحاضر أخری، کأسامة، ومن العَلَمِ الکنیة واللقب، ویُؤخّر عن الاسم تابعًا له مطلقًا أو مخفوضًا باضافته إن أُفرِدا۔ وأقول: الثانی من أنواع المعارف: العلم: وهو نوعان: علم شخص وعلم جنس۔

---

[1] لفظًا کی قید سے باب ثالث ورابع میں یہ فرق واضح کرتا ہے کہ باب رابع (ربّہ رجلاً) میں ضمیر کا ممیز ہونا اور رجلاً کا اس کی تمیز و تفسیر ہونا متعین ہے۔ جبکہ باب ثالث (نعم رجلاً زید) میں اگر ایک احتمال یہ ہے کہ نعم کی ضمیر مستتر ممیز اور رجلاً اس کی تمیز ہے۔ (اور اس صورت میں نعم رجلاً جملہ ہو کر خبر مقدم اور زید مبتداء مؤخر ہوگا) تو دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ نعم کا فاعل ضمیر کے بجائے زید ہو، اور رجلاً فاعل کی تمیز یا اس سے حال بن جائے۔ اس صورت میں باب نعم ہماری بحث سے خارج ہوگا۔ (مستفاد شرح ابن عقیل ص۱۲۳) [2] اے اللہ رحمت کاملہ نازل فرما ان یعنی شفیق و مہربان پر۔

[3] عدی بن حاتم کو ان کا پروردگار بھونکنے والے کتوں جیسا بدلہ دے۔ اور اس (پروردگار) نے (ایسا) کر دیا۔

[4] لفظًا عدی کا مؤخر ہونا ظاہر ہے اور رتبۃً اس لئے کہ مفعول ہے۔ اور مفعول رتبۃً مؤخر ہوتا ہے۔

م : دوسرا معرفہ علم ہے۔ وہ علم اگر بلا کسی قید کے اپنے مسمّٰی کو متعین کرے تو شخصی ہے۔ اور اگر بذاتِ خود کبھی متصف بالماہیت کو بتلائے۔ اور کبھی سامنے موجود کو تو جنسی ہے۔ جیسے اُسَامَۃ۔ اور علم ہی کی قسم کنیت اور لقب ہے۔ اور لقب نام کے بعد آئیگا۔ یا تو (اعراب کی) ہر حالت میں نام کے تابع ہوکر۔ یا اگر دونوں (نام و لقب) مفرد ہوں تو اضافت کی وجہ سے مجرور ہوکر۔

ش : معرفہ کی دوسری قسم علم ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ علم شخصی[1]، علم جنسی[2]۔

فعلم الشخص عبارۃ عن «اسم يعيّن مسمّاه تعيينًا مطلقًا» اي بغير قيد، فقولنا «اسم» جنس يشمل المعارف والنكرات، وقولنا «يعيّن مسمّاه» فصل مخرج للنكرات، لانها لا تعيّن مسمّاها، بخلاف المعارف فانّها كلها تعيّن مسمّاها، اعنى انها تبيّن حقيقته وتجعله كأنّهُ مُشَاهَدٌ حاضر للعِيان، وقولنا «بغير قيد» مخرج لما عدا العلم من المعارف، فانها انما تعيّن مسمّاها بقيد، كقولك «الرجل» فانهُ يعيّن مسماه بقيد الالفِ واللّام، وكقولك «غلامي» فانهُ يعين مسمّاه بقيد الاضافة، بخلاف العلم فانه يعيّن مسمّاه بغير قيد، ولذلك لا يختلف التعبير عن الشخص المسمّٰى زيدًا بحضور ولا غيبة، بخلاف التعبير عنه، بأنت وهو، وعبرت في المقدمة عن الاسم بقولي «ان عيّن مسماه» وعن نفي القيد بقولي «مطلقًا» قصدًا للاختصار۔

علم شخص : اس اسم کو کہتے ہیں جو مطلقًا یعنی بلا کسی قید کے اپنے مسمّٰی کو متعین کردیتا ہو۔ ہمارا قول «اسم» جنس ہے۔ جو تمام معرفوں اور نکروں کو شامل ہے۔ اور ہمارا قول یعیّن مسمّاہ الیٰ فصل ہے جو نکروں کو خارج کررہی ہے۔ اس لئے کہ نکرے اپنے مسمّٰی کو متعین نہیں کرتے۔ برخلاف معرفوں کے کہ وہ سب کے سب اپنے مسمّٰی کو متعین کردیتے ہیں۔ یعنی اس کی حقیقت کو واضح کرکے ایسا بنادیتے ہیں گویا وہ چشم دید ہے۔ آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اور ہمارا قول «بغیر قید» علم کے علاوہ دیگر معارف کو خارج کرنے والا ہے۔ کیونکہ وہ کسی قید کے ساتھ (ملکر) اپنے مسمّٰی کو متعین کرتے ہیں۔ مثلاً تمہارا قول «الرّجل» وہ اپنے مسمّٰی کو الف لام کی قید کی وجہ سے متعین کررہا ہے۔ اور جیسے تمہارا قول «غلامی» وہ اپنے مسمّٰی کو اضافت کی قید کی وجہ سے متعین کررہا ہے۔ برخلاف علم کے کہ وہ بلا قید اپنے مسمّٰی کو متعین کرتاہے۔ اسی وجہ سے زید نامی شخص کی تعبیر حضور و غیبت سے بدلتی نہیں ہے۔ انتَ و ھُو کے ذریعہ

اس کی تعبیر کے برخلاف (کہ وہ بدلتی رہتی ہے) اسم کی تعبیر متن میں، میں نے اپنے قول "ان عاین مسمّاہ" سے اور "بغیر قید" کی تعبیر اپنے قول "مطلقاً" سے کی ہے اختصار کے ارادہ کے پیش نظر۔

وعلم الجنس عبارۃ عما دل الی آخرہ، وبیان ذلک ان قولک "اُسامۃُ اشجعُ من ثُعالۃ" فی قوۃ قولک "الاَسَدُ اشجعُ مِنَ الثَّعْلَبِ" والالفُ واللامُ فی ھٰذا المثال لِتعریفِ الجنس، وان قولک "ھٰذا اُسامۃ مقبلاً" فی قوۃ قولک "ھٰذا الاسَدُ مُقبِلاً" والالفُ واللامُ فی ذلک لتعریفِ الحضورِ، واحترزتُ بقولی "بذاتہ" من الاسد والثعلب فی المثال المذکور فانھما لم یدلّا علی ذی الماھیۃِ بذاتھما، بل بدخولِ الالفِ واللامِ۔

علم جنس نام ہے جو دلالت کرے الخ کا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ تمہارا قول اُسامۃ[1] الخ بمنزلہ الاَسَدُ الخ کے ہے۔ الف لام اس مثال میں جنس کی تعریف کے لئے ہے۔ اور تمہارا قول ھٰذا اُسامۃ مقبلاً بمنزلہ ھٰذا الاَسَدُ مقبلاً کے ہے۔ الف لام اس میں سامنے موجود کی تعریف کے لئے ہے۔ اور میں نے اپنے قول "بذاتہ" سے اُوپر والی مثال مذکور میں اسد و ثعلب سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں نے متصف بالماہیۃ پر بذاتِ خود دلالت نہیں کی، بلکہ الف لام کے دخول کی وجہ سے (کی ہے)۔

---

[1] قولہ اُسامۃ الخ اسامہ علم جنس ہے۔ اور اسد نکرہ ہے۔ علم جنس اور نکرہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ علم جنس پوری جنس کا مشترک علم ہوتا ہے۔ یعنی ہر متصف بالماہیت پر کسی خارجی امر کا اضافہ کے بغیر اطلاق کی گنجائش ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم جنس فرد واحد موجود و معین پر بھی بولا جاتا ہے۔ اسی کو مصنف علام نے "وعلی الحاضر الخ" سے تعبیر کیا ہے۔ اور ایک سے زائد اور پورے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے جس کو مصنف نے "علی ذی الماہیۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے برخلاف نکرہ کہ وہ صرف فرد ہی بولا جاتا ہے۔ ایک سے زائد یا مجموعہ کے لئے اس کا استعمال درست نہیں ہے۔ علم جنس اور نکرہ کے درمیان مذکورہ فرق معنی اور مصداق کے اعتبار سے ہے۔ اور لفظاً فرق یہ ہے کہ علم جنس معرفہ ہوتا ہے۔ اور اس پر معرفہ ہی کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر اس کا مبتدا بننا جیسے "اسامۃ اشجع" اور ذوالحال بننا جیسے "ہٰذا اسامۃ مقبلاً" درست ہے۔ اور اضافت و الف لام کا دخول ممتنع ہے۔ لہٰذا "اسامۃ الغابۃ" اور "الاسامۃ" نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ "اسد الغابۃ" اور "الاسد" کہنا درست ہے۔ ہاں اگر نکرہ معرف بلام الجنس ہو جائے۔ تو یہ علم جنس کے مرادف ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس پر علم جنس ہی کے احکام جاری ہوتے ہیں۔
وضاحت کے لئے علم جنس کی مزید امثلہ: ثعالۃ لومڑی کا علم ہے۔ اور قیصر شاہانِ روم کا، کسریٰ شاہانِ فارس کا۔ نجاشی شاہانِ حبشہ کا۔ فرعون شاہانِ قبط کا۔ عزیز شاہانِ مصر کا۔ ذؤالہ بھیڑیئے کا علم جنس ہے۔
(مستفاد از جامع الدروس العربیہ ج ۱ ص ۱۱۲)

1 ثم بيّنتُ أن العلم ينقسمُ الى اسمٍ، كما تقدّم من التمثيل بزيدٍ وأسامة والى لقبٍ، وهو مَا اشعر برفعة كزين العابدين أو بضعةٍ كقفّةٍ وبطّةٍ، والى كنيةٍ وهو مَا يُدِئُ بأبٍ او أُمٍ، كأبي بكر وأمّ عمرو، وانهُ اذا اجتمع الاسمُ واللقبُ وجبَ تاخيرُ اللقب، ثمّ ان كانا مفردين جازت اضافة الاوّل إلى الثاني، وجاز اتباع الثاني للاوّل في اعرابه وذلك ك «سعيد كرز» وان كانا مضافين ك «عبد الله زين العابدين» أو متخالفين ك «زيد زين العابدين» وك «عبد الله كرز» تعيّن الاتباع، وامتنعت الاضافة۔

پھر میں نے بیان کیا کہ علم (تین قسموں پر) منقسم ہوتا ہے۔ (۱) نام جیسا کہ زید واسامہ کی مثال گذر چکی۔ (۲) لقب: وہ اسم ہے جو عظمت کو ظاہر کرے جیسے زین العابدین۔ یا ذلت کو جیسے قفّة (ٹھگنا) بطة (بطخ) (۳) کنیت: وہ اسم جس کے شروع میں اَب یا اُم ہو جیسے ابوبکر، ام عمرو، اور یہ (بھی بیان کیا) کہ جب نام اور لقب جمع ہو جائیں تو لقب کو مؤخر کرنا ضروری ہے۔ پھر اگر دونوں مفرد ہوں تو پہلے کی دوسرے کی جانب اضافت کرنا بھی جائز ہے۔ اور دوسرے کو اعراب میں پہلے کے تابع بنانا بھی جیسے «سعید کرز» اور اگر دونوں مضاف ہوں جیسے عبد اللہ زین العابدین، یا دونوں مغائر ہوں جیسے «زید زین العابدین» اور جیسے «عبد اللہ کرز» تو تابع بنانا متعین ہے۔ اور اضافت ممتنع ہے۔

ثمّ قلت: الثالث الاشارة، وهو (مَا دلّ على مُسمّى واشارة اليه ك) «ذا» و «ذان» في التذكير، و «ذي» و «تي» [و «تا»] و «تان» في التانيث و «الاء» فيهما. وتلحقهن في البعد كافُ خِطابٍ حرفيّةٌ مجرّدةٌ من اللام مطلقًا او مقرونةٌ بها الّا في المثنى، وفي الجمع في لغة من مدّه، وهي الفصحى، وفيما سبقته هاء التنبيه، واقول: الثالث من انواع المعارف: الاشارة، وهو: مَا دلّ على مُسمّى واشارة الى ذلك المُسمّى، تقول مشيرًا إلى زيد مثلًا «هذا» فتدلّ لفظة «ذا» على ذات زيد، وعلى الاشارة لتلك الذاتِ، وقولي «وهو» بالتذكير بعد قولي «الاشارة» انما صح على وجهين: احدهما: انّ «مَا» من قولي «مَا دلّ على مُسمّى» لفظه التذكير فلمّا كان الضمير هو نفس «مَا» سرى اليه التذكير منه، والثاني: ان تقدر قولي «الاشارة» على حذفِ مضافٍ، والتقدير اسم الاشارة، فالضمير من قولي «وهو» راجعٌ الى الاسم المحذوف.

م: تیسرا معرفہ اشارہ ہے۔ وہ اسم ہے جو مسمّیٰ اور اس کی جانب اشارہ کو بتلائے جیسے «ذا» «ذان» مذکر کے لئے۔ اور «ذی» وغیرہ مؤنث کے لئے۔ اور «اولاء» دونوں کے لئے۔ اور کاف خطاب حرفی خالی عن اللام بلا کسی قید کے ان تمام کے آخر میں لگے گا۔ اور لام کے ساتھ لگے گا، سوائے تثنیہ کے اور سوائے جمع کے ان لوگوں کی لغت کے مطابق جو اس کو مد دیتے ہیں۔ یہی فصیح ہے۔ اور سوائے ان اسماء کے جن کے شروع میں ہاء تنبیہ لگی ہو۔

ش: معرفہ کی تیسری قسم اشارہ ہے۔ وہ اسم ہے جو مسمّیٰ اور مسمّیٰ کی جانب اشارہ پر دلالت کرے۔ مثلاً زید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ «ھذا» کہیں۔ اس صورت میں لفظ «ذا» ذاتِ زید کو اور اس ذات کی جانب اشارہ کو بتلائیگا۔ اور میرے قول «الاشارۃ» کے بعد ضمیر کو مذکر لاکر «وھو» کہنا صرف دو ہی صورتوں میں درست ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ «مادل علی مسمیٰ» کا «ما» لفظاً مذکر ہے۔ پھر جب ضمیر «ھو» بعینہ «ما» ہے تو اس کی تذکیر «ھو» کی جانب سرایت کر گئی۔ (تو بجائے ہِیَ کے ھُوَ کہا گیا) دوم یہ کہ میرے قول «الاشارۃ» کو بحذفِ مضاف مانا جائے۔ تقدیر عبارت «اسم الاشارۃ» ہے۔ لہٰذا میرے قول میں ضمیر «ھو» اسم محذوف کی جانب لوٹ رہی ہے۔

وتنقسم اسماء الاشارۃ بحسب من ھی لہ ستۃ اقسام باعتبار التقسیم العقلی وخمسۃ باعتبار الواقع، وبیان الاول انھا اما المفرد، او مثنی، او مجموع، وکل منھا اما المذکر او مؤنث وبیان الثانی انھم جعلوا عبارۃ الجمع مشترکۃ بین المذکرین والمؤنثات، فللمفرد المذکر «ھذا» وللمفردۃ المؤنثۃ «ھذہ» و«ھاتی» و«ھاتا» ولتثنیۃ المذکرین «ھذان» رفعا، و«ھذین» جرا ونصبا، ولتثنیۃ المؤنثتین «ھاتان» رفعا و«ھاتین» جرا ونصبا۔ ولجمع المذکر والمؤنث «ھؤلاء» بالمد فی لغۃ الحجازیین، وبھا جاء القرآن وبالقصر فی لغۃ بنی تمیم۔

اسمائے اشارہ کی باعتبار ان افراد کے جن کے لئے وہ موضوع ہیں عقلی تقسیم کی رُو سے چھ قسمیں بنتی ہیں اور واقع کی رُو سے پانچ۔ پہلے کی تفصیل یہ ہے کہ اشارہ یا تو مفرد کے لئے ہوگا یا تثنیہ کے لئے یا جمع کے لئے۔ پھر ان میں سے ہر ایک یا تو مذکر کے لئے ہوگا یا مؤنث کے لئے (کل چھ قسمیں ہوگئیں) دوسرے کی تفصیل یہ ہے کہ اہلِ عرب نے جمع کو جمع مذکر و جمع مؤنث کے درمیان مشترک قرار دیا ہے۔ چنانچہ

مفرد مذکر کے لئے "ہٰذا" ہے، اور مفرد مؤنث کے لئے ھٰذِہٖ وغیرہ۔ اور تثنیہ مذکر کے لئے حالتِ رفعی میں "ھٰذان" ہے۔ اور حالتِ جری ونصبی میں "ھٰذین" اور تثنیہ مؤنث کے لئے حالتِ رفعی میں "ھاتانِ" ہے۔ اور حالتِ جری ونصبی میں "ھاتین" اور جمع مذکر ومؤنث کے لئے "ھٰؤلاء" ہے مد کے ساتھ حجازین کی لغت میں۔ اور اسی کیطابق قرآن نازل ہوا ہے۔ اور بنو تمیم کی لغت میں قصر کے ساتھ ہے (یعنی اُولیٰ)

ولیست "ھا" من جملة اسم الاشارة، وانّما ھی حرف جیٔ بہ لتنبیہ المخاطب علی المشار الیہ، بدلیل سقوطہ منھا: جوازًا فی قولك "ذا" وذاك" و وجوبًا فی قولك "ذلك" ولا الکافُ اسمٌ مضمرٌ مثلُھا فی "غلامك" لانّ ذلك یقتضی ان تکون مخفوضة بالاضافة، وذلك ممتنع، لانّ اسماء الاشارة لا تضاف لانّھا ملازمة للتعریف، وانّما ھی حرف لمجرد الخطاب لا موضع لہٗ من الاعراب، وتلحق اسم الاشارة اِذا کان للبعید، وانت فی اللّام قبلہٗ بالخیار، تقول: "ذاك" او "ذلك" ویجب ترك اللّام فی ثلاث مسائل: احداھا اشارة المثنی، نحو "ذانِك" و "تانِك" والثانیة: اشارة الجمع فی لغة من مدّہٗ، تقول: "اولٰئِك" بالمدّ من غیر لام، فان قصرت قلت "اولاك" "اُوْ" "اولالِك" والثالثة: کل اسم اشارة تقدم علیہ حرف التنبیہ، نحو "ھٰذاك" و "ھاتاك" و "ھاتیك"۔

اور "ھا" اسم اشارہ کا جزء نہیں ہے۔ بلکہ وہ (مستقل) حرف ہے۔ جسے لایا گیا ہے مخاطب کو مشار الیہ پر متنبہ کرنے کے لئے اس کے ساقط ہوجانے کیوجہ سے تمہارے قول "ذا" اور "ذاک" میں جوازًا اور تمہارے قول "ذٰلك" میں وجوبًا۔ اور نہ ہی "کاف" اسم ضمیر ہے جیسا کہ "غلامک" میں (ضمیر) ہے۔ کیونکہ اس کا تقاضا ہوگا کہ "ک" اضافت کی وجہ سے مجرور ہو۔ اور یہ محال ہے۔ اس لئے کہ اسمائے اشارہ مضاف نہیں بنتے ہیں، کیونکہ ان کا معرفہ ہونا لازم ہے۔ بلکہ یہ محض خطاب کا ایک حرف ہے جس کا کوئی محلِ اعراب نہیں۔ اور اسم اشارہ جب بعید کے لئے ہوگا تو یہ کاف اسکے آخر میں لگے گا اور اس لام میں جو کاف سے پہلے ہے (اس کے لگانے اور نہ لگانے کا) آپ کو اختیار ہے جیسے ذَاکَ یا ذٰلِکَ۔ اور تین صورتوں میں لام کا نہ لانا ضروری ہے۔ (۱) اسم اشارہ تثنیہ جیسے ذَانِکَ (تثنیہ مذکر) تَانِکَ

لہ جیسے اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ۔

(تثنیہ مؤنث) ۔ (۲) اسم اشارہ جمع ۔ ان لوگوں کی لغت کے مطابق جو اس کو مَد دیتے ہیں۔ جیسے اولئک مَد کے ساتھ بغیر لام کے پھر اگر آپ قصر کریں گے تو (لانے نہ لانے کا اختیار ہے) کہیں گے اولاک ۔ یا اولا لک ۔

(۳) ہر وہ اسم اشارہ جس کے شروع میں حرف تنبیہ لگا ہو۔ جیسے ھٰذاک (برائے واحد مذکر) ھَاتَاکَ ، ھَاتِیْکَ (برائے واحد مؤنث) ۔

ثم قلت: الرابع الموصول، وهو: مَا افتقر الى الوصْلِ بجملةٍ خبريةٍ اوظرفٍ اومجرورٍ تامّين اَوْ وصفٍ صريحٍ والى عَائدٍ اَوْخلفهِ ، واقول: الرابع من انواع المعارف: الموصول وهو عبارة عمّا يحتاج الى امرين: اَحَدُهمَا: الصلة وهي واحدٌ من اربعةِ امور، اَحَدُهَا الجُمْلة ، وشرطها: ان تكون خبريّة ، اى محتملة للصدقِ والكذبِ ، تقول « جاءنِي الذي قَامَ » و « الّذِي ابوه قائم » ولايجوز « جاء الذِي هل قام » اَوْ « الّذِي لاتضربهُ » والثانِي الظرف، وَالثالث الجار والمجرور وشرطهمَا ان يكونا تامّين وقد اجتمعا فِي قوله تعالىٰ (وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ) وَاحترزت بالتامّين من الناقصين ، وهمَا اللّذانِ لاتتم بهمَا الفائدة ، فلايقال « جاءَ الّذِي اليوم » ولَا « جاءَ الّذِي بِك » ۔

م: چوتھا معرفہ موصول ہے۔ وہ اسم ہے جو جملہ خبریہ یا ظرف کامل یا مجرور کامل یا وصفِ صریح سے ربط کا محتاج ہو، عائد یا نائب عائد کا محتاج ہو۔

ش: چوتھا معرفہ موصول ہے۔ موصول اس اسم کو کہتے ہیں جو دو امور کا محتاج ہو۔ امر اوّل صلہ ہے۔ وہ چار چیزوں میں سے ایک (کا نام) ہے۔ اول جملہ ہے ۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ خبریہ ہو یعنی صدق و کذب کا احتمال رکھنے والا ہو۔ جیسے جاءنی الّذِی قام اور (جاءنی الّذِی ابوہ قائم (مگر) جَاء الّذِی ھَل قَامَ یا (جاء الّذِی لاتَضربُہٗ جائز نہیں۔ (کیونکہ صلہ جملہ خبریہ نہیں) دوم ظرف ہے سوم: جار مجرور ہے۔ ان (آخری) دونوں کی شرط یہ ہے کہ کامل ہوں ۔ باری تعالیٰ کے ارشاد وَلَهٗ مَنْ فِي الخ[1] میں دونوں جمع ہیں۔ اور تامّین کی قید سے میں نے (ظرف و جار مجرور) ناقصین سے احتراز کیا یعنی جن سے فائدہ

---

[1] اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں۔ اور جو اس کے نزدیک ہیں اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے۔ (پ ۱۷ ع ۲)

مکمل نہیں ہوتا۔ لہٰذا جاء الَّذِی الیوم اور جاء الَّذِی بك نہیں کہا جائیگا۔

الرابع: الوصف الصّریح، ای الخالصُ من غلبة الاسمیة، وهٰذا یکون صِلةً للالفِ واللّامِ خاصّةً نحو «الضّارب» و «المضروب» کما سیأتی، والامرُ الثانی، الضمیرُ العائدُ من الصِلة اِلی الموصُوْل، نحو «جاءَ الّذِی قَامَ ابوهُ» وشرطهُ ان یکون مُطابِقاً للموصُوْل فِی الاِفرادِ والتذکیرِ وفُروعِهما، وقد یخلُفُهُ الظاهِر، کقوله:

٦٧ـ سُعَادُ الَّتِی أَضْنَاكَ حُبُّ سُعَادا ÷ وَإِعرَاضُهَا عَنْكَ اسْتَمَرَّ وَزَادَا

چہارم: وصفِ صریح[1] یعنی وہ (صیغۂ صفت) جو غلبۂ اسمیت سے خالی ہو۔ اور صرف یہ (صیغۂ صفت) الف لام کا صلہ ہوتا ہے جیسے الضّارب والمضروب۔

امر دوم: صلہ[2] کی وہ ضمیر ہے جو موصول کی جانب لوٹ رہی ہو۔ جیسے جَاءَ الَّذِی قَامَ ابوهُ اور اس عائد کی شرط یہ ہے کہ مفرد اور مذکر اور ان کی فروع (تثنیہ جمع اور مؤنث) میں موصول کے مطابق ہوگا۔ اور کبھی اسم ظاہر بھی عائد کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ جیسے سُعَاد[3] الخ۔

وحمَل علیه الزمخشریُّ قولَ اللّٰه تعالیٰ: (الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ، ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ) وذلك لانهُ قدّر الجُملةَ الاسمیّةَ وهی (الَّذِیْن) ومَابعدهُ ــ معطوفة ــ علی الجملةِ الفعلیة، وهی (خلق) ومَابعدهُ ــ علیٰ معنیٰ انّهُ سبحانهُ خَلَقَ مَالایقدِرُ علیه سِواه، ثم هُمْ یَعدِلون به مَالایقدر علیٰ شیٴ، ولولا انّ التقدیرَ ثمّ الَّذِین کفروا به یعدلون، کما انّ التقدیر سعادُ الّتی اضناك حبُّها

---

[1] وصف صریح سے مراد وہ اسم مشتق ہے جو تجدّد و حدوث میں فعل سے ایسی قوی مشابہت رکھتا ہو کہ وہ فعل کی جگہ رکھا جا سکے۔ نوٹ:۔ قوی مشابہت سے مراد یہ ہے کہ اسم مشتق، معنیٰ، عمل، زمانہ پر دلالت، اور حرکات و سکنات میں فعل مضارع کا شریک ہو۔ یہ اشتراک اسم فاعل و مفعول کو پورے طور پر حاصل ہے۔ لہٰذا وصف صریح کا مصداق یہی دونوں قرار پائے جیسے قائم۔ یقوم کے اور مکرم، یکرم کے مشابہ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مشتقات اسم آلہ، تفضیل، زمان و مکان وغیرہ بھی فعل مضارع سے مشابہت رکھتے ہیں۔ مگر جزوی طور پر۔ اسی وجہ سے یہ وصف صریح سے خارج ہیں۔ (مستفاد النحو الوافی جلد۱)

[2] صلہ۔ موصول کے بعد آنیوالا وہ حقیقی یا تاویلی جملہ ہے جو اس کے ابہام و اجمال کو دور کرے خواہ وہ موصول اسمی ہو یا حرفی۔ (النحو الوافی ص ۳۴۳، ج ۱)

[3] سعاد جس کی محبت نے تمکو کمزور کر دیا اور اس کی بے رخی برابر بڑھتی چلی گئی۔ وضع الظاہر موضع المضمر عائد کے قائم مقام ہوتا ہے اسی لئے حبّہا کی جگہ حبّ سعاد مذکور ہے۔

لَلَزِمَ فسادُ هذا الإعرابِ، لِخُلُوِّ الصِّلةِ من ضميرٍ، وهذا في الآيةِ الكريمةِ خيرٌ منهُ في البيت، لأنَّ الاسمَ الظاهرَ النائبَ عن الضميرِ في البيت بلفظِ الاسمِ الموصوفِ بالموصول، وهو سُعادُ، فحصلَ التكرارُ، وهو في الآيةِ بمعناه لا بلفظه، وأجازَ في الجُملةِ وجهًا آخر، وبدأ به، وهو أن تكونَ مَعْطوفةً على (الحمدُ لله) والمعنى إنَّه سبحانهُ حقيقٌ بالحمد على ما خَلَق: لأنه ما خلقه إلا نعمةً، ثمَّ الَّذين كفروا بربِّهم يعدلون فيكفرون نعمتَهُ۔

اور علامہ زمخشریؒ نے باری تعالیٰ کے قول الحمدُ للہ الخ[1] کو اسی (وضع المظهر موضع المضمر) پر محمول کیا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے جملہ اسمیہ یعنی الَّذین اور اس کے مابعد کو جملہ خلیہ۔ یعنی خلق اور اسکے مابعد کا معطوف مانا ہے۔ اس معنی کر کہ باری تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کیا جن پر اسکے سوا (کوئی) قادر نہیں، پھر بھی وہ اس کے برابر مان رہے ہیں۔ ان چیزوں کو جو کسی شئی پر قادر نہیں۔ اور اگر تقدیر عبارت ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِهٖ یَعْدِلُوْنَ تھی، یعنی اسم ظاہر ربّ، کو ضمیر عائد کے قائم مقام نہ مانا جائے) جیسا کہ (شعر میں) تقدیر عبارت سُعادُ التی اَضناكَ حبُّها ہے۔ تو صلہ کے ضمیر سے خالی ہونے کی وجہ سے اس ترکیب کا فساد لازم آئیگا۔ اور آیت کریمہ میں (تقدیر عبارت) شعر میں مانی جانے والی تقدیر کی بہ نسبت بہتر (وضروری) ہے۔ کیونکہ شعر میں ضمیر کے قائم مقام اسم ظاہر بلفظ وہی اسم ہے یعنی سُعاد ہے جس کی صفت اسم موصول لائی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے تکرار حاصل ہوگیا۔ (جو عائد کے قائم مقام ہے) اور اسم ظاہر آیت میں بلفظ نہیں بالمعنی ہے۔ اور علامہ زمخشریؒ نے جملہ میں ایک اور صورت جائز قرار دی ہے، اور اسی سے (بحث کا) آغاز کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جملہ الحمد للہ کا معطوف ہو۔ ترجمہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر مستحق حمد ہے۔ اسلئے کہ اس نے کسی چیز کو نہیں پیدا کیا مگر وہ نعمت ہے۔ پھر جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا وہ لوگ حد سے تجاوز کر رہے ہیں کہ اسکی نعمت کا انکار کر رہے ہیں۔

ثُمَّ قلت: وهو «الَّذي»، و«الَّتي»، و«تثنيتهما»، و«جمعهما»، و«الألى»، و«الَّذِين»، و«اللاتي»، و«اللائي»، وما بمعناهن، وهو «مَن» للعالِم، و«ما» لغيره، و«ذو» عند طيء، و«ذا» بعد ما أو من الاستفهاميتين إن لم تُلْغَ، و«أي»، و«ال» في نحو الضارب والمضروب

---

[1] تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تاریکیوں اور نور کو بنایا، پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ (پ ۸)

واقول: لمّا فرغت من حدّ الموصول شرعت فی سرد المشهور من الفاظه، والحاصل انّها تنقسم الی ستة اقسام، لانّها امّا المفرد، او مثنی او مجموع، وکلّ من الثلاثة امّا المذکر او مؤنث۔

م: اور وہ الّذی، الّتی اور ان کا تثنیہ وجمع اور الالیٰ وغیرہ ہیں اور (وہ بھی)......... جو ان کے ہم معنی ہیں۔ جیسے "مَنْ" عاقل کے لئے، اور "ما" غیر عاقل کے لئے۔ اور "ذُو" ہے بنی طیٔ کے یہاں۔ اور "ما" و "مَنْ" استفہامیہ کے بعد والا "ذا" ہے بشرطیکہ ملغیٰ نہ ہو۔ اور "ایٌّ" ہے۔ اور الضّاربُ والمضروبُ جیسے میں۔ الخ۔

ش: میں جب اسم موصول کی تعریف سے فارغ ہوا تو اس کے مشہور الفاظ کے ذکر کا آغاز کیا، خلاصہ یہ کہ ان اسمار کی چھ قسمیں نکلتی ہیں۔ کیونکہ یا تو یہ مفرد یا تثنیہ یا جمع ہوگا۔ اور ان تینوں میں سے ہر ایک مذکر ہوگا یا مؤنث۔

فللمفرد المذکر "الّذی"، وتُستعمَلُ للعاقلِ وغیرِہ، فالاوّل نحو: (والّذی جاء بالصّدق) والثانی نحو (هٰذا یَوْمُکُمُ الّذی کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ) ولكَ فی یائه وجهان: الاثباتُ والحذفُ، فعلی الاثباتِ تکون امّا خفیفةً فتکون ساکنةً، وامّا شدیدةً، فتکون امّا مکسورةً اوجاریةً بوجوہ الاعرابِ، وعلی الحذف فیکون الحرف الّذی قبلها امّا مکسورًا کما کان قبل الحذف وامّا ساکنًا۔

چنانچہ مفرد مذکر کے لئے "الّذی" ہے جو عاقل وغیر عاقل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پہلے کی مثال والّذی الخ[1] ہے دوسرے کی مثال هٰذا یومکم الخ[2] ہے اور الّذی کی "یاء" میں آپ کو دو صورتوں کا اختیار ہے۔ (۱) ذکر (۲) حذف۔ پھر ذکر کی صورت میں یا تو خفیفہ (غیر مشدد) ہوگا۔ اس شکل میں ساکن ہوگا، اور یا مشدّد ہوگا۔ اس شکل میں یا تو مکسور ہوگا۔ (جیسے الّذیّ) یا اعرابی وجوہ کے مطابق مستعمل ہوگا (جیسے الّذیٌّ) اور حذف کی صورت میں وہ حرف جو اس (یاء) سے پہلے ہے یعنی "ذ" یا تو مکسور ہوگا جیسے حذف سے پہلے تھا۔ یا ساکن ہوگا۔

وللمفردِ المؤنّثِ "الّتی"، وتُستعمَلُ للعاقلةِ وغیرِها، فالاوّل نحو (قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الّتی تُجَادِلُكَ فِی زَوْجِهَا) و"قد" هنا للتوقع لِانّها کانت تتوقع سماعَ شکواها وانزالَ الوحی فی

---

[1] اور جو لوگ سچی بات لیکر آئے۔ (پ ۲۴، ۱) [2] یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (پ ۱۷، ۷)

شانها، و "فی" للسببیة او الظرفیة على حذف مضاف، ای فی شانه، والثانی نحو: (سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا) ای سیقول الیهود ماصرف المسلمین عن التوجه الى بیت المقدس، ولك فی یاء "الّتی" من اللغات الخمس مالك فی یاء "الّذی"، ولمثنّی المذكر "اللّذانِ" رفعًا، وَ"اللّذین" جرًّا ونصبًا، ولمثنّی المؤنث "اللّتانِ" رفعًا، و"اللّتین" جرًّا ونصبًا، ولك فیهنّ تشدید النون، وحذفها، والاَصْلُ التخفیف والثبوت، وَلجمعِ المذكرِ "الالی" بالقصر والمد، و"اللذین" بالیاءِ مطلقًا، اَوْ بالواوِ رفعًا، ولجمع المؤنث "اللائیْ" و"اللاتی" باثباتِ الیاء وحذفها فیهمَا، وقد قرئ (وَاللَّائِي يَئِسْنَ) بالوَجْهَیْنِ، ولم یقرأ فی السّبعة (وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ) الّا بالیاءِ لانه اخفّ مِنَ اللائیْ، لکونه بغیر همزة۔

اور مفرد مونث کے لئے "الّتی" ہے۔ اور یہ مونثِ عاقل وغیر عاقل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پہلے کی مثال قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ[1] الخ اور "قد" یہاں توقع کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ عورت اپنی شکایت سُنی جانے اور اپنے بارے میں وحی اُترنے کی توقع رکھتی تھی۔ اور "فی" سببیت کے لئے ہے۔ یا مضاف محذوف ماننے کی صورت میں ظرفیت کے لئے (بصورت ظرف) تقدیر عبارت ہوگی۔ فی شانہٖ، دوسرے کی مثال سیقول الخ یعنی یہود کہیں گے کہ مسلمانوں کو (نماز میں) بیت المقدس کی جانب رُخ کرنے سے کس چیز نے باز رکھا۔ اور "الّتی" کی یاء میں انہیں پانچوں لغتوں کا اختیار ہے جن کا الّذی کی یاء میں تھا۔ اور تثنیہ مذکر کے لئے حالتِ رفعی میں "اللّذانِ" اور حالتِ جری ونصبی میں "اللّذَیْنِ" ہے۔ اور تثنیہ مونث کے لئے حالتِ رفعی میں "اللّتانِ" اور حالتِ جری ونصبی میں "اللّتین" ہے۔ اور ان (چاروں) میں نون کو مشدّد[2] پڑھنے اور نون کو حذف کرنیکا اختیار ہے یہ اصل تخفیف (بلا تشدید پڑھنا) اور (نون کا) باقی رکھنا ہے۔ اور جمع مذکر کے لئے "الأُلٰی" بلا مد بھی اور مد کے ساتھ بھی[3]، اور "الّذین" ہر حال میں۔ یاء کے ساتھ ہے۔ یا حالتِ رفعی میں واؤ کے ساتھ[4]۔ اور جمع مونث کے لئے "اللّائی" اور "اللّاتی" دونوں میں "یاء" کے باقی رکھنے اور حذف کرنے کے ساتھ۔

---

[1] بیشک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سُن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی۔ (پ ۲۸)
[2] جیسے اللّذانّ اور اللّذاً وغیرہ [3] جیسے اُولاءِ۔ [4] جیسے اللّذُوْنَ یہ قبیلہ عقیل کی لغت ہے۔

اور وَاللَّائِي يَئِسْنَ [1] دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اور قرارت سبعہ میں وَاللَّاتِي [2] بغیر یاء کے نہیں پڑھا گیا۔ کیونکہ یہ (اللَّاتِي) بغیر ہمزہ کے ہونے کی وجہ سے اللَّائِي کے مقابلہ میں خفیف ہے۔ لہٰذا مزید تخفیف کیلئے یاء کے حذف کی ضرورت نہیں

ومن الموصُولات موصُولات عَامة في المفرد المذكر وفروعِه وهي «مَن» واصْل وضعها لمَن يعقل، نحو (افمَن يَعلَمُ انّمَا انزِلَ اِلَيكَ مِن رَّبِّكَ الحقُّ كمَن هُوَ اَعمى) [3] و «ما» لِمَا لا يعقل، نحو (مَا عِندَكُم يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللهِ بَاقٍ) [4] و «ذو» في لغة طيّ، يقولون «جَاءَ ني ذو قام» و «ذا» بشرطين، احدهُما: ان يتقدم عليها «مَا» الاستفهاميّة نحو: (مَاذَا انزَلَ رَبُّكُم) اي: مَا الّذي انزل ربّكم؟ او «مَن» الاستفهامية نحو: «من ذا لقيت» وقولِ الشاعر:

۶۸ - وَقَصِيدةٍ تَاتي الملوكَ غريبةٍ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ قد قُلتُها ليُقالَ: مَن ذا قالها

اي: من... الّذي قالها وهذا الشرط خالف فيه الكوفيون، فلم يشترطوه واستدلّوا بقوله:

۶۹ - نجوتِ وهذا تحملينَ طليقُ

فزعموا ان التقدير وَالّذي تحملينه طليق، و «ذا» موصُول مبتداء و «تحملين» صِلة، والعائد محذوف و «طليق» خبر».

اور موصولات میں بعض موصولات مفرد مذکر اور اس کی فروع کے لئے عام ہیں۔ اور وہ «مَنْ» ہے، اس کی اصل وضع عاقل کے لئے ہے جیسے اَفَمَنْ يَعْلَمُ الخ [3] اور (دوسرا) «ما» ہے غیر عاقل کے لئے جیسے مَا عِنْدَكُمْ الخ [4] اور (تیسرا) ذُو ہے بنی طی کی لغت میں جیسے جَاءَ نِي ذُوْ قَامَ۔ اور (چوتھا) «ذا» ہے۔ دو شرطوں کے ساتھ۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے (یا تو) مَا استفہامیہ ہو جیسے مَاذَا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ بمعنی مَا الَّذِي الخ (یعنی کیا ہے وہ جو تمہارے رب نے نازل کی ہے) اور یا «مَنْ» استفہامیہ ہو جیسے مَنْ ذَا لَقِيتَ۔

---

[1] جو عورتیں (حیض سے) ناامید ہو چکی ہیں۔ (پ ۲۸، ۱۷)۔ قوله اللائي۔ فيه اربع قرأت الأولى بالهمزة المكسورة ولا ياء بعدها لقالون وقنبل والثانية بتسهيل الهمزة مع المد والقصر لورش والبزي وابي عمرو ولا ياء بعد والثالثة ابدال الهمزة بياء ساكنة مع المد وهو وجه للبزي وابي عمرو والرابعة بهمزة مكسورة بعدها ياء للباقين (ابن الهائم)

[2] جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں۔ (پ ۴)

[3] جو شخص یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے اوپر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ (پ ۱۳، ۹)

[4] جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔ (پ ۱۴)

اور شعر وقصیدۃ[1] الخ بمعنی مَن الّذی قالھا۔ اور اس شرط میں کوفیوں نے اختلاف کیا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے یہ شرط نہیں لگائی ہے۔ اور شاعر کے کلام نجوت[2] الخ سے استدلال کیا ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ تقدیر عبارت وَالّذِی تحملینہ طلیق ہے کہ "ذا" موصول مبتداء اور تحملین صلہ اور عائد محذوف اور طلیق خبر ہے۔

الشرط الثانی: ان لاتکون "ذا" مُلغاۃً والغاؤُھا بان تُرکّبَ مع "ما" فیصیر واحدًا، فتقول: "مَاذا صنعت" وینزّل "ماذا" بمنزلۃ قولك: ای شیئٍ، فتکون مفعولًا مقدمًا، فان قدرت "ما" مبتدأً و"ذا" خبرًا فھی مَوصُولۃ، لانھا لم تُلغَ، ومنھا "ای" کقولہ تعالیٰ: (ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن کُلِّ شِیعَۃٍ اَیُّھُم اَشَدُّ) وقد تقدم الکلام فیھا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ "ذا" ملغیٰ نہو، اور اس کا ملغیٰ ہونا یہ ہے کہ "ما" کے ساتھ مل کر ایک اسم نہو جائے۔ جیسے تمہارا قول ماذا صنعت، اور "مَاذا" کو ای شیء کے درجہ میں اُتار لیا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں مفعول مقدم ہوگا۔ اگر "ما" کو مبتداء اور "ذا" کو خبر مانو تو یہ موصولہ ہوگا۔ کیونکہ ملغیٰ نہیں۔ اور (پانچواں) "ای" ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ الخ تقدیر عبارت ہے الّذِی ھُوَ اَشَدُّ۔ اس پر گفتگو گذر چکی۔

ومنھا "ال" الدّاخلۃ علی اسم الفاعل کـ "الضارب" او اسم المفعول کـ "المضروب" وھٰذا قول الفارسی وابنِ السّراج واکثرِ المتأخرین، وزعمَ المازنی انھا موصُول حرفی ویردُّہ انھا لاتؤول بالمصدر، وانّ الضمیر یعود علیھا، وزعم ابوالحسن الاخفش انھا حرف تعریف، ویردُّہ ان ھٰذا الوصف یمتنع تقدیم معمُولہٖ، ویجوز عطف الفعل علیہ کقولہ تعالیٰ: (فَالمُغِیرَاتِ صُبحًا فَاَثَرنَ) فعطفُ "اثرن" علی "المغیرات" لِانّ التقدیر: فالّاتی اغرن واثرن، و(المغیرات)

---

[1] بہت سے نادر قصیدے جو بادشاہوں کے پاس پہونچے ہیں وہ میں نے اس لئے کہے ہیں تاکہ کہا جائے کہ کس نے کہے ہیں۔

[2] پہلا مصرعہ ہے۔ عدس ما لعباد علیك امارۃ ۔ یہ شعر یزید بن مفرغ الحمیری کا ہے۔ جو اس نے قید سے چھوٹنے پر اور امیر سجستان عباد ابن زیاد کے دائرۂ امارت سے باہر آکر اپنی گھوڑی کو مخاطب کرکے کہا ہے۔
(ترجمہ): چل: عباد کی (اب) تیرے اوپر امارت نہیں ہے۔ تو نجات پاگئی۔ اور جسے تو اپنے اوپر سوار کیے ہوئے ہے وہ (جیل سے) آزاد ہے۔ محل استدلال وھٰذا الخ ہے کہ شاعر نے بلا شرط استعمال کیا ہے۔ ورنہ وھامن ذا تحملین الخ ہوتا۔
عدس اسم صوت ہے۔ جو گھوڑوں کو ہانکنے کے وقت بولا جاتا ہے۔ (قطر الندیٰ ص ۱۱۷)

[3] مستدل: من ذا قالھا ہے کہ ذا موصول بمعنی الذی ہے [illegible]
[illegible]

مُغِيلاتٌ مِن الغارة و(صُبْحًا) ظرف زمانٍ كانوا يُغِيرُون على أعدائهم في الصباح، لأنهم حينئذٍ يُصِيبُونهم وهم غافلون لا يعلمون، ويقال: إنها كانت سرية لرسول الله صلى الله عليه وسلم إلى بني كنانة، فابطأ عليه خبرها فجاء به الوحي إليه، والنقع: الغبار أو الصوت من قوله صلى الله عليه وسلم: «ما لم يكن نقعٌ أو لَقْلَقَةٌ[3]». فهيّجن بالمغار عليهم صياحًا وجلبة[2].

اور (چھٹا) «ال» ہے جو اسم فاعل پر داخل ہوتا ہے۔ جیسے الضارب یا اسم مفعول پر جیسے المضروب یہ فارسی، ابن سراج اور اکثر متاخرین کا قول ہے۔ اور مازنی کا خیال ہے کہ یہ موصول حرفی ہے۔ اور (مازنی کے) اس (قول) کی تردید کرتا ہے اس کا مصدر کی تاویل میں نہ ہونا اور ضمیر کا اس کی طرف لوٹنا (یہ دونوں اسمیت کی علامت ہیں۔ لہٰذا ال موصول اسمی ہوا نہ کہ حرفی[1]) اور ابوالحسن اخفش کا خیال ہے کہ یہ حرف تعریف ہے۔ اس قول کی تردید کرتا ہے اس کے صیغہ صفت کے معمول کا مقدم کرنا محال ہوتا ہے۔ اور فعل کا عطف اس پر جائز ہوتا ہے۔ (جبکہ حرف تعریف میں ایسا نہیں) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد فالمغیرات الخ «اثرن» کا عطف المغیرات پر ہے۔ کیونکہ تقدیر عبارت فَاللّاتِي اغرن فاثرن ہے اور «مغیرات» غارۃ سے مفعلات (باب افعال کا اسم فاعل) ہے۔ اور «صبحًا» ظرف زمان ہے۔ اہل عرب اپنے دشمنوں پر صبح کو شب خون مارا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ ان کو اس وقت میں غافل اور بے خبر پاتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ (یہ آیت نازل ہوئی) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سریہ بنی کنانہ کی جانب گیا ہوا تھا، اس کی خبر ملنے میں تاخیر ہوگئی، تو آپ پر یہ وحی نازل ہوئی۔ اور نقع بمعنی غبار یا آواز ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مَا لَمْ يَكُنْ نقع أو لقلقة میں ہے۔

---

[1] موصول حرفی وہ موصول ہے جو اپنے صلہ سے مل کر مصدر کی تاویل میں ہو جاتا ہے۔ اسکے پانچ حروف ہیں أنَّ، أنْ، كَيْ، مَا، اور لَوْ۔ مثالیں بالترتیب درج ذیل ہیں۔ أوَلَمْ يَكْفِهِمْ أنَّا أنْزَلْنَا، عجبت من أن يقوم زيد، جئت لكي تكرم زيدًا۔ لا أصحبك ما دمت منطلقًا، وددت لو قام زيد۔ (البہجۃ المرضیہ شرح الفیہ ص۲۲)

[2] پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں پھر اٹھاتے ہیں (اس میں غبار) آیت ۲۵۔

[3] جب تک آواز اور سخت چیخ و پکار نہ ہو۔ نوٹ:۔ امام بخاری، حافظ ابن حجر، علامہ بدر الدین عینی کی تصریحات کے مطابق یہ حضرت عمر فاروقؓ کا اثر ہے۔ جو انہوں نے اس وقت کہا تھا جبکہ حضرت ابو سلیمان خالد بن ولید کی وفات کے موقع پر بنی مغیرہ کی کچھ عورتیں ان پر رو رہی تھیں۔ لوگوں نے امیر المؤمنین سے کہا کہ آپ کسی قاصد کو بھیج کر ان کو رونے سے منع کر دیں۔ جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا دعهن يبكين على أبي سليمان ما لم يكن نقع أو لقلقة۔ مصنف علام کا اس اثر کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرار دینا خلاف تحقیق معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
(دیکھئے فتح الباری ص ۲۹۲ ج ۳، عمدۃ القاری ص ۸۳/۸ ج، بخاری کتاب الجنائز)

آیت کا ترجمہ ہے۔ پھر وہ گھوڑے شب خون زدہ لوگوں پر چیخ اور تیز آواز نکالتے ہیں۔

ثم قلت: الخامس المحلی بال العهدیة کجاء القاضی، ونحو: (فیها مصباح المصباح) الآیة أو الجنسیة نحو: (وخلق الانسان ضعیفا) ونحو (ذلك الکتاب لاریب فیه) ونحو (وجعلنا من الماء کل شیء حی) ویجب ثبوتها فی فاعلی نعم وبئس المظهرین نحو: (نعم العبد) (بئس مثل القوم) • فنعم ابن اخت القوم فاما المضمر فمستتر مفسر بتمییز نحو، نعم امرأ هرم، ومنه (فنعما هی) وفی نعتی الاشارة مطلقا، وأی فی النداء، نحو: (یا أیها الانسان) ونحو (ما لهذا الکتاب) وقد یقال یا أیهذا، ویجب فی السعة حذفها من المنادی الا من اسم الله تعالی، والجملة المسمی بها ومن المضاف، الا اذا کانت صفة معربة بالحرف أو مضافة الی ما فیه "ال"۔

م: پانچواں معرفہ وہ ہے جس پر "ال" عہد کا داخل ہو جیسے جاء القاضی اور جیسے فیها مصباح المصباح الخ یا "ال" جنسی داخل ہو جیسے خلق[1] الخ اور جیسے ذلك الکتاب[2] الخ اور جیسے وجعلنا[3] الخ اور نعم وبئس کے فاعل مظہر (اس کے مضاف الیہ) میں الف لام کا باقی رکھنا ضروری ہے۔ جیسے نعم العبد، بئس مثل القوم۔ رہا (فاعل) مضمر تو وہ مستتر ہوگا جس کی تفسیر کسی تمیز کے ذریعہ ہوگی جیسے

، نعم امرأ هرم، اور اسی کی قبیل سے فنعما هی[4] (کا ال) ہے۔ اور اسم اشارہ کی صفت میں ہر جگہ اور ای کی صفت میں بوقت ندا، (ال کا باقی رہنا ضروری ہے۔) جیسے یا ایها الانسان۔ اور جیسے ما لهذا الکتاب اور کبھی یا ایهذا بھی کہا جاتا ہے۔ اور نثر میں منادی سے "ال" کا حذف ضروری ہے۔ سوائے "الله" اور اس جملے کے جو الف لام سمیت کسی کا نام رکھدیا گیا ہو۔ اور مضاف سے (حذف

---

[1] اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (پ ۲) [2] یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ (پ ۲)
[3] اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا (پ ۲) [4] نعما اصل میں نعم ما تھا۔ نون کو عین کی اتباع میں کسرہ دیدیا۔ میم کو میم میں ادغام کر دیا۔ نعما اور بئسما دو جزوں سے مرکب ہے۔ اس کے جزو ثانی یعنی "ما" اور اس جملہ کی ترکیب میں نحویوں کے تین مذاہب ہیں۔ (۱) ما نکرہ ہے۔ محلاً منصوب ہے۔ جو نعم کی ضمیر مستکن سے تمیز ہے۔ اور اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ مفہوم عبارت ہوگا نعم الشیء شیئا هی۔ یہ محققین کا مسلک ہے۔ اسی ترکیب کے اعتبار سے مصنف علام نے یہاں ذکر کیا ہے۔ (۲) ما معرفہ تامہ ہے۔ یہ نعم کا فاعل ہے۔ مفہوم عبارت نعم الشیء هی ہے۔ یہ ابن خروف کا مسلک ہے۔ مذکورہ دونوں مذاہب نعم جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم اور ہی مخصوص بالمدح مبتدا مؤخر۔ (۳) ما زائدہ۔ نعم فعل ماضی اور ہی اس کا فاعل ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہے۔ یہ مذہب فراء اور ان کے متبعین کا ہے۔
(مستفاد شرح ابن عقیل، منتہی الارب، جامع

واجب ہے) سوائے اس صفت کے جس کو اعراب بالحرف دیا گیا ہو یا اس کی اضافت ایسے کلمہ کی طرف ہو رہی ہو جس پر الف لام داخل ہے۔

واقول: الخامسُ من المعارف: المحلّی بالالفِ واللّامِ العہدیۃِ، اَوِ الجنسیۃِ واشرتُ الی انّ کلّا منہما قسمان: لِانّ العہدیۃَ امّا اَنْ یُشارَ بہا الی معہودٍ ذہنیٍّ اَوْ ذکریٍّ: فالاول کقولک جاءَ القاضی اذا کان بینک وبین مخاطبِک عہدٌ فی قاضٍ خاصٍ، والثانی کقولہ تعالیٰ: (فِیہا مِصباحٌ المِصباحُ) الآیۃ، فان ال فی المصباح وفی الزّجاجۃِ للعہدِ فی مصباحٍ وزجاجۃٍ المتقدّم ذکرہما۔ وال الجنسیۃِ قسمان، لانّہا امّا ان تکون استغراقیۃً اَوْ مشارًا بہا الی نفسِ الحقیقۃ فالاوّل کقولہٖ تعالیٰ: (وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا) ای کلّ فردٍ من افرادِ الانسان، ونحو (ذٰلِکَ الْکِتٰبُ) ای انّ ہٰذا الکتاب ہو کلّ الکتب، الّا انّ الاستغراق فی الآیۃ الاولیٰ لافرادِ الجنسِ، وفی الثانیۃ لخصائصِ الجنس کقولک "زیدٌ الرّجل" ای الّذی اجتمعَ فیہ صفاتُ الرّجالِ المحمودۃِ والثانی نحو: (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ) ای من ہٰذہ الحقیقۃِ لامن کلِّ شیءٍ اسمُہٗ ماءٌ۔

ش: پانچواں معرفہ وہ اسم ہے جس پر الف لام عہدی یا جنسی داخل ہو۔ اور میں نے اشارہ کیا کہ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ کیونکہ ال عہدی کے ذریعہ یا معہود ذہنی مراد لیا جائیگا یا ذکری۔ پہلے کی مثال جیسے جَاءَ القَاضِی (اس وقت کہا جائیگا) جبکہ تمہارے اور تمہارے مخاطب کے درمیان کسی خاص قاضی کی تعیین ہو۔ دوسرے کی مثال فِیہَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصبَاحُ فِی زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ[1] ۔ کیونکہ مِصْبَاح اور زُجَاجَۃ پر الف لام اس مصباح و زجاجہ کی تعیین کے لئے ہے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور الف لام جنسی کی دو قسمیں ہیں۔ کیونکہ وہ یا تو استغراقی ہوگا یا اس کے ذریعہ نفس حقیقت (وماہیت) کی طرف اشارہ کیا گیا ہوگا پہلے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیفًا۔ یعنی افرادِ انسانی میں سے ہر ہر فرد (کمزور پیدا کیا گیا) اور جیسے ذلک الکتاب یعنی یہ کتاب تمام کتابوں کا مجموعہ ہے، فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں استغراق جنس کے افراد کے لئے ہے۔ اور دوسری میں جنس کی خصوصیات (وخصائل) کے لئے ہے۔ جیسے زید الرّجل یعنی زید ایسا آدمی ہے جس میں اچھے لوگوں کی صفات مجتمع ہیں۔

---

[1] اس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک قندیل میں ہے۔ وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو۔ (پ ۱۸)

دوسرے کی مثال جیسے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ یعنی اس حقیقت سے (بنایا) ذکر ہر اس چیز سے جس کا نام پانی ہو۔

وقولی۔ العهدیة او الجنسیة۔ خَرَجَ به المحلّی بالالف واللام الزائدتین فانّها لیست لعهدٍ ولا جنسٍ وذلك کقراءة بعضهم (لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيَخْرُجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ) بفتح یاء (لیخرجنّ) وضم رائه، وذلك لانّ الاذل علی هذه القراءة حال، والحال واجبة التنکیر، فلهذا قلنا انّ ال زائدة لا معرّفة، والتقدیر لیخرجنّ الاعزّ منها ذلیلًا، ولك ان تقدّر انّ الاصل خروجَ الاذلِّ، ثمّ حذف المضاف واُقیم المضاف الیه مقامه، فانتصب علی المصدر علی سبیل النیابة، وحینئذٍ فلا یحتاج لدعوی الزیادة۔

اور میرے قول العهدیة او الجنسیة سے اسم نکل گیا جس پر الف لام زائد داخل ہو کیونکہ وہ نہ تو عہدی ہوتا ہے نہ جنسی۔ اس کی مثال جیسے بعض لوگوں کی قرارت لئن رجعنا الخ لیخرجن کی یاء کے فتح اور راء کے ضمہ کے ساتھ۔ اس لئے کہ اس قرارت کے مطابق۔ الاذلَّ ، حال ہوگا۔ اور حال کا نکرہ ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ الف لام زائد ہے، معرفہ بنانے والا نہیں ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی لیخرجنّ الاعزّ منها ذلیلًا۔ اور آپ کو اختیار ہے کہ اس کی اصل (لیخرجن) خروجَ الاذلّ مانیں پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اس صورت میں مفعول مطلق ہونے کی بنا پر نیابۃً منصوب ہوگا۔ اس وقت زائد ماننے کے دعوے کی ضرورت نہیں۔

ثمّ ذکرت ان «ال» المعرفة یجب ثبوتها فی مسألتین، ویجب حذفها فی مسألتین۔ امّا مسألتا الثبوت فاحداهما: ان یکون الاسم فاعلًا ظاهرًا والفعل «نعم» او «بئس» کقوله تعالی (نِعْمَ الْعَبْدُ) (فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ) فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ) (وَبِئْسَ الشَّرَابُ) واشرت بالتمثیل بقوله تعالی: (بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ) الی انّه لا یشترط کون «ال» فی نفس الاسم الذی وقع فاعلًا کما فی (نِعْمَ الْعَبْدُ) بل یجوز کونها فیه او کونها فیما اُضیف هو الیه، نحو (وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ) (فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ) (بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ)۔

پھر میں نے ذکر کیا کہ الف لام تعریف کا دو صورتوں میں لانا اور دو صورتوں میں حذف کرنا ضروری ہے۔

ؔ اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔ (پ ۱۷)

لانے کی دُو صورتوں میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ اسم فاعل مظہر، اور فعل نِعْمَ یا بِئْسَ ہو جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد: نِعْمَ الْعَبْدُ، فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ، فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ، بِئْسَ الشَّرَابُ[ك] اور میں نے بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ کی مثال دیکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الف لام کا اسی اسم میں ہونا ضروری نہیں جو فاعل بن رہا ہے۔ جیسے کہ نِعْمَ الْعَبْدُ میں ہے۔ بلکہ اُس اسم میں بھی ہو سکتا ہے اور اُس اسم کے مضاف الیہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ وغیرہ میں۔

ولو کان فاعل نِعْمَ وبِئْسَ مضمرًا وجب فيه ثلاثة امور، أحدها: ان يكون مفردًا ومثنًى ولا مجموعًا، مستترًا لا بارزًا، مفسرًا بتمييز بعده كقولك: نعم رجلًا زيدٌ ونعم رجلين الزيدان، ونعم رجالًا الزيدون، وقول الشاعر:

۷۰۔ نِعْمَ امْرأً هَرِمٌ لَمْ تَعْرُ نَائِبَةٌ ❊ إلَّا وَكَانَ لِمُرْتَاعٍ بِهَا وَزَرَا

والثانية: ان يكون الاسم نعتًا، اما الاسم الاشارة نحو (مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ) (مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ) وقولك «مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ» أو نعت «ايّها» في النداء نحو (يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ) (يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ) ولكن قد تنعت «أيّ» باسم الاشارة كقولك «يَا أَيُّهٰذَا» والغالب حينئذٍ ان تنعت الاشارة كقوله:

۷۱۔ الا ايُّهٰذَا الزاجِرِي أَحْضُرَ الوَغَى ❊ وَأَنْ أَشْهَدَ اللَّذَاتِ هَلْ انتَ مُخْلِدِي

وقد لا تنعت كقوله:

۷۲۔ ايُّهٰذَانِ كُلَا زَادَ يْكُمَا۔

اور اگر نِعْمَ و بِئْسَ کا فاعل ضمیر ہو تو اس میں تین امور کا لحاظ ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ ضمیر مفرد ہو، تثنیہ جمع نہ ہو۔ (دوم) مستتر ہو، بارز نہ ہو۔ (سوم) اس کی تفسیر بعد میں آنیوالی تمیز کے ذریعہ ہو رہی ہو، جیسے نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ وغیرہ، اور شعر: نِعْمَ امْرأً هَرِمٌ الخ اور (معرفہ بنانے والے۔ ال ۔۔۔۔۔۔۔

---

[۱] اچھے بندے تھے۔ (پ ۲۳ ع ۱۳) [۲] سو ہم کیسے اچھے اندازے ٹھہرانے والے ہیں۔ (پ ۲۹ ع ۲۱)
[۳] سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں۔ (پ ۲۷ ع ۲) [۴] کیسا ہی بُرا پانی ہوگا۔ (پ ۱۵ ع ۱۶)

[۵] قوله ان يكون الاسم نعتًا اما ...... الى قوله نعتًا الخ والانسب ان تكون العبارة هكذا، امّا نعتًا لاسم الاشارة ...... او نعت ايها الخ بتقديم إمّا على قوله نعتًا۔

[۶] نعم رجلًا زید۔ اس تمیز میں پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) تمیز نکرہ ہو، معرفہ نہیں لائی جا سکتی ہے۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

لانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسم صفت ہو یا تو اسم اشارہ کی جیسے مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ، مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ اور تمہارا قول مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ۔ یا اسم "ایّھا" ندائیہ کی صفت ہو۔ جیسے یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ، یَا اَیُّهَا الْاِنْسَانُ۔ لیکن کبھی "اَیّ" کی صفت اسم اشارہ کے ذریعہ لائی جاتی ہے۔ جیسے یَا اَیُّهٰذَا۔ اس صورت میں اکثری استعمال یہ ہے کہ اسم اشارہ کی صفت لائی جائے۔ جیسے اَلَا اَیُّهٰذَا الخ کبھی نہیں بھی لائی جاتی جیسے اَیُّهٰذَانِ۔

وامّا مَسْأَلتا الحذفِ فاحداهما ان یکون الاسم منادی، فتقول فی نداءِ الغلامِ والرَّجُلِ وَالْاِنْسَانِ یَا غلامُ ویَا رجلُ ویَا اِنسان، ویستثنی من ذلك امرانِ، اَحَدُهُمَا اسم الله تعالٰی فیجوزان تقول: یا الله فتجمع بین "یا" والالف وَاللامِ وَلَكَ قَطْعُ الفِ اسمِ اللهِ تعالٰی وحذفُها، والثانی الجُمْلَةُ المسمّٰی بها، فلو سمّیتَ بقولك "المنطلق زید" ثُمّ نادیتَه قلتَ: یا المنطلق زید، الثانیة: ان یکون الاسم مضافًا کقولك فی الغُلامِ والدَّارِ غلامی وداری، ولا تقل: الغلامِی ولا الدَّارِی، فتجمع بین ال والاضافة ویستثنی من ذلك مَسْأَلتانِ، اِحْدَاهُمَا ان یکون المضاف صفة معربة بالحروف، فیجوز حینئذٍ اجتماع ال والاضافة، وذلك نحو "الضَّارِبا زید" و "الضَّارِبُو زید"۔

اور حذف کی دو صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسم منادیٰ ہو۔ چنانچہ غلام، مرد اور انسان کو نداء دیتے وقت کہوگے، یَا غُلَامُ، یَا رَجُلُ، یَا اِنْسَانُ۔ اس سے دو امور مستثنیٰ ہیں۔ اوّل الله اس میں کہہ سکتے ہو یَا اَللّٰهُ کہ یاء اور الف لام دونوں کو جمع کر دو۔ اور آپ کو اللہ کے الف کو قطعی ماننے اور اس کو حذف کرنے کا اختیار ہے۔ دوسرا وہ جملہ جو الف لام سمیت کسی کا نام رکھدیا گیا ہو۔ چنانچہ اگر آپ کسی کا نام المنطلق زَیْد رکھدیں۔ پھر اس کو پکاریں تو یا المنطلق زَیْد کہیں گے۔ حذف کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسم مضاف ہو جیسے الغلامُ الدَّار میں آپ کا قول غلامی، داری، آپ الغُلَامِی الدَّارِی نہیں کہیں گے۔ کہ الف لام اور اضافت کو جمع کریں۔ اس سے دو شکلیں مستثنیٰ ہیں۔ پہلی یہ کہ مضاف صیغۂ صفت ہو جس کو اعراب بالحروف دیا گیا ہو۔ اس شکل میں الف لام اور اضافت کا اجتماع جائز ہے۔

لے خبردار! میدان جنگ میں حاضری سے اور لذتوں (کی جگہ) حاضر ہونے سے اے باز رکھنے والے کیا تو مجھ کو دوام عطا کرنے والا ہے؟ (نہیں: تو تو مجھ کو میرے حال پر چھوڑ) ؎ اے دونوں شخص تم اپنا اپنا توشہ کھاؤ۔ (باقی ۵۰۲ پر)

جیسے الضّاربا زید، الضّاربو زید۔

والثانیۃ: ان یکون المضافُ صفۃً والمضافُ الیہ معمولًا لھا وھو بالالف واللام، فیجوز حینئذٍ ایضًا الجمعُ بین ال والاضافۃ وذٰلک نحوُ "الضارب الرّجل" و "الراکب الفرس" وما عداھما لایجوزُ فیہ ذٰلک، خلافًا للفراء فی اجازۃ "الضارب زید" ونحوہٖ ممّا المضافُ فیہ صفۃ[1] والمضافُ الیہ معرفۃٌ بغیر الالِف واللام، والکوفیین کلّہم فی اجازۃ نحو "الثلاثۃ الاثواب"[2] ونحوہٖ ممّا المضافُ (فیہ) عددٌ والمضافُ الیہ معدودٌ، وللرّمانی والمبرّد والزمخشری فی قولہم (فی) "الضاربی"، و "الضاربک" و "الضاربہ" ان الضمیر فی موضع خفض بالاضافۃ۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مضاف صیغۂ صفت ہو اور مضاف الیہ اس کا معمول ہو اور معرف باللام ہو۔ اس صورت میں الف لام اور اضافت کا اجتماع جائز ہے۔ جیسے الضارب الرّجل، الراکب الفرس۔ ان دونوں شکلوں کے علاوہ میں یہ اجتماع جائز نہیں۔ الضارب زید اور اس جیسی ان تمام تراکیب کو جائز قرار دینے میں امام فراء کا اختلاف ہے[1]۔ جن میں مضاف صیغۂ صفت ہو اور مضاف الیہ معرفہ بغیر اللام ہو۔ اور الثلاثۃ الاثواب اور اس جیسی ان تمام تراکیب کو جائز قرار دینے میں تمام کوفیوں کا اختلاف ہے۔ جن میں مضاف عدد ہو۔ اور مضاف الیہ معدود ہو[2]۔ اور اہل عرب کے قول الضاربی، الضاربک[3] اور الضاربہ میں رمانی، مبرّد اور زمخشری کا اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ (ان میں) ضمیر اضافت کی وجہ سے محلِ جر میں ہے۔

---

[1] جمہور کے خلاف فراء "الضاربُ زید" جیسی ترکیب کو جائز کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اضافتِ لفظیہ کا جواز تخفیف پر موقوف ہوتا ہے۔ اور "الضارب زید" جیسی ترکیب میں تخفیف حاصل ہے۔ کیونکہ اضافت کی وجہ سے اوّلاً مضاف (الضارب) کی تنوین ساقط ہوکر تخفیف ہوئی ہے۔ اس کے بعد الف لام اس پر داخل ہوا ہے۔ لیکن علامہ ابن حاجبؒ شرح مفصل میں فراء کی تردید میں فرمایا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کیونکہ مضاف پر الف لام کا دخول ظاہرًا اور حسًّا اضافت سے مقدم ہے
(استفادہ از شرح جامی)

[2] علامہ ابن حاجبؒ نے اس رائے کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وجہِ ضعف بیان کرتے ہوئے ملّا جامیؒ نے کہا ہے کہ یہ اصولًا اور استعمالًا دونوں طرح ضعیف ہے۔ اصولًا تو اس لئے کہ اضافتِ معنویہ سے تخصیص و تعریف کا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ اور یہاں "الثلاثۃ" پر الف لام داخل ہونے کی وجہ سے تعریف پہلے سے حاصل ہے۔ پھر اگر اضافت سے بھی تعریف حاصل ہو تو تحصیلِ حاصل لازم آئیگا۔ وہو ممتنع۔ اور استعمالًا اس لئے کہ فصیح اہلِ عرب کے یہاں اس کا استعمال نہیں پایا جاتا۔
(الفوائد الضیائیہ)

[3] الضّاربک جیسی ترکیب علامہ ابن ہشامؒ کے نزدیک درست نہیں۔ کیونکہ بیان کردہ شرط مفقود ہے۔ لیکن علامہ زمخشریؒ
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ثم قلت: السّادس المضافُ لمعرفةٍ کـ «غلامی» و «غلام زید» واقول: هذا خاتمةُ المعارف، وهو المضاف لمعرفة وهو فی درجةِ ما اُضیف الیه، فـ «غلامُ زیدٍ» فی رُتبةِ العلم، و«غلام هذا» فی رتبةِ الإشارة، و «غلام الّذی جاء ك» فی رتبة الموصول، و «غلام القاضی» فی رتبةِ ذی الأداة، ولا یُستثنیٰ من ذلك الّا المضاف إلی المضمر کـ «غلامی» فانّهٗ لیس فی رتبة المضمر، بل هو فی رتبة العلم، وهذا هو المذهبُ الصّحیح، وزَعَمَ بعضهم انّ ما اضیف الی معرفة فهو فی رتبةِ ما تحتَ تلك المعرفة دائمًا وذهبَ اٰخرُ الی انّهٗ فی رتبتها مطلقًا ولا یستثنی المضمر، والذی یدلّ علی بطلان القول الثانی قولهٗ:

۷۳۔ کجُذْرُوفِ الوَلیدِ المُثَقَّبِ،

فوصف المضاف للمعرف بالاداة بالاسم المعرف بالاداة، والصّفةُ لاتکون اعرف مِنَ الموصوف وعلیٰ بُطلان الثالث قولهم: مررت بزیدٍ صاحبِك۔

م: چھٹا معرفہ وہ اسم ہے جس کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جیسے غلامی اور غلام زید۔

ش: یہ آخری معرفہ ہے۔ وہ اسم ہے جس کی اضافت کسی معرفہ کی طرف ہو۔ اور یہ مضاف الیہ (کی تعریف) کے درجہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ غلام زید علم کے درجہ (وحکم) میں ہے۔ اور غلام ھذا اسم اشارہ کے درجہ میں اور غلام الّذی جاءك موصول کے درجہ میں اور غلام القاضی معرف باللّام کے درجہ میں ہے۔ اور اس (اصول) سے کوئی مستثنیٰ نہیں، سوائے اس اسم کے جو ضمیر کی جانب مضاف ہو جیسے غلامی۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) رمانی، مبرد اور سیبویہ الضاربك کو ضاربك پر قیاس کرتے ہوئے جائز کہتے ہیں کیونکہ مضاف کے صیغہ صفت اور مضاف الیہ کے ضمیر متصل ہونے میں دونوں کا اشتراک ہے۔ اور ضاربك میں اضافت لازمی اور ضروری ہے چاہے تخفیف حاصل نہ ہو۔ کیونکہ اضافت نہ ماننے کی صورت میں اجتماع متنافیین لازم آتا ہے جو ناجائز ہے۔ اس لئے کہ بصورتِ عدم اضافت مضاف پر تنوین آئے گی۔ جو انفصال کا تقاضا کریگی اور ضمیر متصل اتصال کا۔ ملا جان محشی شرح جامی «ضاربك» کے جواز کی وجہ بیان کرتے ہیں، کہ اہل عرب جب اسم فاعل ومفعول غیر معرف باللام کو ان کے مفعولوں سے جوڑتے ہیں، جبکہ وہ مفعول ضمیر متصل ہوں تو تخفیف کا لحاظ کئے بغیر اضافت ہی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اس اصول کے پیش نظر جیسے «ضاربك» میں بلا لحاظ تخفیف اضافت درست ہے تو اس کے مشابہ «الضاربك» میں بھی بلا لحاظ تخفیف اضافت جائز ہے۔

اسلئے کہ یہ ضمیر کے حکم میں نہیں۔ بلکہ یہ علم کے درجہ میں ہے۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس کی اضافت کسی معرفہ کی طرف ہو وہ ہمیشہ اس معرفہ سے نیچے والے کے درجہ میں ہوگا۔[۱] اور دیگر بعض کا خیال ہے کہ ہر حال میں اسی (مضاف الیہ) کے درجہ میں ہوگا۔ اور ضمیر کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ دوسرے قول کے بطلان کی دلیل شاعر کا کلام بکذ دوف الخ ہے[۲]۔ کہ اس میں شاعر نے اس مضاف کی صفت اسم معرف بحرف التعریف کو بنایا ہے جس کی اضافت معرف بحرف التعریف کی طرف ہو رہی ہے۔ اور صفت تعریف میں موصوف سے بڑھی ہوئی نہیں ہوا کرتی ہے۔ اور تیسرے مذہب کے بطلان کی دلیل اہل عرب کا قول مررت بزید صاحبك ہے[۳]۔

ثم قلت: بابٌ۔ المرفوعاتُ عشرةٌ[۴]: احدُها الفاعِلُ وهو ماقُدِّمَ الفعلُ اوشِبْهُهٗ عليه و أُسنِد اليه على جهةِ قيامِهٖ به اووقوعِهٖ منه کـ «عَلِمَ زيدٌ»، و«ماتَ بكرٌ»، و«ضَرَبَ عمرٌو»، و «مُختلِفٌ الوانُهٗ» واقول: شرعتُ من هُنا فی ذکر انواعِ المعربات، وبدأتُ منها بالمرفوعات، لانها اَرکانُ الاِسنادِ وثَنَّیْتُ بالمنصوبات لانها فضلاتٌ غالبًا وختمتُ بالمجرورات، لانها تابعةٌ فی العُمدیّة والفَضلیّة لغیرها، وهو المضافُ فان کان عمدة فالمضاف الیه عمدة کما فی قولك «قام غلامُ زید» وان کان فضلةً فالمضاف الیه فضلة، کما فی قولك «رأیت غلامَ زید»، والتابع یتأخر عن المتبوع۔

م: باب: مرفوعات دس ہیں۔ پہلا فاعل ہے۔ وہ اسم ہے جس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو۔ اور اس کی اسناد اس اسم کی جانب اس کے ساتھ قیام یا اس سے صدور کے طور پر ہو رہی ہو۔ جیسے عَلِمَ زیدٌ، ماتَ بکرٌ، ضربَ عمرٌو۔ اور مختلف الوانہ۔

---

[۱] معارف کی ترتیب یہ ہے مضمرات پھر اعلام پھر اسماء اشارات۔ اس کے بعد معرف باللام اور موصولات۔ موخر الذکر دونوں برابر درجہ کے ہیں (شرح جامی ص۱۹۲)

[۲] امرؤ القیس نے گھوڑے کی برق رفتاری کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔ یمر کخذ دوف الخ وہ بچہ کنکر سوراخ دار پھرکی کی طرح گذر جاتا ہے۔ اس مثال میں المثقب (معرف باللام) کو خذروف (مضاف الی المعرف باللام) کی صفت بنایا گیا ہے۔ اگر مضاف الی المعرف باللام کی حیثیت معرف باللام سے کم مان لی جائے تو صفت کا موصوف سے اعرف ہونا لازم آئیگا۔ والصفة لاتکون اعرف من موصوفها۔

[۳] اس مثال میں علم یعنی زید کی صفت مضاف الی المضمر یعنی «صاحبك» کو بنایا گیا ہے۔ اگر صاحبك ضمیر کے درجہ میں ہوتا تو صفت کا موصوف سے اعرف ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ باطل ہے۔ (قطر الندی)

[۴] وانما قال المؤلف، غالبًا، لان بعض المنصوبات لیس فضلة، بل هو رکن من ارکان الاسناد، وذلك اسم ان، فانهٗ للمحکوم علیه، وخبر کان، فانه المحکوم به۔

ش : یہاں سے میں نے اقسام معربات کا تذکرہ شروع کیا ہے۔ اور ان میں سے پہلے مرفوعات کو ذکر کیا۔ کیونکہ یہ اسناد کے ارکان ہیں۔ دوسرے نمبر پر منصوبات کو رکھا۔ کیونکہ یہ عموماً فضلہ (زائد) ہوتے ہیں۔ اور مجرورات پر ختم کر دیا۔ کیونکہ یہ رکن وفضلہ ہونے میں تجریعنی مضاف کے تابع ہیں۔ چنانچہ اگر مضاف رکن ہے، تو مضاف الیہ بھی رکن ہوگا۔ جیسے قام غلام زید۔ اور اگر مضاف فضلہ ہو تو مضاف الیہ فضلہ ہوگا جیسے رأیت غلام زید اور تابع متبوع کے بعد آتا ہے۔ (اسی وجہ سے مجرور کو جو تابع ہے بعد میں ذکر کیا)

وبدأت مِنَ المرفوعات بالفاعل لِأمرين، اَحَدُهُمَا أن عاملَهُ لفظي وهو الفعل اوشبههُ بخلاف المبتدأ فانّ عاملَهُ معنوي، وهو الابتداء، والعامِل اللفظي اقوىٰ من العامل المعنوي بدليلِ أنّهُ يُزيل حكمَ العامل المعنوي، تقول في زيد قائمٌ «كان زيد قائمًا» «وانّ زيدًا قائمٌ» «وظننت زيدًا قائمًا» ، ولما بيّنت ان عامل الفاعِلِ اقوىٰ كان الفاعِلُ اقوىٰ، والاقوىٰ مقدم على الاضعف ، والثاني : انّ الرفع في الفاعل للفرق بينهُ وبين المفعول وليسَ هو في المبتدأ كذلك ، والاصل في الاعراب ان يكون للفرق بين المعاني فَقَدّمتُ ما هو الاصل۔

اور میں نے مرفوعات میں سے فاعل کا تذکرہ دو وجہوں سے کیا۔ ایک یہ کہ اس کا عامل لفظی ہوتا ہے۔ اور وہ فعل یا شبہ فعل ہے۔ بخلاف مبتدا کے کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے۔ اور وہ ابتداء ہے۔ اور عامل لفظی، عامل معنوی سے قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ عامل معنوی کے اثر کو ختم کر دیتا ہے۔ جیسے زید قائمٌ میں کان زید قائمًا، انّ زیدًا قائمٌ، ظننت زیدًا قائمًا۔ اور جب میں نے یہ بیان کر دیا کہ فاعل کا عامل قوی ہے تو فاعل بھی قوی ہوگا۔ اور قوی ضعیف پر مقدم ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ فاعل کا رفع، فاعل اور مفعول کے درمیان فرق کرنے کے لئے ہے۔ اور مبتدا میں ایسی صورت نہیں۔ اور اصل اعراب میں یہی ہے کہ وہ معانی کے مابین فرق کرنے کے لئے ہو۔ لہٰذا میں نے اصل ہی کو مقدم کیا۔

والضمير في قولي «وهو» للفاعل، وقولي «ما قدم الفعل اوشبههُ عليه» مُخرِجٌ لنحو «زيدٌ قامَ» و «زيد قائمٌ» فانّ زيدًا فيهما أُسندَ اليهِ الفعلُ وشبهُهُ ولكنهما لم يقدّما عليه، ولابُدّ من هذا القيدِ، لانّ به يتميز الفاعل من المبتداء، وقولي «اسند اليه» مُخرِجٌ لنحو «زيدًا» في قولك «ضربت زيدًا» و «انا ضاربٌ زيدًا» ، فإنهُ يصدق عليه فيهما انّهُ قُدِّمَ عليهِ فعلٌ اوشبههُ ولكنهما لم يُسنَدَا إليهِ۔

اور میرے قول "وھو" کی ضمیر فاعل کی طرف راجع ہے۔ اور میرا قول "ما قدّم الفعل او شبهه عليه" "زيدٌ قائمٌ" اور "زيد قائمٌ" جیسے کو نکال رہا ہے۔ کیونکہ ان دونوں مثالوں میں زید کی طرف فعل اور شبہِ فعل کی اسناد تو ہو رہی ہے۔ مگر فعل و شبہِ فعل زید سے مقدم نہیں۔ اور اس قید کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے فاعل مبتدا سے ممتاز ہوتا ہے۔ اور میرا قول "أُسند اليه" "ضربتُ زيداً" اور "انا ضاربٌ زيداً" میں زید جیسے کو خارج کر رہا ہے۔ کیونکہ اس پر یہ بات تو صادق آ رہی ہے کہ اس سے پہلے فعل یا شبہِ فعل ہے لیکن فعل و شبہِ فعل کی اسناد زید کی طرف نہیں ہو رہی ہے۔

وقولي "على جهة قيامه به أو وقوعه منه" يخرج لمفعولِ ما لم يُسَمَّ فاعلُه، نحو "ضُرِبَ زيدٌ" و "عمرٌو مضروبٌ غلامُه" فزيدٌ والغلامُ وإن صدق عليهما أنهما قُدِّمَ عليهما فعلٌ وشبهُه وأسند اليهما لكن هذا الاسناد على جهة الوقوع عليهما لا على جهة القيام به كما في قولك: علم زيدٌ او الوقوع منه كما في قولك "ضَرَبَ عمرٌو". ومَثَّلْتُ لِما أُسند اليه شبهُ الفعلِ بقوله تعالى: (مختلفٌ الوانه) فَأَلْوَانُهُ فاعلٌ لمختلف، لأنه اسم فاعل، فهو في معنى الفعل والتقدير: وصِنفٌ مختلفٌ الوانه اي يختلف الوانه، فحُذِفَ الموصوفُ وأُنيبَ الوصفُ عن الفعلِ وقولهُ تعالى: (كذلك) اي اختلافاً كالاختلاف المذكور في قوله تعالى: (وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ)

اور میرا قول "على جهة قيامه به او وقوعه منه" مفعول مالم یسمّ فاعلہ کو خارج کر رہا ہے۔ جیسے "ضُرِبَ زیدٌ" و "عمرٌو مضروبٌ غلامه" اگرچہ زید اور غلام پر یہ بات صادق آ رہی ہے کہ ان سے پہلے فعل اور شبہِ فعل ہے۔ اور ان کی طرف اسناد بھی ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اسناد ان پر وقوع کے طور پر ہے۔ نہ کہ قیام کے طور پر جیسا کہ "علم زید" میں ہے۔ اور نہ ہی اس سے صُدور کے طور پر ہے۔ جیسا کہ "ضرب عمرٌو" میں ہے۔ اور میں نے اس فاعل کی مثال میں جس میں اس کی طرف شبہِ فعل کی اسناد ہو رہی ہو باری تعالیٰ کے ارشاد "مختلفٌ الوانهُ" کو پیش کیا۔ "الوانه" "مختلف" کا فاعل ہے۔ کیونکہ یہ اسم فاعل ہے جو بمعنی فعل ہے۔ تقدیر عبارت "وصنف مختلف الوانه" ہے یعنی (ایک نوع وہ ہے) جس کے رنگ جدا جدا ہیں۔ پھر موصوف کو حذف کر دیا گیا اور صیغۂ صفت (اسم فاعل) کو فعل کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اور (اس کے بعد) باری تعالیٰ کا ارشاد "کذلك"

کا مطلب یہ ہے کہ (اس کے رنگوں میں) وہی اختلاف ہے جو باری تعالیٰ کے ارشاد وَمِنَ الْجِبَالِ الخ میں مذکور ہے۔

ثم قلت: الثانی نائبه، وهو: ما حذف فاعله واقیم هو مقامه وغیّر عامله الی طریقة فُعِلَ اَوْ یُفْعَلُ او مفعولٍ، وهو المفعول به، نحو (وَقُضِيَ الْاَمْرُ) وان فُقِدَ فالمصدر نحو (فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ) (فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ)، او الظرف نحو، صِيْمَ رمضانُ، وجُلِسَ اَمَامَكَ، او المجرور نحو (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ) ومنه (لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا) واقول: الثانی من المرفوعات: نائب الفاعل، وهو الذی یعبّرون عنه بمفعول مالم یُسَمَّ فاعلهُ؛ والعبارة الاولیٰ اولیٰ لوجهین؛ احدهما: ان النائب عن الفاعل یکون مفعولًا وغیرہٗ کما سیأتی، والثانی ان المنصوب فی قولک ، اُعْطِيَ زَيْدٌ دِيْنَارًا ، یصدق علیه انهٗ مفعول للفعل الذی لم یُسَمَّ فاعلهُ ولیس مقصودًا لهم۔ ومعنی قولی ، اقیم هو مقامه ، انهٗ اقیم مقامهٗ فی اسناد الفعل الیه۔

م: دوسرا (مرفوع) نائب فاعل ہے۔ وہ ایسا اسم ہے جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو۔ اور اس کو فاعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہو، اور اس کے عامل کو بدل کر فُعِلَ یا یُفْعَلُ یا مفعولٌ کے انداز پر لایا گیا ہو اور وہ مفعول بہ ہوتا ہے۔ جیسے وَقُضِيَ[1] الْاَمْرُ اور یہ نہ ہو تو مصدر ہوتا ہے۔ جیسے فَاِذَا نُفِخَ[2] فِي الصُّوْرِ، فَمَنْ عُفِيَ[3] لَهٗ الخ یا ظرف ہوتا ہے جیسے صِيْمَ رَمَضَانُ، اور جُلِسَ اَمَامَكَ یا مجرور ہوتا ہے۔ جیسے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ[4] عَلَيْهِمْ۔ اور اسی قبیل سے لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا ہے۔

ش: دوسرا مرفوع نائب فاعل ہے۔ یہ وہی ہے جس کی تعبیر مفعول مالم یسم فاعلهٗ سے کرتے ہیں۔ پہلی تعبیر دو وجہوں سے زیادہ بہتر ہے۔ ایک یہ کہ نائب فاعل، مفعول، غیر مفعول (دونوں) ہوتا ہے۔ (لہٰذا مفعول کے ساتھ نام رکھنا اچھا نہیں) کما سیأتی۔ دوسری وجہ یہ کہ اُعْطِيَ زَيْدٌ دِيْنَارًا میں منصوب (دینارًا) پر

---

[1] اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں۔ سفید اور سرخ، کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ (پ ۲۲)
[2] اور قصہ ختم ہوا (پ ۱۲) [3] پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماردی جائے گی (پ ۲۹) [4] جزء آیت و من اخیہ۔ میں دو احتمال ہیں جیسا کہ شرح میں آرہا ہے۔ (۱) من بیعیہ اور اخ سے مراد مقتول (۲) ابتدائیہ اور اخ سے مراد ولی الدم۔ پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا: ہاں جس شخص کو اس کے بھائی (ہونے کی) وجہ سے کچھ معافی ہو جائے۔ دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا: ہاں جس شخص کو اس کے بھائی (حقدار قصاص) کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے۔ پ ۲) [5] نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا۔ (پ ۱)۔
[6] یعنی اصل یہ ہے کہ مفعول بہ کو نائب فاعل بنایا جائے۔ اور اگر مفعول بہ نہ ہو تو مصدر اور ظرف وغیرہ کو نائب فاعل بنایا جائے۔

یہ بات صادق آرہی ہے کہ یہ اس فعل کا مفعول ہے جس کا فاعل مذکور نہیں۔ حالانکہ یہ (لغۃً مفعول مالم یسمّ فاعلہٗ ہونے کے باوجود) ان کا مقصود (نائب فاعل) نہیں۔ اور میرے قول۔ قیم ھو مقامہٗ۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی طرف فعل کی اسناد میں قائم مقام ہو۔

ولمّا فرغتُ من حدّہٖ شرعت فی بیان مَا یعمَل بعد حذفِ الفاعل: فذکرتُ ان الفعل یجب تغییرہٗ الی فُعِلَ اَو یُفعَل، ولا اُرِیدُ بذلک ھذین الوزنین، فان ذلک لا یتأتی الّا فی الفعل الثلاثی وانما اُرِیدُ انہٗ یُضَمّ اوّلہٗ مطلقًا ویُکسَرُ مَا قبل اٰخرہٖ فی الماضی، ویُفتح فی المضارع، ثم بعد ذلک یُقامُ المفعولُ بہٖ مقامَ الفاعل فَیُعْطیٰ اَحکامَہٗ کُلَّھا، فیصیر مرفوعًا بعد اَن کان منصوبًا وعمدۃً بعد اَن کان فضلۃً، وَوَاجِبَ التاخیرِ عن الفعل بعد أن کان جائزَ التقدیمِ علیہ۔

اور جب میں اس کی تعریف سے فارغ ہوا تو اس عمل کے بیان کو شروع کیا جو فاعل کے حذف کے بعد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے بیان کیا کہ فعل کو فُعِلَ یا یُفعَل میں بدلنا ضروری ہے۔ اور اس سے میری مراد یہی دونوں وزن نہیں۔ کیونکہ یہ تو صرف ثلاثی فعل میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ میری مراد یہ ہے کہ پہلا حرف دونوں (ماضی ومضارع) میں مضموم ہو۔ اور ما قبل آخر ماضی میں مکسور ہو۔ اور مضارع میں مفتوح۔ پھر اس کے بعد مفعول بہ کو فاعل کے قائم مقام کرکے اس کے تمام احکام اس کو دیدیئے گئے ہوں جس کے نتیجہ میں یہ مرفوع ہو جائیگا۔ جبکہ پہلے یہ منصوب تھا۔ اور رکن بن جائیگا جبکہ پہلے فضلہ تھا۔ اور فعل سے وجوبًا مؤخر ہو جائیگا۔ جبکہ پہلے یہ جائز التقدیم تھا

والمفعولُ بہٖ عند المحققین مقدمٌ فی النیابۃِ علیٰ غیرہٖ وجوبًا، لانہٗ قد یکون فاعلًا فی المعنی کقولک۔ اعطیتُ زیدًا دینارًا، الا تری انہٗ اٰخِذٌ، واوضح من ھذا۔ ضَارَبَ زیدٌ عمرًا۔ لانّ الفعل صَادِرٌ من زید وعمرو، فقد اشترکا فی ایجاد الفعلِ حتّی ان بعضھم جوّزَ فی ھذا المفعولِ ان یُرفَعَ صفتُہٗ فیقول۔ ضَارَبَ زیدٌ عمرًا الجاھلُ۔ لانہٗ نعت المرفوع فی المعنی ومَثَّلتُ لنیابتہٖ عن الفاعلِ بقولہٖ تعالیٰ (وَقُضِیَ الْاَمْرُ) واصلہٗ قضی اللّٰہُ الامرَ، فحذف الفاعل للعلم بہٖ ورُفِعَ المفعولُ بہٖ وغُیِّرَ الفعلُ بِضَمّ اوّلہٖ وکسر مَا قبل اٰخِرِہٖ فَانْقَلَبَتِ الْاَلِفُ یاءً۔

اور محققین کے نزدیک نیابت میں مفعول بہٖ غیر مفعول بہٖ پر وجوبًا مقدم ہوگا۔ کیونکہ یہ کبھی معنًی فاعل ہوتا ہے۔ جیسے اعطیتُ زیدًا دینارًا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ زید لینے والا ہے۔ اور اس سے زیادہ واضح (مثال) ضَارَبَ زیدٌ عمرًا ہے۔ کیونکہ فعل (ضرب) زید وعمرو سے سرزد ہو رہا ہے۔ ایجادِ فعل میں دونوں شریک ہیں۔

اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس مفعول کی صفت کو رفع دیا جانا ناجائز قرار دیا ہے۔ جیسے ضارب زید عمرًا الجاھلُ کیونکہ یہ مرفوع معنوی (عمرًا) کی صفت ہے۔ اور میں نے اس کے نائب فاعل ہونے کی مثال قضی الامر سے دی ہے۔ اصل قضی اللہُ الأمرَ ہے۔ پھر فاعل کو اس کے معلوم (ومشہور) ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور مفعول بہ کو رفع دیا گیا۔ اور فعل میں، پہلے حرف میں ضمہ اور ماقبل آخر کو کسرہ دیکر تبدیلی کی گئی۔ پھر الف یا سے بدل گیا۔

فان لم یکن فی الکلام مفعول بہٖ اقیم غیرہ من مَصْدرٍ، أوظرف زمان او مکان، أو مجرور فالمصدر کقولہٖ تعالیٰ: (فاذا نفخ فی الصُّورِ نفخۃٌ واحدۃٌ) وقولِہٖ تعالیٰ: فمن عُفِی لہٗ من اخیہ شیءٌ) وکون «نفخۃ» مصدرًا واضح، واما «شیءٌ» فلانہٗ کنایۃ عن المصدر وھو العفو، والتقدیر۔ واللہ اعلم۔ فای شخص من القاتل عفی لہٗ عفوًا ما من جھۃِ اخیہ، والاخ ھنا یحتمل لوجھین۔ احدھما ان یکون المراد بہ المقتول فـ «مِن» للتسبیۃ، ای بسببہٖ، وانما جعل اخا تعطیفًا علیہ وتنفیرًا عن قتلہٖ، لانّ الخلق کلّھم مشترکون فی انّھم عَبِیدُ اللہ، فھم کالاخوۃ فی ذلک، ولانھم اولادُ أبٍ واحدٍ وامٍّ واحدۃٍ، والثانی: ان المراد بہٖ وَلیُّ الدّم، وسُمّی اخا ترغیبًا لہٗ فی العفو، و «مِن» علی ھذا، لابتداءِ الغایۃ، وھٰذا الوجہُ اَحسنُ لوجھین: احدھما اَنّ کونَ «مِن» لابتداء الغایۃ اشھرُ من کونِھا للتسبیۃِ والثانی: ان الضمیر فی قولہٖ تعالیٰ: (وادَاءٌ الیہ) راجع الی مذکورٍ فی ھٰذا الوجہِ دون الاوّلِ۔

اور اگر کلام میں مفعول بہ نہ ہو تو اس کے علاوہ مصدر یا ظرف زمان یا مکان یا مجرور کو اس کے قائم مقام کر دیا جائیگا۔ مصدر کی مثال جیسے فَاِذَا نُفِخَ الخ۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد فَمَنْ عُفِیَ الخ ہے۔ نفخۃ کا مصدر ہونا واضح ہے۔ رہا «شیء» تو وہ اس وجہ سے (مصدر ہے) کہ مصدر یعنی عفو سے کنایہ ہے۔ تقدیر عبارت۔ واللہ اعلم فای شخص الخ ہوگی (یعنی جس قاتل شخص کو بھائی ہونے کے لحاظ سے کچھ بھی معافی دیدی جائے۔ یہاں الاخ دو صورتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ اس سے مراد مقتول ہو۔ اس صورت میں «من» سببیہ ہوگا۔ یعنی مقتول کی وجہ سے، اور اس کو اس پر مہربان کرنے اور قتل سے نفرت دلانے کے لئے بھائی قرار دیا گیا۔ کیونکہ تمام مخلوق اللہ کے بندے ہونے میں شریک ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سب اس سلسلہ میں بھائی بھائی ہیں۔ اور اس لئے کہ تمام لوگ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے مراد قصاص کا ذمہ دار ہے

اس کو معافی کی رغبت دلانے کے لئے بھائی کہا گیا۔ اور مِنْ اس صورت میں ابتدا رغایت کے لئے ہوگا۔ یہ صورت دُو وجہوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اول یہ کہ مِنْ کا ابتدار غایت کے لئے ہونا اس کے سببیہ ہونے کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہے۔ دوسری یہ کہ (آگے) باری تعالیٰ کے ارشاد (وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ) کی ضمیر اس صورت میں مذکور کی جانب لوٹ رہی ہے نہ کہ پہلی صورت میں۔

وظرف الزمان، كقولك «صِيْمَ رمضانُ» واصلهٗ صَامَ الناسُ رمضانَ، وظرف المكان، كقولك «جُلِسَ اَمَامُكَ» والدَّليلُ على ان الأمَامَ من الظروف المتصرفة التى يجوز رفعها قولُ الشاعر:

۴۷۔ فَغَدَتْ كِلَا الفَرْجَيْنِ تَحْسِبُ اَنَّهٗ ❊ مَوْلَى المَخَافَةِ خَلْفُهَا واَمَامُهَا

فموضِعُ «كِلَا» رفع بالابتداء، و «خَلْفُهَا» بدل منه، و «امامُهَا» عطف عليه۔ والجملة التى هى «تحسبُ» ومَا بعدها فى موضع رفع خبر المبتدأ، والعائد على المبتدأ الهاء المتصلة بانَّ، وانما يصف الشاعر بقرةَ وحشٍ بالتبلّد، وأنها لا تدرى على اىّ شيءٍ تَقْدِمُ، ولابُدّ مِنْ تقدير واو حال قبل «كلا» فكأنهٗ قال: فغدت هٰذه الوحشية وكلا الفرجين اللّتين هما خلفها وامامها تحسبُ انهٗ مولى المخافة اى: المكان الذى تُوُقّىَ فيه۔

اور ظرف زمان (کے نائب فاعل بننے کی مثال) جیسے صِيْمَ رَمضانُ اس کی اصل صَامَ النَّاسُ رَمضانَ ہے۔ اور ظرفِ مکان جیسے جُلِسَ اَمَامُكَ اور اس کی دلیل کہ «امام» ان معرب ظروف میں سے ہے جن کا مرفوع ہونا جائز ہے۔ شاعر کا قول فغدت[1] الخ ہے۔ «کلا» کا محل مبتدا ہونے کی وجہ (محل) رفع ہے۔ اور خلفها اس سے بدل۔ اور اَمَامهَا اس (خلفها) کا معطوف ہے۔ اور جملہ یعنی تحسبُ اپنے مابعد سے ملکر مبتدا کی خبر کے محل رفع میں ہے۔ اور مبتدا کا عائد وہ (ضمیر) ہا ہے جو انّ سے متصل ہے۔ شاعر نیل گائے کی ناسمجھی اور اس (حیرانی وبدحواسی) کو بیان کر رہا ہے کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی ہے کہ کس چیز (راستہ) کی ہمت کرے اور «کلا» سے پہلے واو حالیہ کا ماننا ضروری ہے۔ گویا کہ شاعر نے کہا فغدت هٰذه الخ اس نیل گائے کی ایسی حالت ہوگئی کہ سامنے والے اور پیچھے والے دونوں راستوں کو سمجھ رہی ہے کہ یہ ڈر کا مقام ہے یعنی وہ جگہ ہے جس میں ڈر ہوتا ہے

---

[1] یہ شعر لبید بن ربیعہ عامری کا ہے۔ وہ نیل گائے اپنے سامنے اور پیچھے دونوں پہاڑی راستوں کے بارے میں خیال کرنے لگی کہ یہ راستے خطرناک ہیں فتح کشادگی۔ پہاڑی راستہ ج فروج۔ اور خلفها بدل اور كلا الفرجين مبتدا اور مبدل منہ ہے۔

والمجرور كقوله تعالیٰ: (وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا) فيوخذ فعل مضارع مبنی لما لم يسم فاعله، وهو خالٍ من ضمير مستتر فيه، و (منها) جار ومجرور فی موضع رفع: ای لا يكن اخذ منها، ولو قدر ما هو المتبادر من ان فی (يوخذ) ضميرًا مستترًا هو القائم مقام الفاعل، و (منها) فی موضع نصب، لم يستقم، لان (ذلك) الضمير عائد حينئذٍ علی (كلّ عدلٍ) و « كل عدل » حدث والأحداث لا تُوخذ، وإنما توخذ الذوات، نعم ان قدر أن (لا يوخذ) بمعنی لا يقبل صح ذلك وفهم من قولی « فان فُقِدَ فالمصدر - الی آخره » انه لا يجوز اقامة غير المفعول به مع وجود المفعول به، وهو مذهب البصريين الا الاخفش واستدل المخالفون بنحو قول الشاعر:

۷۵- أُتِيحَ لِي مِنَ العِدَا نَذِيرًا ... بِهِ وُقِيتُ الشَّرَّ مُسْتَطِيرًا

وبقراءة ابی جعفر (لِيُجْزَى قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ) فاقيم فيهما الجار والمجرور، وترك المفعول به منصوبًا۔

اور مجرور (کے نائب فاعل بننے کی مثال) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد وان تعدل الخ اس میں یوخذ فعل مضارع ہے جس کو بنایا گیا ہے ایسے اسم کے لئے جس کا فاعل مذکور نہو۔ (یعنی فعل مضارع مجہول ہے) اور یہ ضمیر مستتر سے خالی ہے۔ اور « منہا » جار مجرور ہوکر (نائب فاعل ہونے کی وجہ سے) محل رفع میں ہے ۔ ترجمہ: اس سے لینا نہیں ہوگا۔ اور اگر وہی مقدر مانا جائے جو سمجھا جاتا ہے کہ « یوخذ » میں ضمیر مستتر ہے۔ جو نائب فاعل ہے۔ اور « منہا » محل نصب میں ہے تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ اس وقت ضمیر « کلّ عدلٍ » کی جانب لوٹے گی ۔ اور « کل عدل » عرض ہے۔ اور اعراض کو نہیں لیا جاتا ہے بلکہ ذوات کو لیا جاتا ہے۔ ہاں اگر یہ مانا جائے کہ لَا يُؤْخَذُ بمعنی لَا يُقْبَلُ ہے تو درست ہوجائیگا۔ اور (متن میں مذکور) میرے قول فَانْ فُقِدَ فالمصدر الخ سے یہ بات سمجھی گئی کہ مفعول بہ کے ہوتے ہوئے غیر مفعول بہ کو نائب فاعل بنانا جائز نہیں ہے۔ سوائے اخفش کے تمام بصریوں کا یہی مذہب ہے۔ (مگر) مخالفین نے شاعر کے قولؔ « اتیح الخ » جیسے سے اور ابو جعفر کی قرارت لیجزیؔ الخ سے استدلال کیا ہے کہ ان دونوں میں جار مجرور کو نائب فاعل بنایا گیا اور مفعول بہ کو منصوب رکھا گیا ۔

له اور اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے۔ پ۱۴) ؎ے مجھے دشمنوں میں سے ایسا ڈرانیوالا میسر آگیا جس کے ذریعہ میں پھیلنے والے شر سے محفوظ ہوگیا۔ عِدًا جمع عدو۔ دشمن۔

(باقی صفحہ آئندہ پر)

ثم قلت: ولا يحذفان، بل يستتران، ويحذف عاملهما جوازاً نحو «زيد» لمن قال «من قام» او «من ضرب»، ووجوباً نحو (اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ، وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ) ولا يكونان جملة فنحو (وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ) على اضمار التبين، ونحو (وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ) على الاسناد الى اللفظ، ويؤنث فعلهما لتانيثهما، وجوباً في «الشمس طلعت» و «قامت هند» او «الهندان» او «الهندات»، وجوازاً: راجحاً في نحو «طلعت الشمس» ومنه «قامت الرجال» او «النساء» او «الهنود» و «حضرت القاضيَ امرأةٌ» ومثل قامت النساء، نعمت المرأة هند» ومرجوحاً في نحو «ما قام الا هندٌ» وقيل ضرورةٌ، ولا تلحقه علامة تثنية ولا جمع، وشذ نحو «اكلوني البراغيث».

اور (فاعل نائب فاعل) محذوف نہیں ہوتے، بلکہ وہ مستتر (ضمیریں) ہوجاتے ہیں۔ اوران کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے جوازاً جیسے «زید» اس شخص کے جواب میں جو «مَن قام» یا «مَن ضرب» کہے۔ اور وجوباً جیسے اِذَا السَّمَآءُ[1] الخ اور یہ جملہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا وَتَبَيَّنَ لکم[2] الخ جیسے جملے) تبین کی ضمیر ماننے پر محمول ہے[3]۔ اور وَاِذَا قِیْلَ[4] الخ جیسا اسنادِ لفظی پر۔ اوران کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ان کے فعل کو الشمسُ طلعت وغیرہ میں بطور وجوب مؤنث لایا جائیگا۔ اور طلعتِ الشمسُ میں بطور راجح جواز (مؤنث لایا جائیگا) اوراسی حکم میں قامت الرِّجالُ وغیرہ ہے۔ اور مَا قام اِلّا ھندٌ جیسے میں بطور مرجوح جواز مؤنث لایا جائیگا) اور کہا گیا ہے کہ (وقوع فاعل بعدِ اِلّا جیسی مثالوں میں فعل کا مؤنث آنا مرجوح بھی نہیں بلکہ) ضرورۃً ہے۔ اور فعل میں علامتِ تثنیہ وجمع لاحق نہیں ہوتی۔ اور اکلونی البراغیث جیسی مثالیں شاذ ہیں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) [5] تاکہ ایک قوم کو ان کے عمل کا صلہ دیا جائے (پ ۲۵ ۱۸) یہ ترجمہ فعل کو مجہول مان کر کیا گیا ہے جبکہ امام حفصؒ کی قرارت میں فعل معروف ہے۔ ابوجعفر کی قرارت سے معلوم ہوا کہ مفعول بہ کے ہوتے ہوئے بھی جار مجرور کو نائب فاعل بنانا جائز ہے۔ اگرچہ مفعول بہ جار مجرور سے مقدم ہو۔ وھذا ھو رأی الکوفیین۔ لیکن بصریین نے کوفیوں کے اس استدلال کی دو طرح سے تردید کی ہے۔ اوّل یہ کہ جار مجرور کا نائب فاعل ہونا متعین نہیں۔ بلکہ نائب فاعل یجزی کی ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع یجزی کا مصدر «جزاء» ہے۔ دوم یہ کہ یہ قرارت شاذ ہے جو ناقابلِ استدلال ہوتی ہے۔ (منتہی الارب)

[1] جب آسمان پھٹ جائیگا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا، اور وہ اسی لائق ہے۔ اور جب زمین کھینچکر بڑھادی جائیگی (پ ۳۰)

[2] اور تم کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا (پ ۱۳ ۱۹)

[3] یعنی تَبَیَّنَ میں ایک ضمیر مستتر ہے۔ اس کے مصدر «تَبَیُّن» کی جانب راجع ہے۔

[4] اور جب کہا جاتا تھا اللہ کا وعدہ حق ہے۔ (پ ۲۵ ۲۰)

واقول: ذکرت ھنا خمسۃ احکامٍ یشترك فیھما الفاعلُ والنائبُ عنه۔ الحکم الاول: أنھما لایحذفانِ، وذلك لأنھما عمدتانِ ومُنَزَّلان من فعلِھما منزلۃَ الجزء، فإن وَرَدَ ما ظاھرُہٗ انھما فیه محذوفان فلیسَ محمولاً علی ذلك الظاھر، وَاِنَّمَا ھو محمول علی انھما ضمیرانِ مستترانِ، فمن ذلك قول النبیّ صلی اللہ علیه وسلم: "لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَایَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ" ففاعلُ "یَشْرَبُ" لیسَ ضمیرًا عائدًا الی مَاتَقَدَّمَ ذکرُہٗ وھو الزانی ـ لانّ ذلك خلافُ المقصودِ، ولا الاصل "ولایشرب الشارب" فحذف الشارب، لانَّ الفاعلَ عمدۃٌ فلایحذف، و انما ھو ضمیر مستتر فی الفعل عائدٌ علی الشارب الَّذِی استلزمه "یشرب" {فان یشربُ" یستلزم الشارب} وَحَسَّنَ ذلك تَقدمُ نظیرِہٖ، وھو "لایزنی الزانی" وعلیٰ ھٰذا فقِس، وتَلَطَّفْ لِکل موضعٍ بما یناسبهُ، وعن الکسائیُ اجازۃ حذف الفاعل، وتابعَهٗ علی ذلك السّھیلیُّ وابنُ مَضاء۔

ش: یہاں میں نے پانچ احکام ذکر کئے ہیں جن میں فاعل، نائب فاعل دونوں شریک ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ یہ دونوں حذف نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ دونوں رکن ہیں۔ اور اپنے فعل کے لئے جزء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو اگر (کہیں) ایسا جملہ آجائے جس کا ظاہر یہ ہو کہ اس میں یہ دونوں (فاعل یا نائب فاعل) محذوف ہیں۔ تو وہ ظاہر پر محمول نہیں ہوگا، بلکہ وہ اس پر محمول ہوگا کہ وہ ضمیریں ہیں جو مستتر ہیں[1]

---

[1] مصنف کی یہ بات کہ فاعل و نائب فاعل محذوف نہیں ہوتے۔ نائب فاعل کے حق میں تو صحیح ہے۔ لیکن فاعل کے حق میں درست نہیں ہے۔ کیونکہ منتہی الارب کی تصریح کے مطابق آٹھ قسم کے فاعل محذوف ہوتے ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل چار کا تذکرہ خود ابن ہشام نے قطر الندیٰ میں فرمایا ہے۔ (۱) مصدر کا فاعل جیسے "أوْاِطْعَامٌ فِی یَوْمٍ ذِی مَسْغَبَۃٍ الخ" میں اِطْعَام کا فاعل "أحَد" محذوف ہے۔ (۲) فعل تعجب کی ایک قسم "أفْعِلْ" کا فاعل بشرطیکہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر مذکور ہو چکی ہو جو فاعل محذوف پر دال ہو جیسے "اسمع بہم والبصر" میں البصر کا فاعل محذوف ہے۔ (۳) فعل مجہول کا فاعل کیونکہ نائب فاعل اس کی قائم مقامی کرتا ہے۔ (۴) وہ فاعل جس کا قائم مقام اس کے بعد کو بنا دیا گیا ہو جیسے مَاقَامَ اِلَّاھِنْدٌ میں محققین کے نزدیک ھند، قام کے فاعل محذوف (احد) سے بدل ہے۔ بقیہ چار میں یہ اختلاف ہے کہ ان میں فاعل محذوف ہوتا ہے۔ یا سرے سے ان کو فاعل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

(تفصیل کے لئے النحو الوافی ص ۲۷ اور منتہی الارب کا مطالعہ فرمائیے)

چنانچہ اسی قبیل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لا یزنی الخ ہے۔ "یشرب" کا فاعل نہ تو اس زانی کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ خلافِ مقصود ہے۔ اور نہ ہی اس کی اصل "لایشربُ الشاربُ" ہے۔ کیونکہ فاعل رکن ہے۔ لہٰذا اس کو حذف نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ (فاعل) فعل کی وہ مستتر ضمیر ہے جو اس "شارب" کی طرف رہی ہے۔ جس کو "یشرب" مستلزم ہے۔ اس لئے کہ "یشرب" "الشارب" کو مستلزم ہے۔ اور اس کی سابقہ نظیر "لایزنی الزانی" نے اس کا جواز ثابت کر دیا۔ اور اس پر (دوسری مثالیں) قیاس کر لیجئے۔ اور ہر موقع پر اس کے مناسب تاویل کر لیجئے۔ اور امام کسائیؒ سے فاعل کو حذف کرنے کا جواز منقول ہے۔ اور اس مسئلہ میں سہیلی اور ابن مضاء نے ان کی تقلید کی ہے۔

الثانی ان عاملھما قد یُحذَفُ لِقرینۃٍ وان حذفَہ علی قسمین: جائزٌ، وواجبٌ، فالجائز کقولك "زیدٌ" جوابًا لمن قال لك "مَن قامَ؟" او "مَن ضُرِبَ؟" فـ"زیدٌ" فی جوابِ الاوّل فاعل فعلٍ محذوفٍ، وفی جواب الثانی نائبٌ عن فاعل فعلٍ محذوفٍ، وإن شئتَ صرحتَ بالفعلین فقلتَ "قامَ زیدٌ" "وضُرِبَ عمروٌ"۔ والواجبُ ضابطُہ: ان یتأخرعنہ فعلٌ مفسّرٌلہ۔ وقد اجتمع المثالانِ فی الآیۃِ الکریمۃ: فـ(السّماءُ) فاعل بـ(انشقت) محذوفۃ، کالسّماء فی قولہٖ تعالیٰ: (فاذا السّماء انشقت) الّا انّ الفعل ھنا مذکور، و "الارضُ" نائبٌ عن الفاعلِ، "مُدّتْ" محذوفۃ وکل من الفعلین یفسّرہ الفعل المذکور، فلایجوزان یتلفظ بہ، لانّ المذکور عِوض عن المحذوف وھم لایجمعون بین العوض والمعوض عنہ۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ ان دونوں کا عامل کبھی قرینہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا اور اس کے حذف کی دو قسمیں ہیں (۱) جائز، (۲) واجب۔ جائز کی مثال جیسے "زید" اس شخص کے جواب میں جو تم سے "مَنْ قَامَ؟ یا مَنْ ضُرِبَ" کہے چنانچہ "زید" پہلے کے جواب میں فعل محذوف کا فاعل ہے۔ اور دوسرے کے جواب میں فعلِ محذوف کا نائب فاعل ہے، اور اگر تم دونوں فعلوں کو ذکر کرنا چاہو تو کہو گے قامَ زیدٌ، ضُرِبَ عمروٌ [2]۔ اور جہاں حذف واجب

---

[1] زانی زنا کے وقت مؤمن رہتے ہوئے زنا نہیں کرتا ہے۔ اور (شرابی) شراب پیتے وقت مومن رہتے ہوئے شراب نہیں پیتا ہے۔

[2] اوپر چونکہ مَنْ قَامَ و مَنْ ضُرِبَ کے جواب میں زید ہی ذکر کیا گیا ہے اس لئے یہاں بھی ضُرِبَ عمروٌ کے بجائے ضُرِبَ زیدٌ زیادہ مناسب تھا۔

اس کی شرط یہ ہے کہ اس فعل (محذوف) کے بعد ایک ایسا فعل ہو جو اس محذوف کی تفسیر کر رہا ہو۔ اور دونوں مثالیں (فاعل ونائب فاعل کی) آیت کریمہ میں جمع ہیں۔ چنانچہ ۔ السَّمَاءُ ۔ اِنْشَقَّتْ محذوف کا فاعل ہے۔ جیسے السَّمَاءُ باری تعالیٰ کے ارشاد فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ میں فاعل ہے مگر (فرق) یہ ہے کہ یہاں فعل مذکور ہے (اور اذا السماء الخ میں نہیں) اور ۔ الارض ۔ مُدَّتْ محذوف کا نائب فاعل ہے دونوں (محذوف) فعلوں میں سے ہر ایک کی تفسیر فعل مذکور کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کا تلفظ (وذکر) جائز نہیں۔ کیونکہ مذکور، محذوف کا عوض ہے۔ اور (علماء نحو) عوض ومعوض عنہ کو جمع نہیں کرتے ہیں۔

الحکم الثالث: انهما لایکونان جملة، هٰذا هو المذهب الصحیح، وزعم قوم ان ذلك جائز واستدلوا بقوله تعالیٰ: (ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ)[1]۔ (وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ)، (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ) فجعلوا جملة (لَيَسْجُنُنَّهٗ) فاعلاً لـ (بَدَا) وجملة (كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ) فاعلاً لـ (تبین) وجملة (لا تفسدوا فی الارض) قائمة مقام فاعل (قیل) ولا حجة لهم فی ذلك: امّا الاٰیة الاُولیٰ فالفاعل فیها ضمیر مستتر عائد: امّا علی مصدر الفعل، والتقدیر: ثم بدا لهم بداء، کما تقول: «بدا لی رأیٌ» ویؤید ذلك ان اسناد «بدا» الی البداء قد جاء مصرحًا به فی قول الشاعر:

۶۷۔ لَعَلَّكَ وَالْمَوْعُوْدُ حَقٌّ لِقَاؤُهٗ ۔۔۔ بَدَا لَكَ فِی تِلْكَ الْقَلُوْصِ بَدَاءُ

وامّا علی السّجن ۔ بفتح السّین ۔ المفهوم من قوله تعالیٰ: (لَيَسْجُنُنَّهٗ) ویدل علیه قوله تعالیٰ (قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِیْ اِلَيْهِ)[2]

تیسرا حکم یہ ہے کہ وہ دونوں (فاعل ونائب فاعل) جملہ نہیں ہوتے۔ یہی صحیح مسلک ہے۔ اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ (جملہ ہونا) جائز ہے۔ اور انہوں نے باری تعالیٰ کے ارشاد ثُمَّ بَدَا لَهُمْ الخ اور وَتَبَيَّنَ لَكُمْ الخ اور وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ الخ سے استدلال کیا ہے۔ کہ انہوں نے جملہ (لَيَسْجُنُنَّهٗ) کو بَدَا ۔ کا فاعل اور جملہ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ کو تَبَيَّنَ کا فاعل اور جملہ لَا تُفْسِدُوْا الخ کو قِيْلَ کا نائب فاعل بنایا ہے۔

---

[1] پھر مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان کو ایک وقت تک قید میں رکھیں۔ (پ ۱۲) [2] متن میں مذکور ترکیب کے علاوہ آیت کریمہ کی مزید دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) لیسجننه، لهم کی ضمیر مجرور سے حال ہو۔ تقدیر عبارت بدا لهم السجن قائلین لیسجننه ہوگی۔ (۲) لیسجننه بتأویل مصدر بَدَا کا فاعل ہے۔ (حاشیہ بیان القرآن)

اس میں ان کی کوئی دلیل نہیں۔ رہی پہلی آیت تو فاعل اس میں ایک ضمیر مستتر ہے۔ جو یا تو فعل کے (اندر پائے جانے والے) مصدر کی جانب لوٹ رہی ہے۔ تقدیر عبارت ثم ۔ بَدَا لَهُمْ بَدَاءٌ ہے۔ جیسا کہ تم " بَدَا لِي دَاءٌ " بولتے ہو۔ اور اس کی تائید یہ بات کرتی ..... ہے کہ " بَدَا " کی اسناد بَدَاء کی جانب شاعر کے قول لَعَلَّكَ[1] الخ میں صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اور یا سجن بفتح السین کی جانب (لوٹ رہی ہے) جو باری تعالیٰ کے ارشاد لیسجننہ سے سمجھا جا رہا ہے۔ اور اس پر (ماقبل میں مذکور) باری تعالیٰ کا ارشاد قال رب[2] الخ دلالت کر رہا ہے۔

وكذلك القول في الآية الثانية: اى وتبين هو اى التبين وجملة الاستفهام مفسرة واما الآية الثالثة فليس الاسناد فيها من الاسناد المعنوى الذى هو محل الخلاف، وانما هو (من) الاسناد اللفظي، اى: واذا قيل لهم هذا اللفظ والاسناد اللفظي جائز في جميع الالفاظ كقول العرب " زعموا مطية الكذب " وفي الحديث " لاحول ولا قوة الا بالله كنز من كنوز الجنة "

اور یہی گفتگو دوسری آیت میں ہے تقدیر عبارت و تبین هو ہے۔ مرجع التبیان ہے۔ اور جملہ استفہامیہ (کیف فعلنا بھم) اسی کی توضیح کر رہا ہے۔ اور رہی تیسری آیت تو اس میں اسناد، اسناد[3] معنوی نہیں۔ جو محل اختلاف ہے۔ بلکہ یہ اسناد لفظی ہے۔ ترجمہ ہے۔ جب ان سے یہ الفاظ (لاتفسدوا) کہے جاتے ہیں۔ اور اسناد لفظی تمام الفاظ میں جائز ہے۔ جیسے اہل عرب کا قول " زعموا مطیة الکذب[4] " اور حدیث میں ہے لَاحَوْلَ وَلَا[5] الخ

---

[1] شاید اس اونٹنی کے بارے میں تمہاری کوئی نئی رائے ظاہر ہو گئی ہے۔ جبکہ موعود چیز کا ملنا حق ہے۔ شعر میں محمد بن بشیر خارجی نے اس شخص کی ہجو کی ہے جس نے شاعر سے اونٹنی دینے کا وعدہ کر کے وعدہ خلافی کی تھی۔ اس میں محل استشہاد یہ ہے کہ بدا فعل کی اسناد اسی فعل کے مصدر بداء کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ بدالھم الخ میں کی گئی ہے۔ القلوص: نوجوان اونٹنی۔

[2] یوسف ؑ نے دعا کی اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے۔

[3] لفظ کے معنی و مصداق کی طرف حکم کی نسبت کرنا اسناد معنوی کہلاتا ہے جیسے " زید قائم " میں قیام کی نسبت ذات زید کی طرف کرنا۔ اور لفظ یا جملہ پر حکم لگانا اسناد لفظی کہلاتا ہے۔ جیسے " زعموا مطیة الکذب " میں لفظ زعموا پر جھوٹ کی سواری اور جھوٹ کا ذریعہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ مذکر معنی پر۔ اہل عرب زعموا کو غیر محقق اقوال کو نقل کرنے کے مواقع پر استعمال کرتے ہیں۔

[4] زعموا جھوٹ کی سواری ہے۔

[5] لاحول ولا قوة الا باللہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

والحکم الرابع: انّ عاملهما یؤنث اذا کانا مؤنثین، و ذٰلك علیٰ ثلٰثة اقسام: تانیث واجبٌ، وتانیثٌ راجحٌ وتانیث مرجوحٌ ، فامّا التّانیث الواجب ففی مسألتین: إحدٰاھما: ان یکون الفاعل المؤنث ضمیرًا متصلًا، ولا فرق فی ذٰلك بین حقیقیّ التانیث ومجازیّه، فالحقیقی نحو «ھندٌ قامت» فھندٌ مبتدأٌ ، وقام فعل ماضٍ، والفاعل (ضمیر) مستتر فی الفعل والتقدیر قامت ھی والتاء علامة التانیث، وھی واجبة لما ذکرناہ والمجازی نحو «الشمس طلعت» واعرابهٗ ظاھرٌ ولما مثّلت بهٖ فی المقدمة للتانیث الواجب عُلِمَ انّ وجوب التانیث مع الحقیقی من باب اولیٰ بخلاف مالو عکست فامّا قول الشاعر:

٧٧۔ إنّ السّمَاحَةَ والمُرُوءَةَ ضُمِّنَا ﴿﴾ قَبْرًا بمَرْوَ علی الطریقِ الواضحِ

ولم یقل ضمنتا ، فضرورۃ۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ ان کا عامل مؤنث لایا جائیگا جبکہ دونوں مؤنث ہوں۔ اس کی تین قسمیں ہیں، تانیث واجب، تانیث راجح، تانیث مرجوح۔ رہی تانیث واجب (جہاں فعل کا مؤنث لانا واجب ہے) تو وہ دو صورتوں میں ہے۔ اوّل یہ کہ فاعل مؤنث ضمیر متصل ہو۔ اس میں مؤنث حقیقی اور مؤنث مجازی کے درمیان کوئی فرق نہیں حقیقی کی مثال «ھندٌ قامت» ہے۔ کہ ھند مبتدا، اور قام فعل ماضی اور فاعل فعل میں پوشیدہ ضمیر ہے۔ تقدیر عبارت قامت ھی ہے۔ اور تا، علامت تانیث ہے۔ مذکورہ (اصول) کی وجہ سے اس کا لانا واجب ہے۔ اور مؤنث مجازی کی مثال جیسے الشمس طلعت ہے۔ اس کی ترکیب ظاہر ہے۔ اور جب میں نے متن میں تانیثِ واجب کی یہ مثال دی تو معلوم ہوا کہ مؤنث حقیقی کی صورت میں تانیث (فعل) کا وجوب بدرجۂ اولیٰ ہے۔ بخلاف اس کے کہ میں اس کے برعکس کرتا۔ رہا شاعر کا کلام إنّ السّماحةَ الخ (کہ ضمنا کہا) اور ضمنتا نہیں کہا تو یہ ضرورۃً ہے۔

الثانیة: ان یکون الفاعل اسمًا ظاھرًا متصلًا حقیقی التانیث: مفردًا أو تثنیةً له ، أو جمعًا بالالف والتاء، فالمفرد کقوله تعالیٰ: (اذ قالت امرأةُ عِمرَان) والمثنیٰ کقولك

ے فیاضی و مروت مَرْو کی شاہراہ پر ایک قبر میں دفن ہوگئیں۔ محلِ استشہاد ضُمِّنا ہے کہ فاعل اس میں تثنیہ کی ضمیر ہے۔ جو السّماحة والمروءة کی جانب لوٹ رہی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب فاعل مؤنث کی ضمیر ہو تو فعل کی تانیث واجب ہے۔ اسلئے ضمنتا ہونا چاہئے تھا۔ مگر ضرورۃِ شعری کی بنا پر مذکر لایا گیا ہے۔ اسکا استعمال نثر میں درست نہیں۔ مَرْو: خراسان کا مشہور شہر

قامت الهندانِ، والجمع كقولك: قامت الهندات، فامّا قوله:

۸۷ ـ تمنى ابنتاى أن يعيش أبوهما ❊ وهل أنا إلا من ربيعة أو مضر؟

فضرورة إن قُدِّر الفعلُ ماضيًا، وأمّا إن قُدِّر مضارعًا ـ وأصله تتمنى فحذفت احدى التائين كما قال تعالى (فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى) ـ فلا ضرورة ـ

وامّا قوله تعالى: (إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ) فإنّما جاز لِأجلِ الفصل بالمفعول أو لأنّ الفاعلَ في الحقيقة «أَلْ» الموصُولة وهي اسمُ جمع، فكأنّه قيل: اللّاتي آمنّ، أو لِأنّ الفاعلَ اسمُ جمعٍ محذوفٌ موصوفٌ بالمؤمنات: اى النسوة التى آمنّ ـ

دوسری صورت یہ کہ فاعل اسم ظاہر متصل مؤنث حقیقی ہو مفرد ہو یا تثنیہ، یا الف تاء والی جمع ہو مفرد کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد اذ قالت الخ اور تثنیہ کی مثال جیسے قامت الهندانِ اور جمع کی مثال جیسے قامت الهندات رہا شاعر کا قول تمنی[1] الخ (کہ فاعل کے مؤنث حقیقی ہوتے ہوئے فعل مذکر لایا گیا) تو اگر فعل (تمنی) کو ماضی مانا جائے تو ضرورۃ ہے ـ اور اگر مضارع مانا جائے تو کوئی ضرورت نہیں ـ (اسوقت) اسکی اصل تَتَمَنّٰی ہوگی ـ ایک تاء کو فانذرتکم[2] الخ کی طرح حذف کردیا گیا ـ اور رہ گیا باری تعالیٰ کا ارشاد اِذا جاءك المؤمنات (کہ اس میں بھی فعل مذکر ہے) تو یہ یا تو بذریعہ مفعول فصل کی وجہ سے جائز ہے ـ یا فاعل درحقیقت «ال» موصول ہے ـ جو اسم جمع ہے ـ .... گویا کہ کہا گیا اللّاتی آمنّ اور یا اس لئے کہ فاعل اسم جمع محذوف ہے ـ جس کی صفت مؤمنات لائی گئی ہے ـ اصل ہوگی النسوة التی آمنّ[3]

---

[1] میری دونوں لڑکیوں کی یہ آرزو ہے کہ ان کا باپ زندہ رہے ـ جبکہ میں ربیعہ و مضر ہی سے تعلق رکھتا ہوں ـ

محل اعتراض تمنی ابنتای ہے جس میں فاعل یعنی ابنتا مؤنث حقیقی اور فعل مذکر ہے جو ضابطہ کے خلاف ہے ـ جواب: لفظ تمنی میں دو احتمال ہیں ـ (۱) فعل ماضی صیغہ واحد مذکر ہو ـ اس صورت میں اعتراض صحیح ہے ـ مگر ضرورت شعری کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے ـ (۲) مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہو اسکی اصل تتمنی تھی، ایک تاء تخفیفًا حذف کردی گئی ـ جیسے تلظّٰی کہ اسکی اصل تتلظّٰی ہے ـ اس صورت میں فعل و فاعل میں مطابقت ہے ـ لہٰذا کسی طرح کا اعتراض نہیں ہوگا ـ

[2] تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں ـ پ ۳۰)

[3] جب فاعل اسم ظاہر اور جمع ہو تو فعل کو مذکر لایا جائے یا مؤنث؟ اس کو سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ جو الفاظ معنی جمع پر دلالت کرتے ہیں ان کو اگر جماعت کی تأویل میں لیا جائے تو مؤنث المعنی ہوتے ہیں ـ اور اگر جمع کی تاویل میں لیا جائے تو مذکر المعنی ہوتے ہیں ـ اور جو الفاظ جمع پر دلالت کرتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں ـ (۱) جمع حقیقی ـ اس کی چار صورتیں ہیں ـ جمع تکسیر مذکر جیسے رجال، زیود ـ جمع تکسیر مؤنث جیسے ہنود، ضوارب ـ جمع مذکر سالم جیسے مؤمنون، بنون ـ جمع مؤنث سالم جیسے مؤمنات،
(باقی صفحہ پر)

حاشیہ صفحہ گذشتہ

بنات۔ (۲) اسم جمع جیسے قوم، رہط، نسوۃ وغیرہ (۳) اسم جنس جمعی جیسے روم، زنج، عرب، ترک۔ یہ کل چھ قسمیں ہوئیں ان اقسام ستہ کے افعال کو مذکر، مؤنث لانے میں نحویوں کے تین مذاہب ہیں۔ (۱) جمہور کوفیین کے نزدیک بتاویل جماعت مؤنث المعنی ہونے کی وجہ سے فعل کی تانیث بھی جائز ہے۔ اور بتاویل جمع مذکر المعنی ہونے کی وجہ سے فعل کی تذکیر بھی جائز ہے۔

(۲) ابو علی فارسی کے نزدیک جمع مذکر سالم میں فعل کی تذکیر واجب ہے۔ اور بقیہ پانچ میں تذکیر بھی جائز ہے اور تانیث بھی۔

(۳) جمہور بصریین کے نزدیک جمع مذکر سالم میں تذکیر فعل واجب ہے۔ اور جمع مؤنث سالم میں تانیث واجب ہے۔ اور بقیہ چار میں دونوں ہی جائز ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ مفرد میں تبدیلی کر کے جمع مکسر بنتی ہے۔ اور جمع مکسر میں مفرد کا ہیل نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا یہ اس اسم جمع اور اسم جنس جمعی کے مشابہ ہوگیا جس کا مفرد لفظی نہیں ہوتا۔ اور ان میں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اس کے برخلاف جمع سالم میں مفرد باقی رہتا ہے۔ جیسے زید سے زیدونؔ اور ہند سے ہندات۔ لہٰذا یہ اپنے مفرد کے مشابہ ہوا۔ اور اصولاً جب فاعل اسم ظاہر واحد ہو تو فعل تذکیر و تانیث میں اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا جمع مذکر سالم اور مؤنث سالم میں بھی فعل کو فاعل کے مطابق لانا ضروری ہے۔

دلیل کوفیین: اہل کوفہ اور ابو علی فارسی جمع مؤنث سالم کے فعل میں تذکیر کے جواز پر باری تعالیٰ کے ارشاد اذا جاءك المؤمنات سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ اس میں فعل کو مذکر لایا گیا ہے۔ اور رہا مسئلہ جوازِ تانیث کا تو چونکہ وہ متفق علیہ ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔

جواب: اہلِ بصرہ کوفیوں کے اس استدلال کے تین جواب دیتے ہیں۔ جن کی طرف مصنف علامؒ نے واما قولہٗ تعالیٰ اذا جاءك المؤمنات الخ سے اشارہ کیا ہے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ آیت کا اختلافی صورت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس میں فعل فاعل کے درمیان ضمیر مفعول کا فصل ہے۔ اور فصل والی صورت میں بصری بھی تذکیر کو جائز کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں فاعل جمع مؤنث سالم نہیں۔ بلکہ "ال" موصولہ ہے۔ جو بمعنی اللاتی ہے جو جمع نہیں اسم جمع ہے۔ اور اسم جمع کے فاعل ہونے کی صورت میں تذکیر فعل جائز ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں فاعل المؤمنات نہیں۔ بلکہ اس کا موصوف یعنی النساء محذوف ہے۔ جو اسم جمع ہے۔ تقدیر کلام اذا جاءك النساء المؤمنات ہے۔ اور اسم جمع میں تذکیر فعل و تانیث دونوں جائز ہیں۔

اہلِ کوفہ اور ابو علی فارسی کی ایک دلیل عبدہ بن الطبیب کا یہ شعر ہے۔

فَبَكَى بَنَاتِي شَجْوَهُنَّ وَزَوْجَتِي ۞ وَالظَّاعِنُونَ إِلَيَّ ثُمَّ تَصَدَّعُوا

جس میں بناتی جمع مؤنث سالم کا فعل "بکی" علامت تانیث سے خالی ہے۔ اسی طرح اہلِ کوفہ فاعل کے جمع مذکر سالم ہونے کی صورت میں فعل کی تانیث کے جواز پر آیت کریمہ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ اور قریط بن انیف کے شعر

لَوْ كُنْتُ مِنْ مَازِنٍ لَمْ تَسْتَبِحْ إِبِلِي ۞ بَنُو اللَّقِيطَةِ مِنْ ذُهْلِ بْنِ شَيْبَانَا

سے استدلال کرتے ہیں۔

جواب:۔ کوفیوں کی تمام دلیلوں کا جواب ایک جیسا ہے کہ آیتِ کریمہ اور اشعار میں جمع مذکر سالم میں جو الفاظ آئے ہیں ان میں واحد کا وزن سلامت نہیں رہا۔ لہٰذا وہ جمع مکسر کے مشابہ ہوگئے۔

(مستفاد از منتہی الارب)

وَامّا التانيث الراجح ففى مسألتين ايضًا: احداهما: ان يكون الفاعل ظاهرًا متصلًا مجازى التانيث، كقولك: طلعت الشمس وقوله تعالىٰ: (وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ) (فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ) (وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ) الثانية: ان يكون ظاهرًا حقيقى التانيث منفصلًا بغير الّا، كقولك: قام اليوم هند، وقامت اليوم هند وكقوله:

۷۹- إنَّ امرأً غَرَّهُ مِنكُنَّ وَاحِدَةٌ ÷ بَعدِى وَبَعدَكِ فِى الدُّنيا لَمَغرُورُ

والمبرد يخص ذلك بالشعر،

اور تانیث راجح (جس میں فعل کو مؤنث لانا راجح ہو تو وہ) بھی دو صورتوں میں ہوتا ہے۔ اول یہ کہ فاعل اسم ظاہر متصل، مؤنث مجازی ہو جیسے طلعت الشمس اور باری تعالیٰ کا ارشاد وَمَا كَانَ الخ فَانْظُرْ الخ وَجُمِعَ الخ دوسری صورت یہ ہے کہ فاعل، ظاہر، مؤنث حقیقی اور منفصل بغیر الّا ہو جیسے قام الیوم ھندٌ، قامت الیوم ھندٌ، اور جیسے شعر انّ امرأً الخ اور مبرد اس صورت کو شعر کے ساتھ خاص کرتے ہیں

ومن النوع الاوّل — اعنى المؤنثَ الظاهرَ المجازىَّ التانيثِ — ان يكونَ الفاعلُ جمعَ تكسيرٍ، أو اسمَ جمعٍ، تقول قامتِ الزُّيودُ، وقام الزُّيودُ، وقامتِ النساءُ، وقام النساءُ، قال الله تعالىٰ: (قَالَتِ الْأَعْرَابُ) (وَقَالَ نِسْوَةٌ) وكذلك اسمُ الجنس كـ "اَوْرَقَ الشَّجَرُ" و "اَوْرَقَتِ الشَّجَرُ" فالتانيثُ فى ذلك كلِّه على معنى الجماعة والتذكيرُ على معنى الجمع وليس لك ان تقول: التانيثُ فى النساءِ والهنودِ حقيقى، لانّ الحقيقىَّ هو الذى له فرجٌ، والفرجُ للآحادِ الجمع، لا للجمعِ، وانت انما اسندتَ الفعلَ الى الجمعِ لا الى الآحادِ، ومن هذا الباب ايضًا قولُهم: نعمت المرأةُ هندٌ ونعمَ المرأةُ هندٌ، فالتانيثُ على مقتضى الظاهرِ والتذكير [على معنى الجنس] لِانّ المرادَ بالمرأة الجنسُ، لا واحدةٌ معينةٌ، مدحُوا الجنسَ عمومًا ثمّ خصُّوا

۱؎ اور ان کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس (مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں) (پ ۱۸)

۲؎ سو دیکھئے ان کی شرارت کا کیا انجام ہوا۔ (پ ۱۹) ۳؎ اور سورج وچاند اکٹھے ہو جائیں گے (پ ۲۹/۱۷)

۴؎ جس آدمی کو تم میں سے کسی ایک عورت نے دھوکا دیدیا۔ میرے اور تیرے بعد دنیا میں وہ دھوکہ میں ہی ہے۔ شعر میں فصل اور فاعل کے درمیان منکن فاصل ہے۔ لہٰذا فاعل مؤنث حقیقی کے فعل کو مذکر لانا صحیح ہے۔ اگرچہ ایسے مواقع پر فعل کو مؤنث لانا راجح ہے۔ (منتہی الارب)

مَنْ اَرَادُوا مدحَهٗ وكذلك ۔ بئس ۔ بِالنسبةِ الى الذمِّ، كقولك: بئس المرأةُ حَمَّالةُ الحطب، و

اور پہلی قسم ـــ یعنی فاعل مؤنث، ظاہر اور مؤنث مجازی ـــ کی قبیل سے یہ ہے کہ فاعل جمع تکسیر[ا] اسم جمع ہو۔ جیسے قالت الزّیود، قال الزّیود، قامت النساء، قام النساء باری تعالیٰ کا ارشاد[ہے] قالتِ الاعرابُ وقال نسوۃ۔ اور یہی حال اسم[ا] جنس کا ہے۔ جیسے اورق الشجر، اورقت الشجر تانیث۔ ان تمام میں جماعت کی تاویل میں لیکر ہے۔ اور تذکیر، جمع کی تاویل میں لیکر۔ اور آپ کو یہ اختیار نہیں کہ قسار اور ہنود کی تانیث کو حقیقی کہیں۔ کیونکہ حقیقی وہ ہے جس کے فرج ہو۔ اور فرج افراد جمع کے تو ہے مگر جمع میں نہیں۔ جبکہ آپ نے فعل کی اسناد جمع کی طرف کی ہے افراد جمع کی طرف نہیں۔ اور نیز اسی باب سے ان کا قول: نعمت المرأۃ ھند، نعم المرأۃ ھند ہے کہ تانیث بتقاضائے ظاہر ہے۔ اور تذکیر بتاویل جنس، کیونکہ مرأۃ سے مراد جنس ہے، کوئی ایک متعین نہیں۔ (اوّلاً تو) انہوں نے پوری جنس کی تعریف کی۔ پھر اس کو خاص کیا جس کی تعریف کرنا چاہی۔ یہی حال مذمّت کے لئے بئس کا ہے جیسے بئس المرأۃ حمّالۃ الحطب۔ بئست المرأۃ ھندٌ۔

واما التانيث المرجوح ففي مسألةٍ واحدةٍ وهي ان يكون الفاعلُ مفصولًا بالّا، كقولك مَاقام اِلّا هندٌ، فالتذكيرُ هنا ارجحُ باعتبارِ المعنى، لانّ التقدير: مَاقَامَ احدٌ اِلّا هندٌ، فالفاعلُ في الحقيقة مذكرٌ، ويجوز التانيث باعتبارِ ظاهر اللفظ، كقوله:

۸۔ مَا بَرِئَتْ مِنْ رِيبَةٍ وذمٍّ ۞ في حربِنا اِلّا بَنَاتُ العَمِّ

والدليل على جوازه في النثر قراءة بعضهم (اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةٌ وَّاحِدَةٌ) برفع (صيحةٌ) وبجعل وقراءة جماعة من السلف (فَاَصْبَحُوا لَا تُرٰى اِلَّا مَسَاكِنُهُم) ببناء الفعل مَالم يُسَمَّ فاعله، وبجعل حرف المضارعة التاء المثناة من فوق، وزعم الاخفش ان التانيث لايجوز الّا في الشعر وهو محجوج بما ذكرنا۔

[ا] اسم جنس سے مراد یہاں اسم جنس جمعی ہے۔ یعنی ہر وہ اسم جنس جنس پر دلالت کے ساتھ ساتھ جمعیت کا معنی بھی پایا جاتا ہو۔ اس کا مفرد یا تو تاء کے ساتھ آتا ہو جیسے شجر، شجرۃ، تفاح، تفاحۃ، تمر، تمرۃ وغیرہ۔ یا یائے نسبتی کے ساتھ جیسے عرب، عربی روم، رومی وغیرہ۔ اسم جنس کی دوسری قسم اسم جنس افرادی ہے۔ یعنی ہر وہ اسم جو جنس کے قلیل وکثیر سب پر بولا جاتا ہو جیسے ماء، لبن، عسل۔ جامع الدروس ص۲/۲۶۵۔

اور تانیث مرجوح صرف ایک صورت میں ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ فاعل منفصل بالّا ہو جیسے مَا قَامَ اِلَّا ھِنْدٌ۔
بلحاظ معنی یہاں تذکیر راجح ہے۔ کیونکہ تقدیر مَا قَامَ اَحَدٌ اِلَّا ھِنْدٌ ہے یعنی فاعل درحقیقت مذکر ہے۔ اور ظاہر لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے تانیث جائز ہے۔ جیسے مَا بَرِئَتْ الخ اور نثر میں تانیث کے جواز کی (ایک) دلیل بعض لوگوں کی قرارت ان کانَتْ الخ صیحۃ کے رفع کے ساتھ ہے۔ اور (دوسری دلیل) اسلاف میں سے کچھ لوگوں کی قرارت فاصبحوا الخ ہے فعل کو مجہول بناکر۔ اور حرف مضارع کو اوپر رکھے ہوئے دو نقطے والی تاء قرار دیکر۔ اخفش کا خیال ہے کہ تانیث صرف شعر میں جائز ہے۔ (لیکن) یہ خیال ہماری ذکر کردہ آیتوں کی وجہ سے مردود ہے۔

الحکمُ الخامس: انّ عَامِلَھُمَا لا تَلحَقُهُ علامةُ تثنیةٍ ولا جمعٍ، فی الامرِ الغالب، بل تقول: قامَ اَخَوَاكَ و قَامَ اِخْوَتُكَ، وقامَ نِسوتُكَ کمَا تقول: قامَ اخوكَ، ومن العَرَبِ من يُلحِقُ علاماتٍ دالّةً على ذلكَ، كمَا يُلحقُ الجميعُ علامةً دالّةً على التانيثِ كقولِهِ:

۸۱ - تَوَلّٰى قِتَالَ المَارِقِينَ بِنَفْسِهِ ✽ وَقَدْ اَسْلَمَاهُ مُبْعَدٌ وَحَمِيمُ

وقولِهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلّم: «يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ» وقولِ بعضِ العربِ: «اَكَلُونِي الْبَرَاغِيثُ» وقولِ الشاعرِ:

۸۲ - نَتَجَ الرَّبِيعُ مَحَاسِنًا ✽ اَلْقَحْنَهَا غُرُّ السَّحَائِبِ

وقولِ الآخرِ ۸۳ - رَاَيْنَ الْغَوَانِي الشَّيْبَ لَاحَ بِعَارِضِي ✽ فَاَعْرَضْنَ عَنِّي بِالْخُدُودِ النَّوَاضِرِ

وقد حُمِلَ على هذه اللغةِ آياتٌ من التنزيلِ العظيمِ: منها قولُهُ سبحانَهُ: (وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا) والاجودُ تخريجُهَا على غيرِ ذلك، واحسنُ الوجوهِ فيها اعرابُ (الَّذِينَ ظَلَمُوا) مبتدأً، و (اسرّوا النجوی) خبرًا۔

پانچواں حکم یہ ہے کہ ان کے عامل میں اکثری استعمال کے مطابق علامت تثنیہ و جمع نہیں لگتی۔ بلکہ آپ جیسے

۱؎ ہمارے اس جنگ میں چچازاد بہنوں کے علاوہ کوئی بھی عورت شبہ اور رسوائی سے بچی نہیں۔ محل استشہاد ما برئت الّا بنات العم ہے۔ کہ فاعل کے مفصول بالّا ہونے کے باوجود ظاہر کی رعایت میں فعل کو مؤنث لایا گیا ہے جو اس کے جواز کی دلیل ہے۔ لیکن یہ مرجوح ہے۔ راجح تذکیر فعل ہی ہے جیسا کہ ابن مالک کی اتباع میں مؤلف نے ذکر کیا ہے۔ اور دلائل بھی مؤلف ہی کی تائید کرتے ہیں مگر ابن عقیل کا کہنا ہے کہ جمہور اس صورت میں تانیث (ناجائز) قرار دیتے ہیں۔ (مترجم)

۲؎ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی (پ ۲۲ ع ۳) ۳؎ چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا (پ ۲۶ ع ۳) یہ قرارت قراء سبعہ کے علاوہ کی ہے۔

قاماَ اخوك کہتے ہیں ویسے ہی قاما اخوتك وغیرہ کہیں گے۔ اور بعض عرب ان (تثنیہ، جمع) کو بتلانے والی علامت لگا دیتے ہیں۔ جیسے تمام عرب مؤنث کو بتلانے والی علامت لگاتے ہیں۔ مثلاً شعر تولّی[1] الخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یتعاقبون[2] الخ اور بعض عرب کا قول اکلونی البراغیث اور شاعر کا قول نتج الربیع[3] الخ اور شعر رأین الغوانی[4] الخ اور اسی لغت پر قرآن کریم کی آیات کو محمول کیا گیا ہے۔ جن میں سے ایک آیت واسرّوا[5] (مگر) ان جیسی آیات کی تفریع (و ترکیب) اس کے علاوہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اور (ترکیب میں) الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا کو مبتدا (مؤخر) اور اَسَرُّوا النَّجْوٰی کو خبر (مقدم) بنانا سب سے اچھی توجیہ ہے۔

ثمّ قلت: الثالث المبتدأ، وهو المجرد عن العوامل اللفظية مخبرًا عنه أو وصفًا رافعًا لمكتفىً به فالاوّل كـ «زيدٌ قائمٌ» و (اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ) و (هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ) والثاني شرطه نفيٌ أو استفهامٌ، نحو «اقائم الزيدان» و «ما مضروب العمران» واقول: الثالث من المرفوعات: المبتدأ، وهو نوعان، مبتدأ له خبر، وهو الغالب، ومبتدأ ليس له خبر، ولكن له مرفوع يغني عن الخبر ويشترك النوعان في امرين، أحدهما: انهما مجردان عن العوامل اللفظية. والثاني أن لهما عاملاً معنويًا۔ وهو الابتداء۔ ونعني به كونهما على هذه الصورة من التجرد للاسناد۔

---

[1] انہوں نے بدنیوں سے جنگ کی ٹھان لی جبکہ دشمن و دوست دونوں ان کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ یہ شعر عبداللہ بن قیس نے حضرت مصعب بن زبیر کے مرثیہ میں کہا ہے۔ محلِ استشہاد فاعل کے مظہر ہوتے ہوئے اسکے فعل کو علامت تثنیہ لگا کر استعمال کرنا ہے۔ مرق (ن) مروقا۔ دین سے خارج ہونا۔

[2] تمہارے پاس فرشتوں کی ایک جماعت رات میں اور دوسری جماعت دن میں آتی رہتی ہے۔ محلِ استشہاد یتعاقبون فیکم ملائکۃ ہے جس میں فاعل کے مظہر ہوتے ہوئے فعل کو علامتِ جمع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن روایت کے اصل الفاظ ان للہ ملائکۃ یتعاقبون: ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنہار ہیں۔ اس صورت میں فاعل مظہر نہیں مضمر ہے۔ اس صورت میں استشہاد ممکن نہیں۔ (منتہی الارب)

[3] موسم ربیع نے ایسے عمدہ مناظر پیدا کئے جن کی آبیاری سفید بادلوں نے کی تھی۔ نتج (ض) نتجا۔ جننا۔ القاح حاملہ کرنا، گابھن کرنا۔ غُرّ۔ اغر کی جمع سفید، چمکدار۔ سحاب سحابۃ کی جمع بادل۔ شعر میں فاعل یعنی غُرّ کے مظہر ہونے کے باوجود فعل کو جمع لایا گیا ہے۔

[4] حسیناؤں نے جب بڑھاپے کو دیکھا جو میرے رخسار پر ظاہر تھا تو انہوں نے تر و تازہ رخساروں کے ساتھ مجھ سے بےرخی برتی۔ غوانی غانیہ کی جمع ہے۔ بے نیاز خواہ کمالِ حسن کی بنا پر بناؤ سنگار سے بے نیاز ہو یا شوہر سے غایت تعلق کی بنا پر غیروں سے بے نیاز ہو۔ یا میکہ کی خوشحالی کی وجہ سے سسرال کے مال سے بے نیاز۔ شیب (ض) سفید بالوں والا ہونا۔ لاح (ن) لوحا ظاہر ہونا خدود خد کی جمع رخسار۔ نواضر ناضرۃ کی جمع تر و تازہ۔ محلِ استشہاد: فاعل، غوانی، کے اسم ظاہر ہوتے ہوئے فعل کیساتھ (ضمیر) جمع لگانا ہے۔

[5] یہ ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں۔ (پ۱۷)

م: تیسرا مبتدا ہے۔ (یا تو) وہ (اسم صریحی یا تاویلی) ہے جو عامل لفظی سے خالی ہو۔ اور اسکے متعلق خبر دیجارہی ہو یا وہ صیغۂ صفت ہے جو رفع دے رہا ہو اس (فاعل) کو جو (خبر کی طرف سے) کافی ہو۔ پہلے کی مثال جیسے زیدٌ قائمٌ وغیرہ۔ دوسرے کی شرط (صفت سے پہلے) نفی یا استفہام ہے۔ جیسے أقائمٌ الزیدان وغیرہ۔

ش: تیسرا مرفوع مبتدا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ مبتدا جس کی خبر ہو۔ یہی زیادہ مستعمل ہے۔ (۲) وہ مبتدا جس کی خبر نہ ہو لیکن اس کا ایک مرفوع ہو جو خبر سے بے نیاز کر رہا ہو۔ یہ دونوں قسمیں دو امور میں مشترک ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ ان کا عامل معنوی یعنی ابتداء ہوتا ہے۔ اور عامل معنوی سے ہماری مراد ان دونوں کا اسناد کے لئے تجرد کی اس صورت پر ہونا ہے۔[۱]

ویفترقان فی امرین، أحدهما: انّ المبتدأ الّذی له خبر یکون اسمًا صریحًا، نحو «اللهُ ربّنا» و «محمّدٌ نبیُّنا» ومؤوّلًا بالاسم، نحو (وان تصوموا خیرٌ لکم) ای صیامکم خیرٌ لکم، ومثله قولهم «تسمع بالمعیدی خیرٌ من ان تراه» ولذلك قلتُ «المجرد» ولم اقل الاسم المجرّد، ولا یکون المبتدأ المُستغنی عن الخبر فی تاویل الاسم البتّةَ، بل ولا کلُّ اسمٍ بل (یکون) اسمًا هو صفةٌ، نحو «اقائمٌ الزیدانِ» و «ما مضروبٌ العمران» والثانی: انّ المبتدأ الّذی له خبر لا یحتاج الی شیءٍ یعتمد علیه، والمبتدأ المستغنی عن الخبر لابدّ ان یعتمد علی نفیٍ أو استفهامٍ کما مثلنا، وکقوله:

۸۴- خَلیلَیَّ مَا وَافٍ بِعَهدِی أَنتُمَا ٭ إِذَا لَم تَکُونَا لِی عَلَی مَن أُقَاطِعُ

وقوله: ۸۵- أَقَاطِنٌ قَومُ سَلمَی أَم نَوَوا ظَعَنًا ٭ إِن یَظعَنُوا فَعَجِیبٌ عَیشُ مَن قَطَنَا

اور دو امور میں دونوں جدا ہو جاتے ہیں۔ اول یہ کہ خبر والا مبتدا، اسم صریح ہوتا ہے۔ جیسے اللہ ربّنا، محمد نبیّنا، اور اسم تاویلی بھی جیسے وَاَن تَصُومُوا خَیرٌ لَکُم تقدیر: وصیامکم خیر لکم ہے۔

---

[۱] کونہما علی هذه الصّورة: سے مراد یہ ہے کہ مبتدا، اور خبر عامل لفظی سے خالی ہو، اور اسناد پائی جاتی ہو۔ ان قیود سے دو قسم کے الفاظ کو مبتدا و خبر سے خارج کرنا مقصود ہے۔ (۱) وہ الفاظ جن پر عوامل لفظی داخل ہوں جیسے کان زیدٌ عالمًا، ان زیدًا قائمٌ (۲) وہ الفاظ جو عوامل لفظی سے خالی ہوں اور ان میں اسناد نہ پائی جاتی ہو، جیسے گنتی کے وقت میں اعداد یا معدودات کو ذکر کرنا۔ مثلاً واحد، اثنان اور قلم، کتاب، دوات وغیرہ۔

اسی جیسا اہلِ عرب کا قول تسمعُ بالمعیدی الخ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے «المجرد» کہا۔ اور «الاسمُ المجرّد» نہیں کہا۔ اور خبر سے مستغنی مبتدار اسم کی تاویل میں (یعنی تاویلی اسم) قطعاً نہیں ہوتا بلکہ (اسم صریح ہوتا ہے) اور ہر اسم (صریح) بھی نہیں ہوتا، بلکہ وہ اسم ہوتا ہے جو صیغۂ صفت ہو جیسے اقائمٌ الزیدانِ وغیرہ۔ دوم یہ کہ خبر والے مبتدار کو کسی ایسی شئی کی ضرورت نہیں جس پر وہ مبتدار اعتماد کرے (ہاں) خبر سے مستغنی مبتدار کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفی یا استفہام پر اعتماد کرے[2] جیسا کہ ہم نے مثالیں دیں۔ اور جیسے شعر خَلِیلَیَّ[3] الخ اور جیسے اقاطنٌ[4] الخ

و قولی «رافعًا لمکتفی بہ» اعمّ من ان یکون ذلک المرفوعُ اسمًا ظاهرًا، کـ «قومُ سلمی» فی البیت الثانی، او ضمیرًا منفصلًا، کـ «انتما» فی البیت الاوّل، وفیہ رَدٌّ علی الکوفیینَ الزمخشریِ وابنِ الحاجب، اِذا اوجبوا ان یکون المرفوعُ ظاهرًا، واَوْجَبُوا فی قولہ تعالیٰ: (آرَاغِبٌ اَنْتَ) ان یکون محمولًا علی التقدیم والتاخیر، وذلک لایمکنُھم فی البیت (الاول) اذ لایُخبَرُ عن المثنیٰ بالمفرد، واعمّ من ان یکون ذلک المرفوعُ فاعلًا کما فی البیتین، اَوْ نائبًا عن الفاعلِ

---

[1] تسمع بالمعیدی الخ اس مثل کو تین طرح روایت کیا گیا ہے۔ (۱) اَنْ تسمعَ۔ اَنْ مذکور کی وجہ سے منصوب۔ یہ روایت بالکل بے غبار ہے، کیونکہ اَنْ تسمع بتاویلِ مصدر سَمَاعُکَ کے معنی میں ہو کر مبتدار اور خَیر خبر۔ (۲) تسمعَ بحذفِ اَنْ منصوب۔ یہ روایت متکلم فیہ اور خلافِ اصول ہے۔ کیونکہ اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ اَنْ کو جب حذف کر دیا جائے تو مضارع مرفوع ہو۔ اس لئے کہ اَنْ عاملِ ضعیف ہے۔ اور عاملِ ضعیف محذوف ہونے کے بعد لفظوں میں عمل نہیں کرتا ہے (۳) تسمعُ مرفوع یہ روایت موافقِ اصول ہے۔ اسی کے مطابق اس مثل کو صفہ۱ پر ذکر کیا گیا ہے ۔ (منتہی الارب)

[2] اعتماد کا مفہوم یہ ہے کہ نفی و استفہام اس مبتداء سے پہلے واقع ہوں۔ (نوٹ) اخفش اور کوفی حضرات یہ شرط نہیں لگاتے ہیں۔ ان کا مستدل:

خبیرٌ بنو لھب فلاتک ملغیا ❊ مقالة لھبی اذا الطیر مرت لجوزان ہے۔

لیکن یہ استدلال صحیح نہیں، کیونکہ خبیر کا مبتدار بنا متعین نہیں۔ بلکہ بنولھب مبتدار اور خبیر خبر ہے۔ رہا خبر کے مفرد اور مبتدا کے جمع ہونیکا اشکال تو اس لئے واقع نہیں ہو سکتا کیونکہ خبیر فعیل کے وزن پر ہے۔ جو جمع و مفرد دونوں کی خبر بن سکتا ہے۔ جیسے والملائکۃ بعد ذلک ظھیر۔ (حاشیہ محمد الامیر)

[3] اے میرے دوستو! تم دونوں میرے پیمانِ محبت کو پورا کرنے والے نہ ہو سوگے جبکہ تم ان لوگوں کے مخالف ہو کر میرے (ہمدرد) نہ ہو جاؤ جن سے میں قطع تعلق رکھتا ہوں۔ محل استشہاد ما وافٍ انتما ہے کہ وافٍ صیغہ صفت لائے نفی پر اعتماد کی شرط کے ساتھ انتما کو رفع دے رہا ہے واضح رہے کہ وافٍ کو خبر مقدم اور انتما کو مبتدار مؤخر نہیں بنایا جا سکتا ورنہ تو خبر کا مفرد اور مبتدار کا تثنیہ ہونا لازم آئیگا نیز اس شعر میں ان لوگوں پر رد ہے جو مبتدار کی قسم ثانی میں ضمیر منفصل کو صیغۂ صفت کا فاعل بنانے کے حق میں نہیں ہیں۔

(باقی صفہ ۲۰۲ پر)

كما في قولك «امضروبٌ الزيدان»، وخرج عن قولي «مكتفى به» نحو «اقائم ابواه زيد» فليس لك ان تعرب اقائم مبتدأ ، وابواه فاعلاً اغنى عن الخبر، لانه لا يتم به الكلام، بل زيدٌ: مبتدأ (مؤخر) وقائم: خبر مقدم وابواه: فاعل به.

اور میرا قول «رافعًا لمكتفى به» اس کو عام ہے کہ وہ مرفوع (خواہ) اسم ظاہر ہو جیسے دوسرے شعر میں «قوم سلمى» یا ضمیر منفصل ہو پہلے شعر میں «انتما» اور اس میں اہل کوفہ، زمخشری اور ابن حاجب کا رد ہے۔ کہ انہوں نے مرفوع کا اسم ظاہر ہونا لازم قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے باری تعالیٰ کے ارشاد أراغبٌ انتَ میں تقدیم و تاخیر پر محمول ہونا لازم قرار دیا ہے۔ (کہ تقدیر أأنتَ راغبٌ ہے) اور پہلے شعر میں وہ ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ تثنیہ کی خبر مفرد نہیں آ سکتی۔ اور اس کو بھی عام ہے کہ وہ مرفوع فاعل ہو۔ جیسے دونوں شعروں میں یا نائب فاعل ہو جیسے امضروبٌ الزیدان اور میرے قول «مکتفی به» سے «اقائم ابواہ زیدٌ» جیسا خارج ہو گیا۔ لہٰذا آپ کے لئے جائز نہیں کہ ترکیب میں اقائمٌ کو مبتداء اور ابواہ کو فاعل بنائیں۔ جو خبر سے مستغنی کر دے۔ کیونکہ اس سے کلام پورا نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ زید مبتدا مؤخر ہے۔ قائم خبر مقدم، اور ابواہ اس کا فاعل ہے۔

ثم قلت: لا يُبتدأ بنكرة إلا إن عمَّتْ نحو «ما رجلٌ في الدار» أو خصت نحو «رجلٌ صالحٌ جاءني» وعليهما (ولعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ)، واقول: الاصل في المبتدأ ان يكون معرفة، ولا يكون نكرةً إلّا في مواضع خاصة تتبّعها بعض المتأخرين، وأنهاها الى نيّفٍ وثلاثين، وزعم بعضهم أنها ترجع الى الخصوص والعموم، فمن امثلة الخصوص ان تكون موصوفة: إمّا بصفةٍ مذكورة، نحو (وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ) (وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ) أو بصفةٍ مقدرةٍ، كقولهم: السمنُ منوانِ بدرهم، فالسمنُ: مبتدأ اوّلُ، ومنوانِ مبتدأٌ ثانٍ، وبدرهم: خبرهُ والمبتدأُ الثاني وخبرهُ خبر المبتدأ الاوّل، والمسوّغ للابتداء بمنوانِ انّه موصوف بصفةٍ مقدرةٍ اي منوانِ منه۔

م: کسی نکرہ کو مبتداء نہیں بنایا جا سکتا۔ الّا یہ کہ وہ عام ہو جائے جیسے مَا رجلٌ فی الدّار یا خاص ہو جائے۔ جیسے رجلٌ صالحٌ جاءنی اور ان دونوں پر محمول ہے۔ وَلَعَبْدٌ الخ[1]

ش: مبتداء میں اصل یہ ہے کہ معرفہ ہو۔ اور وہ نکرہ نہیں ہوتا۔ مگر مخصوص مقامات پر جن کی جستجو کر کے

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بعض متأخرین نے تیس سے زائد تک پہونچا یا ہے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان تمام مقامات کا تعلق عموم وخصوص ہی سے ہے۔ خصوص کی ایک مثال (وقسم) یہ ہے کہ وہ نکرہ موصوف ہو یا تو صفت مذکورہ کا جیسے وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ[1] الخ اور وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ الخ یا صفت مقدرہ کا (موصوف ہو) جیسے السَّمْنُ[2] مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ کہ السَّمْنُ مبتداء اوّل ہے۔ اور مَنَوَانِ مبتداء ثانی ہے۔ اور بِدِرْهَمٍ اس کی خبر ہے۔ اور مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر پہلے مبتداء کی خبر ہے۔ اور مَنَوَانِ کے مبتدا ہونے کو جائز قرار دینے والی چیز یہ ہے کہ وہ صفت مقدرہ کا موصوف ہے۔ تقدیر عبارت منوانِ (كائنانِ) مِنه ہے۔

ومنها: ان تكون مصغرة نحو رُجَيْلٌ جَاءَنِي، لانّ التصغير وصف فى المعنى بالصغر، فكأنك قلت: رَجُلٌ صغيرٌ جَاءَنِي، ومنها ان تكون مضافة، كقوله صلى الله عليه وسلم: «خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ على العباد» ومنها: ان يتعلق بها معمول، كقوله صلى الله عليه وسلم: «امرٌ بالمعروفِ صَدَقَةٌ، ونهيٌ عن منكرٍ صَدَقَةٌ»، فامر ونهي: مبتدأن نكرتان، وسوّغ الابتداء بهما ما يتعلق بهما من الجار والمجرور، وكقولك: أَفْضَلُ منكَ جَاءَنِي، ومن امثلة العموم ان يكون المبتدأُ نفسه صيغة عمومٍ، نحو: (كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ) و «مَن يَقُمْ أَقُمْ مَعَهُ» و «مَنْ جَاءَكَ اجِيْ مَعَهُ» اَوْيقع فى سياق النفى، نحو «مَا رَجُلٌ فِى الدَّارِ» وعلى هٰذه الامثلة قس ما اشبههما۔

اور خصوص کی ایک قسم یہ ہے کہ مصغر ہو جیسے رُجَيْلٌ جَاءَنِي اس لئے کہ تصغیر در حقیقت (مادة) صغر سے صفت لانا ہے۔ گویا کہ آپ نے رجل صغیر جاءنی کہا۔ اور خصوص کی ایک قسم یہ ہے کہ وہ (نکرہ مبتداء) مضاف ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد خمسُ صَلَوٰتٍ[3] الخ اور خصوص کی ایک قسم یہ ہے کہ نکرہ سے

(حاشیہ گزشتہ صفحہ کا)

[1] اور مسلمان مرد غلام کافر مرد سے بہتر ہے (پ ۲ ع ۱۱) (نوٹ) یہ خصوص وعموم دونوں کی مجموعی مثال ہے خصوص کی اس معنی کر کہ عبد کی صفت مومن ذکر کی گئی ہے اور عموم کی اس معنی کر کہ ہر مومن مرد مراد ہے۔ بخلاف «رجل صالح جاءنی» کے کہ اس میں تمام صالح مرد مراد نہیں، بلکہ ایک صالح مرد کے آنے کا تذکرہ ہے۔ (حاشیہ محمد الامیر)

[1] اور مسلمان عورت لونڈی بہتر ہے کافر عورت سے (پ ۲ ع ۱۱) [2] دو من گھی ایک درہم کا ہے۔ (نوٹ) مَن ۲۶۰ درہم کا ہوتا ہے جو آجکل کے حساب سے ۷۹۶ گرام ۸۰ ملی گرام بنتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۱۹)

[3] پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر فرض کی ہیں۔

اس کا کوئی معمول متعلق ہو۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد امر بالعروف صدقۃٌ[1] کہ (اس میں) امر و نہی، مبتدا نکرہ ہیں۔ اور ان دونوں (امر و نہی) کے مبتدا بننے کو جائز قرار دینے والے وہ جار مجرور ہیں جو اُن سے متعلق ہیں۔ اور جیسے افضل منك جاءني۔ اور عموم کی امثال (واقسام) میں سے یہ ہے کہ مبتدا بذات خود عام صیغہ (لفظ ہو) جیسے کُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ[2]، ومن یقم اقم معہ، من جاءك اجیٔ معہ۔ یا وہ مبتدا تحت النفی واقع ہو جیسے مَا رَجُلٌ فِی الدَّارِ اور ان مثالوں پر ان جیسی (مثالوں) کو قیاس کرو۔

ثم قلت: الرابع خَبَرُہٗ وھو: مَا تَحْصُلُ بہ الفائدۃ مع مبتدأ غیر الوصف المذکور، ولقول: الرابع من المرفوعات: خبر المبتدأ، وقولي، مع المبتدإ، فصلٌ أوّل مُخرجٌ لفاعل الفعل. وقولي، غیر الوصف المذکور، فصلٌ ثانٍ، مخرجٌ لفاعل الوصف في نحو: "اقائم الزیدان" و "ماقائم الزیدان"، والمراد بالوصف المذکور ماتقدم ذکرہٗ في حد المبتدأ۔

م: چوتھا (مرفوع) خبر ہے۔ وہ (لفظ) ہے جس سے مذکورہ صیغہ صفت کے علاوہ مبتدا سے جڑ کر فائدہ حاصل ہو۔ ش: چوتھا مرفوع مبتدا کی خبر ہے۔ اور میرا قول، مع المبتدا، فصلِ اوّل ہے۔ جو فعل کے فاعل کو خارج کر رہی ہے۔ اور میرا قول، غیر الوصف المذکور، فصلِ ثانی ہے۔ جو اَقائمُ الزَّیْدَانِ، اور مَاقائم الزیدان جیسے میں صیغۂ صفت کے فاعل کو خارج کر رہی ہے۔ اور مذکورہ صیغہ سے مراد وہی صیغۂ صفت ہے جس کا تذکرہ مبتدا کی تعریف کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

ثم قلت: ولا یکون زمانًا والمبتدأ اسمُ ذاتٍ ونحو: "اللیلۃَ الھلالُ، متأوّلٌ، واقول: لما بَیَّنتُ في حدِّ المبتدأ مالا یکون مبتدأ ــــ وھو النکرۃ التي لیست عامّۃً ولا خاصّۃً ــــ بیّنت بعد حد الخبر مالا یکون خبرًا في بعض الاحیان، وذلك اسمُ الزمانِ فانہ لا یقع خبرًا عن اسماء الذوات، وانّما یخبر بہ عن اسماءِ الاحداث، تقول: الصوم الیومَ، والسفر غدًا، ولا تقول: "زیدٌ الیوم" ولا "عمرو غدًا"، فامّا قولھم: "اللیلۃَ الھلال" بنصب اللیلۃ، علی انھا ظرف مخبر بہ عن الھلال مقدم علیہ، فمؤوّل، وتاویلہٗ علی انّ اصلَہ: اللیلۃَ رؤیۃُ الھلالِ، والرؤیۃ حدث لا ذات، ثم حذف المضاف، وھو

---

[1] اچھی باتوں کا حکم کرنا صدقہ ہے۔ بری باتوں سے روکنا صدقہ ہے۔ [2] سب اس کے محکوم ہیں۔ (پ ۱ع ۱۴)

الرؤية واقيم المضاف اليه مقامهٗ، ومثلهٗ قولهم فی المثل: «الیومَ خَمرٌ وغداً امرٌ»، والتقدیر: الیومَ شُربُ خَمرٍ، وغداً حُدوثُ امرٍ۔

م: اور خبر (ظرف) زمان نہیں بنتی جبکہ مبتدا اسم ذات ہو۔ اور «اللیلۃَ الھلالُ» جیسا تاویل شدہ ہے۔ ش: جب میں نے مبتدا کی تعریف میں اس (اسم) کو بیان کر دیا جو مبتدا نہیں بنتا۔ اور وہ نکرہ ہے جو نہ عام ہو نہ خاص۔ تو خبر کی تعریف کے بعد اس کو بیان کیا جو بعض اوقات خبر نہیں بنتا۔ اور وہ اسم زمان ہے۔ کیونکہ وہ اسماءِ ذوات کی خبر نہیں بنتا۔ لیکن اس کو اسماءِ اعراض کی خبر بنایا جا سکتا ہے۔ آپ «الصَّومُ الیومَ، والسفرُ غداً» کہہ سکتے ہیں۔ (لیکن) «زیدٌ الیومَ اور عمرٌو غداً» نہیں کہہ سکتے۔ اور عربوں کا قول «اللیلۃَ الھلالُ» (اللیلۃ کے نصب کے ساتھ۔ کیونکہ یہ ظرف ہے الھلال کی خبر مقدم ہے) جیسا تاویل شدہ ہے۔ اور تاویل اس طور پر کہ اس کی تقدیر «اللیلۃَ رؤیۃُ الھلالِ» ہے۔ اور رؤیۃ عرض ہے نہ کہ ذات۔ پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اور اسی جیسا مثل کے طور پر ان کا قول «الیومَ خمرٌ وغداً امرٌ» ہے۔ تقدیر عبارت «الیومَ شربُ خمرٍ وغداً حدوثُ امرٍ» ہے۔

ثم قلت: الخامسُ اسمُ کانَ واخواتِھا، وھی امسٰی، واصبحَ واضحٰی، وظلَّ وباتَ وصارَ ولیسَ — مطلقاً، وتالیۃً لنفیٍ اَوْ شبھہٖ زالَ — ماضی یزالُ — وَبرِحَ وفتِئَ وانفکَّ، وصلۃً لما الوقتیۃ دامَ، نحو (مَادُمتُ حَیًّا)

واقول: الخامسُ من المرفوعاتِ: اسمُ کانَ واخواتھا الاِثْنَتَیْ عشرۃَ المذکورۃ، فانھنّ یدخلنَ علی المبتداءِ والخبرِ، فیرفعنَ المبتداءَ، ویُسمّٰی اسمھنّ حقیقۃً، وفاعلھنّ مجازاً، وینصبنَ الخبرَ، ویُسمّٰی خبرھنّ حقیقۃً، ومفعولھنّ مجازاً۔

م: پانچواں مرفوع کَانَ اور اس کے اخوات کا اسم ہے۔ اور وہ اخوات: امسٰی، اضحٰی، ظلَّ، باتَ صارَ اور لیسَ ہیں۔ (عمل کرتے ہیں) بلا شرط۔ اور (یزال کا ماضی) زالَ، بَرِحَ، فتِئَ اور انفکَّ ہیں جبکہ نفی یا شبہ نفی کے بعد ہوں۔ اور دَامَ ہے جبکہ «ما» وقتیہ (ظرفیہ) کا صلہ ہو۔ جیسے مَادُمْتُ حَیًّا۔ ش: پانچواں مرفوع کَانَ اور اس کے مذکورہ بالا اخوات کا اسم۔ یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ پھر مبتدا کو رفع دیتے ہیں۔ اور مبتدا کو حقیقۃً ان کا اسم کہا جاتا ہے اور مجازاً فاعل۔ اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ اور خبر کو حقیقۃً ان کی خبر کہا جاتا ہے اور مجازاً مفعول۔

ثمّ هی فی ذلك علی ثلثة اقسامٍ: مَا یعمل هٰذا العمَلَ بلا شرطٍ، وهی ثمانیة: کانَ ولیسَ ومَا بینهما، ومَا یُشترط ان یتقدم علیه نفیٌ اَوْ شبهةٌ، وهو النهی والدُّعاء، وهی اربعَة، زال و بَرِحَ ، وفَتِیَٔ ، وانفكّ ،نحو (ولَا یَزَالُونَ مُختلِفِیْنَ) (لن نَبْرَحَ علیه عَاکِفِیْنَ) وتقول: «لا تزل ذَاکِرَاللّٰه» . «ولا برح رَبْعُكَ مَانوسًا» «ولا زال جنابك محروسًا» . ویشترط فی زال شرطٌ اٰخر، وهو ان یکون مَاضی یزال ، فان ماضی یزول فعل تام قاصرٌ بمعنی الذّهاب و الانتقالِ، نحو (اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ، ولئِنْ زالتَا اِنْ اَمْسَکَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ بَعْدِهٖ) . وان « الاولی فی الأیة شرطیة، والثانیة نافیة، ومَاضی یزیل فِعلٌ تامٌ متعدٍ بمعنی مَازَ یمیزُ، یقال: زال زیدٌ ضَأْنَهٗ من مَعَزِ فُلانٍ: ای مَیّزهٗ منه .

پھر یہ (افعالِ ناقصہ) اس عمل میں تین قسم پر ہیں۔ (۱) یہ عمل بلا کسی شرط کرتے ہیں۔ اور ایسے افعال آٹھ ہیں۔ کانَ اور لیسَ اور (چھ) ان کے درمیان والے (۲) وہ (افعال) جن سے پہلے نفی یا شبہ نفی یعنی نہی و دُعاء کا ہونا ضروری ہے۔ ایسے افعال چار ہیں۔ زال ، برح ، فتیٔ اور انفک (نفی کی مثال) جیسے وَلَا یزالون مختلفینؔ ، لن نبرح علیه عاکفینؔ (نہی کی مثال) جیسے آپ کا قول: لاتزل ذاکرؔ اللّٰہ ۔ اور (دعا کی مثال) لا برح ربعكؔ مانوسًا، ولا زالؔ جنابك محروسًا « اور زال میں ایک اور شرط کا ہونا ضروری ہے ۔ وہ یہ کہ زال ، یزالُ کا ماضی ہو (یزیلُ کا اور نہ یزولُ کا) کیونکہ یزول کا ماضی فعل تام لازم ہے بمعنی الذھاب (اپنی جگہ چھوڑ دینا) اور بمعنی الانتقال (ٹل جانا) ، جیسے اِنَّ اللّٰہ الخ اور آیت میں پہلا والا اِن شرطیہ اور دوسرا نافیہ ہے۔ اور یزیل کا ماضی فعل تام متعدی ہے بمعنی مَازَ یمیزُ (الگ کرنا) کہا جاتا ہے زالَ زیدٌ الخ یعنی (زید نے اپنی بھیڑ) فلاں کی بکریوں سے الگ کر لی۔

لہ اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے (پ ۱۲ ، ۱۰) سہ ہم برابر اسی پر جمے رہیں گے۔ (پ ۱۶ ، ۱۴)
سہ ہمیشہ اللّٰہ کو یاد کرنے والا رہ سہ تمہارا مکان ہمیشہ سازگار رہے۔
ھہ آپ کی بارگاہ یا ذات ہمیشہ محفوظ رہے۔
لہ بیشک اللّٰہ تھام رہا ہے آسمانوں اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے سوا کوئی نہ تھام سکے ان کو۔ (پ ۲۲ ، ۱۷)

وما يشترط ان يتقدم عليه «ما» المصدرية النائبة عن ظرف الزمان وهو «دام» والى ذلك أشرت بالتمثيل بالآية الكريمة، كقوله سبحانه وتعالى: ﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلَوٰةِ وَالزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ اى مدة دوامي حيًا، فلو قلت: «دام زيد صحيحا» كان قولك «صحيحا» حالا لا خبرا، و كذلك «عجبت مادام زيد صحيحا» لان ما هذه مصدرية لا ظرفية، والمعنى عجبت من دوامه صحيحا.

(۳) وہ فعل جس سے پہلے ایسے مَا مصدریہ کا ہونا ضروری ہے جو ظرف زمان کے قائم مقام ہو۔ اور وہ دَامَ ہے۔ اور آیت کریمہ کی مثال کے ذریعہ اسی کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ جیسے وَاَوْصَانِی الخ یعنی مُدَّۃَ دَوَامِی حَیًّا یعنی زندہ رہنے کے وقت تک۔ اور آپ دَامَ زَیْدٌ صَحِیْحًا (بلا ما) کہیں تو آپ کا قول صحیحًا حال ہوگا۔ نہ کہ خبر۔ اور اسی طرح عجبت من مادام زید صحیحا ہے۔ کیونکہ یہ مَا مصدریہ ہے۔ نہ کہ ظرفیہ۔ معنی ہیں عجبت من دوامہ صحیحا[2]۔

ثم قلت: ويجب حذف «كان» وحدها بعد «اما» في نحو «اما انت ذا نفر» ويجوز حذفها مع اسمها بعد إن ولو الشرطيتين، وحذف نون مضارعها المجزوم الا قبل ساكن او مضمر متصل۔ واقول: هذه ثلاث مسائل مهمة تتعلق بكان بالنظر الى الحذف: إحداها حذفها وجوبا دون اسمها وخبرها، وذلك مشروط بخمسة امور، احدها: ان تقع صلة لإن، والثاني: ان يدخل على ان حرف التعليل، الثالث: ان يتقدم العلة على المعلول، الرابع: ان يحذف الجار، الخامس: ان يؤتى بما: كقولهم «اما انت منطلقا انطلقت»۔

م: اما انت ذا نفر جیسے میں امّا کے بعد (واقع ہونے کی صورت میں) صرف کان کا حذف ضروری ہے۔ اور اِنْ، لَوْ شرطیہ کے بعد، کانَ کو مع اسم حذف کیا جا سکتا ہے۔ اور کانَ کے مضارع مجزوم کے نون کو حذف کیا جا سکتا ہے، الا یہ کہ ساکن یا ضمیر متصل سے پہلے ہو۔

ش: یہ تین اہم مسائل ہیں جن کا تعلق باعتبار حذف کانَ سے ہے ۱۔ اسم وخبر کے بغیر وجوبًا صرف کانَ کا حذف۔ اور یہ پانچ امور کے ساتھ مشروط ہے۔ اوّل یہ کہ اَنْ کا صلہ واقع ہو۔ دوم یہ کہ اَنْ پر حرف تعلیل

---

[1] اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں زندہ رہوں۔ (پ ۱۶ ع ۵)

[2] اس کے برابر تندرست رہنے سے مجھے تعجب ہوا۔

داخل ہو۔ سوم یہ کہ علت معلول پر مقدم ہو۔ چہارم یہ کہ جار کو حذف کر دیا جائے۔ پنجم یہ کہ (اَنْ کے بعد کان کی جگہ) مَا لایا جائیگا۔ ششم اَمَّا انت منطلقا انطلقت۔

واصل هٰذا الكلام: انطلقتُ لِاَنْ كنتَ منطلقا، اى: انطلقتُ لاجلِ انطلاقِك، ثم دخل هٰذا الكلامَ تغييرٌ من وجوه اَحَدُهَا تقديم العلة — وهى لان كنت منطلقا — على المعلول — وهى «انطلقت» — وفائدةُ ذلك الدَّلالةُ على الاختصاص، والثانى حذفُ لامِ العِلّة — وفائدةُ ذلك الاختصارُ، والثالث: حذف كانَ، وفائدته ايضًا، الاختصار. والرابع: انفصال الضمير، وذلك لازم عن حذفِ كان، والخامسُ: وجوب زيادة «ما» وذلك لارادة التعويض، والسّادسُ: إدغامُ النونِ فى الميم، وذلك لتقارب الحرفين مع سكون الاوّل وكونهما فى كلمتين۔

اس کلام کی اصل انطلقت الخ ہے۔ یعنی میں تمہارے چلنے کی وجہ سے چلا۔ پھر اس کلام میں متعدد طرق سے تبدیلی آ گئی۔ اوّل علت یعنی لان کنت منطلقا کو معلول، یعنی انطلقت پر مقدم کرنا۔ اس کا فائدہ خصوصیت کو بتلانا ہے۔ دوم لامِ علت کا حذف ہے۔ اس کا فائدہ اختصار ہے۔ سوم کانَ کا حذف ہے۔ اس کا بھی فائدہ اختصار ہے۔ چہارم: ضمیر کو منفصل کرنا ہے۔ اور یہ کانَ کے حذف کے بعد ضروری ہے پنجم لازمًا «ما» کا اضافہ۔ اور یہ (کانَ کے) عوض کے قصد کی وجہ سے ہے ششم: نون کا میم میں اِدغام۔ اور یہ ان دونوں حرفوں کے دو کلموں میں ہونے اور پہلے حرف کے سکون کے ساتھ ساتھ دونوں حرفوں کے قریب قریب ہونے کی وجہ سے ہے۔

ومن شواهدِ هٰذهِ المسئلة قول العبّاس بن مرداس رضى الله عنه:

۸۷۔ اَبَا خُرَاشَةَ اَمَّا انتَ ذَا نفرٍ ✽ فَاِنَّ قَومِى لَمْ تَاكُلْهُمُ الضَّبُعُ

«اَبَا» منادى بتقدير يا ابا، و «خُراشة» بضم الخاء المعجمة، و «امّا انت ذا نفر» اَصْلُهُ: لِان كنت ذا نفر، فعمل فيه مَا ذكرناه، والّذى يتعلق به اللام محذوف: اى لاَنْ كنت ذا نفر افتخرت علىّ والمراد بالضبع السَّنَة المُجْدِبَةُ۔

اور اس مسئلہ کی ایک نظیر حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اَبا خراشةَ[۱] الخ

اَبا۔ یا اَبا کی تقدیر کی وجہ سے منادیٰ ہے۔ اور خُراشہ خاء معجمہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اور «اما انت ذا نفر»

(حاشیہ لہ آئندہ صفحہ پر)

کی اصل لانْ کنت ذانفر ہے۔ اس میں وہی عمل کیا گیا جو ہم نے ذکر کیا۔ اور حسبی (فعل) سے لام متعلق ہے وہ محذوف ہے یعنی لانْ کنت ذانفر افتخرت علی۔ اور "ضبع" سے قحط سالی مراد ہے۔

المسئلۃ الثانیۃ: حذف "کان" مع اسمِہا وابقاء خبرِھا، وذلک جائزٌ لا واجبٌ، وشرطہ ان یتقدمہا "ان" او "لو" الشرطیتانِ، فالاول کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: النّاسُ مجزیُّون باعمالِہم ان خیرًا فخیرٌ وان شرًا فشرٌ۔ فتقدیرہ: ان کان عملہم خیرًا فجزاؤہم خیرٌ وان کان عملہم شرًا فجزاؤہم شرٌ۔ وھٰذا اَرجحُ الاَوجُہِ فی مثلِ ھٰذا الترکیب، وفیہ وجوہٌ اُخَرُ۔ وَالثانی کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اِلْتَمِسْ وَلَو خاتمًا من حدیدٍ" ای ولو کان الذی تلتمسہ خاتمًا من حدیدٍ۔

دوسرا مسئلہ کانَ کو مع اسم حذف کرنا اور اس کی خبر کو باقی رکھنا۔ اور یہ جائز ہے۔ واجب نہیں۔ اس کی شرط یہ ہے کہ کانَ سے پہلے "ان" یا "لو" شرطیہ ہو۔ پہلے کی مثال جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول الناس مجزیون الخ اس کی اصل ان کان عملہم الخ ہے۔ اس جیسی ترکیب میں یہ راجح توجیہ ہے۔ اور اس میں اور بھی توجیہات ہیں۔ دوسرے کی مثال جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ التمس الخ یعنی اگرچہ جسے تو ڈھونڈ کر لائے لوہے کی انگوٹھی ہو۔

المسألۃ الثالثۃ: حذف نون "کان"، وذلک مشروطٌ بامور، اَحَدُھا: ان تکون بلفظ المضارع والثانی: ان یکون المضارع مجزومًا، والثالث: ان لایقع بعد النون ساکن، والرابع: ان لا یقع بعدہٗ ضمیر متصل، وذلک نحو (ولم یکُ من المشرکین) (ولم اکُ بغیًّا) ولا یجوز فی قولک "کان" و "کن" لانتفاءِ المضارع، ولا فی نحو "ھو یکون" و "لن یکون" لانتفاء الجزم، ولا فی

—— حاشیہ صفحہ گذشتہ

لہ ابوخراشہ! (کیا) اس وجہ سے کہ تو افراد والا ہے (فخر کرتا ہے) تجھے اس کا حق نہیں۔ کیونکہ تیری قوم کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ فخر کا حق تو مجھے ہے) کیونکہ میری قوم کو قحط سالی نے نہیں کھایا ہے۔ (بلکہ اس کی تعداد سرفروشی و مجاہدانہ کارناموں میں گھٹی ہے۔) مستدل: اما انت ذا نفر ہے کہ کان کے حذف کی شرائط کے ساتھ کانَ کو حذف کرکے اسکے عوض ما زائدہ لایا گیا اور اسم و خبر باقی رکھا گیا۔

لہ متن میں مذکور توجیہ کے علاوہ مندرجہ ذیل تین توجیہات مزید ہیں۔ (۱) ان خیرٌ فخیرًا وان شرٌ فشرًا تقدیر عبارت: ان کان فی عملہم خیرٌ فہم یجزون خیرًا الخ (۲) ان خیرٌ فخیرٌ وان شرٌ فشرٌ۔ ان کان فی عملہم خیرٌ فجزاؤہم خیرٌ الخ (۳) ان خیرًا فخیرًا وان شرًا فشرًا۔ ان کان عملہم خیرًا فہم یجزون خیرًا الخ
ان کی وجوہ ترکیب ادنیٰ غور و فکر سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ (منتہی الارب)

نحو (لم یکن الذین کفروا) لوجود السّاکن، ولا فی نحو قوله صلی اللہ علیہ وسلم: اِن یَکُنْہُ فلن تُسَلَّطَ علیہ، واِن لا یَکُنْہُ فلا خیرَ لک فی قتلِہ، لوجود الضمیر۔

تیسرا مسئلہ۔ کان، کے نون کا حذف ہے۔ اور یہ چند امور کے ساتھ مشروط ہے۔ اوّل یہ کہ مضارع کا صیغہ ہو، دوم یہ کہ مضارع مجزوم ہو۔ سوم یہ کہ نون کے بعد ساکن نہو چہارم یہ کہ اس کے بعد ضمیر متصل نہو۔ اس کی مثال جیسے ولم یَکُ مِنَ المشرکین[1]، ولم اَکُ بَغِیًّا[2] اور، کان، اور، کن، میں حذف جائز نہیں، مضارع کے نہونے کی وجہ سے۔ اور نہ ہی، یکون، اور، لن یکون، میں، جزم کے نہونے کی وجہ سے اور نہ لم یکن[3] الخ ساکن ہونے کی وجہ سے۔ اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وان یکنہ[4] جیسے میں ضمیر کے ہونے کی وجہ سے۔

ثمّ قلت: السّادس اسمُ افعالِ المقاربۃ، وہی کاد، وکرب، واَوْشَکَ لِلدُّنُوِّ الخَبَرِ، وعسٰی واخلولق وحری — لترجّیہ، وطفِقَ، وعَلِقَ وانشأ، واخذ وجعل وھَبَّ وھَلْہَلَ للشروع فیہ، ویکون خبرُھا مضارعًا۔ واقول: السّادس من المرفوعاتِ: اسمُ الافعالِ المقاربۃ، وہی تنقسم — باعتبار معانیھا — الی ثلاثۃِ اقسامٍ: مایدل علی مقاربۃ المسمّٰی باسمِھا الخبر، وھی ثلاثۃ: کاد، وکرب، و اَوْشَکَ، ومایدلّ علی ترجّی المتکلم للبنسبر وھی ثلاثۃ ایضًا: عسٰی وحری واخلولق۔

ومایدل علی شروعِ المسمّٰی باسمِھا فی خبرِھا وھی کثیرۃ ذُکِرَتُ منھا (ھنا) سَبعۃً فکملت افعالُ ھٰذا الباب ثلاثۃ عشرَ کما ان الافعالَ فی بابِ، کان، کذٰلک۔

---

[1] اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ (پ۱۴ ۲۲)　[2] اور نہ میں بدکار ہوں۔ (پ۱۶ ۴)

[3] اور کافر (باز آنے والے) نہ تھے۔ (پ۳۰ ۲۲)　[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مدینۂ طیبہ کے اندر ابن صیاد نامی ایک نوعمر قریب البلوغ یہودی تھا، جو کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعوی کرتا تھا، جھوٹی سچی باتوں سے لوگوں کو بہکایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے ہمراہ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ابن صیاد میں مسیح دجال کی خو بو محسوس کی، اور آپؐ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو جواباً آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے جن کا ترجمہ یہ ہے: اگر یہ (ابن صیاد) وہی (مسیح دجال) ہے تو اسپر تمکو ہرگز قابو نہیں دیا جائیگا۔ اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تم کو اس کے قتل میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(مستفاد از مشکوۃ ج۲ ومنتہی الارب)

م: چھٹا مرفوع، افعالِ مقاربہ کا اسم ہے۔ اور وہ افعالِ مقاربہ کادَ، کَرَبَ اور اَوْشَکَ ہے۔ خبر کے قرب (کو بیان کرنے) کے لیے۔ اور عسیٰ، اخلولق اور حری ہے، خبر کی امید کے لیے۔ اور طفق وغیرہ ہیں خبر میں لگنے اور شروع کرنے کے لیے۔ اور ان کی خبر مضارع ہوتی ہے۔

ش: چھٹا مرفوع: افعالِ مقاربہ کا اسم ہے۔ معانی کے لحاظ سے ان کی تین قسمیں نکلتی ہیں۔

(۱) وہ افعال جو خبر سے ان الفاظ کے قرب کو بتلاتے ہیں جن کو افعالِ مقاربہ کے اسم کا نام دیا جاتا ہے۔

(۲) وہ افعال جو متکلم کے خبر کا امیدوار ہونے کو بتلائیں۔ یہ بھی تین ہیں۔ عسیٰ وغیرہ۔ (۳) وہ افعال جو افعالِ مقاربہ کے اسم، مسمّٰی کے لگ جانے کو بتلائیں۔ یہ افعال بہت ہیں۔ ان میں سے میں نے یہاں سات ذکر کر دیئے ہیں۔ اس صورت میں اس باب کے افعال تیرہ پورے ہو گئے، جس طرح باب کانَ کے افعال اتنے ہی ہیں۔

هٰذه الثلاثة عشر تعمل عمل كان، فترفع المبتدأ وتنصب الخبر إلّا أنّ خبرها لا يكون إلّا فعلًا مضارعًا، ثمّ منه ما يقترن بأن، ومنه ما يتجرّد عنها، كما يأتي تفصيله إن شاء الله تعالىٰ في باب المنصوبات، ولولا اختصاص خبرها بأحكام ليست لكان وأخواتها لم تنفرد بباب على حدة، قال الله سبحانه: (يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ) (عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ) وقال الشاعر:

وَقَدْ جَعَلْتُ إِذَا مَا قُمْتُ يُثْقِلُنِي ❊ ثَوْبِي فَأَنْهَضُ نَهْضَ الشَّارِبِ السَّكِرِ

وَكُنْتُ أَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ مُعْتَدِلًا ❊ فَصِرْتُ أَمْشِي عَلَىٰ أُخْرَىٰ مِنَ الشَّجَرِ

یہ تیرہ کانَ جیسا عمل کرتے ہیں کہ مبتدا کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان کی خبر صرف فعل مضارع ہوتی ہے۔ پھر مضارع میں سے بعض میں اَنْ لگا رہتا ہے، بعض اس سے مجرد ہوتے ہیں۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ منصوبات کے بیان میں آئے گی۔ اور اگر ان کی خبر کا ان احکام کے ساتھ خاص ہونا نہ ہوتا جو کانَ اور اس کے اخوات میں نہیں (پائے جاتے) ہیں تو ان کا مستقل الگ باب نہ ہوتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یکادُ[1] الخ عسیٰ ربکم[2] الخ اور شاعر نے کہا ہے وقد جعلت[3] الخ

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل خود بخود جل اٹھے گا۔ (پ ۱۸) [2] عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے۔ (پ ۱۵)
[3] اور میں جب کھڑا ہوتا ہوں تو میرا کپڑا مجھے گراں بار کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا میں بدمست شرابی کی طرح اٹھتا (بیٹھتا) ہوں اور میں دو پیروں پر ٹھیک ٹھیک چلا کرتا تھا، پھر میں ایک اوڈھا لگ (لکڑی کے سہارے) پر چلنے لگتا ہوں جو لکڑی کی (بنی ہوئی) ہو۔
نوٹ: پہلا شعر "قد جعلت" الخ پر نحوی اعتبار سے ایک زبردست اشکال ہے۔ کہ جعلتُ (فعل شروع) صیغہ متکلم کا تقاضہ ہے کہ اس کی خبر مضارع متکلم "اثقل" ہو۔ لہٰذا اس کی بجائے "یثقلنی" خلافِ اصول اور غلط ہے۔
(باقی اگلے صفحہ پر)

وَقَالَ الْآخَرُ: ۸۸۔ هَبَبْتُ أَلُومُ الْقَلْبَ فِي طَاعَةِ الْهَوٰى ۔

وَقَالَ الْآخَرُ: ۸۹۔ وَطِئْنَا دِيَارَ الْمُعْتَدِيْنَ فَهَلْهَلَتْ ٭ نُفُوسُهُمْ قَبْلَ الْإِمَاتَةِ تَزْهَقُ

وَهٰذَانِ الْفِعْلَانِ أَغْرَبُ أَفْعَالِ الشُّرُوعِ، وَطَفِقَ أَشْهَرُهَا، وَهِيَ الَّتِي وَقَعَتْ فِي التَّنْزِيلِ، وَذٰلِكَ فِي مَوْضِعَيْنِ، أَحَدُهُمَا: (وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ) أَي: شَرَعَا يَخِيطَانِ وَرَقَةً عَلَى أُخْرٰى كَمَا تُخْصَفُ النِّعَالُ لِيَسْتَتِرَا بِهَا، وَقَرَأَ أَبُو السَّمَّالِ الْعَدَوِيُّ (وَطَفَقَا) بِالْفَتْحِ وَهِيَ لُغَةٌ حَكَاهَا الْأَخْفَشُ، وَفِيهَا لُغَةٌ ثَالِثَةٌ طَبِقَ۔ بِبَاءٍ مَكْسُورَةٍ مَكَانَ الْفَاءِ۔ وَالثَّانِي (فَطَفِقَ مَسْحًا) أَي: شَرَعَ يَمْسَحُ بِالسَّيْفِ سُوقَهَا وَأَعْنَاقَهَا مَسْحًا: أَي يَقْطَعُهَا قَطْعًا۔

ایک اور شاعر نے کہا هببتُ الخ ایک اور شاعر نے کہا وطئنا الخ یہ دونوں فعل (هببتُ و وطئنا) افعال شروع میں سب سے زیادہ نادر ہیں۔ اور طَفِقَ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اور یہی قرآن میں وارد ہوا ہے۔ اور یہ دو مقامات پر ہے۔ (۱) وَطَفِقَا الخ یعنی ایک پتہ کو دوسرے سے سینے (چپکانے) لگے جیسے جوتوں پر پیوند لگایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ دونوں (آدم وحوا) ان کے ذریعہ ستر پوشی کرلیں۔ اور ابو السمال العدوی نے وَطَفَقَا (بفتح الفاء) پڑھا ہے جسے اخفش نے نقل کیا ہے۔ اور اس میں تیسری لغت ہے۔ طَبِقَ (فاء کی جگہ باء مکسورہ کے ساتھ) (۲) فطفق الخ یعنی تلوار سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کا صفایا کرنے لگے یعنی انکو کاٹنے لگے۔

ثُمَّ قُلْتُ: التَّاسِعُ اسْمُ مَا حُمِلَ عَلٰى "لَيْسَ" وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: "لَاتَ" فِي لُغَةِ الْجَمِيعِ وَلَا تَعْمَلُ إِلَّا فِي الْحِينِ بِكَثْرَةٍ أَوِ السَّاعَةِ أَوِ الْأَوَانِ بِقِلَّةٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ جُزْئَيْهَا۔ وَالْأَكْثَرُ كَوْنُ الْمَحْذُوفِ

(بقیہ سابقہ)

جواب: "يشغلني" کی ضمیر غائب سے مراد "جعلت" کی ضمیر متکلم ہے۔ لہٰذا يشغل گویا صیغۂ متکلم ہی ہے۔ رہا "ثوبي" تو اس ضمیر غائب سے بدل الاشتمال ہے۔ شاید جعلت يشغلني ہے جیسے جعل (فعل شروع) کا اسم ضمیر متکلم اور خبر فعل مضارع ہے۔

لہ میں محبت کی اطاعت کے سلسلہ میں دل کو ملامت کرنے لگا ہوں۔

لہ ہم نے ظالموں کی بستی میں قدم رکھا تو مارنے سے پہلے ہی ان کی جان نکلنے لگی۔ محل استشہاد هلهلت نفوسهم تزهق ہے۔ علماء راسخین ــ جن میں مؤلف بھی شامل ہیں، کی رائے میں هلهل "قریب قریب" ہونے کا معنی دیتا ہے بس۔ ہماری معلومات کے مطابق مؤلف کے علاوہ کسی نے بھی هبّ اور هلهل کو افعالِ شروع میں شمار نہیں کیا ہے۔ جبکہ خود مؤلف نے دوسری کتاب میں اسے "قرب" ہی پر دلالت کرنے والا قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مؤلف کو کہیں سے ان کے "افعالِ شروع" میں ہونے کا سراغ لگا ہے۔ لیکن چونکہ قلیل الاستعمال ہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا: هٰذان الفعلان أغرب أفعال الشروع۔ (مستفاد از منتہی الادب)

سہ هلهلت (فعل شروع)، نفوسهم (اس کا اسم)، تزهق (خبر)۔

اسمها، نحو (ولاتَ حِیْنَ مَنَاص) و "ما" و "لا" النافیتان فی لغة الحجاز، و "اِنْ" النافیة فی لغة اهل العَالیة، وشرط اعمَالهنّ نفی الخبر، وتاخیره، وان لایَلیهُنّ معموله ولیس ظرفًا ولا مجرورًا، وتنکیر معمُولَی "لا" وان لایقترن اسم "ما" بأن الزائدة، نحو (مَا هٰذا بَشَرًا) و:

ہ ولاوزرٌ مما قضی الله واقیاه و "اِن ذلك نافعك ولاضارك "

م : سَاتویں: ان حروف کا اسم جن کو "لیس" پر محمول کیا گیا ہے۔ وہ چار ہیں۔ (۱) لاتَ۔ تمام لغت کے مطابق۔ اور یہ عمل نہیں کرتا مگر (لفظ) حِیْنَ میں کثرت کے ساتھ۔ یا سَاعَة یا اَوَان میں قلّت کے ساتھ۔ اس کے دونوں جزء (اسم و خبر) کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اور (ترکیب) میں اکثر محذوف اس کا اسم بنتا ہے جیسے لاتَ حِیْنَ الخ (۲-۳) مَا و لَا نافیہ ہیں اہلِ حجاز کی لغت کے مطابق (۴) اِن نافیہ ہے۔ اہلِ عالیہ کی لغت کے مطابق۔ ان کے عمل کرنے کی شرط خبر کا منفی و مؤخر ہونا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ خبر کا معمول ان حروف سے متصل نہ ہو۔ اور ظرف اور مجرور نہ ہو۔ اور لَا کے دونوں معمولوں کا نکرہ ہونا۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ مَا کا اسم اِنْ زائدہ سے ملا نہ ہو۔ جیسے مَا هٰذا بَشَرًا[1] اور ولا وزر[2] اور ان ذلك[3] الخ

واقول: السَّابع من المرفوعات اسْم مَاحمل — فی رفع الاسم ونصب الخبر — علی "لیس"، وهی احرف اربعة نافیة، وهی "مَا" و "لا" "لاتَ" و "ان" فامّا "مَا" فانها تعمل هٰذا العمل باربعة شروط، اَحَدُهَا: ان یکون اسمها مقدمًا وخبرها مؤخرًا، والثانی: ان لایقترن الاسم بإنْ الزائدة، والثالث: ان لایقترن الخبر بالّا، والرابع: ان لایَلیها معمُول الخبر ولیس ظرفًا، ولاجَارومجرورًا۔ فاذا استوفت هٰذهِ الشروط الاربعة عملت هٰذا العمَل۔ سَواءٌ اَکَانَ اسْمها وخبرها نکرتین اَومعرفتین، اَوکان الاسمُ معرفة والخبر نکرة — فالمعرفتان کقوله تعالیٰ (مَا هُنَّ اُمَّهَاتهم) والنکرتان کقوله تعالیٰ (فما منکم مِّنْ اَحدٍ عنه حَاجزین) و (احد) اسمها (حَاجزین) خبرها و (منکم) متعلق بمحذوف تقدیرهٗ اعنی، ویحتمل ان احدا فاعل "منکم" لاعتماده علی النفی، و (حَاجزین) نعت لهٗ علی لفظه۔

---

[1] اس کا ترجمہ آگے کتاب میں آرہا ہے۔ [2] یہ شخص آدمی ہرگز نہیں۔ (پ ۱۲)

[3] اس کا ترجمہ صـ ۱۹۹ پر آرہا ہے۔ [4] یہ تمہارے لئے نہ مفید ہے نہ مضر۔

ش : ساتواں مرفوع ان (حروف) کا اسم ہے جن کو (اسم کو رفع دینے اور خبر کو نصب دینے میں) لیس پر محمول کیا گیا ہے۔ وہ چار حروف نفی ہیں «ما، لا، لات، اور «اِن» بہرحال «ما» تو وہ اس طرح کا عمل چار شرطوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اوّل یہ کہ اس کا اسم مقدم اور خبر مؤخر ہو۔ دوم یہ کہ اسم اِن زائدہ سے متصل نہو سوم یہ کہ خبر اِلَّا سے متصل نہو۔ چہارم یہ کہ خبر کا معمول «ما» سے متصل نہ ہو۔ اور وہ معمول ظرف اور جار مجرور نہو۔ پھر جب «ما» میں پورے طور پر یہ چاروں شرطیں پائی جائیں گی تو «ما» یہ (مذکورہ) عمل کریگا۔ خواہ اس کا اسم وخبر دونوں نکرہ ہوں یا معرفہ یا اسم معرفہ اور خبر نکرہ ہو۔ دونوں معرفہ ہوں جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد مَاهُنَّ أُمَّهَاتِهِم۔ دونوں نکرہ ہوں جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد فمامنکم الخ کہ اس میں اَحَدٌ ما کا اسم اور حاجزین اسکی خبر ہے اور منکم ایک محذوف کے متعلق ہے جسکی تقدیر یا عنی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اَحَدٌ منکم کا فاعل ہو۔ چونکہ اس کا اعتماد نفی پر ہے۔ اور حاجزین لفظاً اس کی صفت ہے۔

فان قلت: كيف يوصف الواحد بالجمع؟ أو كيف يخبر به عنه؟ قلت: جوابهما انّه اسم عام ولهذا جاء (لانفرّق بين أحد من رسله) والمختلفان كقوله تعالى: (ما هذا بشرا) ولم يقع في القرآن إعمال «ما» صريحا في غير هذه المواضع الثلاثة، على الاحتمال المذكور في الثاني، وإعمالها لغة أهل الحجاز، ولا يجيزونه في نحو قوله:

۹۰۔ بنی غدانة ما ان انتم ذهب ٭ ولا صريف ولكن انتم الخزف

لاقتران الاسم بان، ولا في نحو قوله سبحانه: (وما محمد الا رسول) (وما امرنا الا واحدة) لاقتران الخبر بالا، ولا في نحو قولهم في المثل، ماسيٌّ من اعتب المتقدم خبرها، ولا في نحو قوله:

۹۱۔ وقالوا تعرّفها المنازل من منى ٭ وما كلّ من وافى منى انا عارف

لتقدم معمول خبرها وليس بظرف ولا جار ومجرور۔

اعتراض : واحد کی صفت جمع کیسے لائی جاسکتی ہے؟ یا واحد کی خبر جمع کیسے لائی جاسکتی ہے۔؟

جواب: یہ کہ لفظ (احد) عام ہے۔ اسی وجہ سے لانفرّق الخ آیا ہے۔

لے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ (پ ۲۸) ۲ے پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہو تا۔ (پ ۲۹)
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ور دونوں مختلف ہوں جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد مَاهٰذَا بَشَرًا۔ اور ان تین مقامات کے علاوہ میں شرط ثانی کے ضمن میں مذکور احتمال کے مطابق "ما" کو عمل دینا قرآن میں صراحۃً واقع نہیں ہوا ہے۔ اس "ما" کا عمل اہلِ حجاز کی لغت ہے۔ اور وہ بنی غدانۃ الخ جیسے میں اسم پر اِنْ داخل ہونے کی وجہ سے عمل دینا جائز نہیں کہتے ہیں۔ اور نہ ہی باری تعالیٰ کے ارشاد وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اور وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ جیسے میں خبر پر اِلَّا کے دخول کی وجہ سے۔ اور نہ ہی بطور مثل (بولا جانے والا) ان کے قول مَا مسیئٌ مَنْ اَعْتَبَ میں خبر کے مقدم ہوجانے کی وجہ سے۔ اور نہ ہی شعر وقالوا تعرّفها الخ جیسے میں (عمل دینا جائز کہتے ہیں) خبر کے معمول کے مقدم ہونے کی وجہ سے جبکہ نہ وہ ظرف ہے اور نہ جار مجرور۔

ولا یُعْمِلُهَا بنو تمیم ولو اِسْتَوفَتِ الشروطَ الاربعةَ بَلْ یقولون "مَا زَیْدٌ قَائِمٌ"، وقرئ على لغتهم (مَا هٰذَا بَشَرٌ) و (مَا هُنَّ اُمَّهَاتُهُمْ) بالرفع، وقرئ ایضًا (بِاُمَّهَاتِهِمْ) بالجر بباءٍ زائدةٍ۔ وتحتمل الحجازیةَ والتمیمیةَ، خلافًا لابی علی والزمخشری زعمًا اَنَّ الباءَ تختص بلغة النصب۔

اور بنو تمیم اس کو عامل نہیں مانتے ہیں اگرچہ اس "ما" میں چاروں شرطیں پائی جائیں بلکہ وہ کہتے ہیں مَا زَیْدٌ قَائِمٌ اور ان کی لغت کے مطابق (مَا هٰذَا بَشَرٌ) اور مَا هُنَّ اُمَّهَاتُهُمْ (خبر کو رفع کے ساتھ) پڑھا گیا ہے۔ اور ـــ

حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔

ـــہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ (پ ۸) نوٹ:۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں بین کی اضافت اَحد کی طرف ہورہی ہے۔ جبکہ ضابطہ میں بین کی اضافت یا تو جمع کی طرف ہوتی ہے جیسے والقینا بینکم العداوۃ۔ یا بین کا تکرار ضروری ہوتا ہے۔ جیسے هٰذَا فِرَاقُ بینی و بینك۔ یہاں تکرار تو ہے نہیں۔ اور نہ ہی "احد" جمع ہے بلکہ اسم عام ہے جس میں عموم وجمعیت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے "ما منکم من احد عنه حاجزین" میں حاجزین کا احد کی صفت یا خبر بننا درست ہے۔

ــلہ بنو غدانۃ تم نہ سونا ہو نہ چاندی، بلکہ تم ٹھیکریاں ہو۔ شعر میں ما کے بعد ان زائدہ کے واقع ہونے کی وجہ سے ما کا عمل باطل ہوگیا۔ اسی

ـــہ اور محمد بڑے رسول ہی تو ہیں۔ (پ ۴) ـــہ اور ہمارا حکم بس یکبارگی ہوجائیگا۔ (پ ۱۰)

ـــہ جو (کوئی اچھا کام کرکے) ناراضگی ختم کرادے وہ خطا کار نہیں ہے۔ ترکیب: من اعتب مبتدا اور مسئی خبر مقدم ہے۔ اعتب: عتاب ختم کرنا۔

ـــہ اور لوگوں نے کہا کہ اسے (محبوبہ کو) منیٰ کے مقامات میں تلاش کر۔ اور جو لوگ منیٰ میں آئے ہیں ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتا ہوں (بغیر تعارف کے کسی سے کیسے محبوبہ کے بارے میں سوال کرسکتا ہوں) محلِ استشہاد "ما انا عارف" ہے۔ کہ عارف ما کی خبر ہے۔ اور کل الخ اس کا معمول مقدم ہے۔ چونکہ خبر (عارف) کا معمول مقدم ہوگیا۔ لہٰذا "ما" معطل ہوگیا۔

علیٰ النحو دفعۃ بنزلۃ خبرین لہ ای

(یا تمّہا تمم) جراور یار زائدہ کے ساتھ) بھی پڑھا گیا ہے۔ اور (اس صورت میں) "ما" حجازی وتمیمی ہونیکا احتمال رکھتا ہے۔ بخلاف ابوعلی اور زمخشری کے، ان کا خیال ہے کہ (یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ) باء نصب کی لغت کے ساتھ خاص ہے۔

وَامّا "لا" فانّها تعمَل بالشروطِ المذکورۃ لما، اِلا شرطَ اِنتِفَاءِ اقترانِ اِنْ "بالاسمِ فلاحَاجة لهُ، لانّ "ان" لاتزاد بعد "لا" ویضاف الی الشرط الثلاثۃ الباقیۃ اَن یکونَ اسْمها وخبرهَا نکرتین کقولهٖ :

۹۲- تعزَّ فلاشیٌ علی الارضِ باقیا ٭ وَلَا وَزَرٌ مِمّا قضی اللّٰہُ واقیا

وربما عَمِلَتْ فی اسْمٍ معرفۃٍ، کقولهٖ :

۹۳- انکرتُها بعدَ اَعوامٍ مضَینَ لَها ٭ لا الدّارُ دارًا وَلاالجیرانُ جیرانا

وعلی ذٰلک قولُ المتنبی :

۹۴- اِذا الجُودُ لم یُرزَقْ خَلاصًا مِنَ الاَذی ٭ فلاالحمدُ مکسوبًا ولاالمالُ باقیا

واِعمَال "لا" العمَلَ المذکورَ لغۃُ اهلِ الحِجاز ایضًا وامّا بنو تمیم فَیُهمِلُونَها ویُوجبُونَ تکریرَهَا۔

اور بہرحال "لا" تو وہ انہیں شرطوں کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ جو "ما" کے لئے مذکور ہوئیں (اسم کے ساتھ ان (زائدہ) کے عدم اتصال (کی شرط) کے سوا کیونکہ اسکی ضرورت نہیں اسلئے کہ لا" کے بعد "ان" کی زیادتی نہیں کیجاتی ہے) اور بقیہ تین شرطوں کے ساتھ اس کا اضافہ ہے۔ کہ اس کے اسم وخبر دونوں نکرہ ہوتے ہیں۔ جیسے تعزّ فلاشیٔ الخ[1] اور کبھی اسم معرفہ میں عمل کرتا ہے جیسے انکرتہا الخ[2] اس کے مطابق متنبی کا قول ہے۔ اذا الجود الخ[3] اور "لا" کا مذکورہ عمل کرنا بھی اہلِ حجاز کی لغت ہے۔ لیکن بنو تمیم اس کو غیر عامل مانتے ہیں اور "لا" کے تکرار کو لازم کہتے ہیں۔

وامّا "اِن" فَتعمَل بالشروطِ المذکورۃ، اِلّا اَنّ اِقترانَ اسْمِهَا بِاِنْ ممتنعٌ، فلاحَاجۃ لاشتراطِ

---

[1] صبر کر کیونکہ روئے زمین پر کوئی چیز بھی باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی پناہ گاہ اللہ کے فیصلوں سے بچانے والی ہے۔ محلِ استشہاد لاشیٔ باقیا اور لاوزر واقیا ہے۔ وزر یعنی پہاڑ۔ مراد پناہ گاہ ہے۔

[2] میں اس (گھر) کو ان سالوں کے بعد جو اسپر گذرے پہچان نہیں سکا۔ (کیونکہ) نہ وہ گھر گھر تھا، اور نہ وہ پڑوسی پڑوسی تھے۔ جیران، جار کی جمع پڑوسی۔

[3] جب فیاضی کو ایذا رسانی سے خلاصی نہ دیا جائے تو نہ تعریف حاصل ہوگی اور نہ ہی مال باقی رہیگا۔ شعر ۹۳/۹۴ میں لا مشابہ بلیس اسم وخبر میں عمل کر رہا ہے۔ اور دونوں ہی اشعار میں اسم معرف باللام ہے۔

(باقی صفحہ ۵۰۲ پر)

اِنتفائِهٖ وتعمل فی اسمٍ معرفةٍ وخبرٍ نکرةٍ . قرأ سعید بن جُبیر رحمہ اللّٰہ (اِن الَّذِین تدعون مِنْ دُونِ اللّٰہِ عبادًا امثالکم) بتخفیف (اِن) وکسرھا، لالتقاءِ السّاکنین، ونصب (عبادًا) علی الخبریة، و (امثالکم) علی انہ صفة لعبادًا ، وفی نکرتین ، سُمِعَ . ان احدٌ خیرًا من احدٍ الّا بالعافیةِ ، وفی معرفتین ، سُمِع . اِن ذلك نافِعَك ولاضارَك . واعال « ان » ھٰذا لغة اھلِ العالیة۔

اور « ان » بھی مذکورہ (بالا) شرطوں کے ساتھ عمل کرتا ہے ۔ مگر اس کے اسم پر « ان » کا دخول ناجائز ہے۔ لہٰذا اس کے انتفار کی شرط لگانے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ اسم معرفہ اور خبر نکرہ دونوں میں عمل کرتا ہے ۔ (مثلاً) حضرت سعید بن جبیرؒ نے پڑھا ہے اِن الَّذِیْن[1] الخ « ان » کی تخفیف کے ساتھ اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے « ان » کے کسرہ کے ساتھ ۔ اور خبر ہونے کی بنا پر « عبادًا » کے نصب کے ساتھ ۔ اور « امثالکم » کے نصب کے ساتھ « عبادًا » کی صفت کی بنا پر ۔ اور دونوں نکرہ (کی مثال) میں اِنْ اَحَدٌ[2] الخ اور دونوں معرفہ (کی مثال) میں ان ذٰلك[3] الخ سُنا گیا ہے ۔ اور « ان » کو عمل دلانا اہلِ عالیہ کی لغت ہے ۔

وَامّالات ، فانھا تعمل ھٰذا العمل ایضًا ولکنھا تختص عن اخواتھا بامرین ، احدھما : انھا لا تعمل الّا فی ثلاثِ کلماتٍ ، وھی « الحین » بکثرةٍ و « السّاعة » و « الاوان » بقلّةٍ ، والثانی : ان اسمھا وخبرھا لا یجتمعان ، والغالبُ ان یکون المحذوفُ اسمھا والمذکورُ خبرھا وقد یعکس فالاوّل کقولہٖ تعالٰی : (کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ) الواو للحالِ (لا) نافیة بمعنی لیسَ والتاء زائدة لتوکید النفی والمبالغة فیہ کالتاء فی راویة ، او لتانیث الحرف واسمھا محذوف ، و « حینَ مناص » خبرھا ومضاف الیہ ای : فنادوا والحال انہٗ لیس الحینُ حینَ مناص ، ای فرارٍ وتاخیرٍ ۔ والثانی کقراءة بعضھم (ولات حینُ) بالرفع ، ای لیس حینُ مناص حینًا موجودًا لھم عند تنادیھم ونزول ما نزل بھم من العذاب ۔

اور « لات » بھی یہی عمل کرتا ہے لیکن وہ اپنے اخوات کے بالمقابل دو خصوصیتیں رکھتا ہے ۔ ایک یہ کہ یہ صرف تین کلمات میں عمل کرتا ہے ۔ « الحین » میں کثرت کے ساتھ ۔ السَّاعَة اور الاَوَان میں قلت کے ساتھ ۔

---

[1] تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تم جیسے بندے نہیں ہیں (اپ ۱۴) سے یہ تہائی کے نزدیک ہے زمعز
[2] کوئی کسی سے بہتر نہیں ہے ۔ مگر عافیت کی وجہ سے ۔ [4] نجد و تہامہ ، مکہ اور اسکے گرد و نواح کو عالیہ کہتے ہیں ۔
[3] وہ اس سے سیبویہ وغیرہ کی تردید مقصود ہے ۔ جو مکہ اور الالا کو لات کا معمول بنانے کے قائل نہیں ۔ (منتہی الارب مادہ)

دوسرے یہ کہ اس کے اسم وخبر کا اجتماع نہیں ہوتا (ایک محذوف ہوتا ہے) اکثری استعمال یہ ہے کہ محذوف "لات" کا اسم اور مذکور اس کی خبر ہوتی ہے۔ اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد کَمۡ اَهۡلَكۡنَا الخ واؤ حالیہ ہے "لا" نافیہ بمعنی لیس ہے۔ اور تا نفی کی تاکید کے لئے۔ اور رَاوِیَۃ کی تاء کے مانند مبالغہ کے لئے زائد ہے۔ یا حرف کو مؤنث بنانے کے لئے۔ اور اس کا اسم محذوف ہے، اور حِیۡنَ مَنَاصٍ، اس کی خبر اور مضاف الیہ ہے۔ ترجمہ: پھر انہوں نے اس حال میں پکارا جبکہ وہ وقت مناص یعنی فرار ومہلت کا وقت نہ تھا۔ دوسرا (برعکس کی مثال) جیسے بعض لوگوں کی قرارت "ولات حِیۡنُ" رفع کے ساتھ۔ تقدیر عبارت "ولیسَ حِیۡنُ الخ ہے (اور خلاصی کا وقت ایسا وقت نہیں ہے جو ان کو باہم پکارنا اور اس عذاب کے نزول کے وقت حاصل ہو جو ان پر نازل ہوا)

ومن إعمالِها في "السَّاعة" قولُ الشاعر:

۹۵- نَدِمَ البُغَاةُ ولاتَ سَاعَةَ مَنۡدَمٍ ÷ والبغيُ مُرۡتَعُ مُبۡتَغِيۡهِ وَخِيۡمُ

وفي "الاوان" قوله: ۹۶- طَلَبُوۡا صُلۡحَنَا ولاتَ أَوَانٍ ÷ فَاَجَبۡنَا أَنۡ لَيۡسَ حِيۡنَ بَقَاءٍ

واَصۡلُهٗ لیسَ الحینُ اَوانَ صُلۡحٍ، اَو لیسَ الاوانُ اَوانَ صلحٍ، فحذفَ اسمها على القاعدة، وحذفَ ما أُضِيۡفَ اليه خبرُها، وقدَّرَ ثبوتَه، فبناه كما يُبۡنٰى قبلُ وبعدُ، الاّ انّ اَوَانًا شبيه بنزالِ فبَنَاهُ على الكسرِ، ونوَّنَهٗ للضرورة۔

اور "لات" کے "السَّاعة" میں عمل کرنے کی ایک مثال شاعر کا قول ندم البغاۃ الخ اور "الاَوَان" میں عمل کرنے کی مثال شاعر کا قول طلبوا الخ ہے اس کی اصل لیسَ الحینُ اَوَانَ صُلۡحٍ یا لیسَ الاَوانُ اَوَانَ صُلۡحٍ ہے: پھر قاعدہ کے مطابق اس کے اسم کو حذف کر دیا۔ اور اس (صلح) کو حذف کر دیا جس کی جانب خبر کی اضافت ہو رہی ہے۔ اور اس کا وجود تقدیرًا مان لیا، پھر اس کو مبنی بنا دیا جیسے کہ قبل وبعد کو مبنی بنا دیا جاتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ اَوَان، نَزَال کے مشابہ ہے اس لئے اس کو مبنی علی الکسر کر دیا اور ضرورۃً اس کو تنوین دیدی۔

لہ ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ سو انہوں نے بڑے ہائے پکار کی، اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا۔ (پ۲۳۔ ۱)
لہ باغی شرمندہ ہوئے جبکہ شرمندگی کا وقت نہ تھا۔ اور بغاوت ایسی چراگاہ ہے جس کا چاہنے والا بدہضمی کا شکار ہو جاتا ہے۔
بُغاۃ: باغی کی جمع ہے۔ وَخِم وَخمًا (ض) بدہضمی میں مبتلا ہونا۔ لہ انہوں نے ہم سے مصالحت طلب کی جبکہ (صلح کا) وقت نہیں تھا تو ہم نے جواب دیا کہ (یہ وقت) بقاء (صلح) کا وقت نہیں ہے۔

ثم قلت: الثامن خبر "ان" واخواتها: ان ولكن، وكأن، وليت، ولعلّ، نحو (إنّ السّاعة اٰتيةٌ) ولا يجوز تقدّمه مطلقًا، ولا توسّطه إلّا أن كان ظرفًا أو مجرورًا، نحو (انّ في ذٰلك لعبرةً) (إنّ لدينا أنكالًا) واقول: الثامن من المرفوعات: خبر "ان" واخواتها الخمسة فانهنّ يدخلن على المبتدا والخبر. فينصبن المبتدأ كما سيأتي في باب المنصوبات ويسمّى اسمها، ويرفعن خبره كما نذكره الآن ويسمّى خبرها، نحو (إنّ السّاعة اٰتيةٌ) (اِعلموا أنّ الله شديد العقاب) (كأنّهم خشبٌ مسنّدةٌ) (لعلّ السّاعة قريبٌ).

م: آٹھواں مرفوع ان اور اس کے اخوات۔ ان، لکن، کانّ، لیتَ اور لعلّ کی خبر ہے۔ جیسے إنّ السّاعة اٰتيةٌ[1] اس کو کسی طرح بھی مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کو درمیان میں لانا، اِلّا یہ کہ ظرف یا مجرور ہو جیسے اِنّ في ذٰلك لعبرةً[2]، اِنّ لدينا أنكالًا[3]۔

ش: آٹھواں مرفوع انّ اور اس کے پانچوں اخوات کی خبر ہے۔ یہ حروف مبتدا خبر پر داخل ہو کر مبتدا کو نصب دیتے ہیں جیساکہ (اس کا بیان) منصوبات کے باب میں آئیگا۔ اور اس کو ان کا اسم کہا جاتا ہے اور خبر کو رفع دیتے ہیں۔ جیساکہ اس کو ہم اب ذکر کر رہے ہیں۔ اس کو انّ کی خبر کہتے ہیں جیسے اِنّ السّاعة الخ اِعلموا أنّ الله الخ[4] كأنّهم خشبٌ مسنّدةٌ[5]، لعلّ السّاعة قريبٌ[6]۔

ولا تتقدّم أخبارهنّ عليهنّ مطلقًا، وقد اشار الى ذٰلك الشيخ شرف الدّين بن عنين حيث قال:—

۹۷- كأنّي مِن أخبار إنّ ولم يجز	له احدٌ في النحو أن يتقدّما
عسى حرف جرّ من نَدا الجزبي	اليك فانّي من وصالك معدما

ولا على اسمائهنّ، فان الحروف محمولةٌ في الإعمال على الافعال، فلكونها فرعًا في العمل لا يليق التوسّع في معمولاتها بالتقديم والتاخير، اللّهمّ الّا ان كان الخبر ظرفًا أو جارًا ومجرورًا فيجوز توسّطه بينها وبين اسمائها كقوله تعالى: (إنّ لدينا أنكالًا) (إنّ في ذٰلك لعبرةً)

---

[1] بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ (پ ۱۰) [2] بلاشک اس میں بڑی عبرت ہے۔ (پ ۱۰) [3] بیشک ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں۔ [4] تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں۔ (پ ۲)
[5] گویا یہ کڑیاں ہیں جو سہارے سے لگائی ہوئی ہیں۔ (پ ۲۸) [6] عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔ (پ ۲۵)

لِمَنْ يَخْشىٰ) وفی الحديث «انّ فی الصَّلاةِ لَشُغلًا» و «انَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَاء ويروی «لحكمة»
فامّا تقديمهٗ عليهَا فلاسَبيل الى جوازہٖ، لاتقول: فی الدَّارِ إنَّ زيدًا۔

اور ان کی خبروں کو (خود) ان حروف پر کسی طرح بھی مقدم نہیں کیا جا سکتا؟ اسی طرف شیخ شرف الدین ابن عنین نے اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے کانی مثلہ الخ اور نہ ہی ان کے اسموں پر (مقدم کیا جا سکتا ہے) کیونکہ یہ حروف عمل دیئے جانے میں افعال پر محمول ہیں۔ لہٰذا عمل میں ان کے (فعل کی) فرع ہونے کی وجہ سے تقدیم وتاخیر کرکے ان کے معمول میں توسع مناسب نہیں ہے۔ اے اللہ (تو مدد فرما) مگر یہ کہ خبر ظرف یا جار مجرور ہو۔ ایسی صورت میں خبر کو ان حروف اور ان کے اسمار کے درمیان لانا جائز ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد؛ اِنَّ لَدَيْنَا اَنْكَالًا» ان فی ذلك[2] ،اور حدیث شریف میں ہے؟ انّ فِی الصَّلاة لشغلًا[3] اور اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لحكمَاء[4] اور ایک روایت میں لحكمة بھی ہے۔ رہا خبر کا خود حروف پر مقدم ہونا، تو اس کے جواز کی کوئی راہ نہیں ہے۔ (لہٰذا) آپ فِي الدَّارِ ان زَيدًا نہیں کہیں گے۔

ثمّ قلت: وتكسر «ان» فی الابتداء، وفی اوّل الصّلة، والصفةِ والجُملةِ الحَالية والمضافِ اليهَا مَا يَخْتَصُّ بالجُمَل، والحكيَّةِ بالقولِ، وجوابِ القسمِ، والخبرِ بهَا عن اسْمِ عَينٍ، وقبلَ اللامِ المُعَلِّقةِ، وتُكسر اَوْ تُفتحُ بعدَ «اذا» الفُجَائية والفاءِ الجزائية، وفی نحو «اوّل قولی اَنی احمدُ الله» وتُفتحُ فی البَاقی۔

واقول: لـ«اِنّ» ثَلاثُ حَالات: وَجوبُ الكسر، ووجوبُ الفتح، وجوازُ الامرين، فيجب الكسر فی تسعِ مسَائل احداهَا: فی ابتداء الكلامِ نحو (اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ) (اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ)۔

---

[1] گویا کہ میں آن کی خبر ہوں۔ اور نحو میں کسی نے اس (خبر انّ) کے مقدم ہونے کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ عسی تمہاری فیاضی کے سلسلہ میں حرف جر (کشش وامید کا کلمہ) ہے جو مجھ کو تمہاری طرف کھینچتا ہے۔ کیونکہ تمہاری ملاقات کا محتاج ہوں۔ ندی فیاضی، معدم محتاج۔ اعدم الرجل، محتاج ہونا۔ یہ یعنی ابو العباس محمد بن نصر الدین حسین بن عنین الانصاری الدمشقی (متوفی ۶۳۰ھ) کے اشعار ناقابل استشہاد ہیں۔ اور مؤلف نے بھی ان اشعار کو استشہاد کے طور پر نہیں ذکر کیا ہے بلکہ مضمون کی عمدگی ولطافت کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ کہ شاعر نے ایک نحوی قاعدہ کو کس قدر حسین اور ظریفانہ اسلوب میں پیش کیا ہے۔

[2] بیشک اس میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو ڈرے۔ (پ ۳۰)

[3] بیشک نماز میں مشغولیت ہے۔

[4] بعض اشعار حکمتوں سے پُر ہوتے ہیں۔

م : اور « انّ » مکسور ہوتا ہے ابتداء کلام[1] میں اور صلہ، صفت، جملۂ حالیہ اور اس جملہ کے شروع میں جو مضاف الیہ ہو ایسے لفظ کا جو فعل کے ساتھ خاص ہے۔ اور قول کے مقولہ، جوابِ قسم اور اس جملہ کے شروع میں جو قائم بالذات اسم کی خبر بن رہا ہو۔ اور مانع عمل لام سے پہلے (کا انّ مکسور ہوتا ہے) — اور اِذا مفاجاتیہ اور فاء جزائیہ کے بعد۔ اور اوّل قولی الخ جیسے میں مکسور یا مفتوح (کا اختیار) ہوتا ہے۔ اور بقیہ (تمام مقامات) میں مفتوح ہوتا ہے۔

ش : « انّ » کی تین حالتیں ہیں: کسرہ کا وجوب، فتحہ کا وجوب، اور دونوں کا جواز (واختیار) کسرہ نو صورتوں میں واجب ہے۔ اوّل ابتداءِ کلام میں جیسے اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ[1] الخ، اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ[2] الخ

الثانية: اَن تقعَ فی اوّلِ الصّلة، كقوله تعالىٰ: (وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ) « ما » مفعولٌ ثانٍ لِآتيناه، وهي موصولٌ بمعنى الّذی و « اِنّ » وما بعدها صلةٌ[3]، واحترزت بقولی « اوّل الصّلة » من نحو « جاء الّذی عندی اَنّهٗ فاضل » فانّ واجبةُ الفتح وان كانت فی الصّلة، لكنّها ليست فی اوّلها — الثالثة: ان تقع فی اوّل الصّفة كـ « مررت برجلٍ انّهٗ فاضل » ولو قلت: مررت برجلٍ عندی انّهٗ فاضل، لم تكسر، لانّها ليست فی ابتداء الصّفة، الرابعة: اَن تقعَ فی اوّلِ الجملة الحالية كقوله تعالىٰ: (مَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ) واحترزتُ بقيدِ الاوّلية من نحو: اَقبلَ زيدٌ وعندی انّهٗ ظافرٌ۔

دوم یہ کہ اِنّ صلہ کے شروع میں واقع ہو جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد و آتیناہ الخ (اس آیت میں) ما۔ اٰتینا۔ کا مفعولِ ثانی ہے۔ اور یہ موصول بمعنی الّذی، اور اِنّ مابعد سمیت صلہ ہے۔ اور میں نے اپنے قول اوّل الصّلة کے ذریعہ جاء الّذی الخ جیسے سے احتراز کیا ہے۔ کہ اس صورت میں « انّ » پر فتحہ واجب ہے۔ اگرچہ صلہ میں ہے مگر صلہ کے شروع میں نہیں۔ سوم یہ کہ « انّ » صفت کے شروع میں واقع ہو جیسے مررتُ برجلٍ انّهٗ فاضل اور اگر آپ مررت برجلٍ عندی انّهٗ فاضل کہیں تو مکسور نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ صفت کے

---

[1] بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ (پ ۳۰) [2] بیشک ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اتارا ہے۔ (پ ۳۰)

[3] اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں گراں بار کر دیتی تھیں۔ (پ ۲۰)

شروع میں نہیں ہے۔ چہارم یہ کہ جملہ حالیہ کے شروع میں واقع ہو جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کما اخرجک[1] الخ۔
اور "شروع" کی قید کے ذریعہ میں نے اقبل زید[2] وعندی انہ ظافر جیسے سے احتراز کیا ہے۔

الخامسۃ: اَن تقع فی اول الجملۃ المُضَافِ الیہا مَا یختص بالجُمل ۔ وھو اِذْ واِذَا، وحیث ۔ نحو "جلستُ حیثُ اِن زیدًا جَالِسٌ" وقد اُولِعَ الفقہاء وغیرھم بفتح "ان" بعد حیث، وھو لحنٌ فاحشٌ، فانہا لاتُضَافُ الا الی الجملۃ و "ان" المفتوحۃ ومعمولاھا فی تأویلِ المفرد، واحترزتُ بقیدِ الاوّلیۃِ من نحو "جلستُ حیثُ اعتقادُ زیدٍ أنّہٗ مکانٌ حسنٌ" ولَمْ أَرَ احدًا مِن النحویین اشترط الاولیۃ فی مسألتی الحال وحیث ولابُدّ من ذلک۔

السّادِسۃ: ان تقع قبل اللام المُعَلِّقۃ، نحو: (وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکَاذِبُوْنَ) فاللامان "لرسولہ" و "لکاذبون" مُعَلِّقَان لِفِعلَی العِلمِ وَالشھادۃِ، ای: مَانِعَانِ لہمَا من التسلّط علیٰ لفظ مابعدھما: فصار لمَا بعدھمَا حکمُ الابتداء، فلذلک وجبَ الکسرُ، ولولا اللامُ لوجبَ الفتحُ کمَا قال اللّٰہ تعالیٰ: (وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ) و (شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ)۔

پنجم یہ ہے کہ اِنّ اس جملہ کے شروع میں واقع ہو جس کی جانب اضافت کیجارہی ہو اس لفظ کی جو جملوں کے ساتھ خاص ہے اور وہ لفظ اِذْ، اِذَا، اور حَیْثُ ہے۔ جیسے جلست حیث الخ جبکہ فقہاء وغیر فقہاء حیث کے بعد ان مفتوحہ (لانے) کے دل دادہ ہیں۔ اور یہ فحش غلطی[عہ] ہے۔ کیونکہ ان کی اضافت صرف جملہ ہی کی طرف ہوتی ہے، اور اَنّ مفتوحہ اور اس کے دونوں معمول مفرد کی تاویل میں ہوتے ہیں۔ اور میں نے شروع میں ہونے کی قید کے ذریعہ جلست حیث[3] الخ جیسے سے احتراز کیا ہے۔ اور میں نے نحویوں میں سے کسی کو حال وحیث کی صورتوں میں اولیت کی شرط لگاتے نہیں دیکھا۔ جبکہ اس کا ہونا ضروری ہے۔ ششم یہ کہ لام معلقہ سے پہلے واقع ہو جیسے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ[4] الخ کہ لرسولہ اور لکاذبون کے لام علم وشہادۃ کے فعلوں کو عمل سے روکنے والے ہیں۔

(پ ۹)
[1] جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر سے مصلحت کے ساتھ آپ کو روانہ کیا۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی
[2] زید آیا اور وہ میرے نزدیک کامیاب ہے [3] ایسی جگہ بیٹھا جس کے بارے میں زید کا خیال ہے کہ وہ اچھی جگہ ہے۔
[عہ] مصنف علامؒ سے یہاں تسامح ہوا ہے کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جس مقام پر اِنّ کا مابعد، مصدر کی تاویل میں ہو سکتا ہو وہاں اِنّ کے ہمزہ کو مفتوح اور مکسور دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ چونکہ حیث کا مابعد مصدر کی تاویل میں ہو سکتا ہے اس لئے اس کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔
(مستفاد از جامع ۱۲۹/۲ ومنتہی الارب)
[4] اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں (پ ۲۸)

یعنی ان دونوں فعلوں کو مابعد کے لفظ پر اثر ڈالنے سے روک رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا مابعد ابتداء کے حکم میں ہوگیا۔ اسی وجہ سے کسرہ واجب ہے۔ اور اگر لام نہ ہوتا تو فتحہ لازم ہوتا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاعْلَمُوْٓا الخ اور شَهِدَ اللّٰهُ الخ

السَّابعة: ان تقع محکیّۃ بالقول، نحو (قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ) (وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ) (قُلْ اِنَّ رَبِّیْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ) الثَّامنة: ان تقع جوابًا للقسم، کقوله تعالیٰ: (حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ) التَّاسعة: ان تقع خبرًا عن اسم عین نحو: زیدٌ انّه فاضل، وقوله تعالیٰ: (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وقد اثبت فی شرح هذا الموضع بما لم اُسبق الیه فتأمّلوه۔

ہفتم یہ کہ اِنَّ قول کا مقولہ واقع ہو جیسے قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ[1] اور وَمَنْ يَّقُلْ[2] الخ اور قُلْ اِنَّ[3] الخ

ہشتم یہ کہ جوابِ قسم واقع ہو۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے حٰمٓ وَالْكِتٰبِ[4] الخ نہم یہ کہ قائم بالذات اسم کی خبر واقع ہو جیسے زیدٌ انّہٗ فاضل اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[5] الخ اس مقام کی تشریح میں میں نے وہ چیزیں ذکر کی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں ذکر کیں[6]۔ اس میں غور کر لیجئے۔

ویجب الفتح فی ثمان مسائل: إحداها: ان تقع فاعلة نحو (اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا) ای انزالنا، الثانیة: ان تقع نائبة عن الفاعل نحو (وَاُوْحِیَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ) (قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ) الثالثة: ان تقع مفعولًا بغیر القول، نحو (وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ) الرابعة: ان تقع فی موضع رفع بالابتداء،

لہ اور اس بات کو جان لو کہ جو شی بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے (پ ۱۰)
لہ گواہی دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ (پ ۳)
[1] وہ بچہ بولا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ (پ ۱۶) [2] اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے۔ (پ ۱۷) [3] آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات کو غالب کر رہا ہے۔ (پ ۲۲)
[4] قسم اس کتاب واضح کی ہم نے اس کو اتارا۔ (پ ۲۵)
[5] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین، اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا۔ (پ ۱۷) [6] تفصیل ص پر ملاحظہ فرمائیں۔

نحو (وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً) الخامسة: ان تقع فی موضع خبر عن اسم معنی نحو اعتقادی انّك فاضل، السادسة: ان تقع مجرورة بالحرف، نحو (ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ) السابعة: ان تقع مجرورة بالاضافة، نحو (اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ) الثامنة: ان تقع تابعة لشیٔ ممّا ذکرنا، نحو (اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ) ونحو (وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ)، فانها فی الاولی معطوفة علی المفعول، وهو (نعمتی) وفی الثانیة بدل منه وهو (احدی)۔

اور (انّ کے ہمزہ پر) فتحہ آٹھ صورتوں میں واجب ہے۔ (۱) اِنَّ فاعل واقع ہو جیسے اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ[1] الخ (۲) نائب فاعل واقع ہو جیسے وَاُوْحِيَ[2] الخ قُلْ اُوْحِيَ[3] الخ (۳) قول کے علاوہ کا مفعول واقع ہو۔ جیسے ولا تخافون[4] الخ۔ (۴) مبتدا ہونے کی بنا پر محل رفع میں واقع ہو جیسے وَمِنْ اٰيٰتِهٖ[5] الخ (۵) قائم بالغیر سم کی خبر واقع ہو جیسے اعتقادی الخ (۶) حرف جار (کے دخول) کی بنا پر مجرور ہو جیسے ذٰلِكَ بِاَنَّ[6] الخ (۷) اضافت کی بنا پر مجرور ہو جیسے اِنَّهٗ لَحَقٌّ[7] الخ (۸) مذکور (ساتوں) میں سے کسی ایک کا تابع ہو جیسے اُذْكُرُوْا[8] الخ اور جیسے وَاِذْ يَعِدُكُمُ[9] الخ اس لئے کہ اَنَّ پہلی آیت میں مفعول یعنی نعمتی کا معطوف ہے۔ اور دوسری آیت میں مفعول یعنی ”احدیٰ“ کا بدل ہے۔

ویجوز الوجهان فی ثلاث مسائل فی الاشهر: اِحداها: بعد ”اذا“ الفجائیة، کقولك: ”خرجت فاذا انّ زیدا بالباب“ قال الشاعر:

۹۸۔ وکنت اری زیدا کما قیل سیدا ✽ اذا انّه عبد القفا واللهازم

یروی بفتح ”انّ“ وبکسرها — الثانیة: بعد الفاء الجزائیة، کقوله تعالیٰ

---

[1] کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی (پ ۲۱) [2] اور ان کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو ایمان لا چکے ہیں اور کوئی شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہیں لائیگا۔ (پ ۱۲) [3] آپ کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا۔ (پ ۲۹) [4] حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایئے (پ ۷) [5] منجملہ اس کی نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی ہے۔ [6] یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے۔ (پ ۱۷) [7] بیشک وہ برحق ہے جیسا تم باتیں کر رہے ہو۔ (پ ۲۶) [8] تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو انعام میں دی تھی اور اس کو کہ میں نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی۔ (پ ۱) [9] اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی۔ (پ ۹)

(مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) وقرئ بكسر «ان» وفتحها، الثالثة:- في نحو «اوّل قولي اِنِّي اَحْمَدُ اللهَ» وضابط ذالك ان تقع خبرًا عن قول وخبرها قولٌ كاحمد ونحوه وفاعل القولين واحدٌ، فمَا استوفى هٰذا الضابط كالمثال المذكور جاز فيه الفتح على معنى اوّل قولي حمدُ الله، والكسرُ على جعل «اوّل قولي» مبتدأً، و «انى احمد الله» جُملةٌ اُخبر بها عن هٰذا المبتداء، وهي مستغنية عن عائد يعود على المبتدأ، لانها نفس المبتداء في المعنى، فكأنّهٗ قيل اوّل قولي هٰذا الكلام المفتتح باني، ونظيرُ ذالك قوله سبحانهٗ (دَعْوَاهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ) وقولُ النبي صلى الله عليه وسلم: افضلُ مَا قلتُهٗ انا والنّبيّون من قبلي لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔

اور مشہور روایت کے مطابق تین صورتوں میں دونوں وجہیں (فتحہ وکسرہ) جائز ہے۔ (۱) اِذا مفاجائیہ کے بعد جیسے تمہارا قول خرجت الخ اور شاعر کا قول وکنت اری الخ «ان» کے فتحہ کے ساتھ بھی روایت کی جاتی ہے۔ اور کسرہ کے ساتھ بھی۔ (۲) فاء جزائیہ کے بعد جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے من عمل الخ اَنّ کے فتحہ کے ساتھ بھی قرارت ہے اور کسرہ کے ساتھ بھی۔ (۳) اوّل قولی الخ جیسے میں اس کی یہ شرط ہے کہ اَنّ قول کی خبر بن سکے۔ اور اس کی خبر قول (کے قریب المعنی لفظ) ہو جیسے احمد وغیرہ۔ اور دونوں قولوں کا فاعل ایک ہو۔ جب اس میں یہ علامت پورے طور پر پائی جائے گی جیسے کہ مذکورہ مثال میں، تو اس میں فتحہ تو اوّل قولی حمد اللہ کے معنی میں لیکر جائز ہے۔ اور کسرہ۔ اول قولی کو مبتداء اور انی احمد اللہ کو اپنا جملہ بنانے کی وجہ سے جائز ہے جس کو اس مبتداء کی خبر بنایا گیا ہے۔ اور وہ جملہ ایسے عائد سے مستغنی ہے جو مبتدا کی جانب لوٹے۔ کیونکہ معنیٰ یہی جملہ خود مبتدا ہے، گویا کہ کہا گیا: اوّل قولی ھٰذا الکلام المفتتح باني۔

لہ میں نکلا تو اچانک (معلوم ہوا کر) زید دروازہ پر ہے۔ سکہ اور میں زید کو جیسا کہ کہا جاتا ہے سردار خیال کرتا تھا تو اچانک (معلوم ہوا کر) وہ گدی اور جبڑے کا غلام (یعنی ذلیل) ہے۔ ہم نے عبد القفا الخ کا لفظی ترجمہ کیا ہے، ورنہ وہ کنایہ ہے ذلیل وخسیس سے۔ محل استشہاد: اذا مفاجائیہ کے بعد کا اَنّ ہے جو مفتوح ومکسور دونوں ہو سکتا ہے۔

سکہ جو شخص تم میں سے برا کام کر بیٹھے جہالت سے، پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔ (پ ۱۲)

سکہ۔ میری پہلی بات یہ ہے کہ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں۔

ہے میری پہلی بات یہ کلام ہے جس کی ابتداء «انی» سے کی گئی ہے۔

اور اس کی نظیر باری تعالیٰ کا ارشاد دَعْوَاهُمْ[1] الخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان افضل[2] ما الخ ہے۔

ثُمَّ قلت: التاسع خبر "لا" التی لنفی الجنس، نحو "لا رجلَ افضلُ من زیدٍ" ویجب تنکیرُہٗ کالاسم، وتاخیرُہٗ ولو ظرفًا ویکثر حذفُہٗ إن عُلِمَ وتمیمٌ لا تذکرُہٗ حینئذٍ۔ واقول: التاسع من المرفوعات۔ خبر "لا" التی لنفی الجنس، اعلم ان "لا" علی ثلاثۃ اقسامٍ، احدُھا: اَن تکون ناھیۃً، فتختص بالمضارع وتجزِمُہٗ، نحو (وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا)[3] (فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ)[4] (لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا)[5] وتُستعارُ للدعاءِ فتجزِمُ ایضًا نحو (لَا تُؤَاخِذْنَا)[6] الثانی: اَنْ تکونَ زائدۃً دخولُھا فی الکلامِ کخروجھا، فلا تعمل شیئًا، نحو (مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ) ای اَنْ تسجدَ، بدلیل انّہٗ قد جاء فی مکانٍ آخر بغیر "لا" وقولِہٖ تعالٰی: (لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ)[7] وقولہٗ تعالٰی: (وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ)[8]

م: نواں مرفوع لائے نفی جنس کی خبر ہے جیسے لَا رَجُلَ الخ اور اس کی خبر کو اسم کی طرح نکرہ لانا ضروری ہے۔ اور خبر کو مؤخر لانا ضروری ہے، اگرچہ ظرف ہو۔ اور اگر اس کی خبر معلوم ہو تو اکثر حذف ہو جاتی ہے۔ اور بنو تمیم اس صورت میں خبر ذکر ہی نہیں کرتے۔

ش: نواں مرفوع لائے نفی جنس کی خبر ہے۔ جان لیجئے کہ "لا" کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ لا (لائے) نہی ہو یہ مضارع کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور اس کو جزم دیتا ہے جیسے وَلَا تَمْشِ الخ فَلَا يُسْرِفْ الخ لَا تَحْزَنْ الخ اور مجازاً دعا کے لئے لیا جاتا ہے، جزم تب بھی دیتا ہے جیسے لَا تُؤَاخِذْنَا دوم یہ کہ زائدہ ہو، اس کا کلام میں ہونا نہ ہونے کی طرح ہے۔ اس وقت کچھ عمل نہیں کرتا ہے جیسے مَا مَنَعَكَ الخ (کس چیز نے تم کو سجدہ کرنے سے روک دیا) اس دلیل سے کہ دوسرے مقام پر بغیر "لا" کے آیا ہے۔ اور جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لِئَلَّا يَعْلَمَ الخ وَحَرَامٌ عَلٰى الخ

---

[1] جنت میں ان کی دعا سبحانک اللّٰھم ہوگی (اے اللہ تیری ذات پاک ہے) (پ ۱۱)
[2] سب سے بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے کے انبیاء نے کہی لا الٰہ الا اللہ ہے۔ [3] اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل (پ ۱۵)
[4] سو اس کو قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے (پ ۱۵) [5] تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔ (پ ۱۰)
[6] اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمائیے۔ (پ ۳) [7] تاکہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں۔ (پ ۲۷) [8] اور ہم جن بستیوں کو فنا کر چکے ہیں ان کے لئے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ پھر لوٹ کر آویں۔ (پ ۱۷)

الثالث: أن تكونَ نافيةً، وهي نوعانِ: داخلةٌ على معرفةٍ فيجبُ إهمالُها وتكرارُها نحو "لا زيدٌ في الدّارِ ولا عمرٌو" وداخلةٌ على نكرةٍ، وهي ضربانِ: عاملةٌ عملَ ليسَ فترفع الإسمَ وتنصبُ الخبرَ كما تقدّم وهو قليلٌ، وعاملةٌ عملَ إنّ فتنصبُ الاسمَ وترفعُ الخبرَ، والكلامُ الآن فيها، وهي التي أُريدَ بها نفيُ الجنسِ على سبيلِ التنصيصِ لا على سبيلِ الاحتمالِ، وشرطُ إعمالِها هذا العملَ أمرانِ، أحدُهما أن يكونَ اسمُها وخبرُها نكرتَين كما بيّنّا، والثاني: أن يكونَ الإسمُ مقدّمًا والخبرُ مؤخّرًا، وذلك كقولك "لا صاحبَ علمٍ ممقوتٌ" ولا طالعًا جبلًا حاضرٌ[1]

سوم یہ کہ لا (لائے) نفی ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) معرفہ پر داخل ہو۔ اس صورت میں اس کو بے عمل رکھنا اور مکرر ذکر کرنا ضروری ہے۔ جیسے لا زیدٌ الخ (۲) نکرہ پر داخل ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) لیس جیسا عمل کرنے والا۔ اس صورت میں اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ جیسا کہ گذرا۔ اور یہ قلیل (الاستعمال) ہے۔ (۲) إنّ جیسا عمل کرنے والا۔ اس صورت میں اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ اور اس وقت گفتگو اسی میں (چل رہی) ہے۔ اور اس کے اس جیسا عمل کرنے کی شرطیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے اسم وخبر نکرہ ہوں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ دوم یہ کہ اسم مقدم ہو، اور خبر مؤخر۔ اور یہ جیسے تمہارا قول "لا صاحبَ الخ اور "لا طالعًا جبلًا حاضرٌ"۔

فلو دخلَتْ على معرفةٍ أو على خبرٍ مقدّمٍ وجبَ إهمالُها وتكرارُها فالأوّلُ كما تقدّمَ من قولك "لا زيدٌ في الدّارِ ولا عمرٌو" وأمّا قولُ (بعض) العربِ "لا بَصْرَةَ لكم" وقولُ عمر "قضيّةٌ ولا أبا حَسَنٍ لها" يُريدُ عليَّ بنَ أبي طالبٍ رضي الله عنهما[2] وقولُ أبي سفيان يومَ فتحِ مكّةَ "لا قريشَ بعدَ اليومِ" وقولُ الشاعر:

۹۹- أرى الحاجاتِ عندَ أبي خُبَيبٍ نَكِدْنَ ولا أُمَيّةَ في البِلادِ

فمؤوّلٌ بتقدير "مثل" أي ولا مثلَ أبي حَسَنٍ، ولا مثلَ البصرةِ، ولا مثلَ قريشٍ، ولا مثلَ أميّةَ — والثاني كقولِ الله سبحانه وتعالى: لا فيها غولٌ ولا هُم عنها يُنزَفون، ويكثرُ حذفُ الخبرِ إذا عُلِمَ كقولِ الله سبحانه وتعالى: (ولو ترى إذ فزِعوا فلا فوتَ)

---

[1] کوئی بھی علم والا قابلِ نفرت نہیں ہوتا۔ پھر کوئی بھی پہاڑ پر چڑھنے والا موجود نہیں ہے۔ [2] عنہما کا مرجع حضرت علی وعمر ہیں۔

ای فلا فوتَ لهم ، وقولهٗ تعالیٰ (لاضَیْرَ) ای لاضیر علینا ، وبنو تمیم یُوجِبُوْن حذفهٗ اذا کان معلومًا واَمّا اذا جهل فلا یجوز حذفه عند احد ، فضلاً عن ان یجب وذلك نحو ، لا اَحَدَ اغیرُ من اللّٰہ عزّ وجلّ ۔

اگر معرفہ پر داخل ہو یا خبر مقدم پر تو لَا کو بے عمل رکھنا اور مکرر ذکر کرنا واجب ہے پہلا (معرفہ پر دخول) جیسا کہ تمہارا قول لا زیدٌ فی الدّارِ ولا عمرٌو گذر چکا ۔ رہا بعض عربوں کا قول ۔ لا بصرة لکُمُ[1] اور حضرت عمرؓ کا قول قضیّة[2] الخ ان کی مراد علیؓ بن ابی طالب ہیں ۔ اور (ویسے ہی) فتح مکّہ کے دن ابوسفیان کا قول لا قریش[3] الخ اور شاعر کا قول ارٰی[4] الحاجات الخ (تمام کے تمام) مثل کی تقدیر کے ساتھ مؤوّل ہیں ۔ اصل ولا مثل ابی الحسن ، ولا مثل البصرة ، ولا مثل قریش ، ولا مثل اُمیّة ہے ۔ دوسرا (خبر مقدم پر دخول) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا فِیْهَا غَوْلٌ[5] الخ اور اگر خبر معلوم ہو تو اکثر حذف ہو جاتی ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰی[6] الخ اصل فَلَا فَوْتَ لَهُمْ ہے ۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا ضَیْرَ اصل لَا ضَیْرَ[7] عَلَیْنَا ہے ۔ اور جب خبر معلوم ہو تو بنو تمیم حذف کو ضروری کہتے ہیں ۔ اور اگر نا معلوم ہو تو کسی کے نزدیک بھی اس کا حذف جائز نہیں ہے ۔ چہ جائیکہ واجب ہو جیسے لَا اَحَدَ[8] الخ

ثُمّ قلت : العاشر المضارع اذا تجرّد مِن ناصبٍ وجازمٍ ۔ واقول : العاشر من المرفوعاتِ ، وهو خاتمتُها ۔ الفعل المضارع اذا تجرّد من ناصبٍ وجازمٍ کقولك : یقوم زیدٌ ، و « یقعد عمرٌو » فامّا قول اَبی طالب یُخاطبُ النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ۔

۱۰۰ ۔ محمّدُ تَفْدِ نَفْسَك كُلُّ نَفْسٍ اذا ما خِفْتَ مِن شیٍٔ تَبَالَا

فهو مَقْرُونٌ بجازمٍ مقدّرٍ وهو لام الدّعاء وقوله « تبالا » اصله « وبالا » فابدل الواو تاءً کما

---

[1] تمہارے یہاں کوئی بصرہ نہیں ۔ [2] مقدمہ ہے اور اس کے (حل) کے لئے کوئی ابوالحسن نہیں ۔
[3] آج کے بعد قریش نہیں ۔ [4] میں ابوخبیب کے پاس ضرورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ مشکل ہو رہی ہیں ، جبکہ شہروں میں کوئی امید نہیں ہے ۔ محلِ استشہاد لا امیّة ہے کہ اس میں لَا کا اسم معرفہ ہے ۔ اس کی لا مثل امیّة متن میں مذکور ہے ۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ علَم بول کر اس کی صفت کرامت مراد ہے ۔ گویا اصل عبارت لا کریم فی البلاد ہے ۔
[5] نہ اس میں دردِ سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا ۔ (پ ۲۳)
[6] اور اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں جبکہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی ۔ (پ ۲۲)
[7] کوئی حرج نہیں ۔ (پ ۱۹) [8] اللّٰہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ۔

قالوا فی وُرَاث وَدُجَاہ: تُراث وتُجاہ، واَمّا قول امرئ القیس:

۱۰۱۔ فالیومَ اَشرَبْ غَیرَمُستَحقِبٍ　　اِثمًا من اللّٰہِ ولا وَاغِلِ

فلیس قولہ «اشرب» مجزومًا فاِنما ھو مرفوع ولکن حذفت الضمة للضرورة، اَو علی تنزیل «رَبُغَ» بالضم من قولہ «اَشربُ غَیر» منزلة عَضُدٍ بالضم۔ فاِنھم قد یجرُون المنفصلَ مجرَی المتصل، فکما یقال فی عضُد بالضم عضْدٌ بالسکون کذلک قیل فی «رَبُغَ» بالضم «رَبْغ» بالاسکان۔

م: دسواں (مرفوع) مضارع ہے جبکہ ناصب جازم سے خالی ہو۔ ش: دسواں مرفوع جو آخری (بھی) ہے فعلِ مضارع ہے جبکہ ناصب جازم سے خالی ہو جیسے تمہارا قول یقوم زیدٌ یقعد عمرٌو رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ابوطالب کا قول محمد تَفدِ الخ[1] تو یہ (تفد) جازم مقدر سے متصل ہے۔[2] اور وہ (جازم) لام دعا ہے[3] اور انکا قول «تباہ» کی اصل «وباہ» ہے۔ پھر واؤ کو تا سے بدل دیا گیا۔ جیسا کہ اہلِ عرب نے «وراث اور «دجاہ» میں «تُراث وتُجاہ» کہا ہے۔ اور رہا امرؤالقیس کا قول فالیوم الخ[4] تو اس کا اشرب مجزوم نہیں ہے۔ بلکہ مرفوع ہے لیکن ضمہ یا تو «ضرورت» کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ یا شاعر کے قول اشرب غایر میں سے «رَبُغَ» بضم الباء کو عَضُدَ بضم الضاد کے درجہ میں اُتار لینے کی وجہ سے (ب کو ساکن پڑھا گیا ہے) اس لئے کہ اہلِ عرب کبھی منفصل کو متصل کے قائم مقام کر دیتے ہیں جس طرح عَضُد بضم الضاد کو عَضْد بسکون الضاد ادا کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی رَبُغَ بالضم کو رَبْغ بالسکون پڑھا جاتا ہے[5]۔

---

[1] اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر شخص آپ پر قربان ہو جب آپ کسی چیز سے بدانجامی کا اندیشہ ہو۔

[2] تَفدِ: مصنف کی نظر میں حالت جزمی میں ہے۔ اور اس کا جازم لام امر، مقدر ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عامل جازم عملاً عاملِ جار سے بھی کمزور ہوتا ہے۔ اور عاملِ جار کا حذف ناجائز ہے۔ لہٰذا عاملِ جازم کا حذف بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ اسی وجہ سے دیگر علماء نے تفد کو حالتِ رفعی میں مانا ہے۔ اور «یاء» کے حذف کی ضرورتِ شعری پر محمول کیا ہے۔ [3] لام دعاء سے مراد لام امر ہے۔ کیونکہ دعائیہ جملوں پر داخل ہونے والے لام امر کو ادباً لام دعاء سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

[4] تو آج میں ایسی حالت میں پی رہا ہوں کہ نہ تو اللہ کی معصیت کا مرتکب ہوں اور نہ ہی (محفلِ شراب میں) بن بلائے پہنچنے والا ہوں۔
استحقبَ الاثم: گناہ کا مرتکب ہوا، واغل: بغیر بلائے دعوت میں آنیوالا۔

[5] حاصلِ بحث یہ ہے کہ
«اشرب» اور «غیر» الگ الگ دو کلمے ہیں۔ تو فعلِ اشرب کے آخری حروف «رَ، بُ» غیر کے حرفِ اوّل «غَ» سے یقیناً منفصل ہیں لیکن «اجراء المنفصل مقام المتصل» کے اصول سے «رَبُ» کو «غ» سے ملایا تو عَضُد کے وزن پر گویا ایک کلمہ «رَبُغ» بن گیا پھر جیسے عضد میں عین کلمہ «ض» کا سکون جائز ہے اسی طرح رَبُغ میں بھی عین کلمہ «ب» کا سکون جائز ہو گیا۔
واللہ اعلم بالصّواب۔

ترجمہ وتسہیل

شرح شذور الذہب

لابن ہشام الانصاری

مترجم وشارح

مولانا عبد الناصر صاحب
مولانا خورشید انور صاحب

حصہ دوم

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اب سے تقریباً دو سال پیشتر شرح شذور الذہب مرفوعات کے ختم تک کا ترجمہ مع تسہیل زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا تھا، بحمد للہ اس نے مقبولیت وقبولیت حاصل کی، اسی وقت سے بعض لوگوں کا تحریراً وتقریراً شدید تقاضا تھا کہ بقیہ حصہ بھی دنیائے ہستی میں آنا چاہئے، چنانچہ اس کی تسوید وکتابت ایک سال پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی مگر کچھ خارجی ایسے موانع تھے جن کی بنا پر تاخیر ہوئی۔

ہم تہ دل سے ممنون ہیں ان تمام حضرات کے جنہوں نے اس کام میں کسی بھی طرح کا تعاون فرمایا ہے۔ مثلاً محترم جناب مفتی محمد عادل صاحب جنہوں نے کتابت شدہ مسودہ کی تصحیح میں تعاون فرمایا اور کاتب مفتی محمد یوسف صاحب کاشی پوری جنہوں نے کتابت کا کام انجام دیا۔

پہلے حصہ کو لکھتے وقت ذہن میں اتنا خاکہ تھا کہ پڑھنے پڑھانے والوں کو اشعار کے حل میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے مناسب ہوگا کہ اصل کتاب کے حاشیہ پر اشعار کا ترجمہ کر دیا جائے انہیں دنوں یہ تصور بھی آیا اگر پوری کتاب کا ترجمہ بھی کر دیا جائے تو افادیت بڑھ جائیگی اس لئے مرفوعات تک کی عبارت کا ترجمہ اور اشعار کا حل اور ان کے محل استشہادات کو بھی ذکر کر دیا گیا تھا اور رہا مطلب تو طلبہ کی توجہ پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ اگر وہ توجہ کریں گے تو خود نکال لیں گے۔ مگر اس حصہ میں بعض مغلق اور پیچیدہ مقامات کی توضیح وتشریح بھی کر دی گئی ہے۔ اور بقیہ وہ امور جن کا لحاظ پہلے جزء میں کیا گیا تھا ان کو بھی اس میں ملحوظ رکھا گیا۔

والسلام
عبدالناصر
خادم تدریس مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۱/۴/۱۳ھ

اَلْمَنْصُوْبَاتُ

ولمّا انهيتُ القولَ فی المرفوعاتِ شرعتُ فی المنصوبَات فقلتُ : بابٌ ۔ المنصوبات خَمْسَةَ عشرَ : احَدُھا المفعول بہٖ وھو : مَا وقع علیہ فعلُ الفاعل ۔ کضربتُ زیداً ، واقولُ : المَنْصُوبَاتُ مَحْصُورَةٌ فی خَمْسَةَ عشرَ نوعاً وبَدأْتُ منہا بالمَفاعِیل لانّہا الاصلُ ، وغیرُھا محمُولٌ علیہا ومشبّہٌ بہا وبَدأْتُ مِنَ المفاعیلِ بالمفعول بہٖ کما فعل الفارسیُّ وجَمَاعةٌ منہم صاحبا « المقرّب » والتسہیل ، لا بالمَفعول المُطلق کما فعل الزمخشریُّ وابنُ الحاجب ، ووجہُ مَا اخترنَاہُ انّ المفعول بہٖ اَحْوَجُ الی الاعرابِ لانّہُ الّذی یقع بینہُ وبَین الفاعلِ الالتباسُ ۔

اور میں نے جب مرفوعات کے سلسلہ میں بات پوری کر لی تو منصوبات میں لگ گیا، چنانچہ میں نے کہا،

م : باب ، منصوبات پندرہ ہیں ۔ انہیں سے ایک مفعول بہ، وہ وہ (اسم) ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو ۔ جیسے ضربتُ زیداً ۔ ش : منصوبات پندرہ قسموں میں منحصر ہیں ۔ اُن میں سے اولاً میں نے مفاعیل کو ذکر کیا ۔ کیونکہ وہی اصل (منصوبات) ہیں ۔ اور ان کے علاوہ دیگر ان پر محمول ہیں اور ان سے مشابہ ہیں ۔ اور مفاعیل میں سے پہلے مفعول بہ سے شروع کیا ۔ جیساکہ فارسی اور ایک جماعت نے (شروع) کیا ہے ۔ ان ہی میں سے صاحب « مقرب » اور صاحب « تسہیل » ہیں ۔ مفعول مطلق سے نہیں (شروع کیا) جیساکہ علامہ زمخشری اور ابن حاجب نے کیا ہے ۔ اور ہم نے جو (ترتیب) اختیار کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مفعول بہ اعراب کا زیادہ محتاج ہے ۔ کیونکہ یہی وہ (معمول) ہے کہ اس کے اور فاعل کے درمیان اشتباہ ہو جاتا ہے ۔ (جیسے ضربَ عیسٰی موسٰی ، بخلاف دیگر مفاعیل کے کہ ان میں کوئی نہ کوئی امتیازی علامت پائی جاتی ہے ۔ جیسے مفعول مطلق میں مصدر ہونا اور مفعول معہ میں واؤ بمعنی مع کا پایا جانا وغیرہ ۔)

وَالمرادُ بالوقوع التعلّقُ المعنوی ، لا المباشرة ، اعنی تعلّقہُ بما لا یُعقَل الّا بہٖ ، ولذٰلک لم یَکُن الّا للفعل المتعدّی ، ولولا ھٰذا التفسیرُ لخرجَ منہ نحو « اردتُ السّفرَ » لعدم المباشرة ، وخرج بقولنا « مَا وقع علیہ » المفعول المطلقُ ، فانّہٗ نفس الفعل الواقع ، والظرفُ ، فانّ الفعل یقع فیہ ، والمفعولُ لہٗ فانّ الفعل یقع لاجلہٖ ، والمفعولُ معہٗ فانّ الفعل یقع معہٗ لا علیہ ۔

اور وقوع سے ربطِ معنوی مراد ہے، نہ کہ ظاہری اور محسوس ربط، یعنی ربطِ معنوی سے مُراد یہ ہے کہ کہ اس کا لگاؤ ایسی چیز سے ہو جس کے بغیر اس کو سمجھا ہی نہ جا سکتا ہو۔ اسی وجہ سے مفعول بہ صرف فعلِ متعدی کا ہوتا ہے۔ اور اگر (وقوع کی) یہ تفسیر نہ کی جائے تو "اردتُ السّفر" جیسے (جملے) ربطِ محسوس کے نہونے کی وجہ سے اس تعریف سے خارج ہو جاتے۔ اور ہمارے قول "مَاوقع عَلیه" کی وجہ سے مفعولِ مطلق خارج ہوگیا، کیونکہ مفعول مطلق، واقع ہونے والے کا عین ہوتا ہے۔ اور (اس قید کی وجہ سے) ظرف نکل گیا، کیونکہ فعل ظرف (زمان یا مکان) میں واقع ہوتا ہے (اس پر واقع نہیں ہوتا) اور مفعول لہٗ (نکل گیا) کیونکہ فعل مفعول لہٗ کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ اور مفعول معہٗ (خارج ہوگیا) کیونکہ فعل اس کے ساتھ واقع ہوتا ہے نہ کہ اُس پر۔

تشریح: مفعول بہ کی تعریف میں مذکور "مَاوقع عَلیهِ الفعل" سے مُراد یہ ہے کہ بننے والے مفعول بہ سے فعل کا معنوی ربط ہو، محسوس اور ظاہری نہیں، ورنہ تو اردتُ السَّفرَ جیسی مثالیں تعریف سے خارج ہو جائیں گی، کیونکہ ارادہ ایک امرِ معنوی ہے، جس کا مفعول سے اتصال ایسا مشاہد نہیں جیساکہ ضَرَبْتُ زَیْدًا میں ضرب کا اتصال۔

ثم قلت: وَمِنْهُ مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ: جَوَازًا نحو (قالوا خیرًا) ووجوبًا فی مواضعَ منها بابُ الاشتِغَال نحو (وَکُلَّ انسانٍ اَلْزَمْنَاهُ)

واقول: الّذی ینصبُ المفعولَ بِهٖ وَاحِدٌ مِنْ اَرْبَعَةٍ: الفعلُ المتعدّی، ووصفُهٗ ومصدرُهٗ واسمُ فعلِهٖ، فالفعل المتعدّی نحو (وَوَرِثَ سُلَیمانُ داوُدَ) ووصفهٗ نحو (اِنَّ اللّٰهَ بالغُ اَمْرِهٖ) ومصدرہ نحو (وَلَوْلَا دفعُ اللّٰهِ النَّاسَ) واسمُ فعلِهٖ نحو (عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ)۔

وکونهٗ مذکورًا هو الاَصْلُ، کما فی هٰذِهِ الامثلةِ، وقد یُضْمَرُ: جوازًا اِذا دَلَّ علیه دلیلٌ مقالِیٌّ اَوْحَالِیٌّ، فالاول نحو (قالوا خیرًا) ای: انزلَ ربُّنا خیرًا، بدلیلِ (مَاذَا انزلَ رَبُّکُمْ) والثانی نحو قولك لِمَنْ تَاَهَّبَ لسفرٍ: "مکّةَ" باضمار ترید، ولمن سَدَّدَ سهمًا: "القرطاسَ" باضمار تصیبُ،

م: اور مفعول بہ کی ایک قسم وہ (اسم منصوب) ہے جس کا عامل مقدر ہو جوازًا جیسے "قالوا خیرًا" اور چند مقامات پر وجوبًا (مقدر ہوتا ہے) ان ہی (مقامات) میں سے باب الاشتغال ہے جیسے وکلّ انسانٍ الخ

ش : جو (عامل) مفعول بہ کو نصب دیتا ہے وہ چار میں سے ایک ہوتا ہے۔ فعل متعدی، وصف متعدیؔ، مصدر متعدی، اور اسم فعل متعدی۔ چنانچہ فعل متعدی (کی مثال) جیسے وَوَرِثَ الخ اور وصف متعدی جیسے اِنَّ اللہَ الخ اور مصدر متعدی جیسے وَلَوْلَا الخ اور اسم فعل متعدی جیسے عَلَیْکُمْ الخ اور اس (عامل) کا مذکور ہونا ہی اصل ہے۔ جیساکہ ان مثالوں میں ہے لیکن کبھی کبھی حذف کردیا جاتا ہے جوازًا تو اس وقت جب اس پر کوئی مقالی یا حالی دلیل (قرینہ) موجود ہو۔ چنانچہ اول (قرینۂ مقالی کی مثال) جیسے "قالوا خیرًا" یعنی ہمارے رب نے خیر نازل فرمائی۔ "ماذا انزل ربکم" کے قرینہ سے۔ اور دوم (قرینۂ حالی کی مثال) جیسے تمہارا اس شخص سے جو سفر کے لئے تیار ہو تریدُ کو مقدر مانتے ہوئے "مکۃ" کہنا۔ اور اس شخص سے جو تیر کو درست کرچکا ہو تصیبُ کو مقدر مانتے ہوئے "القرطاس" (نشانہ) کہنا (کہ ان مواقع پر سفر کی تیاری اور تیر کو کمان میں لگاکر ٹھیک کرنا ان افعال کے حذف کے لئے حالی قرائن ہیں۔

ؔ یہاں وصف سے فعل متعدی کا صیغۂ صفت مُراد ہے۔ یعنی اسم فاعل ہو تو فعل متعدی کا جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللہَ بالغ امرہٖ۔ اسم مفعول ہو تو فعل متعدی بدو مفعول کا جیسے زیدٌ معطًی عمروًا درھمًا اور مصدر سے فعل متعدی کا مصدر، اور اسم فعل سے وہ اسم فعل مُراد ہے جو فعل متعدی کے قائم مقام ہو۔ (منتہی الارب صـ۱۱)

ؔ اور سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے قائم مقام ہوئے۔ (پ۱۹ ع۱۷)

ؔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔ (پ۲۸ ع۱۷) اس آیت کو مثال میں پیش کرنا اسی وقت درست ہے جبکہ بالغٌ اَمْرَہٗ (بالتنوین ونصب الراء) پڑھا جائے جو کہ امام حفص کے علاوہ دیگر تمام قراء کی قرارت ہے۔ امام حفص کی قرارت "بَالِغُ اَمْرِہٖ" ہے۔

ؔ اور اگر اللہ کا لوگوں کو ہٹاتا نہ ہوتا (پ۲ ع۱۷) "دفع" مصدر متعدی ہے جو الناس کو نصب دے رہا ہے

ؔ تم پر اپنی فکر لازم ہے (پ۷ ع۴) عَلَیْکُمْ اسم فعل ہے جو اَنْفُسَکُمْ کو نصب دے رہا ہے۔

ؔ یعنی خیرًا، مَاذَا اَنْزَلَ الخ کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جو فعل سوال میں ہوتا ہے وہی فعل جواب میں ہوتا ہے۔ لہٰذا سوال اس کا قرینہ ہے کہ جواب میں خیرًا سے پہلے اَنْزَلَ فعل متعدی محذوف ہے۔

ؔ القرطاس فعل مقدر تصیبُ کا مفعول بہ ہے۔ (تو یعنی تیرا تیر ٹھیک نشانہ پر پہونچے گا)۔

وقد يُضمَرُ وجوبًا في مَواضِع : منها باب الاشتغال ، وحقيقته ان يتقدّم اسمٌ، ويتأخّر عنه فعل أو وصف صالح للعمل فيما قبله ، مشتغل عن العمل فيه بالعملِ في ضميره أو ملابسه ، فمثال اشتغال الفعلِ بضمير السّابق « زيدًا ضربتُه » وقوله تعالى: (وَكُلَّ انسانٍ اَلْزَمْنٰهُ)۔ ومثال اشتغال الوصفِ « زيدًا انا ضاربُه ، الآن أو غدًا »۔

ومثال اشتغال العاملِ بملابس ضمير السّابق « زيدًا ضربتُ غلامَه » و « زيدًا انا ضاربٌ غلامَه ، الآن او غدًا » فالنصبُ في ذٰلك وما اشبهه بعاملٍ مُضمَرٍ وجوبًا ، تقديرهٗ : ضربتُ زيدًا ضربتُه ، والزمنا كلّ انسانٍ اَلْزَمْنٰهُ ۔

اور عامل چند مقامات میں وجوبًا مضمر ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک بابُ الاشتغال ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ شروع میں ایک اسم ہو اور اس اسم کے بعد ایک ایسا فعل یا وصف فعل (شبہ فعل ہو) جو ماقبل میں عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو (لیکن) اس اسم کی ضمیر یا متعلق ضمیر میں عمل کرنیکے باعث اس مقدم اسم میں عمل کرنے سے گریز کر رہا ہو۔ اسم مقدم کی ضمیر میں فعل کے اشتغال کی مثال « زیدًا ضربتُہ » اور باری تعالیٰ کا ارشاد وَكُلَّ انسانٍ اَلْزَمْنٰهُ[1] ہے۔ اور اسم مقدم کی ضمیر میں وصف کے اشتغال کی مثال زیدًا انا ضاربُہ الآن او غدًا ہے۔ اور مقدم کی ضمیر کے متعلق میں عامل کے اشتغال کی مثال زیدًا ضربتُ غلامَہ اور زیدًا انا ضاربٌ غلامَہ الآن او غدًا ہے۔ اس میں اور اس سے مشابہت رکھنے والے (جملوں) میں نصب واجب الاضمار عامل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کی اصل ضربتُ زیدًا ضربتُہ اور الزمنا کلّ انسانٍ الزمناہ ہے۔

وانّما كان الحذف هنا واجبًا لانّ العامل المؤخّر مفسّرٌ له ، فلم يُجمع بينهما ، هذا رأى الجمهور ، وزعم الكسائى انّ نصب المتقدم بالعامل المؤخّر على الغاء العائدِ ، وقال الفراء : الفعل عامل في الظاهر المتقدم وفي الضمير المتأخر۔ ورُدَّ على الفراء بانّ الفعل الّذى يتعدّى لواحد يصير متعدّيًا لاثنين ، وعلى الكسائى بانّ الشاغل قد يكون غير ضمير السّابق ، ك « ضربتُ غلامه » ، فلا يستقيم الغاؤه۔

---

[1] ہم نے ہر انسان کے ساتھ جوڑ رکھی ہے پ۱۵ ع ۲۔ کلّ انسانٍ پر نصب فعل مذکور یعنی الزمناہ کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ اَلْزَمْنٰا فعل متعدی بیک مفعول ہے۔ اور اس کا مفعول ضمیر « ہٗ » ہے۔ بلکہ ایک اور فعل الزمنا۔ کلّ سے پہلے محذوف ہے۔ جو کُلَّ اِنسانٍ کو نصب دے رہا ہے۔

اور یہاں (عامل کا) حذف اسی لئے ضروری ہے کہ بعد والا عامل اس (محذوف) کی تفسیر کر رہا ہے۔ لہٰذا ان دونوں (مفسِّر و مفسَّر) کا اجتماع نہیں ہوا (جو ناجائز ہے) یہ جمہور کی رائے ہے۔ امام کسائی کا خیال ہے کہ اسم مقدم کا نصب (ضمیر) عائد کو کالعدم مان کر عاملِ مؤخر کی بناء پر ہے۔ اور امام فراء کا کہنا ہے کہ فعل، اسم ظاہر مقدم اور ضمیر مؤخر (دونوں) میں عمل کر رہا ہے۔

امام فراء کی تردید بایں طور کی گئی ہے کہ فعل متعدی بیک مفعول (اس صورت میں) متعدی بدو مفعول بن جاتا ہے (اور یہ درست نہیں) اور امام کسائی کی تردید بایں طور کی گئی ہے کہ مانع عمل کبھی سابق اسم کی ضمیر کے علاوہ ہوتا ہے جیسے ضربتُ غلامَهٗ لہٰذا اس کو کالعدم قرار دینا درست نہیں۔

تشریح:۔ قولہٗ اِنَّمَا کَانَ الخ سے عامل کے واجب الحذف ہونے کی دلیل ذکر کی گئی ہے کہ اگر عامل محذوف کو ذکر کر کے ضربت زیداً ضربتہ کہیں تو مفسَّر (عامل محذوف) اور مفسِّر (عاملِ مذکور) کا اجتماع لازم آئیگا، جو ناجائز ہے۔ اس لئے مفسَّر کا حذف ضروری ہوا تاکہ یہ خرابی لازم نہ آئے۔

قولہٗ زَعَمَ الکِسَائِیُّ: امام کسائی کی رائے یہ ہے کہ اسم مقدم کا عامل محذوف نہیں ہے۔ بلکہ اسم مقدم پر نصب عاملِ مؤخر کی وجہ سے ہے۔

اب رہا یہ اشکال کہ عاملِ مؤخر تو ضمیر میں عامل ہے۔ وہ اسم مقدم میں کیسے عمل کریگا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم ضمیر کو عمل کے سلسلہ میں کالعدم مانتے ہیں، کیونکہ ضمیر سے مراد وہی اسم مقدم ہے۔ اور جب اسم پر عمل ہوگیا تو اب ضمیر کو معمول بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جمہور کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ بات وہاں بن جائے گی جہاں عاملِ مؤخر اسم مقدم کی ضمیر میں عامل ہو لیکن جہاں ضمیر کے علاوہ کسی اسم ظاہر میں عامل ہو جیسے زیداً ضربتُ غلامَهٗ تو وہاں یہ بات نہیں چلے گی۔

ثُمَّ قُلْتُ: وَمِنْهُ المُنَادٰی، وَاِنَّمَا یَظْهَرُ نَصْبُهٗ اِذَا کَانَ مُضَافًا اَوْ شِبْهَهٗ اَوْ نَکِرَةً مَجْهُوْلَةً. نحو "یَا عَبْدَ اللّٰهِ" وَ "یَا طَالِعًا جَبَلًا" وقولِ الاَعْمٰی: "یَا رَجُلًا خُذْ بِیَدِیْ"

واقولُ: المُنَادٰی نوعٌ من انواعِ المفعولِ بِهٖ، ولهٗ احکامٌ تخصُّهٗ فلهٰذا افردتُّهٗ بالذکر. وبیانُ کونِهٖ مفعولًا بِهٖ انَّ قولَكَ "یَا عَبْدَ اللّٰهِ" اصلُهٗ یا ادعو عبدَ اللّٰهِ، فـ "یا" حرفُ تنبیهٍ، و "ادعو" فعلٌ مُضارعٌ قُصِدَ بِهِ الانشاءُ لا الإخبارُ، وفاعلُهٗ مُستترٌ، و "عبدَ اللّٰهِ" مفعولٌ بهٖ ومضافٌ الیه، ولمّا علموا انَّ الضرورةَ داعیةٌ

الی استعمالِ النداء کثیرًا اَوْجبُوا فیه حذف الفعل اکتفاءً بامرَیْنِ، اَحَدُھما: دلالۃ قرینۃ الحال، والثانی الاستغناء بما جعلوہ کالنائب عنه والقائم مقامهٗ وھو «یا» واخواتھا۔

م: اور مفعول بہ کی قسم سے منادیٰ ہے۔ اور اس پر نصب اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ وہ مضاف یا شبہ مضاف یا نکرہ غیر معین ہو جیسے یَاعَبْدَاللّٰہ ، یَاطالعًا جبلًا ، اور اندھے کا قول یَارَجُلًاخذ بیدی،

ش: منادیٰ مفعول بہ کی ایک قسم ہے۔ اور اس کے کچھ ایسے احکام ہیں جو اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اس کو مستقلاً ذکر کیا۔ اور اس کے مفعول بہ ہونے کی توضیح یہ ہے کہ تمہارے قول یَاعَبْدَاللّٰہ کی اصل یَااَدْعُو عَبْدَ اللّٰہِ ہے۔ کہ اس میں «یا» حرفِ تنبیہ ہے اور اَدْعُو فعل مضارع ہے جس سے مُراد انشار ہے۔ نہ کہ خبر دینا ، اور اس کا فاعل ضمیر مستتر (اَنَا) ہے۔ اور عَبْدَ اللّٰہ (میں عبد) مفعول بہ اور (اللّٰہ) مضاف الیہ ہے۔ اور جب اہلِ عرب نے یہ دیکھا کہ ضرورت ، ندار کے کثرتِ استعمال کو چاہتی ہے تو انہوں نے دو امور پر اکتفار کرتے ہوئے فعل کو وجوبًا حذف کر دیا۔ امرِ اوّل قرینہ حالیہ کی دلالت ، اور امرِ دوم اس حرف کی وجہ سے استغنار ہے جس کو انہوں نے فعل کا نائب اور قائم مقام بنایا ہے۔ اور وہ حرف «یا» اور اس کے اخوات ہیں۔

وقد تبین بھٰذا انَّ حقَّ المنادیاتِ کلِّھا ان تکونَ منصوبۃً لانّھا مفعولات، ولٰکن النصبَ انما یظھر اِذالم یکن المنادیٰ مبنیًا ، وانما یکون مبنیًا اِذَا اَشْبَهَ الضمیر بکونه مفردًا معرفۃ، فانّهٗ حینئذٍ یُبنی علی الضمۃ اَوْ نائبھا، نحو «یَازید، و« یَازَیْدَانِ» و «یَازَیْدُوْنَ» ، وامّا المضافُ والشبیهُ بالمضاف والنکرۃ غیرُ المقصودۃ فانھنّ یستوجبنَ ظھورَ النصب، وقد مضی ذٰلك کلّه مشروحًا ممثّلًا فی باب البناء ، فمن احبَّ الوقوف علیه فلیرجع الیه۔

اور اس سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ تمام منادیٰ کو منصوب ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ مفعول ہیں۔ لیکن نصب جب آئیگا جبکہ منادیٰ مبنی نہو۔ اور مبنی اس وقت ہوتا ہے جبکہ مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے ضمیر کے مشابہ ہو۔ اس صورت میں ضمہ یا نائب ضمہ پر مبنی ہوگا جیسے یَازید (مبنی علی الضمہ کی مثال ہے) اور یَا زَیْدَانِ ، یَازَیْدُوْنَ (مبنی علی نائب الضمہ کی)۔ رہے مضاف ، شبہ مضاف اور نکرہ غیر معیّنہ تو یہ اظہارِ نصب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ پوری (بحث مع امثلہ تفصیل کے ساتھ مبنی کے بیان میں گذر چکی

لہٰذا جو اسے جاننا چاہتا ہو وہیں مراجعت کرے۔

ثم قلتُ: والمنصوبُ بِاَخصّ بعد ضمیرٍ متکلّمٍ، ویکون بأل «نحو «نحنُ العربَ اقری النّاسِ للضّیفِ» ومضافًا نحو «نحن معَاشِرَ الانبیاءِ لانُورِّثُ مَاترکنَاصَدقةٌ» و«ایّها» فیلزمُها مَا یَلزمُهافی النّداءِ، نحو «اَنَا اَفعَلُ کذَا ایُّها الرّجلُ» وعَلَمًا قلیلاً، فنحو «بك الله نرجُو الفضْلَ» شَاذٌ من وَجْهَین۔

والمنصوب بالزم اَوْ باتَّقِ اِنْ تکرّرَ اَوْعُطِفَ علیهِ، اَوْ کان «اِیّاكَ» نحو «السِّلَاحَ السِّلَاحَ» و«الاخَ الاخَ» ونحو «السَّیفَ وَالرُّمحَ» ونحو «الاَسَدَ الاَسَدَ» اَوْ «نفْسَكَ نَفْسَكَ» ونحو (ناقةَ اللهِ وسُقْیَاهَا) و«ایّاكَ مِنَ الاَسَدِ»

والمحذوفُ عامِلهُ، وَالواقعُ[عه] فی مَثَلٍ اَوْ شِبْهِهٖ نحو «الکِلَابَ علی البقرِ» و«انْتَهِ خَیْرًا لك»

م: اور جو اسم «اخصّ»[1] کے ذریعہ ضمیر متکلم کے بعد منصوب ہوتا ہے (وہ بھی مفعول بہ ہے جس کا عامل وجوبًا محذوف ہوتا ہے) وہ (کبھی) معرف باللّام ہوتا ہے جیسے نحن العرب[2] الخ اور (کبھی) مضاف ہوتا ہے جیسے نحن معَاشرَ الانبیاءِ[3] الخ اور (کبھی اخص کا منصوب) «أیّ» ہوتا ہے۔ اس وقت «أیّ» کیلئے

عه فی بعض النسخ۔ والمحذوف عامله الواقع فی مثل اَوْشبهه» بدون واو وقیل «الواقع» علی انّ هٰذه العبارة یراد بها شیءٌ واحد، وفی بعض النسخ بالواو علی ان المراد بالعبارة شیئان۔ الواقع فی مثل کالّذی مثّل به المصنف والأخر: المحذوف وجوبًا کالمصدر النائب عن فعله نحو سقیًا۔ شکرًا۔ وکالحالِ المؤکدة لمضمون الجمله نحو زید ابوك عطوفًا۔ (منتهی الارب ص۲۱۶)

[1] نحویوں کے یہاں اخص ہی مشہور ہے اسلئے اس کو محذوف نکالا، ورنہ اسکے ہم معنی کوئی بھی فعل اسکی جگہ پر مقدر مانا جا سکتا ہے جیسے اقصِدُ، اعنی، اریدُ وغیرہ۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس فعل کا مع اسکے فاعل کے حذف ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اس کے مابعد یعنی «مخصوص» کو اس مفعول بہ کی قسم قرار دیا گیا ہے جس کا عامل وجوبًا محذوف ہوتا ہے۔ (النحو الوافی ص ۱۲/۴ج)

[2] ہم یعنی عرب تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مہمان کی ضیافت کرنے والے ہیں، العَرَب و العُرْب دونوں لغتیں ہیں۔ مثال میں العرب اس اخص فعل کی بناپر منصوب ہے۔ جو اس کے اور نحن کے درمیان پوشیدہ ہے۔

[3] ہم یعنی گروہِ انبیاء (وارث نہیں بنائے جاتے) جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، (یعنی اسمیں قانونِ وراثت جاری نہیں ہوگا) اسمیں محلِ استشہاد معَاشِرَ ہے۔ جو اضافت کے باعث معرفہ بنا ہے۔ اور فعل محذوف اخص کی بنا پر منصوب ہے۔ (نوٹ) لانورث جملہ معترضہ ہے۔ اسلئے اسکا ترجمہ ہم نے بین القوسین کیا ہے۔

وہ تمام امور لازم ہیں جو منادیٰ بنتے وقت اس کے لئے لازم ہوتے ہیں[۱] جیسے أَنَا أَفْعَلُ الخ[۲] اور (کبھی وہ منصوب) علم ہوتا ہے (مگر) قلت کے ساتھ (جیسے انا خالدًا حطمت اصنام الجاھلیة[۳]) چنانچہ بك الله الخ جیسا دو وجہوں سے شاذ ہے (۱) ضمیر مخاطب ہونے کی وجہ سے (۲) علم ہونے کی وجہ سے) اور وہ (اسم بھی واجب الحذف عامل کا مفعول بہ ہے) جو الزم[۴] یا اتق کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منصوب مکرر ہو یا اس کو معطوف علیہ بنایا گیا ہو، یا وہ منصوب "إِيَّاكَ" ہو[۵] جیسے

---

[۱] ان امور کی تفصیل صفحہ ۱۱۷ پر آرہی ہے۔ [۲] جناب! میں ایسا کرتا ہوں۔ الرَّجل سے کوئی الگ آدمی مراد نہیں، بلکہ خود متکلم کی ذات مراد ہے۔ مثال میں ایہا الرجل، اخص فعل محذوف کی بنا پر محلاً منصوب اور مبنی علی الضم ہے یہی جمہور نحویوں کا مسلک ہے۔ اخفش کا کہنا ہے کہ اس جیسی ترکیبوں میں ایھا ہو یا ایتہا ہو وہ منادیٰ ہوتا ہے اور حرف ندا، محذوف ہوتا ہے۔ اور انسان اپنے آپ کو مخاطب بنائے یہ کوئی مستبعد چیز نہیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے وکل الناس افقہ یاعُمر میں اپنے آپ کو مخاطب بنایا ہے۔ اور سیرافی کی رائے یہ ہے کہ ایتہا مبتدا، اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اصل ہے ایہا الرجل المخصوص أنا یا أنا ابتدار محذوف ہے اور اس کی خبر ایتہا الرَّجل المخصوص ہے۔ (منتہی الادب ۳۲۲) [۳] ہم تجھ یعنی اللہ ہی سے فضل کی امید رکھتے ہیں۔

[۴] الزم، اتق کو علی سبیل المثال ذکر کیا گیا ہے ورنہ جو فعل بھی مقام کے مناسب ہوگا محذوف مانا جا سکتا ہے جیسے احذر باعِد ۔ تجنَّبْ، قِ اور تَوَقَّ وغیرہ۔

[۵] الزم یا اتق وغیرہ کی وجہ سے جو اسم منصوب ہوتا ہے اس کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں (۱) اسم منصوب مکرر ہو۔ جیسے السّلاح السّلاح، الاخ الاخ، الاسَد الاسد اور نفسك نفسك اول الذکر دونوں مثالوں میں الزم اور اسکا ہم معنی کوئی فعل محذوف ہے۔ اور آخر الذکر مثالوں میں اتق، بعّد اور تجنّبْ جیسا فعل محذوف ہے۔ (۲) اسم منصوب معطوف علیہ ہو جیسے السَّیف والرّمح ای الزم السّیف والرّمح اور ناقةَ الله وسُقْیاھا ای تجنّبوا ناقةَ الله وسُقْیاھَا (۳) اسم منصوب ضمیر منصوب منفصل (إِیَّاكَ وغیرہ) ہو جیسے إِیَّاكَ مِنَ الاسَدِ تقدیر عبارت ایَّاكَ احْذَرْ مِنَ الاسَدِ اور جیسے إِیَّاكَ وَالنَّمیمة تقدیر عبارت یا تو إِیَّاكَ احذَر وابغَض النمیمة ہے یا إِیَّاكَ احفَظ واحذَرْ النمیمة ہے۔ اس تیسری صورت میں ضمیر منصوب کے بعد ایک اسم ظاہر کا ذکر ضروری ہے جس کے ذکر کے تین طریقے ہیں۔ (۱) اسم ظاہر حرف جر کے ساتھ مذکور ہو جیسے ایاكَ مِنَ الاسَدِ۔ اس صورت میں إِیَّاكَ فعل مقدر کا مفعول بہ اور اسم مجرور اسکے متعلق ہو جائیگا۔ (۲) اسم ظاہر حرفِ عطف واؤ کے ساتھ مذکور ہو۔ اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ اسے عطف الجملة علی الجملة کے زمرہ میں رکھا جائے اور ضمیر منصوب و اسم ظاہر دونوں کے الگ الگ عامل مقدر ہوں جیسے ایَّاكَ وَالنَّمیمة میں تقدیر عبارت ایاكَ احفَظْ واحذَرْ النمیمة یا ایَّاكَ احذَر وابغَضَ النمیمة ہوگی۔

(نوٹ) بہت سی مثالوں میں اس واؤ کو مع کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک ہی فعل مقدر ہوگا جیسے إِیَّاكَ والنمیمة ای احفظ ایاكَ مع النمیمة (چغلخوری سے اپنے آپ کو بچاؤ یعنی اپنے کو چغلخوری سے اور چغلخوری کو اپنے سے بچاؤ۔

(۳) ضمیر منصوب کے بعد اسم ظاہر من اور واو کے بغیر مذکور ہو جیسے ایَّاكَ ایذاءَ المسلم اس صورت میں بھی ایک ہی فعل متعدی محذوف ہوگا۔ تقدیر عبارت ہوگی ایَّاكَ احذر ایذاءَ المسلم یا ایَّاكَ جنّب ایذاءَ المسلم۔

(دیکھئے النحو الوافی ج ۴ ص ۱۳۰/۱۳۵)

السّلاحَ السّلاحَ اور الاخَ الاخَ اور جیسے السّیفَ و الرُّمحَ ہے۔ اور جیسے الاَسَدَ والاَسَدَ ہے یا نفسَكَ نفسَكَ ہے اور جیسے ناقَةَ اللهِ وسُقْیاھَا ہے اور ایاكَ مِنَ الاسَدِ ہے۔ اور جس اسم کا عامل محذوف ہو، اور جو اسم مثل[1] یا شبہ مثل میں واقع ہو (وہ بھی مفعول بہ ہے) جیسے الکلابَ[2] علی البقرِ اور اِنْتَهِ[3] خیرًا لكَ ــــــــــــ

واقول: من المفعولات التی التزم معہا حذف العاملِ: المنصوب علی الاختصاص وھو کلام علی خلاف مقتضی الظاھر، لانہ خبر بلفظ النداء۔

وحقیقتہٗ: انہٗ اسم ظاھر معرفۃ قصد تخصیصہ بحکم ضمیرٍ قبلہ۔ والغالبُ علی ذلك الضمیر کونہ لمتکلم ــ نحو انا، ونحن ــ ویقلّ کونہ لمُخاطبٍ ویمتنع کونُہٗ لغائبٍ۔ والباعث علی ھٰذا الاختصاصِ: فخرٌ اَوْ تواضعٌ اَوْ بیانٌ۔

فالأول کقول بعض الانصار:

۱۰۲- لنا معشرَ الانصارِ مجدٌ مؤثّلٌ بإرضائنا خیرَ البریّۃِ احمدا

المؤثّلُ: الّذی لہٗ اصلٌ ــ ومثال الثانی قولہٗ:

۱۰۳- جُدْ بعفوٍ فإنّنی ایّھا العبدُ الی العفوِ یا الٰھی فقیرٌ ــــ ومثال الثالث:

۱۰۴- اِنّا بنی نَھْشَلٍ لاندّعِی لأبٍ۔

ش: ان مفعولوں میں سے جن کے عامل کا حذف ضروری ہے۔ ایک وہ ہے جو اختصاص کی بنا پر منصوب ہوتا ہے، وہ (منصوب بالاختصاص) ایسا کلام ہے جو تقاضائے ظاہر کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ یہ بالفاظ ندا[4] خبر ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا اسم ظاہر ہے جو معرفہ ہے جس کو ماقبل والی ضمیر کے حکم کیساتھ

---

[1] مثل اس جملہ یا جملہ کے جزء کو کہا جاتا ہے جو اپنے مورد سے ہٹ کر بلا کسی تبدیلی کے مشابہ مورد میں استعمال ہو جیسے آسمان سے گرا کھجور پر لٹک گیا۔ اور شبہ مثل سے مراد وہ منقولہ کلام ہے جو شہرت اور کثرت استعمال میں مثل کے درجہ کو نہ پہنچ سکا ہو۔

[2] کتوں کو گایوں کے پیچھے ڈالدو۔ تقدیر عبارت ہے اترك الکلاب علی البقر، الکلاب فعل محذوف اترك کا مفعول ہے یعنی کتوں اور گایوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ وہ جو چاہیں کریں، تم اپنی فکر کرو۔ یہ مثل اس وقت بولی جاتی ہے جبکہ آدمی کو ایسی جگہ دخل اندازی سے روکنا مقصود ہو جہاں مختلف مراتب کے لوگ موجود ہوں۔

[3] (فلاں کام سے) باز آجاؤ۔ اور اپنے لئے اچھائی کا ارادہ کرو۔ خیرًا فعل محذوف اقصد کا مفعول بہ ہے جو سماعًا واجبُ الحذف ہے۔ یہ شبہ مثل ہے۔ [4] یعنی "مخصوص" بادی النظر میں ایسا منادیٰ معلوم ہوتا ہے جس کا حرف ندا حذف کر دیا گیا ہو، اور اسکا ظاہر اسی کا متقاضی ہے۔ مگر اس کو جملہ فعلیہ خبریہ لایا گیا ہے۔ منشا یہ بتانا ہے کہ جو حکم ماقبل والی ضمیر متکلم یا مخاطب کیلئے ثابت ہے اس حکم میں اس اسم ظاہر یعنی مخصوص، کو منادیٰ کی طرح اہمیت اور خصوصیت حاصل ہے۔

جس تخصیص کا قصد کیا گیا ہے۔[1] اور اس ضمیر میں کثیر الاستعمال ضمیر متکلم ہے جیسے اَنَا، نحنُ۔ اور ضمیر مخاطب کا واقع ہونا کم ہے۔ اور ضمیر غائب کا ہونا ناجائز ہے۔ اور اس اختصاص کا سبب، فخر، تواضع یا اظہار (تعریف) ہے۔ پہلا (فخر) جیسے کسی انصاری کا قول ہے لَنَا مَعْشَرَ[2] الخ المؤثل یعنی جس کی اصل و بنیاد ہو۔ دوسرے (تواضع) کی مثال شاعر کا قول جُدْ بِعَفْوِ[3] الخ تیسرے (وضاحت) کی مثال اِنَّا بَنِی[4] نَهْشَلٍ الخ ہے

وتعريفهُ بـ «أل» نحو «نحنُ العَرَبَ أَقْرَى النّاسِ للضَّيْفِ»، التقدير اخصّ العَرَبَ،

وتعريفهُ بالاضافة كقوله:

۱۰۵۔ نَحْنُ بَنِي ضَبَّةَ أَصْحَابُ الجَمَلْ ÷ نَنْعَى ابْنَ عَفّانَ بِاَطْرافِ الأَسَلْ

الأَسَلُ: الرّماح، ومن تعريفه بالاضافة قولهُ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم «إِنَّا آلَ مُحَمَّدٍ لا تَحِلُّ لنا الصَّدقة» و «نحنُ مَعَاشِرَ الانبياءِ لا نُورَثُ مَا تركنا صَدَقَةٌ».

وقد اشتمل الحديثُ الشّريفُ على مَا يقتضي الكشفَ عنه، وهو ان «ما» من قوله «مَا تركنا» موصول بمعنى الّذى محلهُ رفع بالابتداء، و «تركنا» صلتهُ، والعائد محذوف: اى تركناه، و «صَدَقَةٌ» خبر مَا هٰذه على رِوَاية الرفع، وهو اجود، لموافقته لروايةِ «مَا تركنا (ه) فهو صَدقةٌ» وامّا النصب فتقديره: مَا تركنا مَبْذول صَدقةً، فَحُذِفَ الخبر لِسَدِّ الحال مَسَدَّهُ مثل (ونحنُ عُصْبَةً) ويجوز فى «مَا» ان تكون موصولاً اسميًا كما تقدم، وان تكون شرطية، فما على الاول فى محل رفع، وعلى الثانى فى محل نصب، والمعنى: اىّ شئٍ تركناه فهو صَدقة۔

---

[1] یعنی جو حکم ضمیر پر لگایا گیا ہے اسی حکم کو اسم ظاہر پر لگانے کا قصد و ارادہ کیا گیا ہو۔

[2] ہم گروہ انصار کو خیر الخلائق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کی بنا پر پائیدار عظمت حاصل ہے۔ محل استشہاد معشر الانصار ہے جس پر اختصاص کی بنا پر نصب آیا ہے۔ اور منشار اختصاص فخر و مباہات ہے۔

[3] اے اللہ! لبشکل معافی فیاضی فرما۔ کیونکہ میں یعنی بندۂ (ناتواں) (تیری) معافی کا محتاج ہوں۔ محل استشہاد «ایّها العَبْد» ہے۔ جو اختصاص کی بنا پر محلاً منصوب ہے۔ منشار اظہار تواضع ہے۔

[4] ہم یعنی بنو نہشل کسی (دوسرے) باپ کے دعوے دار نہیں ہیں۔ اس کا دوسرا مصرعہ ہے ؎ عنهُ وَلَا هُوَ بالابنَاءِ يَشْرِينَا۔ یہ شعر بشامہ بن حزن نہشلی کی طرف منسوب ہے۔ محل استشہاد «بنی نهشل» ہے جس کو فعل محذوف کا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ تعریف کا فائدہ حاصل ہو۔

اور مخصوص کے الؔ کے ذریعہ معرفہ ہونے کی مثال نحن اقری الناس الخ جیسی ہے۔ اور مخصوص کا اضافت کی وجہ سے معرفہ ہونا جیسے شاعر کا قول ہے نحن بنی ضبۃ[1] الخ الاسل بمعنی الرماح (نیزے) ہے۔ اور مخصوص کا اضافت کی وجہ سے معرفہ ہونے کی قبیل سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَنَا آلُ محمّد الخ اور[2] نحن معاشر الانبیاء الخ اور حدیث شریف میں کچھ وہ امور ہیں جن امور کی وضاحت کی حدیث متقاضی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مَاترکنا میں ۔مَا۔ موصول ہے بمعنی الّذی۔ اس کا محل مبتدا ہونے کی وجہ سے (محل رفع) ہے۔ اور ترکنا اس کا صلہ، اور عائد (یعنی ضمیرہ) محذوف ہے۔ اصل ہے "ترکناہ" اور "صدقۃٌ" رفع کی روایت کے مطابق "مَا" کی خبر ہے[3]۔ یہ (توجیہ) زیادہ عمدہ ہے۔ اسکے مَاترکناہ فھو صدقۃٌ والی روایت کے مطابق ہونیکی وجہ سے۔ رہا (صدقۃً کا) نصب تو اس کی اصل مَاترکنا[4] مبذول صدقۃً خبر (یعنی مبذول) کو حذف کر دیا گیا

---

[1] اصحاب الجمل وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مطالبہ کے لیئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جلوس میں نکلے۔ امّ المؤمنین چونکہ اونٹ پر سوار تھیں اسلیئے ان کے رفقاء کو اصحابُ الجمل کہا گیا ہے۔ نَعَیَ یَنْعیٰ نعیًا موت کی خبر دینا۔ شعر کا ترجمہ ہے: ہم یعنی بنو ضبّہ اصحاب الجمل ہیں نیزوں کی نوکوں سے عثمان ابن عفان کی موت کی خبر لاتے ہیں۔ محلِ استشہاد "بنی ضبّۃ" ہے جو اختصاص کی بنا پر منصوب ہے، اور اضافت کی بنا پر معرفہ ہے۔

[2] ہمارے یعنی آلِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔ آلِ محمد مخصوص ہے، جو اضافت کے باعث معرفہ ہے۔ اور نحن معاشر الانبیاء بھی معرف بالاضافہ مخصوص کی مثال ہے۔

[3] اس صورت میں حدیث کا ترجمہ ہوگا: ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بنائے جاتے جو (مال) ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

[4] جو ہم نے چھوڑا یعنی ہمارا تمام ترکہ بطور صدقہ خرچ کیا جائیگا (وہ ورثہ نہیں)۔ ترکیب: مَا موصول اپنے صلہ ترکنا سے مل کر مبتدا۔ اور مبذول اس کی خبر ہے۔ صدقۃً حال ہے۔

حال (صَدَقَۃٌ) کے اس (خبر) کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے ۔ جیسے ونحنُ عُصْبَۃً (میں) اور "مَا" میں یہ (احتمال) بھی ہوسکتا ہے کہ موصول اسمی ہو جیسا کہ گذرا۔ اور شرطیہ بھی ہوسکتا ہے لہٰذا "ما" پہلی صورت میں (مبتداء ہونے کی وجہ سے) محل رفع میں ہے۔ اور دوسری صورت میں (مفعول بہ مقدم ہونے کی وجہ سے) محلِ نصب میں ہے معنی ہوں گے ای شئٍ الخ (جو چیز ہم نے چھوڑی وہ صدقہ ہے۔)

لہ اس آیت کو مَا ترکنا صَدَقۃ کی نظیر بنانا اس وقت درست ہے جبکہ عُصْبَۃً پر حال ہونے کی بنا پر نصب پڑھا جائے تقدیر آیت ہوگی ونحنُ نری عُصْبَۃً۔ ترکیب وہی ہوگی جو گذری کہ نحن مبتداء اور نری خبر محذوف، اور عصبۃ خبر کے قائم مقام حال ہے۔ اور اگر مشہور قرارت کے مطابق عصبۃٌ پڑھا جائے یہ خارج از بحث ہوگا۔

لہ مصنف نے حدیث مَا ترکنا فھو صَدَقَۃ کی دو ترکیبوں کی جانب اشارہ کیا ہے۔ (۱) مَا موصول مبتدار محلاً مرفوع ترکنا صلہ۔ اور فھو صَدَقۃ مبتداء خبر سے ملکر خبر۔ اور چونکہ مبتدار معنی شرط کو متضمن ہے، اس لئے اس کی خبر پر فاء کا دخول جائز، درست ہے۔ (۲) مَا شرطیہ بربنا مفعولیت منصوب، ترکنا فعل شرط اور فھو صَدَقۃ مبتدار خبر سے ملکر جزار۔ اس صورت میں فار کا لانا واجب ہے۔ کیونکہ جزار جملہ اسمیہ ہے۔ اگر حدیث کے الفاظ وہی مانے جائیں جو اوپر ذکر کئے گئے تو مذکورہ دونوں ترکیب درست ہیں۔ لیکن حدیث کے جو الفاظ مشہور ہیں وہ مَا ترکنا ہ فھو صَدَقۃ ہیں یعنی ہ ضمیر کو ترکنا کا مفعول مانا جائے، اس صورت میں پہلی ترکیب تو درست ہے مگر دوسری ترکیب یعنی مصنف کا مَا کو شرطیہ مان کر محل نصب میں کہنا کسی قیمت پر درست نہیں۔ کیونکہ جب فعل شرط متعدی ہو اور اس کا مفعول بھی مذکور ہو تو حسب ضابطہ ایسی صورت میں پہلے ذکر کیا ہوا "ما" کو مبتدار ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونا چاہئے نہ کہ منصوب۔ جبکہ مصنف نے "مَا" کو حالتِ نصبی میں کہا ہے جو بہرحال محتاجِ تأویل ہے۔

(النوٹ) ما موصولہ اور ما شرطیہ کے درمیان لفظاً و معنیً زبردست فرق ہے۔ لفظاً فرق یہ ہے کہ مَا شرطیہ کو دو جملوں کی ضرورت ہوتی ہے پہلے کو فعل شرط کہتے ہیں، اگر فعل مضارع ہوگا تو لفظاً مجزوم ہوگا۔ اور اگر ماضی ہوگا تو تقدیراً مجزوم، دوسرے کو جزار کہتے ہیں۔ اگر وہ ماضی یا مضارع ہوگا تو اعراب حسب سابق ہوگا۔ اگر جملہ اسمیہ ہوگا تو اس پر فار کا دخول واجب ہے۔ ما موصولہ اگرچہ جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے مگر اعرابی تبدیلی نہیں کرتا۔ اور بعد میں مذکور جملہ کو صلہ کہتے ہیں جس میں موصول کی جانب لوٹنے والے ایک عائد کا ہونا ضروری ہے۔ اور معنیً فرق یہ ہے کہ مَا شرطیہ کی وجہ سے دوسرے جملہ کا مضمون پہلے جملہ پر موقوف ہوجاتا ہے۔ کیونکہ پہلا شرط دوسرا مشروط یعنی جزار ہے۔ خواہ وہ شرط جزار کے تحقق کے لئے سبب ہو جیسے ان تطلع الشمس یختفی اللیل یا غیر سبب مثلاً ملزوم وغیرہ ہو جیسے ان کان النھار موجوداً کانت الشمسُ طالعۃ۔ چنانچہ وجود نہار طلوع شمس کے لئے سبب نہیں ملزوم ہے بخلاف ما موصولہ کے کہ وہ صرف خبریت کو بتلاتا ہے اس میں شرطیت نہیں پائی جاتی۔ مثلاً اسی حدیث میں ما موصولہ مانا جائے تو اپنے چھوڑے ہوئے مال کے صدقہ ہونے کی خبر دینی مقصود ہے۔ اور ما شرطیہ مانا جائے تو مطلب ہوگا کہ جس وقت بھی ہمارا مال چھوڑنا متحقق ہوگا اس کے لئے صدقہ ہونا لازم ہے۔ جیسے طلوع شمس کے لئے وجود نہار لازم ہے۔

ویکون المنصوب علی الاختصاص بلفظ "ایّ" فیلزمہا فی ھٰذا الباب ما یلزمہا فی النداء: من التزام البناء علی الضمۃ، وتأنیثہا مع المؤنث، والتزام افرادھا، فلا تثنی ولا تجمع باتفاق، ومفارقتہا للاضافۃ لفظا وتقدیرًا، ولزوم "ھا" التنبیہ بعدھا، ومن وصفہا باسم معرّف بأل لازم الرفع، مثال ذٰلک "اَنَا اَفْعَلُ کذا اَیُّھَا الرَّجُلُ" و "اللّٰھمّ اغْفِرْلَنَا اَیَّتُھَا العِصَابَۃُ" المعنی: اَنَا اَفْعَلُ کذا مخصوصًا من بین الرّجال، و اللّٰھمّ اغفرلنا مختصّین من بین العصائب۔

ویقلّ تعریفہ بالعلمیۃ، ففی "بِکَ اللّٰہَ نَرْجُو الْفَضْلَ" شذوذان: کونہ بعد ضمیر مخاطب، وکونہ علمًا۔

اور اختصاص کی بنا پر منصوب لفظ "ای" کے ذریعہ (بھی) ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس باب میں ای کے لیے ان تمام امور کا لحاظ ضروری ہے جن کا بابِ ندا میں لحاظ ضروری ہے (اور وہ چھ ہیں) جیسے مبنی علی الضم ہونا (اور مخصوص بالنداء کے) مؤنث ہونے کی حالت میں (ایّھا کو) مؤنث لانا، اور لازمًا اس کو مفرد ذکر کرنا، لہٰذا اس کو تثنیہ، جمع بالاتفاق نہیں لایا جا سکتا۔ اور لفظًا و تقدیرًا (کسی بھی طرح) اس کا مضاف نہ ہونا، اور اس (ای) کے بعد ھا تنبیہ کا ضروری ہونا، اور لازم الرفع معرف بلام کو اس کی صفت بنانا جیسے انا افعل الخ اور اللّٰھمّ الخ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر میں ہی کرونگا۔ اور اے اللہ تمام جماعتوں کے درمیان خاص کر ہماری مغفرت فرما۔ اور اس کو علَم کے ذریعہ معرفہ بنانا قلیل (الاستعمال) ہے چنانچہ بِکَ اللّٰہَ الخ میں دو شذوذ ہیں (۱) (مخصوص کا) ضمیر مخاطب کے بعد ہونا (۲) اور اس کا علم ہونا۔

ومن المحذوف عاملہ: المنصوب "الزم" ویسمّی اغراء، والاغراء: تنبیہ المخاطب علی امر محمود لیلزمہ، نحو:

۱۰۷۔ اَخَاکَ اَخَاکَ اِنَّ مَنْ لَا اَخَا لَہٗ ... کَسَاعٍ اِلَی الْھَیْجَا بِغَیْرِ سِلَاحٖ

---

۵۱ اس مثال میں ایھا الرجل سے کوئی مخاطب مرد مراد نہیں۔ بلکہ متکلم نے خود اپنی ذات مُراد لی ہے۔ کہنا چاہتا ہے کہ یہ کام میں ہی کروں گا۔ ایھا الرجل صورۃً منادیٰ ہے مگر یہ جملہ حال واقع ہونے کی بنا پر محلِ نصب میں ہوتا ہے۔ اسی پر ایتھا العصابۃ کو قیاس کر لیجئے۔

۵۲ ہم خاص کر تجھ یعنی اللہ سے فضل کی امید رکھتے ہیں۔

وانّما یلزم حذفُ عاملهٖ اذا تکرّر کما سبق فی البیتِ، او عُطِفَ علیه نحو «المُرُوْءَةَ والنجدةَ»، فان فقد التکرار والعطف جاز ذکر العامِلِ وحذفُهٗ، نحو «الصّلوٰةَ جَامِعَةً»، فـ «الصّلوٰةَ» منصوب بـ «احضُرُوا» مُقَدَّرًا، و «جَامِعَةً» منصوب علی الحال.

ویمکن ان یکون من هٰذا النوع قول الشاعر:

۱۰۷- اَخَاكَ الَّذِی اِنْ تَدْعُهُ لِمُلِمَّةٍ ... یُجِبْكَ کمَا تَبْغِی، ویکفِكَ مَنْ یَبْغِی

وان نجفُهُ یومًا فلیس مُکَافِئًا ... فیطمع ذوالتزویرِ والوشیِ اَنْ یُصْغِی

علی تقدیر «الْزَمْ اَخَاكَ الَّذِی مَن صفتهٖ کذا»، ویحتمل ان یکون مبتدأ والموصول خبرہٗ، وجاء علی لغۃ مَن یستعمل الاَخَ بالالفِ فی کلّ حَال، وتسمّی لُغَةَ القَصْرِ کقولھم: «مُکْرَهٌ اَخَاكَ لَا بَطَلٌ».

جس (مفعول بہ) کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے اس کی ایک قسم وہ (مفعول) ہے جو اِلْزَمْ کی (تقدیر کی) وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ اور اس کا نام اغراء رکھا جاتا ہے۔ اغراء (نام ہے) مخاطب کو کسی اچھی چیز پر آگاہ کرنا تاکہ مخاطب اس کو اختیار کرے[1] جیسے اَخَاكَ الخ[2] اور اس (مفعول) کے عامل کا حذف اس وقت ضروری ہے جبکہ مفعول مکرّر ہو جیسا کہ شعر میں مذکور ہوا، یا اس (مفعول) پر عطف کیا گیا ہو جیسے «المروءۃَ والنجدۃَ»[3]، اور اگر تکرار و عطف (دونوں) نہ پائے جائیں تو عامل کا حذف و ذکر دونوں جائز ہیں جیسے الصَّلاۃَ جَامِعَۃً[4]۔ چنانچہ الصّلاۃ احضروا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

---

[1] یہ اغراء کا فائدہ ہے۔ اس کی تعریف جامع الدروس العربیۃ ج ۳ میں یوں کی گئی ہے الاغراء: نصبُ الاسم بفعلٍ محذوف یفید الترغیب والتشویق والاغراء، اور اس میں فعل مقام کے مناسب محذوف مانا جاتا ہے جیسے اِلْزَمْ، افعل اور اطلب وغیرہ۔ [2] یہ سکین دارمی کا شعر ہے: اپنے بھائی کو تھامو (اس سے قطع تعلق نہ کرو) کیونکہ جس شخص کا بھائی نہیں ہوتا وہ بغیر ہتھیار کے میدان جنگ کی طرف جانیوالے شخص کی طرح ہے۔ محل استشہاد اَخَاكَ اَخَاكَ ہے جو اغراء کی بناء پر فعل محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسی وجہ سے مغریٰ بہ کو مکرر ذکر کیا گیا ہے۔

[3] انسانیت اور بہادری اختیار کرو۔ اس مثال میں النجدۃ کا المروءۃ پر عطف کیا گیا ہے جو مغریٰ بہ ہے۔

[4] یصح فی ھٰذہ الجملۃ اربعۃ اوجہ من الاعراب۔ ۱- «الصّلاۃَ جامعۃً» بنصب الکلمتین علی ان الصّلاۃ مفعول بہ لفعل محذوف تقدیرہٗ احضروا۔ وجامعۃً حال۔ ھٰذا الوجہ ذکرہ المؤلف۔ ۲- الصّلاۃُ جامعۃٌ برفع الکلمتین علی ان الصّلاۃ مبتدأ وجامعۃ خبرہٗ۔ ۳- الصّلاۃُ جامعۃً برفع الصّلاۃ علی انھا مبتدأ وخبرہٗ محذوف وجامعۃً حال ۴- الصّلاۃَ جامعۃٌ بنصب الصّلاۃ علی انھا مفعول بہ لفعل محذوف وجامعۃ خبر لمبتدأ محذوف۔ (الدکتور امیل یعقوب)

اور جَامِعَةً حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اور اسی قبیل سے شاعر کے قول اَخَاكَ[1] الَّذِی الخ کا ہونا بھی ممکن ہے۔ اصل عبارت ہوگی اِلْزَمْ اَخَاكَ الخ یعنی اپنے اس بھائی سے تعلق رکھو جس کے اوصاف ایسے ایسے ہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اَخَاكَ[2] مبتدا ہو اور موصول (الَّذِی) خبر ہو۔ یہ ان لوگوں کی لغت کے مطابق استعمال ہوا ہے جو الاخ کو ہر صورت میں الف ہی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، اور اس لغت کا نام لغتِ[3] قصر رکھا جاتا ہے جیسے عربوں کا قول مُکرَہٌ[4] الخ

ثمّ قلت: الثانِي المفعولُ المطلقُ، وهُوَ: المَصْدَرُ الفَضْلَةُ المُؤكِّدُ لِعَامِلِهِ أوالمُبَيِّنُ لنوعهِ أوْ لِعَدَدِهِ، كـ «ضربتُ ضربًا، أوْضربَ الأميرِ، أوْ «ضَرْبَتَيْنِ» وَمَا بِمَعْنى المَصْدَرِ مثلُه، نحو: (فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ) و (وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا) و (فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً) — وَاقول: الثانِي من المنصوبات: المفعولُ المطلقُ، وسمی مطلقًا لانّه يقع عليه اسم المفعولِ بلاقيدٍ، تقول: ضَرَبْتُ ضربًا، فالضربُ

---

[1] مُلِمَّة اِلْمَام سے اسم فاعل ہے، قیام کرنیوالا، مرادی معنی ہیں مصیبت۔ تَبْغِي فعل مضارع ہے بَغَى يَبْغِي سے بمعنی چاہنا۔ یبغی کے معنی مرادی ہیں ظلم وزیادتی کرنا۔ جفا (ن) يَجْفُو جَفَاءً سختی کرنا۔ ذوالتزویر فریب کار ذُوالوَشْيِ چغل خور۔ تم اپنے اس بھائی سے وابستہ رہو کہ اگر اس کو کسی مصیبت کے وقت پکارو تو جس طرح تم چاہو وہ تمہاری آواز پر لبیک کہے اور جو تمہارے اوپر ظلم وزیادتی کرے تو اسکے مقابلہ میں تمہاری مدد وحمایت کرے۔ اور اگر کسی دن تم اس کے ساتھ بے رحمی کرو تو وہ بدلہ لینے والا نہیں کر (جسکے نتیجہ میں) فریبکار اور چغلخور (فریب اور بگاڑ کی جانب) توجہ کرنے کا ارادہ کرے۔

يُجِبْكَ اصل میں يُجِيْبُكَ تھا، اِنْ شرطیہ کی جزاء ہونیکی وجہ سے یا گر گئی۔ فَيَطْمَعَ اَنْ مقدرہ کی بنا پر منصوب ہے۔ يُصغی کے آخر میں یاء پر حالتِ نصبی میں ہونے کی وجہ سے نصب لفظی آنا چاہیے۔ مگر اسکے شعر میں ہونے کے باعث نصب لفظی نہیں دیا گیا۔ محلِ استشہاد اَخَاكَ ہے کہ بغیر تکرار کے بھی اغراء کی بناء پر الزم فعل محذوف کے باعث منصوب ہے۔

[2] یہ شعر کی دوسری ترکیب کی جانب اشارہ ہے کہ اَخَاكَ مبتدا ہے۔ اور یہ لغت قصر کے مطابق ہے کہ اس لغت میں اب، اخ اور حم تینوں کلمات تینوں حالتوں میں الف ہی کے ساتھ آتے ہیں۔ اور الَّذِی الخ خبر ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا: تمہارا بھائی وہ ہے کہ اگر اس کو کسی مصیبت میں پکارو تو وہ الخ

[3] قصر کے معنی ہیں اکتفاء کرنا۔ کیونکہ اس لغت میں اعرابی تینوں حالتوں میں ایک اعراب یعنی الف پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

[4] تمہارا بھائی مجبور ہے، بہادر نہیں ہے۔ اس مثال میں اَخَاكَ لغتِ قصر کے مطابق استعمال ہوا ہے۔ ورنہ اَخُوْكَ ہونا چاہیے تھا، کیونکہ مکرہ کا نائب فاعل ہے۔

مفعول، لانہٗ نفس الشیئ الّذی فعلتہٗ، بخلاف قولك، ضربتُ زیدًا، فانّ زیدًا، لیس الشیئ الّذی فعلتہٗ، ولکنّك فعلتَ بہٖ فعلاً وھو الضرب، فلذٰلك سمی مفعولاً بہٖ، وکذٰلك سائر المفاعیل، ولھٰذہ العلّۃ قدّم الزمخشری وابن الحاجب فی فی الذکر المفعولَ المطلقَ علیٰ غیرہٖ، لانہ المفعول حقیقۃ۔

م: دوسرا (منصوب) مفعول مطلق ہے۔ وہ وہ مصدر ہے جو فضلہ (زائد از ارکان) ہو اپنے عامل کی تاکید کرنے والا یا اس کی نوع یا عدد کو بیان کرنے والا ہو۔ جیسے ضربتُ ضربًا (تاکید کی مثال ہے) یا ضربَ الأمیر (نوع کی مثال ہے) یا ضَربَتَینِ (عدد کی مثال ہے) اور جو (کلمات) مصدر کے معنی میں ہوتے ہیں وہ مفعول مطلق ہی کی طرح ہیں[1]۔ (باری تعالیٰ کا ارشاد) فَلَا تَمِیلُوا کُلَّ المَیلِ[2] اور فلا تضرّوہ شیئًا[3] اور فَاجلِدُوھُم ثَمَانِینَ جَلدَۃً[4]۔

---

[1] یعنی حکماً مفعول مطلق میں ایسی اشیا تیرہ ہیں جو مفعول مطلق کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ اور اسی بنا پر منصوب ہوتی ہیں۔ درج ذیل ہیں۔(۱) ما استفہامیہ جیسے ماتزرع حقلك بمعنی ای دزرع تزرع حقلك؟ ازرع قمح امرذرۃ ام قطن؟
(۲) اسم مصدر جیسے اعطیتُك عطاءً، واغتسلتُ غسلاً۔ اسم مصدر سے مُراد وہ اسم ہے جو مصدری معنی پر دلالت کرنے میں مصدر کے مساوی ہو، اور لفظاً یا تقدیراً اسکے عامل یعنی فعل وغیرہ کی بنسبت اس میں حروف کم ہوں، اور جو حروف کم ہیں انکا عوض اور بدل نہ لایا گیا ہو جیسے عطاء معنیٰ اعطاء کے مساوی ہے، ہمزہ محذوف ہے جس کا کوئی بدل نہیں لایا گیا ہے۔
(۳) مفعول مطلق کی صفت جیسے سِرتُ اَحسَنَ السَّیرِ ای سرتُ سیرًا احسنَ السّیر۔ (۴) مفعول مطلق کا مرادف ہو جیسے قمتُ وقوفاً مرادف اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو دوسرے لفظ کا ہم معنی ہو۔ (۵) وہ مصدر کہ اسکے مادہ کے حروف اور مفعول مطلق کے مادہ کے حروف ایک ہوں۔ جیسے اَنبتَکُم نَبَاتًا۔(۶) وہ اسم جو نوعیت کے معنی کو ظاہر کرے جیسے رجع القھقری (۷) جو عدد پر دال ہو جیسے فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (۸) جس اسم میں آلہ ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہو جیسے ضربت اللص۔ عصًا یا سوطًا۔ یا رصاصۃً (۹) لفظ کل اور بعض جن کا مضاف الیہ مصدر ہو جیسے فَلَا تَمِیلُوا کُلَّ المَیلِ، سعیت بعض السّعی، یا بعضیت وعمومیت پر دلالت کرنے والا لفظ ہو جیسے ولا تضرّوہ شیئًا (۱۰) مفعول مطلق کی جانب لوٹنے والی ضمیر ہو جیسے فَاِنِّی اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَا اُعَذِّبُہٗ اَحَدًا مِّنَ العٰلَمِینَ۔ کہ اعذّبہٗ کی ضمیر مفعول عذابًا مفعول مطلق کی جانب لوٹنے کی وجہ سے ضمیر بھی مفعول مطلق کے قائم مقام ہے۔(۱۱) اَیّ استفہامیہ ہو جیسے وَسَیَعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلَبٍ یَّنقَلِبُونَ۔ (۱۲) اسم اشارہ جس کے ذریعہ مفعول مطلق کی جانب اشارہ کیا گیا ہو۔ خواہ اس کے بعد مصدر ہو جیسے قلت ذالك القول یا اس کے بعد مصدر نہ ہو جیسے ھل اجتھدت اجتھادًا حسنًا کے جواب میں اجتھدت ذالك (۱۳) مَا شرطیہ، ای شرطیہ مَہما شرطیہ میں سے کوئی ہو جیسے مَا تجلِس اَجلِس اس کے معنی میں ای جلوس تجلس اجلس۔ (النحو الوافی ج ۲ ص ۲۲۵۔ جامع الدروس ج ۲ ص ۶۰)

[2] تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ (پ ۵ ع ۱۴)

[3] اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ (پ ۱۰ ع ۱۱)

[4] تو تم ان کو اسّی درّے مارو۔ (پ ۱۸ ع ۷)

ش : منصوبات میں سے دوسرا مفعول مطلق ہے۔ اس کا نام مطلق رکھا گیا۔ کیونکہ لفظ مفعول اس پر بلا کسی قید کے واقع ہوتا ہے۔ جیسے ضربتُ ضرباً کہ ضرب (مار) مفعول ہے۔ کیونکہ ضرب بعینہٖ وہی شئی ہے جو تم نے کی ہے۔ بخلاف تمہارے قول ضربتُ زیداً کے، کیونکہ زید بعینہٖ وہی شئی نہیں ہے جس کو تم نے کیا لیکن تم نے اسکے ذریعہ ایک (دوسرا فعل یعنی ضَرب (کا عمل) کیا ہے، اسی وجہ سے اس کا نام مفعول بہٖ رکھا گیا۔ یہی حال تمام مفاعیل کا ہے۔ اسی علّت کی وجہ سے زمخشری اور ابن حاجب نے بیان میں مفعول مطلق کو غیر مفعول مطلق پر مقدم کیا۔ کیونکہ وہی حقیقۃً مفعول ہے۔

وَحَدُّهُ مَا ذکرتُ فی المقدمة، وقد تبین منه انّ هٰذا المفعول یفید ثلاثة امور، اَحَدُهَا: التوکیدُ، کقولك: ضربتُ ضرباً، وقول الله تعالیٰ (وَكَلَّمَ اللهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا)[1] (وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا)[2] (صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا)[3] الثانی: بیان النوع، کقوله تعالیٰ: (فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ)[4] وکقولك: جلستُ جلوسَ القاضِی، وجلستُ جُلوساً حسناً، و «رجع القهقری»[5] الثالث: بیان العدد، کقولك: ضربتُ ضربتَینِ، اَوضرباتٍ، وقول الله تعالیٰ: (فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً)۔

وقولی «الفضلة» احترازٌ من نحو قولك: رُکوعُ زیدٍ رکوعٌ حسنٌ، اَوطویلٌ فانهٗ یفید بیان النوع، ولکنهٗ لیس بفضلةٍ۔ وقولی: «المؤکد لِعامله» مُخرج لنحو قولك: کرهتُ الفجورَ الفجورَ، فان الثانی مصدر فضلة مفید للتوکید، ولکنّ المؤکَّدَ لیس العامِل فی المؤکِّدِ۔

اس (مفعول مطلق) کی تعریف وہی ہے جو میں نے مقدمہ (متن) میں ذکر کی۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ یہ مفعول تین امور (میں سے کسی ایک) کا فائدہ دیتا ہے۔ (۱) تاکید جیسے تمہارا قول، ضربتُ ضرباً اور باری تعالیٰ کا ارشاد وَكَلَّمَ اللهُ الخ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اور وَصَلُّوا عَلَيْهِ الخ (۲) نوعیت کا بیان جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد فَاَخَذْنٰهُمْ اور جیسے تمہارا قول جلستُ جلوسَ القاضِی اور جلستُ جلوساً حسناً اور رجعَ القهقری۔

---

[1] اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خوب کلام فرمایا۔ پ ع) [2] اور پورا پورا تسلیم کرلیں۔ پ ع) [3] تم بھی آپؐ پر رحمت بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔ پ ع) [4] پھر ہم نے ان کو زبردست صاحب قدرت کا پکڑنا پکڑا۔ پ ع) [5] اُلٹے پاؤں واپس ہوا، مذکورہ مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیان نوع والا مفعول مطلق کبھی مضاف ہوتا ہے جیسے فاخذناهم الخ اور جلستُ جلوس القاضِی کبھی موصوف ہوتا ہے جیسے جلستُ جلوساً حسناً اور کبھی عامل ہی کی جنس کا ہوتا ہے جیسے رجعَ القهقری۔ (منتہای الادب)

(۳) عدد (تعداد) کا بیان جیسے تمہارا قول ضربتُ ضربتَینِ یا ضرباتٍ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:
فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃً[1]، اور میرا قول فضلۃً (کے ذریعہ) تمہارے قول رکوعُ زیدٍ رکوعٌ حسنٌ یا طویلٌ جیسے سے احتراز ہے۔ کیونکہ یہ (اگرچہ) نوعیت کے بیان کا فائدہ دے رہا ہے لیکن یہ فضلہ نہیں ہے۔ اور میرا قول "المؤکّد لعامله"، تمہارے قول کرِھتُ الفُجورَ الفُجورَ جیسے کو نکال رہا ہے۔ کیونکہ دوسرا (فجور) مصدر ہے، فضلہ ہے، تاکید کا فائدہ (بھی) دے رہا ہے۔ لیکن مؤکَّد میں عامل نہیں ہے۔

ثم قلت: الثالثُ المفعولُ له، وهو المَصْدَرُ الفَضْلَةُ المعلِّلُ لِحَدَثٍ شَارَکَه فی الزَّمانِ والفاعِلِ، کـ قمتُ اجلالاً لَکَ، ویجوزُ فیه ان یُجَرَّ بحرفِ التَّعلیلِ ویجبُ فی مُعَلِّلٍ فَقَدَ شرطاً اَنْ یُجَرَّ باللّامِ اَوْ نائبِها۔

واقول: الثالث من المنصوباتِ: المفعول له، ویسمی المفعولَ لِاجلِه، والمفعول من اجلِه، وهو: ما اجتمع فیه اربعةُ امورٍ، اَحَدُهَا: ان یکونَ مصدرًا، والثانی ان یَکونَ مذکورًا للتعلیلِ، والثالث ان یکون المعلَّل به حدثًا مشارکًا له فی الزَّمانِ، وَالرابع: ان یکونَ مشارکًا له فی الفاعلِ۔ مثال ذلك قوله تعالیٰ: (یجعلونَ اصابِعَهم فی اٰذانِهم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ المَوْتِ) فالحذر: مَصْدَرٌ مُسْتوفٍ لِمَا ذکرنا، فلذلك انتصبَ علی المفعُوْلِ له، والمعنی لاجلِ حذرِ الموتِ۔

م: تیسرا مفعول لہٗ ہے۔ وہ وہ مصدر ہے (جو) فضلہ ہو اس معنی مصدری کی علت بیان کر رہا ہو جو زمان اور فاعل میں اس مصدر کے شریک ہے جیسے قمتُ اِجلالاً لکَ اور اس مصدر میں یہ جائز ہے کہ علت بیان کرنیوالے (حروف میں سے کسی) حرف کی وجہ جر دیا جائے۔ اور جس معلل (مفعول لہٗ) کوئی ایک شرط (بھی) فوت ہو جائے تو اس لام یا (بیان علت میں) لام کے قائم مقام حروف کے ذریعہ جر واجب ہے۔

ش: تیسرا منصوب مفعول لہٗ ہے۔ اور اس کا نام مفعول لاَجلِہٖ اور مفعول من اَجلِہٖ رکھا جاتا ہے۔ اور وہ وہ ہے جس میں چار امور اجتماعی طور پر پائے جائیں[2]۔ (۱) وہ مفعول مصدر ہو (۲) علت بیان کرنے کیلئے ذکر کیا گیا ہو (۳) (فعل) معلل بہ ایسا فعل (معنی مصدری) ہو جو زمانہ میں اس مصدر کے شریک ہو۔

---

[1] پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ (پ۲۹ ع۶) [2] اگر چاروں امور نہیں پائے جائیں گے تو وہ مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں ہوگا بلکہ حروف علت کے دخول کے ذریعہ مجرور ہوگا۔

(۴) فعل معلّل بہ ایسا معنی مصدری ہو جو فاعل میں اس مصدر کے شریک ہو، اس کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یَجْعَلُوْنَ الخ چنانچہ حَذَر مصدر ہے جو ہمارے ذکر کردہ تمام امور کو پورے طور پر حاوی ہے۔ اسی باعث مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور معنی ہیں موت کے اندیشہ سے۔

ومتیٰ دلّت الکلمۃ علی التعلیل وفُقِدَ منھا شرطٌ من الشروطِ الباقیۃ فلیست مفعولاً لہٗ، ویجب حینئذٍ ان تجرّ بحرفِ التعلیل۔

فمثالُ مَا فَقَدَ المصدریۃَ قولك: جِئْتُك للماءِ والعُشْبِ، وقولہٗ تعالیٰ: (ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الارضِ جمیعًا) وقول امرئ القیس:

۱۰۸- وَلوانّ مَا اَسْعٰی لِاَدْنٰی معیشۃٍ　　كفانِی، ولم اطلبْ، قلیلٌ مِّنَ المالِ

ومثال مافقدَ الاتحاد فی الزّمانِ قولك: جئتك الیوم للسفر غدًا، وقول امرئ القیس ایضًا:

۱۰۹- فجئتُ وقد نضّتْ لنوم ثِیَابھا　　لدَی السِّترِ الّا لِبسۃَ المُتَفَضِّلِ

فانّ زمنَ النّوم مُتأخّرٌ عن زمن خلعِ الثوب — ومثال مَا فقد الاتحاد فِی الفاعلِ قولك: قمتُ لامرِك ایّای، وقول الشاعر:

۱۱۰- وَاِنّی لتعرُوْنِی لذِکراكِ ھِزّۃٌ　　کما انتفضَ العُصفُوْرُ بَلَّلَہُ القَطْرُ

فانّ فاعل «تعرُوْنِی» ھُوَ الھِزّۃ وفاعل الذِّکری ھو المتکلّم، لانّ التقدیر لذکری ایّاك۔

اور جس وقت کلمہ تعلیل پر دلالت کرے اور بقیہ شرائط میں سے کوئی شرط فوت ہوجائے تو مفعول لہٗ نہیں ہوگا اور اس صورت میں حرفِ تعلیل[۲] کی وجہ سے جر دینا لازم ہوگا۔ اس مفعول کی مثال جس میں مصدر ہونا فوت ہو چکا ہو تمہارا قول جئتك للمَاءِ وَالعُشْبِ، باری تعالیٰ کا ارشاد ھُوَ الَّذِیْ[۳] خَلَقَ لَکُمْ

---

[۱] وہ ٹھونس لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے (پ۱ ع۲)

[۲] یعنی وہ حروف جو علّت وسبب کو بیان کرنے کے لئے آتے ہیں درج ذیل ہیں۔ لام جیسے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ الخ باء جیسے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا، کاف جیسے وَاذْکُرُوا اللہَ کَمَا ھَدَاکُمْ۔ فی جیسے لَمَسَّکُمْ فِیْمَا اَفَضْتُمْ فِیْہِ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ مِن جیسے الَّذِیْ اَحَلَّنَا دَارَ المُقَامَۃِ مِنْ فَضْلِہٖ۔

[۳] وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں۔ (پ۱ ع۳)

اور امرأ القیس کا کلام وَلَوْاَنَّ مَا الخ ہے۔ اور اس مفعول کی مثال جس میں زمانہ کا اتحاد فوت ہو گیا ہو۔ تمہارا قول جئتك الیوم للسفر غداً۔ اور نیز امرؤ القیس کا شعر فجئت وقد الخ ہے۔ کیونکہ سونے کا زمانہ کپڑے نکالنے کے زمانے کے بعد ہے اور فاعل میں اتحاد کے فوت ہونے کی مثال تمہارا قول قمت لامرك ایای۔ اور شاعر کا شعر وَانی لَتَعرُونِی الخ ہے کیونکہ "تعرونی" کا فاعل هِزّة ہے۔ اور ذِکری کا فاعل (خود) متکلم ہے۔ اس لئے تقدیر عبارت لذکرك ایای ہے۔

ؔ۱ اگر میں تھوڑی معیشت کی کوشش کرتا تو تھوڑا مال مجھ کو کافی ہو جاتا، اور میں (ملک) طلب نہ کرتا۔ محل استشہاد "لادنی" ہے۔ کیونکہ اس پر لام تعلیلیہ داخل ہے لیکن اسکو مفعول لہٗ نہیں کہا جا سکتا۔ اسلئے کہ مفعول لہٗ کیلئے مصدر ہونا لازم ہے۔ اور یہ ہے نہیں۔ (نوٹ) قلیلٌ من المالِ، کفانی کا فاعل ہے اور لم اطلبُ کا مفعول الملك محذوف ہے۔ امرؤ القیس کے اس شعر کو بعض لوگوں نے تنازع فعلان کی قبیل سے مانا ہے۔ جو غلط ہے۔ کیونکہ تنازع فعلان میں ہر فعل کو معمول پر داخل کرنا درست ہوتا ہے۔ اور یہاں قلیل پر لم اطلب کو داخل کرنا درست نہیں ہو پا رہا ہے۔ کیونکہ لو حرف امتناع ہے جو شرط و جزا پر داخل ہوتا ہے۔ مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت بنا دیتا ہے۔ اب ترجمہ ہوگا۔ اگر ادنی معیشت کیلئے کوشش پائی جاتی تو میں تھوڑا مال نہ طلب کرتا۔ لیکن میں نے تھوڑی معیشت کے لئے کوشش کی تو تھوڑا مال طلب کیا۔ اس وقت اس مطلب میں کھلا ہوا تعارض ہے۔ جو تنازع فعلان کی بنا پر واقع ہوا۔

ؔ۲ کل سفر کرنے کے لئے تمہارے پاس آج آیا۔ مثال میں اتحاد فی الزمان مفقود ہے۔ کیونکہ عامل یعنی مجئ کا زمانہ آج اور سفر کا زمانہ کل ہے۔ اسی وجہ سے اس پر لام داخل کر کے جر دیا گیا۔

ؔ۳ نَضَتْ نَضَا یَنْضُوْ (ن) نضوا کپڑے اتارنا، تَفَضَّلَ تَفَضُّلاً کام کاج یا سونے کا لباس پہننا۔ میں اس حال میں (اس کے پاس) آیا کہ وہ سونے کے کپڑے کے علاوہ اپنے تمام کپڑے سونے کے لئے نکال چکی تھی (اور میری منتظر تھی) محل استشہاد "لنوم" ہے کیونکہ یہی کپڑے نکالنے کی علت ہے۔ نوم اور اسکے عامل نضت کا فاعل ایک ہی ذات ہے۔ لیکن دونوں کا زمانہ الگ الگ ہے۔ کیونکہ آدمی کپڑے پہلے نکالتا ہے اور سوتا بعد میں ہے۔ اسی وجہ سے شاعر نے "نوم" کو مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے نصب نہیں دیا، بلکہ حرف علت لام کے ذریعہ جر دیا ہے۔

ؔ۴ عَرَا یَعْرُوْ عَرْوًا (ن) پیش آنا۔ انتفض لینا۔ پھڑ پھڑانا۔ بَلَّلَ تَبْلِیْلاً بھگانا، ترکرنا هِزّة لہر و اضطراب۔ تیری یاد آنے کی وجہ سے میرے اندر ایک لہر دوڑ جاتی ہے جس طرح کہ چڑیا پھڑ پھڑاتی ہے۔ جبکہ اس کو بارش نے بھگا دیا ہو۔ محل استشہاد "لذکراك" ہے کہ ذکری پر حرف تعلیل "لام" کی وجہ سے جر لازم ہے۔ یہ مفعول لہٗ نہیں ہے۔ اسلئے منصوب نہیں ہوگا۔ کیونکہ نصب کے لئے ذکری اور اسکے عامل کے فاعل میں اتحاد ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے۔ اسلئے کہ "ذکری" جس کی وجہ سے حرکت و اضطراب پیش آیا اسکا فاعل متکلم ہے۔ اور "تعرو" کا فاعل "هزّة" ہے بَلَّلَهُ الخ جملہ حالیہ ہے۔ اور حال اگر جملہ ہو تو یا تو اس پر قَدْ داخل ہوتا ہے جیسے وَاذکر اخاعاد اِذ انذر قومه بالاحقاف وقد خلت النذر میں قد داخل ہے۔ اس صورت میں تقدیر عبارت ہوگی قد بلله القطر اور یا واؤ حالیہ داخل ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کے ارشاد الذین قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا میں قعدوا سے پہلے واؤ داخل ہے۔ اس صورت میں تقدیر عبارت ہوگی وبلله القطر۔

ثم قلت: الرابعُ المفعول فيه، وهو ما ذكر فضلة لأجلِ امرٍ وقعَ فيهِ، من زمانٍ مطلقاً اَوْ مكانٍ مُبهمٍ، اَوْ مفيدٍ مقداراً، اَوْ مادتُهُ مادّةُ عامله كـ «صُمتُ يوماً» اَوْ «يومَ الخميس»، و «جلستُ اَمامَكَ»، و «سِرتُ فرسخاً»، و «جلستُ مجلسَكَ»، والمكاني غيرهن يُجَرُّ بفي كـ «صلّيتُ في المسجدِ» ونحو «قالا خيمتي امّ معبدٍ»، وقولهم «دخلتُ الدّارَ» على التوسّع۔

واقول: الرابعُ من المنصوبات الخمسة عشر: المفعول فيه، ويسمّى الظرف، وهو عبارة عما ذكرت۔

م: چوتھے مفعول فیہ ہے۔ وہ وہ (ظرف) ہے جس کو فضلہ (زائد چیز) کے طور پر اس فعل کے لئے ذکر کیا جائے جو اس (ظرف) میں واقع ہوا ہے۔ وہ (مبہم ومحدود[1] میں سے کسی بھی طرح کا ظرف زمان ہو یا ایسا مکان ہو[2] جو مبہم ہو یا مقدار کو بتانے والا ہو، یا اس کا مادہ اس کے عامل کا مادہ ہو۔ (جن کی مثالیں بالترتیب ہیں) جیسے صمتُ یوماً، یا یومَ الخمیس، جلستُ امامَكَ، سِرتُ فرسخاً اور جلستُ مجلسَكَ۔ اور مکانی (یعنی ظرف مکان محدود) ان کے علاوہ ہے اس کو حرف جر کے ذریعہ جر دیا جائیگا جیسے صلّیتُ فی المسجدِ اور قالا خیمتی[3] امّ معبد اور اہل عرب کا قول دخلتُ الدّار جیسا توسع یعنی مجاز کی بنا پر ہے۔

ش: پندرہ منصوبات میں سے چوتھا مفعول فیہ ہے اس کو ظرف[4] بھی کہا جاتا ہے اس کی تعریف وہی ہے جو میں نے (اوپر) ذکر کی۔

والحاصل انّ الاسمَ قد لا يكونُ ذُكِر لأجلِ امرٍ وقع فيه، ولا هو زمانٌ ولا مكانٌ، وذلك كـ «زيداً» في «ضربتُ زيداً»، وقد يكون انما ذكر لأجلِ اَمرٍ وقع فيه، ولكنّهُ ليس بزمانٍ ولا مكانٍ، نحو «رغب المتّقون ان يفعلوا خيراً» فانّ المعنى في ان يفعلوا. وعليه في اَحَدِ التفسيرين قوله تعالى: (وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ) وقد يكون

---

[1] اسم زمان مبہم وہ نکرہ ہے جو زمان غیر محدود کو بتلائے یعنی ایسے زمانہ کو بتلائے جسکی ابتداء وانتہاء متعین نہ ہو جیسے حین، وقت، مدة زمن۔ یا زمانہ کے کسی جزء پر دلالت کرے جیسے صباح، عشیة، غداة، اور محدود یعنی مختص اسکے برعکس ہے۔ اسی کی قبیل سے وہ ظرف ہے جو متعین اور معلوم ہو بشکل علمیت اسکے معرفہ ہونے کی وجہ سے جیسے رمضان یا بشکل اضافت جیسے زمن الشتاء یا بشکل دخول لام تعریف جیسے الیوم اسی کی قبیل سے وہ ظرف ہے جو متعین غیر معلوم ہو جیسے نکرہ معدودہ غیر معینہ جیسے سِرتُ یوماً اَوْ یومَین یا نکرہ موصوفہ ہو جیسے سرتُ زماناً طویلاً (النحو الوافی ص ٢٠٣/٢) [2] وضاحت ص ٢٣٦ پر آرہی ہے۔

[3] ترجمہ ص ٢٤١ پر آرہا ہے۔ [4] ظرف دراصل برتن یا اس شئی کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کو رکھا جائے۔ زمان ومکان کو اسلئے ظرف کہتے ہیں کہ ان میں بھی افعال پائے جاتے ہیں گویا وہ ان کے برتن ہیں۔ (جامع)

العكس، نحو (إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا) ونحو لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ) (وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ) ونحو (اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ) فهٰذه الانواع لا تسمّى ظرفًا في الاصطلاح، بل كلٌّ منها مفعولٌ به، وقع الفعل عليه، لا فيه، يظهر ذٰلك بادنىٰ تأمّلٍ للمعنى، وقد يكون مذكورًا لاجلِ أمرٍ وقع فيه وهو زمانٌ أو مكانٌ، فهو حينئذ منصوبٌ على معنى «في» وهٰذا النوع خاصّة هو المسمّى في الاصطلاح ظرفًا، وذٰلك كقولك: صمتُ يومًا، أو يوم الخميس، وجلستُ امامَكَ۔

واشرتُ بالتمثيل بيومًا ويوم الخميس الى انّ ظرف الزمان يجوز ان يكون مُبهمًا وان يكون مختصًا، وفي التنزيل: (سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا) (النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا) (وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا)۔

حاصل یہ ہے کہ کبھی اس اسم کو ایسے امر کے لئے ذکر نہیں کیا جاتا جس میں وہ فعل واقع ہوا ہے۔ اور نہ ہی وہ اسم زمان ہوتا ہے۔ اور نہ مکان جیسے ضربتُ زیدًا میں زیدًا اور کبھی اس کا تذکرہ کسی ایسے امر کے لئے ہوتا ہے جس میں وہ واقع ہوا ہے۔ مگر وہ نہ تو (ظرف) زمان ہوتا ہے اور نہ ہی مکان جیسے رغبَ[1] المتقون اَن یفعلوا خیرًا۔ کیونکہ اصل فی ان یفعلوا ہے۔ اور ایک تفسیر کے مطابق باری تعالیٰ کا ارشاد و ترغبون[2] الخ اسی پر (محمول) ہے۔ اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے یعنی وہ اسم منصوب ہوتا تو ظرف ہے مگر اس میں فعل کا وقوع نہیں ہوتا ہے جیسے اِنَّا نخاف[3] الخ لِیُنذر[4] الخ وَاَنذِرهُم[5] الخ اور جیسے اَللّٰهُ اَعلَم[6] الخ ان مذکورہ تمام قسموں کو اصطلاح میں ظرف (مفعول فیہ) نہیں کہا جاتا بلکہ ان مذکورہ مثالوں میں تمام ظروف، مفعول بہ ہیں کہ اُن پر فعل واقع ہوا ہے، ان میں واقع نہیں ہوا ہے۔ (اور) یہ بات معنی پر معمولی توجہ کرنے سے واضح ہو سکتی ہے۔ اور کبھی وہ ظرف ایسے امر کے لئے مذکور ہوتا ہے جس میں وہ امر

---

[1] خدا ترس لوگوں نے نیک کام کرنا چاہا۔

[2] اور تم خود ان عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہو (پ۵ ع۱۶) یہ ترجمہ اَنْ سے پہلے فِی مقدر ماننے کر ہے۔ اور اسی اعتبار سے اسکو یہاں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ بات ظرف کی چل رہی ہے جو اسی صورت میں متحقق ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق اَنْ سے پہلے عَنْ مقدر ہے۔ اس وقت ترجمہ ہوگا تم ان عورتوں سے نکاح کرنے سے گریز کرتے ہو۔ [3] ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ (پ۲۹ ع۱۹) [4] تاکہ اجتماع کے دن سے ڈرائے (پ۲۴ ع۱) [5] اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنیوالی مصیبت کے دن سے ڈرائیے۔ (پ۲۴ ع۲) [6] اس موقع کو تو، اللہ ہی خوب جانتا ہے جہاں جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے۔ (پ۸ ع۲)

واقع ہوا ہے اس حال میں کہ وہ ظرف زمان ہو یا مکان، تو وہ اس صورت میں "فی" کی تقدیر کے ساتھ منصوب (مفعول) ہوگا۔ اسی قسم کا نام اصطلاح میں ظرف رکھا گیا ہے۔ جیسے صمتُ یومًا، یا یَومَ الخمیسِ اور جلستُ اَمَامَكَ۔ اور میں نے صمتُ یومًا اور یوم الخمیس دو مثالیں دیکر اس بات کو بتایا ہے کہ ظرف زمان مبہم بھی ہوسکتا ہے (جیساکہ پہلی مثال میں) اور محدود بھی (جیساکہ دوسری مثال میں) اور قرآن پاک میں ہے سِیْرُوا الخ[1] النَّارُ الخ[2] وسَبِّحُوْهُ الخ[3]

وامّا ظرفُ المکانِ فعلیٰ ثلاثۃ اقسامٍ: اَحَدُھا: ان یکونَ مُبھمًا، ونعنی بہ مَالایختصُّ بمکانٍ بعینہٖ، وھو نوعانِ، اَحَدُھُمَا: اسماءُ الجھات السّت، وھی فوق وتحت، ویمین وشمال، وأمام وخلف، قال اللّٰہ تعالیٰ (وفوق کلّ ذی علمٍ علیم)[4] (فنَادٰھا مَنْ تحتِھا)[5] فی قراءۃ مَنْ فتح میم (مَنْ) (وکان وَرَاءَھُمْ مَلِكٌ) و قرئ (وکانَ امامَھُمْ مَلِكٌ) (وتری الشمسَ اذاطلعتْ تَزَّاوَرُعن کھفِھم ذات الیمین، واذا غربتْ تقرِضُھم ذاتَ الشّمال) واصلُ (تَزَّاوَرُ) تتزاور، ای تتمایلُ، مشتقٌ مِنَ الزَّوَرِ۔ بفتح الواو۔ وھو المیلُ۔ ومنہ زارہ، اَیْ مَالَ الیہ، ومعنی (تقرضُھم) تقطعُھم، من القطیعۃ، واصلُہ من القطع، والمعنی تَعْرِضُ عنھم الی الجھۃِ المُسَمَّاۃِ بالشّمال، وحَاصِلُ المعنی انھا لاتصیبُھم فی طلوعھا ولافی غروبھا۔

رہا ظرف مکان تو اس کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ مُبہم ہو۔ اور مبہم سے ہماری مراد وہ ظرف ہے جو کسی متعین مکان وجگہ کے ساتھ خاص نہ ہو۔ اس کی دو انواع ہیں۔ نوعِ اوّل اسمائے شش جہات ہیں۔ اور وہ فوق، تحت، یمین، شمال، اَمَام اور خلف ہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وفوق کل الخ[4] فنَادٰھا الخ[5] ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے مِنْ تحتِہَا کے مِن کے میم کو فتحہ دیا ہے۔

---

[1] ان میں راتوں کو اور دنوں کو (بے خوف وخطر) چلو (پ ع) [2] وہ لوگ صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں (پ ع) [3] اور صبح شام اسی کی تسبیح کرتے رہو۔ (پ ع) مذکورہ بالا تینوں آیتیں ظروف مبہم کی مثالیں ہیں۔ اور مفعول فیہ ہونے کے باعث منصوب ہیں۔ [4] اور ہر علم والے سے بڑھ کر ایک علم والا ہے۔ (پ ع) [5] پس اس شخص نے پکارا جو ان کے نیچے تھا (پ ع) نوٹ:۔ استدلال اس صورت میں ہے جبکہ "مَنْ" کو میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ اور اگر مشہور قرارت کے مطابق مِنْ پڑھا گیا تو تحتِہا مجرور ہونے کی وجہ سے مفعول فیہ نہیں بن سکے گا۔

اور وکان وراءھم ملك [1] اور اسکو وکان امامھم ملك [2] بھی پڑھا گیا ہے۔ وَتَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ الخ [3] تَزَّاوَرُ کی اصل تتزاور ہے معنی ہیں ہٹ جاتا ہے۔ یہ مشتق ہے زَوَر بفتح الواو سے معنی ہیں مائل ہونا۔ اور اسی سے زَارَہٗ ہے یعنی اس کی طرف مائل ہوا۔ اور تقرضھم کے معنی ہیں تقطعھم جو قطیعۃ (بمعنی ہجر، فراق) سے ہے اس کی اصل قطع بمعنی کاٹنا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ سورج ان کو چھوڑ کر اس سمت کی جانب ہٹ جاتا ہے جس کا نام شمال ہے۔ اور مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ دھوپ نہ ان پر بوقتِ طلوع پڑتی ہے اور نہ بوقتِ غروب۔

وقال الشاعر :

۱۱۱- صَدَدْتِ الکَاسَ عَنَّا اُمَّ عَمْرٍو وکَانَ الکَاسُ مَجْرَاھَا الیَمِیْنَا [4]

یجوز کون «مجراھا» مبتدأ، و «الیمین» ظرف مخبر بہ، ای مجراھا فی الیمین والجملۃ خبر کان، ویجوز کون «مجراھا» بدلًا من الکاس بدل اشتمال، فالیمین ایضًا ظرف، لانّ المعتمد فی الاخبار عنہ انّما ھو البدل لا الاسم، ویجوز فی وجہٍ (ضعیف) تقدیر الیمین خبر کان لا ظرفًا، وذلك علی اعتبار المبدل منہ دون البدل، وقال الآخر:

۱۱۲- لقد عَلِمَ الضَّیفُ وَالمُرْمِلُوْنَ اِذَا اغْبَرَّ اُفْقٌ وَھَبَّتْ شَمَالَا

شاعر نے کہا ہے صَدَدْتِ الخ مجراھا کا مبتدا اور الیمین کا ظرف (اور) خبر بننا جائز ہے ۔ تقدیر عبارت ہوگی مجراھا فی الیمین اور (مبتدا خبر سے ملکر) جملہ کَانَ کی خبر۔ اور مجراھا کا الکاس سے

---

[1] اور ان لوگوں کے پیچھے ایک بادشاہ تھا (پ ۱۶ غ) [2] یہ قراءت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت تھانویؒ نے ترجمہ کیا ہے: اور لوگوں کے آگے کی جانب ایک بادشاہ تھا۔ [3] اور اے مخاطب! جب دھوپ نکلتی ہے تو تو اس کو دیکھے گا کہ وہ ان کی غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے۔ اور جب وہ چھپتی ہے تو بائیں طرف ہٹی رہتی ہے۔ (پ ۱۵ ع ۱) مذکورہ بالا چاروں آیتوں میں فوق، تحتھا، وراءھم، ذات الیمین اور ذات الشمال ظروف زمان مبہم ہیں۔ اسی وجہ سے مفعول فیہ ہونیکے باعث منصوب ہیں [3] تَزَّاوَرُ باب اِفّاعل سے ہے۔ اِفّاعل کی اصل تفاعل ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب باب تفاعل کی تاء کی جگہ تاء، ثاء، جیم، دال، ذال، زاء، سین، شین، صاد، ضاد، طاء، ظاء واقع ہوجائے تو تفاعل کی تاء کو فاء کلمہ سے بدل دیتے ہیں اور فاء کو فاء میں ادغام کر دیتے ہیں۔ اس قاعدہ کی رو سے تتزاور کی تاء کو فاء کلمہ یعنی زاء سے بدل دیا گیا اور زاء کو زاء میں ادغام کر دیا گیا۔

[4] یہ شعر عمر بن کلثوم تغلبی کا ہے۔ ام عمرو منادی ہے، حرف نداء محذوف ہے۔ اے ام عمرو! تو نے ہمکو جام سے باز رکھا جبکہ جام کی گردش داہنی طرف سے ہوتی ہے (اور ہم داہنی طرف بیٹھے ہیں) محلِ استشہاد «الیمینا» ہے کہ اس پر مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے نصب آیا ہے اسکے آخر میں «الف» اشباع کا ہے۔

بدل الاشتمال بننا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں بھی الیمین ظرف ہوگا۔ کیونکہ مبتدا بننے میں اعتبار بدل کا ہے۔ اسم (کانَ) کا نہیں۔ اور ایک ضعیف صورت میں الیمین کو کانَ کی خبر بنانا درست ہے نہ کہ ظرف بنانا۔ اور یہ جواز مُبدل منہ کو معتبر ماننے میں ہے نہ بدل کو۔ اور ایک شاعر کا قول ہے لقد علمَ الخ

تشریح:۔ قولہٗ یجوز الخ مصنف علامؒ نے شعر ۱۱۱ کے آخری مصرعہ کی تین ترکیبیں کی ہیں۔ (۱) الکأس اسم کانَ، مجراھا مبتدا ہے، اور الیمین ظرف ہے اس کے پہلے فِی مقدر ہے، جو ثابتٌ سے متعلق ہوکر مبتدا کی خبر اور پورا جملہ کانَ کی خبر ہے۔

(۲) الکأس مبدل منہ مَجراھا بدل اشتمال سے مِلکر کان کا اسم، اور الیمین خبر ہے مگر خبر بنانے میں لحاظ بدل کا کیا جائیگا، تاکہ معنی کا فساد لازم نہ آئے۔ کیونکہ اگر مبدل منہ کا لحاظ ہو تو عبارت ہوجائیگی کانَ الکأس الیمین یعنی جام داہنی طرف ہے۔ اور یہ مفہوم شاعر کے منشار کے خلاف ہے۔ شاعر کا منشا ہے کہ جام کی گردش داہنی طرف ہو تاکہ ہم محروم نہ رہیں۔

(۳) "الکأس" کانَ کا اسم اور مبدل منہ اور مجراھا اس کا بدل اور الیمین کانَ کی خبر۔ اس صورت میں الیمین کو خبر بنانے میں لحاظ مُبدل منہ کا کیا گیا ہے۔ دوسری ترکیب میں جس خرابی سے بچنا چاہتے تھے وہی لازم آرہی ہے، اسی وجہ سے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

النوع الثانی: مَا لیسَ اسمَ جِهَةٍ، ولکن یُشبِهُهٗ فی الإبهام، کقولهٖ تعالیٰ: (اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا) (وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا) وَالقسمُ الثانی: ان یکونَ دالاًّ علی مَساحةٍ (مَعلومةٍ) مِنَ الارضِ، کـ "سِرتُ فَرسَخًا" و "میلاً" و "بریدًا" واکثرهم

لہ یہ شعر جنوب بنت العجلان بن عامر ہذلی کے قصیدہ کا ہے جس میں اس نے اپنے بھائی ذوالکلب عمر کا مرثیہ کہا ہے۔ اس کے بعد والا شعر ہے۔

بِاَنَّكَ رَبیعٌ وغَیثٌ مُرِیعٌ ❊ واَنَّكَ هناكَ تکونُ الثِّمالا

مُرمِلون مُرمِل کی جمع ہے، محتاج۔ اغبرَّ افق افق کا غبار آلود ہونا، مرادی معنی ہیں، موسم سرما کا آنا۔ هبَّتْ ہوا کا چلنا۔ ربیعٌ موسم بہار۔ بعید مفید، سخی، غیث بارش مُراد گھاس جو بارش کی وجہ سے اُگتی ہے۔ مُرِیع سرسبز و شاداب، الثمال ذخیرہ، فریادرس۔

جس وقت موسم سرما آیا (اور لوگ محتاج ہوگئے) اور شمال میں ہوا چلی تو مہمان اور محتاجوں نے جانا کہ تو (اے عمر) سخی اور شاداب گھاس ہے، اور یہ بھی جانا کہ ایسے (آڑے) وقت میں فریادرس ہوتا ہے۔ محل استشہاد شمالا ہے جو ظرفیت یعنی مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے، اور شعر میں بادِ شمال کا چلنا مُراد نہیں بلکہ شمال میں ہوا کا چلنا مُراد ہے۔

يجعلُ هٰذا من المُبهم ، وحقيقةُ القولِ فيه ان فيه اِبهامًا واختصاصًا : امّا الإبهام فمن جهةِ انهٗ لايختص بِمِقدارٍ بعينها ، واما الاختصاص فمن جهةِ دلالته على كمية معينة ، فعلى هٰذا يصح فيه القولان۔

والقسم الثالث اسم المكان المشتقُ من المصدر ، ولٰكن شرطُ هٰذا ان يكون عامِلُهٗ من مَادتِهٖ « ک » جَلستُ مجلِسَ زَيدٍ » و « ذهبتُ مَذهبَ عَمرٍو » (وَاَنَّا كُنَّا نَقعدُ منها مقَاعِدَ لِلسَّمعِ) ولايجوز « جلست مذهبَ عَمرٍو » ونحوه۔

اور نوعِ ثانی وہ اسم ہے جو اسمِ جہت تو نہ ہو لیکن ابہام میں اس اسم کے مشابہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا[1] اور وَاِذَآ اُلْقُوْا الخ[2]

اور قسم دوم یہ ہے کہ زمین کی متعینہ مقدار کو بتلائے جیسے سِرتُ فَرْسَخًا[3] ، میلًا ، برِیدًا۔ اور اکثر نحوی اس کو مبہم کی قسم قرار دیتے ہیں۔ تحقیقی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس میں ابہام بھی ہے اور اختصاص بھی۔ رہا ابہام تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ کسی متعین خطہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور رہا اختصاص تو وہ ایک متعین مقدار پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا اس بنا پر اس میں (مبہم و مختص ہونے کے) دونوں قول صحیح ہیں۔ اور قسم سوم وہ اسم مکان ہے جو مصدر سے مشتق ہو لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا عامل اسی کے مادہ سے ہو جیسے جلستُ مجلسَ زَیدٍ ، ذهبتُ مَذهبَ عَمرٍو ، وَاَنَّا كُنَّا الخ[4] اور (عامل کے ظرف کے مادہ سے نہ ہونے کی وجہ سے) جلستُ مذهبَ عمرٍو اور اس جیسی مثالیں جائز نہیں۔

وَمَاعَدا هٰذِهِ الانواع الثلاثة من اَسمَاء المكانِ لايجوز انتصابهٗ على الظرف فلا تقول « صَلّيتُ المسجدَ » ولا « قمتُ السُّوق » ولا « جَلستُ الطّريقَ » لانّ هٰذِهِ الامكنة خاصّة ، الاترىٰ انهٗ ليسَ كلّ مكانٍ يسمّى مَسْجدًا ولا سوقًا ولاطريقًا ؟ وانّما حُكمك فى هٰذِهِ الاماكنِ ونحوهَا اَن تصرّح بحرفِ الظرفية وهو « فى » وقال الشاعر — وهو رجل من الجنّ سمعوا بمكّة صوته ولم يروا

---

[1] یا اس کو کسی سرزمین میں ڈال آؤ (پ ۱۲ ع ۱) [2] جب وہ اس کی تنگ جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے (پ ۱۸ ع ۱) ارض اور مکان اسم جہت نہیں ہیں۔ مخصوص زمین یا مکان مراد نہ ہونے کی وجہ سے مبہم ہیں۔ [3] فرسخ کی مقدار ۸۲۷ء۴ کلومیٹر ہوتی ہے۔ برید کی مقدار بعض لوگوں نے بارہ میل لکھی ہے۔ [4] اور ہم آسمان کے موقعوں میں سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے۔ (پ ۲۹ ع ۱)

تخصه — يذكر النبي صلى الله عليه وسلم وابا بكر رضي الله عنه حين هاجرا:

۱۱۲- جزى الله ربّ النّاس خير جزائه ... رفيقين قالا خيمتي أمّ معبد
همانزلا بالبرّ ثمّ ترحّلا ... فافلح من أمسى رفيق محمّد
فيالقصيٍّ مازوى الله عنكم ... به من فعال لاتجازى وسؤدد

وكان حقه ان يقول . قالا في خيمتي أمّ معبد ، اي قيلا فيها ، ويروى حلّا بدل " قالا ، والتقدير (ايضا) حلا في خيمتي ، ولكنه اضطر فاسقط " في " واوصل الفعل بنفسه ، وكذا عملوا في قولهم . دخلت الدّار ، و المسجد " ونحو ذلك ، الّا انّ التوسّع مع " دخلت " مطّرد لكثرة استعمالهم اياه .

اوران تینوں قسموں کے علاوہ اسمار مکان کا ظرفیت کی بنا پر منصوب ہونا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا آپ نہ توصلیت المسجدَ کہیں گے اور قمتُ السّوق اور نہ ہی جلستُ الطّریق کیونکہ یہ جگہیں متعین و محدود ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے آپ کہ ہر جگہ و مکان کو مسجد، سوق اور طریق کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ان اور ان جیسے ظروف مکان میں آپ کا حکم یہ ہے کہ حرف ظرف یعنی فی کو ظاہر کریں۔ اور شاعر — جنات میں سے ایک شخص ہے لوگوں نے مکہ میں اس کی آواز تو سُنی مگر اس کی ذات کو دیکھا نہیں — وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کا تذکرہ کر رہا ہے۔ جس وقت کہ دونوں نے ہجرت فرمائی۔ جَزَی اللّٰہُ خیرًا الخ

لہ قال (ض) قیلولۃ قیلولہ کرنا۔ خَیمَتَی خَیمَۃ کا تثنیہ ہے جمع خِیَم خَیمات ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد الخزاعی ہے۔ برّ بکسر الباء ہو تو احسان، بھلائی۔ بفتح الباء ہو تو بھی ایک معنی احسان کے ہیں۔ دوسرے معنی خشکی کا حصہ جو بحر کے بالمقابل بولا جاتا ہے دونوں معنی درست ہو سکتے ہیں۔ قُصَیّ سے آل قصی بن مرہ مراد ہیں۔ کیونکہ قصی تو آپ کے اجداد میں ہے۔ اس پر جو لام داخل ہے وہ لام جار ہے اس فعل محذوف سے متعلق ہے جس کی نیابت "یا" کر رہا ہے۔ فِعَال فِعل کی جمع ہے، کام۔ سؤدد بلندی شرافت، سخاوت۔ زَوَی یزوی پھیرنا، ہٹانا۔

لوگوں کو پالنے والا خدا ان دونوں رفیقوں کو اپنا بہتر بدلہ عطا فرمائے جنہوں نے ام معبد کے دو خیموں میں قیلولہ کیا ٥ وہ دونوں بھلائی کے ساتھ (یا خشکی میں) اُترے پھر وہ چلے گئے، کامیاب ہوا وہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہو گیا ٥ ارے قصی (کی اولاد یعنی اے اہل مکہ) وہ کیا چیزیں ہیں جن کو اللہ نے ان کی (ہجرت) کی بنا پر تم سے دور کر دیا درانحالیکہ وہ ایسے کارنامے ہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جا سکتا، اور درانحالیکہ وہ سرداری ہے۔ محلِ استشہاد قالا خیمتی ام معبد ہے کہ خیمتی فی کی تقدیر پر منصوب ہے۔ ای قالا فی خیمتی ام معبد خیمہ اگرچہ مکان محدود و مختص ہے۔ اس میں فی کی تقدیر نہیں ہونی چاہیے۔ مگر ضرورت شعری کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کہتا قالا فی خیمتی امّ معبد یعنی ام معبد کے خیموں میں ان دونوں نے قیلولہ کیا، اور ایک روایت میں قالا کی جگہ حلّا آیا ہے۔ اسوقت بھی تقدیر عبارت حلّا فی خیمتی ہوگی، لیکن شاعر نے مجبوراً فی کو ساقط کردیا اور فعل کو بلا واسطہ جوڑ دیا۔ اور نحویوں نے یہی دخلتُ الدّارَ والمسجد جیسے میں کیا ہے، مگر دخلت میں توسع وجواز عام ہے اہلِ عرب کے دخلت کو بہت زیادہ استعمال کرنیکی وجہ سے

ثمّ قلتُ: الخامسُ المفعول معَهٗ، وھو: الاسمُ، الفضْلۃُ، التالِی وَاوَ المصاحبۃ مسْبوقۃٌ بفعْلٍ اَوْ مَافیہِ معناہُ وحروفُہٗ، کـ «سرتُ والنیلَ» و «انا سائرٌ والنیلَ»

واقول: الخامسُ من المنصوبات: المفعول معہٗ.

وانّما جُعِلَ اٰخِرَھا فی الذِکْرِ لامرین، اَحَدُھُمَا: انّہم اختلفوا فیہ، ھَلْ ھو قیاسِی اَوْ سمَاعی؟ وغیرہ من المفاعیل لایختلفون فی انہٗ قیاسِی، والثانی: انّ العامل انمایَصِلُ الیہِ بِوَاسطۃِ حَرْفٍ مَلفوظٍ بِہٖ، وھوالوَاو، بخلاف سائرِ المفعولات، وھو عبارۃ عمّا اجتمع فیہِ ثلاثۃ امور: اَحَدُھا ان یکون اسمًا، والثانی: ان یکون واقعًا بعد الواو الدّالّۃ علی المصاحبۃ، والثالث: ان تکون تلک الوَاو مَسْبوقۃً بفعل، او مَافیہ معنی الفعل وحُرُوْفہٗ۔

م: پانچویں مفعول معہٗ: وہ وہ اسم ہے جو زائد (از رکن) ہو واو مصاحبت کے بعد واقع ہو اس سے پہلے فعل ہو یا ایسا اسم ہو جس میں معنی فعل اور حروفِ فعل پائے جاتے ہوں جیسے سرتُ والنیلَ اور انا سائرٌ وَالنیلَ۔

ش: پانچواں منصوب مفعول معہٗ ہے۔ اس کا تذکرہ مفاعیل کے آخیر میں دو امر کی وجہ سے کیا گیا۔ پہلا اَمر یہ کہ اس میں نحویوں کا اختلاف ہے، کیا یہ قیاسی ہے یا سماعی۔ جبکہ دیگر مفاعیل کے قیاسی ہونے میں نحاۃ کا اختلاف نہیں ہے۔ دوسرا امر یہ کہ عامل کا تعلق اس سے ایسے حرف کے واسطے سے ہوتا ہے جو ملفوظ ہوتا ہے۔ اور وہ حرف واوٗ ہے۔ بخلاف (دیگر) تمام مفاعیل کے (کہ اس سے ان کے عامل کا تعلق بلا کسی واسطہ کے ہوتا ہے) اور مفعول معہٗ سے مُراد وہ ہے جس میں تین اُمور پائے جاتے ہوں۔ اوّل یہ کہ وہ اسم ہو۔ دوم یہ کہ اس واوٗ کے بعد واقع ہو جو مصاحبت پر دال ہو۔ سوم یہ کہ اس واوٗ سے پہلے فعل ہو، یا ایسا اسم ہو جس میں معنی فعل اور حروفِ فعل ہوں۔

لہ حلّا (مثنی) حلولًا اترنا، تثنیہ کا صیغہ ہے۔

وذلك كقولك: «سرتُ والنيلَ» و «استوى الماءُ والخشبةَ» و «جاء البردُ والطيالسةَ»، وكقول الله تعالى: (فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ) اى: فاجمعوا امركم مع شركائكم، فـ (شركاءكم) مفعولٌ معهُ، لاستيفائه الشروطَ الثلاثة، ولا يجوز على ظاهر اللفظ ان يكون معطوفًا على (امركم) لانهُ حينئذٍ شريك لهُ فى معناه، فيكون التقدير: اجمعوا امركم واجمعوا شركاءكم، وذلك لا يجوز، لان اَجْمَعَ انما يتعلق بالمعاني دون الذّوات، تقول: اجمعت رأيي، ولا تقول: اجمعت شركائي، وانما قلتُ «على ظاهر اللفظ» لانهُ يجوز ان يكون معطوفًا على حذف مضاف: اى وامر شركائكم، ويجوز ان يكون مفعولا لفعلٍ ثُلاثيٍّ محذوفٍ، اىْ واجمَعُوا شركاءكم بوَصْلِ الالف، ومن قرأ (فاجمعوا) بوَصْلِ الالفِ صحّ العطفُ على قراءتهِ من غير اضمارٍ، لانهُ من «جمع» وهو مشتركٌ بَيْن المعاني والذّوات: تقول: جمعت امري، وجمعت شركائي، قالَ الله تعالى: (فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ اَتٰى) (اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ) ويجوز على هٰذه القراءة ان يكونَ مفعولًا معهُ، ولٰكن اِذا امكنَ العطفُ فهُوَ اَوْلٰى لانهُ الأصلُ۔

اور وہ جیسے تمہارا قول سرتُ والنیلَ، اِستوی[1] المآءُ والخشبۃَ وجآء البَرد والطیالِسَۃ[2] اور جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فاَجْمِعُوْا الخ[3] کہ شرکاءکم مفعول معہٗ ہے اس کے تینوں شرطوں کو جامع ہونے کی وجہ سے۔ اور ظاہر لفظ کے اعتبار سے شرکاءکم کو امرکم کا معطوف بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ (امر) اس (شرکاءکم) کے معنیٰ فعل میں شریک ہوجا ئیگا۔ اسوقت تقدیرِ عبارت ہوگی اجمِعُوا امرکم اجمِعُوا شرکاءکم۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اجمَعَ (باب افعال) کا تعلق صرف معانی سے ہوتا ہے، ذوات سے نہیں جیسے آپ کہہ سکتے ہیں اجمعت رأیی اور نہیں کہہ سکتے "اجمعت شرکائی"۔ اور میں نے کہا "علیٰ ظاھر اللفظ" کیونکہ مضاف محذوف مان کر اس کو "امرکمْ" کا معطوف بنایا جاسکتا ہے۔ تقدیرِ عبارت ہوگی (اجمعوا امرکم وامر شرکائکم) اور شرکائکم کو ثلاثی فعل محذوف کا مفعول بنایا جاسکتا ہے۔ اصل ہوگی واجمَعُوا شرکاءکم الف وصل کے ساتھ، اور جن لوگوں نے

---

[1] پانی (پیمانہ کی لکڑی کے سرے تک پہنچکر) لکڑی کے برابر ہوگیا۔ [2] الطیالِسۃ طیلسان کی جمع ہے۔ وہ سبز چادر جسے علماء وشائخ سردی سے بچنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ سردی مع چادر والوں کے آئی۔ [3] تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کرو۔ (پ ۱۱ ع ۱۳)

فَاجْمَعُوْا الف وصل کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کی قرارت کے مطابق بلا حذف عطف درست ہے۔ اجمعوا (اس صورت میں) جمع (یعنی باب فتح) سے ہے۔ اور وہ معانی اور ذوات کے درمیان مشترک ہے۔ تم کہہ سکتے ہو جمعت امری وجمعت شُرَکَائِی۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فجمع کیدہٗ الخ الذی جمع الخ اور اس قرارت کے مطابق مفعول معہٗ بنانا بھی جائز ہے۔ لیکن جب عطف ممکن ہے تو وہی اولیٰ و بہتر ہے۔ کیونکہ عطف ہی اصل ہے۔

تشریح :۔ شرکاء کُم، مفعول معہٗ ہے۔ کیونکہ مفعول معہ بننے کے لئے جو تین امور درکار ہیں وہ اس میں پائے جا رہے ہیں ـــــ اب رہا مسئلہ کہ جو اسم واو کے بعد مذکور ہوتا ہے اس میں بعض مقامات پر مفعول اور عطف دونوں کی ترکیب درست ہو جاتی ہے آیا یہاں بھی ایسا ممکن ہے یا نہیں۔؟ اس کا جواب مصنفؒ نے وذلك لایجوز علیٰ ظاھر اللفظ سے دیا ہے کہ اگر اَجْمِعُوْا کو باب اِفعال سے صیغہ اَمر مانا جائے جیسا کہ ظاہر ہے تو عطف والی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حرف عطف اشتراک عامل کا تقاضا کریگا۔ جس کے نتیجہ میں اَجْمِعُوْا کا دخول جس طرح امرکم پر ہے اسی طرح شرکاءکُم پر بھی ہوگا۔ اور عبارت ہو جائیگی اَجْمِعُوْا امرکُم و اَجْمِعُوْا شرکائکم۔ اور یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ اجمعوا اِجْمَاع (باب اِفعال) سے مشتق ہے۔ اور اجماع صرف معانی میں استعمال ہوتا ہے، ذوات میں نہیں۔ جبکہ شُرکاء از قبیل ذوات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اجمعت رأئی تو کہہ سکتے ہیں مگر اجمعتُ شرکائی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اگر شرکاء کو مضاف الیہ مانا جائے اور اس کا مضاف "امر" محذوف مانا جائے تو درست ہو جائیگا۔ اور تقدیر عبارت ہو جائے گی اجمعوا امرکم و امر شرکائکم۔ اس صورت میں اجمعُوا کا دخول لفظ اَمْر پر ہوا جو از قبیلِ معانی ہے۔ شرکاء پر نہیں ہوا جو از قبیلِ ذوات ہے۔ اور اگر اجمعُوا کو باب فتح سے اَمر کا صیغہ مانا جائے جیسا کہ ایک قرارت بھی ہے تو کچھ حذف مانے بغیر عطف والی ترکیب بھی درست ہے۔ اور مفعول والی بھی۔ کیونکہ جَمَعَ یَجْمَعُ (ف) کا دخول معنویات اور ذوات دونوں پر درست ہے ـــــ چنانچہ آپ جمعتُ امری اور جمعتُ شرکائی دونوں کہہ سکتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ نے بھی جمع کا دخول معنویات پر بھی کیا ہے جیسے جَمَعَ کیدَہٗ ثم اَتیٰ میں۔ اور ذوات پر بھی جیسے جَمَعَ مالاً میں۔ مگر عطف والی ترکیب زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ واو کو اصلاً عطف کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

لہ پھر اپنے مکر و فریب کو جمع کرنا شروع کیا پھر آیا (پ۲۹ ع ۱۲) لہ جس نے مال جمع اور اس کو بار بار شمار کیا (پ۳۰ ع ۲۹)

وليس من المفعول معه قولُ ابی الاسود الدؤلی:

١١٤- يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الْمُعَلِّمُ غَيْرَهُ ۔ هَلَّا لِنَفْسِكَ كَانَ ذَا التَّعْلِيمُ

ابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَانْهَهَا عَنْ غَيِّهَا ۔ فَاذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَأَنْتَ حَكِيمُ

فَهُنَاكَ يُسْمَعُ مَا تَقُولُ وَيُشْتَفَى ۔ بِالْقَوْلِ مِنْكَ وَيَنْفَعُ التَّعْلِيمُ

لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَأْتِيَ مِثْلَهُ ۔ عَارٌ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمُ

الشاهد فی قولہ « وَتَأْتِيَ مثلَهُ »، فانّهُ ليس مفعولا معهُ وان كان بعد واو بمعنی مع ـــ ای: لا تنهَ عن خُلقٍ مع إتيانك مثلهُ ـــ لانّهُ ليس باسمٍ، ولا نحو قولك « بعتُكَ الدّار باثاثها، والعبدَ بثيابه »، وقول الله سُبحانهُ وتعالیٰ: (وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ) وقولك: جاء زيد مع عمرو، فانّ هٰذه الاسماء وان كانت مُصاحبةً لما قبلها لكنها ليست بعد الواو

اور ابو الاسود دؤلی کا قول یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ[1] الخ مفعول معہٗ کی قبیل سے نہیں ہے ۔ ان کے قول میں شاہد « وَتَأْتِيَ مثلَهُ » ہے کیونکہ یہ مفعول معہٗ نہیں ہے ، اگرچہ واو بمعنی مع کے بعد ہے لَا تَنْهَ عن خلقٍ مع اتيانك مثلهُ ۔ کیونکہ یہ یعنی تاتی مثلهُ اسم نہیں ہے (جبکہ مفعول معہٗ کا اسم ہونا ضروری ہے) ۔ اور نہ ہی تمہارا قول بعتُكَ[2] الخ اور باری تعالیٰ کا ارشاد وَقَدْ دَخَلُوا[3] الخ اور نہ ہی تمہارا قول جاء زیدٌ مع عمرٍو جیسا مفعول معہٗ بن سکتا ہے ۔ کیونکہ (تینوں مثالوں میں) یہ اسماء اگرچہ ماقبل کے مصاحب ہیں لیکن واو کے بعد نہیں ہیں ۔ (جبکہ مفعول معہٗ کا واو کے بعد ہونا ضروری ہے) ۔

---

[1] اے وہ شخص جو دوسروں کو تعلیم دینے والا ہے ۔ کیا وہ تعلیم تمہارے لئے نہیں ہے ۔ ٥ (اس تعلیم کا) آغاز پہلے اپنے سے کرو ۔ اور اپنے کو گمراہی سے روکو ۔ جب آپ گمراہی سے رُک جائیں گے تو آپ عقلمند ہیں ٥ اسوقت تمہاری بات سُنی جائے گی ۔ اور تمہاری بات سے شفا ہوگی اور تعلیم فائدہ دیگی ٥ (لوگوں کو) کسی ایسے عمل سے مت روکو ، اس حال میں کہ انہیں جیسے عمل میں لگے ہوئے ہو ۔ جب آپ ایسا کریں گے تو یہ آپ کے لئے زبردست عار کی بات ہے ۔ محلِ استشہاد « وتأتی مثلهُ » ہے کہ مفعول معہٗ یہ نہیں ہے ۔ باوجودیکہ واو بمعنی مع کے بعد واقع ہے ۔ اس لئے کہ مفعول معہ کا اسم ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے ۔

[2] میں نے تمہارے ہاتھ گھر مع اثاثہ کے اور غلام مع کپڑوں کے فروخت کیا ۔

[3] حالانکہ وہ کفر ہی لیکر آئے تھے ، اور وہ کفر ہی کو لیکر (مجلس سے) نکل گئے ۔ (پ ع ۱۳)

ولا نحو قولك: مَزَجتُ عَسَلاً وماءً ، وقول الشاعر:

۱۱۵- عَلَفْتُهَا تِبْنًا وماءً بارِدًا ❊ حتّى غدَتْ هَمَّالةً عيناها

وقول الآخر:

۱۱۶- اذا ما الغانياتُ بَرَزْنَ يومًا ❊ وزَجَّجْنَ الحواجِبَ والعُيونا

لان الواو ليست بمعنى مع فيهن ، وانما هي في المثال الاول لعطفِ مفردٍ على مفرد، واستُفيدت المعية من العامل — وهو « مزجت » — وفي المثالين الاخيرين لعطفِ جملةٍ على جملةٍ، والتقدير: وسقيتها ماء، وكَحَّلْنَ العيونا، فحُذِفَ الفعل والفاعل وبقي المفعول، ولاجائز ان يكون (الواو) فيهما لعطف مفرد على مفرد، لعدم تشارك ماقبلها ومابعدها في العامل، لان « علفتُ » لايصح تسليطه على الماء، و « زجّجنَ » لايصح تسليطه على العيون، ولا تكون للمصاحبة، لانتفائها في قوله « عَلفتُها تبنًا وماءً » ولعدم فائدتها في « وزجّجنَ الحواجِبَ والعيونا »، إذْ مِنَ المعلوم لكل احدٍ أنّ العيونَ مصاحِبةٌ للحواجب۔

اور نہ ہی تمہارا قول مزجتُ عسلاً وماءً[1] اور شاعر کا قول علفتُها[2] الخ اور دوسرے شاعر کا قول اذا ما[3] الخ جیسا (مفعول معہ ہے) کیونکہ ان مثالوں میں واوٗ بمعنی مع نہیں ہے۔ اور وہ (واو) پہلی مثال میں مفرد کا عطف مفرد پر کرنے کے لئے ہے۔ اور معیت کا مفہوم تو عامل یعنی مزجتُ سے سمجھا گیا ہے۔ اور وہ (واوٗ) دوسری دونوں مثالوں میں جملہ کا عطف جملہ پر کرنے کے لئے ہے۔

---

[1] میں نے شہد اور پانی کو ملایا۔ اس میں « وماءً » مفعول معہٗ نہیں ہے۔ کیونکہ مفعول معہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ واوٗ بمعنی مع ہو جو اپنے ماقبل ومابعد میں معیت اور اجتماع پر دلالت کرے۔ اور دونوں کے ایک ہی زمانے میں پائے جانے کو ظاہر کرے۔ اور یہ معیت یہاں مفقود ہے۔ کیونکہ یہاں معیت کو فعل « مزجتُ » ظاہر کر رہا ہے۔ واوٗ نہیں۔ چنانچہ اگر آپ مزجت ہٹا کر شربت رکھدیں تو معیت اور شرکتِ زمانی مفقود ہو جائے گی۔ اس لئے کہ شہد اور پانی کا ایک ساتھ پینا ضروری نہیں ہے۔ آگے پیچھے بھی پیا جا سکتا ہے۔

[2] علفَ (ض) علفًا چرنا۔ تِبْنٌ بھوسہ۔ هَمَلَ (ن ض) هملاً بمعنی آنسو بہانا سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ میں نے اس کو بھوسہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا یہاں تک کہ اس کی دونوں آنکھیں بہت زیادہ آنسو بہانے والی ہو گئیں۔ محلِ استشہاد شعر میں « وماءً » ہے کہ واوٗ کے بمعنی مع نہ ہونے کی وجہ سے ماءً کو مفعول معہٗ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ واوٗ بمعنی مع مصاحبت اور اتحاد فی الزمان کا متقاضی ہے۔ جو یہاں مفقود ہے۔ اس لئے آدمی جانور کو چارہ پہلے کھلاتا ہے بعد میں پانی پلاتا ہے۔ یعنی دونوں کام ایک ہی وقت میں نہیں ہوتے۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

(پہلے شعر کی) تقدیر عبارت ہے وسقیتہا ماءً باردًا (اور دوسرے شعر کی تقدیر عبارت ہے) وَکَحَّلْنَ العیونا پھر (ہر ایک) فعل کو مع فاعل حذف کر دیا گیا اور مفعول (یعنی ماءً اور العیونا) باقی رہ گیا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ واؤ ان میں عطفِ مفرد بر مفرد کے لئے ہو (واؤ کے) ماقبل ومابعد کے عامل میں اشتراک نہ ہونے کے باعث۔ کیونکہ علفت کو ماء پر لگا دینا اور زججن کو العیونا پر لگا دینا درست نہیں۔ اور واؤ مصاحبت کے لئے نہیں ہے شاعر کے قول علفتُہا تبنًا وماءً میں مصاحبت کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ اور زججن الحواجبَ والعیون میں مصاحبت کا فائدہ نہ دینے کی وجہ سے۔ کیونکہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ آنکھیں تو پلکوں ہی کے ساتھ ہوتی ہیں۔

(بقیہ سابقہ) نوٹ :۔ اس شعر کی تخریج میں علماء کی تین رائے ہیں۔ (۱) "وماء" میں نہ تو مفعول معہٗ کی ترکیب کی جا سکتی ہے، اور نہ ہی عطف مفرد بر مفرد کی، بلکہ ایک ایسے فعل کا مفعول بہ ہے جو یہاں مقام کے مناسب ہے، اور محذوف ہے۔ اسی ترکیب کے مطابق مصنف نے شعر کو پیش کیا ہے۔ تقدیر عبارت ہے علفتہا تبنًا وسقیتہا ماءً۔ یہ قول امام فارسی اور امام فراء اور دیگر لوگوں کا ہے۔

(۲) مفعول معہٗ ہے۔ کیونکہ عطف اس دلیل کی بنا پر درست نہیں۔ جو رائے نمبر ۱ کے ذیل میں عطف کی نفی سے متعلق ذکر کی گئی ہے۔ لہٰذا دوسری صورت یعنی مفعول معہ ہونے کی خود بخود متعین ہو گئی۔ مذکورہ دونوں رایوں کو ابن عقیل نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

(۳) عطف مفرد بر مفرد کے طور پر معطوف ہے۔ بایں طور کہ علفتہا فعل میں ایسے معنیٰ کی تضمین کر لی جائے جو معطوف و معطوف علیہ دونوں کے مناسب ہو۔ مثلاً کہا جائے اَنَلْتُہَا تبنًا وماءً۔ یا قَدَّمْتُ تبنًا وماءً یعنی میں نے اس کو بھوسہ وپانی ڈال دیا۔ یہ امام جرمی مازنی مبرد ابو عبیدہ اصمعی اور یزیدی کی رائے ہے۔

؎ جب حسینائیں کسی دن نمودار ہوں گی اور بھووں اور آنکھوں کو باریک کریں گی۔

"ما" زائدہ ہے، اور اذا حرف شرط ہے، اس کی جزاء اس شعر کے بعد والا شعر ہے ؎

انخنَ جِمَالَھن بذات غِسْلٍ ٭ سَرَاةَ الْیومِ یَمْھَدْنَ الکُدُوْنَا

محل استشہاد "العیون" ہے کہ اس کی نہ تو عطف مفرد بر مفرد کی ترکیب ہو سکتی ہے، اور نہ ہی مفعول معہ کی۔ کیونکہ عطفِ مفرد بر مفرد کے لئے معطوف معطوف علیہ کا عامل میں اشتراک ضروری ہے، وہ یہاں نہیں ہے۔ اس لئے کہ حواجب میں تو تزجیج وترقیق ممکن ہے مگر عیون کو پتلا کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح مفعول معہ بنانا بھی درست نہیں۔ کیونکہ معیت کی خبر دینا غیر مفید ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ آنکھیں تو پلکوں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔

اگر آپ چاہیں تو اس شعر میں بھی اوپر ذکر کی ہوئی دونوں تاویلیں کر لیں۔ بایں طور کہ یا تو زَجَّجْنَ کی تضمین ہو حَسَّنَّ یا جَمَّلْنَ کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ عطف جملہ بر جملہ کی قبیل سے ہو جائے گا۔ اور یا العیون کو مفعول بہ بنائیں اور اس سے پہلے ایسا فعل محذوف مانیں جو اس مقام کے مناسب ہو۔ مثلاً آپ کہیں زَجَّجْنَ الحَوَاجِبَ وَکَحَّلْنَ العُیُوْنَا۔

ولا نحو «کلّ رجلٍ وضیعتہ» لانّہ وان کان اسمًا واقعًا بعد الواو الّتی بمعنی مع لکنّہ غیر مسبوقۃ بفعلٍ ولا مانی معناہ، ولا نحو «ھٰذا لك وایاك»، ونحوہ علی ان یکون «ایاك» مفعولًا معہ منصوبًا بما فی «ھا» من معنی اُنبّہُ، او بما فی «ذا» من معنی اشیر، او بما فی «لك» من معنی استقرّ، لانّ کلًّا من «ھا» و«ذا» و«لك» فیہ معنی الفعل دون حروفہ، بخلاف «سِرتُ والنّیلَ» و«اَنا سائرٌ والنّیلَ» فانّ العامل فی الاوّل الفعلُ، وفی الثانی الاسمُ الّذی فیہ معنی الفعل وحروفُہٗ، قال سیبویہ رحمہ اللّٰہ: «واما نحو ھٰذا لك وایاك فقبیح، لانّك لم تذکر فعلًا ولا ما فی معناہ» وقالوا: مرادہٗ بالقبیح الممتنع۔

اور نہ ہی کلّ رجلٍ وَضَیعتہ، جیسا (مفعول معہ ہے) کیونکہ وہ اگرچہ اسم ہے جو واو بمعنی مع کے بعد واقع ہے لیکن اس سے پہلے فعل یا معنی فعل نہیں ہے۔ اور نہ ہی «ھٰذا لَكَ وَاِیَاكَ» اور اس کے مثل (مفعول معہ ہے) جبکہ ہوسکتا ہے کہ «اِیَاكَ» مفعول معہ ہو، (اور) اس معنی (فعل) اُنَبِّہُ کی وجہ سے منصوب ہو جو «ھا» میں ہے یا اس معنی (فعل) اُشِیْرُ کی وجہ سے جو «ذَا» میں ہے، یا اس معنی (فعل) اِسْتَقَرَّ کی وجہ سے (منصوب ہو) جو لَكَ میں ہے کیونکہ «ھَا» «ذَا» اور «لَكَ» میں سے ہر ایک میں معنی فعل (ضرور) ہیں حروف فعل نہیں۔[۱] بخلاف سِرْتُ وَالنِّیْلَ اور اَنَا سَائِرٌ وَالنِّیْلَ کے کیونکہ پہلے میں عامل فعل ہے اور دوسرے میں وہ اسم ہے جس میں معنی فعل اور حروف فعل (دونوں) پائے جاتے ہیں۔ اور سیبویہ رحمہ اللّٰہ کا کہنا ہے کہ «ھٰذا لَكَ وَاِیَاكَ» جیسی ترکیب قبیح ہے۔ کیونکہ (یہاں) آپ نے نہ تو فعل کو ذکر کیا ہے اور نہ معنی فعل کو۔ اور نحویوں کا کہنا ہے کہ (سیبویہ کی) مراد قبیح سے ممتنع ہے۔[۲]

لے یہ چیز اپکی ہے آپ کے باپ کے ساتھ ساتھ [۱] فعل میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں (۱) مادہ (۲) شکل (۳) معنی۔ فعل اپنی اس حقیقت کی وجہ سے دیگر مشتقات اور فعل کا معنی دینے والی چیزوں مثلاً ھٰذا لك اور ھا وغیرہ سے ممتاز ہوجاتا ہے۔ چنانچہ سائر میں جملہ حروف فعل (یعنی س، ی، ر) اور معنی فعل دونوں پائے جارہے ہیں مگر شکل مفقود ہے۔ اور ھٰذا لك اور ھا میں معنی فعل تو پائے جارہے ہیں مگر صیغہ اور مادہ مفقود ہے۔ (نوٹ) کتاب میں حروف فعل سے مادہ فعل مراد لیا گیا ہے۔ [۲] سیبویہ کے قول قبیح کی تاویل ممتنع سے اس لئے کی گئی کہ قبیح سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ھٰذا لك وایاك جیسی مثال جائز تو ہے مگر بعض عوارض کی بنا پر اسکا جواز کمزور ہے۔ حالانکہ ھٰذا لك وایاك جیسی مثالوں میں جواز ہی نہیں اسلئے قبیح کی تاویل ممتنع سے کی گئی ہے جنہیں قطعاً جواز نہیں ہوتا۔

ثم قلت: السَّادسُ المُشَبَّه بالمَفْعُولِ بِهِ، نحو «زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهَهُ» وسَيَأتى۔

واقول: السَّادسُ من المنصُوبات: المُشَبَّهُ بالمفعول بِهِ، وهو المنصوبُ بالصِّفَةِ المُشَبَّهَةِ باسمِ الفاعِلِ المتعدِّى الى واحدٍ، وذلك فى نحو قولك «زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهَهُ» بنصب الوجهِ، وَالاَصْلُ «زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهُهُ» بالرفع، فزَيْدٌ: مبتدأٌ، وحسن: خبر، ووجهه: فاعل بـ«حَسَنٌ» لانّ الصفة تعملُ عملَ الفعلِ، وانت لو صَرَّحْتَ بالفعلِ فقلت حَسُنَ — بضم السّين و فتح النون — لوجبَ رفع الوجه بالفاعِليّة، فكذٰلك حقّ الصّفة ان يجب معها الرفعُ، ولٰكنهم قصدوا المبالغة مع الصّفة فَحَوَّلُوا الاسْناد عن الوجه الىٰ ضمير مستتر فى الصّفة راجع الىٰ زيد، ليقتضى ذلك انّ الحسنَ قد عَمَّهُ بجملته، فقيل «زَيْدٌ حَسَنٌ» اى هو، ثم نُصِبَ وجهُهُ، وليسَ ذلك على المفعوليه، لان الصّفة [انّما] تتعدّٰى تَبعًا لتَعَدِّى فِعلِها، وحَسُنَ الذى هو الفعلُ لا يتعدّى، فكذٰلك صفتُه الّتى هى فرعُهُ، ولا على التّمييز، لانّهُ معرفة بالاضافة الى الضمير، ومذهبُ البصريين — وهو الحق — انّ التّمييز لا يكون معرفةً، واذا بطل هٰذان الوجهان تعيّن مَا قلنا من انّهُ مشبَّهٌ بالمفعول به، وذلك انّهُ شُبِّه «حسنٌ» بـ«ضارب» فى انّ كلّا منهما صفة تُثنّىٰ وتُجمع [وتُذكر] وتؤنث، وهى طالبة لما بعدها بعد استيفائها فاعِلَها — فنُصِبَ الوَجْهُ على التّشبيه بـ«عمرٍو» فى قولك: «زيدٌ ضاربٌ عَمْرًا» فـ«حسن» مشبّه بـ«ضارب» ووجهه مشبّه بـ«عمرو»، وسَيأتى الكلام على هٰذا الباب بِأَبْسَطَ من هٰذا اِنْ شاء اللهُ فى موضعه۔

م:۔ چھٹے مشابہ مفعول بہ جیسے زَیْدٌ حَسَنٌ وَجْهَهُ (تفصیل) آگے آئے گی۔

ش: چھٹا منصوب مشابہ مفعول بہ ہے۔ وہ وہ اسم ہے جو اس صفت کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے جو اسم فاعل متعدی بیک اسم کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور وہ تمہارے قول زیدٌ حَسَنٌ وَجْهَهُ جیسے میں (وَجْهه ہے) وجہ کے نصب کے ساتھ۔ اور اس کی اصل زیدٌ حَسَنٌ وَجْهُهُ ہے (وَجْه کے) رفع کے ساتھ۔ چنانچہ زَیْدٌ مبتدا ہے اور حَسَنٌ خبر ہے۔ اور وجهُهُ حَسَنٌ کا فاعل ہے کیونکہ صفت فعل جیسا عمل کرتی ہے۔ اور اگر آپ فعل کی صراحت کر کے حَسُنَ۔ بضمّ السّین وفتح النون

کہتے تو فاعل ہونے کی وجہ سے وجہ پر رفع ضروری ہوتا۔ اسی طرح صفت کا حق یہ ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے رفع ضروری ہو لیکن اہل عربیت نے صفت کے ساتھ مبالغہ کا قصد کیا تو اسناد کو وجہ کی بجائے زید کی جانب لوٹنے والی صفت میں پوشیدہ ضمیر کی جانب پھیر دیا۔ تاکہ یہ تقاضا کرے کہ حُسن پورے زید کو عام اور حاوی ہے۔ چنانچہ کہا گیا زَیْدٌ حَسَنٌ یعنی وہ حسین ہے۔ پھر وَجْھَہ کو نصب دیا گیا۔ اور یہ نصب مفعول ہونے کی بنا پر نہیں ہے۔ کیونکہ صفت اپنے فعل کے تعدیہ کے تابع ہو کر متعدی ہوتی ہے اور حَسُنَ جوکہ (اس کا) فعل ہے متعدی نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی صفت کا حال ہے جو اس کی فرع ہے۔ (کہ وہ بھی متعدی نہیں کہ نصب دے) اور نہ ہی تمیز کی بنا پر (منصوب ہے) کیونکہ وَجْہ ضمیر کی جانب مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے۔ اور بصریین کا مسلک یہ ہے جو حق ہے کہ تمیز معرفہ نہیں ہوا کرتی۔ اور جب یہ دونوں صورتیں باطل ہوگئیں تو ہمارا کہا متعین ہوگیا۔ کہ یہ مشابہ بالمفعول بہ ہے۔ اور یہ اسوجہ سے کہ حسن کو ضارب کیساتھ اس بات میں مشابہ و شریک قرار دیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک صیغہ صفت ہے جو تثنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث بنتا ہے۔ اور وہ فاعل کو حاصل کرنے کے بعد اپنے مابعد (ایک اسم کا) تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ وَجْہ کو تمہارے قول، زیدٌ ضاربٌ عمرًا، میں عمرو سے مشابہ ہونے کی بنا پر نصب دیدیا گیا۔ لہٰذا حَسَنٌ، ضاربٌ کے مشابہ ہے، اور وجہہٗ، عمرو کے۔ اس عنوان پر گفتگو اس سے زیادہ تفصیلی ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ (فانتظر)

ثُمَّ قلت: التَّابِعُ الحَالُ، وهو: وصفٌ فضلةٌ مَسُوقٌ لبيانِ هَيْئَةِ صَاحِبِهِ أَوْ تَأكِيدِهِ أَوْ تَأكِيدِ عَامِلِهِ، أَوْ مَضْمُونِ الجُمْلَةِ قَبْلَهُ، نحو: (فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا) و (لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا) و (فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا) و (وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا) وَ ۔ أَنَا ابْنُ دَارَةَ مَعْرُوفًا بِهَا نَسَبِي ۔

وَيَأتِي من الفاعلِ، ومِنَ المفعولِ، ومنهما مطلقًا، ومِنَ المضافِ اليه: إِنْ كان المضافُ بعضَهُ نحو (لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا) أَوْ كبعضِهِ نحو (مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا) أَوْ عَامِلًا فِيهِمَا، نحو (إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا)

وَحَقُّهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً مُنْتَقِلَةً مُشْتَقَّةً. وَأَنْ يَكُونَ صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً، أَوْ خَاصًّا، أَوْ مُؤَخَّرًا، وَقَدْ يَتَخَلَّفْنَ۔

م:۔ ساتواں حال ہے۔ اور وہ وصف ہے جو فضلہ[1] (زائد از رکن) ہو اس کو ذوالحال کی حالت یا اسکی تاکید یا عامل کی تاکید یا قبلیہ جملہ کے مضمون کی تاکید کے لیے لایا گیا ہو۔ جیسے فَخَرَجَ[2] الخ اور لَاٰمَنَ[3] الخ اور فَتَبَسَّمَ[4] الخ اور وَاَرْسَلْنَاكَ[5] الخ اور اَنَا ابْنُ[6] الخ۔ اور حال فاعل سے اور مفعول سے اور دونوں سے بلا کسی شرط کے واقع ہوتا ہے۔ اور مضاف الیہ[7] سے بشرطیکہ مضاف مضاف الیہ کا جزء اور بعض ہو جیسے لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا یا جزء کی طرح ہو جیسے مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا یا حال میں عمل کرنے والا ہو۔ جیسے اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا۔ اور حال کا حق یہ ہے کہ نکرہ ہو، منتقل ہونے والا ہو اور مشتق ہو، اور ذوالحال معرفہ ہو یا خاص ہو یا عام ہو یا مؤخر ہو، اور کبھی اسکے برخلاف بھی ہو جاتے ہیں۔

---

[1] ومعنى كونه فضلة: انهٗ ليس مسندًا ولا مسندًا اليه، وليس معنى ذلك انهٗ يصح الاستغناء عنه اذ قد تجيئُ الحال غير مستغنى عنه كقوله تعالى وما خلقنا السماء والارض وما بينهما لاعبين۔ قولهٗ تعالىٰ: لاتقربوا الصلوٰة وانتم سكارىٰ حتىٰ تعلموا ماتقولون

(جامع الدروس ص ۷۹ ج ۳)

[2] پس موسیٰؑ وہاں سے نکل گئے خوف و دہشت کی حالت میں۔ پ ۲۰ ع ۵) خَائِفًا حال ہے جو ذوالحال یعنی موسیٰؑ کے نکلنے کی حالت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ اس مثال میں ذوالحال فاعل ہے۔

[3] (اگر آپ کا رب چاہتا) تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سارے تمام کے تمام ایمان لے آتے پ ۱۱ ع ۱۵)
اس میں جمیعًا حال ہے جو ذوالحال یعنی مَنْ فِي الْاَرْضِ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

[4] سو سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے۔ پ ۱۹ ع ۱۷) ضَاحِكًا حال ہے جو عامل یعنی تَبَسَّمَ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قوله فتبسم اعنى قد تجاوز حد التبسم الى الضحك ولم يقل فتبسم (فقط بدون قوله ضاحكًا) ليكون المقصود بالافادة التجاوز الى الضحك ولم يقل ضحك لانه لايدل على هذا التجاوز من التبسم الى الضحك الدال على قوة التاثير بحيث شرع فى التبسم على عادته لكنه بلغ الى ما يخالف العادة من الضحك۔

(حاشیہ بیان القرآن پ ۱۹ ع ۱۷)

[5] اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ پ ۵ ع ۱۸) رَسُوْلًا حال ہے جو اپنے عامل یعنی اَرْسَلْنَا کی تاکید کر رہا ہے۔ اور چونکہ رسول کا مفہوم ارسال میں آچکا ہے۔ اسکے بعد رَسُوْلًا کا مستقلاً ذکر کرنا تاکید ہے۔

[6] ترجمہ صفحہ ۲۵۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

[7] یعنی کبھی حال مضاف الیہ سے بھی واقع ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مضاف ایسا مصدر یا صیغہ صفت ہو کہ انکی اضافت انکے فاعل یا نائب فاعل یا مفعول کی جانب ہو رہی ہو۔ (۱) مصدر مضاف الی الفاعل کی مثال سرّنی قدومك سالمًا اور الیہ مرجعکم جمیعا (۲) مصدر مضاف الی المفعول کی مثال یعجبنی تادیب الغلام مذنبا وتهذيبه صغيرًا (۳) صیغہ صفت مضاف الی الفاعل کی مثال انت حسن الفرس مسرجًا (۴) صیغہ صفت مضاف الی نائب الفاعل کی مثال خالدٌ مغمض العين دامعةً (۵) صیغہ صفت مضاف الی المفعول کی مثال انت مسهّل الامر صعبًا۔

(جامع الدروس ج ۳ ص ۸۱)

واقول: السّابع من المنصوبات: الحال [وهو] يُذكّر ويُؤنّث، وَهُوَ الافصح، يُقال: حَالٌ حَسَنٌ، وحَالٌ حَسَنَةٌ، وقد يؤنّث لفظُها فيقال: حَالَةٌ، قال الشاعر:

۱۱۷ - عَلَىٰ حَالَةٍ لَوْ اَنَّ فِي القومِ حَاتِمًا ٭ عَلَىٰ جُوْدِهٖ لَضَنَّ بِالْمَاءِ حَاتِمُ

وَحَدُّهُ فِي الاصْطلاح مَا ذكرتُ، فقولي «وصف» جنسٌ يدخل تحتهُ الحالُ والخبرُ وَالصِّفَةُ، وقولي «فضلة» فَصْلٌ مُخْرِجٌ للخبر، نحو «زَيْدٌ قَائِمٌ» وقولي «مَسُوْقٌ لِبيَانِ هيئةِ ماهوله» مُخْرِجٌ لأمْرَيْنِ، اَحَدُهُمَا: نعت الفضلة من نحو: «رَأيتُ رجُلًا طويلًا» و «مررتُ برجُلٍ طويلٍ» فانّهُ وَإنْ كانَ وصفًا فضلةً لكنّهُ لم يُسَقْ لبيَانِ الهيئةِ، وَانّما سِيْقَ لتقييدِ الموصُوف، وجَاءَ بيَانُ الهيئةِ ضِمْنًا، والثاني: بعض امثلة التمييز، نحو «لله دَرُّهُ فارسًا» فانّهُ وَإنْ كَانَ وَصْفًا فضلةً لكنهُ لم يُسَقْ لبيَانِ الهيئةِ، ولكنّهُ سِيْقَ لبيان جنس المتعجَّب منه، وجَاءَ بيَان الهيئة ضمنًا، وقولي «أو تاكيده» الى آخره، تمّمتُ بِهٖ ذكر انواع الحَالِ۔

ش: ساتواں منصوب حال ہے۔ اور یہ (حال) مذکر ومؤنث (دونوں استعمال) ہوتا ہے۔ اور یہی زیادہ فصیح ہے۔ بولا جاتا ہے حَالٌ حَسَنٌ، حَالٌ حَسَنَةٌ اور کبھی لفظ حال کو مؤنث بنا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بولا جاتا ہے: حَالَة، شاعر نے (مؤنث استعمال کرتے ہوئے) کہا ہے۔ عَلٰى حَالَةٍ[1] لو الخ

حال کی تعریف اصطلاح میں وہی ہے جو میں نے ذکر کی۔ چنانچہ میرا قول «وصف» جنس ہے۔ جس کے تحت حال، خبر اور صفت داخل ہیں۔ اور میرا قول «فضلة» خبر کو نکالنے والی فصل ہے جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ اور میرا قول مَسُوْقٌ الخ دو چیزوں کو خارج کر رہا ہے۔ ان میں سے ایک فضلہ کی صفت ہے جیسے رأیتُ رجُلًا طویلًا، مررتُ برجلٍ طویلٍ، اس لئے کہ یہ اگرچہ وصف ہے فضلہ ہے لیکن اس کو حالت کے

---

[1] ضَنَّ (س ض) ضنًّا بالشیٔ بخل کرنا۔ عَلٰى حَالَةٍ کا تعلق لَاٰثَرتهُ بالماءِ ہے جو اس سے پہلے والے شعر میں مذکور ہے۔ فرزدق اس شعر سے اپنے پانی کے ایثار پر فخر کو بیان کر رہا ہے۔ میں نے ایسی حالت میں پانی کا ایثار کیا ہے کہ اگر قوم میں حاتم (بھی) ہوتا تو وہ بھی اپنی سخاوت کے باوجود پانی میں بخل کرجاتا۔ مصنفؒ اس شعر سے صرف اتنا بتلانا چاہتے ہیں کہ لفظ حالۃ تاء کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

بیان کے لئے نہیں لایا گیا ہے بلکہ موصوف کو مقید کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ اور حالت کا بیان ضمناً ہو گیا ہے۔ اور دوسرے تمیز کی بعض مثالیں ہیں جیسے ، للہ درُّہٗ فارساً ، کیونکہ یہ اگرچہ وصف ہے فضلہ ہے مگر بیانِ حالت کے لئے نہیں لایا گیا ہے ، بلکہ اس کو متعجب منہ کی جنس کے بیان کے لئے لایا گیا ہے۔ اور حالت کا بیان ضمناً آگیا ہے۔ اور میرا قول اَوْ تَاکِیْدِ الخ اس کے ذریعہ میں نے اقسامِ حال کے بیان کی تکمیل کی ہے۔

وَالحَاصِلُ انَّ الحالَ اَرْبَعَةُ اَقسَامٍ : مُبَيِّنَةٌ للهيئة ، وهي التي لايُستفاد معناها بدونِ ذكرِها ، ومؤكِّدةٌ لِعَاملها ، وهي التي لو لَمْ تذكر لافاد عاملُها معناهَا ، ومؤكِّدةٌ لصَاحِبها ، وهي التي يستفاد معناها من صريح لفظ صَاحِبها ، ومؤكِّدةٌ لمضمون الجملة ، وهي الآتية بعد جملة معقودة من اسمين معرفتين جَامدين وهي دالّة على وصفٍ ثابت مستفاد من تلك الجُملة۔

حاصل یہ ہے کہ حال کی چار قسمیں ہیں۔ حالت کو بیان کرنے والا۔ وہ وہ حال ہے جس کے معنی اس حال کے ذکر کئے بغیر مفہوم نہ ہوتے ہوں ، اور اپنے عامل کو مؤکد کرنے والا وہ وہ حال ہے جس کو اگر نہ (بھی) ذکر کیا جائے تو اس کا عامل (ہی) اس حال کے معنی دیدے۔ اور ذوالحال کو مؤکد کرنے والا وہ وہ حال ہے جس کے معنی ذوالحال کے صریح لفظ سے ہی سمجھے جاتے ہوں۔ اور مضمونِ جملہ کو مؤکد کرنے والا وہ وہ حال ہے جو اس جملہ کے بعد آرہا ہو جو جملہ ایسے دو اسموں سے مرکب ہو جو دونوں اسم معرفہ ہوں ، جامد ہوں۔ اور وہ ایسے ثابت شدہ وصف کو بتلاتا ہے جو اس (قبلیہ) جملہ سے مستفاد ہوتا ہے۔

فالمُبيِّنَةُ للهيئة كقولك : « جَاءَ زيدٌ رَاكِبًا » و « اَقْبَلَ عَبْدُ اللهِ فَرِحًا » وقول الله تعالىٰ : (فَخَرَجَ مِنهَا خَائِفًا) ۔

والمؤكِّدة لِصَاحِبِهَا كقوله تعالىٰ : (لَآمَنَ مَنْ فِي الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا) وقولك « جَاءَ النَّاسُ قَاطِبَةً » او « كَافَّةً » او « طُرًّا » وهٰذا القسم اَغفل التنبيه عليه جميعُ النحويين ، ومَثَّلَ ابْنُ مَالك بالآيَةِ للحَالِ المؤكِّدة لِعَامِلِها ، وَهُوَ سَهْوٌ ، والمؤكِّدة لِعَامِلها كقولك « جَاءَ زَيدٌ آتِيًا » و « عَاثَ عمرٌو مفسِدًا » وقول الله تَعالىٰ : (وَأُزْلِفَتِ الجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ) وذٰلك لانّ الازلاف هُوَ التقريبُ ، فكل مزلَفٍ قريبٌ ، وكلُّ قريبٍ غيرُ بعيدٍ ، وقولهُ تعالىٰ : (وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا) (فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا) (وَلَّىٰ مُدْبِرًا) (ولا تعثوا في الارض مُفسِدِين)

فانّہ یقال: عَثِیَ بالکسر یَعْثَی بالفتح إذا أفسَدَ ،

والمؤکدۃ لمضمونِ الجملۃ کقولہ "زَیْدٌ أبُوْكَ عطوفًا" وقول الشاعر :

۱۱۸- أنَا ابْنُ دَارَۃَ مَعْرُوْفًا بھا نَسَبِی ❊ وَھَلْ بِدَارَۃَ یَا لَلنَّاسِ مِنْ عَارِ ؟

واشترط بقولی "قبلہ" الیٰ انّہ لا یجوز ان یقال "عطوفًا زیدٌ ابوك" ولا "زَیْدٌ عطوفًا أبُوْكَ" ۔

چنانچہ جو حال حالت کو بیان کرنیوالا ہے (اس کی مثال) جیسے آپ کا قول جَاءَ زَیْدٌ رَاکِبًا اور اَقْبَلَ زَیْدٌ فَرِحًا[1] اور باری تعالیٰ کا ارشاد فَخَرَجَ مِنْھَا خَائِفًا ۔ اور جو حال ذوالحال کو مؤکد کرنے والا ہو (اس کی مثال) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لاٰمَنَ الخ اور جیسے تمہارا قول ہے جَاءَ النَّاسُ قَاطِبَۃً[2] یا کَافَّۃً یا طُرًّا ۔ اور حال کی اس قسم پر آگاہ کرنے کو تمام نحویوں نے چھوڑ دیا ہے ۔ اور ابن مالکؒ نے تو اس آیت کو اس حال کی مثال بنا کر پیش کیا ہے جو عامل کو مؤکد کرنے والا ہوتا ہے ۔ اور یہ سہو (اور بھول) ہے ۔ اور وہ حال جو اپنے عامل کو مؤکد کرنیوالا ہو (اس کی مثال) جیسے تمہارا قول جَاءَ زَیْدٌ آتِیًا اور عَاثَ[3] عَمْرٌو مُفْسِدًا ۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاُزْلِفَتْ[4] الخ اور یہ حال بننا اس لئے ہے کہ (ازلفت کا مصدر) ازلاف بمعنی قریب کرنا ہے ۔ لہٰذا ہر قریب کردہ چیز قریب ہوگی ، اور جو قریب ہوگا وہ غیر بعید ہوگا ۔ اور (اسی کی مثال) باری تعالیٰ کے ارشادات وَاَرْسَلْنَاكَ الخ فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا ، وَلّٰی مُدْبِرًا[5] اور وَلَا تَعْثَوْا[6] الخ ہیں ۔ اسلئے کہ کہا جاتا ہے عَثِیَ (بالکسر من باب سمع) یَعْثَی (بفتح الثاء) جبکہ فساد پھیلائے ۔ اور وہ حال جو مضمون جملہ کی تاکید کرنیوالا ہو (اس کی مثال) جیسے

---

[1] زید خوش خوش آیا ۔ [2] قَاطِبَۃً ، کَافَّۃً اور طُرًّا تینوں کا ایک معنی ہے یعنی مکمل ، تمام ۔

[3] عَاثَ (ن) عیثًا بمعنی فساد کرنا مفسدًا تاکید ہے ۔ [4] اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی (پ ۲۶ ع ۱۷) آیت میں غیر بعید حال ہے جو اپنے عامل ازلفت کی تاکید کر رہا ہے ۔ بایں طور کہ ازلفت بمعنی قربت ہے ۔ اور قریب اور غیر بعید دونوں ہم معنی ہیں تو تقدیر آیت قربت قریبۃً ہوگی ۔ اس صورت میں تاکید عامل ظاہر ہے ۔

[5] پشت پھیر کر بھاگے ۔ پ ۲ ع ۷ ، مُدْبِرًا حال ہے بمعنی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والا ۔ اور ولی تولیۃ بھی اسی معنی میں ہے ۔ اس لئے حال مؤکد للعامل ہونا متحقق ہوگیا ۔

[6] اور تم زمین میں فساد مچاتے نہ پھیرو ۔ (پ ۱ ع ۷) عثی بمعنی اَفْسَدَ ہے تو تقدیر آیت ہوگی لا تفسدوا مفسدین اور مفسدین حال ہے جو اپنے عامل کے معنی میں ہونے کے باعث تاکید کا فائدہ دے رہا ہے ۔

تمہارا قول زَیْدٌ اَبُوْکَ عَطُوْفًا اور شاعر کا قول انا ابن[1] الخ ہے۔ اور میں نے اپنے قول "قبلہ" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نہ تو عَطُوْفًا زَیْدٌ اَبُوْکَ کہنا جائز ہے اور نہ زیدٌ عطوفاً ابوکَ[2]۔

ثم بینت ان الحال تارۃً یاتی من الفاعل، وذلک کما [کنت] مثّلتُ بہ من قولہ تعالیٰ: (فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا) فان (خائفًا) حال من الضمیر المستتر فی (خرجَ) العائد علی موسیٰ علیہ السّلام۔

وتارۃً یاتی من المفعول کما (کنت) مثلت بہ من قولہ تعالیٰ: (وَاَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا) فان (رسُولًا) حال من الکاف التی ھی مفعول اَرْسَلْنَا۔ وانہٗ لا یتوقف مجیءُ الحال من الفاعل والمفعول علیٰ شرط۔

والیٰ انھا تجیءُ من المضاف الیہ، وانّ ذٰلک یتوقف علی واحدٍ من ثلٰثۃ امور: اَحَدُھا: ان یکون المضافُ بعضاً من المضاف الیہ، کما فی قولہ تعالیٰ: (اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا) فمیتًا: حال من الاخ، وھو مخفوض باضافۃ اللحم الیہ، والمضاف بعضہ، وقولہ تعالیٰ: (وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا)۔

پھر میں نے بیان کیا کہ حال کبھی فاعل سے آتا ہے جیسا کہ اس کی مثال میں میں نے باری تعالیٰ کا ارشاد فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا پیش کیا کہ "خائفًا"، خَرَجَ کی اس ضمیر مستتر سے حال ہے جو موسیٰ علیہ السّلام کی جانب لوٹ رہی ہے۔ اور کبھی مفعول سے حال آتا ہے جیسا کہ میں نے اس کی مثال میں کہا اَرْسَلْنَاکَ الخ

---

[1] یہ شعر سالم بن دارہ کا ہے، اور دارہ سالم کی ماں کا نام ہے۔ جو علمیت و تانیث کی بنا پر غیر منصرف ہے۔ اسی وجہ سے مضاف الیہ ہونے کے باوجود شعر میں کسرہ کے بجائے فتحہ لفظی آیا ہے۔ میں دارہ کا لڑکا ہوں، اسی کی طرف میرا انتساب مشہور ہے۔ اور اے لوگو! کیا دارہ کے لئے کوئی عار کی بات ہے؟ (قطعاً نہیں) محل استشہاد معروفاً ہے۔ جو ماقبل والے جملہ: انا ابن دارۃ۔ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے، بایں طور کہ جب شاعر دارہ کا لڑکا ہے تو ظاہر ہے اسی سے نسب جڑے گا۔ اور اسی سے مشہور ہوگا۔

[2] قبلہ کا مفہوم یہ ہے کہ حال سے پہلے ایسا جملہ ہو جس کی وہ حال تاکید کر رہا ہو۔ اور حال جملہ کے بعد ہو۔ جبکہ مذکورہ دونوں مثالوں میں حال بعد میں نہیں ہے بلکہ پہلی مثال میں حال جملہ سے مقدم ہے۔ اور دوسری میں جملہ کے وسط میں ہے۔ لہٰذا نہ تو عطوفاً زید ابوک جائز ہے۔ اور نہ ہی زید عطوفاً ابوک۔

کو ذکر کیا کہ رَسُوْلًا، اس کاف (ضمیر) سے حال ہے جو اَرْسَلْنَا کا مفعول ہے۔ اور یہ (بیان کیا) کہ فاعل ومفعول سے حال کا آنا کسی شرط پر موقوف نہیں ہے (یہی مطلب ہے متن میں مذکور مطلقاً کا) اور اس بات کی طرف (اشارہ کیا) کہ حال مضاف الیہ سے آتا ہے۔ اور یہ کہ (مضاف الیہ سے حال بننا) تین امور میں سے کسی ایک پر موقوف ہے۔ ان میں ایک یہ کہ مضاف مضاف الیہ کا جزء و بعض ہو جیسے باری تعالیٰ کے ارشاد اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ الخ[1] میں کہ مَیْتًا، اَخ سے حال ہے۔ اور وہ لحم کے اس کی طرف اضافت کی بنا پر مجرور ہے۔ اور مضاف یعنی لحم، اس (اخ) کا بعض ہے۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد وَنَزَعْنَا الخ[2] میں ہے۔

والثانی: ان یکون المضاف کبعض من المضاف الیه فی صحة حذفه والاستغناء عنه بالمضاف الیه، وذلك کقوله تعالیٰ: (بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا) فـ(حنیفا) حال من (ابراهیم) وهو مخفوض باضافة الملّة الیه، ولیست الملّة بعضه، ولکنها کبعضه فی صحة الاسقاط والاستغناء به عنها، الاترٰی انه لو قیل: بَل اتبعوا اِبْرَاهیم حنیفا: صحّ۔ کما انه لو قیل: اَیُحِبُّ اَحَدکم اَنْ یَاْکُلَ اخاه مَیْتًا، ونزعنا ما فیهم من غلٍّ اِخْوَانًا۔ کان صحیحًا۔

الثالث: ان یکون المضاف عاملًا فی الحال، کما فی قوله تعالیٰ (اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا) فـ(جمیعًا) حالٌ من الکاف والمیم المخفوضة باضافة المرجع، والمرجع هو العامل فی الحالِ، وصحّ له ان یعمل لانّ المعنی علیه مع انه مصدر، فهو بمنزلة الفعل، الاترٰی انه لو قیل: الیه ترجعون جمیعًا، کان العامل الفعل الذی المصدر بمعناه۔

اور (ان تین میں سے) دوسرا یہ ہے کہ حذف مضاف کے صحیح ہونے اور مضاف سے مضاف الیہ کی وجہ سے مستغنی ہونے میں مضاف، مضاف الیہ کے جزء کی مانند ہو۔ اس کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد

---

[1] کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (پ۲۶ ع ۱۴)

[2] اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کردیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے۔ (پ۱۴ ع ۴) آیت میں اخوانًا حال ہے اور ذوالحال ھم ہے۔ جو صدور کا مضاف الیہ ہے۔ اور صدور جو مضاف ہے وہ ھم کا جزء اور بعض ہے۔

بَلْ مِلَّةَ الخ[1] ہے کہ حَنِيفًا، إِبْرَاهِيمَ سے حال ہے۔ جو مِلَّةَ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور مِلَّةَ، إِبْرَاهِيمَ کا جزو نہیں۔ لیکن حذف کے درست ہونے اور ملت کی طرف سے اس (ابراہیم) کے ذریعہ استغنا برتنے میں اس کے جزو کی مانند ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بَلْ اتَّبِعُوا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا تو درست ہو جاتا جس طرح کہ اگر کہا جاتا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ أَخَاهُ مَيْتًا اور نَزَعْنَا مَا فِيهِم مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا تو صحیح تھا۔ (تین امور میں سے) تیسرا یہ ہے کہ مضاف، حال میں عمل کرنے والا ہو جس طرح کہ باری تعالیٰ کے ارشاد إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا میں کہ جَمِيعًا اس کاف اور میم (یعنی كُمْ) سے حال ہے۔ جو مرجع کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور (لفظ) مرجع ہی حال میں عامل ہے۔ اور اس کا عمل کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ معنی اس کے مطابق ہے۔ جبکہ یہ مصدر (میمی بھی) ہے جس کی وجہ سے وہ (عمل میں) بمنزلہ فعل کے ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کہا جاتا إِلَيْهِ ترجعون جميعًا تو عامل یہ فعل بنتا جس کے معنی میں یہ مصدر ہے۔

ثم بينتُ ان للحالِ احكامًا اربعة، وان تلك الاَرْبَعَةَ رُبَّمَا تخلَّفت، فالاوّل الانتقالُ، ونعني به ان لا يكونَ وصفًا ثابتًا لازمًا، وذلك كقولك «جاءَ زَيْدٌ ضاحكًا»، الاترى ان الضحك يُزَايِلُ زَيْدًا، ولا يُلازِمه، هٰذا هو الاصل، ورُبَّما جاءت دَالّة على وصفٍ ثابتٍ، كقول الله تعالىٰ: (وهو الَّذِيْ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مفصَّلًا) اى: مبينًا، وقول العرب «خَلَقَ اللهُ الزَّرَافَةَ يدَيْهَا أطوَلَ مِنْ رِجْلَيْهَا». فالزَّرَافة — بفتح الزاى — مفعول لخَلَقَ. ويَدَيْهَا بَدَلٌ منها (بَدَلَ) بعضٍ من كُلٍّ وَأَطْوَلَ: حال من الزَّرَافَة، ومِنْ رِجلَيهَا: متعلق بأطول۔

وقد عَابَ بعضُ الجهّال مَا جَزَمْتُ به من فتح الزاى، وقال: فيها الفتح وَالضم فبينتُ له انّ هٰذه اللفظة ذكرها ابومنصور موهوبُ بن الجواليقى فى كتابه فيما تغلط فيه العَامة، فقال فى باب مَا جاء مفتوحًا والعامة تضمه مانصه: وهى الزَّرافة — بفتح الزاى — هٰذه الدَّابة الَّتى جمعت فيها خلقٌ شتىٰ، مَاخوذة من قولهم للجمع من الناس «زرافة» بالفتح، وهو الوجه، والعامة

---

[1] بلکہ تم ملتِ ابراہیمی کی اتباع کرو۔ ترجمہ آیت کا مصنف کے منشا کے مطابق ہے۔ ہمارے اکابر کا ترجمہ ذیل میں ہے۔

[2] بلکہ ہم نے ملتِ ابراہیم کی راہ اختیار کی جو ایک ہی طرف کے تھے۔ پ ۱ ع ۱۶)

تضمّها، انتهى كلامه، واللغات الشاذة لا تحصى، وانّما يُعمل على ما عليه الفصحاء الموثوق بلغتهم۔

اسکے بعد میں نے بیان کیا کہ حال کے چار احکام ہیں۔ اور ان چار میں کبھی کبھی تخلف ہو جاتا ہے۔
پہلا انتقال ہے۔ اور اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ حال ایسا وصف نہ ہو جو ثابت اور لازم ہو۔ اس کی مثال آپ کا قول جَاءَ زَیْدٌ ضَاحِکًا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ضحک زید سے جدا ہوتا (اور لگتا) رہتا ہے اس کے لئے لازم نہیں ہے۔ (حال میں) یہی اصل ہے۔ اور کبھی حال ایسا بھی واقع ہوا ہے جو ثابت وصف کو بتلانے والا ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا[1] اَیْ مُبَیَّنًا۔ اور جیسے عربوں کا قول ہے خَلَقَ اللّٰهُ[2] الخ (اس کی ترکیب نحوی یہ ہے) کہ زرافۃ (بفتح الزاء) خلق کا مفعول ہے۔ اور یَدَیْهَا، زَرَافَة سے بَدل البعض من الکل ہے۔ اور اطول حال ہے الزَّرَافَة سے۔ اور مِنْ رِجْلَیْهَا، اَطْوَلَ کے متعلق ہے۔ اور کچھ جاہلوں نے زاء کے فتحہ پر نکتہ چینی کی ہے جس کو میں نے پورے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور انہوں نے کہا ہے کہ زَرَافَة میں زاء کا فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں۔ پھر میں نے ان کو بتلایا کہ اس لفظ کو ابو منصور موہوب بن الجوالیقی نے اپنی کتاب "فِیْمَا تَغْلَطُ فِیْهِ الْعَامَّةُ" میں ذکر کیا۔ چنانچہ انہوں نے بَابُ مَا جَاءَ مفتوحًا والعَامَّة تضمّه، میں کہا ہے جس کی عبارت ہے وَهِيَ الزَّرَافَة[3] بفتح الزاء هٰذه الدابّة التي جُمعت فيها خلق شتّى، مَاخوذة من قولهم للجمع مِنَ النَّاس "زَرَافَة"

---

[1] اسی نے تمہارے پاس واضح کتاب اتاری (پ۸ع۱) آیت میں مفصلاً حال ہے۔ اور وضاحت قرآن کا ایسا وصف ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔

[2] اللہ نے زراف یعنی اس کے ہاتھوں کو اسکے پیروں سے طویل بنایا ہے۔ اس میں بھی طویل ہونا حال ہے۔ اور ایسا وصف ہے جو ثابت ہے اس سے منفک نہیں ہو سکتا۔ زَرَافَة: بمعنی زراف، ایک کھُردار جانور ہے جس کی اگلی ٹانگیں لمبی اور پچھلی چھوٹی ہوتی ہیں، گردن گھوڑے کی مانند مگر اس سے لمبی اور اونچی ہوتی ہے، کھال چیتے کی طرح چتی دار قد کی درازی میں اونٹ کے برابر، سر پر دو چھوٹے سینگ ہوتے ہیں۔

[3] وہ زرافۃ ہے زاء کے فتحہ کے ساتھ۔ یہی وہ چوپایہ ہے جس میں مختلف خلقتیں جمع ہیں۔ انکے قول زرافۃ۔ بفتح الزاء سے ماخوذ ہے۔ جو لوگوں کے مجمع کے لئے (بولا جاتا) ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ جبکہ عام لوگ اس کو ضمہ دیتے ہیں یعنی زُرافۃ: اصلاً لوگوں کے مجمع کے لئے بولا جاتا ہے۔ پھر اس سے اخذ کرکے زراف کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اور دونوں میں وجہ اشتراک یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع میں مختلف مزاجوں وصورتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور زراف میں مختلف خلقتیں اور بہت سارے جانوروں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

بالفتح، وهو الوجه والعامة تضمّها۔ ان کا کلام تمام ہوا۔ اور شاذ لغت کو تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور عمل صرف ان فصحاء کی لغت کے مطابق کیا جاتا ہے جن کی لغت پر اعتماد کیا گیا ہو۔

الثانی: الاشتقاق، وهو: ان تكون وصفاً ماخوذاً من مصدر كما قدّمناه من الامثلة وربّما جاءت اسماً جامداً كقوله تعالى: (فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ). فـ(ثبات) حالٌ من الواو فی (انفروا) وهو جامد، لكنه فی تأويل المشتق، ای: متفرقين بدليل قوله تعالى: (او انفروا جميعًا) وقد اشتملت هٰذه الآية على مجئ الحال جامدةً وعلى مجيئها مشتقةً،

الثالث: ان تكون نكرة، كجميع ما قدّمناه من الامثلة، وقد تأتى بلفظ المعرف بالالف واللام، كقولهم: «أُدْخُلُوا الاوّلَ فالاوّلَ» و «أرسلها العِرَاكَ» و «جاءوا الجمّاءَ الغفيرَ» ای: جميعًا، وأل فی ذلك كله زائدة، وقد تأتى بلفظ المعرّف بالاضافة، كقولهم: «اجتهدْ وحدَكَ» ای: منفردًا، و «جاءوا قضّهم بقضيضهم» ای: جميعًا۔

وقد تأتى بلفظ المعرّف بالعَلَمِيّة، كقولهم: «جاءتِ الخيلُ بدادِ» ای: متبدّدةً، فان بدادِ فی الاصل علم على جنس التبدُّدِ، كما انّ فجارِ علم للفجرة۔

دوسرا حکم مشتق ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حال ایسا وصف ہو جو مصدر سے ماخوذ اور مشتق ہو، جیسا کہ اسکی مثالیں ہم نے پیش کی ہیں۔ اور کبھی اسم جامد بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ۔ چنانچہ ثبات، انفروا کے واو یعنی ضمیر جمع سے حال ہے، جبکہ یہ جامد ہے۔ لیکن یہ مشتق کی تاویل میں ہے بمعنی متفرقین[1] باری تعالیٰ کے ارشاد اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا کی وجہ سے۔ اور یہ آیت حال کا جامد ہونے اور اسکے مشتق ہونے پر مشتمل ہے۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ حال نکرہ ہو جیسے کہ وہ تمام مثالیں جو ہم نے پیش کیں۔ اور حال کبھی معرف باللام بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسے عربوں کا قول

---

[1] ثباتٍ دراصل ثبۃ کی جمع ہے جس کا اطلاق دس سے زائد افراد کی جماعت پر ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا ترجمہ متفرقین اسلئے کیا گیا ہے کہ یہ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جس کا ترجمہ ہے یا مجتمع طور پر نکلو۔ لہٰذا انفروا ثباتٍ کا ترجمہ متفرق طور پر نکلو، متعین ہے۔

ادخلوا[1] الاول فالاول - اَرْسَلَهَا[2] العِرَاكَ۔ اور جاءُوا[3] الجماء الغفير بمعنی جمیعًا ہے۔ اور الف لام ان تمام مثالوں میں زائد ہے۔ اور حال کبھی معرف بالاضافہ بھی واقع ہوتا ہے جیسے اہل عرب کا قول اجتهد وَحْدَكَ بمعنی منفردًا اور جاءُوا قضہم بقضیضہم[4] بمعنی جمیعًا[5] ہے۔ اور حال کبھی معرف بالعلمیۃ بھی واقع ہوتا ہے جیسے عربوں کا قول جاءَتِ الخیلُ بَدَادِ یعنی (گھوڑے آئے) متفرق طور پر۔ اسلئے کہ بَدَادِ دراصل التَّبَدُّد (بمعنی التفرق پوری) جنس[6] کا علم ہے جس طرح کہ فَجَارِ اَلْفَجَرَۃ کا علم ہے۔

---

[1] پہلا الاوّل حال ہے منصوب ہے۔ اور دوسرا معطوف ہے۔ فاء ترتیب کا فائدہ دینے کے لئے ہے۔ ترجمہ ہوگا: ترتیب وار داخل ہوئے۔ یعنی پہلا پھر دوسرا۔

[2] اور جنگلی گدھوں نے ان یعنی گدھیوں کو مجتمع طور پر تنہا چھوڑ دیا۔

[3] الجمّاء مؤنث الاجم بمعنی الکثیر والغفیر۔ الکثیر الذی یغفر وجه الارض ای یغطیه بکثرته والغفیر فی المثال صفة للجماء مع ان کلمة الغفیر هنا مذکرة والجماء مؤنثة فلم تطابق الصفة موصوفها الحقیقی وقد تلمس النحاة لهذا تاویلات۔ منها انهم حذفوا التاء تشبیها لفعیل بمعنی فاعل بفعیل بمعنی مفعول فی عدم لحاق التاء مع المؤنث کما قال الله تعالیٰ ان رحمة الله قریبٌ من المحسنین فی بعض تخریجات وقالوا ریح خریق۔
(النحو الوافی ص ۳۷۶/ج ۲ ومنتهی الارب ص ۲۵)

(نوٹ) جاء والجمّاء الغفیر کا ترجمہ ہے: وہ سب آئے اس کا استعمال مختلف طور پر ہے۔
(۱) مرکب توصیفی معرفہ باللام جیسے جاء القوم الجماء الغفیر۔ (۲) مرکب توصیفی نکرہ۔ جاء القوم جماء غفیرًا۔ (۳) مرکب اضافی جاء جماء الغفیر۔ (۴) جاء جم الغفیر۔ (۵) جاء الجمّ الغفیر۔

[4] قض دراصل مصدر ہے بمعنی توڑنا۔ یہاں بمعنی اسم فاعل ہے۔ اور قضیض بمعنی اسم مفعول ہے ٹوٹا ہوا۔ پورے جملہ کے معنی ہوں گے: ان میں کا توڑنے والا اپنے توڑے ہوئے کے ساتھ آیا۔ یعنی سب کے سب آئے۔

[5] ماتن نے اپنے قول جمیعًا کو نکرہ لاکر جمہور بصریین کے مذہب کی جانب اشارہ کیا ہے کہ جہاں جہاں بھی کلام عرب میں حال معرفہ ہوگا اسکو نکرہ کی تاویل میں کیا جائیگا۔ کیونکہ بصریین کے نزدیک حال کا نکرہ ہونا ضروری ہے۔

[6] علم جنس جو پوری جنس کا علم ہو کسی ایک متعین فرد کے ساتھ خاص نہ ہو جیسے قیصر روم کا بادشاہ کا علم جنس ہے۔ اور کسریٰ ایرانی بادشاہ کا۔ علم جنس کے مختلف روپ ہوتے ہیں۔ کبھی یہ بشکل اسم ہوتا ہے جیسے ثعالۃ لومڑی کا علم ہے۔ اور کبھی کنیت ہوتا ہے جیسے ابو الحارث شیر کا۔ اور کبھی بشکل لقب ہوتا ہے ذی ناب کتے کا۔ اور کبھی معانی کا علم جنس ہوتا ہے۔ جیسے فجارِ، الفجرۃ کا علم ہے یہاں آخری و الا مراد ہے۔ کہ التبدد کے معنی ہیں متفرق ہونا۔ اور الفجرۃ کے معنی فاجر ہونا جس طرح فجار کو الفجرۃ کے معنی کے لئے خاص کردیا گیا، اسی طرح بدادِ کو التبدد کے معنی کے لئے خاص کردیا گیا۔

الرابع: ان لا یکون صاحبها نکرة محضة، کما تقدم من الامثلة، وقد تأتی کذلك کما روی سیبویه من قولهم "علیه مِائَةٌ بِیضاً" وقال الشاعر: وهو عنترة العبسی:

۱۱۹- فیها اثنتانِ وأربعون حَلُوبَةً ؛ سُوداً کخافیةِ الغرابِ الأسحَمِ

حلوبة: لتمییز العدد "وسُوداً" اما حال من العددِ، أوْ من حلوبة، أو صفة، وعلى هٰذین الوجهین ففیه حَملٌ علی المعنی، لانّ حَلُوبَة بمعنی حلائب، فلهٰذا صح ان یحمل علیها سُوداً، والوجه الاول اَحسَنُ۔

وفی الحدیث: "صَلّیٰ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ علیه وَسَلَّمَ جَالِساً وَصَلّیٰ وَرَاءَهُ رجَالٌ قیاماً" فـ "جالساً" حالٌ من المعرفة، وقیاماً: حالٌ مِنَ النکرة المحضة۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ ذوالحال نکرہ محضہ نہ ہو، جس طرح کہ مثالیں گذریں۔ اور کبھی ایسا یعنی نکرہ محضہ آتا ہے جیسا کہ سیبویہ نے اہلِ عرب کا قول عَلَیْهِ مِائَةٌ بِیضاً[1] نقل کیا ہے۔ اور شاعر یعنی عنترہ عبسی نے کہا ہے فیها اثنتانِ[2] الخ چنانچہ حَلُوبَة عدد سے تمیز کے لئے ہے۔ اور "سُوداً" یا تو عدد سے حال واقع ہو رہا ہے

---

[1] اس کے ذمہ سو درہم درانحالیکہ وہ سفید یعنی عمدہ وخالص ہیں۔

[2] حَلوبة بمعنی محلوبة دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری یعنی فعولة بمعنی مفعولة ہے۔ کیونکہ فعول بمعنی مفعول میں اصول یہ ہے کہ اگر اس کا موصوف مذکر، مؤنث، تثنیہ یا جمع ہوتا ہے تو فعول کو بھی اسی کے مطابق مذکر، مؤنث، تثنیہ یا جمع لایا جاتا ہے۔ یہاں پر اس کا ناقة یا شاة ہے۔ اس لئے اس کو مؤنث یعنی حلوبة لایا گیا ہے۔ ج حَلائب۔ سُوداً۔ سوداء کی جمع ہے بمعنی کالا۔ کالی۔ خافیة: وہ پر جو پرند کے بازوں کو اکٹھا کرنے کے وقت میں چھپ جاتے ہیں۔ ج خوافی۔ الاسحم بمعنی کالا۔ ترجمہ: ان یعنی یار کے دار جانوروں میں بیالیس دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں اس حال میں کہ وہ کالی ہیں جیسے کالے کوّے کے چھپے ہوئے پر۔ محل استشہاد سوداً ہے جو حلوبة نکرہ سے حال واقع ہے۔

نوٹ:- سوداً پر دو اعراب پڑھے گئے ہیں۔ رفع، نصب۔ بصورت رفع یہ اثنتان واربعون کی صفت ہے۔ اور بصورت نصب اس کی تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) اثنتان واربعون ذوالحال اور سوداً حال۔ (۲) حلوبة ذوالحال اور سوداً حال۔ (۳) حلوبة موصوف اور سوداً صفت۔

مصنف علام نے بروایت نصب پہلی ترکیب کو احسن قرار دیا ہے۔ اسکی توضیح سے پیشتر یہ بات ملحوظ رہے کہ حال ذوالحال کے لئے وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور حال میں ذوالحال کے لئے محمول بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے دونوں میں مطابقت کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اب اگر ہم سوداً کو اسم عدد سے حال مانتے ہیں تو دونوں میں باعتبار جمع کے مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور حال بننا بلا کسی تاویل کے درست ہوجاتا ہے۔ اسی لئے اس کو "احسن" قرار دیا ہے۔ بخلاف دوسری دونوں ترکیبوں کے ان میں تاویل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً دوسری ترکیب حلوبة ذوالحال مفرد ہے اور حال جمع۔ اسی طرح تیسری ترکیب میں حلوبة منعوت مفرد ہے اور نعت جمع، جبکہ صفت موصوف میں مطابقت کا پایا جانا ضروری ہے۔ جو دونوں ترکیبوں میں مفقود ہے، لامحالہ ان میں وہی تاویل کرنا پڑیگی جس کو صاحب کتاب نے ففیه حمل علی المعنی الخ سے

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

یا حلوبۃ سے۔ یا صفت ہے۔ اور ان (آخری) دونوں صورتوں کی تقدیر پر تو اس شعر میں معنی پر حمل ہے۔ کیونکہ حلوبۃ بمعنی حلائب ہے۔ اسی وجہ سے اس پر سُوْدًا کا حمل درست ہے۔ پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔ اور حدیث میں ہے صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ الخ جنانچہ جَالِسًا معرفہ یعنی رسول اللہ سے حال ہے۔ اور قِیَامًا نکرہ محضہ یعنی رِجَال سے حال ہے۔

وانما الغالب — إذا كان صاحبُ الحالِ نكرةً — أن تكونَ عامّةً أوْ خاصّةً، أوْ مؤخّرةً عن الحالِ۔

فالاول كقوله تعالى: (وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ) فانّ الجملة الّتي بعد (الّا) حال من (قريةٍ) وهي نكرة عامّة، لانها في سياق النفي والثاني نحو (فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا) فـ(أَمْرًا)۔ اذا اعرب حالاً۔ فصاحب الحالِ امّا المضاف فالمسوّغ انه عامٌّ او خاص: امّا الاوّل فمِنْ جهة انهٗ أحَدُ صِيَغِ العمُوْم، وامّا الثانى فمِنْ جهةِ الاضافةِ، وامّا المضاف اليه فالمسوّغ انهٗ خاص، لوصفهِ بحكيم، وقرأ بعضُ السّلف: (وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا) بالنصب، فجعله الزمخشري حالاً من (كتاب) لِوَصْفِهِ بالظرفِ، وليسَ مَا ذكر بلازم، لجواز ان يكونَ حالاً من الضمير المستتر في الظرف۔

والثالثُ كقوله: ۷۔ لِمَيَّةَ مُوْحِشًا طَلَلُ ✽

فهذه المواضع ونحوها مجيئُ الحال فِيْهَا من النكرة قياسيٌّ، كما انّ الابتداء بالنكرة في نظائرها قياسي، وقد مضى ذلك في باب المبتدأ، فقسْ عليه هنا۔

(بقیہ سابقہ) بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حمل بظاہر ناممکن ہے۔ لہٰذا معنی حمل کیا جائیگا۔ بایں طور کہ حلوبۃ بمعنی حلائب ہے یعنی حلوبۃ مفہوم کے لحاظ سے جمع ہے۔ کیونکہ حلوبۃ، اثنتان و اربعون کی تمیز ہے۔ اور تمیز از عدد میں جمع جیسا تعدد پایا جاتا ہے۔ لہٰذا دونوں میں جمعیت میں بھی مطابقت ہوگئی۔ اور اس تاویل کی وجہ سے حال صفت بننا بھی اس کا درست ہوگیا۔ (منتہی الارب ص۲۵۶) (نوٹ) یہ شعر اسا بات کی دلیل بن سکتا ہے کہ نکرہ کا ذوالحال بننا درست ہے۔

لہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور ان کے پیچھے لوگوں نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔ محل استشہاد اس میں رِجَال ہے۔ جو ذوالحال ہے۔ اور نکرہ محضہ ہے۔

اور جس وقت ذوالحال نکرہ ہوگا تو اکثری استعمال یہ ہے کہ وہ ذوالحال نکرہ یا تو عام ہوگا یا خاص یا حال سے مؤخر ہوگا۔ پہلا جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا أَهْلَكْنَا[1] الخ اسلئے کہ اِلَّا، کے بعد والا جملہ۔ قَرْيَة، سے حال ہے جو نکرہ عامہ ہے۔ کیونکہ وہ نکرہ تحت النفی ہے۔ اور دوسرا جیسے۔ فیہا یفرق[2] الخ چنانچہ جب "امر" میں حال کی ترکیب کیجائے تو ذوالحال (میں دو احتمال ہیں) یا تو مضاف ہوگا اس صورت میں مجوز اس کا یہ ہے کہ وہ (مضاف) عام ہے یا خاص ہے۔ رہا پہلا (یعنی عام ہونا) تو اس وجہ سے کہ وہ (یعنی کل) عموم (پر دلالت کرنے) کے صیغوں میں سے ایک صیغہ ہے۔ اور دوسرا (یعنی خاص ہونا) تو اضافت کی وجہ سے ہے۔ اور (دوسرا احتمال کہ ذوالحال) یا تو مضاف الیہ ہے تو مجوز اس کا یہ ہے کہ وہ (مضاف الیہ) خاص ہے اس (امر) کے حکیم کا موصوف بن جانے اور حکیم کے صفت بن جانے) کی وجہ سے۔ اور بعض اسلاف[3] نے وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا (مُصَدِّقًا کو) نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں علامہ زمخشریؒ نے اس کو کتاب سے حال قرار دیا ہے۔ کتاب کے ظرف (مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ) کا موصوف ہوجانے (اور من عند اللہ کے کتاب کی صفت ہوجانے کی) وجہ سے۔ اور آیت کی جو ترکیب علامہ نے ذکر کی ہے لازم نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے مُصَدِّقًا اس ضمیر سے حال ہو جو ظرف (یعنی مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے متعلق) میں پوشیدہ ہے۔ اور تیسرے یعنی ذوالحال کا مؤخر ہونا) جیسے شاعر کا قول لِمَيَّةَ[4] الخ ہے۔ یہ مقامات اور ان جیسے مقامات میں نکرہ سے حال کا واقع ہونا قیاسی ہے جس طرح کہ ان جیسی جگہوں میں نکرہ کا مبتدا واقع ہونا قیاسی ہے۔

یہ بیان مبتدا کے باب میں گذر چکا ہے لہٰذا یہاں پر اسی پر قیاس کرلو۔

ثُمَّ قلت: الثَّامِنُ التَّمْيِيزُ، وهو: اسْمٌ نكرة، فضلةٌ، يَرفع اِبْهَامَ اِسْمٍ، اَوْ اِجْمَالَ نِسْبَةٍ۔ فالاول بَعْدَ الْعَدَدِ الْاَحَدَ عَشَرَ فَمَا فَوْقَهَا اِلَى الْمِائَةِ، وَ "كَمْ" الاستفهامية، نحو "كَمْ عَبْدًا مَلَكْتَ" وَبَعْدَ الْمَقَادِيْرِ، كَـ"رِطْلٍ زَيْتًا"۔

---

[1] اور جتنی بستیاں ہم نے غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے آئے۔ (پ ۱۹ ع ۱۵)

[2] اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہمارے پاس سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔ (پ ۲۵ ع ۱۴)

[3] مصحف اُبی میں مُصَدِّقًا نصب کے ساتھ لکھا ہے۔ اور ابن ابی علیہ کی یہی قرارت ہے۔

[4] اس شعر کی مکمل تشریح کنوز العرب کے صفحہ ۱۴۲ پر گذر چکی ہے۔ محل استشہاد طلل ہے جو ذوالحال ہے نکرہ ہونے کی وجہ سے موحشا سے مؤخر ہے جو حال ہے۔

وَكَ «شِبْرٌ أَرْضًا » وقَفِيزٌ بُرًّا » وشِبْهِهِنَّ، من نحو (مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا) وه نِحْي سَمْنًا » وَ «مِثْلُهَا زُبْدًا »، « مَوْضِعُ رَاحَةٍ سَحَابًا » وبعد فرعه نحو «خاتمٌ حديدًا»

وَالثَّانِي: إِمَّا مُحَوَّلٌ عَنِ الفَاعِلِ، نحو (وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا) أَوْعَنِ المَفْعُولِ نحو (وَفَجَّرْنَا الأَرْضَ عُيُونًا) أَوْعَنْ غَيْرِهِمَا، نحو (أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا) أَوْغَيْرُ مُحَوَّلٍ، نحو « لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا »۔

م: آٹھواں منصوب تمیز ہے۔ وہ وہ اسم نکرہ فضلہ ہے جو اسم کے ابہام یا نسبت کے اجمال کو دُور کرتا ہے۔ چنانچہ پہلی (تمیز یعنی جو ابہام کو دور کرے وہ وہ ہے جو) گیارہ سے لیکر سو تک کے عدد کے بعد واقع ہو۔ اور کم استفہامیہ کے بعد ہو کَمْ عَبْدًا مَلَكْتَ اور مقادیر کے بعد جیسے رِطْلٌ زَيْتًا [۱]، شِبْرٌ أَرْضًا [۲]، قَفِيزٌ بُرًّا [۳]، اور ان کی مانند جیسے مثقال ذرةٍ خيرًا [۴]۔ نِحْيٌ سَمْنًا [۵]، مثلها زبدًا، اور موضع راحةٍ [۶] سحابًا، اور تمیز کی فرع [۷] کے بعد واقع ہو جیسے خاتم حديدًا دوسری (وہ تمیز جو اجمالِ نسبت کو دور کرے۔ یا تو وہ فاعل سے بدلی ہوگی جیسے اِشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا [۸] یا مفعول سے جیسے وَفَجَّرْنَا الأَرْضَ عُيُونًا [۹] یا ان دونوں کے علاوہ سے جیسے أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا [۱۰] یا بدلی ہوئی نہ ہوگی جیسے لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا [۱۱]۔

---

[۱] ایک رطل عراقی = ۳۴ ½ تولہ = ۳۹۸٫۳۴ گرام کا ہوتا ہے۔ زیت زیتون کے تیل کو کہتے ہیں۔
[۲] شبر بمعنی بالشت۔ [۳] ایک قفیز گیہوں۔ قفیز ۱۲ صاع کا ہوتا ہے جو کیل کے حساب سے احناف کے نزدیک ۴۳٫۴۰ لیٹر کا ہوتا ہے۔ اور وزن کے حساب سے ۳۹ کلو ۱۲۸ گرام ہوتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۳۷۰)
[۴] (جو شخص) ذرہ برابر (نیکی کرے گا) (پ ۳۰ ع ۲۴) ایک مثقال = ۴ ½ ماشہ = ۴٫۳۷۴ گرام۔
[۵] دودھ بلونے کا برتن۔ گھی کی مشک۔ ترجمہ ایک مشک گھی۔
[۶] ہتھیلی برابر بادل۔ [۷] فرع سے مراد یہ ہے کہ ممیز تمیز سے نکلی اور اس سے بنی ہو۔
[۸] اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی۔ پ ۱۶ ع ۴۔ [۹] اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ پ ۲۷ ع ۸)
[۱۰] میرا مال تم سے زیادہ ہے۔ [۱۱] علامہ رضی کا کہنا ہے کہ گائے، بکری کے تھنوں سے نکلے ہوئے دودھ کو در کہا جاتا ہے۔ چونکہ اہل عرب کو بہت مرغوب اور محبوب ہے۔ اسلئے اس سے خیر کثیر بھی مراد لے لیتے ہیں۔ مگر یہاں ممدوح سے صادر ہونے والا افضل مراد ہے۔ اور اس فعل کو ازراہ تعجب اللہ کی جانب منسوب کر دیا۔ بلکہ ہر امر عظیم جس سے تعجب کا ارادہ کرتے ہیں کو اللہ کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ کیونکہ تمام تعجب خیز چیزوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ فارس: فرس فراسة سے ماخوذ ہے۔ گھوڑوں سے متعلق اچھی جانکاری رکھنا۔ (مستفاد شرح جامی، حاشیہ عصام الدین)
مثال کا لفظی ترجمہ ہوگا: اللہ ہی کے لئے ہے اسکی بھلائی۔ گھوڑوں سے متعلق امور میں مہارت رکھنے کے اعتبار سے۔ اور مرادی ترجمہ ہوگا: اس کی گھوڑوں کے امور سے گہری واقفیت کیا خوب ہے؟

واقول: الثامنُ مِنَ المنصوبات: التمييز۔

وهو والتفسيرُ والتبيينُ الفاظٌ مترادفة لغةً واصطلاحًا، وهو فی اللغة بمعنی فصلِ الشیءِ عن غیرہ، قال اللّٰہ تعالٰی: (وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ) ای: انفصلوا من المؤمنین (تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ) ای ینفصل بعضها من بعضٍ، وهُوَ فِي الاصطلاح مختصٌ بما اجتمع فیه ثلاثة امور، وهی المذکورۃ فی المقدّمةِ، وفُهِمَ ممّا ذکرتُهُ فی حدّیِ الحال والتمییز انّ التمییزَ وان اشبه الحال: فی کونه منصوبًا فضلةً، مبینًا لِإبهامٍ، الّا انّهٗ یُفارِقهٗ فی امرین، احَدُهما: انّ الحال انما یکون وصفًا إمّا بالفعلِ أو بالقوۃِ، وامّا التمییز فانهٗ یکون بالاسماء الجامدۃ کثیرًا نحو "عشرونَ دِرْهمًا"، و "رِطْلٌ زیتًا"، وبالصفاتِ المشتقةِ قلیلًا کقولهم: "لِلّٰہِ دَرُّہٗ فارسًا" و "لِلّٰہِ دَرُّہٗ راکبًا" الثانی: ان الحال لبیانِ الهیأت! و التمییز یکون تارۃ لبیانِ الذّواتِ، وتارۃ لبیانِ جهةِ النسبةِ۔

ش: آٹھواں منصوب تمیز ہے۔ تمیز، تفسیر اور تبیین لغت اور اصطلاح کے اعتبار سے الفاظِ مترادفہ ہیں۔ تمیز کے معنی لغت میں ایک شیٔ کو دوسری سے جُدا کرنا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَامْتَازُوا[1] الخ یعنی اے مجرمو! آج تم مؤمنین سے الگ وجُدا ہوجاؤ۔ (اسی طرح) تَكَادُ تَمَيَّزُ[2] مِنَ الْغَيْظِ یعنی اس آگ کا ایک حصّہ دوسرے سے غصّہ کے مارے الگ وجُدا ہوجائیگا۔ اور تمیز اصطلاح میں اس شیٔ کے ساتھ خاص ہے جس میں تین امور مجتمع طور پر پائے جائیں۔ اور وہ امور وہی ہیں جن کا تذکرہ متن میں ہوا۔ اور جس چیز کا تذکرہ میں نے حال وتمیز کی تعریفات میں کیا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھی گئی کہ تمیز اگرچہ منصوب فضلہ اور مزیل ابہام ہونے میں حال کے مشابہ ہے مگر یہ تمیز حال سے دو امور میں جُدا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حال وصف ہوتا ہے خواہ بالفعل ہو یا بالقوۃ۔ اور تمیز اسم جامد ہوتی ہے عمومًا جیسے عشرونَ دِرهمًا رِطْلٌ زیتًا اور کبھی کبھی صفت مشتقہ ہوتی ہے۔ جیسے اہل عرب کا قول لِلّٰہِ دَرُّہٗ فارِسًا، لِلّٰہِ دَرُّہٗ راکبًا۔ اور دوسرا امر یہ کہ حال۔ احوال، اوصاف کے بیان کے لئے ہوتا ہے۔ اور تمیز کبھی ذوات کے بیان کے لئے ہوتی ہے اور کبھی نسبت کی جہت یعنی اعتبار کے بیان کے لئے۔

وقسّمتُ کلًّا من هٰذین النوعین اربعة اقسامٍ فامّا اقسامُ التمییز المُبیّن للذّاتِ

---

[1] اور اے مجرمو! آج الگ ہوجاؤ (پ ۲۳ ع ۳) [2] غصہ کے مارے پھوٹ پڑے گی۔ (پ ۲۹ ع ۱)

فَأَحَدُهَا: أَنْ يَقَعَ بَعْدَ الأَعْدَادِ، وَقَسَّمْتُ العَدَدَ إِلَى قِسْمَيْنِ: صَرِيحٍ، وَكِنَايَةٍ۔

فالصَّرِيحُ الأَحَدَ عَشَرَ فَمَا فَوْقَهَا إِلَى المِائَةِ، تَقُولُ: «عِنْدِي أَحَدَ عَشَرَ عَبْدًا» وَ«تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ دِرْهَمًا»، وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: (إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا) (وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا) (وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً) (فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا) (فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا) (ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا) (فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً) (إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً)، وفي الحديث «إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اِسْمًا»، وأردت بقولي «إِلَى المِائَةِ» عدم دخولِ الغايةِ في المغيَّا، وَهُوَ أَحَدُ اِحْتِمَالَيْ حرفِ الغايةِ۔

والكنايةُ هي «كم» الاستفهاميّة، تقول: كَمْ عَبْدًا مَلَكْتَ؟ فَكَمْ: مفعول مقدَّم، وعبدًا: تمييزٌ واجبُ النصبِ والإفرادِ، وزعمَ الكوفي انّه يجوز جمعهُ فتقول: كم عَبِيدًا ملكتَ، وهذا لم يُسمع، ولا قياس يقتضيه، ويجوز لك جر تمييزِ كم الاستفهامية؟ وذلك مشروطٌ بأمرين، أَحَدُهُمَا: ان يُدْخَلَ عَلَيْهَا حرفُ جر، والثاني: ان يكون تمييزها الى جانبها، كقولك: بِكَمْ درهمٍ اشتريتَ؟ وعلى كَمْ شيخٍ اشتغلتَ؟ والجر حينئذٍ عند جمهور النحويين بِمِنْ مضمرةً، والتقدير: بِكَمْ مِنْ درهمٍ؟ وعلى كَمْ من شيخٍ؟ وزعمَ الزجاج انه بالاضافةِ،

اور میں نے ان دونوں قسموں (بیان ذات اور بیان نسبت) میں سے ہر ایک کی چار چار قسمیں کی ہیں رہی ذات کو بیان کرنے والی تمیز کی اقسام تو ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمیز عدد کے بعد واقع ہو، اور عدد کی میں نے دو قسمیں کی ہیں۔ صریح، کنایۃ، چنانچہ صریح (عدد) اَحَدَ عَشَرَ سے لیکر مِائَة تک ہے جیسے آپ کا قول عِنْدِي أَحَدَ عَشَرَ عَبْدًا، تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ دِرْهَمًا۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنِّي رَأَيْتُ الخ[1] وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ الخ[2] وَوَاعَدْنَا مُوسَى الخ[3]

---

[1] میں نے گیارہ ستارے دیکھے ہیں۔ (پ ۱۲ ع ۱۱) [2] اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے (پ ۶) [3] اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا اور ان تیس کو دس سے پورا کیا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہوگیا۔ (پ ۹ ع ۱۷)

فَلَبِثَ فِيهِمْ الخ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا ، فَاجْلِدُوْهُمْ الخ ، اِنَّ هٰذَا اَخِیْ الخ

اور حدیث شریف میں ہے اِنَّ لِلّٰہِ الخ اور میں نے اپنے قول الی المائۃ سے غایت کا عدم دخول مُراد لیا ہے۔ جو حرف غایت (الیٰ ، حتیٰ) کے دو احتمالوں (دخول غایت فی المغیا ، عدم دخول غایت فی المغیا) میں سے ایک احتمال ہے۔ اور کنا یہ وہ کم استفہامیہ ہے تمہارا قول کَمْ عَبْدًا مَلَکْتَ۔ چنانچہ کم مفعول مقدم ہے۔ عَبْدًا تمیز ہے جس کا منصوب اور مفرد ہونا لازم ہے۔ اور کوفی کا خیال ہے کہ تمیز کو جمع لانا بھی جائز ہے۔ جیسے تمہارا قول کَمْ عبیدًا ملکت۔ اور ایسا (اہل عرب سے) سُنا نہیں گیا۔ اور نہ ہی قاعدہ اس کا تقاضا کرتا ہے۔ اور کیا آپ کے لئے کَمْ استفہامیہ کی تمیز کو مجرور لانا بھی جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو امور کے ساتھ مشروط ہے۔ اوّل یہ ہے کہ کَمْ پر حرفِ جر داخل ہو۔ دوم یہ کہ کم کی تمیز کم سے متصل ہو جیسے بِکَمْ دِرْھَمٍ اِشْتَرَیْتَ اور علی کَمْ شیخ اشتغلت اور جر اس صورت میں جمہور نحاۃ کے نزدیک "من" مقدرہ کی وجہ سے ہے۔ اور تقدیر ہوگی بکم مِنْ دِرْھَمٍ اور علی کم من شیخ۔ اور زجاج کا خیال ہے کہ یہ جر (کَمْ کے تمیز کی طرف) اضافت کی وجہ سے ہے۔

القسم الثانی : ان یقع بعد المقادیر و قسمتُہا علی ثلاثۃِ اقسامٍ ، اَحَدُھَا : مَایدلّ علی الوزن ، کقولك : رِطْلٌ زیتًا ، ومنوانِ سمنًا ؟ والمَنَوانِ تثنیۃ مَنًا ، وھو لغۃ فی المَنِّ وقیل فی تثنیتہ : منوانِ ، کما یقال فی تثنیۃ عصًا : عصوانِ ، والثانِی مَا یَدلّ علی مساحۃٍ ؟ کقولك : شبرٌ ارضًا ، وجریبٌ نخلًا ؟ وقولھم : مَا فی السَّماءِ موضع رَاحۃٍ سحابًا ، الثالث : مَا یَدلّ علی الکیلِ ، کقولھم : قفیزٌ بُرًّا ، وصاعٌ تمرًا ،

القسم الثالث : ان یقع بعد شبہ ھٰذہ الاشیاء ، وذکرتُ لذلك اربعۃ امثلۃٍ ، اَحَدُھَا قول اللّٰہِ تعالیٰ (مثقال ذرّۃٍ خیرًا) فھٰذا بعد شبہِ الوزنِ ، ولیسَ بہ حقیقۃ لأن مثقال الذّرّۃ لیسَ اسمًا لشیئٍ یوزن بہ فی عُرفنا ، الثانِی قولھم :

---

[۱] تو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے۔ (پ ۲۰ ع ۱۳) [۲] پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اسکے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (پ ۲۸ ع ۱) [۳] (ایسی زنجیر) جس کی پیمائش ستّر گز ہے۔ (پ ۲۹ ع ۵) [۴] تو ایسے لوگوں کو اسّی کوڑے لگاؤ۔ (پ ۱۸ ع ۷) [۵] یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے ۹۹ دُنبیاں ہیں (پ ۲۳ ع ۱۰) [۶] بیشک اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ مذکورہ تمام مثالوں میں تمیز عدد کے بعد واقع ہوئی ہے۔ [۷] کتنے شیوخ و اساتذہ کے پاس تم (بغرض استفادہ) لگے رہے؟

عِنْدِی نِحْیٌ سَمْنًا، وَالنِّحْیُ — بکسر النون واسکان الحاء المهملة وبعدها یاء خفیفة، اسم لوعاء السّمن، وهٰذا یُعَدُّ شبه الکیل، ولیس به حقیقة۔ لان النّحی لیس مما یکال به السّمن ویعرف به مقدارهٗ، وانما هو اسم لوعائه فیکون صغیرًا و کبیرًا، ومثله قولهم: وَطْبٌ لبنًا، والوطب - بفتح الواو و سکون الطاء و بالبَاءِ الموحّدة — اسمٌ لوعاءِ اللّبن، وقولهم: سقاء مَاء، وزِقٌّ خمرًا، وراقودٌ خلًّا، الثالثُ: مَافی السّماء موضعُ رَاحةٍ سحابًا، ذ، سحابًا: واقع بعد «موضع راحة، وهو شبیه بالمساحة، والرابع: قولهم: علی التمرة مثلها زُبْدًا، فَزُبْدًا: واقع بعده مثل، وهی شبیهة ان شئت بالوزنِ، وان شئت بالمسَاحةِ،

والقسم الرابع: ان یقع بعد مَا هو متفرعٌ منه، کقولهم: هٰذا خاتم حَدِیْدًا، وذالک لانّ الحدید هو الاَصْل، والخاتم مشتق منه، فهو فرعهٗ، وکذٰلک «بابٌ سَاجًا، و «جُبَّةٌ خزًا»، ونحو ذٰلک،

(بیانِ ذات کی) دوسری قسم یہ ہے کہ تمیز، مقادیر کے بعد واقع ہو، اور میں نے مقادیر کی تین قسمیں کی ہیں (۱) جو وزن کو بتلائے جیسے رطلٌ زیتًا، منوَانِ سَمْنًا[1]، اور منوَانِ، مَنًا کا تثنیہ ہے، جو مَن ہی کی ایک لغت ہے۔ جیسے عصَا کا تثنیہ بناتے وقت عصوَانِ (۲) جو مساحت[2] کو بتلائے جیسے شِبْرٌ اَرْضًا، جریبٌ[3] نخلًا۔ اور اہلِ عرب کا قول مَافی السّمَاءِ[4] موضع رَاحَة سحَابًا، (۳) جو کیل کو بتلائے جیسے قفیزٌ[5] بُرًّا، صَاعٌ[6] تمرًا۔ اور تمیز (بیانِ ذات کی) تیسری قسم یہ ہے کہ تمیز ان (مذکورہ) جیسی اشیاء کے بعد واقع ہو۔ اور اس کی میں نے چار مثالیں ذکر کی ہیں۔ اوّل باری تعالیٰ کا ارشاد مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خیرًا۔

---

[1] دو من گھی۔ مَن ایک پیمانہ ہے جس سے ناپا یا تولا جاتا ہے جو اڑسٹھ تولہ ۳ ماشہ کا ہوتا ہے۔ یعنی ۷۹۶ء۶۸ گرام۔ [2] مساحت سے پیمائشی مقدار مراد ہے جیسے بالشت، گز، میٹر، بیگھہ، ایکڑ وغیرہ۔ [3] ایک جریب کھجور کے درخت۔ جریب: ایک پیمائشی آلہ ہے جو چھ بانس کے برابر ہوتا ہے۔ جو دو سو تیرہ ۲۱۳ میٹر کے قریب ہوتا ہے۔ (معجم لغۃ الفقہاء) [4] ایک بالشت زمین

[5] آسمان میں ہتھیلی کی بقدر بھی بادل نہیں ہے۔ [6] قفیز: قدیم زمانہ کا پیمانہ ہے، جس کی مقدار ہر ملک میں الگ الگ ہے۔ شرعی قفیز ۱۲ صاع کا ہوتا ہے۔

[7] ناپنے کا ایک پیمانہ ہوتا ہے جس کی مقدار ۲ کلو ۱۸۴ گرام ۲۰۲ ملی گرام ہوتی ہے۔ (ایضاح النحو ج ۲)

اس کو مشابہ[1] وزن شمار کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقۃً وزن نہیں ہے۔ کیونکہ مثقال ذرّۃ ہمارے عرف میں کسی ایسی شئی کا نام نہیں جس کے ذریعہ تولا جاتا ہو۔ دوم اہل عرب کا قول عندی نِحْیٌ سمناً۔ اور نِحْیٌ (نون کے کسرہ اور حار کے سکون کے ساتھ ہے اس کے بعد یار غیر مشدد ہے (اور وہ گھی کے برتن کا نام ہے۔ اس کو مشابہ کیل شمار کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقۃً کیل (ناپنے کا برتن) نہیں کیونکہ ، نِحْیٌ ، ان چیزوں میں سے نہیں ہے جن کے ذریعہ گھی کو ناپا جاتا ہو اور اس کی مقدار کو جانا جاتا ہو۔ (بلکہ) وہ تو گھی کے ایک برتن کا نام ہے، اسی وجہ سے وہ چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ اور اسی کی مانند اہل عرب کا قول وَطْبٌ لبناً ہے۔ اور وَطْبٌ) واؤ کے فتحہ اور طار کے سکون اور یار موحدہ کے ساتھ ہے اور وہ) دودھ کے برتن کا نام ہے۔ اور (اسی کی مانند) اہل عرب کا قول سقاء[2] ماءً ، زقٌ[3] خمراً۔ اور راقودٌ[4] خلاً ہے۔ اور سوم مَا فی السّماء موضع راحۃٍ سحاباً کہ سحاباً ، موضع راحۃٍ کے بعد واقع ہوا ہے جو مشابہ مساحت ہے۔ چہارم: ان کا قول علی التمرۃ مثلہا زبداً ہے کہ زبداً ،، مثل ، کے بعد واقع ہوا ہے۔ اور اگر آپ چاہیں تو (کہیں کہ) وہ مشابہ وزن ہے۔ اور اگر چاہیں تو (کہیں کہ) وہ مشابہ مساحت ہے۔ اور (تمیز بیان ذات کی) چوتھی قسم وہ ہے کہ تمیز اس (اسم) کے بعد واقع ہو (یعنی جس کا مصداق) اس تمیز سے متفرع اور نکلا ہوا ہو، جیسے عربوں کا قول ھٰذا خاتمٌ حدیداً کیونکہ حدید اصل ہے اور خاتم اس سے بنی ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ اس (تمیز) کی فرع ہے۔ اسی طرح بابٌ[5] ساجاً اور جبّۃٌ[6] خزاً وغیرہ ہے۔

وَاَمّا اقسام التمییز المبین لجھۃ النسبۃ فَاَربعۃٌ: اَحَدُھَا ان یکون محوّلاً عن الفاعل کقول اللہ عزّوجلّ ، واشتعل الرأسُ شیباً ، اَصلہٗ: واشتعل شیب الرّاسِ ، وَقولہٗ تعالیٰ: (فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا) اَصلہٗ: فان طابت انفسھنّ لکم عن شیء منہ ، فحوّل الاِسناد فیما عن المضاف۔ وھو الشیبُ فی الآیۃ الاولیٰ

---

[1] ترجمہ اس نسخہ کے مطابق ہے جس میں فھٰذا یُعَدّ شبہ ھٰذہ الاشیا ہے جبکہ دیگر نسخے اس کے برخلاف ہیں۔ ان میں یُعَدّ کے بجائے بَعْدَ ہے۔ اسی طرح کا نسخوں میں اختلاف آگے آنیوالی عبارت ھٰذا بعد شبہ الکیل میں ہے۔

[2] ایک مشکیزہ پانی۔ سقاء ج اَسْقِیَۃ۔ [3] ایک مشک شراب ج ازقاق ، زقاق۔

[4] ایک مٹکا سرکہ ج دَوَاقید۔

[5] ساکھو یعنی سال کا دروازہ — [6] ریشم کا جُبّہ۔

والانفس في الآية الثانية - إلى المضاف اليه - هو الرأس، وضمير النسوة ـــ فارتفعت الراس، وجيء بدل الهاء والنون بنونِ النسوة - ثم جيء بذلك المضاف الّذِي حُوِّل عنه الاسناد فضلة تمييزًا، وأفردت النفس بعد ان كانت مجموعة، لانّ التمييز انّما يُطلَبُ فيه بيان الجنس، وذلك يتأدّى بالمفرد -

الثاني: ان يكون محوّلاً عن المفعول، كقوله تعالىٰ: (وفجّرنا الارضَ عيونًا) قيل: التقدير (وفجرنا) عيون الارضِ، وكذا قيل في «غرستُ الارضَ شجرًا» ونحوِ ذٰلك -

الثالثُ: ان يكون محولاً عن غيرهما، كقوله تعالىٰ: (أنَا اكثر مِنْك مالاً) اَصلهٗ: مَالي اكثرُ، فحذف المضاف ـــ وهو المال - وَاقيم المضاف اليه - وهو ضمير المتكلم مقامهٗ، فارتفع وانفصل، وصار: أنَا اكثر منك، ثم جيء بالمحذوف تمييزًا، ومثلهٗ «زَيْدٌ اَحْسَنُ وَجْهًا» و«عمروٌ انقىٰ عِرضًا» وشبه ذلك، التقدير: وَجْهُ زَيْدٍ اَحْسَنُ، وَعِرْضُ عَمْرٍو اَنْقىٰ -

اور نسبت کی جہت کو بیان کرنے والی تمیز کی (بھی) چار قسمیں ہیں - اول یہ ہے کہ فاعل سے بدلی ہوئی ہو - جیسے اللہ عز وجل کا ارشاد واشتعل الخ[1] اس کی اصل واشتعل شیبُ الرأس ہے - اور باری تعالیٰ کا فرمان فَاِنْ طِبْنَ الخ[2] اس کی اصل فان طابَتْ انفسهنّ لکم عن شیءٍ منه ہے - پھر ان دونوں میں اسناد مضاف (اور وہ پہلی آیت میں شیب ہے اور دوسری آیت میں الانفس ہے) سے کاٹ کر مضاف الیہ یعنی راس اور ضمیر جمع مؤنث کی طرف کر دی گئی - جس کی وجہ سے راس مرفوع ہو گیا - اور (انفسهن کے) ھاء، نون (یعنی هنّ ضمیر) کے بدلے جمع مؤنث کے نون کو لایا گیا (کہ طابت سے طِبْنَ ہو گیا) پھر اس مضاف کو جس سے اسناد کاٹی گئی ہے فضلہ اور تمیز بنا کر لایا گیا، اور نفس کو بعد اس کے کہ وہ جمع (انفس) تھا مفرد بنایا گیا - کیونکہ تمیز میں بیانِ جنس کا ارادہ کیا جاتا ہے - اور وہ مفرد سے حاصل اور پوری ہو جاتی ہے - دوسرے یہ کہ تمیز مفعول سے بدلی ہوئی ہو

---

[1] سَر (کے بالوں) میں سفیدی پھیل پڑی - (پ۱۶ ع ۴)
[2] پھر اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں سے کوئی جز - (پ۴ ع ۲)

جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ الخ[1] کہا گیا ہے کہ اس کی اصل وَفَجَّرْنَا عُیُوْنَ الْاَرْضِ تھی۔ اور یہی غرستُ الارض شجرًا[2] میں کہا گیا ہے (کہ غرست شجر الارض تھی) وغیرہ ذٰلک۔

تیسرے یہ کہ تمیز ان دونوں (فاعل ومفعول) کے علاوہ سے بدلی ہوئی ہو۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا۔ اس کی اصل مَالِیْ اَکْثَرُ ہے۔ مضاف یعنی مَال کو حذف کر دیا گیا۔ اور مضاف الیہ یعنی ضمیر متکلم (اَنَا) کو اسکے قائم مقام کر دیا گیا جس کی وجہ سے وہ ضمیر مرفوع ہو گئی منفصل ہو گئی۔ اور کلام اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ ہو گیا، پھر مضاف یعنی مَال کو تمیز بنا کر لایا گیا۔ اور اسی کی مانند زَیْدٌ اَحْسَنُ وَجْھًا، اور عَمْرٌو اَنقیٰ عِرْضًا[3] وغیرہ ہیں۔ اصل عبارت وَجْہُ زیدٍ اَحْسَنُ اور عِرْضُ عمروٍ انقیٰ ہے۔

الرابعُ: ان یکون غیرَ محوَّلٍ، کقول العرب: «للهِ دَرُّہٗ فَارِسًا» وَ «حَسْبُکَ بِہٖ ناصرًا» وقول الشاعر:

۱۳۰۔ ؎ یَاجَارَتَا مَا اَنْتِ جَارَہْ ؞

«یا» حرف نداء «جارتا» منادیٰ مضافٌ للیاءِ، واصلہٗ «یَاجَارَتِی» فقلبت الکسرۃُ فتحۃً والیاءُ الِفًا۔ «ما» مبتدأ، وھو اسم استفھام «انت» خبرہ، و المعنی عظُمتِ، کما یقال: زیدٌ ومَازیدٌ، ای: شئٌ عظیم، و «جارہ» تمییز، وقیل: حال، وقیل: «مَا» نافیۃ، و «انتِ» اسمھا، و «جارۃ» خبر مَا الحجازیۃ: ای لَسْتِ جارۃً، بَلْ انتِ اشرفُ من الجارۃ، والصّواب الاوّل، ویدل علیہ قول الشاعر:

۱۳۱۔ یَاسَیِّدًا مَاانت مِنْ سَیِّدٍ

مُؤطأ الاکنافِ رَحْبَ الذِّرَاعِ

و «من» لا تدخل علی الحال، وانما تدخل علی التمییز۔

(جہت نسبت کو بیان کرنے والی تمیز کی) چوتھی قسم یہ ہے کہ تمیز (کسی سے) بدلی ہوئی نہ ہو جیسے عربوں کا

---

[1] اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ (پ۲۷ ع۸) [2] میں نے زمین میں درخت لگائے۔
[3] نقی (س) نقاء نقاوۃ صاف ہونا، خوبصورت ہونا، انقیٰ اسی سے اسم تفضیل یا صفت مشبہ ہے عِرض: آبرو، عزت، اچھی خصلت ج اَعْرَاض۔ ترجمہ مثال: عمرو صاف ستھری خصلت والا ہے، یعنی عیب سے پاک ہے۔

کا قول لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، حَسْبُکَ بِہٖ نَاصِرًا۔ اور شاعر کا قول یَا جَارَتَا[۲] الخ (شعر کی ترکیب یہ ہے کہ) یَا حرفِ ندا ہے، جَارَتَا منادیٰ مضاف الی یاء المتکلم ہے۔ اس کی اصل جَارَتِی ہے (تاء کے) کسرہ کو فتحہ سے بدل دیا گیا، اور یاء کو الف سے (جَارَتَا ہو گیا) مَا مبتدا ہے اسم استفہام ہے۔ اَنْتَ اس کی خبر ہے، اور اس کے معنی ہیں تو بڑی ہو گئی، جیسا کہ بولا جاتا ہے زید و ما زید یعنی زید بڑی چیز ہے۔ اور جَارَۃً تمیز ہے۔ اور (ترکیب کے سلسلہ میں) ایک قول یہ ہے کہ "مَا" نافیہ، (مشابہ بلیس) ہے، اَنْتِ اس کا اسم ہے۔ اور جَارَۃً مَا حجازیہ[۳] کی خبر ہے۔ یعنی تو پڑوسن نہیں ہے۔ بلکہ پڑوسن سے زیادہ بلند و برتر ہے۔ اور صحیح پہلی بات ہے۔ اور شاعر کا قول یا سیّدا[۴] الخ اس کو (جارۃ کے تمیز ہونے کو) بتلا رہا ہے۔ اور "مِن" حال پر نہیں داخل ہوتا ہے۔ وہ تو تمیز پر ہی آتا ہے۔

---

[۱] وہ تیرا کافی مددگار ہے۔ [۲] یہ مصرعہ اعشیٰ ابوالبصیر میمون بن قیس کے شعر کا ہے۔ جس کا پہلا یا دوسرا مصرعہ علیٰ اختلاف العلماء بَانَتْ لِتَحْزُنَنَا عَفَارَۃُ ہے۔ عفارہ نامی عورت نے ہمیں غمگین کرنے کے لئے جدائیگی اختیار کر لی۔ اے میری پڑوسن! تو بھی کیا پڑوسن ہے؟ یعنی صاحب کمال اور عظمت والی ہے۔

اگر "مَا" کو نافیہ مانا جائے تو ترجمہ ہوگا کہ تو عام پڑوسنوں کی مانند نہیں ہے بلکہ اُن سے بُرتر اور بلند ہے۔

محلِ استشہاد جَارَۃً ہے جس کو مَا اَنتِ میں پائی جانے والی نسبت کے ابہام کو دُور کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ عفارۃ فاعل ہے مرفوع ہونا چاہئے اور جَارَۃً تمیز ہے منصوب ہونا چاہئے۔ مگر دونوں جگہ ضرورتِ شعری کی بنا پر ساکن کر دیا گیا۔

[۳] حجازی کی قید سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مَا اہلِ حجاز کے نزدیک عامل ہے۔ بنو تمیم اس کو غیر عامل مانتے ہیں۔ جبکہ قرآن میں اہلِ حجاز کے مطابق استعمال ہوا ہے۔ جیسے مَا هٰذَا بَشَرًا۔

[۴] مَوْطَأ بمعنی اسم ظرف، روندنے اور رہنے کی جگہ، ملجا و ماویٰ، اکناف: کَنَفٌ کی جمع، پہلو۔ رَحْب کشادہ۔ رحب الذراع کشادہ دست کنایۃً فیاض و سخی مراد ہوتا ہے۔ اے میرے وہ سردار جو لوگوں کا ملجا و ماویٰ اور بڑا فیاض ہے۔ مصنف کے اس شعر کو ذکر کرنے کا منشا یہ ہے کہ اُوپر والے شعر میں "جارۃ" تمیز ہے جس طرح کہ اس شعر میں "سیّد" تمیز ہے۔ کیونکہ یَا جَارَتَا الخ اور یَا سَیِّدًا الخ دو الگ الگ مصرعے ہیں مگر دونوں کا اسلوب ایک ہے۔ یَا سَیِّدًا الخ میں مِنْ سَیِّد کا تمیز بننا متعین ہے۔ لہٰذا اس کے ہم اسلوب یعنی یَا جَارَتَا الخ میں بھی جَارَۃً کو تمیز ہونا چاہئے۔ اور ان لوگوں کی تردید مقصود ہے۔ جو جارۃ کو ترکیب میں حال بتاتے ہیں۔ کیونکہ مَا اَنْتَ مِنْ سَیِّدٍ میں سَیِّدًا حال بنانا قطعاً جائز نہیں۔ اس لئے سَیِّد پر مِنْ داخل ہے۔ جو تمیز پر تو داخل ہوتا ہے، حال پر نہیں۔ جب اس کو حال بنانا درست نہیں تو جو اس کی نظیر ہے یعنی مَا اَنْتَ جَارَۃً اس میں بھی جَارَۃً کو حال بنانا درست نہیں۔

ثم قلتُ: التاسِعُ المُستثنىٰ بِلَيسَ، أو بلا يكونُ، أوْ بِماخَلا، أوْ بِماعَدَا، مطلقاً، أوْ بِإلّا بَعْدَ كلامٍ تامٍّ مُوجَبٍ، أوْ غَيْرِ مُوجَبٍ، وتقدَّم المستثنىٰ نحو: (فَشَرِبُوا مِنْهُ إلّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ) ❊ وَمَالِيَ إلّا آلَ أحْمَدَ شِيْعَةٌ ❊

وَغَيْرُ المُوجَبِ: إنْ تُرِكَ فِيهِ المُستثنىٰ منه فلا اثَرَ فيهِ لِـ«إلّا» وَيُسَمّىٰ مُفرّغاً، نحو «ما قَامَ إلّا زَيْدٌ» وَإنْ ذُكِرَ فإنْ كانَ الاستِثناء متصلاً فاتباعُهُ للمستثنىٰ منه أرْجَحُ، نحو: (مَا فَعَلُوهُ إلّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ) أوْ منقطعًا فتميمُ تجيزُ إتباعَهُ إنْ صَحَّ التفريغ، وَالمُستثنىٰ بِغَيْرٍ وَسِوًى مخفوضٌ، وَبِخَلا وَعَدَا وَحَاشَا مخفوضٌ أوْ منصوبٌ، وَتُعْرَبُ غَيْرُ باتفاقٍ وَسِوَىٰ عَلَى الأصَحِّ إعْرَابَ المستثنىٰ بـ«إلّا»

م: نواں (منصوب) وہ مستثنیٰ ہے جو لیسَ، لایکونُ، مَاخَلا، مَاعَدَا یا اس اِلَّا کے ذریعہ ہوتا ہے جو کلام تام موجَب کے بعد واقع ہو یا غیر موجب کے بعد۔ اور مستثنیٰ (مستثنیٰ منہ سے) مقدم ہو۔ (کلام موجَب کی مثال) جیسے فَشَرِبُوا مِنْهُ[1] الخ (غیر موجب کی مثال جیسے) وَمَالِيَ إلّا[2] الخ اور کلام غیر موجب میں اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کر دیا جائے تو اس کلام میں «اِلّا» کا کوئی اثر و عمل نہیں ہوگا۔ اور (اس وقت) اس کا نام مستثنیٰ مفرغ رکھا جاتا ہے۔ جیسے مَاقَامَ إلّا زَيْدٌ۔ اور اگر مستثنیٰ منہ کو ذکر کیا جائے، اگر مستثنیٰ متصل ہو تو اس کو (اعراب میں) مستثنیٰ منہ کے تابع کرنا زیادہ راجح ہے۔ جیسے مَا فَعَلُوهُ[3] إلّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ یا مستثنیٰ منقطع ہو تو بنو تمیم اس کو (بھی اعراب میں مستثنیٰ منہ کے) تابع کرنے کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ اس کو مستثنیٰ مفرغ بنانا درست ہو۔ اور غیر، سِوَی کے ذریعہ مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ اور خَلا، عَدَا اور حَاشَا کے ذریعہ مجرور و منصوب (دونوں) ہوتا ہے۔ اور غیر کو بالاتفاق اور سِوَی کو اَصح قول کے مطابق مستثنیٰ بالّا کا اعراب دیا جاتا ہے۔

واقول: التاسِعُ مِنَ المنصوبات: المستثنىٰ.

وانما يجبُ نصبُهُ في خمس مَسَائِل: إحْدَاها: أنْ تكونَ أداةُ الاستثناءِ «ليس» كقولك: قَامُوا لَيْسَ زَيْدًا، وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا أنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا، لَيسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ» لَيسَ هنا بمنزلة

---

[1] سو سب نے اس سے پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے آدمیوں نے ان میں سے۔ (پ ۲ ع ۱۶)
[2] ترجمہ صفحہ ۲۸۷ پر آرہا ہے۔ [3] تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے۔ (پ ۵ ع ۲)

إلّا في الاستثناء، والمستثنىٰ بها واجبُ النصبِ مطلقًا بإجماع۔

الثانية: ان تكون اداةُ الاستثناء "لايكون"، كقولك: قاموا لايكون زيدًا، فلايكونُ ايضًا بمنزلة الّا في المعنى، والمستثنىٰ بها واجبُ النصبِ مطلقًا؛ كما هو واجبٌ مع ليسَ۔

والعلّة في ذلك فيها ان المستثنىٰ بهما خبرهُما. وَسيأتي لنا انّ كان وَليسَ واخواتهما يرفعن الاسم وينصبن الخبر۔

فإن قلتَ: فاينَ اسمهما؟ قلتُ: مُستترٌ فيهما وجوبًا، وهو عائدٌ على البعض المفهوم من الكل السّابق، وكانهُ قيل: ليسَ بعضهم زَيْدًا، ولا يكون بعضهم زَيْدًا، ومثلهُ قولهُ تعالىٰ: (يُوصِيكُمُ اللهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ) اى: فان كانت البنات، وذلك لانّ الأولاد قد تقدم ذكرهم، وَهُمْ شامِلُونَ للذكور والاناث، فكانهُ قيل اولا: يوصيكم الله في بنيكم وبناتكم، ثم قيل: فإن كنَّ وكذلك هنا۔

ش: نواں منصوب مستثنیٰ ہے۔ اسپر نصب پانچ صورتوں میں ضروری ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ حرفِ استثنار "لیس" ہو جیسے تمہارا قول قاموا لیسَ زَیْدًا، اور جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مَا انهرَ الدّم الخ[1] لیسَ یہاں بابِ استثنار میں اِلّا کے درجہ میں ہے۔ اور مستثنیٰ بالّا پر ہر صورت میں بالاجاع نصب ضروری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کلمِ استثنار "لایکون" ہو جیسے تمہارا قول قاموا لایکونُ زیدًا، کہ لایکونُ بھی معنیً الّا کے درجہ میں ہے۔ اور مستثنیٰ بلا یکونُ پر بھی ہر حالت میں نصب ضروری ہے، جس طرح کہ لیسَ کے ہوتے ہوئے نصب ضروری ہے۔ اور دونوں صورتوں میں اس نصب کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ بلیسَ اور بلا یکون، لیسَ ولا یکونُ کی خبر بنتا ہے (اور خبر منصوب ہوتی ہے) اور ہمارے سامنے یہ بات آئے گی کہ کانَ اور لیسَ اور ان کی اخوات اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب۔

---

[1] جو (ہتھیار بھی جانوروں کے) خون کو بہادے، سوائے دانتوں اور ناخنوں کے، اور اس جانور پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو تو اس کو تم کھالو۔ اس حدیث میں لیس کو استثنار کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے مستثنیٰ (السن، الظفر) پر نصب آیا ہے۔

اعتراض: تو (جناب! خبر تو مذکور ہے مگر) اس کا اسم کہاں ہے۔؟

جواب: (ان کا اسم) ان میں وجوبا پوشیدہ ہے۔ (اور وہ ضمیر ہے) جو اس بعض کی طرف لوٹ رہی ہے جو سابق کل (مستثنیٰ منہ) سے سمجھا جارہا ہے۔ گویا کہ کہا گیا لیسَ بعضهم زیدًا۔ لَایکونُ بعضهم زیدًا۔ اسی کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یُوصِیکُمُ اللّٰہُ الخ ای فان کانت البنات اور یہ اس لئے کہ "اَوْلَاد" کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ جو لڑکا لڑکی دونوں کو شامل ہے، گویا کہ پہلے کہا گیا یوصیکم اللّٰہ فی بنیکم وَبَنَاتِکم پھر کہا گیا: فَاِنْ کُنَّ۔ اور یہی صورت یہاں پر ہے۔

تشریح:۔ مصنف نے اوپر ایک اصول ذکر کیا ہے کہ لایکونُ کی ضمیر کا مرجع وہ بعض ہوتا ہے جو کل سابق سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور اسی اصول کی توضیح کے لئے آیت کو بطور نظیر پیش کیا ہے کہ جس طرح آیت میں کُنَّ کی ضمیر البنات کی جانب لوٹ رہی ہے جو سابق میں مذکور الاَوْلَاد کیلئے بمنزلہ بعض کے ہے۔ کیونکہ الاَوْلَاد کا اطلاق بنین، بنات دونوں صنفوں پر ہوتا ہے۔ اور ایک صنف کا دو صنفوں کے لئے جزء و بعض ہونا بدیہی ہے۔ اب آیت کی تقدیر ہوگی یوصیکم اللّٰہ فی البنین والبنَاتِ للذَّکَرِ مثل حظّ الانثیین فان کانت البنات نسَاءً فوق اثنتین۔ تو جس طرح کُنَّ کی ضمیر کا مرجع بعض مفهوم من الکلّ السَّابق ہے بعینہٖ اسی طرح کلمہ استثنار لایکونُ کا مرجع بھی بعض مفهوم من الکل السَّابق ہوگا۔ اس اصول کی روشنی میں مثال جَاءَ القوم لایکون زیدًا کی تقدیر جَاءَ القوم لایکون بعض القوم زَیدًا ہوگی۔ اور وکذلك هنا کا یہی مطلب ہے۔

نوٹ: شارح نے کلمہ استثنار لایکون کی ضمیر کے مرجع سے متعلق جو بات ذکر کی ہے یہی جمہور نحویوں کا مسلک ہے، اور اسی کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ علماء نحو کے دو مذہب اور منقول ہیں۔

(۱) لایکون کی ضمیر فعل سابق سے مشتق صیغۂ صفت کی جانب لوٹتی ہے۔ مثلاً قام القومُ لیسَ زیدًا۔ اکرمتُ القوم لیسَ زیدًا میں لیسَ کی ضمیر القائم، المکرَم کی جانب بالترتیب لوٹ رہی ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی قام القوم لیسَ ھو۔ ای القائم زَیدًا، اکرمت القوم لیسَ ھو۔ ای المکرَم۔ زَیدًا۔ (۲) لایکون کی ضمیر اس مصدر کی جانب لوٹتی ہے جو کلام سابق سے سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً قام القوم لیسَ زیدًا تقدیر کلام ہے قام القومُ لیسَ القیام قیام زیدٍ۔ مگر مستثنیٰ کے مضاف قیام کو حذف کرکے زَیدًا کو نصب دیدیا گیا چونکہ یہ دونوں مذہب کمزور تھے اسی وجہ سے شارحؒ نے ان کو چھیڑا نہیں۔ (منتہی الارب ص۲۷۱)

لہ اللّٰہ تمکو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ (نساء پ۴)

الثالثۃ: ان تکون الاداۃ «مَا خلا» کقولك: جَاء القوم مَاخلا زیدًا، وقول لبید ابْن رَبِیْعَۃَ الْعَامری الصَّحابی:

۱۲۲۔ اَلَاکُلّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ ÷ وکُلّ نَعِیْمٍ لَاعالۃَ زائِلُ

الرابعۃ: اَنْ تکون الاداۃ «مَاعَدَا» کقولك: جَاء القوم مَا عَدَا زیدًا، وکقول الشاعر:

۱۲۳۔ تُمَلُّ النَّدَامیٰ مَاعَدَانِی، فَاِنَّنِی ÷ بکلّ الَّذِی یَھْوَی نَدِیْمِی مُوْلَعٌ

فالیاء فی موضع نصب، بدلیل لحاق نون الوقایۃ قبلھا، وَحَکَی الجَرمِیُّ و الرَّبَعِیُّ، والاخفش الجر بعد مَاخلا و مَاعدا، وھو شاذ، فلھٰذا لم احفل بذکرہ فی المقدمۃ۔ فَاِنْ قلتَ: لِمَ وجبَ عند الجمھور النصبُ بعد «مَاخلا» و «مَاعَدَا» ومَاوَجْہُ الجر الَّذِی حَکَاہُ الجرمِي والرّجلان۔؟

قلتُ: امّا وجوبُ النصب فلانّ «مَا» الدَّاخلۃ علیھما مصدریۃ، و «ما» لاتدخل الّا علی الجملِ الفعلیۃِ، وامّا جوازا لخفض فعلی تقدیر «مَا» زائدۃ لامصدریۃ وفی ذلك شذوذ، فان المعھود فی زیادۃ «مَا» مع حرف الجر: ان لاتکون قبل الجار والمجرُور، بل بینھما، کما فی قولہٖ تعالیٰ: (عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نادِمِیْنَ) (فَبِمَا نَقْضِھِمْ مِیْثَاقَھُمْ لَعَنَّاھُمْ) (مِمَّا خَطِیْئَاتِھِمْ اُغْرِقُوا) وقولی «مطلقًا» رَاجعٌ الی المسَائلِ الاربع، ای: سَواء تقدم الایجابُ اَو النفی اَوْ شبھہ،

تیسری صورت یہ ہے کہ کلمۂ استثنار «مَاخلا» ہو جیسے جَاء القوم مَاخلا زَیْدًا، اور جیسے لبید رض کا قول: اَلَاکُلُّ شَیْءٍ الخ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ کلمۂ استثنار «مَاعَدَا» ہو جیسے جَاء القوم مَاعَدَا زیدًا،

سلہ آگاہ ہوجاؤ اللہ کے علاوہ ہر چیز بے فائدہ و بیکار ہے۔ اور لا محالہ ہر نعمت فنا ہونے والی ہے۔
محل استشہاد مَاخَلَا اللّٰہ ہے کہ اللّٰہ، مَاخَلَا کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ کیونکہ جو اسم مَاخَلَا کے بعد واقع ہوتا ہے وہ مَاخَلَا کا مفعول بہ ہونیکی بنا پر منصوب ہوتا ہے۔ اور خلا فعل ہے اسلئے کہ اس پر مَا مصدریہ داخل ہے، جو فعل پر ہی داخل ہوتا ہے۔ اور جرمی و ربعی کے مذہب کے مطابق مَا زائدہ ہے۔ اور خلا حرف جر ہے۔
اسی وجہ سے اس کا مدخول «اللّٰہ» مجرور ہوگا۔

اورشاعر کا قول تمل النّدامی[1] الخ چنانچہ (مَاعَدَانِی کی) یا محل نصب میں ہے اس سے پہلے نون[2] وقایہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے، اور جرمی، ربعی اور اخفش نے مَاخَلاَ، مَاعَدَا کے بعد جر بیان کیا ہے۔ جو شاذ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے متن میں اس کے ذکر کو ابھارا نہیں (یعنی ذکر نہیں کیا)۔

اعتراض : جمہور کے نزدیک مَاخَلاَ، مَاعَدَا کے بعد نصب کیوں ضروری ہے۔ اور اس جر کی کیا دلیل ہے۔ جیسے جرمی اور دونوں بزرگوں نے نقل کیا ہے۔

جواب :۔ نصب کا وجوب تو اسلئے ہے کہ خَلاَ، عَدَا پر داخل ہونے والا "مَا" مصدریہ ہے۔ اور "مَا" مصدریہ صرف فعلیہ جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ اور رہا جر کا جواز تو وہ "ما" کو زائدہ ماننے کی صورت میں ہے نہ کہ مصدریہ۔ اور اس میں شذوذ (قاعدہ سے دوری) ہے۔ کیونکہ حرف جر کے ساتھ "مَا" کے زیادہ ہونے کے بارے میں معہود (متعارف) یہ ہے کہ "مَا" جار اور مجرور سے پہلے نہیں آتا ہے۔ بلکہ جار اور مجرور کے درمیان میں آتا ہے جیسے باری تعالیٰ کے ارشادات عَمَّا قَلِیْلٍ[3] الخ فَبِمَا نَقْضِهِمْ[4] الخ مِمَّا خَطِیْئَاتِهِمْ[5] الخ میں ("ما" جار اور مجرور کے درمیان میں آیا ہے) اور میرے قول "مطلقاً" کا تعلق چاروں صورتوں سے ہے یعنی خواہ اس سے پہلے کلام موجب ہو یا منفی یا مشابہ منفی۔

---

[1] مَلَّ (س) مَلاَلَۃً اکتانا، نَدَامٰی، نَدْمَان کی جمع ہے، شراب کا ساتھی، ہمنشین۔ یَهْوٰی (س) هَوًی محبت کرنا، چاہنا۔ مُوْلَعٌ فریفتہ، ندیم بمعنی ہمنشین۔
"میرے سوا تمام ہمنشیں اکتا جاتے ہیں۔ میں ہر اس چیز پر فریفتہ ہوں جسے میرا ندیم چاہتا ہے"۔ محل استشہاد : مَاعَدَانِی ہے۔ کیونکہ مَاعَدَا یہاں فعل ہے، حرف نہیں۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس پر مَا مصدریہ داخل ہے جو افعال ہی پر آتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یاء متکلم سے پہلے نون وقایہ داخل ہے۔ جو فعل پر ہی آتا ہے۔ جیسے ضربنی یضربنی، اور حروف میں سے عن اور من کے علاوہ کسی بھی حرف پر نون وقایہ داخل نہیں ہوتا۔ اگر شاعر عَدَا کو حرف مانتا تو "لی"، "الیّ"، "علیّ" کی طرح عدای کہتا۔ عَدَانِی نہ کہتا۔ ضمیر ھو جو واجب الاستتار ہے اس کا فاعل ہے اور یاء ضمیر متکلم بربناء مفعول بہ محلاً منصوب ہے۔
[2] نون وقایہ وہ نون ہے جو اعراب فعل کو بچانے کی خاطر فعل اور ضمیر متکلم کے درمیان لایا جاتا ہے جیسے ضربنی، یضربنی۔ [3] تھوڑی ہی مدت میں صبح کو پچھتاتے رہ جائیں گے۔ (پ ۱۸ ع ۳)
[4] سو ان کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی۔ پ ۶ ع ۷)
[5] وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈبائے گئے۔ (پ ۲۹ ع ۱۰)
تینوں آیتوں میں مَا زائدہ حرف جر اور مجرور کے درمیان داخل ہے۔

الخامسة: ان تكون الاداة "الا"، وذلك في مسألتين۔

إحداهما: أن تكون بعد كلام تام موجب، ومرادى بالتام ان يكون المستثنى منه مذكورًا، وبالايجاب ان لايشتمل على نفي ولا نهي ولا استفهام، وذلك كقوله تعالى: (فشربوا منه الا قليلا منهم) وقوله تعالى: (فسجد الملائكة كلهم أجمعون الا ابليس) الثانية: ان يكون المستثنى مقدمًا على المستثنى منه، كقول الكميت يمدح أل البيت رضى الله عنهم۔

۱۲۷۔ وَمَالِيَ اِلَّا اٰلَ اَحْمَدَ شِيْعَةٌ ÷ وَمَالِيَ اِلَّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبُ

(مستثنیٰ پر نصب کی) پانچویں صورت یہ ہے کہ حرفِ استثناء "اِلَّا" ہو۔ اور یہ دو صورتوں میں ہوتا ہے۔ اوّل یہ کہ اِلَّا کلامِ تام موجب کے بعد واقع ہو۔ اور تام سے میری مراد یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور موجب سے مراد یہ ہے کہ اس کلام میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَشَرِبُوا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّا اِبْلِيْسَ[1] دوسری یہ کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے مقدم ہو جیسے اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف میں کمیت کا قول: وَمَالِيَ اِلَّا الخ[2]

ولمّا انتهيتُ الى هنا استطردتُ في بقية انواع المستثنى، وان كان بعض ذلك ليس من المنصوبات البتة، وبعضه متردّد بين باب المنصوبات وغيرها، فذكرت ان الكلام اذا كان غير ايجاب — وهو النفي والنهي والاستفهام — فان كان المستثنى منه محذوفًا فلا عمل لِـ "الا"، وانما يكون العمل لما قبلها، ومن ثمّ سمّوه استثناء مفرّغًا، لانّ ماقبلها قد تفرّغ للعمل فيما بعدها،

---

[1] پھر ان تمام فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ (پ۲۳ع۲) [2] میرے مددگار سوائے آلِ محمد کے اور کوئی نہیں۔ اور راہِ حق کے علاوہ میری کوئی راہ نہیں۔ محلِ استشہاد "اِلَّا اٰلَ احمد" اور "اِلَّا مذهبَ الحق" ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ پر مقدم ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ شعر کی اصل عبارت وَمَالِي شيعة الّا آل احمد، وَمَالِي مذهب الّا مذهب الحق ہے مگر ضرورتِ شعری کی بنا پر دوسرے مصرعہ میں تقدیم و تاخیر کی گئی۔
اور یہ نصب بربنا استثناء ہے، بربنا بدل نہیں۔ کیونکہ اگر شیعه اور مذهب سے آل احمد اور مذهب الحق کو بدل قرار دیکر نصب مانیں تو متبوع کا مؤخر اور تابع یعنی بدل کا مقدم ہونا لازم آئیگا۔ جو ناجائز ہے۔

ولم يَشغله عنه شيء، تقول: مَا قَامَ إلَّا زَيْدٌ۔ فترفع زيدًا على الفاعلية؛ وَمَا رَأيتُ الَّا زَيْدًا، فتنصبه على المفعولية، وَمَا مَرَرْتُ إلَّا بزيدٍ، فتخفضه بالباء، كما تفعل بهن لو لم تذكر إلَّا۔

جب میں (مستثنیٰ کی بحث کرتے کرتے) یہاں تک پہونچا تو استثناء کے بیان کو جامع بنانے کے لئے مستثنیٰ کی بقیہ اقسام میں لگ گیا۔ اگرچہ ان میں سے بعض تو بالکل منصوب ہی نہیں ہیں (جیسے جاءَ نِي القومُ سِوَى زَيْدٍ) اور بعض منصوبات وغیر منصوبات کے درمیان متردد ہیں (جیسے جاءَنِي القوم حَاشَا زَيْدٍ۔ زَيْدًا) چنانچہ میں نے بیان کیا کہ کلام جب غیر موجب یعنی (اس میں نفی، نہی اور استفہام ہو تو اگر مستثنیٰ منہ محذوف ہو تو "الّا" کا کوئی عمل نہیں ہوگا۔ (بلکہ) عمل صرف ماقبل کا ہوگا۔ اسی وجہ سے نحویوں نے اس کو استثناء مفرغ کا نام دیا ہے۔ کیونکہ ماقبل اس کے مابعد میں عمل کے لئے خالی ہو گیا ہے۔ اور کسی چیز نے اس (عمل) سے اس کو باز نہیں رکھا۔ آپ کہتے ہیں مَا قَامَ الّا زَيْدٌ اس میں آپ زید کو فاعل ہونے کی بنا پر رفع دیں گے۔ اور (جیسے) مَا رَأيتُ اِلَّا زَيْدًا۔ اس میں آپ زید کو مفعول ہونے کی بنا پر نصب دیں گے، اور (جیسے) مَا مَرَرْتُ الّا بزيدٍ اس میں آپ زید کو بار کیوجہ سے جر دیں گے۔ جیساکہ اگر اِلَّا مذکور نہ ہوتا تو آپ ان مثالوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے۔

وان كان المستثنى منه مَذكورًا، فامّا ان يكون الاستثناء متصلًا — وهو ان يكون (المستثنى) داخلًا فِي جنسِ المستثنىٰ منه اَوْ منقطعًا — وهو ان يكون غير داخلٍ — فَإنْ كانَ مَتصلًا جازَ فِي المستثنىٰ وَجْهَانِ: اَحَدُهُمَا — وهو الراجح۔ اَنْ يُعْرَبَ بإعْرَابِ المستثنىٰ منه على ان يكون بدلًا منه بَدَل بعض من كلٍ، والثاني: النصبُ على اصلِ الاستثناء، وهو عربي جيد، مثال ذٰلك فِي النفي قوله تعالىٰ (وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ) اَجْمَعَتِ السَّبعة على رفع (انفسهم)، وَقَالَ تعالىٰ: (مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ) قرأ السَّبعة الّا ابن عامرٍ برفع (قليل) على انّهُ بَدَلٌ مِنَ الواوِ فِي (فَعَلُوه) كانّهُ قيل: مَافعلهُ الّا قليلٌ منهم، وقرأ ابنُ عامرٍ وحدهُ (الّا قليلًا) بالنصب، ومثاله فى النهى قوله تعالىٰ: (وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَأَتَكَ) قرئ بالرّفع والنصب، وَمثالهُ فِي الاستفهام قوله تعالىٰ: (وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الضَّالُّوْنَ) اجمعت

السَّبعة على الرفع على الابدالِ من الضميرِ المستترِ فی (یقنط) ولو قُرِیٔ (الضالّین) بالنصبِ علی الاستثناءِ لم یمتنع، ولٰکنّ القراءۃ سُنّۃ متبعۃ۔

اور اگر مستثنیٰ منہ (محذوف نہو بلکہ) مذکور ہو تو یا تو استثنار متصل ہوگا اور وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی نوع میں شامل ہو، یا منقطع ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ (مستثنیٰ منہ کی نوع میں) شامل نہو، لہٰذا اگر متصل ہوگا تو مستثنیٰ میں دو صورتیں جائز ہیں۔ انمیں سے ایک جو راجح ہے یہ ہے کہ مستثنیٰ کو، مستثنیٰ منہ سے بَدل البعض من الکل ہونیکی بنا پر، مستثنیٰ منہ جیسا اعراب دیا جائے۔ دوسری (صورت) استثنار کی بنیاد پر نصب ہے۔ اور یہی عمدہ (اور استعمالی) عربیت ہے۔ بشکل نفی اسکی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَلَمْ یَکُنْ الخ[1] ہے۔ قرار سبعہ کا اَنْفُسُھُمْ کے رفع پر اتفاق ہے۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا فَعَلُوہُ الخ[2] (اس کو بھی) ابن عامر کے سوا دیگر قرار سبعہ نے فعلوہ کے واو (ضمیر جمع) سے بَدل ہونے کی بنا پر قَلِیْل کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا کہ مَا فَعَلَهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْھُمْ کہا گیا۔ اور تنہا ابن عامر نے "اِلَّا قَلِیْلًا" کو (بربنار استثنار) نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور بشکل نہی اس کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ الخ[3] ہے۔ اِمْرَاَتَكَ کو رفع، نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور بشکل استفہام اس کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَمَنْ یَّقْنَطُ الخ[4] ہے۔ قرار سبعہ نے (الضَّالُّوْنَ کے) یقنط کی ضمیر مستتر سے بَدل ہونے کی بنا پر رفع (وْنَ) پر اتفاق کیا ہے۔ اور اگر استثنار کی بنیاد پر الضَّالِّیْنَ یعنی نصب کے ساتھ پڑھا جاتا تو بھی ناجائز نہ ہوتا۔ لیکن قرارت (میں) اتباعی (و توفیقی) طریقہ (لازم) ہے۔ (یعنی قرارت میں نحوی صرفی اور رسمی اصول نہیں چلائے جاتے بلکہ جو طریقہ نقلاً بعد نقل متواتر ہوکر چلا آیا ہے اسی کی اتباع لازم ہے۔

---

[1] اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہو۔ (پ۱۸ ع۷) اَنْفُسُھُمْ کا رفع شہدار سے بَدل البعض ہونیکی بنا پر ہے۔

[2] بجز معدودے چند لوگوں کے اُن میں سے کوئی بھی اس حکم کو نہ بجا لاتا۔ (پ۵ ع۶)

[3] اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھے مگر آپ کی بیوی (کہ وہ دیکھے گی)، اِمْرَاَتَكَ پر رفع بربنار بَدل البعض ہے۔ اور نصب بربنار استثنار متصل ہے۔ مگر حضرت تھانوی اس کو منقطع مان کر کہتے ہیں وھو خالی من التکلف اسی وجہ سے ترجمہ کیا ہے۔ ہاں مگر آپ کی بیوی نہ جاوے گی۔ ۱۲

[4] بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے۔ (پ۱۴ ع۴)

وان کان منقطعًا فالحجازیون یوجبون نصبه، وهی اللغة العُلیا، ولهذا اَجمعت السّبعة علی النصب فی قوله تعالیٰ: (مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ) وقوله تعالیٰ: (وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی) ولو اُبدِل ممّا قبلهٗ لقُرِئ برفع (الّا اتّباعُ) و(الا ابتغاءُ) لانّ کلّا منهما فی موضع رفع، امّا علی انّهٗ فاعِل بالجار والجرور المعتمدِ علی النفی، وَامّا علی انّهٗ مُبتدأ تقدم خبرہٗ علیه، والتمیمیون یجیزون الابدال ویختارون النصبَ، قال الشاعر:

۱۲۵- وبلدة لیس بها انیسُ　　الّا الیعافیرُ والّا العیسُ

فابدلَ الیعافیرَ والعیسَ من انیس، ولیس من جنسه۔

وذکرت ایضًا ان المستثنیٰ بغیر وسوی مخفوض دائمًا، لانهما ملازمانِ للاضافة لمَا بعدها فکل اسمٍ یقع بعدهُما فهمَا مضافان الیه، فلذلك یلزمه الخفضَ وان المستثنیٰ بخلا وعدا وحاشا یجوز فیه الخفض والنصبُ، فالخفض علی ان یُقدّرنَ حروف جرّ، والنصب علی ان یقدّرنَ افعالًا استترفاعلهن والمستثنیٰ مفعول، هٰذا هو الصّحیح، ولَمْ یجوّز سیبویه فی المستثنیٰ بِہ "عَدَا" غیر النصب، لانهٗ یریٰ انها لاتکون الّا فعلًا، ولا فی المستثنیٰ بِہ حاشاہ غیر الجرّ، لانهٗ یریٰ انها لاتکون الّا حرفًا۔

اور اگر استثنار منقطع ہو تو اہلِ حجاز اس پر نصب کو لازم کہتے ہیں۔ اور یہی اعلیٰ (ومعیاری) لغت ہے۔ اسی وجہ سے قرار سبعہ نے باری تعالیٰ کے ارشاد مَالَهُمْ بِهٖ[1] مِنْ الخ اور وَمَا لِاَحَدٍ[2] الخ میں (اتباع، ابتغاء کے) نصب پر اتفاق کیا ہے۔ اور اگر ان کو ماقبل سے بدل مانا جاتا تو الّا اتّباع اور الّا ابْتِغاء کا رفع پڑھا جاتا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک محلِ رفع میں ہے۔

---

[1] ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے۔ (پ ۶ ع ۲) الظن غیر العلم فاحدُهُما لیسَ من جنس الآخر۔ [2] اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے، اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اُتارنا ہو۔ (پ ۳۰ ع ۱۱)

ابتغاء وجه الربه، غیر النعمة، فهو لیس مِنْ جنسها لذٰلك کان الاستثناء فی الآیتین منقطعًا۔

(رفع) یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ (یعنی اتباع اور ابتغاء میں ہر ایک) اس جار مجرور (لَهُمْ اور لِأَحَدٍ) کا فاعل ہے جس کا نفی پر اعتماد ہے اور یا اس وجہ سے کہ مبتدأ ہے جس کی خبر (لَهُمْ اور لِأَحَدٍ) پہلے آچکی ہے۔ اور بنو تمیم بدل بنانا جائز قرار دیتے ہیں۔ اور نصب کو بہتر سمجھتے ہیں۔ شعر۔ وَبَلْدَةٍ لَيْسَ الخ کہ (اس میں) الیعافیر اور العیس کو انیس سے بدل قرار دیا گیا ہے جبکہ وہ (دونوں) انیس کی قبیل سے نہیں ہیں۔

اور میں نے یہ بھی بیان کیا کہ غیر اور سِوٰی کے ذریعہ (واقع) مستثنیٰ ہمیشہ مجرور ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کی مابعد کی جانب اضافت لازم ہے۔ چنانچہ ہر وہ اسم جو ان دونوں کے بعد واقع ہوتا ہے اسکے یہ دونوں مضاف بنتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس اسم پر جر لازم ہوتا ہے۔ اور (میں نے ذکر کیا) یہ کہ خَلَا، عَدَا اور حَاشَا کے ذریعہ واقع مستثنیٰ میں جر اور نصب (دونوں) جائز ہیں۔ جر تو ان کو حروفِ جر مانے جانے کی بنا پر ہے۔ اور نصب ان کو اَفعال قرار دیئے جانے کی بنا پر ہے، جس کا فاعل پوشیدہ ہے اور مستثنیٰ مفعول ہے۔ یہی صحیح ہے۔ اور سیبویہ نے تو مستثنیٰ بہ عَدَا میں نصب

له یَعَافِیْر یَعْفُور کی جمع ہے مٹیالہ رنگ کی ہرن، یا بیل گائے کا بچہ۔ عیس جمع ہے اعیس یا عیسَاء کی۔ وہ اونٹ جس کی سفیدی میں زردی یا ہلکی سیاہی شامل ہو۔
شعر کی ترکیب ہے۔ واؤ حرفِ جر بمعنی رب، بلدۃ موصوف مجرور ہے، اور لیس الخ صفت ہے، اور جار مجرور سکنت فعل محذوف کے متعلق ہے اور الّا الیعافیر اپنے معطوف سے ملکر انیس سے بدل ہے۔ ترجمہ شعر کا ہوگا میں نے بہت سے ایسے شہروں میں سکونت اختیار کی جن میں ہرنوں اور اونٹوں کے علاوہ کوئی مانوس شخص نہیں ہے۔
محل استشہاد: الّا الیعافیر والّا العیس ہے جو انیس سے بدل ہونے کی بنا پر رفع میں اسکے تابع ہیں۔
اور بنو تمیم نے بدلیت کے درست ہونے کے لئے (متن میں) جو شرط لگائی ہے کہ اس کو مفرغ بنانا درست ہو وہ بھی پائی جارہی ہے۔ چنانچہ اگر آپ اس کو مفرغ بناکر یوں کہیں لیس لها الّا الیعافیر الخ تو بھی مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

نوٹ: — یعافیر اور عیس چونکہ انیس (مانوس شخص) کی قبیل سے نہیں ہیں اسلئے یہ استثناء منقطع ہے۔ مگر سیبویہ نے اس کو استثناء متصل مانا ہے۔ اور اسکے لئے ان کو مستثنیٰ منہ کے مفہوم میں تعمیم کرنا پڑی کہ انیس سے مانوس انسان ہی مراد نہیں بلکہ ہر وہ شئ مراد ہے جو مانوس ہو سکے۔ اور یعافیر و عیس بھی مانوس ہو جاتے ہیں، اس لئے انیس کے مفہوم میں داخل ہوکر استثناء متصل بننا درست ہوگیا۔ گویا کہ عبارت یوں ہوگئی:

لَيْسَ بِهَا شَيْءٌ يُؤْنِسُ اِلَّا الْيَعَافِيْرُ وَاِلَّا الْعِيْسُ۔

کے علاوہ (دوسرا کوئی اعراب) نہیں جائز قرار دیا۔ کیونکہ ان کی رائے ہے کہ یہ فعل ہی ہے (جو نصب کا مقتضی ہے۔ اور نہ ہی مستثنیٰ بہ حاشا میں جر کے علاوہ (کوئی دوسرا اعراب) جائز مانا، اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ حرف (جر) ہی ہے۔

ثم قلتُ: والبواقی خبرُ کانَ واخواتِہا، وخبرُ کادَ واخواتِہا، ویجبُ کونہُ مضارعًا مؤخرًا عنہا، رافعًا لضمیرِ اَسمائِہا، مجردًا مِنْ «اَنْ» بعد افعالِ الشروع، ومقرونًا بہا بعدَ حَرَی واخْلَوْلَقَ، وندرَ تجرُّدُ خبرِ عَسَی واَوْشَکَ، وَاقترانُ خبرِ کادَ وکَرَبَ، ورُبَّمَا رُفِعَ السببِیُّ، بخبرِ عَسَی، فی قولہٖ:

٭ وَمَاذَا عَسَی الحَجَّاجُ یَبْلُغُ جُہْدُہُ ٭

فیمن رفعَ «جہدُہُ» شذوذًا، وَخبرُ ماحُمِلَ علی لیسَ، واسمُ اِنَّ واَخواتِہا۔

م: اور بقیہ منصوبات کَانَ اور اسکے اخوات کی خبر ہیں۔ اور کَادَ اور اسکے اخوات کی خبر ہیں۔ اور اس کَادَ کی خبر کا مضارع ہونا کَادَ اور اسکے اخوات سے مؤخر ہونا اور انکے اَسماء کی (طرف لوٹنے والی) ضمیر کو رفع دینا اور افعالِ شروع کے بعد «اَنْ» سے خالی ہونا، اور حَرَی اور اِخْلَوْلَقَ کے بعد اَنْ کے ساتھ مقرون ہونا ضروری ہے۔ اور عَسٰی واَوْشَکَ کی خبر کا (اَنْ سے) خالی ہونا نادر الوقوع ہے۔ کَادَ وکَرَبَ کی خبر کا (اَنْ سے) مقرون ہونا (بھی نادر الوقوع ہے) اور کبھی عسٰی کی خبر کی وجہ سے سببی[1] کو رفع دیا گیا ہے۔ چنانچہ شاعر کے قول وَمَاذَا عَسَی الخ[2] میں ان لوگوں کے نزدیک جنہوں نے

---

[1] سببی اس اسم ظاہر کو کہتے ہیں جو عسٰی کے اسم کی جانب لوٹنے والی ضمیر کا مضاف ہوتا ہے۔ جیسے مَاذَا عَسَی الحَجَّاجُ الخ میں جُہْدُہُ اسم ظاہر ہے اس کی اضافت عسٰی کے اسم یعنی حجاج کیطرف لوٹنے والی ضمیر کی جانب ہے۔ دوسری مثال جیسے عَسَی العَامِلُ اَن ینجحَ عملُہ۔ (النحو الوافی ۱؍۶۷)

[2] یہ مصرعہ فرزدق کے شعر کا ہے جس کا دوسرا مصرعہ ہے اذا نحنُ جاوزنا حفیرَ زیاد۔ حفیر زیاد ایک مقام کا نام ہے جو بصرہ سے پانچ دن کی مسافت پر تھا۔

ترجمہ: اور کیا قریب ہے کہ حجاج کی کوشش پہونچ جائے؟ (یعنی وہ ہم کو پکڑنے میں کامیاب ہوجائے) جب ہم حفیر زیاد کو پار کرلیں (ہرگز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ حفیر زیاد حجاج کی حدود مملکت سے باہر ہو) محلِ استشہاد: اس شعر سے نحویوں نے دو چیزوں پر استدلال کیا ہے۔ (۱) وہ استدلال جو مصنف کا مقصود نہیں یہ ہے کہ عسٰی کی خبر فعل مضارع آئی ہے جو غیر مقترن بان ہے۔ (۲) جس کا مصنف نے یہاں قصد کیا ہے یہ ہے کہ یبلغ جہدہ میں فعل مضارع جو عسٰی کی خبر بن رہا ہے۔ اس نے عسٰی کے اسم کو رفع دیا ہے جسکی اضافت اس ضمیر کی جانب ہے جو عسٰی کے اسم کی جانب لوٹ رہی ہے یعنی ضمیر کو رفع دینے کے بجائے سببی کو رفع دیا ہے۔ اور یہ صرف عسٰی میں درست ہے۔ اسکے علاوہ دیگر افعال میں جائز نہیں۔

جُهْدَهٗ کو رفع پڑھا ہے، دو شذوذ ہیں۔ اور (بقیہ منصوبات میں سے) اس "ما" کی خبر ہے جس کو لیسَ پر محمول کیا گیا ہے۔ اور "اِنَّ" اور اس کے اخوات کا اسم ہے۔

واقول: العَاشِرمِنَ المنصُوبات: خبرُ "کان" وَاخواتِها، نحو: (وَکَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا) (فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا) (لَيْسُوا سَوَاءً) (وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا)۔

اَلحادِی عشر: خبر کادَ واخواتها، وقد تقدّم فی باب المرفوعاتِ أنّ خبرهن لایکونُ الّا فعلًا مضارعًا، وذکرتُ هنا انهٗ ینقسم — باعتبارِ اقترانه بـ "اَنْ" وتجرّدِهٖ منها — اَربعة اقسامٍ۔

اَحَدُها: مایجبُ اقترانهٗ بها، وهو حَرَی واخْلَوْلَقَ، تقول: "حَرَی زَیْدٌ ان یفعلَ" و "اخلولقتِ السَّمَاءُ اَنْ تُمْطِرَ" ولااعرف مَنْ ذَکَرَ "حَرَی" من النحویین غیرابن مالكٍ، وتوهّم ابوحَیّان انّهٗ وَهِمَ فیها، وَاِنّما هِی حَرًی بالتنوین اسمًا لافعلًا، وَابوحیّان هوالواهِمُ، بَل ذکرها اصحابُ کُتُبِ الافعالِ من اللغویین، کالسَّرَقُسطیّ وابن طریف، وانشدوا علیها شعرًا، وهو قول الاعشی:

۱۲۶- إن یقُل هُنَّ من بنی عَبْدِ شمسٍ ... فحَرَی ان یکون ذَاكَ وکانا

القسم الثانِی: مَا الغالبُ اِقترانهٗ بها، وهو عَسٰی وَاَوْشَكَ، مثال ذِکرِ "أنْ" قول الله تعالیٰ: (عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ) وقول الشاعر:

۱۲۷- وَلَوْ سُئِلَ النَّاسُ التراب لَاَوْشَکُوا ... اِذَا قِیلَ هَاتُوا اَنْ یَمَلُّوا فَیَمْنَعُوا

وَمِثالُ ترکها قَوْلُ الشاعِر:

ف شعر میں ایک شذوذ تو یہ ہے کہ عسٰی کی خبر پر "ان" کا دخول نہیں ہے جبکہ اس کی خبر پر "ان" ہونا چاہئے۔ دوسرا شذوذ "جهده" پر رفع پڑھنے کی بنا پر لازم آرہا ہے کہ یبلغ جو عسٰی کی خبر ہے اس کا اسم عسٰی کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے خالی ہونا لازم آئے گا، جبکہ مضارع میں اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہونا چاہئے۔

۱۲۸۔ عسیٰ فرجٌ یاتی بہِ اللہ اِنّہٗ　　لہٗ کلّ یومٍ فی خلیقتہٖ امرُ

وقول الآخر :

۱۲۹۔ یُوْشِكُ مَنْ فَرَّ مِنْ مَنِیَّتِہٖ　　فی بعضِ غِرَّاتِہٖ یُوَافِقُھَا

ش : دسواں منصوب کَانَ اور اس کی اخوات کی خبر جیسے وَکَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا[1]، فَاَصْبَحْتُم الخ[2] لَیْسُوْا سَوَاءً[3]، اور وَاَوْصَانِیْ الخ[4] گیارہواں منصوب کَادَ اور اس کی اخوات کی خبر۔ مرفوعات کے بیان میں یہ بات گذر چکی ہے کہ ان کی خبر صرف فعلِ مضارع ہوتی ہے۔ اور یہاں میں نے یہ ذکر کیا کہ خبر کے اَنْ کے ساتھ مقترن ہونے اور خبر کے اَنْ سے خالی ہونے کے اعتبار سے اس کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ کہ جس کا اَنْ کے ساتھ اقتران ضروری ہے۔ اور وہ حَرٰی اور اِخْلَوْلَقَ ہے جیسے حَرٰی زَیْدٌ اَنْ یفعل[5] اور اخلولقتِ السَّمَاءُ ان تمطر[6]۔ اور نحویوں میں سے ابن مالک کے علاوہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے "حَرٰی" کو (اس قسم میں) ذکر کیا ہو۔ اور ابو حیان کا خیال یہ ہے کہ ابن مالک کو اس میں غلط فہمی ہوگئی ہے (بلکہ) وہ تو حرًی ہے تنوین کے ساتھ اسم مان کر نہ کہ فعل، اور غلط فہمی میں مبتلا ابو حیان ہی ہیں۔ بلکہ لغویوں میں سے افعال کی کتابوں کے مصنفین مثلاً سرقسطی اور ابن طریف نے اس کو ذکر کیا ہے، اور اس پر ایک شعر ذکر کیا ہے جو اعشیٰ کا ہے ان یفعل ھن[7]۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں "ان" کا اتصال غالب (عموماً) ہے۔ اور وہ عسٰی اور اَوْشَكَ ہے۔ اَنْ کے ذکر کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد عَسٰی رَبُّکُم الخ[8] اور شاعر کا قول وَلَوْسُئِلَ الخ[9]

---

[1] اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔ پ۱۹ ع ۳ [2] پھر تم خدا تعالیٰ کے انعام سے بھائی بھائی ہوگئے۔ پ۴ ع ۲۔ [3] یہ سب برابر نہیں۔ پ۴ ع ۳ [4] اور اس نے مجھ کو نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا جبتک کہ میں زندہ رہوں۔ پ۱۶ ع ۵) [5] امید ہے کہ زید کرے [6] امید ہے کہ آسمان سے بارش ہو۔ نوٹ : مذکورہ دونوں فعل اور عسٰی خبر کے وقوع کی امید کو بتلاتے ہیں جیسے عَسَی اللہُ اَن یَاتی بالفتح۔ [7] اگر وہ کہے کہ وہ عورتیں قبیلہ عبد شمس کی ہیں۔ تو یہ ہو سکتا ہے اور (ایسا ہی) ہے۔ کانَ کے آخر میں الف اشباعی ہے۔ اور کانَ، یکونُ دونوں فعل ناقص نہیں تام ہیں۔ محلِ استشہاد حَرٰی اَنْ یکون ہے کہ امید پر دلالت کرنے والے فعل "حری" کو اس کی خبر پر اَنْ داخل کرکے استعمال کیا گیا ہے۔

[8] عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرما دے۔ (پ۱۵ ع ۲)

[9] اگر لوگوں سے مٹی مانگی جائے۔ جب ان سے کہا جائے دو۔ تو بہت ممکن ہے کہ لوگ کبیدہ خاطر ہوں جس کے نتیجہ میں وہ منع کردیں۔ محلِ استشہاد لَاَوْشَكُوا ان یملوا ہے کہ اس میں اَوْشَكَ کی خبر فعل مضارع لائی گئی ہے جس پر اَنْ مصدریہ داخل ہے۔ اور یہی کثیر الاستعمال ہے۔

اورانؔ کو چھوڑ دینے کی مثال شاعر کا قول عسٰی فرج الخ[1] اور دوسرے شاعر کا قول یوشك الخ[2] ہے

القسمُ الثالث : مَا يترجّح تجردُ خبرہ من «انْ» وهو فعلان: كادَ وكرب،

مثال التجرّد منها قولهُ تعالٰى: (وَمَا كَادُوا يفعلُونَ) وقول الشاعر:

۱۳۰- كربَ القلبُ مِنْ جَوَاهُ يذوبُ
حِيْنَ قَالَ الْوُشَاةُ: هِنْدٌ غضوبُ

ومثال الاقتران بها قولُ الشاعر:

۱۳۱- كادتِ النفسُ أنْ تفيضَ عَليهِ ... مُذْ ثوى حشوَ رَيطةٍ وبُرُودِ

وقولهُ:

۱۳۲- سَقاها ذَوُو الأحْلامِ سَجْلاً على الظّما
وقد كربتْ اعناقُها انْ تَقطّعا

«تقطّعَ» فِعل مُضارع، وَاَصلهُ تتقطّع فحذف إحْدَى التّاءين، وَلَمْ يذكر سيبويه فى خبر «كَربَ» الّا التجرّد -

القسم الرابع: مايمتنع اقترانُ خبرہ بـ«انْ» وهو افعال الشروع: طَفِقَ، وجَعلَ واَخذ، وعَلِقَ، واَنْشَأَ، وهبَّ، وهَلْهَلَ، قال الله تعالٰى (وَطَفِقَا يخصِفَانِ) وَقَالَ الشاعِرُ:

۸۷- وقَدْ جَعَلْتُ إِذَا مَا قمتُ يُثقِلُنِي
ثَوبِي، فَانهضُ نَهضَ الشارِبِ السَّكِرِ

وَقَالَ الشاعِرُ:

۱۳۳- فاخذتُ اَسْالُ وَالرُّسوم تجيبُنِي ... وفى الاِعتبارِ إِجَابَة وَسُؤَالُ

---

[1] شاید اللہ تعالٰی کشادگی کو لائے۔ کیونکہ اس کا اپنی مخلوق میں کوئی نہ کوئی عمل ہوتا ہے (جسے وہ کرتا ہے) محل استشہاد عسٰی فرجٌ یاتِی بہ اللہ ہے کہ اس میں عسٰی کی خبر فعل مضارع آئی ہے جس پر انْ مصدریہ کا دخول نہیں ہے۔ اور ایسا استعمال بہت کم ہے۔ یہ شعر محمد بن اسمٰعیل کا ہے۔

[2] یہ شعر امیہ بن الصلت کا ہے۔ المنیۃ موت ج منَایَا، غِرّات غِرّۃ کی جمع ہے یعنی غفلت۔ جو شخص اپنی موت سے بھاگتا قریب ہے کہ موت اس کو غفلت میں آدبوچے۔ محل استشہاد یُوَافقھا ہے جو یوشك کی خبر ہونے کے باوجود بغیر انْ مصدریہ کے استعمال ہوا ہے۔ اور یہ استعمال قلیل ہے۔

وقال الآخر:

۱۳۴۔ ؂ أَرَاكَ عَلِقْتَ تَظْلِمُ مَنْ أَجَرْنَا ؂ ——— وقال:

۱۳۵۔ ؂ أَنْشَأْتُ أُعْرِبُ عَمَّا كَانَ مَكْنُونَا ؂ ——— وَقَالَ:

۸۸ — هَبَبْتُ أَلُومُ الْقَلْبَ فِي طَاعَةِ الْهَوٰى ؂ ——— وَقَالَ:

۸۹ — وَطِئْنَا دِيَارَ الْمُعْتَدِينَ فَهَلْهَلَتْ ؂ نُفُوسُهُمْ قَبْلَ الْإِمَاتَةِ تَزْهَقُ

تیسری قسم وہ افعال ہیں جن کی خبر کا اَنْ سے خالی رہنا راجح ہے۔ وہ دو فعل ہیں۔ کَادَ، کَرَبَ۔ اَنْ سے خالی رہنے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَمَا کَادُوْا[1] الخ اور شاعر کا قول کربَ[2] القلب الخ ہے۔ اور اَنْ کے اتصال کی مثال شاعر کا قول کادتِ[3] النفس الخ اور سَقَاھَا[4] الخ ہے۔ تقطع فعل مضارع ہے، اس کی اصل تتقطع ہے، ایک تاء کو حذف کر دیا گیا۔ اور سیبویہ نے کرب کی خبر میں تجرد یعنی اَنْ سے خالی رہنے کا تذکرہ کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کرب کی خبر پر اَنْ کے دخول کو درست یا بہتر نہ سمجھتے ہوں)

---

[1] اور وہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ (پ۱ ع۸) [2] جوی سوزش قلب خواہ بسبب عشق ہو یا بسبب غم۔ الوُشَاۃ واشی کی جمع ہے بمعنی چغلخور۔ شدت غم کے باعث دل پگھلنے کے قریب تھا جس وقت کہ چغلخوروں نے کہا کہ ہند (تم سے) ناراض ہے۔ محل استشہاد: کرب ... یذوب ہے۔ کہ کرب کی خبر پہ اَنْ مصدریہ کا دخول نہیں ہوا۔ اور یہی کثیر الاستعمال ہے۔ یہ شعر یا تو کلحہ یربوعی کا ہے یا قبیلہ طے کے کسی آدمی کا ہے۔

[3] یہ شعر محمد بن مناذر یربوعی کے قصیدہ کا ہے۔ جو عبدالحمید کے مرثیہ میں کہا ہے۔ تفیض (ض) فیضًا فیوضًا مرنا، روح پرواز کرنا۔ ثَوٰی (ض) ثواء قیام کرنا، ٹھہرنا۔ حشو بھراؤ جو غلاف وغیرہ میں بھرا جائے۔ ریطۃ ایک پاٹ کی چادر، چادر نما کپڑا۔ بُرود جمع ہے برد کی۔ دھاری دار کپڑا۔ یہاں مراد میت کا کفن ہے۔
میری ذات قریب تھی کہ اس (عبدالحمید) پر مرمٹے جس وقت کہ اس نے چادر اور کفن کے اندر قیام کیا یعنی جب اس کو کفنایا گیا تو میری جان نکلنے لگی۔ محل استشہاد: کَادَتِ النفس ان تفیض ہے کہ کَادَ کی خبر فعل مضارع ہے جو اَنْ کے ساتھ لایا گیا ہے۔ کَادَ کا یہ استعمال نادر ہے۔

[4] یہ شعر ابو زید اسلمی کے اس قصیدہ کا ہے جس میں اس نے والی مدینہ ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن المغیرہ اور اسکے بھائی محمد کی ہجو کی ہے۔ اس قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

مَدَحْتُ عُرُوْقًا لِلنَّدٰی مَصَّتِ الثَّرٰی ؂ حَدِیْثًا فَلَمْ تَهْمُمْ بِأَنْ تَتَرَعْرَعَا

یعنی میں نے بخشش کی خاطر انکی جڑوں یعنی ماموؤں کی بہت تعریف کی جن کو نئی مالداری ملی تھی مگر انہوں نے حرکت میں آنے اور بڑھنے کا ارادہ ہی نہیں کیا یعنی اسکا مقصد پورا نہیں کیا اور داد و دہش سے محروم رکھا۔
سقاھا کی ضمیر منصوب عروق کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ترجمہ: ان کو عقل والوں (یعنی انکے بھانجے ہشام بن عبدالملک) نے سخت پیاس کی حالت میں ایک ڈول پلایا جبکہ ان کی گردنیں کٹنے کے قریب تھیں۔
محل استشہاد: کربت اعناقھا ان تقطعا ہے کہ شاعر نے کربت کی خبر کو فعل مضارع اَنْ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ نادر ہے۔

چوتھی قسم وہ افعال ہیں جن کی خبر کا اَنْ سے اتصال ممنوع ہے۔ اور وہ افعالِ شروع ہیں۔
طَفِقَ، اَخَذَ، عَلِقَ، اَنْشَاَ، هبَّ اور هَلْهَلَ۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَطَفِقَا[1] يَخْصِفَانِ۔
شاعر کا قول ہے وقد جعلت[2] الخ اور فاخذت[3] الخ اور ایک شاعر نے کہا ہے اراك[4]، انشات[5] الخ،
هببت[6] الخ اور وطئنا[7] الخ۔

النوع الثاني عشر: خبرُ مَا حُمِلَ على ليس، وهو اربعة: اَحَدُها: «لات» كقوله
تعالى: (فَنَادَوا وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ)۔ والثاني: «مَا» كقوله تعالى: (مَاهٰذَا
بَشَرًا)۔ والثالث: «لا» كقول الشاعر:

۹۲۔ تَعَزَّ فَلَا شَيْءٌ عَلَى الاَرضِ بَاقِيًا ‌ ‌ ‌ ‌ وَلَا وَزَرٌ مِمَّا قَضَى اللّٰهُ وَاقِيًا

والرابع: «اِنْ» النافية كقول الشاعر:

۱۳۲۔ اِنْ هُوَ مُسْتَوْلِيًا عَلٰى اَحَدٍ ‌ ‌ ‌ ‌ اِلَّا عَلٰى اَضْعَفِ الْمَجَانِيْنِ

وقد تقدم شرح شروطهن مُسْتوفًى في باب المرفوعات۔

النوع الثالث عشر: اسم «اِنَّ» واخواتها، نحو «ان زَيْدًا فاضلٌ» و «لَعَلَّ
عمرًا قادمٌ» و «ليت بكرًا حاضرٌ»۔

---

[1] دونوں اپنے اُوپر جنت کے پتے چپکانے لگے۔ (پ ۸ ع ۹) [2] کھڑے ہونے کے وقت (بڑھاپے میں) مجھے کپڑے بھی بھاری معلوم ہونے لگے اسو جہ سے میں مست شرابی کی طرح اٹھتا ہوں۔ محل استشہاد: جعلت۔ یشقلنی ہے کہ جَعَلَ فعل شروع کی خبر اَنْ مصدریہ کے بغیر لائی گئی ہے۔ کیونکہ جَعَلَ کی خبر پر اَنْ کا دخول ممتنع ہے۔ [3] الرُّسُوم رَسْم کی جمع ہے، نشان، آثارِ قدم وغیرہ۔ پھر میں پوچھنے لگا اور نشانات مجھے جواب دینے لگے، اور عبرت حاصل کرنے میں سوال، جواب دونوں ہیں۔ یعنی میں گھر کے نقوش وآثار سے اپنی اس محبوبہ کے متعلق پوچھتا تھا جو گھر چھوڑ کر جا چکی تھی، تو مجھے ایسے سوال جواب مل جاتے تھے جن میں میرے لئے سامانِ عبرت تھا۔ محلِ استشہاد: اَخَذَ ہے جو فعل شروع ہے جو معنیً وعملاً شَرَعَ کی طرح ہے۔

[4] دوسرا مصرعہ ہے: وظلم الجار اذلال المجير۔ ترجمہ: میں دیکھتا ہوں کہ تم اس شخص پر ظلم کرنے لگے ہو جس کو ہم نے پناہ دی ہے (اور پناہ دینے کے نتیجہ میں وہ ہمارا پڑوسی ہوگیا) اور پڑوسی پر ظلم کرنا پناہ دینے والے کو ظلم کرنا ہے۔ محلِ استشہاد: علقت تظلم ہے علقت فعل شروع کی خبر کو بغیر اَنْ استعمال کیا گیا ہے جو اصل ہے۔
[5] پہلا مصرعہ ہے لما تبين مين الكاشحين لكم۔ ترجمہ: جس وقت تم سے بغض رکھنے والوں کا جھوٹ سامنے آیا تو میں وہ ظاہر کرنے لگا جو (میرے دل میں) چھپا ہوا تھا۔
[6] میں محبت کی اطاعت میں دل کو ملامت کرنے لگا۔ [7] ہم نے حد سے گذرنے والوں کی بستی میں قدم رکھا تو قتل کرنے سے پہلے ان کی جان نکلنے لگی۔ مؤخر الذکر تینوں شعروں میں محل استشہاد: انشأت اعرب، هببت الوم اور فهلهلت ترقی ہے کہ تینوں افعال شروع کی خبر پر «اَن» اس لئے نہیں آیا کہ ان کی خبر پر «اَن» کا دخول ممتنع ہے۔

(منصوبات میں سے) بارہویں قسم ان (حروف) کی خبر ہے۔ جو لیس پر محمول ہیں۔ اور وہ چار ہیں۔ انہیں ایک لاتَ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد فَنَادَوا[1] الخ دوسرا مَا ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد مَاهٰذَا بَشَرًا[2] تیسرا لَا ہے۔ جیسے شاعر کا قول تعز فلا[3] الخ چوتھا اِنْ نافیہ ہے۔ جیسے شاعر کا قول اِنْ[4] هُوَ الخ۔ ان حروف کی شرطوں کی تشریح پورے طور پر مرفوعات کے باب میں گذر چکی۔

تیرہویں قسم اِنَّ اور اس کی اخوات کا اسم ہے جیسے اِنَّ زَیْدًا فَاضِلٌ، لَعَلَّ عَمْرًا قَادِمٌ، لَیْتَ بَکْرًا حَاضِرٌ۔

ثُمَّ قُلْتُ وَاِنْ قُرِنَتْ بِـ «مَا» المزیدۃ الغِیَتْ وجوبًا، اِلَّا لَیْتَ فَجَوازًا۔

واقول: مثال ذلك (اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ) (کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ)۔

وقول الشاعر:

۱۲۷۔ اَعِدْ نَظَرًا یَا عَبْدَ قَیْسٍ لَعَلَّمَا اَضَاءَتْ لَكَ النَّارُ الْحِمَارَ الْمُقَیَّدَا

وَجْہُ الاستشہاد بہما انہ لولا الغاؤھما لم یصح دخولھما علی الجملۃ الفعلیۃ، وَلٰکانَ دُخولھا علی المبتدأ والخبر واجبًا، واحترزتُ بالمزیدۃ من الموصولۃ، نحو: (اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ): ای اَنَّ الَّذی، بدلیل عودِ الضمیر من (بہ) الیہا، ومن المصدریۃ، نحو «اَعْجَبَنِی اَنَّمَا قُمْتَ»، ای: قِیَامُكَ، وقولہ تعالیٰ: (اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ) یحتملہما، ای: اِنَّ الَّذی صنعوہ، اَوْ اِنَّ صُنْعَھُم، وَعلی التاویلین جمیعًا، فاِنَّ عاملۃٌ واسمہا فی الوجہِ الاول «ما» دون صلتہا، وفی الوجہِ الثانی الاسم المنسبكُ من «ما» وصلتہا،

---

[1] انہوں نے بڑی ہائے پکار کی، اور وہ وقت خلاصی کا وقت نہ تھا۔ (پ ۲۳ ع ۱۰) قولہٗ لات: ھی لا المشبھۃ بلیس عند سیبویہ زیدت علیہا تاء التانیث لتاکید معناھا وھو النفی لان زیادۃ البناء تدل علی زیادۃ المعنی او لاَنَّ التاء تکون للمبالغۃ کما فی علّامۃ واسمہا محذوف ای لیس الحین حین مناص ومذھب الاخفش انہا لا النافیۃ للجنس زیدت علیہا التاء فحین مناص اسمہا والخبر محذوف ای لھم (روح المعانی پ ۲۳ ۱۶۳)

[2] یہ شخص آدمی ہرگز نہیں۔ (پ ۱۲ ع ۱۴) [3] (زمانہ کے مصائب پر) صبر کیجئے۔ روئے زمین پر کوئی چیز باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی جائے پناہ ہے جو اللہ کے فیصلہ سے بچانے والی ہو۔ محل استشہاد باقیا اور واقیا ہے کہ یہ دونوں لا مشابہ بلیس کی خبر ہونیکی بنا پر منصوب ہیں۔ [4] وہ کسی پر غالب آنے والا نہیں ہے مگر اس شخص پر جو پاگلوں میں سب سے زیادہ کمزور ہو۔ محل استشہاد: ان ھو مستولیا ہے کہ۔ ان "نے لیس جیسا عمل کیا کہ مبتدا کو رفع اور خبر کو نصب دیا ہے۔

وَقَالَ النَّابِغَۃُ:

۱۳۸ - قَالَتْ اَلَا لَیْتَمَا هٰذَا الْحَمَامُ لَنَا   اِلٰی حَمَامَتِنَا اَوْ نِصْفُہٗ فَقَدِ

یُرْوٰی بِنَصبِ «الحمام» ورفعہٖ علی الإعمال والإهمال، وذٰلك خاصٌّ بِـ «لیت»، امّا الاعمال فلانّھم ابقوا لھا الاختصاص بالجملۃ الاسمیّۃ فقالوا: «لیتما زیدٌ قائمٌ»، وَلَمْ یَقُوْلُوْا: لیتما قام زیدٌ، وامّا الإھمال فللحَمْلِ علٰی اَخَواتِھا.

م: اور اگر اِنَّ اور اس کی اخوات مَا زائدہ سے جڑ جائیں تو واجبی طور پر یہ ملغٰی ہو جائیں گے، سوائے لیتَ کے کہ وہ جوازًا (ملغٰی ہوگا)۔

ش: اس کی مثال جیسے اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ[1]، کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ[2]، اور شاعر کا قول: اعِدْ نظرًا[3]، ان دونوں (یعنی شعر اور کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ) سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ اگر اِنَّ کا ملغٰی ہونا متحقق نہوتا تو ان دونوں کا جملۂ فعلیہ پر دخول درست نہوتا۔ اور ان دونوں کا مبتدا، خبر پر دخول واجب ہوتا۔ (لہٰذا جملۂ فعلیہ پر دخول ملغٰی ہونے کی دلیل ہے) اور میں نے مزیدۃ (کی قید) سے موصولہ سے احتراز کیا ہے جیسے اَیَحْسَبُوْنَ الخ[4] (ما) بمعنی الّذی ہے۔ ضمیر کے «مَا» کی جانب لوٹنے کی دلیل کی وجہ سے۔ اور (مزیدۃ کی قید سے «ما») مصدریہ سے (احتراز کیا ہے) جیسے اعجبنی انّما قمت بمعنی (اعجبنی) قیامك ہے۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد انما صنعوا الخ[5] (موصولہ و مصدریہ) دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ تقدیر عبارت (موصولہ ماننے کی صورت میں) اِنَّ الّذی صنعوہ یا (مصدریہ ماننے کی

---

[1] معبود حقیقی تو ایک ہی ہے۔ (پ۶ ع۳) اللہ کا مرفوع ہونا اِنَّ کے ملغٰی ہونے کی دلیل ہے۔
[2] گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہنکے لئے جاتا ہے۔ (پ۹ ع۱۵) [3] اے عبد قیس دوبارہ نظر کرلو۔ ممکن ہے آگ تمہارے بندھے گدھے کو روشن (ظاہر و آشکارا) کردے یعنی جب آگ جلے گی تو معلوم ہو جائیگا کہ تمہارے گھر میں گدھا بندھا ہوا ہے۔ گھوڑا نہیں۔ یہ شعر فرزدق نے عبد قیس کی مذمت میں کہا ہے۔ محل استشہاد لَعَلَّمَا اضاءت الخ ہے کہ لعلّ ملغٰی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جملۂ فعلیہ پر داخل ہوا۔ ورنہ اصلاً اس کو جملۂ اسمیہ پر داخل ہونا چاہئے تھا۔
[4] کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیئے چلے جاتے ہیں (پ۱۸ ع۴) آیت میں انّما بمعنی انّ الّذی ہے یعنی ما موصولہ ہے۔ کیونکہ اس کی جانب بِہٖ کی ضمیر لوٹ رہی ہے۔ اگر مَا زائدہ ہوتا تو ضمیر نہ لوٹتی۔
[5] جو انہوں نے بنایا وہ جادوگر کا فریب ہے۔ (پ۱۶ ع۱۲) آیت میں وارد اِنّ کو ملغٰی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ ان کو ملغٰی قرار دینے کے لئے اس کا دخول مَا زائدہ پر ضروری ہے۔ اور آیت میں یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ۔

صورت میں) اِنَّ صُنْعَھُم ہوگی۔ دونوں تاویلوں پر « ان » عامل ہے۔ اور اس کا اسم پہلی صورت میں (حرف) « ما » ہوگا نہ کہ اس کا صلہ (یعنی صنعوا) اور دوسری صورت میں (اس کا اسم) « ما » اور اسکے صلہ سے ملکر بننے والا اسم ہوگا۔ اور نابغہ کا قول ہے قالتؔ الخ عمل دینے اور نہ دینے کے مطابق « حمام » کا نصب اور رفع (دونوں) مروی ہے۔ اور یہ لیت کے ساتھ خاص ہے۔ رہا عمل دینا تو وہ اس لئے کہ انہوں نے اس کے جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہونے کو باقی رکھا۔ چنانچہ « لیتما زیدٌ قائمٌ » کہا ہے، اور لیتما قام زیدٌ نہیں کہا ہے۔ اور رہا عمل نہ دینا تو اس کی اخوات پر محمول کرنے کی بنا پر ہے۔

ثم قلت : ويُخَفَّفُ ذُوالنّونِ منها : فتُلغىٰ لٰكِنَّ وجُوبًا، وكانَّ قليلًا، وإنَّ » غالبًا، وَيغلِبُ مَعَهَا مُهمَلةً اللّامُ وكونَ الفِعلِ التّالِي لهَا نَاسخًا، ويَجِبُ استِتارُ اسمِ اَنَّ » وكَوْنُ خَبرِهَا جُملةً، وكونُ الفعلِ بعدهَا دُعَاءً أوْجَامِدًا أوْمفصُولًا بتَنفِيسٍ أوْ شرطٍ أوْ قَدْ أوْ لَوْ ، ويغلبُ لِـ كَأنْ مَا وَجَبَ لِـ أَنْ إلّا أنّ الفِعلَ بَعدَهَا دائمًا خَبريّ مفصُولٌ بِـ « قد » او « لم » خاصةً۔

وَ اسمُ « لا » النافيةِ للجنسِ، وَإنّما يظهرُ نصبهُ اِنْ كَانَ مُضَافًا أوْ شبهَهُ نحو « لاغلامَ سفرٍ عندنا » و « لاطالِعًا جَبَلًا حَاضِرٌ »۔

وَاقولُ : يجوز في إنَّ وأنَّ ولٰكنَّ وكانَّ اَنْ تخفَّف، استثقالًا للتضعيف فيمَا كثُرَ استِعمالهُ، وتخفيفها بحذفِ نونها المحركة، لانها الْخِرِ۔

ثم انْ كانَ الحرف المخففُ « انّ » المكسورة جَازَ الإهمَالُ والإعمَالُ، والاكثر الإهمَال، نحو (إنْ كلُّ نفسٍ لمَا عليهَا حَافِظٌ)فيمن خفّفَ ميم (لما) وامّا من شدّدهَا فان نافية، ولمّا بمعنى الّا، ومِنْ اعمالِ المخففِ قراءة بعض السّبعة (وان كلًا لمَا ليُوَفِّيَنَّهُمْ)۔

---

[1] فَقَدِ اسم فعل ہے بمعنی یکفی یا اسم ہے بمعنی کافی اور فا رجزائیہ ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی ان حصَل ھٰذا فھُوَ کافٍ لکذا۔ ایک بہت تیز نگاہ والی عورت نے انتہائی بلندی پہ ایک کبوتر کو اڑتے ہوئے دیکھ کر تمنا کی کہ کاش یہ کبوتر پورا یا آدھا ہمارے (ننانوے) کبوتریوں کے ساتھ ملکر ہمارا ہوجاتا تو وہ (سو کی تعداد پورا کرنے کے لئے) کافی ہوجاتا (چنانچہ ایسا ہی ہوا) محلِ استشہاد: لیت ھٰذا الحمام » ہے کہ حمام پر لیت کو عامل ماننے کی تقدیر پر نصب اور ملغیٰ ماننے کی تقدیر پر رفع پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ جواز الامرین صرف لیت کا خاصہ ہے۔

م : حروفِ مشبہ بفعل میں سے نون والے مخفف ہوجاتے ہیں جس کے نتیجہ میں لٰکِنَّ واجبی طور پر اور کَاَنَّ قلت کے ساتھ اور اَنَّ کثرت کے ساتھ ملغٰی ہوجاتا ہے۔ اور مہملہ (غیر عاملہ) ہونے کی حالت میں "اِنَّ" کے ساتھ لام[1] کا ہونا اور اسکے بعد والے فعل کا (فعلِ[2]) ناسخ ہونا کثرت کے ساتھ ہے۔ اور اَنَّ کے اسم کا پوشیدہ ہونا اور اس کی خبر کا جملہ ہونا، اور اسکے بعد والے فعل کا دُعائیہ یا جامد یا حرف تنفیس (یعنی س وسوف) یا حرفِ شرط یا حرف قَدْ یا لَمْ کے ذریعہ مفصول ہونا ضروری ہے۔ اور کَاَنَّ کیلئے عموماً وہی تمام امور ضروری ہیں جو "اَنْ" کے لئے ضروری ہیں۔ مگر یہ کہ اس کے بعد فعل ہمیشہ خبری ہوتا ہے۔ (اور وہ) صرف قَدْ اور لَمْ کے ذریعہ مفصول ہوتا ہے۔

اور (منصوبات میں سے ہے) لائے نفی جنس کا اسم، اور اس پر نصب ظاہر ہوگا اگر وہ اسم مضاف یا شبہ مضاف ہو جیسے لاغلام سفرعندنا اور لاطالعًا جبلاً حاضر۔

ش : اِنَّ، اَنَّ، لٰکِنَّ اور کَاَنَّ کو مخففہ بنانا جائز ہے۔ تشدید کو ان کلمات میں ثقیل رکھنے کی وجہ سے، جن کا استعمال کثیر ہے۔ اور ان میں تخفیف متحرک نون کو حذف کرنے کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہی آخر میں ہے۔ پھر اگر حرف مخفف اِنَّ مکسورہ ہو تو اس کو عمل نہ دینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ اکثری استعمال عمل نہ دینا ہے جیسے اِنْ کُلُّ نَفْسٍ[3] الخ ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے لمَا کے میم مخففہ یعنی غیر مشدد پڑھا ہے۔ اور جن لوگوں نے لما کو مشدد پڑھا ہے تو (انکے نزدیک) اِنْ نافیہ ہے۔ اور لمَا بمعنی اِلَّا ہے۔ اور اِنْ مخففہ کو عمل دینے کی قبیل سے بعض قرا سبعہ کی قرارت

---

[1] اس لام کو لام فارقہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اسی لام سے اِنْ مخففہ اور اِنْ نافیہ میں امتیاز ہوتا ہے۔ اور یہ اِنْ مخففہ ہی کی خبر پر آتا ہے۔ اور مفتوح پڑھا جاتا ہے۔

[2] افعالِ ناسخہ سے مراد وہ افعال ہیں جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور ان کے اعراب کو ختم کر دیتے ہیں۔ جیسے کانَ اور اس کی اخوات، کادَ اور اس کی اخوات۔ ظن اور اس کی اخوات۔

[3] یقیناً ہر شخص پر کوئی یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر ہے۔ (پ۳۰ع۱۱) قوله لما عليها۔ فيه قراءتان الاولى بتشديد الميم لابن عامر وعاصم وحمزة۔ والثانية بالتخفيف للباقين۔ وان على الاول نافية ولما بمعنى الا وان على الثانى اما نافية واللام بمعنى الا وما زائدة واما مخففة من الثقيلة وما زائدة واللام هى الفارقة۔ (وجوه المثانى)۔

صاحب کتاب نے یہ مثال اِنْ کے غیر عاملہ ہونے کی دی ہے۔ اور اسی وجہ سے کُلُّ ہے۔ ورنہ کلَّ نصب کے ساتھ ہوتا۔ اور اگر حمزہ، عاصم اور ابن عامر کی قرارت کے مطابق لمَا کے میم کو مشدد پڑھا جائے تو لما بمعنی اِلَّا ہوگا۔ اور بحث سے خارج ہوگا۔

اِنْ کُلًّا[1] لَمَا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ ہے ۔

وان كانَ المخففُ «أَنْ» المفتوحةَ وجبَ بقاء عَملها، ووجبَ حذفُ اسمِها، ووجبَ كون خبرِها جُملة، ثم ان كانت اسمية فلا اشكال، نحو (أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ)[2] وان كانت فعلية وجبَ كونها دُعائية، سواء كان دُعاءً بخير نحو: (أَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ)[3] أَوْ بِشرٍّ، نحو: (وَالخَامِسَةَ أَنَّ غَضِبَ اللهُ عَلَيْهَا) فِيمَنْ قرأ مِنَ السّبعة بكسرِ الضاد وفتح الباءِ ورفع [اسمِ] الله، أَوْ كونَ الفعلِ جَامِدًا، نحو: (وَأَنْ لَيْسَ للإنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى) (وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُم) أَوْ مفصولًا بواحدٍ من امور، أحدها: النافي، ولم يسمع إلّا في لَنْ ولَمْ ولَا، نحو: (أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يقدِرَ عَليهِ أَحَدٌ) (أَيَحْسَبُ ان لَمْ يَرَهُ أحَدٌ) (وحَسِبُوا ان لا تكون فتنة) فيمن قرأ برفعِ (تكون)، والثاني الشرط، نحو: (وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيكم في الكتابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللهِ يُكْفَرُ بِهَا) الآية، والثالث قد، نحو: (وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا) والرابع: لَوْ، نحو: (أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِم) والخامس حرفُ التنفيس، وهو السّين، نحو: (عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنكُم مَرْضَىٰ) وسَوْف، كقوله

۱۳۹ - وَاعْلَمْ فَعِلْمُ المرءِ ينفعهُ ... أَنْ سَوْفَ يَأْتِي كُلُّ مَا قُدِرَا -

اور اگر حرف مخفف «اَنْ» مفتوحہ ہو تو اس کے عمل کا باقی رہنا، اور اس کے اسم کا حذف کرنا، نیز اس کی خبر کا جملہ ہونا ضروری ہے۔ پھر اگر جملہ اسمیہ ہو تو کوئی اشتباہ (خفا) نہیں (کیونکہ کوئی شرط نہیں ہے) جیسے اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ[2] اور اگر جملہ فعلیہ ہو تو اس کا یا تو دُعائیہ ہونا ضروری ہے، خواہ دُعاءِ خیر ہو جیسے اَنْ بُوْرِكَ الخ[3]

---

[1] اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں کہ (آپ کا رب ان کو (انکے اعمال کا) پورا پورا حصہ دے گا۔ (پ۱۲ ع ۱۱) مصنف نے اس آیت کو اِنْ مخففہ کے عمل پر استدلال میں پیش کیا ہے۔ اور استدلال میں پیش کرنا اسی وقت درست ہوگا جبکہ قراء سبعہ میں سے ابن کثیر اور نافع کی قراءت کے مطابق «ان» مخففہ پڑھنے کے ساتھ «لما» کو مخففہ پڑھا جائے تاکہ کُلًّا کا نصب «ان» کی وجہ سے ماننا صحیح ہو۔ [2] تمام تعریفیں اللہ کو سزاوار ہیں جو ہر ہر عالم کا مربی ہے پ۱۱ ع ۶ ان الحمد للہ سے لیکر عَلِمَ اَنْ سَيَكُونُ الخ تک تمام مثالیں اَنْ مفتوحہ کی ہیں۔ جن میں اسکے عمل کرنے کی جملہ شرائط پائی جاتی ہیں۔ اور ان کا اسم ضمیرہ کو وجوبًا حذف کر دیا گیا ہے۔ اصل عبارت ہوگی انہ الحمد للہ رب العالمین۔

[3] (آواز دی گئی) کہ جو اس آگ کے اندر ہیں ان پر بھی برکت ہو۔ پ۱۹ ع ۱۶)

یا دُعائے بد جیسے والخامسۃ ان الخ قرار سبعہ میں سے ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے ضاد کے کسرہ اور باء کے فتحہ اور لفظ اللہ کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یا فعل کا جامد ہونا (ضروری ہے) جیسے ان لیس الخ وان عسیٰ الخ یا چند امور میں سے کسی ایک کے ذریعہ منفصل ہونا (ضروری ہے) ان امور میں سے نمبر (۱) حرف نفی۔ اور یہ نہیں سُنا گیا ہے مگر لن، لم اور لا میں جیسے أیحسب الخ ایحسب الخ وحسبوا ان لا الخ ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے تکون کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ (۲) شرط جیسے وقد نزل (۳) قد جیسے ونعلم ان الخ (۴) لو جیسے ان لو نشاء الخ (۵) حرف تنفیس۔ اور وہ سین ہے۔ جیسے علم ان الخ اور سوف جیسے شاعر کا قول واعلم فعلم الخ۔

وان کان الحرف «کأنّ» فیعطیٰ لھا ما وجب لأنّ، لکن یجوز ثبوت اسمھا وافراد خبرھا، وقد رُوی قولہ:

۱۴۰۔ وَيَوْمًا تُوَافِينَا بِوَجْهٍ مُقَسَّمٍ   كَأَنْ ظَبْيَةٌ تَعْطُو إِلَى وَارِقِ السَّلَمِ

۱؎ اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو۔ (پ۱۸ ع ۷) اس آیت سے استشہاد اس وقت مکمل ہوگا جبکہ غضب کو قرار سبعہ میں سے امام نافع کی قرارت کے مطابق فعل ماضی معروف اور اللہ کو اس کا فاعل مانا جائے اور اَن کو مخففہ پڑھا جائے۔ اور اگر بقیہ قرار سبعہ کی قرارت اختیار کی جائے بایں طور کہ انّ کو مشدّد اور غضب کو ضاد کے فتحہ کے ساتھ مضاف اور اللہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور مانا جائے تو یہ آیت خارج از بحث ہوگی۔ ۲؎ اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔ (پ۲۷ ع ۷)۔

۳؎ اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آپہونچی ہو۔ (پ۹ ع ۱۲)

۴؎ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ (پ۳۰ ع ۱۵) ۵؎ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسکو کسی نے دیکھا نہیں (پ۳۰ ع ۱۵)

۶؎ اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہیں ہوگی۔ (پ۶ ع ۱۴)

۷؎ اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ کفر ہوتا ہوا سنو تو۔ (پ۵ ع ۱۷)

۸؎ اور ہمارا یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے۔ (پ۷ ع ۵)

۹؎ (اور کیا واقعات مذکورہ نے یہ بات ان کو نہیں بتلائی) کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کر ڈالتے (پ۹ ع ۲)

۱۰؎ اس کو معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے۔ (پ۲۹ ع ۱۴)

۱۱؎ تم یہ بات جان لو (اور آدمی کا جاننا آدمی کو فائدہ دیتا ہے) کہ جو مقدر ہوچکا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ محل استشہاد: ان سوف یاتی ہے کہ ان مخففہ کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ اور ان اور اس کی خبر کے درمیان حرف تنفیس «سوف» کا فصل ہے «انّ» کا اسم وجوباً محذوف ہے۔

بنصب الظبية على انه اسم كان، والجملة بعدها صفة لها، والخبر محذوف، والتقدير: كأنّ ظبيةً عاطيةً هذه المرأةُ، على التشبيه المعكوس، وهو أبلغ، و برفع الظبية على انها الخبر، والجملة بعدها صفة، والاسم محذوف، والتقدير: كأنّها ظبية، وبجرّ الظبية على زيادة «أن» بين الكاف ومجرورها، والتقدير: كظبيةٍ ــــــ وَاذا حُذِفَ اسمها وكان خبرها جملة اسمية لم تحتج لفاصل، نحو قوله:

۱۴۱- وَوَجْهٍ مُشْرِقِ اللَّوْنِ كَأنْ ثَدْيَاهُ حُقَّانِ

او فعلية فُصِلَتْ بـ «قد» نحو:

۱۴۲- لايَهُوْلَنَّكَ اصْطِلاءُ لَظَى الحر بِ فمحذورُها كَأنْ قد ألَمَّا

او لم، نحو: (كَأنْ لَّمْ تَغْنَ بِالأمْسِ)۔

اور اگر حرف «کأنْ» ہو تو عموماً اس کے لئے بھی وہی چیزیں ضروری ہیں جو «ان» کے لئے، لیکن کأن کے اسم کا مذکور ہونا اور اس کی خبر کا مفرد ہونا ضروری ہے۔ شاعر کا قول ویوماً الخ ظبیۃ کے نصب کے ساتھ

لہ وجہ مقسم: خوبصورت چہرہ۔ عطا یعطو گردن دراز کرنا، سر اونچا کرنا، السّلم ایک درخت کا نام ہے جس کے پتوں کو دباغت کے کام میں لاتے ہیں۔ شعر علیاء بن ارقم کا ہے۔ اور جس دن کہ وہ (محبوبہ) آتی ہے اپنے حسین چہرہ کے ساتھ ایسی لگتی ہے کہ وہ ہرن ہے۔ پتہ دار درخت سلم کی جانب گردن دراز کر رہی ہے۔

محل استشہاد: کان ظبیۃ ہے۔ ظبیۃ پر رفع، نصب اور جر تینوں اعراب ممکن ہیں۔ رفع کی صورت میں دو توجیہ ہوں گی۔ (۱) ظبیۃ مبتدا اپنی خبر تعطو سے ملکر «کان» کی خبر اور اس کا اسم ضمیر قصہ ہے جو محبوبہ کی طرف راجع ہے۔ (۲) ظبیۃ موصوف اپنی صفت تعطو سے ملکر کان کی خبر اور اس کا اسم محذوف۔ تقدیر عبارت ہے کأنّھا ظبیۃ۔

نصب کی صورت میں توجیہ ہوگی ظبیۃ، کان کا اسم اور تعطو اسکی خبر مگر یاد رہے کہ کأن کا مخفف ہونیکے باوجود عمل کرنا صرف ضرورت شعری کی بنا پر ہے۔ متن میں نصب کی ایک اور بھی توجیہ مذکور ہے، وہ یہ کہ ظبیۃ موصوف، اور تعطو الخ صفت۔ موصوف صفت سے ملکر کأن کا اسم، اور کأن کی خبر هذه المرأة محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی کأن ظبیۃ عاطیۃ هذه المرأة۔ اس صورت میں تشبیہ معکوس ہے۔ تشبیہ معکوس اس تشبیہ کو کہا جاتا ہے جس میں مشبہ کو مشبہ بہ اور مشبہ بہ کو مشبہ کر دیا جائے۔ اس تشبیہ میں مشبہ کو مشبہ بہ قرار دیکر اس بات کا دعویٰ کرنا ہے کہ وجہ شبہ مشبہ میں اس قدر قوی ہے کہ اس سے دوسرے کو تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جب کہ عموماً وجہ شبہ مشبہ بہ میں قوی ہوتی ہے اسوجہ سے یہ تشبیہ زیادہ بلیغ اور مؤکد ہوتی ہے چنانچہ مذکورہ مثال میں ظبیۃ کو مشبہ اور محبوبہ کو مشبہ بہ بنایا گیا ہے، اس ادعاء پر کہ محبوبہ حسن میں فائق ہے لان وجہ الشبہ یکون اقوی فی المشبہ بہ۔ اور ظبیۃ کے جر کی توجیہ یہ ہوگی کہ ظبیۃ پر جر اس کاف کی وجہ سے آیا ہے جو کأن میں ہے اور أن زائدہ ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی کظبیۃ۔

مروی ہے. کیونکہ وہ کأنْ کا اسم ہے، اور اس کے بعد والا جملہ ظبیۃ کی صفت ہے. اور خبر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ہے کأنْ ظبیۃ عاطیۃ ھٰذہ المرأۃ تشبیہ معکوس کے طور پر۔ اور یہ زیادہ مؤثر ہے۔ اور الظبیۃ کے رفع کے ساتھ، الظبیۃ کے خبر ہونے اور بعد والے جملہ کے صفت ہونے کی بنا پر۔ اور (کأن کا) اسم محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ہے کأنّھا ظبیۃ اور الظبیۃ کے جر کے ساتھ کاف اور اسکے مدخول کے درمیان ان کے زائدہ ہونے کی بنا پر۔ اور تقدیر عبارت ہے کظبیۃ۔ اور جب "کأن" کا اسم حذف ہو اور اس کی خبر جملہ اسمیہ ہو تو کسی فاصل کی ضرورت نہیں. جیسے شاعر کا قول ووجہ[۱] مشرق النحر یا (اسکی خبر) جملہ فعلیہ ہوگی تو "قد" کے ذریعہ فصل کیا جائیگا، جیسے لا یھولنّك[۲] الخ یا لم کے ذریعہ جیسے کأنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ[۳]۔

وان کانَ الحرفُ "لٰکنّ" وجبَ العاؤھا، نحو: (وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ فیمن قرأ بتخفیف النونِ، وعن یونس وَالاخفش اجازۃُ اعمالِھا، ولیس بمسموعٍ، ولا یقتضیہ القیاس، لزوالِ اختصاصِھا بالجُملِ الاسمیۃ، نحو (وَلٰکِن کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ)

النوع الرابع عشر: اسم "لا" النافیۃ للجنسِ، وھو ضربان، معربٌ ومبنیٌّ، فالمعربُ مَا کان مضافًا نحو "لَاغلَامَ سَفَرٍ عندنا، اَوْ شبیھًا بالمضاف، وھو: مَا اتصل بہٖ شیٔ من تمامہٖ: امّا مرفوع بہٖ، نحو "لَاحَسَنًا وَجْھُہٗ مَذمومٌ" اَوْ منصوب بہٖ نحو "لامفیضًا خیرَہٗ مکروہ"، وَ "لاطَالِعًا جبلًا حَاضِرٌ"، اَوْ مخفوض بخافضٍ

---

[۱] واو بمعنی رب ہے۔ ثَدْی پستان۔ حقان تثنیہ ہے حق کا خوشبودان۔ بہت سے چہرے جن کا رنگ اُجلا ہوتا ہے ان کی پستانیں ایسی لگتی ہیں جیسے خوشبودان۔ محلِ استشہاد: "کأنْ ثدیاہ حقانِ" ہے کہ کان کو مخففہ لایا گیا۔ اسکے اسم کو حذف کر دیا گیا اور اسکی خبر (یعنی ثدیاہ حقان) کو جملہ اسمیہ لایا گیا۔ اور معلوم ہو چکا ہے کہ جب خبر جملہ اسمیہ ہو تو کأن اور اس کی خبر کے درمیان کسی فاصل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک روایت وصدر مشرق النحر کأن ثدیاہ حقان بھی ہے۔ یعنی بہت سے ایسے سینے ہیں جن کا بالائی حصہ روشن یعنی اُبھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ روایت ہی دوسرے مصرعہ پر نظر کرتے ہوئے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

[۲] الَمّا میں الَمَّ اِلمامٌ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ الف اشباع کا ہے۔ جنگ کی آگ کا بھڑکنا تم کو خوف زدہ نہ کرے کیونکہ جنگ میں بچنے کی چیز (یعنی مصیبت) گویا کہ سر آپڑی ہے۔ محلِ استشہاد: کأنْ قد الَمّا ہے۔ کہ اس میں کأن مخففہ استعمال کیا گیا ہے محذور کی جانب لوٹنے والی ضمیر غائب محذوف یعنی ہٗ اس کا اسم ہے۔ اور جملہ فعلیہ ماضیہ اسکی خبر۔ اور جب کأن مخففہ کی خبر جملہ فعلیہ مثبتہ ہوتی ہے تو کأن اور خبر کے درمیان قد کے ذریعہ فصل ضروری ہوتا ہے جیسے کہ جملہ مضارعیہ منفیہ اور کان کے درمیان لم کا فصل ضروری ہوتا ہے جیسے کأنْ لَمْ تَغْنَ الخ ہے۔

[۳] گویا وہ آبادی کل یہاں موجود ہی نہیں تھی۔ (پ۱۱ ع ۸)

متعلق بہ نحو «لاخیرًا من زید عندنا»

والمبنی مَاعَدَاذلك، وحُکمُهٗ ان یُبنیٰ علیٰ مَاینصبُ بہٖ لوکان معربًا، وقد تقدّم ذلك مشروحًا فی باب البناءِ۔

اور اگر حرف (مخفف) لٰکِنۡ ہو تو اس کو ملغیٰ کرنا واجب ہے جیسے وَلٰکِنِ اللّٰہُ الخ[1] ان لوگوں کی قراءت کے مطابق جنہوں نے (لکنّ کے) نون کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یونس و اخفش سے اس کو عمل دینے کا جواز مروی ہے۔ جبکہ نہ یہ سنا گیا ہے اور قاعدہ بھی تقاضا نہیں کرتا لکن کے اسمیہ جملوں کے ساتھ خاص ہونے کے زائل ہوجانے کی وجہ سے جیسے وَلٰکِنۡ کَانُوۡا الخ[2]

(منصوبات کی) چودھویں قسم لائے نفی جنس کا اسم ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ معرب، مبنی۔ معرب، وہ اسم ہے جو مضاف ہو جیسے لَاغلامَ سفرٍ عندنا یا مشابہ مضاف ہو۔ اور مشابہ مضاف وہ اسم ہے جس کے ساتھ کوئی ایسی شئی جڑی ہو جس کا تعلق اس کی تمامیت سے ہو۔ وہ (تام کرنیوالا) یا تو اس اسم کی وجہ سے مرفوع ہوگا جیسے لاحسنًا وجهُهٗ مذمومٌ یا اس کی وجہ سے منصوب ہوگا جیسے لَامفیضًا خیرَہٗ مکروہٌ اور لَاطالِعًا جَبلًا حَاضرٌ۔ یا کسی جار کی وجہ سے مجرور ہوگا جیسے لاخیرًا من زیدٍ عندنا۔ اور (لائے نفی جنس کا اسم) مبنی وہ ہے جو اس کے علاوہ ہو۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ معرب ہوتا ہے تو مبنی علیٰ علامۃ النصب ہوتا ہے۔ اور اس کا بیان تفصیلی طور پر مبنی کے باب میں گذر چکا ہے۔

ثُمّ قلتُ: والمضارع بعدَ ناصِبٍ، وَهُوَ «لَنۡ» او «کَی» المصدریۃُ مطلقًا، و«إِذَنۡ» إِنۡ صُدِّرَتۡ وکانَ الفِعلُ مُستقبلًا متصِلًا اَوۡ منفصلًا بالقَسمِ اَوۡ بِـ«لَا» اَوۡ بَعۡدَ «اَنۡ» المصدریۃ نحو (وَالَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـَٔتِیۡ) اِنۡ لَمۡ تُسۡبَقۡ بِعِلمٍ نحو (عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی) فَاِنۡ سُبِقَتۡ بِظَنٍّ فوجهَانِ نحو (وَحَسِبُوۡۤا اَنۡ لَّا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ)۔

---

[1] لیکن اللہ نے ان کو مارا ہے۔ (پ۹ ع۱۶) [2] بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ (پ۱ ع۶) لکن جب مخفف ہوجاتا ہے تو عمل نہیں کرتا۔ کیونکہ عمل کے لئے اس کا جملہ اسمیہ پر داخل ہونا شرط ہے۔ اور مخفف ہوجانے کی حالت میں شرط فوت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اسوقت اس کا دخول جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر ہوتا ہے ــ مگر یونس اور اخفش شرط کے مفقود ہوجانے کے باوجود اس کو عامل مان رہے ہیں۔ اسی وجہ سے مصنف کو مجبورًا کہنا پڑا و لیس بمسموع ولا یقتضیہ القیاس۔ نوٹ:۔ ولکن مخففہ کے جملہ فعلیہ پر داخل ہونے کی مثال مذکورہ آیت ہے اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کی مثال لٰکنِ الراسخون فی العلمِ الخ ہے۔

واقول: هٰذا النوع المكمِّل للمنصوبات الخمسة عشر، وهو الفعل المضارع التالي ناصبًا، والنواصبُ أربعة: لَنْ وكَيْ و إذَنْ وأَنْ ۔

فامّا «لَنْ» فانّها حرفٌ بالاجماع، وهي بَسِيطَةٌ خلافًا للخليل في زعمه انها مركّبة من «لا» النافية و«ان» الناصبة، وليست نونها مُبدلة من الف خلافًا للفراء في زعمه ان اصلها «لا»، وهي دَالة على نفي المستقبل، وعاملة النصب دائمًا، بخلاف غيرها من الثلاثة، فلهذا اقدمتها عليها في الذكر، قال الله عز وجل: (لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِيْنَ) (فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ) (اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ) (اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ) و«أنْ» في هاتين الأيتين مخففةٌ من الثقيلة، واصلها انّه، وليست الناصبة، لانّ الناصبَ لايدخل على الناصب

م: اور (منصوبات میں سے) مضارع ہے جو (عامل) ناصب کے بعد واقع ہو۔ اور وہ ناصب لَنْ[1] اور کَیْ[2] مصدریہ ہیں ہر حال میں (یعنی بلا شرط) اور اِذَنْ[3] ہے بشرطیکہ شروع میں لایا جائے (وسط میں نہیں) اور فعل مستقبل ہو (فعل سے) متصل ہو یا قسم کے ذریعہ یا لا کے ذریعہ منفصل ہو، یا (مضارع) اَنْ[4] مصدریہ کے بعد ہو جیسے وَالَّذِیْ[5] الخ بشرطیکہ اس سے پیشتر علم (یعنی تحقق وتعین پر دلالت کرنیوالا فعل) نہو جیسے عَلِمَ[6] اَنْ الخ اور اگر اس سے پیشتر ظن (یا اس کے ہم معنی مصدر سے مشتق کوئی فعل ہو تو دونوں صورتیں ہیں (رفع[7] اور نصب[8]) جیسے وَحَسِبُوْا[9] الخ

ش: یہی قسم وہ ہے جو پندرہ منصوبات کو مکمل کرنے والی ہے۔ اور وہ وہ فعل مضارع ہے جو ناصب کے بعد ہو۔ اور ناصب چار ہیں۔ لَنْ، کَیْ، اِذَنْ اور اَنْ اور رہا لَنْ تو وہ بالاتفاق حرف ہے اور بسیط۔ (یعنی غیر مرکب ہے) بخلاف خلیل کے۔ ان کے خیال میں یہ لَا نافیہ اور اَنْ ناصبہ سے مرکب[1] ہے۔ اور اس کا نون الف سے بدلا ہوا نہیں ہے۔ بخلاف فراء کے ان کے خیال میں اس کی اصل

---

[1] اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاریوں کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔ (پ ۱۹ ع ۹) [2] اسکو معلوم ہے کہ بعض آدمی تم میں بیمار ہیں۔ (پ ۲۹ ع ۱۴) [3] اور انہوں نے یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی۔ پ ۶ ع ۱۴) اس آیت میں تکونُ پر اَنْ ناصبہ کی وجہ سے نصب پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور اَنْ مخففہ من المثقلہ ماننے کی بنا پر رفع بھی جائز ہے۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر اَنْ اور فعل کے درمیان «لا» کے ذریعہ فصل نہو تو نصب راجح ہے۔ جیسے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا۔ اور اگر فصل ہو جیسے وَحَسِبُوْا اَنْ الخ تو رفع ونصب دونوں مساوی ہیں۔ جامع ج ۲ (تفصیل کتاب میں آرہی ہے)
[1] «لا» کے الف کو اور «اَنْ» کے ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں لَنْ ہو گیا۔

ولا[1] ہے۔ اور یہ مستقبل کی نفی کو بتلانے والا ہے، ہمیشہ نصب کا عمل کرنیوالا ہے۔ بخلاف اس کے علاوہ تینوں حروف کے۔ اور اسی وجہ سے میں نے اس کا تذکرہ بقیہ تین سے پہلے کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَن نَّبْرَحَ الخ[2] فَلَنْ اَبْرَحَ[3]، اَيَحْسَبُ اَن الخ[4] اَيَحْسَبُ الانسان الخ[5] اور، اَنْ ۔ ان آخری دو آیتوں میں مخففہ من المثقلہ ہے۔ اور اس کی اصل انّہٗ ہے۔ یہ ناصبہ نہیں۔ کیونکہ ناصب ناصب پر داخل نہیں ہوتا۔

وَاَمَّا ۔ کَیْ ۔ فشرطها ان تكون مَصْدريةً لا تعليليةً۔

ويتعين ذلك فِي نحو قوله تعالىٰ: (لِكَیْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ) فاللّام جارة دَالّة على التعليلِ، وكَیْ مَصْدرية بمنزلة اَنْ، لا تعليلية، لانّ الجار لا يدخل على الجارّ۔ ويمتنع ان تكونَ مَصْدرية في نحو جئتُكَ كَیْ اَنْ تُكْرِمَنِی ۔ اذ لا يدخل الحرف المصدري على مثله، ومثلُ هٰذا الاستعمال انما يجوز للشاعِر، كقوله:

۱۴۳- فقالت: أكُلَّ النَّاسِ اصبحتَ مَانِحًا
لِسَانَكَ كَیْمَا اَنْ تَغُرَّ وتَخْدَعَا؟

ولا يجوز في النثرِ، خلافًا لِلْكوفيِيْنَ۔

وتقول: "جئتُ كَیْ تُكْرِمنِي" فتحتمل "كَیْ" اَنْ تكونَ تعليلية جارة والفِعل بَعْدَهَا منصوبًا بـ"أن" محذوفة، وان تكون مَصْدرية ناصبة وقبلها لام جرٍ مقدرة

---

[1] فراء کے نزدیک اس کی اصل "لا" ہے۔ الف کو نون سے بدل دیا گیا لَنْ ہوگیا۔ نحویوں نے فراء کے مذہب کی تردید دو طرح کی ہے۔ (۱) لَنْ نصب دینے والا عامل ہے۔ جو ہمیشہ مضارع ہی پر داخل ہوتا ہے۔ جبکہ "لا" غیر عامل ہے، کوئی عمل نہیں کرتا۔ اور اسم اور فعل دونوں پر داخل ہوتا ہے۔ اگر اس کی اصل لا مانی جائے تو لن کو بھی لا کی خصوصیات (غیر عامل ہونا اور فعل کے ساتھ خاص نہ ہونا) پر باقی رہنا چاہئے۔ کیونکہ کلمہ کے کسی حرف میں تبدیلی سے اس کی وضع اور حالت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے، جبکہ یہاں دونوں میں تبدیلی متحقق ہے۔ اس لئے یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے اصل نہیں ہے۔ ان دونوں کے معنی میں مشترک ہونے سے ان کے الفاظ میں اشتراک لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حروف نفی بہت ہیں مگر الفاظ الگ الگ ہیں۔ (۲) قلب کے اصول میں کہیں نہیں پایا جاتا کہ الف کو نون سے بدلا گیا ہو۔ نون کو الف سے بدلنا تو ثابت ہے جیسے رأیتُ زیدًا کے نون تنوین کو حالتِ وقفی میں الف سے بدلا جاتا ہے۔ اسی طرح نون تاکید خفیفہ کو باری تعالیٰ کے ارشاد لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ میں بحالتِ وقف الف سے بدلا جاتا ہے۔

[2] ہم اسی پر برابر جمے رہیں گے۔ (پ ۱۶ ع ۱۴)

[3] چنانچہ میں اس زمین سے ہٹوں گا نہیں۔ (پ ۱۳ ع ۴) [4] کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلیگا۔ (پ ۳۰ ع ۱۵)

[5] کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔ (پ ۲۹ ع ۱۷)

وقولی «مطلقاً» راجع الیٰ «لَنْ» و «کَیْ» المصدریۃ، فانّ النصب لا یتخلّف عنھما۔
ولمّا کانت کَیْ تنقسم الیٰ ناصبۃ — وھی المَصْدریۃ — وغیر ناصبۃ — وھی التعلیلیۃ — اَخّرتُھا عن لَنْ:

اور رہا «کَیْ» تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ مصدریہ ہو، تعلیلیہ نہ ہو۔ اور یہ (مصدریہ ہونا) باری تعالیٰ کے ارشاد کَیْ لَا یَکُوْنَ[1] الخ میں متعین ہے چنانچہ (لِکَیْ کا) لام جارہ ہے۔ جو علّت وسبب کو بتلا رہا ہے۔ اور کَیْ مصدریہ ہے۔ جو اَنْ کے درجہ میں ہے، تعلیلیہ نہیں۔ کیونکہ جار جار پر داخل نہیں ہوتا۔ اور (کَیْ کا) مصدریہ ہونا جِئْتُكَ کَیْ اَنْ تُکْرِمَنِیْ جیسے میں ممتنع ہے کیونکہ حرف مصدر اپنے جیسے پر داخل نہیں ہوتا۔ اور اس جیسا استعمال شاعر کے لئے تو جائز ہے جیسے اس کا قول فقالت[2] اکل الخ نثر میں جائز نہیں ہے۔ بخلاف کوفیوں[3] کے۔ اور تم کہتے ہو جِئْتُ کَیْ تُکْرِمَنِیْ چنانچہ (اس مثال میں) کی احتمال رکھتا ہے کہ تعلیلیہ ہو جارہ ہو، اور اسکے بعد والا فعل اَنْ محذوفہ کی بنا پر منصوب ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ «کی» مصدریہ ہو ناصبہ ہو اور اس سے پہلے لام جر مقدرہ ہو۔ اور میرے قول راجعًا کا تعلق «لَنْ» اور «کَیْ» مصدریہ دونوں سے ہے[4]۔ کیونکہ نصب ان دونوں سے الگ نہیں ہوتا ہے۔ اور جبکہ «کَیْ» کی ایک قسم ناصبہ یعنی مصدریہ اور (دوسری قسم) غیر ناصبہ یعنی تعلیلیہ دونوں ہے۔ تو میں نے اس کو «لَنْ» سے مؤخر کیا (کیونکہ «لن» خالصۃً ناصب ہے، اور خالص ناصب کو بہرحال مقدم ہونا چاہیے بخلاف «کی» کے کہ وہ من وجہٍ ناصب ہے، من وجہٍ غیر ناصب ہے جبکہ تعلیلیہ ہو)

---

[1] مسلمانوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے بارے میں کسی قسم کی تنگی نہ رہنے کی وجہ سے (ہم نے زینب کا نکاح آپ سے کردیا) پ۲۲ ع۲)۔ [2] مانح دینے والا۔ تغر (ن) دھوکہ دینا۔ یہ شعر جمیل بن معمر العذری کا ہے۔ اسکی محبوبہ کا نام بُثینہ ہے۔ تو اس نے کہا تو اپنی زبان ہر شخص کو دینے والا ہوگیا۔ تاکہ تو فریب اور دھوکہ دے۔
محلِ استشہاد: کیمَا ان تغر ہے اسمیں کی کے بعد اَنْ مصدریہ ذکر کیا گیا ہے۔ جو صرف شاعر کے لئے جائز ہے۔ اور مَا زائدہ ہے۔ [3] کوفیوں نے «کی» کے بعد «اَنْ» کا ذکر جائز قرار دیا ہے۔ اور استدلال اس شعر سے کیا ہے۔ اردت لِکَیْمَا ان تطیر بقربتی ÷ فتترکھا شنًّا ببیداء بلقع = اور کہا ہے کہ کَیْ کے بعد اَنْ تاکید کا ہوتا ہے۔ اور تاکید کلام عرب میں جائز ہے۔ (من حواشی الدکتور امیل یعقوب ص۲۲۱)
بصریین اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور ان کے استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ (۱) شعر غیر مشہور ہے۔ قائل کا پتہ نہیں۔ (۲) ضرورت شعری کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ (۳) «ان» کیما کا بدل ہے۔ کیونکہ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ اور ان کا یہ کہنا کہ «تاکید کلام عرب میں جائز ہے» تو یہ وہاں جائز ہے جہاں اجماع ہو۔ (من حواشی الدکتور امیل یعقوب ص۲۲۱)
[4] یعنی جس طرح «لن» بلا کسی شرط کے نصب دیتا ہے اسی طرح کَیْ بھی۔

تشریح:۔ مؤلف نے کَیْ کے تین احوال ذکر کیے ہیں۔ (۱) صرف مصدریہ ہو (۲) صرف تعلیلیہ ہو۔ (۳) تعلیلیہ مصدریہ دونوں ہو۔ پہلے کی توضیح یہ ہے کہ کَیْ مصدریہ اس وقت ہوگا جبکہ اس پر لام تعلیلیہ ظاہراً داخل ہو جیسے جِئْتُكَ لِكَيْ تُكْرِمَنِيْ اور جیسے لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ اس میں کَیْ کا مصدریہ ہونا متعین ہے۔ اس لئے کہ اگر مصدریہ نہ مانا جائے تو تعلیلیہ ہوگا جبکہ اس پر خود لام تعلیلیہ داخل ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایک معنی کے دو حرف کا پے در پے ہونا لازم آئیگا۔ جو صرف تاکیداً جائز ہے یا ضرورۃً۔ دوسرے کی توضیح یہ ہے کہ کَیْ تعلیلیہ صرف دو مقام پر ہوتا ہے۔ (۱) جبکہ اسکے بعد اَنْ مصدریہ مذکور ہو جیسے جِئْتُ كَيْ اَنْ تُكْرِمَنِیْ اس میں تعلیلیہ ہونا متعین ہے کیونکہ اگر تعلیلیہ نہ مانا جائے تو مصدریہ مانا جائیگا، جبکہ اس پر خود اَنْ مصدریہ داخل ہے جس کے نتیجہ میں ایک معنی کے دو حرف کے مسلسل دخول لازم آئیگا۔ جو ناجائز ہے۔ (۲) جبکہ اس کے بعد لام تعلیلیہ ہو جیسے جِئْتُ کَیْ لِاَقْرَاَ اس میں بھی تعلیلیہ ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ مصدریہ ماننے کی صورت میں اس کا فعل مضارع کو فصل کے ساتھ نصب دینا لازم آئیگا۔ جبکہ حروفِ ناصبہ عامل ضعیف ہیں۔ جو فصل کی صورت میں عمل نہیں کرسکتے ہیں۔ جبکہ یہاں لام تعلیلیہ کا فصل موجود ہے۔ تیسرے کی توضیح یہ ہے کہ کَیْ مصدریہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور تعلیلیہ بھی۔ جبکہ نہ اس سے پہلے لام ہو اور نہ اس کے بعد۔ جیسے جِئْتُ کَیْ اَتَعَلَّمَ اس میں دونوں اختیار ہیں۔ اگر مصدریہ مانتے ہیں تو لام مقدر مانیں گے۔ اور تعلیلیہ مانتے ہیں تو "ان" مقدر مانیں گے۔

نوٹ:۔ کَیْ استفہامیہ بھی ہوتا ہے۔ اور یہ دراصل کیف کا اختصار ہے اسی کے معنی دیتا ہے۔ اور لفظوں میں کوئی عمل نہیں کرتا جسطرح کیف کے دخول سے پہلے فعل مرفوع تھا دخول کے بعد بھی مرفوع ہوتا ہے جیسے شعر ۔

کی تجنحون الی سَلمٍ وَمَا ثُئِرتْ فتلاكُمُ ولظی الهیجاء تَضْطَرِمُ

میں یعنی کیف تجنحون۔ (منتہی الارب وَھَامِشُ اٰخر ص۱۱۱ للدکتور امیل یعقوب)

وامّا «اِذَنْ» فللنصب بها ثلاثة شروط:

اَحَدُهَا: ان تكونَ مُصَدَّرَةً، فلا تعمل شيئًا في نحو قولك: «اَنَا اِذَنْ اُكْرِمُكَ»، لانها معترضة بين المبتدأ والخبر، وليست صدرًا، قال الشاعر:

۱۴۴۔ لَئِنْ عَادَ لِي عَبْدُ العَزِيزِ بِمِثْلِهَا وَاَمْكَنَنِي مِنْهَا اِذَنْ لَا اُقِيلُهَا

فالرفع لِعَدَمِ التَّصَدُّرِ، لا لانها فُصِلَتْ عَنِ الفعلِ، لانّ فصلها بـ «لا» مُغْتَفرٌ كما يأتي

والثانی: ان یکونَ الفِعلُ بعدَها مُستقبلًا، فلو حدّثك شخص بحدیث فقلتَ له: «اِذَنْ تَصْدُقُ» رفعتَ، لانّ نواصبَ الفِعلِ تقتضی الاستقبالَ، وانت تُرِیدُ الحالَ فتدافعا۔

والثالثُ: ان یکونَ الفعل اِمّا متصلًا اَوْ منفصلًا بالقَسَمِ اَوْ بِلا النافیة، فالاول کقولك: «اِذَنْ اُکْرِمَكَ» والثانی نحو «اِذَنْ وَاللهِ اُکْرِمَكَ» وقول الشاعر:

۱۷۵- اِذَنْ وَاللهِ نَرْمِیَهُم بِحَرْبٍ ... یُشِیْبُ الطِّفلَ مِنْ قَبْلِ المَشِیبِ

والثالث: نحو «اِذَنْ لَا اَفْعَلَ»۔

فلو فُصِلَ بغیرِ ذٰلك لم یجز العَمل، کقولك «اِذَنْ یَا زَیْدُ اُکْرِمُكَ»۔

اور رہا «اِذَنْ» تو اس کے ذریعہ نصب کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ اِذَنْ شروع میں ہو۔ اسی وجہ سے تمہارے قول اَنَا اِذَنْ اُکْرِمُكَ، جیسے میں کچھ عمل نہیں کریگا، اس لئے کہ (اس مثال میں) اِذَنْ مبتدا اور خبر کے درمیان واقع ہوا ہے۔ شروع میں نہیں۔ شاعر نے کہا ہے لَئِنْ عَادَ لِی[1] الخ رفع شروع میں نہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ فعل سے مفصول ہو گیا ہے۔ کیونکہ اِذَنْ کا فاصلہ لا کے ذریعہ معفو عنہ ہے، جیسا کہ آرہا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اِذَنْ کے بعد فعل مستقبل ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص تم سے کوئی حدیث بیان کرے پھر اس کے جواب میں اس سے کہو اِذَنْ تَصْدُقُ (تب تو سچ کہہ رہے ہو) تو آپ اس کو رفع دیں گے۔ کیونکہ نواصب فعلِ استقبال کا تقاضا کرتے ہیں۔

---

[1] یہ شعر کثیر بن عبدالرحمٰن کا ہے۔ اس کا تذکرہ جاحظ نے بیوقوف ہونے کی وجہ سے اپنی کتاب البیان من الحمقی میں کیا ہے۔ اس کی محبوبہ کا نام عزہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ کثیر عزہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے عبدالعزیز بن مروان کی بہت تعریف کی اس پر عبدالعزیز نے کہا: تیری کوئی ضرورت ہو تو بتلا! تو اس نے کہا کہ مجھ کو ابن رومانہ کے عہدہ پر مامور فرمادیں۔ عبدالعزیز نے کہا: تیرا ناس ہو تو شاعر ہے اور وہ منشی و پیشکار ہے۔ لہٰذا کیسے ممکن ہے۔ یہ وہاں سے مایوس ہو کر چلا آیا۔ اور یہ شعر کہے ؎

عَجِبْتُ لِتَرْكِی خُطَّةَ الرُّشْدِ بَعْدَمَا ... تَبَیَّنَ مِنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ قَبُوْلُهَا

لَئِنْ عَادَ لِی عَبْدُ الْعَزِیْزِ بِمِثْلِهَا الخ مثلها کی ضمیر مجرور خطة الرشد کی جانب راجع ہے۔
اگر عبدالعزیز بن مروان اسی خیرخواہی کے معاملہ کو دوبارہ ذکر کرے اور اس کا مجھ کو موقع دے تو میں اس کو نہ واپس کروں (یعنی نہ ٹھکراؤں) محلِ استشہاد: اِذَنْ لَا اُقِیْلُهَا ہے کہ فعل مضارع اِذَنْ کے بعد واقع ہونیکے باوجود مرفوع ہے۔ کیونکہ اِذَنْ ابتدائیہ جملہ میں نہیں ہے۔ بلکہ شرط اور جزاء کے درمیان ہے۔ جبکہ اس کے ناصبہ ہونے کے لئے ابتداء کلام میں ہونا ضروری ہے۔

جبکہ آپ (یہاں زمانہ) حال مراد لے رہے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں (حال واستقبال) میں ٹکراؤ ہوگیا۔
اور تیسری شرط یہ ہے کہ فعل یا تو متصل ہو یا قسم کے ذریعہ یا لائے نفی کے ذریعہ منفصل ہو۔ چنانچہ پہلا جیسے تمہارا قول اِذَنْ اُکْرِمَكَ ہے۔ اور دوسرا جیسے اِذَنْ وَاللّٰهِ اُكْرِمَكَ ہے۔ اور شاعر کا قول: اِذَنْ وَّاللّٰهِ الخ ہے اور تیسرا جیسے اِذَنْ لَا اَفْعَلَ ہے۔ لہٰذا اگر ان کے علاوہ کے ذریعہ فصل کیا جائیگا تو عمل دینا جائز نہ ہوگا۔ جیسے تمہارا قول اِذَنْ یَا زَیْدُ اُکْرِمُكَ کہ اس میں منادی کے ذریعہ فصل ہے اس لئے اس پر رفع ہے)۔

واَمَّا «ان» فشرط النصب بها امران:

اَحَدُهَا: اَنْ تکونَ مَصْدَرِیَّةً، لا زائدة، ولا مفسّرة، الثانی: اَنْ لا تکون مخففة من الثقیلةِ، وهی التابِعَةُ عِلْمًا اَوْظَنًّا نُزِّلَ مَنْزِلَتَهُ۔ مثالُ مَا اجتمع فیه الشرطان قوله تعالٰی: (وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ) (وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ) — وَمِثَالُ مَا انتفی عنه الشرطُ الاوّل قولك: «کتبتُ الیهِ اَنْ یفعلُ» اذا اردتَ بِ«ان» معنَی «ای» فهٰذه یرتفع الفعل بعدها، لانها تفسیر لقولك کتبتُ، فلا موضع لها، ولا لما دخلتْ علیه، ولا یجوز لك ان تنصبَ کما لا تنصبُ لو صرحتَ بِ«اَیْ» فان قدّرتَ معها الجارّ — وهو الباء — فهی مصدریة ووجبَ علیك ان تنصبَ بها۔

وانما تکون (ان) مفسّرة بثلاثةِ شروطٍ، اَحَدُهَا اَنْ یتقدّم علیها جُمْلَةٌ، والثانی: ان تکون تلك الجُمْلَة فیها معنی القول دونَ حروفه، والثالثُ ان لا یدخل

لہ شعر حسان بن ثابت کا ہے، تب خدا کی قسم ایسی جنگ کے ذریعہ غارت گری کرینگے جو بچہ کو بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کردے گی۔
محلِ استشہاد: اِذَنْ وَّاللّٰهِ نرمیهم بحرب ہے کہ اذن فعل مضارع کو نصب دے رہا ہے۔ جبکہ دونوں کے درمیان قسم حائل ہے۔ اور فصل بالقسم اِذن کے عمل کو باطل نہیں کر رہا ہے۔

نوٹ:۔ اِذَن کی کتابت میں چار مذاہب ہیں۔ (۱) اِذًا کو الف کے ساتھ لکھا جائے خواہ نصب کا عمل کرے یا نہ کرے۔ قرآن کا رسم الخط یہی ہے۔ یہ قول مازنی کی طرف منسوب ہے۔ (۲) اذن کو نون کے ساتھ لکھا جائے۔ یہ مذہب مُبرد اور کوفیوں کا ہے۔ (۳) اگر ناصبہ ہو تو «اذن» نون کے ساتھ لکھا جائے۔ اور اگر ملغٰی ہو تو الف کے ساتھ۔ (۴) اگر اِذن پر وقف کیا جائے تو الف کے ساتھ لکھا جائے۔ کیونکہ یہ اس وقت اسماء منقوصہ جیسے دَمًا اور یدًا کے مشابہ ہوگا۔ اور اگر ملا کر پڑھا جائے تو نون کے ساتھ لکھا جائے جو عمل دے یا نہ دے۔ (معاشی ص ۲۰۹ للدکتور امیل یعقوب)

عَلَیْهَا حرف جر، لا لفظًا ولا تقدیرًا، وذلك كقوله تعالیٰ: (فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ) (وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي) (وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا) ای انطلقت السنتهم بهذا الكلام۔

بخلاف نحو: (وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) فان المتقدم علیها غیر جملة، وبخلاف نحو: (مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ)، فلیست «أَنْ» فیها مفسّرة لقلت، بل لـ«أمرتنی» وبخلاف نحو: «كتبتُ إلیه بأن افعل»۔

رہا «أَنْ» تو اس کے نصب دینے کی شرط دو چیزیں ہیں۔ (۱) اَنْ مصدریہ ہو، زائدہ اور مفسرہ نہ ہو۔ (۲) ان مخففہ من المثقلہ نہ ہو۔ اور وہ وہ ہے جو علم[۱] کے بعد ہو یا اس ظن کے بعد ہو جو علم کے درجہ میں اُتار لیا گیا ہو۔ اس کی مثال جس میں دونوں شرطیں جمع ہوں باری تعالیٰ کا ارشاد وَالَّذِي أَطْمَعُ[۲] الخ اور وَاللهُ يُرِيدُ[۳] الخ اور اس (اَنْ) کی مثال جس میں پہلی شرط مفقود ہو، تمہارا قول كتبت الیه ان یفعل ہے۔ اس وقت جبکہ آپ اَنْ بمعنی «ای» کا ارادہ کریں۔ اس اَنْ کے بعد فعل مرفوع ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تمہارے قول كتبت کی تفسیر ہے۔ لہٰذا اس (اَنْ) کا کوئی محل (اعراب) نہیں۔ اور نہ ہی اس (فعل) کا (کوئی محل ہے) جس پر یہ داخل ہے۔ اور (اس صورت میں) آپ نصب نہیں دے سکتے۔ جس طرح کہ اگر آپ «اَیْ» کو صراحةً ذکر کر دیں تو نصب نہیں دے سکتے۔ اور اگر آپ اَنْ کے ساتھ جار یعنی «باء» مقدر مانیں تو (اس صورت میں) یہ مصدریہ ہوگا (کیونکہ حرف جر اَنْ تفسیریہ پر داخل نہیں ہوتا) اور اس کی وجہ سے

---

[۱] علم یا اس کے ہم معنی کے بعد جو اَنْ واقع ہوتا ہے وہ مخففہ من المثقلہ ہوتا ہے جیسے عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ، ناصبہ نہیں ہوتا کیونکہ اَنْ مخففہ حرف مشبہ بفعل ہے۔ جو تحقیق کے معنی کے لئے موضوع ہے۔ اور یہ معنی علم اور یقین کے مناسب ہیں۔ بخلاف اَنْ ناصبہ کے وہ کسی چیز کے حصول کی طمع اور امید کا معنی دیتا ہے۔ اور مادۂ ظن کے بعد جو اَنْ ہوتا ہے اس میں اَنْ مصدریہ اور اَنْ مخففہ دونوں درست ہیں۔ اگر اس معنی کو دیکھا جائے کہ ظن اعتقاد غیر جازم کی جانب راجح کو کہتے ہیں۔ تو یہ معنی «اَنْ مخففہ کے زیادہ مناسب ہیں جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس مفہوم کو صاحب کتاب نے اس طرح ادا کیا ہے کہ علم اور ظن بمنزلہ علم کے بعد ان مخففہ من المثقلہ ہوتا ہے اور اگر اس معنی کو دیکھا جائے کہ اس میں عدم یقین کا مفہوم پایا جاتا ہے تو اَنْ مصدریہ ہوگا۔ (شرح جامی ص۲۹۶)

[۲] اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ میری غلط کاریوں کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔ پ۱۹ ع۹)

[۳] اور اللہ کو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے۔ پ۵ ع۲۔ ان دونوں آیتوں میں نصب کی دونوں شرطیں اَنْ مصدریہ ہونا اور اَنْ مخففہ نہ ہونا پائی جاتی ہیں اس لئے اَنْ کے مدخولہ افعال منصوب ہیں۔

نصب دینا تمہارے ذمہ ضروری ہوگا۔ اور "ان" مفسرہ بنتا ہے تین شرطوں کی وجہ سے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی جملہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس جملہ میں قول کے معنی ہوں نہ کہ قول کے حروف (یعنی ق، و، ل) تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر حرف جر نہ لفظاً داخل ہو نہ تقدیراً۔ اس کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَأَوْحَيْنَا[1] الخ وَ إِذْ أَوْحَيْتُ[2] الخ وَانْطَلَقَ[3] الْمَلَأُ الخ (لوگوں کی جماعت چلی) یعنی ان کی زبانیں اس بات پر چلیں (کہ چلو)۔ بخلاف وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ[4] جیسے کہ اَنْ سے پہلے جملہ نہیں ہے۔ اور بخلاف مَا قُلْتُ[5] لَهُمْ اِلَّا الخ کہ اَنْ اس میں قُلْتُ کا مفسر نہیں ہے۔ بلکہ امرتنی کا ہے۔ اور بخلاف كَتَبْتُ اِلَيْهِ بِاَنْ اَفْعَلْ (کیونکہ یہاں فعل پر حرف جر بارتقدیراً داخل ہے)۔

وَمِثَالُ مَا انْتَفٰى عَنْهُ الشَّرْطُ الثَّانِيْ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: (عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى) (اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا) (وَحَسِبُوْا اَلَّا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ) فيمن قرأ برفع (تكون) الا ترى انها في الاٰيتين الاُوليين وقعت بعد فعل العلم، اَمَّا فِي الاٰيَةِ الاُوْلٰى فواضح، واما في الاٰية الثانية فلان مُرَادَنَا بالعلم ليس لفظ علم، بل ما دلّ على التحقيق، فهي فيهما مخففة من الثقيلة، واسمها محذوف، والجملة بعدها في موضع رفع على الخبرية، والتقدير: عَلِمَ اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ، افلا يرون انه لا يرجع اليهم قولا، وفي الاٰية الثالثة وقعت بعد الظن، لان الحُسْبان ظنٌّ، وقد اختلف القراء فيها، فمنهم من قرأ بالرفع، وذلك على اجراء الظن مجرى العلم، فتكون مخففة من الثقيلة۔

واسمها محذوف، والجملة بعدها خبرها، والتقدير: وحسبوا انها لا تكون فتنةٌ، ومنهم من قرأ بالنصب على اجراء الظن على اَصْلِه وعدم تنزله منزلة العِلم، وهو الارجح، فلهذا اجمعوا على النصب في نحو: (اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ)

---

[1] پھر ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ کشتی تیار کرلو۔ (پ ۱۸ ع ۲)

[2] اور جبکہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ پ ۷ ع ۵۔

[3] اور کھڑے ہوتے کئی پنچ ان میں سے کہ چلو۔ پ ۲۳ ع ۱۰۔ ان تینوں آیتوں میں اَنْ مفسرہ ہے۔ کیونکہ اَنْ سے پہلے جملہ ہے جس میں قول کا مفہوم ہے اور حرف جر اس پر داخل نہیں ہے۔

[4] اور ان کی آخری بات یہ ہوگی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (پ ۱۱ ع ۶) [5] میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی کرو۔ (پ ۷ ع ۶)۔

(اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوا) (اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوا) (تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ) وَيُؤَيِّدُ القِرَاءَةَ الْاُوْلٰى اَيْضًا قَوْلُهٗ تَعَالٰى (اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ) (اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ) (اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗ اَحَدٌ) اَلَا تَرٰى اَنَّهَا فِيْهِنَّ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ، اِذْ لَا يَدْخُلُ النَّاصِبُ عَلٰى نَاصِبٍ اٰخَرَ، وَلَا عَلٰى جَازِمٍ،

اور اس کی مثال جس میں دوسری شرط فوت ہوگئی ہو باری تعالیٰ کا ارشاد عَلِمَ[1] اَنْ الخ. افلا یرون[2] الخ وَحَسِبُوْٓا[3] الخ ہے ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے تکونُ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ "اَنْ" پہلی دونوں آیتوں میں فعلِ علم کے بعد واقع ہوا ہے۔ رہا پہلی آیت میں تو واضح ہے۔ اور رہا دوسری آیت میں تو اس لئے کہ ہماری مراد علم سے ع، ل، م (کا مادہ) نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو تحقیق (ویقین) پر دلالت کرے چنانچہ وہ "اَنْ" دونوں آیتوں میں مخففہ من المثقلہ ہے۔ اور اسکا اسم محذوف ہے۔ اور اس کے بعد والا جملہ خبر ہونے کی بناء پر محلِ رفع میں ہے۔ تقدیرِ عبارت عَلِمَ اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ ہے۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّهٗ لَا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ہے۔ اور تیسری آیت میں ان، ظن کے بعد واقع ہوا ہے۔ اس لئے کہ (حسبوا کا مصدر) حُسْبَان (بمعنی) ظن ہی ہے۔ قراء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں نے رفع کے ساتھ (یعنی تکونُ) پڑھا ہے۔ اور یہ ظن کو علم کے قائم مقام ماننے کی بناء پر ہے۔ اس صورت میں یہ مخففہ من المثقلہ ہے، اور اس کا اسم محذوف ہے، اور اسکے بعد والا جملہ اس کی خبر ہے۔ تقدیرِ عبارت ہے: وَحَسِبُوا انها لا تکونُ فتنۃ۔ اور بعض قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے ظن کو اپنی اصل پر برقرار رکھنے اور ظن کو علم کے درجہ میں نہ اُترنے (یعنی نہ ہونے) کی بناء پر۔ یہی راجح ہے۔ اسی وجہ سے نحویوں نے احسبتم[4] الخ اَمْ حسبتم[5] الخ اَحَسِبَ[6] النَّاسُ الخ، تظن[7] ان الخ جیسے میں نصب پر اتفاق کیا ہے۔ اور پہلی قرارت کی تائید باری تعالیٰ کے ارشاد: اَيَحْسَبُ[8] الْاِنْسَانُ الخ

---

[1] اس کو معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہیں۔ (پ ۲۹ ع ۱۴) [2] کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ (پ ۱۶ ع ۱۳) [3] اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی۔ (پ ۶ ع ۱۴) [4] کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم جنت میں جا داخل ہوگے۔ (پ ۲ ع ۱۰) [5] کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے (پ ۱۰ ع ۸) [6] کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ چھوٹ جائیں گے۔ (پ ۲۰ ع ۱۳)
[7] خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑنے والا معاملہ کیا جائیگا۔ (پ ۲۹ ع ۱۷)
[8] کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔ (پ ۲۹ ع ۱۷)

أیحسب[1] ان لن الخ ایحسب[2] ان لم الخ بھی کرتے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ ان تمام آیتوں میں اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ کیونکہ ناصب تو ناصب پر داخل نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ جازم پر (اس لئے ان آیتوں میں أن مخففہ من المثقلہ مانا جائے تاکہ پہلی دونوں آیتوں میں ان کا دخول ناصب پر اور تیسری آیت میں أن کا دخول جازم پر لازم نہ آئے)

ثم قلت: وتُضْمَر "أَنْ" بَعْدَ ثَلَاثَةٍ مِنْ حُرُوْفِ الجرِّ، وهِيَ: كَيْ، نحو: (كي لا يكونَ دُوْلَةً) وحَتّىٰ: ان كان الفِعْلُ مُسْتقبلًا بالنظرِ الى ماقبلها، نحو (حتّىٰ يرجعَ إلينا مُوْسىٰ) و "أَسْلمتُ حَتّىٰ أَدْخُلَ الجنّة" وَاللّامِ: تَعْليليةً مع المضارع المجرَّدِ مِنْ لا، نحو (لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ) بخلاف (لِئَلَّا يَعْلَمَ) أَوْ جُحُوْدِيةً نحو "مَا كُنْتُ. أَوْ لَمْ أَكُنْ — لِأَفْعَلَ "

وبعد ثلاثةٍ مِنْ حُرُوفِ العطفِ، وهِيَ: "أَو" التي بمعنى الى نحو "لأَلْزَمَنَّكَ أَوْ تَقْضِيَنِي حَقِّي" أَوْ الّا نحو "لأقْتُلَنَّهُ أَوْ يُسْلِمَ" وفاءُ السَّبَبِيةِ وواوُ المعيَّةِ مَسْبُوقَيْنِ بنفيٍ محضٍ أَوْ طلبٍ بغيرِ اسمِ الفعلِ نحو (لا يُقضىٰ عليهم فيموتوا) (وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ) ونحو (لا تطغوا فيه فيحِلَّ عليكم غضبي)

وَ "لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَأْتِيَ مِثْلَهُ "

وَبَعْدَ الْفَاءِ وَالْوَاوِ وَ أَوْ وَثُمَّ إنْ عَطَفْنَ عَلَىٰ اسْمٍ خالصٍ، نحو: (أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا) و " لَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وَتَقَرَّ عَيْنِي "

ولكَ مَعَهُنَّ وَمَعَ لامِ التعليلِ إظهارُ أَنْ "

م: اور "أَنْ" تین حروف جر کے بعد پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور وہ (پہلا) کَیْ ہے۔ جیسے کَیْ[1] لا یَکُوْنَ دُوْلَۃً۔ اور (دوسرا) حتی ہے بشرطیکہ فعل ماقبل کی بہ نسبت مستقبل ہو جیسے حَتّیٰ یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسیٰ اور أَسْلَمْتُ حتیٰ أَدْخُلَ الجنۃ۔ اور (تیسرا) لام ہے جبکہ تعلیلیہ[2] ہو (یہ لام) اس مضارع کیساتھ

---

[1] کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلیگا۔ (پ ۳۰ ع ۱۵) [2] کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں (پ ۳۰ ع ۱۵)
[3] تاکہ وہ (تمہارے مالداروں کے) قبضہ میں نہ آجائے۔ (پ ۲۸ ع ۴) لا یکون اس "ان" کی بنا پر منصوب ہے۔ جو "کَیْ" کے بعد پوشیدہ ہے۔ [4] لام تعلیلیہ کو لام "کَیْ" بھی کہا جاتا ہے۔ وہ وہ لام جارہ ہے جس کا مابعد ماقبل کیلئے علت اور سبب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا ماقبل مقصود اور مابعد سبب اور ذریعہ ہوتا ہے جیسے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ۔

(پایا جاتا ہے) جو۔ لا۔ سے خالی ہو۔ جیسے لِیَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ بخلاف لِئَلَّا يَعْلَمَ کے۔ یا جبکہ جحودیّہ ہو، جیسے مَاكُنْتُ یا لَمْ يَكُنْ لِأَفْعَلَ۔ اور حروفِ عطف میں سے (بھی) تین کے بعد (۔ اَن۔ پوشیدہ ہوتا ہے) اور وہ اَوْ ہے۔ جو بمعنی اِلیٰ ہو جیسے لَأَلْزَمَنَّكَ أَوْ تَقْضِيَنِي حَقِّي یا اِلَّا ہو جیسے لَأَقْتُلَنَّهُ أَوْ يُسْلِمَ اور وہ فاءِ سببیّہ اور واؤ معیت ہے۔ جن کے پیشتر خالص نفی یا اسم فعل کے علاوہ (صیغہ) طلب ہو جیسے لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا۔ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ۔ اور جیسے لَا تَطْغَوْا الخ اور لَا تَنْهَ الخ اور فاء واو، أو، اور ثمّ کے بعد (۔ ان۔ پوشیدہ ہوتا ہے) بشرطیکہ (اِنْ کے ذریعہ) اسم خالص پر عطف (کیا گیا) ہو جیسے أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا اور وَلُبْسُ الخ اور یہ تمام حروفِ عطف اور لام تعلیلیہ ساتھ ساتھ ہوں تو آپکے لئے۔ اَن۔ کے اظہار کا جواز ہے۔

واقول: اختصت «ان» بأنّها تنصب المضارع ظاهرةً ومقدرةً، بخلاف اخواتها الثلاثة فانها لاتنصبهُ الّا ظاهرة، وانّما تضمر فى الغالب بعد حرف جر، أو حرف عطف،

فامّا حروف الجر التى تُضمر بعدها فثلاثة: حتى، واللّام، وكى التعليلية،

امّا حتى، فنحو (حتى تفئَ الى أمر الله) حتّى يرجعَ الينا موسٰى) وليس النصب بـ «حتى» نفسها، خلافًا للكوفيين، ولايجوز اظهارُ أن بعدها فى شعر ولانثر، ويشترط لاضمارِ أن بعدها: ان يكون الفعل مستقبلًا بالنظرِ الى ما قبلها، سواء كان مستقبلًا بالنظر الى زمنِ التكلم، أوْلا، فالاول كقوله تعالىٰ: (لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ) الاترى ان رجوعَ موسٰى عليه السّلام

---

[۱] اگر فعل مضارع پر «لا» نافیہ یا «لا» زائدہ داخل ہوتا ہے تو «کی» اور «اَن» کا اظہار ضروری ہوتا ہے تقدیر کافی نہیں جیسے نافیہ کی مثال لئلّا يكون على الناس حجة۔ اور لا زائدہ کی مثال جیسے لئلّا يعلم اهل الكتب۔ اور اگر لا نافیہ یا زائدہ داخل نہ ہو تو «کی» کے بعد «اَن» جوازًا مضمر ہوتا ہے۔

[۲] جحود کے معنی ہیں متعارف چیز کا انکار۔ مگر نحوی مطلقًا انکار کے معنی لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام لام نفی بھی رکھتے ہیں اس وجہ سے یہ نام رکھنا تسمیۃ العام باسم الخاص کی قبیل سے ہے۔ اس سے مراد وہ لام جر ہے جو «ما کان» ناقصہ اور «لم یکن» ناقصہ کے بعد واقع ہو جیسے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ اور لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ۔

[۳] اسم خالص کو اسم محض بھی کہا جاتا ہے۔ ہر وہ اسم ہے جو جامد ہو، غیر مشتق ہو، اور فعل کی تاویل میں نہ ہو سکتا ہو جیسے مصدر اور اسماء جامدہ۔ (جامع ۲/۱۸۴)

مستقبل بالنظر الیٰ ما قبل حتی، وھو ملازمتھم للعکوف علی عبادۃ العجل، وکذلک قولک «اسلمت حتی ادخل الجنۃ» والثانی کقولہ تعالیٰ (وَزُلْزِلُوا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ) فی قراءۃ مَنْ نصبَ (یقول) فان قول الرسول والمؤمنین مستقبل بالنظر الی الزلزالِ، لا بالنظر الیٰ زمن الاخبار، فانّ اللہ عزّ وجلّ قصّ علینا ذلک بعد ما وقع۔

ولولم یکن الفعل الذی بعد «حتی» مستقبلاً باحدِ الاعتبارین امتنع اضمار اَنْ، وَ تعیّن الرفع، وذلک کقولک «سرتُ حتی اَدْخلھا، اذا قلتَ ذلک وانت فی حالۃ الدخول، ومن ذلک قولھم: «شربت الابلُ حتی یجیئُ البعیرُ یَجُرّ بَطْنَہٗ» و «مَرِضَ زیدٌ حتی لا یَرْجُوْنَہٗ» فان المعنی حتی حالۃ البعیر انہٗ یجیئ یجرّ بطنہٗ وحتی حالۃ المریض انھم لا یرجونہٗ، ومن الواضح فیہ انّک تقول: «سَأَلْتُ عن ھٰذِہِ المَسْأَلَۃ حتی لا اَحْتاج الی السّؤال» ای: حتی حالتی الآن انّنی لا احتاج اِلی السّؤالِ عنھا۔

ش: اور «ان» خاص ہے اس بات کے ساتھ کہ یہ ظاہرہ اور مقدرہ (دونوں حالتوں میں) مضارع کو نصب دیتا ہے بخلاف اسکے تینوں اخوات (لَنْ، کَیْ، اِذَنْ) کے۔ کیونکہ وہ صرف ظاہر ہونے کی حالت میں نصب دیتے ہیں۔ اور یہ عموماً حرفِ جر اور حرفِ عطف، کے بعد مضمر ہوتا ہے۔ رہے حروفِ جر جن کے بعد اَنْ مضمر ہوتا ہے تو وہ تین ہیں۔ حتّٰی، لام اور کَیْ تعلیلیہ۔ رہا حتّٰی تو جیسے حَتّٰی تَفِیْءَ[1] الخ حَتّٰی یَرْجِعَ[2] الخ اور (یاد رہے کہ) نصب خود حتّٰی کی وجہ سے نہیں بخلاف کوفیوں کے۔ اور حتّٰی کے بعد اَنْ کا اظہار نہ شعر میں جائز ہے نہ نثر میں۔ اور اس حتّٰی کے بعد «اَنْ» کے مضمر ہونے کی یہ شرط ہے کہ فعل ماقبل کی بہ نسبت مستقبل ہو خواہ زمانۂ تکلم کی بہ نسبت مستقبل ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ پہلا (جس میں فعل مضارع تکلم کے اعتبار سے مستقبل ہو) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْہِ[3] الخ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ موسیٰ علیہ السّلام کی واپسی «حتّٰی» کے ماقبل کی بہ نسبت مستقبل (مؤخر) ہے۔ اور وہ (یعنی ماقبل کا مضمون) ان کا بچھڑے کی عبادت پر جاؤ کو اختیار کئے رہنا ہے۔ اسی طرح تمہارا قول اَسْلَمْتُ الخ

---

[1] یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے۔ پ۲۶ ع۱۳) ای حتی ان تفیئ الخ۔ [2] یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السّلام ہمارے پاس لوٹ کر آئیں پ۱۶ ع۱۴) ای حتی ان یرجع الخ

[3] ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس آئیں اسی پر برابر جمے رہیں گے۔ پ۱۶ ع۱۴۔

ہے[۱]۔ اور دوسرا (جس میں تکلم کے اعتبار سے مستقبل ہو) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلُ[۲] ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے یقول کو نصب[۳] دیا ہے۔ اس لئے کہ رسول اور مومنوں کا قول زلزال کی بہ نسبت مستقبل ہے نہ کہ زمانۂ اخبار و تکلم کی بہ نسبت۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے یہ قصہ واقع ہونے کے بعد بیان کیا ہے۔

اور اگر حتّٰی کے بعد والا فعل (مذکورہ بالا) دونوں اعتباروں میں سے کسی بھی اعتبار سے مستقبل نہ ہو تو۔ اَنْ "کا مضمر ہونا ممتنع ہے۔ اور رفع متعین ہے۔ اور اس کی مثال جیسے تمہارا قول سِرْتُ حَتّٰی[۴] الخ اس وقت میں جبکہ تم نے یہ داخل ہونے کی حالت میں کہا ہو۔ اور اسی کی قبیل سے ہے ان کا قول شَرِبَتِ[۵] الابل اور مَرِضَ زَیْد[۶] الخ کیونکہ معنی ہے، اونٹ کی حالت کی انتہا یہ ہے کہ وہ جگالی کرتا ہوا آرہا ہے۔ اور مریض کی حالت کی انتہا یہ کہ لوگ اس سے نا امید ہیں۔ اور اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ تم کہتے ہو سَاَلْتُ عَنْ[۷] الخ

---

[۱] جس طرح بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت پر جمے رہنا پہلے ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا واپس آنا بعد میں ہے۔ اور تکلم کے اعتبار سے مستقبل ہے یعنی جس وقت یہ جملہ بولا جارہا ہے اس وقت صرف بچھڑے کی عبادت پر جمے رہنا متحقق ہے۔ اور رجوع موسیٰ ابھی متحقق نہیں بلکہ وہ بعد میں پایا جائیگا۔ اسی طرح اسلمت حتی ادخل الجنۃ میں دخول جنت اسلام کے زمانہ کے بعد ہے۔

[۲] اور ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ پیغمبر اور ان کے ہمراہی اہل ایمان) تک بول اٹھے مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ (پ۲ ع ۱۰)

یہ اس فعل مضارع کی مثال ہے جو حتّٰی کے بعد واقع ہو لیکن تکلم اور اخبار کے اعتبار سے مستقبل نہ ہو۔ چنانچہ یہ کلام جس وقت کیا جارہا ہے اور اس قصہ کو قرآن کریم میں بیان کیا جارہا ہے دونوں باتیں یعنی زلزال بھی اور مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کہنا بھی گذر چکی ہیں۔ مگر چونکہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کہنا زلزال کی بہ نسبت مستقبل ہے۔ یعنی پہلے زلزال پایا گیا پھر مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کہنا لہٰذا حتی کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوگا جس کی بنا پر مضارع منصوب ہوگا۔

نوٹ :۔ مذکورہ دونوں آیتوں میں نصب حتّٰی کی وجہ سے نہیں بلکہ اَنْ مقدرہ کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ کوفی حتّٰی ہی کی وجہ سے نصب مانتے ہیں مگر مصنف علام کے نزدیک پہلی رائے راجح ہے۔ کیونکہ کوفیوں کا قول ماننے کی وجہ سے حتّٰی کا جارہ اور ناصبہ دونوں ماننا لازم آرہا ہے۔ جارہ ہونا قرآن سے ثابت ہے جیسے حتّٰی مطلع الفجر۔ اور ناصبہ یہاں مانا جارہا ہے۔ اور ایک ہی عامل کا ناصبہ و جارہ ہونے کی نظیر عربی میں نہیں ملتی۔ (قطر الندیٰ صفحہ)

[۳] بعض لوگوں نے حتّٰی یقول الرسول کو مرفوع پڑھا ہے۔ کیونکہ حتّٰی کے بعد ان مقدر ہونے کے لئے ضروری تھا کہ حتّٰی کا مابعد مستقبل حقیقی ہو جو یہاں مفقود ہے۔ کیونکہ یہ تو گذشتہ واقعہ کو نقل کیا جارہا ہے۔ لہٰذا یہ تو حکایتہ حال ماضیہ ہوا۔

[۴] میں چلا یہاں تک کہ اب گھر میں داخل ہورہا ہوں۔ قائل چونکہ اس مثال میں زمانہ حال مراد لے رہا ہے لہٰذا استقبال کی شرط فوت ہوگئی۔ مستقبل کا معنی باقی نہ رہا۔ اسی لئے اَدْخُلُھا مرفوع ہوگا۔

[۵] اونٹوں نے پیا حتّٰی کہ اونٹ جگالی کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ بھی حال حقیقی کی مثال ہے۔

[۶] زید مریض ہوا حتّٰی کہ اسکے متعلقین اس کی طرف سے نا امید ہو بیٹھے ہیں۔

[۷] میں نے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا کہ اب اسکے متعلق مزید سوال کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا ہوں۔

یعنی اس وقت میری حالت یہ ہے کہ میں اس کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں محسوس کرتا ہوں۔[۱]

---

[۱] اس بحث کا خلاصہ ہم النحو الوافی جز ۴ سے نقل کرتے ہیں۔

حتیٰ کے بعد جو مضارع واقع ہوتا ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) رفع پڑھنا واجب ہے۔ (۲) نصب پڑھنا واجب ہے۔ (۳) رفع ونصب دونوں جائز ہیں۔

وجوباً رفع پڑھنے کیلئے مجتمع طور پر تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ شرط اول یہ ہے کہ مضارع کا زمانہ حال حقیقی ہو یا حال تاویلی۔ حال حقیقی سے مراد وہ حال ہے جس کا زمانہ تکلم اور زمانہ فعل یعنی کام کرنے کا زمانہ ایک ہو جیسے هذه الورقة في يدي ارقبها واشمها حتى استمتع بلونها وبطيب رائحتها۔ یعنی بوقت تکلم زمانہ حال میں میں پھول کو سونگھ رہا ہوں اسکے رنگ وخوشبو سے محظوظ ہو رہا ہوں۔

حال تاویلی کی دو قسمیں ہیں (۱) حال تاویلی ماضی، وہ حال ہے جسکے فعل کا وجود تو تکلم سے پہلے ہو چکا ہو، مگر متکلم اس کو اس انداز سے پیش کر رہا ہے کہ ابھی گویا وہ فعل ہوا نہیں۔ بلکہ بوقت تکلم ہو رہا ہے۔ اس کا نام حکایت حال ماضیہ ہے۔ جیسے انظر الى الفراعين يبنون قبورهم في حياتهم منحوتة في الصخر الاصم حتى تستريح نفوسهم لصلابتها وقوتها۔ کہ قبروں کی تعمیر اور استراحت دونوں چیز گذشتہ زمانہ میں متحقق ہو چکی ہیں۔ لیکن ان اہم قصہ کی جانب نظروں کو پھیر لے کیلئے مضارع سے تعبیر کیا۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ واقعہ ابھی زمانۂ تکلم میں ہو رہا ہے۔ (۲) حال تاویلی مستقبل، وہ حال ہے جس کے فعل کا وجود نہ تو تکلم کے زمانہ میں ہو رہا ہے اور نہ تکلم سے پہلے ہوا ہے۔ مگر متکلم بوقت تکلم یہ تصور کرانا چاہتا ہے کہ وہ فعل گویا زمانۂ تکلم میں ہو رہا ہے۔ جیسے کوئی برسات کے موسم میں کہے يأتي الشتاء في الشهر القادم ويشتد البرد حتى ترتجف منه اعضائي۔ موسم سرما اگلے مہینہ میں آئیگا اور سردی سخت پڑ رہی ہے حتیٰ کہ میرے اعضا اس سے کپکپا رہے ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حتیٰ کا مابعد مسبّب اور اس کا ماقبل سبب ہو۔ جیسے مذکورہ بالا مثال میں اعضاء کا کپکپانا مسبب اور اشتداد برد سبب ہے۔ یا استراحت نفوس مسبب اور بناء قبور سبب ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حتیٰ کا مابعد فضلہ ہو (یعنی ترکیب کے اعتبار سے کلام حتیٰ سے پہلے پہلے مکمل ہو چکا ہو۔) اور حتیٰ کا مابعد ماقبل والے جملہ کا بنیادی جز یعنی مسند یا مسند الیہ نہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں حتیٰ کا مابعد مبتدا کی خبر اور نواسخ کی خبر نہیں ہو سکتا۔

اگر مذکورہ بالا تینوں شرطیں پائی جائیں گی تو رفع پڑھنا واجب ہوگا۔ مذکورہ صورت میں حتیٰ ابتدائیہ ہوگا۔ ناصبہ نہ ہوگا حتیٰ ابتدائیہ کی اصل حرف عطف ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حتیٰ مابعد سے ایک نئے جملہ کا آغاز ہو رہا ہے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسری صورت نصب کے وجوب کی ہے۔ مذکورہ بالا اگر تینوں شرطوں میں سے ایک یا تمام شرطیں فوت ہو جائیں تو نصب پڑھنا واجب ہے۔ شرطوں کے فوت ہونے کے اعتبار سے اس کی تین شکلیں ہوں گی۔

(۱) پہلی شرط فوت ہو جائے یعنی حتیٰ کا مابعد نہ حال حقیقی ہو نہ تاویلی بلکہ خالصۃً ماضی یا مستقبل ہو۔ ماضی کی مثال في سنة عشرين من الهجرة تم فتح مصر على يد العرب حتى ينقذها من ظلم الرومان۔ چنانچہ ینقذها پر نصب آیا کیونکہ مصر کی فتح اور رومیوں کے ظلم سے بچانا دونوں چیزیں زمانہ ماضی میں ہو چکی ہیں۔ مستقبل کی مثال في الشهر القادم يزور بلادنا وفود من العلماء الاجانب حتى يطلعوا على مظاهر الحضارة والتقدم۔ چنانچہ غیر ملکی علماء کے وفد کا دورہ اور تہذیب وترقی کے مناظر سے واقفیت دونوں چیزیں ابھی ہوئی نہیں بلکہ مستقبل یعنی اگلے مہینہ میں ہوں گی۔

(۲) دوسری شرط فوت ہو جائے یعنی ماقبل حتیٰ سبب اور مابعد مسبّب نہ ہو تو بھی نصب ہوگا جیسے اصوم يومي هذا حتى يجيئ المغرب چنانچہ مغرب کا آنا مسبب اور روزہ رکھنا سبب نہیں۔ لہٰذا یجیٔ پر نصب آئیگا۔

(۳) تیسری شرط اگر فوت ہو جائے یعنی فضلہ نہ ہو بلکہ ماقبل کا جز بن رہا ہو جیسے سهري حتى أنجز عملي۔ یعنی

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

وأما اللام فلها اربعة اقسام۔

اَحَدُهَا: اللام التعليلية، نحو (وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ) ومنه (اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ) فان قلتَ: ليس فتحُ مَكّةَ علّةً للمغفرة۔

قلتُ: هو كما ذكرتَ، ولكنه لم يجعل علّة لها، وانّما جعل علّة لاجتماع الامور الاربعة للنّبيّ صلى الله عليه وسلم۔ وهي المغفرةُ، واتمامُ النعمة، والهداية إلى الصّراط المستقيم، وحصُول النصر العزيز۔ ولاشك (في) ان اجتماعها له عليه السّلام حصل حاين فتح الله تعالىٰ مكّة عليه۔

وانّما مثلتُ بهذه الأية لانها قد يخفي التعليلُ فيها على من لم يتأملها

الثانية: لام العاقبة، وتسمى ايضًا لامَ الصّيرورة، ولامَ المآل، وهي الّتي يكون ما بعدها نقيضًا للمقتضي ما قبلها، نحو: (فالتقطهٗ آلُ فرعونَ ليكونَ لهم عَدُوًّا وَّحَزَنًا) فان التقاطهم لهٗ انما كان لرأفتهم عليه، ولما القى الله تعالىٰ عليه من المحبّة فلا يَراه احدٌ الّا احبّهٗ، فقصدوا ان يصيّروه قرّةَ عينٍ لهم، فآل بهم الامر الى ان صار عدوًّا لهم وحزنًا۔

(بقیہ صفحہ سابقہ)

میرا جاگنا عمل کے پورا کرنے تک ہوگا۔ اس مثال میں حتی کا مابعد ماقبل والے جملہ کا جزء اساسی یعنی خبر بن رہا ہے۔ اسی طرح کان سہری حتی اعجز عملی اور ان سہری حتی اعجز عملی میں مابعد حتی تو اسم کی خبر بن رہا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ رفع، نصب دونوں جائز ہیں۔ یہ وہاں ہوگا جہاں حتی کے ماقبل و مابعد کا فعل زمانہ حال سے پہلے ہی واقع ہو چکا ہو، مگر حتی کا مابعد حتی کے ماقبل کے اعتبار سے مستقبل ہو جیسے ایک مورخ کا قول ہے استطاع المسلمون الاوائل فتح فارس والشام ومصر فی شهور قلائل لان سلطان العقيدة غلب كل سلطان آخر فوهب الرجل منهم نفسه للقتال حتى ينتصر او يموت شهيدًا لا يعرف التردد ولا الفرار ولا الخيانة۔ اس مثال میں حتی کا ماقبل یعنی آدمی کا اپنے آپ کو قتال کیلئے ہبہ کر دینا اور مابعد یعنی انتصار و کامیابی اور شہادت کی موت دونوں واقع ہو چکے ہیں۔ مگر انتصار اور شہادت کی موت هبة للقتال کی بہ نسبت مستقبل ہیں۔ رفع کا جواز تو اس وجہ سے کہ زمانہ مضارع کو بلا حکایت حال فرضی طور پر حالی تاویلی خیال کر لیا جائے۔ اور حال تاویلی میں رفع آتا ہی ہے۔ اور نصب کا جواز اس وجہ سے ہے کہ بلا لحاظ زمانہ تکلم حتی کا مابعد ماقبل کی بہ نسبت مستقبل ہے (النحو الوافی ص ۳۳۸، ۳۴۱ ج ۴)

وزلزلوا حتى يقول الرسول بھی اس کی مثال ہے۔ اس میں بھی رفع نصب دونوں جائز ہیں۔

بہرحال لام کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک لام تعلیلیہ جیسے وانزلنا الیک الخ[1] انا فتحنا لك الخ[2]
اگر آپ اعتراض کریں کہ فتح مکہ تو مغفرت کی علت نہیں ہے (تو پھر فتحنا کے بعد لام تعلیلیہ کیسے آسکتا ہے)۔
جواب: بات وہی ہے جو آپ نے ذکر کی۔ لیکن فتح مکہ کو (صرف) مغفرت کی علت نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار چیزوں یعنی مغفرت، تکمیل نعمت، راہِ راست کی رہنمائی اور زبردست نصرت کے حصول کے مجموعہ کیلئے علت قرار دیا گیا ہے[3]۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان (چاروں) کا مجموعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا، اسوقت جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ فتح کرادیا۔ اور میں نے یہ آیت مثال میں اس لئے دی کہ (اس آیت میں لام کو) تعلیلیہ ماننا ان لوگوں پر کبھی مخفی ہوجاتا ہے جو اس میں غور وفکر نہیں کرتے۔

دوسرا لامِ عاقبت۔ اس کا نام لامِ صیرورۃ اور لامِ مآل بھی رکھا جاتا ہے۔ وہ وہ ہے جس کا مابعد، ماقبل کے تقاضہ کی نقیض ہو جیسے فالتقطهٗ الخ[4] کیونکہ ان کا موسیٰ علیہ السلام کو اٹھانا موسیٰ علیہ السلام سے ان کی محبت کے باعث تھا۔ اور جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر محبت ڈالدی (یعنی محبت کرلی) تو کوئی بھی ان کو دیکھتا تو ان سے محبت کرتا۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک (کا ذریعہ) بنانے کا ارادہ کیا۔ (مگر) ان کا معاملہ الٹ ہوگیا کہ وہ ان کا دشمن اور غم کا ذریعہ بن گیا۔

الثالثة: اللام الزائدة، وهي: الآتية بعد فعل متعدٍ، نحو: (يُرِيدُ اللهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ) (اِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ) (وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ) فهٰذه الاقسام الثلاثة يجوز لك اظهار (أَنْ) بعدهن۔ قال الله تعالىٰ: (وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ)

الرابعة: لام الجحود، وهي الآتية بعد كونٍ ماضٍ منفي، كقوله تعالىٰ: (مَا كَانَ اللهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ) (وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ) وهٰذه

---

[1] اور آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں سے ظاہر کردیں (پ۱۴ ع۱۲) [2] بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (پ۲۶ ع۹) [3] یعنی تنہا ایک چیز یعنی مغفرت فتح مکہ کی علت نہیں بلکہ مجموعی طور پر وہ چار چیزیں ہیں جن کا تذکرہ اگلے حصہ میں ہے۔ اگلا حصہ ملاحظہ ہو۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح مکہ ان چار چیزوں کی خاطر ہوا۔ اور واقعۃً یہ علت بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں۔
[4] اور فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھالیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں (پ۲۰ ع۴) اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی ذات میں محبوبیت کی شان رکھی تھی چنانچہ جو بھی آپ کو دیکھتا محبت کی نگاہ سے دیکھتا۔ چنانچہ فرعونیوں کے اٹھانے کا داعیہ یہی تھا کہ انکو آنکھوں کی ٹھنڈک اور محبوب بنالیں مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن ثابت ہوا، اور محبت و دشمنی میں کھلا تضاد ہے۔ اور جہاں لام کے ماقبل و مابعد کے تقاضوں میں تضاد کا تعلق ہو وہ لام لامِ عاقبت کہلاتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ آیت میں لام لامِ عاقبت و صیرورۃ ہے۔

يجبُ اضمار «أن» بعدها۔ وأمّا «كي» ففي نحو: «جئتُك كي تُكرمني» اذا قدّرتها تعليليةً بمنزلة اللام، والتقدير: جئتُك كي ان تُكرمني، ولا يجوزُ التصريحُ بأن بعدها الّا في الشعر، خلافاً للكوفيين، وقد مضى ذٰلك۔

تیسرا لام زائدہ وہ ہے جو فعل متعدی کے بعد آتا ہے جیسے يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ[1] الخ، اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ[2] الخ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ[3] الخ کہ ان تینوں قسموں (میں لام) کے بعد «ان» کا اظہار آپ کے لئے جائز ہے۔ (واجب نہیں) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاُمِرْتُ لِاَنْ[4] الخ۔ چوتھا لام جحد وہ ہے جو ماضی منفی ہونے کے بعد آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا كَانَ اللّٰهُ[5] الخ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ[6] الخ اس لام جحد کے بعد «ان» کا اضمار واجب[7] ہے۔ اور رہا «کی» تو جئتُك كي تُكرمني جیسے میں جب اس «کی» کو تعلیلیہ مانو تو یہ لام تعلیلیہ کے حکم میں ہے اور «کی» کے بعد «اَن» کا ذکر کرنا سوائے شعر کے آپ کے لئے درست نہیں۔ بخلاف کوفیوں کے۔ اور یہ بحث، گذر چکی ہے۔

واما حروف العطفِ فاربعة، وهي اَوْ، والواو، والفاء، وثمّ ۔ وهٰذه الاربعة منها مَا لا يجوز معه الاظهار، وهو اَوْ، و منها مَا لا يجبُ معه الاضمار، وهو ثمّ، ومنها ما تارةً يجبُ معه الاضمار وتارةً يجوز معه الاضمار والاظهار، وهو الفاء والوَاو، وهٰذا كلّه يفهم ممّا ذكرت في المقدمة۔

فامّا «او» فينتصب المضارعُ بأن مضمرةٍ بعدها وجوبًا، اذا صحّ في موضعها «الى»

---

[1] اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کردے۔ پ۵ ع۲) [2] اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے (پ۲۲) [3] اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے مطیع ہوجائیں پ۷ ع۱) [4] اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ (مسلمانوں میں اول) میں ہوں پ۲۳ ع۱۶) [5] اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر اب رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم اب ہو پ۴ ع۹۔ [6] اللہ تعالیٰ امور غیبیہ پر تم کو مطلع نہیں کرتے پ۴ ع۹) [7] «اَن» کے مضمر ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اضمار واجب یعنی اَن کا اظہار جائز ہی نہیں۔ یہ اسوقت ہوگا جبکہ فعل مضارع پر حتی، کَی تعلیلیہ، واو بمعنی مع اور فاء سببیہ داخل ہو۔

(۲) اضمار ممتنع: یعنی اَن کا اظہار ضروری ہے۔ یہ جب ہوگا جبکہ «اَن» سے پہلے لام تعلیلیہ ہو اور اسکے بعد لا نافیہ ہو جیسے لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَن یہاں لفظاً موجود ہے۔ مگر اس کا نون «لا» میں مدغم ہوگیا ہے۔

(۳) اضمار جائز۔ یہ دو جگہ ہوگا۔ (الف) لام تعلیلیہ کے بعد «لا» نافیہ نہو۔ جیسے ذاکر لتنجح۔ یاذاکر لان تنجح۔ (ب) جبکہ فعل کا عطف خالص اسم پر ہو۔

(تفصیل اسی کتاب م[illegible] ہے)

أَوْ إِلَّا، فالاول كقولك: «لالزمنَّك أو تقضيني حقي»، وقوله:

۱۴۶- لَأَسْتَسْهِلَنَّ الصَّعبَ أَوْ أُدْرِكَ المُنَى   فما انقادتِ الآمالُ إلّا لِصابِرِ

والثاني كقولك: «لَأَقْتُلَنَّ الكافِرَ أَوْ يُسْلِمَ»، وقوله:

۱۴۷- وكنتُ إذا غمزتُ قناةَ قومٍ   كسرتُ كعوبَها أَوْ تستقيما

اى: إلّا أن تستقيمَ فلا أكسر كعوبها، ولا ... أن يكون التقدير كسرت كعوبها إلى أن تستقيمَ، لأنّ الكسرَ لا استقامة معه.

رہے حروفِ عطف (جن کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوتا ہے) تو وہ چار ہیں۔ اَوْ، واو، فاء اور ثُمَّ۔ ان چار میں سے بعض وہ حروف ہیں جن کے ہوتے ہوئے (اَنْ کا) اظہار جائز نہیں۔ اور وہ اَوْ ہے۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے ہوتے ہوئے اضمار واجب نہیں (بلکہ اَنْ کا اظہار و اضمار دونوں جائز ہے) اور وہ ثُمَّ ہے۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے ہوتے ہوئے کبھی اضمار ضروری ہے، کبھی ان کے ہوتے ہوئے اضمار و اظہار (دونوں جائز ہیں۔ اور وہ فاء اور واؤ ہے[1]۔ اور یہ پوری بات اس (عبارت) سے بھی جا رہی ہے جس کو میں نے مقدمہ (متن) میں ذکر کیا ہے۔ رہا «اَوْ» تو اس کے بعد مضارع اَنْ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے، بشرطیکہ «اَوْ» کی جگہ میں «الیٰ» یا «الّا» (کا رکھنا) درست ہو۔ پہلا (یعنی اَوْ بمعنی الیٰ کی مثال) جیسے تمہارا قول «لالزمنّك أو تقضيني حقي» اور (جیسے) شاعر کا قول لاستسهلن[2] اور دوسرا (یعنی اَوْ بمعنی الّا کی مثال) جیسے تمہارا قول لاقتلن[3] الخ۔

---

[1] اگر فاء سببیہ اور واو معیت امر، نہی، دعاء، عرض، تحضیض، تمنی، استفہام اور نفی میں سے کسی کے جواب میں واقع فعل مضارع پر داخل ہو تو اَنْ کا اظہار واجب ہے اور اگر فاء اور واو کے ذریعہ فعل مضارع کا عطف کسی خالص اسم پر ہو رہا ہو تو اظہار و اضمار دونوں جائز ہیں۔ نیز فاء اور واو کی طرح «لام» کی بھی دو حالتیں ہیں۔
(۱) اضمار «اَنْ» واجب جبکہ «اوبمعنی الیٰ یا «الّا» ہو۔ (۲) اظہار و اضمار دونوں جائز جبکہ اس کے ذریعہ خالص اسم پر عطف کا کام لیا جا رہا ہو۔ (منتہی الارب)

[2] اِسْتَسْهَلَ اِسْتِسْهَال آسان سمجھنا۔ مُنیٰ مُنْیَة کی جمع ہے آرزو، تمنا۔ انقادت انقیادًا تابع ہونا، قابو میں آنا۔ میں مشکلات کو آسان سمجھتا رہوں گا اور ان کو تابع بنانے کی کوشش کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تمناؤں کو پالوں، کیونکہ آرزوئیں صرف جفاکش ہی کے قابو میں آتی ہیں۔ محل استشہاد «اَوْ اُدرِكَ» کہ اُدرِكَ فعل مضارع اَوْ کے بعد واقع ہوا جو بمعنی الیٰ ان ہے۔ اور اس اَوْ کے بعد اَنْ کی تقدیر واجب ہوتی ہے، اسی وجہ سے مضارع منصوب ہے۔

[3] میں کافر کو ضرور بالضرور قتل کروں گا الّا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ اس میں اَوْ یُسْلِمَ بمعنی اِلّا اَنْ یُسْلِمَ ہے۔

اور (جیسے) شاعر کا قول وکنتُ اذا غمزتُ قناۃَ قومٍ ... کسرتُ کعوبہا اَوْ تستقیما۔ اور نہیں درست ہے کہ تقدیر عبارت کسرت کعوبہا اِلٰی اَنْ تستقیمَ ہو کیونکہ ٹوٹنے کے بعد درستگی نہیں ہوتی ہے۔

واَمّا الفاء والواو فینتصبُ الفعلُ المضارعُ بِاَنْ مضمرۃ بعدھما وجوبًا بشرطین لابُدّ منھما: اَحدُھما: ان تکون الفاء للسببیۃِ والواو للمعیۃِ، فلھذا رُفِعَ الفعلُ فی قولہٖ:

١٤٨- ✽ اَلَمْ تَسْأَلِ الرَّبْعَ القَوَاءَ فینطِقُ ✽

وذٰلکَ لانّ الفاء لوکانت عاطفۃ لجُزمَ مابَعدھا، ولوکانتْ للسّببیۃ انتصب مَابَعْدھا، فلمّا ارتفع دَلّ علیٰ أنّھا للاستئنافِ، وقال اللّٰہ تعالیٰ: (وَلَا یُؤْذَنُ لَھُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ) الفاء ھنا عاطفۃ کما سیأتی۔

الثانی: ان یکونا مَسْبوقین بنفیٍ اَوْ طلبٍ، فلا یجوز النصبُ فی نحو «زیدٌ یاتینا فیحدِّثُنا» فامّا قولہٗ:

١٤٩- سَاَتْرُکُ مَنْزِلِی لِبَنِی تَمِیْمٍ ... وَاَلْحَقُ بِالحِجَازِ فَاَسْتَرِیْحَا

فضرورۃ، وقیل: الاصل فَاَسْتَرِیْحَنْ، بنون التوکید الخفیفۃ، فابدلت فی الوقف الفًا کما تَقِفُ علیٰ (لَنَسْفَعًا) بالالفِ، وھٰذا التخریج ھروبٌ من ضرورۃ الیٰ ضرورۃ، فان توکید الفعلِ فی غیر الطلب والشرط والقسم ضرورۃٌ۔

لہ غمَزَ (ض) غمزًا چھونا۔ نیزہ کو آزمانے کے لئے دانتوں سے چبانا۔ قناۃ نیزہ۔ نیزہ کی لکڑی ج قَنیً وقنیات۔ کعوب ج کَعْب کی بمعنی گانٹھ۔ یہ شعر زیاد الاعجم کا ہے۔ میں جب کسی قوم کے نیزہ کو چھوتا ہوں تو اس کی اُبھری ہوئی گانٹھوں کو توڑ دیتا ہوں یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو جائے۔ اس کے مطلب میں اختلاف ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے حق میں نرمی مفید نہیں ہوتی تو اس کے ساتھ سختی برتتے ہیں یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں جب کسی قوم کی ہجو کرتا ہوں تو اس کو برباد کر کے چھوڑتا ہوں مگر یہ کہ وہ میری ہجو سے باز آجائے۔

محلِ استشہاد اَوْ تستقیما ہے کہ تستقیمَ فعل مضارع جو اَوْ بمعنی اِلّا کے بعد واقع ہے وہ «ان» مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔

اور یہ «اَوْ» الیٰ اَنْ کے معنی میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اِلیٰ غایت کو بیان کرتا ہے۔ تو مطلب ہو جائیگا کہ میں اسکو توڑ دیتا ہوں یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے۔ حالانکہ ٹوٹنے کے بعد کوئی بھی چیز ٹھیک نہیں ہوتی۔ بلکہ برباد ہوتی ہے۔ اور تستقیمَ کے بعد والا الف اشباعی ہے۔

وقولنا "طلب" يشمل: الامر، والنهي، والدعاء، والعرض، والتحضيض، والتمني، والاستفهام، فهذه سبعة مع النفي صارت ثمانية۔

وهذه المسألة التي يعبر عنها بمسألة الاجوبة الثمانية، ولكل منها نصيب من القول يخصه، فلنتكلم على ذلك بما يكشف إشكاله فنقول:

رہے فار اور واو تو مضارع اس اَنْ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے جو وجوباً ان دونوں کے بعد مضمر ہوتا ہے ایسی دو شرطوں کے ساتھ جن کا پایا جانا ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ فار سببیہ ہو اور واو بمعنی معیت ہو۔ چنانچہ اسی وجہ سے شاعر کے کلام اَلَمْ تَسْئَلِ الخ[1] میں فعل (فینطق) کو رفع دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر فار عاطفہ ہوتا تو اس کا مابعد مجزوم ہوتا۔ اور اگر سببیہ ہوتا تو مابعد منصوب ہوتا۔ (لیکن) جب مرفوع واقع ہوا تو اس نے فار کے مستانفہ ہونے کو بتلایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا يُؤْذَنُ[2] الخ فار یہاں بھی عاطفہ ہے۔ کما سیاتی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ان دونوں (فار، واو) سے پہلے نفی یا طلب ہو چنانچہ دوسری شرط کے فوت ہوجانے کی وجہ سے) زید یاتینا فیحدثنا جیسے میں نصب جائز نہیں ہے۔ رہا شاعر کا قول سَاَتْرُكُ[3] مَنْزِلِي الخ

---

[1] دوسرا مصرعہ ہے وَهَلْ تُخْبِرَنْكَ الْيَوْمَ بَيْدَاءُ سَمْلَقُ۔ ربع اقامت گاہ، مکان۔ القواء ویران۔ سملق بنجر۔ شعر جمیل بثینہ کا ہے۔ اپنے آپ کو مخاطب بناکر کہہ رہا ہے۔ تو تونے ویرانہ گھر سے اپنے احباب کے متعلق پوچھا نہیں تو بولتا اور آج تم کو بنجر جنگل کچھ بتلا سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) محل استشہاد فینطقُ ہے کہ فار یہاں مستانفہ ہے۔ عاطفہ یا سببیہ نہیں۔ عاطفہ ہوتا تو جزم آتا۔ سببیہ ہوتا تو نصب آتا۔ جزم ونصب کا نہ آنا مستانفہ ہونے کی دلیل ہے۔

[2] اور ان کو اجازت بھی نہیں ہوگی کہ وہ عذر کرسکیں۔ پ۲۹ ع ۲۱

[3] میں اپنا گھر بنی تمیم کے لئے چھوڑ دوں گا اور حجاز میں رہوں گا۔ (کیونکہ بنی تمیم پڑوسی کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے ہیں) کہ میں وہاں آرام پاؤں۔ محل استشہاد فاستریحا ہے کہ استریح فعل مضارع جو فار سببیہ کے بعد واقع ہے اَنْ مضمرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ چونکہ اَنْ کے اضمار کے لئے اس سے پہلے نفی یا طلب کا ہونا شرط ہے۔ جو یہاں مفقود ہے۔ اسی وجہ سے صاحب کتاب نے حکم لگایا کہ یہ ضرورت شعری کی بنا پر ہے۔

نوٹ:۔ بعض علمار نے ضرورت سے بچنے کے لئے یہ کہا کہ فاستریحا اصل میں فاستریحن تھا۔ نون خفیفہ حالت وقف میں ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گیا ہے جیسے لَنَسْفَعَنْ حالت وقف میں لَنَسْفَعَا ہوجاتا ہے۔

صاحب کتاب وهذا التخريج مردود سے اس توجیہ کی تردید فرماتے ہیں کہ تم نے بھی تو استریحا کے نصب کو خلاف قاعدہ ہونے ہی کی وجہ سے کہ یہ ضرورۃً ہے۔ اور آپ جو نون خفیفہ والی توجیہ لائے ہیں اس میں بھی نصب خلاف قاعدہ ہی آرہا ہے۔ کیونکہ نون تاکید کا لانا تو طلب شرط اور قسم میں ہوتا ہے۔ اور اسکے علاوہ اگر آتا ہے تو ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور یہاں نہ طلب ہے نہ شرط ہے اور نہ قسم۔ لہٰذا خلاف قاعدہ ہونے کی بنا پر ضرورۃً ہی کہا جائیگا۔ آپ تو ضرورت سے بھاگ رہے تھے اور دوسری ضرورت میں آکر پھنس گئے یہ کیا ہوا جیسے کہ اسکے کہا جائے۔ آسمان سے گرا کھجور پہ لٹک گیا۔

تو یہ ضرورۃً ہے۔ اور (یہ بھی) جواب دیا گیا ہے کہ اصل فاستریحن ہے نون تاکید خفیفہ کے ساتھ وقف کی صورت میں نون الف سے بدل گیا جیسے آپ لَنَسْفَعًا پر بشکل الف وقف (کر کے لَنَسْفَعَا) کرتے ہیں۔

اور یہ تخریج ایک ضرورت سے دوسری ضرورت کی طرف جاری ہے۔ کیونکہ طلب و شرط اور قسم کے علاوہ میں فعل کو مؤکد لانا (خود ایک) ضرورت ہے۔ اور ہمارا قول۔ طلب، امر، نہی، دُعا، عرض (درخواست) تحضیض (آمادہ کرنا، اُبھارنا) تمنی اور استفہام کو شامل ہے۔ اور یہ ساتوں نفی کے ساتھ جُڑ کر آٹھ ہو گئیں۔ یہ مسئلہ وہ ہے جس کو آٹھ جوابوں کے مسئلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ان (آٹھوں) میں سے ہر ایک کے لئے گفتگو کا ایک مخصوص حصّہ ہے۔ (یعنی ہر ایک کو ایک تفصیل درکار ہے) لہٰذا اس (موضوع) پر ایسی گفتگو کرتے ہیں جو اس کے اشتباہ کو دُور کر دے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں:

امّا النفی فنحو قولك: «مَا تَأْتِينِي فَأُكْرِمَكَ» وَلكَ في هٰذا اَرْبَعَةُ اَوْجُهٍ۔

اَحَدُهَا: ان تقدر الفاء لمجرد عطف لفظ الفعل على لفظ ما قبلها، فيكون شريكهُ في اعرابه، فيجبُ هنا الرّفع، لانّ الفعل الّذي قبلها مرفوع، والمعطوف شريك المعطوف عليه، فكأنّكَ قلت: مَا تَاتِينِي فَمَا اكرمُكَ، فهو شريكهُ في النفي الداخل عليه، وعلى هٰذا قوله تعالىٰ: (هٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ، وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ) فالفاء هُنا عاطفة كما ذكرنا. والفعل الّذي بعدها داخل في سلك النفي السّابق، فكأنّهُ قيل: لا يؤذن لهم فلا يعتذرونَ۔

اور نفی تو جیسے تمہارا قول مَا تَاتِينَا فَاكرمك اور تمہارے لئے اس میں چار صورتوں کا جواز ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ آپ فاء کو لفظ فعل کے ماقبل فاء کے لفظ پر محض عطف کے لئے مانیں اس وقت یہ (مابعد فاء) ماقبل کے اعراب میں اس کے شریک ہوگا۔ چنانچہ یہاں رفع ضروری ہے۔ کیونکہ اسکے پہلے والا فعل مرفوع ہے۔ اور معطوف معطوف علیہ کے شریک ہوتا ہے تو گویا کہ تم نے کہا ما تاتینی فما اکرمك لہٰذا یہ اس کا شریک ہے اس نفی میں جو اس پر داخل ہے۔ اور اسی پر (محمول) ہے باری تعالیٰ کا قول هٰذَا يَوْمُ الخ چنانچہ یہاں فاء عاطفہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور وہ فعل جو اس کے بعد ہے وہ سابق نفی کی لڑی میں داخل (و شامل) ہے۔ گویا کہ کہا گیا لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَلَا يَعْتَذِرُونَ۔

الثانى ان تقدر الفاء لمجرد السّببية، ويقدّر الفعلُ الّذي بعدها مُستأنفا، ومع استئنافه يقدر مبنيًا على مُبتدأ محذوف، فيجبُ الرفعُ ايضًا، لخلو الفعل عن الناصب والجازم، فتقول: «مَا تَاتِينِي فَاكرِمُكَ» بمعنى فانا اكرمك لكونك

لم تأتنی، وذلك اذا كنت كارهًا لاتيانه، ويوضح هذا انك تقول: «مازيدٌ قاسيًا فيعطِف على عبده» اى فهو لانتفاء القسوة عنه يعطف على عبده۔

والفرقُ بين هٰذا الوَجْهِ والّذی قبله واضح، لان الوجه الاول شمل النفیُ فیه ما قبل الفاء ومَابعدهَا، وهٰذا الوجه انصبّ النفیُ فیه الیٰ مَا قبل الفاء خاصة دونَ مابعدها، وذلك لانّك لم تجعل الفاء لعطف الفعل الذی بعدهَا علی المنفی الّذی قبله فیكون شریكهٗ فی النفی، وانمَا اخلصتها للتّبیبة۔

ويذكر النحويون هذين الوَجْهَيْنِ فِي قولك «مَاتاتينا فتُحدّثنا» وهٰذا سَهْوٌ، اذ يستحيل ان ينتفی الاتيانُ ويوجد الحديثُ، والصّوابُ ما مثّلتُ لك به۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ فار صرف سببیت کے لئے مانیں اور اس فعل کو جو اس فار کے بعد ہے مستانفہ مانا جائے۔ اور اسکے مستانفہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بنیاد مبتدا محذوف پر مانی جائے، تو بھی فعل کے ناصب وجازم سے خالی ہونے کے باعث رفع واجب ہے چنانچہ آپ کہیں گے مَاتَاتِینِي فَاُكْرِمُكَ جو بمعنی فَانَا اكرمك لكونك لم تاتنی ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب آپ اس کے آنے کو ناپسند سمجھ رہے ہوں۔ اور اس کی وضاحت تمہارا قول مَازیدٌ قاسیًا فیعطف علیٰ عَبْدِہٖ کرتا ہے۔ یعنی وہ سخت دل نہ ہونے کے باعث اپنے غلام پر مہربانی کرتا ہے۔ اور اس صورت میں اور اس سے پہلی والی صورت میں فرق واضح ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں نفی ما قبل الفار اور مابعد الفار (دونوں) کو شامل ہے۔ اور اس صورت میں نفی صرف ماقبل الفار میں منحصر ہوگئی ہے نہ کہ مابعد الفار میں۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ نے فار کو بعد والے فعل کے ماقبل والے منفی فعل پر عطف کے لئے نہیں مانا ہے کہ وہ اس کا نفی میں شریک ہو بلکہ آپ نے اس کو صرف سببیت کے لئے (ذکر) کیا ہے۔ اور نحوی ان (مذکورہ) دونوں صورتوں کو تمہارے قول مَا تَاتِینا فتحدّثنا میں بیان کرتے ہیں۔ جبکہ یہ بھول (اور غلط) ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ آنا نہ پایا جائے اور گفتگو پائی جائے۔ صحیح وہی مثال ہے جو میں نے آپ کے سامنے ذکر کی۔

تشریح:۔ اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ فار کا مدخول مستقل جملہ ہوتا ہے جو مبتدار محذوف کی خبر بنتا ہے۔ اور اس فعل پر ناصب اور جازم نہ ہونے کے باعث رفع آتا ہے۔ مثلاً زید کے آنے کو آپ ناگوار سمجھتے ہوں اتفاق سے ملاقات ہوگئی تو آپ نے کہا مَاتاتینی فاکرمك ای فَانَا اكرمك یعنی آپ میرے نزدیک قابلِ اکرام ہیں کیونکہ آپ آتے نہیں۔ اسی طرح مَازَیْدٌ قاسِیًا

فیعطف علیہ ای فھو یعطف علیہ زید سخت دل نہیں اسی وجہ سے وہ اپنے غلام پر مہربان ہے۔

قولہ والفرق الخ پہلی اور دوسری صورت میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں نفی کا تعلق معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے ہوتا ہے۔ اور اس قسم میں صرف پہلے والے جملہ سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پہلی صورت مثال کی تقدیر ہوگی مَاتاتینی فما اکرمك کیونکہ فار عاطفہ ہے جو معطوف اور معطوف علیہ کو ایک حکم نفی میں شریک کرے گا۔ اور دوسری صورت میں تقدیر ہوگی مَاتاتینی فانا اکرمك کیونکہ فار سببیہ ہے۔ اس کا کام دوسرے کیلئے پہلے کے سبب ہونے کو ظاہر کرنا ہے۔

ویذکر النحویون الخ بعض نحویوں نے دونوں صورتوں کی مجموعی مثال مَاتَاتِینا فتحدثنا دی ہے۔ صاحب کتاب ان کی تردید کر رہے ہیں کہ مثال غلط ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں تو معنی درست ہو جائیں گے اس لئے کہ اس وقت معنی ہوں گے تم آتے نہیں ہو اور ہم سے بات نہیں کرتے ہو۔ مگر دوسری صورت میں معنی ہوں گے تم آتے نہیں ہو جس کی وجہ سے تم ہم سے بات کرتے ہو۔ یہ معنی غلط ہیں۔ کیونکہ بغیر آئے بات کیسے ہو سکتی ہے؟

الثالث ان تقدِّر الفاء عَاطفة لعطف مصدر الفعل الذی بعدھَا علی المصدر المؤول مما قبلها وتقدر النفی منصبًا علی المعطوف دون المعطوف علیه، فیجب حینئذٍ النصب بِأَن مضمرة وجوبًا، والتقدیر: مَا یکون منك إتیان فاکرام منی، ای مَایکون منك اتیان فیعقبه منی إکرام، بل یکون منك إتیان ولا یکون منی اکرام.

الرابع: ان تقدر ایضًا الفاء لعطف مصدر الفعل الّذِی بعدھَا علی المصدر المؤول مما قبلها، ولکن تقدر النفی منصبًّا علی المعطوف علیه، فینتفی المعطوف، لانّهٗ مسبَّب عنه، وقد انتفی، ویکون معنی الکلام: مَا یکون منك اتیان فکیف یکون منی إکرام۔؟

وھٰذان الوجهان سَائغان فی «مَا تَاتِینا فتحدّثنا» اذ یصح ان یقال: مَاتاتینا محدّثًا بل تاتینا غیر محدث، وان یقال: مَاتاتینا فکیف تحدثنا؟

وتلخص أنّ لنا فی الرّفع وجهاین، وفی النصب وجهاین۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فار کو آپ عَاطفہ مانیں فار کے بعد والے فعل کے مصدر کا اسکے ماقبل والے مصدر مؤول پر عطف کرنے کے لئے۔ اور نفی کو صرف معطوف میں منحصر مانیں نہ کہ معطوف علیہ میں۔ چنانچہ

اس صورت میں (فاء کے مدخول پر) اس اَنْ کی وجہ سے نصب ضروری ہے جو وجوبًا مقدر ہے۔ اور تقدیر عبارت ہوگی مَا یکون الخ نہیں ہوگا تمہاری طرف سے آنا کہ جس کے بعد میری طرف سے اکرام ہو یعنی تمہاری طرف سے کوئی آنا ایسا نہیں ہوگا کہ جس کے نتیجہ میں میری طرف سے اکرام پایا جائے۔ بلکہ آپ کی طرف سے (صرف) آنا (محقق) ہوگا اور میری طرف سے اکرام و اعزاز نہیں ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ "فا" کو آپ (عاطفہ) مانیں فاء کے بعد والے فعل کے مصدر کا عطف کرنے کیلئے ماقبل والے مصدر مؤول پر۔ لیکن آپ نفی کو منحصر مانیں معطوف علیہ پر۔ اور اس کی وجہ سے معطوف منفی ہوجائیگا۔ اس لئے کہ یہ تو (اس معطوف علیہ کا) مستبب ہے اور وہ معدوم ہے (تو معطوف بھی معدوم ہوجائیگا) اور کلام کے معنی ہوں گے مَا یکونُ الخ تمہاری طرف سے جب آنا محقق نہیں ہوگا تو میری طرف سے اکرام کیسا؟ اور یہ دونوں (تیسری، چوتھی) صورتیں مَا تَاتینا فتحدّثنا میں جائز و ممکن ہیں۔ کیونکہ مَا تاتینا محدثا بل تاتینا غیر محدث کہنا درست ہے۔ اور مَا تاتینا فکیف تحدثنا؟ کہنا درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک رفع کی دو صورتیں ہیں (یعنی پہلی اور دوسری) اور نصب کی دو صورتیں ہیں۔ (تیسری، چوتھی)۔

تشریح:۔ تیسری اور چوتھی صورت میں فاء عاطفہ ہوگا مگر اس کا معطوف علیہ خود فعل نہیں ہوگا جیسا کہ پہلی صورت میں تھا بلکہ وہ مصدر ہوگا جو فعل سے مؤول ہوگا مَا تَاتینا فتحدّثنا میں معطوف علیہ اِتیان نکلیگا پھر تیسری صورت میں نفی کا تعلق صرف معطوف سے ہوگا۔ اور مثال کا مفہوم ہوگا تمہاری طرف سے ایسا آنا محقق نہیں ہوا کہ جس کے نتیجہ میں میری طرف سے اکرام ہو بلکہ تمہاری طرف سے آنا تو ہوتا ہے مگر میری طرف سے اکرام نہیں ہو پاتا۔ اور چوتھی صورت میں نفی کا تعلق صرف معطوف علیہ سے ہوگا، لیکن معطوف علیہ میں سببیت کے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے نفی مسبب یعنی معطوف میں بھی سرایت کر جائے گی۔ مثال کا مفہوم ہوگا آپ کی طرف سے اتیان نہیں ہوتا تو ہماری طرف اکرام کیسا؟ یعنی نہ اتیان ہے نہ اکرام ہے۔ یہ دونوں صورتیں مَا تَاتینا فتحدّثنا میں درست ہوسکتی ہیں۔ اور معنی بھی فاسد نہیں ہوسکتے پہلی صورت میں معنی ہوں گے ماتاتینا فتحدثنا بل تاتینا غیر محدث یہ درست ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ آپ ہمارے پاس غیر متکلم ہونیکی حالت میں آئیں اور دوسری صورت میں معنی ہونگے ماتاتینا فکیف تحدثنا؟ یعنی آپ ہمارے پاس آتے ہی نہیں تو پھر آپ بات کیسے کرسکتے ہیں۔ یہ معنی بھی درست ہیں۔ کیونکہ جب آنا ہی محقق نہیں ہو پایا تو تکلم کیسے ممکن ہے۔

فان قلت هل يجوز ان يقرأ: (ولا يؤذن لهم فيعتذروا) بالنصب على احد الوجهين المذكورين للنصب-؟

قلتُ: نعم يجوز على الوجهِ الثاني وهو ما تأتينا فكيف تحدثنا، اى، لا يؤذن لهم بالاعتذار فكيف يعتذرون؟ ويمتنع على الوجهِ الاول — وهو ما تأتينا محدثا بل تاتينا غير محدث، الا ترى ان المعنى حينئذٍ لا يؤذن لهم في حالةِ اعتذارهم بل يؤذن لهم في غير حالةِ اعتذارهم، وليس هٰذا المعنى مُرادًا-

اعتراض کیا ولا یؤذن لھم الاٰیہ (فیعتذروا کو) نصب کی مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک کی بنیاد پر نصب کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔؟ جواب: جی ہاں! دوسری[1] صورت یعنی مَا تَاتینا فکیف تحدثنا کی بنیاد پر درست ہے۔ (اس وقت) معنی ہوں گے، جب ان کو معذرت کرنے کی اجازت ہی نہیں دیجائے گی تو وہ کیسے معذرت کریں گے؟ اور پہلی صورت یعنی مَا تاتینا محدثا بل تاتینا غیر محدث کی بنیاد پر ممنوع ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ معنی اسوقت ہوں گے ان کو معذرت کرنے کی حالت میں اجازت نہیں دیجائے گی۔ بلکہ ان کو معذرت کی حالت کے علاوہ میں اجازت دیجائے گی۔ جبکہ یہ معنی (قطعًا) مراد نہیں (کیونکہ جب ان کو معذرت کی حالت میں اجازت نہیں تو غیر معذرت کی حالت میں کیسے اجازت ہوگی)۔

فان قلتَ: فاذا كان النصبُ في الاٰيةِ جائزًا على الوجه الذى ذكرتهُ، فما باله لم يقرأ به احدٌ من القراءِ المشهورين؟

قلتُ: لِوجهينِ، اَحدُهُما انّ القراءة سُنّة مُتّبعة، وليس كل ما تجوّزهُ العربيّة تجوز القراءة به، والثانى: انّ الرفع هُنا بثبوت النون فيحصل بذلك تناسب رؤوس الاٰى، والنصب بحذفها فيزول (معه) التناسب-

اعتراض: جب آیت میں نصب اس بنیاد پر جائز ہے جو آپ نے ذکر کی، پھر کیا بات ہے کہ مشہور قراء میں سے کسی نے بھی اس کے مطابق پڑھا نہیں۔ جواب: دو وجہوں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ قرارت طریقہ متوارثہ ہے، اور ایسا نہیں کہ عربیت (نحو وصرف) جس (قرارت) کو جائز قرار دیدے اس کی قرارت بھی جائز ہو۔

---

[1] دوسری صورت سے مراد نصب کی دوسری صورت مراد ہے یعنی جو کتاب میں چوتھے نمبر پر ذکر کی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رفع یہاں نون کے باقی رہنے کی شکل میں ہے چنانچہ اس کی وجہ سے آیتوں کے خواتم میں تناسب پایا جاتا ہے۔ اور نصب نون کے حذف کرنے کی شکل میں ہوگا جس کی وجہ سے تناسب ختم ہو جائیگا (اور وہ حسن زائل ہو جائیگا جو رعایتِ تناسب کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے۔)

ومن مجیء النصب بعد النفی قول اللہ عزّ وجل: (لَا یُقْضٰی عَلَیْہِمْ فَیَمُوْتُوْا) والنصبُ ھنا علٰی معنی قولك: مَاتاتینا فکیف تحدّثنا، لاعلی قولك: مَاتاتینا محدثًا بل غیر محدث۔

ولو قلت "مَاتاتینا الاّ فتحدثنا" أوْ "مَاتزال تاتینا فتحدثنا" وجبَ الرّفع وذٰلك لان النفی فی المثال الاول قد انتقض بہ "الاّ" فی المثال الثانی ھو داخل علٰی زال وزال للنفی، ونفی النفی ایجابٌ۔

اور نفی کے بعد نصب آنے کی قبیل سے باری تعالیٰ کا ارشاد لَا یُقْضٰی الخ[1] ہے۔ اور نصب یہاں تمہارے قول "مَاتاتینا فکیف تحدثنا" کے معنی کی بنیاد پر ہے، نہ کہ تمہارے قول مَاتاتینا محدثًا بل غیر محدث کی بنیاد پر ــ اور اگر آپ (سابقہ مثال کی تقدیر عبارت نکالتے ہوئے) کہیں مَا تَاتِینا الاّ الخ یا مَاتزال الخ تو رفع واجب ہے۔ کیونکہ پہلی مثال میں نفی "الاّ" کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ اور دوسری مثال میں نفی زالَ پر داخل ہوگی اور زال نفی (پر دلالت) کے لئے ہے (گویا کہ مَا نافیہ نفی پر داخل ہوگیا) اور نفی کی نفی ایجاب ہے۔

واَمّا الامر فکقولہ:

۱۵۰۔ یَا نَاقُ سِیْرِیْ عَنَقًا فَسِیْحَا   اِلٰی سُلَیْمَانَ فَنَسْتَرِیْحَا

وشرطہٗ اَمْرانِ، اَحَدُھُمَا ان یکون بصیغۃ الطّلب، فلو قلت "حَسْبُكَ حَدِیْثٌ فَیَنَامَ النّاسُ" ــ بالنصب ــ لم یجز، خلافًا للکسائیْ، وَالثَّانِی: ان لایکون

---

[1] ان پر موت کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا کہ وہ مریں۔ پ ۲۲ ع ۱۶۔ آیت میں فیموتوا پر نصب نون اعرابی گرنے کی شکل میں آیا ہے۔ اور یہ نصب مَا تاتینا فکیف تحدثنا یعنی نصب کی چوتھی صورت کی بنا پر ہے۔ اور اس صورت میں آیت کے معنی ہونگے کہ ان کے حق میں موت کا فیصلہ ہی نہیں ہوگا تو مریں گے کیسے؟

اور نصب تیسری صورت کی بنا پر نہیں۔ ورنہ آیت کے معنی ہوں گے کہ ان کے حق میں موت کا فیصلہ ان کے مرنے کی حالت میں نہیں ہوگا، بلکہ نہ مرنے کی حالت میں موت کا فیصلہ ہوگا۔ اور یہ معنی غلط ہیں۔ کیونکہ موت کا فیصلہ تو جہنمیوں کے حق میں ہوگا ہی نہیں۔

بلفظ اسم الفعل، فلا یجوزان تقول: «صَهْ فَنُكْرِمَكَ» بالنصب، هٰذا قولُ الجمهور، وخالفهم الكسائی، فاجاز النصبَ مطلقًا، وفصّل ابنُ جنّی وابنُ عصفور فاجازاه اذا كان اسمُ الفعل من لفظ الفعل، نحو: «نَزَالِ فنُحدِّثَكَ»، ومنعاه اذا لم یكن من لفظه، نحو «صَهْ فَنُكْرِمَكَ» وَمَا اَحْرَی هٰذا القولَ بان یكون صَوابًا۔

بہرحال (جبکہ فار سے پہلے) امر[1] ہو تو اس کی مثال جیسے قائل کا قول یَانَاقُ[2] الخ اس کی شرط دو چیزیں ہیں: پہلی چیز یہ صیغہ طلب ہو۔ چنانچہ اگر آپ کہیں حسْبُكَ[3] حدیث الخ نصب کے ساتھ تو جائز نہیں، کسائی اس کے مخالف ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ امر بصورت اسم فعل نہو۔ چنانچہ صَہ فَنُكْرِمَكَ نصب کے ساتھ کہنا آپ کے لئے جائز نہیں۔ یہ جمہور کا قول ہے، کسائی اس کے مخالف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نصب مطلقاً درست قرار دیا۔ اور ابن جنی اور ابن عصفور نے (دونوں میں) فرق کیا۔ چنانچہ انہوں نے جائز قرار دیا ہے جبکہ اسم فعل لفظ فعل کی قبیل سے ہو۔ جیسے نَزَالِ فنحدِثَكَ الخ انہوں نے ناجائز قرار دیا ہے جبکہ اسم فعل الفاظِ فعل کی قبیل سے نہو جیسے صَہ فنكرمكَ اور یہ قول درستگی کے کس قدر لائق ہے۔

---

[1] امر کے معنی ہیں کسی کام کے کرنے کو طلب کرنا بشرطیکہ اپنے سے بڑے درجہ والے آدمی کی طرف سے سرزد ہو۔ اور اگر اپنے ہمرتبہ کی طرف سے ہو تو «التماس» ہے۔ اور اگر باری تعالیٰ کی جناب میں خضوع کے ساتھ ہو تو «دُعا» ہے۔ امر کے دو قسم کے صیغے آتے ہیں۔ صیغہ اصلی یعنی افعل افعلا وغیرہ۔ صیغہ لام طلب۔ یعنی وہ فعل مضارع جو لام طلب یعنی لام امر کے داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوتا ہے۔ پہلے کی مثال کتاب میں مذکور ہے اور دوسرے کی مثالیں لِتَكُنْ طَاعَةُ اللّٰہِ اولی الامور لدیك فتسعدَ۔ لِيَكُنْ حرصك علی اَدَاءِ الواجب عقیدةً فتنهض وینهض وطنك — وَلِتبتعد عن مَواطنِ الشبهات فیرتفع قدرك۔ ہیں۔ (النحو الوافی مع التغییر ص۳۲۸ ج۴)

[2] ناق ناقة کا مرخم ہے۔ عَنَقًا ایک قسم کی تیز چال۔ فسیحًا لمبے قدموں والی چال۔ یہ شعر ابوالنجم الفضل ابن قدامہ کا ہے۔ اے اونٹنی سلیمان بن عبدالملک بن مروان کی طرف تیز اور لمبے قدموں والی چال سے چل کر ہم (جلدی اس سے عطیے لیکر) آرام حاصل کریں۔ محلِ استشہاد: فنستریحا ہے جو اس «ان» کی وجہ سے منصوب ہے جو جواب امر میں واقع ہونے والے فار کے بعد مضمر ہے۔ آخر میں الف اشباع کا ہے۔

[3] تمہاری گفتگو بہت ہوگئی (ختم کیجئے) کہ لوگ سو جائیں۔ اس مثال میں «ینام» پر نصب اس لئے درست نہیں کہ صیغہ طلب کی شرط مفقود ہے۔ کیونکہ حَسْبُكَ صیغہ طلب نہیں بلکہ اسم ہے۔ معنی اگرچہ اس کے امر کے ہیں۔ اور کسائی بلا کسی شرط کے جواز کے قائل ہیں۔ اسی طرح صَہ فنكرمُك جمہور کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ دوسری شرط مفقود ہے مگر کسائی اسکو بھی جائز کہتے ہیں کیونکہ کسائی کے نزدیک فار کے دخول پر نصب آنیکی مذکورہ دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں۔
ابن جنی اور ابن عصفور نے بیچ کی راہ اختیار کی چنانچہ انہوں نے کہا کہ اگر فار سے پہلے اسم فعل لفظ فعل کی قبیل سے ہو تو نصب جائز جیسے نزال فنحدثك ورنہ جائز نہیں جیسے صہ فنكرمك مصنف نے ابن جنی اور ابن عصفور کے قول کو وما احری هٰذا القول بان یكون صوابًا کہکر درست قرار دیا ہے (نوٹ) لفظ فعل سے مراد یہ ہے کہ اسم فعل کا مادہ سے دیگر افعال اور صیغے بھی آتے ہوں جیسے نزال اسم فعل ہے اسکے مادہ «ن، ز، ل» سے بہت سے صیغے آتے ہیں بخلاف صہ کے کہ اس اسم فعال کا اشتقاق نہیں ہوتا۔

واما النہی فکقولك: «لاتفعل شرًّا فأعاقِبَك» وقول الله تعالیٰ (لَاتَفْتَرُوا عَلَى اللهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ) (وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ) ولو نقضت النّھی بِـ «الّا» قبل الفاء لم تنصب، نحو «لاتضرِبْ الّا عمرًا فیغضبُ» فیجبُ فی «یغضب» الرّفع۔

وَامّا الدُّعاء فکقولك: «اَللّٰھُمَّ تب عَلَیَّ فَاَتُوْبَ» وقول الله تعالیٰ: (رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ) وقول الشّاعر:

۱۵۱۔ رَبِّ وَفِّقْنِیْ فَلَا اَعْدِلَ عَنْ   سَنَنِ السَّاعِیْنَ فِیْ خَیْرِ سَنَنِ

وَشرطُهٗ: ان یکونَ بالفعلِ، فلوقلتَ «سَقْیًا لَكَ فَیُرْوِیْكَ الله» لم یجزالنّصب

اور بہرحال (جبکہ فاء سے پہلے) نہی[1] ہو۔ تو جیسے تمہارا قول لاتفعل[2] الخ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ولاتفتروا[3] اور وَلَاتطغوا[4] الخ ہے۔ اور اگر آپ فاء سے پہلے والی نہی کو اِلّا کے ذریعہ توڑ دیں تو نصب نہیں دیں گے۔ جیسے لاتضرب[5] الخ اسی وجہ سے یغضب پر رفع واجب ہے۔

اور دعاء جیسے تمہارا قول اَللّٰھُمَّ تُبْ[6] الخ اور باری تعالیٰ کا ارشاد رَبَّنَا اطْمِسْ[7] الخ اور شاعر کا قول رَبِّ وَفِّقْنِیْ[8] الخ ہے۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ دعاء بصورت فعل ہو۔ چنانچہ اگر آپ سَقْیًا لك[9] الخ کہیں تو نصب جائز نہیں۔

---

[1] النھی معناہ طلب الکف عن شئ علٰے سبیل الاستعلاء۔

[2] بُرا کام مت کرو کہ میں تم کو سزا دوں۔ [3] اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افترا مت کرو، کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کر دے۔ پ۱۶ (۱۲) [4] اور اس میں حد سے مت گذرو کہیں یہ میرا غضب تم پر واقع ہو جائے۔ پ۱۶ (۱۲)
[5] مت مارو مگر عمرو کو کہ وہ غصہ ہوتا ہے۔ [6] اے اللہ میری جانب توجہ فرما کہ میں توبہ کروں۔

[7] اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ یہ ایمان نہ لانے پاویں یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔ (پ۱۱ع ۱۳) [8] اعدل (ض) عدولًا ہٹنا۔ سَاعِیْن سَاعِی کی جمع ہے۔ سالک، کوشش کرنے والا۔ سَنَن طریقہ، طریقت۔ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ اچھے راستہ پر چلنے والوں کے طریقہ سے نہ ہٹوں۔
محلِ استشہاد: فلا اعدل ہے کہ فعل مضارع اس اَنْ کی بناء پر منصوب ہے جو فعل دعاء کے بعد وجوبًا مضمر ہوتا ہے۔ اس شال سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاء اور مضارع کے درمیان لا نافیہ کا فصل ہو جائے تو وہ عمل سے مانع نہیں بنے گا۔

[9] اللہ آپ کو پلائے کہ وہ سیراب کرے۔ اس مثال میں فاء سے پہلے فعل دُعاء نہیں بلکہ اسم ہے اس لئے مضارع منصوب نہیں ہوگا۔ نوٹ:۔ صاحب کتاب نے جس طرح دعاء کیساتھ فعل کی قید لگائی ہے اسی طرح اگر فعل اصلی کی قید لگاتے تو اچھا ہوتا تاکہ رحم اللہ زیدًا فیدخلہ الجنۃ جیسا خارج ہو جاتا کیونکہ اس مثال میں رَحِمَ اصلًا فعل دُعاء نہیں بلکہ اصلًا ماضی کا صیغہ ہے جس کا مدلول خبر ہے۔ مگر ماضی کے صیغہ کو مجازًا دُعاء کیلئے استعمال کر لیا جاتا ہے۔ دُعاء کے اصلی صیغے وہی ہیں جو امر کے ہیں۔

واما الاستفهام فشرطهٗ: ان لایکون بأداۃ تلیہا جملۃٌ اسمیۃ خبرُھا جامد، فلا یجوز النصبُ فی نحو «ھل اخوك زیدٌ فاکرمُهٗ».

ولافرقَ بَیْنَ الاسْتِفْہام بالحرفِ نحو: (فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا) والاستفہام بالاسم نحو: (مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ) یُقرأ برفع (یضاعف) ونصبِه، وفی الحدیث حکایۃً عن الله تعالیٰ «من یدعونی فاستجیبَ لهٗ ومَن یَستغفرنی فاغفرَلهٗ» والاستفہام بالظرف نحو: «اَیْنَ بیتُك فازورَك» و «متیٰ تسیرُ فأُرافِقَكَ؟» و «کیف تکون فاصحبَكَ؟»

فان قلتَ: فما بالُ الفعلِ لم یُنصب فی جواب الاستفہام فی قولِ الله عزّ وجلّ: (اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً)

قلتُ: لِوجْهَیْن، اَحَدُھُمَا انّ الاستفہام ھنا معناہ الاثبات، والمعنیٰ قد رأیت انّ الله انزلَ من السّماء ماء، والثانی: انّ إصباح الارض مخضرّۃ لایتسبّب عمّا دخل علیه الاستفہام، وھو رؤیۃ المطر، وانّما یتسبّب ذلك عن نزول المطر نفسه، فلوکانت العبارۃ انزلَ اللهُ مِنَ السّماء ماءً فتصبحُ الارض مخضرۃ ثم دخل الاستفہام مَنَعَ النصبُ۔

اور رہا استفہام تو اس کی شرط یہ ہے کہ استفہام ایسے کلمہ کے ذریعہ نہو جسکے بعد وہ جملہ اسمیہ ہو جس کی خبر جامد ہو۔ چنانچہ ھَلْ اخوك زیدٌ فاکرمهٗ جیسے میں (اکرمهٗ پر) نصب جائز نہیں۔ کیونکہ اخوك کی خبر زید ہے جو جامد ہے۔ اور استفہام بالحرف جیسے فَهَلْ لَنَا مِنْ[1] الخ اور استفہام بالاسم جیسے مَنْ[2] ذَا الَّذِي الخ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ یضاعف کے رفع اور نصب (دونوں) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ سے بطور نقل ہے مَنْ يَدْعُونِي[3] الخ اور (اسی طرح) استفہام بالظرف کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسے اَیْنَ بیتُك[4] الخ متیٰ[5] اور کیف[6] تکون الخ۔

---

[1] تو کیا اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں کہ وہ ہماری سفارش کردے۔ پ۸ ع۱۳) [2] کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاکر بہت سے حصے کردیوے۔ پ۲ ع۱۷) [3] کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں۔ اور کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اس کی مغفرت کروں۔ (صحیح بخاری ص۱۵۳ ج۱) [4] آپ کا مکان کہاں ہے کہ میں آپ سے ملاقات کروں [5] اور آپ کب چلیں گے کہ آپ کا رفیق رہوں۔ [6] اور آپ کس طرح (رہتے) ہیں کہ میں آپ کی صحبت اختیار کروں۔

اعتراض: کیا بات ہے کہ جوابِ استفہام میں واقع فعل (فتصبح) کو نصب نہیں دیا گیا جو باری تعالیٰ کے ارشاد اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ الخ میں مذکور ہے۔

جواب: دو وجہوں سے (نصب نہیں دیا) ۱۔ یہاں استفہام اپنے اصلی معنی میں نہیں بلکہ یہاں اس کے معنی اثبات کے ہیں۔ اور مفہوم ہے تم نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا ۲۔ زمین کا سرسبز ہوجانا استفہام کے مدخول یعنی رویۃ مطر کا سبب نہیں بنتا ہے بلکہ یہ (شاداب ہونا) نزولِ مطر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر عبارت اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً الخ ہوتی پھر اس پر استفہام داخل ہوتا تو نصب درست ہوتا۔

تشریح:۔ مذکورہ اعتراض کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں استفہام کے اصلی معنی باقی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اثبات کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں آیت کا وہ ترجمہ نہیں ہوگا جو حاشیہ پر دیا گیا ہے بلکہ ترجمہ ہوگا: تم کو تو خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ...... زمین سرسبز ہوگئی، دوسرا جواب یہ ہے کہ فار کے بعد والے فعل پر نصب آنے کے لئے ضروری ہے کہ استفہام کا مدخول سبب اور فار کا مدخول مسبّب بنے۔ اور یہاں ایسا ہے نہیں۔ کیونکہ "ء" استفہامیہ کا مدخول ہے رویت مطر اور فار کا مدخول ہے زمین کا سرسبز ہونا اور ظاہر ہے کہ رویتِ مطر شادابی کا سبب نہیں بلکہ نزولِ مطر سبب ہے۔ لہٰذا اگر نزولِ مطر پر استفہام داخل ہوتا تو مضارع منصوب ہوتا اور اس وقت عبارت اس طرح ہوتی۔ أَأَنْزَلَ اللّٰہُ الخ۔

فان قلت: یـردُّ هٰـذا الوجه قولُهٗ تعـالیٰ: (اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْاَةَ اَخِیْ)، فـانَّ مُوارَاةَ السَّوْاَةِ لایتسبَّبُ عَمَّا دَخَلَ علیهِ حرفُ الاستِفهامِ، لِاَنَّ العجزَ عن الشئ لایکونُ سَبَبًا فی حصُولهِ۔

قلتُ: لیسَ (اُوَارِیَ) منصوبًا فی جواب الاستِفهامِ، وانّما هو منصوبٌ بالعطفِ علی الفعـلِ المنصوب، وهو (اکون)۔

فان قلتَ: فقـد جَعَلَه الزمخشري منصوبًا فِی جوابِ الاستِفهامِ!

قلتُ: هُـوَ غـالِطٌ فی ذالك۔

---

۱ کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی۔ (پ۱۷ ع ۱۵)

اعتراض : باری تعالیٰ کا ارشاد أَعَجَزْتُ اَنْ[1] الخ اس (مذکورہ) توجیہ کی تردید کرتا ہے۔ اس لئے کہ لاش کو چھپا دینا حرفِ استفہام کے مدخول یعنی عجز کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔ کیونکہ کسی شئی سے عاجز آ جانا اسکے وجود کا سبب نہیں ہو سکتا۔

جواب : « اُوَارِیَ » جوابِ استفہام کی وجہ سے منصوب نہیں بلکہ وہ فعل منصوب یعنی اَکُوْنَ پر عطف کیوجہ سے منصوب ہے۔

اعتراض : علامہ زمخشریؒ نے تو جوابِ استفہام کی وجہ سے منصوب قرار دیا ہے !۔

جواب : وہ اس (جوابِ استفہام کی بنا پر نصب دینے) میں غلطی کر رہے ہیں۔

وَأَمَّا العَرْضُ فكقولِ بعضِ العَربِ « الاتقعُ (فی) الماءِ فتسبحَ »

وكقولك : « أَلَا تَاتِيْنَا فَتُحَدِّثَنَا » وقولُ الشاعر :

۱۵۲- يَا ابنَ الكِرَامِ الاتَدْنُوْ فَتُبْصِرَمَا قَدْ حَدَّثُوْكَ فَمَا رَاءٍ كَمَنْ سَمِعَا

وَأَمَّا التَّحضيضُ فكقولك : « هَلَّا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ تَعَالٰى فيغفِرَلك »، وَ« هَلَّا اَسْلَمْتَ فَتَدْخُلَ الجَنَّةَ »، وَهُوَ وَالعَرْضُ مُتَقَارِبَانِ، يجمعهما التنبيهُ على الفعلِ، الّا انّ فى التحضيضِ زيادةَ توكيدٍ وحثٍّ ـ

وَاَمَّا قولُهُ تَعَالٰى : (لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ) فمن بابِ النصبِ فى جَوابِ الدُّعاءِ، ولكن اُسْتُعِيْرَتْ فيه عبارةُ التحضيضِ اَو العرضِ لِلدُّعاءِ ـ

وَاَمَّا التَّمَنِّیْ فكقولِهٖ تَعَالٰى : (يَا لَيْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا) ـ

وقولُ الشاعر :

۱۵۳- اَلَا رَسُوْلَ لَنَا مِنْهَا فَيُخْبِرَنَا ؛

فَهٰذِهٖ امثلةُ النصبِ بعدَ فاءِ السَّبَبِيَّةِ فى هٰذِهِ المواضعِ الثَّمانيةِ ـ

اور عرض[2] جیسے کسی عرب کا قول اَلَاتَقَعُ[3] الخ

---

[1] کیا میں اس سے بھی گیا گذرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ پ ۶ ع ۹)۔

[2] کسی کام کو کرنے اور نہ کرنے کو نرمی سے طلب کرنا عرض کہلاتا ہے۔ اس کیلئے نرم لہجہ اور لطیف الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر لہجہ سخت اور تیز و تند الفاظ استعمال کر کے کسی کام پر برانگیختہ کیا تو اسکو تحضیض کہیں گے۔ عرض کیلئے دو حرف آتے ہیں۔ اَلَا جس کی مثال متن میں مذکور ہے۔ اور لَوْ۔ جیسے لَوْاَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور تحضیض کیلئے اَلَا، هَلَّا، لَوْلَا اور لَوْمَا آتے ہیں۔ (دیکھئے الفوائد الوافیہ ص ۴) [3] پانی میں اتر جے کہ آپ تیریں۔

اور جیسے تمہارا قول اَلَا تَأْتِيْنَا فَتُحَدِّثُنَا[1] اور شاعر کا قول يَا ابْنَ الكِرَامِ الخ[2] ہے۔ اور تحضیض جیسے تمہارا قول هَلَّا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ الخ[3] اور هَلَّا أَسْلَمْتَ الخ اور یہ (تحضیض) اور عرض قریب قریب ہیں۔ فعل پر آگاہ کرنا دونوں میں پایا جاتا ہے مگر تحضیض میں تاکید اور برانگیختگی کی زیادتی ہوتی ہے۔ رہا باری تعالیٰ کا ارشاد لَوْلَا أَخَّرْتَنِيْ[4] الخ تو یہ جواب دُعار کی بنیاد پر نصب کی قبیل سے ہے۔ لیکن اس میں دعار کے لئے تحضیض یا عرض کی عبارت استعارۃً (مجازاً) لائی گئی ہے (معنی کے لحاظ سے یہ آیت دُعائیہ ہے، اور اسی کی وجہ سے « فَأَصَّدَّقَ » کو نصب دیا گیا ہے اگرچہ آیت صورۃً اور لفظاً تحضیض یا عرض ہے)

اور تمنّی جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ[5] الخ اور شاعر کا قول الا رسُولٌ[6] الخ ہے۔ یہ فاءِ سببیہ کے بعد ان آٹھ مقامات میں نصب کی مثالیں ہیں۔

وَامَّا النصبُ بعد وَاو المعيّةِ فى المَوَاضِعِ المذكورة فسُمِع فى خَمْسَةٍ، وقاسه النحويون فى ثلاثة۔

فالخمسة المسمُوع فيها اَحَدُهَا النفى، كقوله تعالىٰ: (وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ) وَالمعنى وَاللّٰهُ اَعْلَم: انكم تجاهدون وَ لَا تصبرُوْنَ وتطمعُوْنَ اَنْ تدخلوا الجنّة، وانّما ينبغى لكم الطمع فى ذلك اذا اجتمع مع جهادكم الصّبر عَلىٰ مَا يصيبكم [فيه] فيعلم اللّٰه حينئذٍ ذلك واقعًا منكم،

---

[1] ہمارے پاس تشریف لائیے کہ ہم سے بات چیت کریں۔

[2] الکرام جمع ہے کریم کی تھی۔ رَاءٍ رؤیۃ سے اسم فاعل ہے۔
اے سخی زادہ! آپ ہمارے قریب آئیے۔ پھر اس (فیاضی) و سخاوت کو خود دیکھئے جس کا لوگوں نے تذکرہ کیا ہے۔ کیونکہ دیکھنے والا سننے والے کی طرح نہیں ہوتا۔ (یعنی شنیدہ کے بود مانند دیدہ) محلِ استشہاد: « فتبصر » ہے کہ فعل مضارع جواب عرض میں واقع ہونے کے باعث « اَنْ » مضمرہ کی بنار پر منصوب ہے۔

[3] اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے کہ وہ آپ کی مغفرت کردے۔

[4] مجھ کو اور تھوڑے دِنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا۔ پ۲۸ ع۱۴)

[5] ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی ان لوگوں کا شریک حال ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی۔ پ۵ ع۷)

[6] دوسرا مصرعہ ہے۔ مَابعُد غايتنا من رأس مجرانا
منہا: کی ضمیر کا مرجع معتابر ہے۔ غاية: منتہی، گھڑ دوڑ کی معین کردہ آخری حد، مجرى: مصدر میمی ہے، گھوڑا دوڑانا، یہ امیۃ ابن ابی الصلت کا شعر ہے۔ کاش کہ کوئی پیغام رساں قبروں سے آتا، کہ وہ ہم کو گھڑ دوڑ کی ابتدا سے ہمارے منتہی تک کی مسافت بتلاتا (یعنی مرنے سے لیکر دوبارہ اٹھائے جانے کی مدت اور اسکی حقیقت بتلاتا) محلِ استشہاد: فيخبرنا ہے جو اس اَنْ کی بنار پر منصوب ہے جو تمنی کے جواب میں واقع ہونے والے فار کے بعد مضمر ہوتا ہے۔

والواو من قوله تعالیٰ: (ولما) واو الحال، والتقدیر: بَلْ أَحَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الجنّة وحالكم هٰذه الحالة۔

والثانی: الامر، کقوله:

۱۵۴۔ فقلتُ: ادْعِی وَأَدْعُوَ، إِنَّ أَنْدٰی
لِصَوْتٍ أَنْ یُنَادِیَ دَاعِیَانِ

اور رہا نصب واو معیت کے بعد (ان) مذکورہ (آٹھ) مقامات میں تو پانچ میں تو نصب مسموع ہے۔ اور (بقیہ) تین میں نحویوں نے نصب کا قیاس کیا ہے۔ چنانچہ سماعی پانچ میں سے ایک نفی ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَمَّا یَعْلَمِ اللهُ[1] الخ اور (آیت کا) مفہوم ہے (واللہ اعلم) کہ تم جہاد کرتے ہو اور صبر نہیں کرتے ہو اور جنت میں دخول کی امید لگاتے ہو۔ تمہارے لئے اس کی امید اس وقت مناسب تھی جبکہ تمہارے جہاد کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ میں پہنچنے والی مصیبت پر صبر بھی جڑ جائے۔ پھر اس وقت اللہ تعالیٰ اس کا وقوع وظہور تمہاری طرف سے (ظاہری طور پر) دیکھے گا۔ باری تعالیٰ کے ارشاد "ولما" میں واو حالیہ ہے۔ تقدیر عبارت ہے بَلْ أَحَسِبْتُمْ الخ بلکہ کیا تمہارا خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ تمہاری یہ حالت ہو۔

اور (سماعی پانچ مقامات میں سے) دوسرا امر ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے فقلتُ[2]: ادعی الخ

والثالث: النهی، کقول الشاعر:

۱۱۴۔ یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ الْمُعَلِّمُ غَیْرَهُ
هَلَّا لِنَفْسِكَ كَانَ ذَا التَّعْلِیمُ
ابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَانْهَهَا عَنْ غَیِّهَا
فَإِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَأَنْتَ حَكِیمُ

---

[1] آیت کا ابتدائی جزء ہے أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ الخ ہاں تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔ اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ پ ع ۵) (یعنی جب تک جہاد اور صبر دونوں کام نہ پائے جائیں تمہارے لئے جنت کی طمع مناسب نہیں۔)

[2] اَنْدٰی اسم تفضیل ہے زیادہ بلند آواز والا۔ نَدِیَ (س) نَدًی آواز دور تک جانا۔ کسی عورت سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے۔ پھر میں نے کہا تو بھی پکار اور میں بھی پکارتا ہوں۔ کیونکہ زیادہ دور تک پہونچنے والی آواز یہ ہے کہ دو پکارنے والے (ایک ساتھ) آواز نکالیں۔
محل استشہاد: "وَأَدْعُوَ" ہے کہ فعل مضارع اس اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے جو امر کے جواب کو واقع ہونے والے واو کے بعد وجوباً مضمر ہے۔

فَهُنَاكَ يُسْمَعُ مَا تَقُوْلُ وَيُشْتَفَى ... بِالْقَوْلِ مِنْكَ، وَيَنْفَعُ التَّعْلِيْمُ
لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَأْتِيَ مِثْلَهُ ... عَارٌ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيْمُ

وتقول: «لا تأكل السَّمَكَ وتشربُ اللبنَ» فإذا أردتَ بالواو عطف الفعل على الفعلِ جزمتَ الثانِيَ، وكان شريكَ الاولِ في النهيِ، وكانّك قلت: لا تفعل هٰذا ولا هٰذا، وحينئذٍ فيلتقي ساكنان الباء واللام فتكسر الباء على اصلِ التقاء السّاكنين، وان اردتَ عطف مصدر الفعلِ على مصدرٍ مقدرٍ مِمّا قبله نصبتَ الفعل بأنْ مضمرةٍ، وكانَ النهي حينئذٍ عن الجمع بينهما وان اردتَ الإستئناف رفعتَ الثانِيَ

والرابع: التمنِي، كقوله تعالى: (يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ -)

وَالخامِسُ: الاستفهام، كقولِهِ وهو الحُطَيئة:

۱۵۵- اَلَمْ اَكُ جَارَكُمْ وَيَكُوْنَ بَيْنِي ... وَبَيْنَكُمُ الْمَوَدَّةُ وَالْإِخَاءُ

اور تیسرا نہی ہے جیسے شاعر کا قول ہے یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ الخ اور (جیسے) آپ کہتے ہیں لَا تَاْکُلِ السَّمَكَ الخ اگر آپ نے واو کے ذریعہ عطف فعل بر فعل کا قصد کیا ہے تو دوسرے والے فعل کو جزم دیں گے۔ اور دوسرا فعل نہی میں پہلے کے شریک ہوجائیگا۔ گویا کہ آپ نے کہا، نہ یہ کرو اور نہ وہ کرو، اور اس وقت دو ساکن بار اور لام جمع ہوجائیں گے۔ لہٰذا آپ اجتماعِ ساکنین کے ضابطہ کے مطابق بار کو

لہ ان اشعار کی تشریح شعر ۲۴۵ پر گذر چکی ہے۔ محلِ استشہاد «وتاتی» ہے کہ فعل مضارع اس «اَن» کی بنا پر منصوب ہے جو نہی کے جواب میں واقع ہونے والے واؤ کے بعد وجوبًا مضمر ہے۔

لہ «تشرب» پر رفع، نصب اور جزم تینوں اعراب آسکتے ہیں۔ اگر تشرب کا عطف تاکل پر مانیں تو «لا نہی» کی بنا پر جزم آئیگا۔ اور تقدیر عبارت ہوگی لَا تَاکُلِ السَّمَكَ وَلَا تَشْرَبُ اللَّبَن۔
اب چونکہ تشرب کا بار بھی ساکن اور اللبن کا لام بھی۔ لہٰذا ملانے کے لئے بار کو کسرہ دیدیا۔ ترجمہ ہوگا: نہ مچھلی کھاؤ اور نہ دودھ پیو۔ اور اگر «تشرب» کے مصدر شرب کا عطف «تاکل» کے مصدر اکل پر کریں، بایں طور کہ کہیں لا تفعل اکل السَّمَك وشرب اللّبن یعنی دودھ پینے کے ساتھ مچھلی کھانے کا عمل مت کرو۔ اس صورت میں «اَن» مضمرہ کی بنا پر نصب دیں گے۔ اور اگر واؤ کو مستانفہ مانیں تو رفع آئیگا۔
ترجمہ ہوگا: مچھلی مت کھاؤ دودھ پیتے ہو تم۔

کسرہ دیں گے۔ اور اگر آپ فعل کے مصدر کے عطف کا قصد کریں ما قبل والے مقدر مصدر پر تو اُن مقدرہ کی وجہ سے فعل کو نصب دیں گے۔ اور اس وقت دو چیزوں کو جمع کرنے کی نہی ہوگی۔ اور اگر استیناف کا قصد کریں تو دوسرے کو رفع دیں گے۔

اور چوتھا: تمنّی ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ[1] الخ اور پانچواں استفہام ہے جیسے شاعر یعنی حطیئہ کا قول ہے اَلَمْ اَكُ جَارَكُمْ[2] الخ

ویَنْتَصِبُ الفعلُ المضارعُ بـ«أن» مضمرةً جوازًا، لا وجوبًا، بعدَ اربعةِ احرفٍ، وهي:

الفاء، و«ثم»، والواو، و«او»، وذلك اذا عَطَفْنَ على اسمٍ صريحٍ۔

مثال ذلك بعد «او» قول الله تعالىٰ: (وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ) يُقرأ في السبع برفع (يرسل) ونصبِهٖ، وقال ابو بكر بن مجاهد المقرئ رحمه الله: قرئ (لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْ) بنصب (آوي) ولا وجهَ له، وردّ عليه ابنُ جنّي في محتسبه وغيرُهٗ، وقالوا: وَجْهُهَا كوجهِ قراءةِ اكثرِ السبعةِ (اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا) بالنصب، وذلك لتقدم الاسم الصريح، وهو (قُوَّةً) فكأنّه قيل: لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اِيْوَاءً اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ۔

اور فعل مضارع چار حروف کے بعد اس اَنْ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے جو جوازاً مقدر ہوتا ہے نہ کہ وجوباً، وہ حروف فَا، ثُمَّ، واؤ، اور اَوْ ہیں۔ جبکہ ان کے ذریعہ عطف اسم[3] صریح پر۔

---

[1] ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جاویں۔ اور اگر ایسا ہو جاوے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتا دیں اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں۔ پ۷ ع۹)

[2] یہ شعر حطیئہ کے اس قصیدہ کا ہے جس میں اس نے زبرقان بن بدر اور اس کی قوم کی ہجو کی ہے۔ اور آل بغیض بن شماس کی مدح۔ کیا میں تمہارا پڑوسی نہیں ہوں، اور اسکے ساتھ ساتھ میرے تمہارے درمیان مودت اور اخوت ہے۔

محل استشہاد «ویکون» ہے کہ فعل مضارع بتقدیر «انْ» منصوب ہے۔ کیونکہ فعل یکون استفہام کے جواب میں واقع ہونے والے واو مصاحبت کے بعد واقع ہوا ہے۔

[3] اسم صریح سے مراد وہ اسم ہے جو جامد ہو، غیر مشتق ہو اور بتأویل فعل نہ ہو جیسے مصدر اور دیگر اسماء جامدہ، ان چار حروف کے بعد فعل منصوب ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل کے عطف کے لئے یا تو فعل ہو یا ایسا اسم ہو جو بتأویل فعل ہو۔ اب اگر کسی فعل کا عطف کسی اسم صریح پر ہے تو فعل کو «انْ» کی بنا پر منصوب پڑھا جائے تاکہ وہ فعل اَنْ کی وجہ سے تأویلِ اسم بن جائے اور اسم کا عطف اسم پر ہو جائے۔

(جامع الدروس العربیہ ج ۲ ص ۱۷۳)

اَوْ کے بعد واقع فعل مضارع کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد مَا كَانَ لِبَشَرٍ الخ[1] ہے۔ قرارت سبعہ میں یُرْسِلَ کے رفع اور نصب (دونوں) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور قاری ابوبکر بن مجاہد نے (اَوْ کی مزید ایک مثال نقل کرتے ہوئے) کہا ہے کہ پڑھا گیا ہے لَوْ اَنَّ لِیْ الخ[2] اٰوِیَ کے نصب کے ساتھ (مگر) اسکی کوئی توجیہ نہیں ہے۔ ابن جنی نے اپنی مُحتسب[3] نامی کتاب میں اور دیگر حضرات نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی توجیہ اکثر قرار سبعہ کی قرارت اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا (يُرْسِلَ کے نصب کے ساتھ) کی توجیہ کی مانند ہے۔ اور وہ اسم صریح یعنی قوۃ کے مقدم ہونے کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ کہا گیا لَوْ اَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اِيْوَاءً اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ۔

ومثال ذلك بعد الواو قول ميسُوْنَ بنت بَحْدَل :

۱۵۶۔ لَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وتَقَرَّ عَيْنِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ لُبْسِ الشُّفُوفِ

الرواية فيه بنصب «تقرَّ» وذلك بِأَنْ مُضمرة، على انه معطوف على اللبس، فكانَّهُ قال: لَلُبْسُ (عَبَاءة) وقَرَّةُ عيني۔

ومثال ذلك بعد الفاء قوله :

۱۵۷۔ لولا توقُّعُ معترٍّ فأُرْضِيَهُ مَا كنتُ أوثِرُ إترابًا على تَرَبِ

ومثال ذلك بعد ثُمَّ قول الشاعر :

۱۵۸۔ إِنِّي وَقَتْلِي سُلَيْكًا ثُمَّ أَعْقِلَهُ كَالثَّوْرِ يُضْرَبُ لَمَّا عَافَتِ الْبَقَرُ

وكانت العرب اذا رأت البقر قد عافت ورود الماء تَعْمَدُ الى الثور فتضربُهُ فترد البقر حينئذٍ الماء، ولا تمتنع منه، فرارًا من الضرب ان يصيبها، وانما امتنعوا من ضربها لضعفها عن حَمْلِهِ، بخلاف الثور۔

---

[1] اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے پیغام پہنچا دے (پ۲۵ ع۶) اَوْ يُرْسِلَ اور فيوحي کو نافع اور اہل مدینہ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور رفع کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس کے پہلے «هو» مبتدا محذوف ہے۔ اور بقیہ قرار نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسلئے کہ اَوْ کے بعد «اَنْ» جوازاً پوشیدہ ہے۔ اور اَوْ کے ذریعہ يُرْسِلَ کا عطف اسم صریح یعنی «وَحْيًا» پر ہے۔

[2] کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور چلتا۔ یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔ (پ۱۲ ع۷) ابوبکر نے اس مثال کو نقل کیا پھر کہا کہ اسمیں نصب کی کوئی توجیہ نہیں۔ ابن جنی وغیرہ نے تردید کی کہ توجیہ اس میں وہی کیجائیگی جو يُرْسِلَ میں کی گئی ہے کہ تاویلی اسم کا اسم صریح «قوة» پر عطف کیا جائیگا۔ اور تقدیر عبارت ہوگی لو انّ لی بکم قوّةً اَوْ ايواءً الى ركنٍ شديدٍ۔

[3] مُحْتَسِبْ: ابن جنی کی کتاب کا نام ہے۔ پورا نام المحتسب فی تبیین وُجُوہ شواذ القراءات والايضاح عنها۔ ہے۔

واو کے بعد (واقع) مضارع منصوب کی مثال میسون بنت بحدل کا قول ہے للبسُ عباءۃ الخ اس میں روایت "تقرّ" کے نصب کے ساتھ بھی ہے۔ اور اَنْ مقدرہ کی بنا پر ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کا عطف للبس پر ہے۔ گویا کہ کہا للبسُ عباءۃ وقرّۃ عینی۔ اور فاء کے بعد واقع مضارع کی مثال شاعر کا قول لولا توقّعُ الخ ہے۔ اور ثم کے بعد مضارع منصوب کی مثال شاعر کا قول ہے انّی وقتلی الخ۔ اور عرب جب گایوں کو دیکھتے کہ وہ پانی پر آنے سے نفرت کر رہی ہیں تو عرب بیل کا قصد کرتے پھر اس کو مارتے جس کے نتیجہ میں گائیں پانی پر آجاتیں اور پینے سے گریز نہیں کرتیں۔ اس بات سے بچتے ہوئے کہ مار کہیں ان کو نہ پڑے اور عرب گایوں کو مارنے سے باز رہتے گایوں کے مار کے تحمل سے عاجز و کمزور ہونے کی بنا پر بخلاف بیل کے۔

وقولی "اسم صریح" احتراز من نحو "ما تأتینا فتحدّثنا" فانّ العطف فیه وان کان علی اسم متقدم، فانّا قدّرنا انّ التقدیر ما یکون منك اتیان فحدیث، لکن ذلك الاسم لیس بصریح، فاضمار أن هناك واجب لا جائز، بخلاف مسائلنا هٰذه، فان إضمار أن جائز، بل نصّ ابن مالك فی شرح العمدة علی انّ الاظهار احسن من الاضمار۔

لہ عَباءۃ وسیع چادر۔ الشفوف باریک اور لطیف کپڑا۔ میسون بنت بحدل ایک دیہاتی عورت تھی حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے ان سے شادی کر کے شہر میں منتقل کر لیا، گھر والوں کا فراق اور سابقہ دیہاتی بود و باش کی تمنا کے اظہار میں یہ شعر کہا ہے۔ آنکھوں کے ٹھنڈا ہونے کے ساتھ عبا کا پہننا مجھے نرم اور نازک اور باریک کپڑے پہننے سے زیادہ محبوب ہے۔

محلِ استشہاد: وتقرّ ہے جو اس اَن کی وجہ سے منصوب ہے جو واو بمعنی مع کے بعد جوازاً پوشیدہ ہے۔ اسم صریح اَللّبس پر اس کا عطف ہے۔

سلہ مُعتر فقیر۔ اِترابًا مالدار ہونا۔ تَرب فقر، حاجت۔ تَرِبَ تَرَبًا فقیر ہونا۔ اگر (آئندہ) کسی فقیر (کے آنے) کی توقع نہ ہوتی تو میں اس کو (اپنی بے پایاں بخشش کے ذریعہ) خوش کر دیتا۔ کیونکہ میں فقر پر مالدار ہونے کو ترجیح دینے والا نہیں ہوں۔

محل استشہاد: فأرضیَه ہے کہ جو اس اَن کی بنا پر منصوب ہے جو فاء سببیہ کے بعد جوازاً مقدر رہتا ہے جس سے پہلے کوئی ایسا اسم صریح ہو جو فعل کی تاویل میں ہو وہ یہاں موجود ہے یعنی "توقع"۔

سلہ وَاو عاطفہ ہے قَتلی کا اِنَّ کے اسم "یاء" پر عطف ہے۔ سُلَیکا: قتل کا مفعول ہے ایک غریب عربی شخص کا نام ہے جنے شاعر انس بن مدرکۃ الخثعمی کی بیوی کے ساتھ غلط حرکت کی تھی جس کی وجہ سے غصہ میں اس نے اس کو قتل کر دیا۔ اعقلہ (ض) عقلاً دیت دینا۔ عافت یعاف یعیفُ عَیفًا ناگواری ظاہر کرنا، چھوڑنا۔ میں اور میرا سلیک کو قتل کرنا پھر میرا اس کی دیت دیدینا ایسا ہی ہے جیسے کہ بیل کہ اس کو مارا جاتا ہے جبکہ گائیں پانی نہیں پیتی ہیں یعنی جس طرح گائیں پانی سے گریز کرتی ہیں تو بجائے گایوں کے بیل کو مارا جاتا ہے تاکہ مار سے ڈر کر پانی پی لیں۔ شاعر اور بیل دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے فائدہ کی خاطر نقصان اٹھاتا ہے۔ محل استشہاد: ثمّ اعقلہ، ہے کہ اس "اَن" کی بنا پر منصوب ہے جو جوازاً مضمر ہے، اور اس کا اسم خالص "قتلی" پر عطف ہے جو اعقلہ سے پہلے ہے

اور میرا قول ۔ اسم صریح ۔ (کے ذریعہ) ماتاتینا فتحدثنا جیسے سے احتراز ہے۔ کیونکہ عطف اس میں اگرچہ اسم مقدم پر ہے۔ اس لئے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ تقدیر عبارت مایکون الخ ہے لیکن وہ اسم صریح نہیں، لہٰذا اَن کا مقدر ہونا وہاں واجب ہے نہ کہ جائز۔ بخلاف ہمارے اس مسئلہ کے۔ اس لئے کہ اَن کا مقدر ہونا جائز ہے۔ بلکہ ابن مالک نے شرح عمدہ[1] میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ اضمار سے اظہار بہتر ہے۔

ثمّ قلتُ: باب ــ المَجْرُوْرَات ثلاثة، اَحَدُهَا: المجرُوْرُ بالحرفِ، وهو: مِنْ، وإلى، وعَنْ، وعَلىٰ، والبَاء، واللّامُ، وفي ــ مُطلقًا، والكافُ، وحتّىٰ، والواو، للظاهرِ مُطلقًا، والتّاءُ لِلّٰهِ، ورَبِّ مُضَافًا للكعبَةِ أو الياء، وكَیْ لِـ ما الاستفهامیة أوْ أنْ المضمرةِ وَصِلَتِهَا، ومُذْ ومُنْذُ لِزَمَنٍ غَيْرِ مُسْتَقْبَلٍ وَلَا مُبْهَمٍ، ورُبَّ لِضَمِيرِ غَيْبَةٍ مُفْرَدٍ مُذَكَّرٍ مُمَيَّزٍ مُطَابِقٍ لِلمَعْنَى قليلًا، ولِمُنَكَّرٍ مَوْصُوفٍ كثيرًا۔

وَاقول: لِمَا انتهيت القولَ فِي المرفوعَاتِ والمنصوبَاتِ شرعتُ فی المَجْرُوْرَاتِ، وقسمتہا الیٰ ثلاثةِ اقسامٍ: مجرُورٌ بالحرفِ، ومجرورٌ بالاضافةِ، ومجرورٌ بمجاورةِ مجرورٍ، وبدأتُ بالمجرورِ بالحرفِ لانّهٗ الاَصْل، وانّما لَم اذکر المجرُوْر بالتبعيّةِ كمَا فعل جماعة لانّ التبعيّة ليستْ عندنا هي العَامِلة، وانّما العَامِلُ عَامِلُ المتبوع، وذلك في غير البَدل، وعَامِلٌ محذوفٌ في باب البَدل، فرجع الجرُّ في بَابِ التّوابع الىَ الجرِّ بالحرفِ والجرِّ بالاضافةِ۔

م: باب۔ مجرورات تین ہیں۔ ان میں سے ایک مجرور بالحرف اور وہ حرف مِنْ۔ اِلیٰ، عَنْ، عَلیٰ، باء، لام، اور فِي ہیں علی الاطلاق (یعنی ہر حال میں۔ اور کاف، حتیٰ اور واو ہیں ہر طرح کے اسم ظاہر کے لئے، اور تاء اللہ اور ربّ کے (جر دینے کے) لئے ہے جبکہ وہ مضاف ہو کعبہ کی طرف یا یاء کی طرف اور کَیْ (جر دینے کیلئے ہے) مَا استفہامیہ کو یا اَنْ مضمرہ اور اس کے صلہ کو۔ اور مُذْ، مُنْذُ زمانہ (پر دلالت کرنے والے اسم) کو جو مستقبل نہ ہو اور مبہم نہ ہو۔ اور رُبَّ ایسی ضمیر غائب مفرد مذکر کو قلت کیساتھ (جر دیتا ہے) جس کی تمیز لائی گئی ایسے اسم کے ذریعہ جو مطابق ہو معنیٰ (مرادی) کے اور اپنے نکرہ کو کثرت سے (جر دیتا ہے) جس کی صفت لائی گئی ہو۔

ش: جب میں مرفوعات اور منصوبات کی بات ختم کر چکا تو مجرورات میں لگ گیا اور اس کو میں نے تین انواع میں تقسیم کیا، مجرور بالحرف، مجرور باضافہ۔ اور کسی مجرور سے متصل ہونے کی وجہ سے مجرور۔

---

[1] شرح العمدۃ ابن مالک کی کتاب ہے۔

مجرور بالحرف سے آغاز کیا کیونکہ یہ اصل ہے۔ اور میں نے اس مجرور کا تذکرہ نہیں کیا جو تابع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک جماعت نے کیا ہے، اسلئے کہ تابعیت ہمارے نزدیک عامل نہیں ہے۔ (کیونکہ تابع کا بھی) عامل وہی ہے جو متبوع کا عامل ہے۔ اور یہ (توابع میں سے) بدل کے علاوہ میں ہے۔ باب بدل میں عامل محذوف ہوتا ہے۔ باب توابع میں جر کا تعلق مجرور بالحرف اور مجرور بالاضافت سے ہے۔

وقسمتُ الحروف الجارّة إلى ستة اقسامٍ:

أحدُها: ما يجرّ الظاهر والمضمر، وبدأتُ به لأنّه الأصل، وهو سبعة احرف، مِنْ وإلى، وعَنْ، وعلى، والباء، واللّامُ، وفي، ومن امثلةِ ذلك قوله تعالى: (وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ) (إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ) (إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ) (طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ) (رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) (وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ) (آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ) (آمِنُوا بِهِ) (لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ) (لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ) (كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ) (وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ) (وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ)۔

والثاني: ما لا يجرُّ إلّا الظاهر: ولا يختصّ بظاهرٍ معيّنٍ، وهو ثلاثة: الكاف، وحتّى، والواو۔

والثالثُ: ما يجرُّ لفظتين بعينهما، وهو التاء، فانّها لا تجرّ الّا اسم اللهِ عزّ وجلّ، وربّ، مضافًا إلى الكعبةِ أو إلى الياء، قال الله تعالى: (تَاللهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ) (تَاللهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللهُ عَلَيْنَا) (وَتَاللهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ) وقالت العربُ "تَرَبِّ الكعبةِ" و "تَرَبِّي لَأَفْعَلَنَّ"۔

اور میں نے جر دینے والے حروف کو چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اول وہ اسم ظاہر و ضمیر دونوں کو جر دیتے ہیں اور اسی سے آغاز کیا۔ کیونکہ یہی اصل ہیں۔ وہ سات حروف ہیں۔ مِنْ، اِلیٰ، عَنْ، عَلیٰ، باء، لام، فی۔

ان کی مثالیں باری تعالیٰ کے یہ ارشادات ہیں۔ وَمِنْكَ[1] الخ اِلَى اللهِ[2] الخ اِلَيْهِ[3] الخ طَبَقًا[4] الخ رَضِيَ[5] الخ وعَلَيْهَا[6] الخ اٰمِنُوا[7] الخ اٰمِنُوا بِهٖ[8]، لِلّٰهِ[9] مَا الخ

---

[1] اور آپ سے بھی اور نوح سے بھی (اقرار لیا) پ۲۱ ع۱۷۔ [2] اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔ پ۷ ع۴۔ [3] اسی کی طرف تم کو جانا ہے۔ پ۱۱ ع۱۳۔ [4] ایک ہلاکت کے بعد دوسری ہلاکت پر (ضرور تمکو پہنچنا ہے) پ۳۰ ع۹۔ [5] اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں۔ پ۷ ع۶۔ [6] اور ان مویشیوں اور کشتی پر لادے پھرتے ہو۔ پ۱۸ ع۱۔ [7] اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ۔ پ۵ ع۱۷۔ [8] اسکو مانو۔ پ۱۵ ع۱۲ [9] اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ پ۳ ع۸۔

لَهٗ مَا الخ[1] كُلٌّ لَّهٗ الخ[2] وَفِي الْاَرْضِ الخ[3] وَفِيْهِمَا مَّا الخ[4]

دوم : وہ حرف جو صرف اسم ظاہر کو جر دیتے ہیں ۔ اور کسی متعین ظاہر کے ساتھ خاص بھی نہیں ہیں وہ تین حروف ہیں ۔ کاف ، حتیٰ اور واوٗ ۔

سوم : وہ حروف جو متعین دو لفظوں کو جر دیتا ہے ، اور وہ تا ہے ۔ وہ نہیں جر دیتا ہے مگر لفظ اللہ کو اور اس رب کو جس کی اضافت کعبہ یا یار (متکلم) کی طرف ہو رہی ہو ۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا الخ[5] تَاللّٰهِ لَقَدْ الخ[6] وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ الخ[7] اور عرب کہتے ہیں تَرَبِّ الْكَعْبَةِ ۔ اور تَرَبِّيْ لَاَفْعَلَنَّ ۔

الرابع : مَا يجرُّ فرداً خاصّاً مِنَ الظّواهِرِ ، ونوعاً خاصّاً مِنها ، وهِيَ كَيْ ، فإنّها لا تجرّ إلّا أمْرَيْنِ ، أحدُهُما « مَا » الاستفهاميّة ، وهي الفردُ الخاصُّ ، يقال لك « جِئْتُكَ أمسِ » فتقول في السّؤال عن عِلّة المجيء : « لِمَهْ ؟ » أوْ « كَيْمَهْ ؟ » فكما أنّ « لِمَهْ » جارٌ ومجرورٌ كذلك « كَيْمَهْ » والأصل لِمَا وكَيْمَا ، ولكن « مَا » الاستفهاميّة متى دَخَلَ عليها حرف الجرّ حُذِفَتْ ألِفُها وجوباً كما قال الله تعالى : (فِيمَ أنتَ مِنْ ذِكْرَاهَا) (عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ) (بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ) وحَسُنَ في الوقف أن تُردف بهاءِ السّكت ، كما قرأ البزّيُّ في هذه المواضِع وغيرِها ، الثّاني « أنْ » المضمرة وصِلتها ، وذلك هو النوع الخاص ، وتقول : « جِئْتُكَ كَيْ تُكْرِمَنِي » فإن قدّرت كَيْ تعليلية فالنصبُ بِأنْ مُضمرة ، وأن مع هذا الفعل في تأويل مَصْدَرٍ مجرور بِكَيْ ، وكأنّك قلت : جِئْتُكَ لِلإكرام ۔

چہارم ، وہ حرف ہے جو ظواہر میں سے ایک خاص فرد کو اور ایک خاص نوع کو جر دیتا ہے اور وہ کَیْ ہے ۔ کیونکہ یہ صرف دو چیزوں کو جر دیتا ہے ۔ ان میں سے ایک مَا استفہامیہ ہے جو خاص فرد ہے (مثلاً) تم سے کہا جائے میں تمہارے پاس کل آیا تھا ، پھر تم آنے کا سبب معلوم کرتے ہوئے کہو لِمَهْ (کیوں) یا کَیْمَهْ (کس لئے) تو جس طرح لِمَهْ جار مجرور ہے اسی طرح کَیْمَهْ بھی ، اور ان کی اصل لِمَا اور کَیْمَا (الف

---

[1] اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے[2] سب اسی کے تابع دار ہیں پ ۲۱ ع ۵[3] اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں ۔ پ ۲۶ ع ۱۸ ۔ [4] اور اس میں وہ چیزیں ہیں جن کو دل چاہے ۔ پ ۲۵ ع ۱۴ ۔
[5] اللہ کی قسم تو تذکرہ نہ چھوڑے گا ۔ پ ۱۳ ع ۴ ۔ [6] بخدا اللہ نے تم کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ۔ پ ۱۳ ع ۴ ۔
[7] اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا ۔ پ ۱۷ ع ۵ ۔

کے ساتھ) ہے۔ لیکن جب مَا استفہامیہ پر حرف جر داخل ہوتا ہے تو مَا کا الف وجوباً حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فِیْمَ اَنْتَ[1] الخ عَمَّ[2] الخ بِمَ یَرْجِعُ[3] الخ اور حالتِ وقف (سانس توڑتے وقت) اس کے آخر میں ہائے سکتہ لگا دینا مستحسن ہے۔ جیساکہ بزی نے اِنْ اور اِن کے علاوہ دیگر مقامات پر (ھا) پڑھا ہے۔ اُن (دو مقامات میں سے) دوسرا (جہاں "کَیْ" کی وجہ سے جر آتا ہے) "اَنْ" مقدرہ اور اس کا صلہ (یعنی بعد والا فعل) ہے۔ اور یہ خاص نوع ہے (مثلاً) آپ کہتے ہیں جِئْتُكَ كَيْ تُكْرِمَنِيْ اگر کَیْ کو تعلیلیہ مانیں تو نصب اَنْ مقدرہ کی وجہ سے ہے۔ اور اَنْ مع اس فعل کے "کَیْ" کی وجہ سے مصدر مجرور کی تاویل میں ہے۔ گویا کہ آپ نے کہا جئتك لِلْاِكْرَام۔

الخامسُ: مَا يَجُرُّ نوعًا خاصًّا مِنَ الظواهِرِ، وهو مُنْذُ ومُذْ، فان مجرورها لَا يَكُونُ الَّا اِسْمَ زمان، ولا يكونُ ذلِكَ الزّمانُ الّا معيّنًا، لامُبْهمًا، ولا يكون (ذلك) المعينُ الّا ماضيًا او حاضِرًا، لامُستقبلًا، تقول: "مَا رأيتُه منذُ يوم الجُمعة"، و "مُذْ يومِ الجُمعةِ"، و "منذُ يومنا"، و "مُذْ يومِنَا"، ولا تقول: "ولا اراهُ مُنذ غدٍ" ولا "مُذْ غدٍ" وكذا لا تقول "مَا رأيتهُ منذ وقت"

السَّادسُ: مَا يَجُرُّ نوعًا خاصًّا من المضمراتِ، و نوعًا خاصًّا من المظهراتِ، وهو "رُبَّ" فانّها اِن جرتْ ضميرًا فلا يكون الّا ضمير غيبة مفردًا مذكرًا مرادًا به المفرد المذكر وغيره، ويجب تفسيره بنكرة بعده مطابقةٍ للمعنى المُرَاد منصوبةٍ على التمييز، نحو "رُبَّهُ رجلًا لقيتُ" و "رُبَّهُ رَجُلَيْنِ" و "رُبَّهُ رِجالًا" و "رُبَّهُ امرأةً" و "رُبَّهُ امرأتَيْنِ" و "رُبَّهُ نساءً" وكلّ ذلك قليل وان جرّت ظاهرًا فلا يكون الّا نكرةً موصوفة نحو "رُبَّ رَجُلٍ صَالِحٍ لَقِيْتُ" وذلكَ كثيرٌ۔

پنجم: وہ حروف ہیں جو ظواہر میں سے ایک خاص نوع کو جر دیتے ہیں وہ مُنْذُ اور مُذْ ہیں۔ اس لئے کہ ان کا مجرور صرف اسم زمان ہوتا ہے، اور وہ زمان بھی معین ہوتا ہے۔ مبہم (غیر معین) نہیں ہوتا اور وہ معین بھی صرف ماضی یا حال ہوتا ہے، مستقبل نہیں ہوتا۔ جیسے آپ کہیں گے (بصورت ماضی)

---

[1] اس کے بیان سے تیرا کیا تعلق۔ پ۳۰ ع۴۔ [2] یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں۔ پ۳۰ ع۱۔
[3] قاصد کیا جواب لیکر واپس آتے ہیں۔ پ۱۹ ع۱۸۔

ما رأیتہ منذ یوم الجمعۃ اور مذ یوم الجمعۃ اور (بصورت حال) منذ یومینا اور مُذ یومنا۔ اور نہیں کہہ سکتے لا اراہ منذ غد اور مذ غد۔ (کیونکہ غد مستقبل ہے۔)
اور اسی طرح مَا رأیتہ منذ وقت نہیں کہہ سکتے (کیونکہ وقت مبہم ہے۔)

ششم: وہ حرف جو مضمرات میں سے ایک خاص نوع کو اور مظہرات میں سے ایک خاص نوع کو جر دے وہ "رُبَّ" ہے۔ یہ اگر ضمیر کو جر دیگا تو وہ ضمیر مفرد مذکر غائب کی ہوگی جس کا مصداق مفرد مذکر بھی ہو سکتا ہے اور اسکے سوا (تثنیہ جمع اور مؤنث) بھی۔ نیز اس ضمیر کی تفسیر کسی بعد میں مذکور ایسے نکرہ کے ذریعہ ضروری ہے جو معنی مرادی کے مطابق ہو، اور تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہو جیسے رُبَّہ رجلًا لقیتُ، ربّہ رجلَین، ربّہ رجالًا، رُبّہ امرأۃً، رُبّہ امرأتین، رُبّہ نساءً، اور یہ قلیل (الاستعمال) ہے۔ اور اگر کسی اسم ظاہر کو جر دے تو وہ اسم ظاہر نکرہ موصوفہ ہو گا جیسے رُبَّ رجلٍ صالحٍ لقیتُ اور یہ کثیر (الاستعمال) ہے۔

فان قلت: قد کان من حقك ان تؤخر التاء فی الذکر عن الحروف المذکورۃ بعدھا لاختصاص التاء باسم اللّٰہ تعالیٰ وربِّ الکعبۃ، واختصاصھن اِمّا بنوع او نوعَین او فرد ونوع کما فصلت، واصل حرف الجر ان لایختص، والمختص بنوع اقرب الی الاصل من مختص بفرد، وکان ینبغی ان یتقدم المختص بنوعین وھو ربّ، علی المختص بفرد ونوع، وھی کی۔

قلتُ: انما ذکرت التاء الی جانب الواو لانھا شریکتھا فی القسم، فتاخیرھا عنھا قطع للنظیر عن نظیرہ، ولمّا اردت ان اذکر شیئا من احکام ربّ اقتضی ذلك تاخیرھا لئلا یقع ذکر احکامھا فاصلا بین ھذہ الحروف، وایضا فاننی ذکرت حکم ربّ فی الحذف وذکرت حکم بقیۃ الحروف فی ذلك، فلو کانت ربّ مقدمۃ کان ذلك ایضا قطعا للنظیر عن النظیر بالنسبۃ الی الاحکام۔

اعتراض: آپ کے لئے مناسب یہ تھا کہ تاء کو ان حروف کے بعد ذکر کرتے جو اس کے بعد مذکور ہوئے۔ تاء کے لفظ اللّٰہ اور ربّ الکعبۃ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے، جبکہ ان حروف کا خاص ہونا یا تو ایک نوع یا دو نوعوں یا ایک فرد اور ایک نوع کے ساتھ ہے، جیسا کہ آپ نے تفصیل ذکر کی۔ اور حرف جر میں اصل خاص نہ ہونا ہے۔ اور خاص بالفرد کی بہ نسبت خاص بالنوع اصل کے زیادہ قریب ہے۔

اور خاص بنوعین کو خاص بالفرد والنوع یعنی "کیٔ" پر مقدم ہونا چاہئے تھا۔

جواب: میں نے تار کو واو کے ساتھ ذکر کیا۔ کیونکہ تار قسم (کے معنی دینے) میں واو کے شریک ہے۔ لہٰذا تار کو واو سے دُور کردینا (دراصل) نظیر کو اس کی نظیر سے کاٹ دینا ہے۔ اور جب میں نے "ربَّ" کے کچھ احکامات ذکر کرنے کا ارادہ کیا، اس (ارادہ) نے بھی اس کے مؤخر ہونے کا تقاضا کیا، تاکہ اسکے احکامات کا تذکرہ ان حروف کے درمیان فاصل نہ ہوجائے۔ اور نیز میں نے رُبَّ کے حذف کا حکم بھی ذکر کیا اور بقیہ حروف کے حذف کا حکم بھی، لہٰذا اگر رُبَّ مقدم ہوتا تو یہ بھی احکامات کی وجہ سے قطع النظیر عن النظیر ہوتا۔

تشریح: اعتراض یہ ہے کہ تار کو "کیٔ" کے بعد (جو چوتھی قسم میں مذکور ہے) اور مُنذُ و مُذ کے بعد (جو پانچویں قسم میں مذکور ہے) اور رُبَّ کے بعد (جو چھٹی قسم میں مذکور ہے) ذکر کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ تار صرف اللہ اور ربّ الکعبۃ یا "ربّی" پر داخل ہوتی ہے جو خالصتہً افراد ہیں یعنی جزئی ہیں۔ اور جزئی میں خصوصیت ہوتی ہے بخلاف دیگر حروف کے کہ ان میں سے بعض تو ایک نوع اور ایک فرد کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ جیسے "کیٔ" اس میں من وجہٍ عمومیت اور من وجہٍ خصوصیت ہوتی ہے۔ اور بعض صرف ایک نوع کے ساتھ خاص ہوتے ہیں جیسے مُذ مُنذُ ان میں من کلِّ الوجوہ عمومیت ہے۔ اور بعض دو نوعوں کے ساتھ خاص ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ عمومیت ہوتی ہے۔ جیسے "ربَّ"۔

حاصل یہ ہے کہ اور حروف جر میں اصل خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ لہٰذا جس میں عمومیت سب سے زیادہ ہے یعنی "ربَّ" اس کو پہلے نمبر پر ہونا چاہیئے۔ اور جس میں اس سے کم عمومیت ہے اس کو دوسرے نمبر اور جس میں من وجہٍ عمومیت اور من وجہٍ خصوصیت ہے اس کو تیسرے نمبر اور جس میں من کلِّ الوجوہ خصوصیت ہے یعنی تار اس کو آخر میں ہونا چاہیئے نہ کہ پہلے نمبر پر۔

جواب: ہم نے معنی کا لحاظ کیا ہے کہ تار بھی قسمیہ ہے اور اسکے اُوپر تیسری قسم میں جو واو مذکور ہے وہ بھی قسمیہ ہے، دونوں کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے ایک ساتھ ذکر کردیا۔ اگر تار کو آخر میں ذکر کرتے تو ایک کو اس کی نظیر سے کاٹنا لازم آتا، جو معیوب ہے۔ رہا "ربَّ" کو آخر میں لانا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ربَّ کے منجملہ احکامات کے ایک حذف ہے۔ اور بھی کچھ حروف جر ہیں جن کا حکم حذف ہے جو اگلی عبارت میں آرہے ہیں۔ تو حذف میں شریک ہونے کی وجہ سے ربَّ کو مؤخر کردیا۔ اگر "ربَّ" کو ہم مقدم کردیتے تو "ربَّ" اگلے والے حروف جو ربَّ کے شریک فی الحذف ہیں اُن سے کٹ جاتا، اس لئے

تاء کو ربّ کے متابعد ذکر کردیا، تاکہ دونوں شریک فی حکم الحذف قریب قریب ہوجائیں۔

ثم قلتُ: ویجوز حذفُها معه، فیجب بقاءُ عملِها، وذلك بعدَ الواو کثیرٌ، والفاءِ وبل قلیلٌ، وحذف اللامِ قبل کَیْ، وخافضِ أنَّ وأنْ مطلقًا۔

واقول: لما ذکرتُ انّ "رُبّ" تدخُل علی المنکّر بیّنتُ انهٗ یجوز حذفُها معه، واشرتُ بهٰذا التقیید الی انّها لا یجوز حذفُها اذا دخلت علی ضمیر الغیبۃ ثم بیّنتُ انها اذا حُذِفت وجب بقاء عملِها، وانّ هٰذا الحکم۔ اعنی حذفَها وبقاء عملها۔ علی نوعین: کثیر، وقلیل، فالکثیر بعد الواو، کقولہٖ:

۱۵۹۔ وَبَلَدٍ مُغْبَرَّةٍ أرجاؤهُ　　کأنّ لونَ ارضِهٖ سماؤُهُ

وقال: ۱۶۰۔ ولیلٍ کموج البحرِ ارخی سُدولَهٗ　　علیّ بانواع الهُمُوم لِیَبتَلی

وقولهٗ: ۱۶۱۔ ودَوِیّۃٍ مِثْل السَّمَاءِ اعتسفتُها　　وقد صَبغَ اللیل الحصی بِسَوادِ

والقلیلُ بعد الفاءِ وبلْ، مثالُ ذٰلك بعْد الفاءِ قولُ امرئِ القیس:

۱۶۲۔ فمثلِكِ حُبْلَی قد طرقتُ ومُرْضِعٍ

فألهَیتُها عَنْ ذِی تمائمَ مُحْوِلِ

فی روایۃِ من روی بجرِ "مثل" وَ "مرضع" واما من رواہ بنصبهما فمثلَكِ مفعولٌ لـ "طرقتُ"، وحُبْلی: بدل منه — ومثالُهٗ بعد "بل" قولُهٗ:

۱۶۳۔ بَلْ بَلَدٍ مِلْءُ الفِجاجِ قتمُه۔

م: اور "ربّ" کا حذف اس کے (مدخول نکرہ کے) ساتھ جائز ہے۔ اس کے عمل کا باقی رہنا ضروری ہے۔ اور یہ حذف واؤ کے بعد کثیر ہے۔ اور "فاء" اور "بل" کے بعد قلیل ہے۔ اور لام کا حذف "کَیْ" سے پہلے (جائز ہے) اور اَنَّ، اَنْ کو جر دینے والے کا مطلقًا (حذف جائز ہے)۔

ش: جب میں ذکر کرچکا کہ "ربّ" نکرہ پر داخل ہوتا ہے تو یہ بھی بیان کیا کہ اس کا حذف نکرہ کے ساتھ جائز ہے۔ اور (نکرہ کے ساتھ کی) قید لگانے سے اس طرف اشارہ کیا کہ اس کا حذف اس وقت جائز نہیں جبکہ وہ ضمیر غائب پر داخل ہو۔ پھر یہ بھی بیان کیا کہ جب "ربّ" حذف ہوگا تو اسکے عمل کا باقی رہنا ضروری ہے۔ اور یہ حکم یعنی اس کا حذف اور عمل کا بقاء دو قسم پر ہے۔ کثیر، قلیل۔ چنانچہ واؤ کے بعد کثیر ہے۔ جیسے شاعر کا قول۔

وبلدٍ[1] الخ اور شاعر کا قول ولیلٍ[2] الخ اور شاعر کا قول وَدَوِّيَّةٍ[3] الخ ہے۔ اور فاء اور بَلْ کے بعد حذف قلیل ہے۔ فاء کے بعد حذف کی مثال امرؤ القیس کا شعر ہے فمثلك[4] الخ ان لوگوں کی روایت کے مطابق جنہوں نے مثلِ اور مرضع کو جر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے ان دونوں کلموں کو نصب کے ساتھ روایت کیا ہے تو شعر ربَّ کے حذف کی مثال نہیں ہوسکتا)۔ مثلك، طوقت کا مفعول ہے اور حُبلیٰ اس سے بدل ہے۔ اور حذف کی مثال بَل کے بعد شاعر کا قول ہے بَل بلدٍ[5] الخ

ثمّ بيّنت انّ حذف حرف الجرّ لا يختص بِرُبَّ، بَل يجوز في حرفٍ اٰخر في موضع خاص، وفي جميع الحروف في موضعين خاصين،

امّا الاوّل ففي لام التعليل، فانّها اذا جرّت كَيْ المصدرية وصلتها جاز لك حذفها قياسًا مُطّردًا، ولهذا تسمع النحويين يجيزون في نحو "جِئتُكَ كَي تكرمني" أنْ تكون (كي) تعليلية وان مضمرة بعدها، وان تكون كي مصدرية و اللّام مُقَدّرة قبلها۔

---

[1] یہ شعر روبۃ بن العجاج التمیمی کا ہے۔ اور بہت سے ایسے شہر جن کے کنارے غبار آلود ہیں گویا کہ ان کی زمین کا رنگ ان کے آسمان (کے رنگ جیسا) ہے۔ محل استشہاد: "وبلد" ہے کہ واو کے بعد رُبَّ کو حذف کردیا گیا اور اس کا عمل باقی رکھا گیا۔

[2] امرؤ القیس کا شعر ہے: اور بہت سی راتیں دریا کی موج کی طرح ہیں میرے اوپر مختلف قسم کے غموں کے پردے لٹکا دیتی ہیں تاکہ میرے (صبر وضبط اور ہمت کا) امتحان لیں۔ محلِ استشہاد "ولیل" ہے۔ کہ واو کے بعد "ربّ" کو اسکا عمل باقی رکھتے ہوئے حذف کردیا گیا۔

[3] دَوِّيَّة صحراء یا بے آب وگیاہ جنگل۔ اِعتِساف اٹکل سے چلنا۔ ذوالرمہ کا شعر ہے۔ اور بہت سے جنگل جو آسمان کی طرح ہیں میں ان میں اٹکل سے اس حال میں چلا ہوں کہ رات نے کنکریوں کو سیاہی سے رنگ دیا ہے۔ محلِ استشہاد: ددویّة ہے کہ واو کے بعد ربّ حذف ہے عمل باقی ہے۔

[4] طوقت دستک دینا، رات میں آنا۔ تمائم تمیمۃ کی جمع ہے تعویذ گنڈہ، بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے انکے گلوں میں تعویذ لٹکایا جاتا تھا۔ مُحوِل، احول الصبی سے اسم فاعل ہے، بچہ کا ایک سالہ ہونا تیری طرح بہت سی حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں ہیں ان کے پاس رات کو آیا ہوں، پھر میں نے ان کو گلے میں تعویذ لٹکے ہوئے ایک سالہ بچہ سے غافل کردیا ہے۔
محلِ استشہاد: فمثلك ہے کہ فاء کے بعد ربّ حذف ہے اور عمل باقی ہے۔ یہ استدلال اس وقت ہے جبکہ مثلِ اور مرضع کو مجرور پڑھا جائے۔ لیکن اگر نصب کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ مستدل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس وقت مثلَ طرقت کا مفعول ہوگا اور حُبلیٰ اس سے بدل۔

[5] دوسرا مصرعہ ہے لَا يُشْتَرَى كَتَّانُهُ وَجَهْرَمُهُ، الفجاج: فج کی جمع، دو پہاڑوں کے درمیان کا کشادہ راستہ۔ القتم غبار، الجهرم بستر، فرش۔ کتّان، ایک قسم کا سبز کپڑا۔ روبۃ بن العجاج کا شعر ہے: بلکہ بہت سے شہر جنکا غبار راستوں میں بھرا ہوا ہے ایسے ہیں کہ نہ تو ان میں کتان خریدا جاسکتا ہے اور نہ ہی فرش۔ محلِ استشہاد "بل بلدٍ" جبکہ بلد اس ربّ کی وجہ سے مجرور ہے جو بل کے بعد محذوف ہے۔

پھر میں نے بیان کیا کہ حرفِ جر کا حذف ۔ ربّ ، کے ساتھ خاص نہیں ہے ۔ بلکہ ایک دوسرے حرف (جر) میں ایک خاص مقام پر ۔ اور جملہ حروف (جر) میں دو خاص مقامات پر حذف جائز ہے ۔

بہرحال اوّل (یعنی ایک حرفِ جر کا حذف ایک خاص مقام میں) تو وہ لام تعلیلیہ میں ہے ۔ اس لئے کہ جب لام تعلیلیہ نے کَیْ مصدریہ اور اسکے صلہ کو (تقدیراً) جر دیدیا تو آپ کیلئے اس کا حذف عمومی قیاس کے طور پر جائز ہے ۔ اور اسی وجہ سے آپ سنیں گے کہ نحوی جِئْتُ کَیْ تُکْرِمَنِیْ میں یہ بات بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ "کی" تعلیلیہ ہو اور اَنْ اس کے بعد مقدر ہو ۔ اور یہ بات (بھی جائز قرار دیتے ہیں) کہ کَیْ مصدریہ ہو، اور لام اس سے پہلے مقدر ہو ۔

و امّا الثانی فاذا کان المجرور اَنَّ وصلتها او اَنْ وصلتها، فالاول کقولك «عجبت اَنّك فاضل» ای: من انّك، وقال اللّٰه تعالیٰ: (وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ) (وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا) ای: بانَّ لهم جنّات، لِاَنَّ المساجد للّٰه، والثانی کقولك «عجبتُ اَنْ قام زید» ای: من اَنْ قام، وقال اللّٰه تعالیٰ: (فلا جناح علیه ان یَطَّوَّفَ بهما) ای: فی ان یطوف بهما، (یخرجون الرسول وایاکم اَنْ تُؤْمِنُوْا باللّٰهِ) ای: لان تؤمنوا، وقیل فی (یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا): اِنَّ الاصل لئلا تضلوا، فحذفت اللام الجارة ولا النافیة وقیل: الاصل کراهة ان تضلوا، فحذف المضاف، وهٰذا اسهل، وقال اللّٰه تعالیٰ: (وترغبون اَنْ تنکحوهنّ) ای: فی ان تنکحوهنّ، اَوْ عن ان تنکحوهنّ علیٰ خلاف فی ذٰلك بین اهل التفسیر ۔

بہرحال دوسرا (یعنی وہ مخصوص مقامات جہاں دیگر حروفِ جر محذوف ہوتے ہیں) تو جب مجرور اَنَّ اور اس کا صلہ ہو یا اَنْ اور اس کا صلہ ہو ۔ چنانچہ ان دونوں میں سے پہلے کی مثال جیسے تمہارا قول عجبتُ انّك فاضلٌ یعنی مِنْ انّك ۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ[1] جَنّٰتٍ تَجْرِیْ، وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا[2] یعنی بانّ لهم جنّات اور وَلِاَنَّ المساجد اور

---

[1] اور ان لوگوں کو خوشخبری دیدیجئے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کے لئے باغات ہیں کہ (ان کے نیچے) نہریں جاری ہیں ۔ پ ۱ ع ۳) ۔ [2] اور اس وجہ سے کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں لہٰذا (اللہ کے ساتھ) کسی کو مت پکارو ۔ پ ۲۹ ع ۱۱ ۔

دوسرے (یعنی اَنْ اور اس کے صلہ) کی مثال جیسے تمہارا قول عجبتُ اَنْ قَامَ زَیْدٌ یعنی مِنْ اَنْ قَامَ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا[1] یعنی فی ان یطوف بھما۔ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ[2] یعنی لان تومنوا اور یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا[3] میں کہا گیا ہے کہ اصل لِئَلَّا تَضِلُّوْا ہے کہ لام جر اور لا نافیہ کو حذف کر دیا گیا، اور کہا گیا ہے اصل کراھۃ اَنْ تضلوا ہے کہ مضاف کو حذف کر دیا گیا، اور یہ زیادہ سہل ہے۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ[4] یعنی فی ان تنکحوھنّ۔ یا عن ان تنکحوھنّ اس (آیت) میں جیسا کہ مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے۔

ثم قلتُ: الثانی المجرورُ بالاضافۃِ کـ «غُلَامِ زَیْدٍ» ویجرّدُ المضافُ مِنْ تنوینٍ أَوْ نونٍ تُشْبِہُہُ مطلقًا، ومِنَ التعریفِ الّا فی مَامَرَّ، وَاِذَا کان المضافُ صفۃ والمضافُ الیہِ معمولًا لھا سمّیت لفظیّۃ وغیرَ محضۃ، ولم تُفِد تعریفًا وَ لا تخصیصًا، کـ «ضَارِبِ زَیْدٍ» و «معطی الدِّیْنَارِ» و «حَسَنِ الوجہِ» و الّا فمعنویۃ ومحضۃ، تُفِیْدُھُمَا، اِلّا اِذَا کان المضافُ شدیدَ الإبہام کغَیْرٍ و مثلٍ وخِدْنٍ أَوْموضعہٗ مستحقًا للنکرۃِ کـ «جاءَ (زَیْدٌ) وَحْدَہٗ» و «کَمْ نَاقَۃٍ وفَصِیْلِھَا لَکَ» و «لا اَبَا لہٗ» فلا یتعرّف، وتُقَدَّرُ بمعنی «فی» نحو (بَلْ مَکْرُ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ) و «عُثْمان شھیدُ الدَّارِ» وبمعنی «من» فی نحو «خاتم حَدِیْدٍ» ویجوز فیہِ النصبُ فی الثانی وَاتْبَاعُہٗ للاوّل، وبمعنی اللّامِ فی البَاقی۔

م: (مجرورات کی) دوسری قسم مجرور بالاضافۃ ہے جیسے غلام زیدٍ اور مضاف کو تنوین سے یا اس نون سے کلی طور پر خالی رکھا جائیگا جو تنوین کے مشابہ ہوتا ہے (جیسے نون تثنیہ وجمع) اور (اسی طرح مضاف کو) تعریف سے (خالی رکھا جائیگا) سوائے اس (اضافتِ لفظیہ) کے جسکا تذکرہ (معرف باللّام کے ذیل میں) گذرا۔ اور جب مضاف صیغۂ صفت ہو اور مضاف الیہ اسکا معمول ہو

---

[1] اور اسپر ان دونوں کا طواف کرنے میں کچھ گناہ نہیں۔ (پ۲ ع۳) آیت میں اَنْ سے پہلے فی محذوف ہے۔
[2] وہ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس وجہ سے کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو۔ (پ۲۸ ع۷) [3] اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ پ۶ ع۴۔ [4] اگر اَنْ سے پہلے «فی» مقدر ہو تو ترجمہ ہوگا: اور تم ان کو اپنے نکاح میں لانا چاہتے ہو۔ اور اگر عَنْ مقدر ہو: اور تم ان کو اپنے نکاح میں لانے سے اعراض کرتے ہو۔ (پ۵ ع۱۶)۔ اس آیت کی مفسرین سے یہ دونوں قسم کی تفسیریں منقول ہیں۔

تو اضافت کا نام لفظیہ[1] اور غیر محضہ رکھا جاتا ہے۔ اور یہ نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے نہ تخصیص کا۔ جیسے ضَارِبُ زَیْدٍ، معطی الدّینار، حَسَنُ الوَجْہِ۔ ورنہ وہ اضافت معنویہ[2] اور محضہ ہے۔ جو دونوں (تعریف و تخصیص) کا فائدہ دیتی ہے۔ الّا یہ کہ مضاف زبردست ابہام والا ہو جیسے غَیْرُ، مِثْل اور خِدْن، یا مضاف کا مقام نکرہ کا مستحق ہو جیسے جَاءَ زَیْدٌ وَحْدَہٗ[3] اور کَمْ نَاقَۃٍ وَ فَصِیْلِہَا لَکَ اور لَا اَبَا لَہٗ۔ اس صورت میں معرفہ نہیں بنے گا۔ اور بَلْ مَکْرُ اللَّیْلِ وَالنَّہَارِ اور عُثْمَان شَہِیْدُ الدَّارِ جیسے میں اضافت بمعنی فی مانی جائیگی۔ اور خاتم حَدِیْدٍ جیسے میں اضافت بمعنی مِنْ اور اس (اضافتِ بیانیہ) میں دوسرے اسم پر تمیز کی بنا پر نصب جائز ہے۔ اور (ترکیب توصیفی بناکر) دوسرے کو پہلے اسم کے تابع بنانا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں پہلے اسم کی جیسی اعرابی حالت ہوگی ویسی ہی دوسرے اسم کی ہوگی۔ اور بقیہ میں بمعنی "لام" مقدر مانی جائے گی۔

واقولُ: الثانی من انواعِ المجرورات: المجرورُ بالاضافۃِ۔

والاضافۃ فی اللغۃ: الإسنادُ، قال امرؤ القیس:

۱۲۴۔ فلمّا دَخَلْنَاہُ اَضَفْنَا ظُہُوْرَنَا   اِلیٰ کُلِّ حَارِيٍّ جَدِیْدٍ مُشَطَّبِ

ای: لمّا دخلنا ہٰذا البیتَ اَسْنَدْنا ظہورَنا اِلیٰ کُلِّ رَحْلٍ مَنْسُوْبٍ اِلَی الحِیْرَۃِ مُخَطَّطٍ فیہِ طَرائقُ۔

وفی الاصطلاح: اِسْنادُ اسمٍ اِلیٰ غیرِہٖ، علیٰ تنزیلِ الثانی مِنَ الاوّلِ منزلۃَ تنوینہ، اَوْ مایقوم مَقَامَ تنوینہٖ، ولہٰذا وجبَ تجریدُ المضافِ مِنَ التّنوینِ فی نحو "غلامُ زَیْدٍ" ومِنَ النّونِ فی نحو "غُلَامَیْ زَیْدٍ" و "ضَارِبِیْ عَمْرٍو" قالَ اللّٰہُ تعالیٰ: (تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَہَبٍ) (اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَۃِ) (اِنَّا مُہْلِکُوْا

---

[1] لفظیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہیکہ اس کا فائدہ نون یا تنوین کا حذف ہے جس کا تعلق لفظ سے ہے۔ اور غیر محضہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ محضہ کے معنی ہیں خالص چونکہ یہ اضافت کے مرادی معنی میں خالص نہیں۔ بلکہ انفصال کی تقدیر میں ہوتی ہے جیسے ضاربُ زیدٍ، ضارِبٌ زیدًا کی تقدیر میں ہے۔ (جامع ج ۲)

[2] معنویہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے فائدہ کا تعلق معنی سے ہے کہ تعریف یا تخصیص کے معنی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور محضہ اس لئے کہ انفصال کی تقدیر سے محفوظ و خالص ہے۔ (جامع ج ۲)

[3] وحدہٗ، فصیلہا اور ابالہ صورۃً اگرچہ معرفہ ہیں مگر حکماً نکرہ ہیں۔ کیونکہ پہلی مثال میں مضاف (وحدہٗ) حال ہے۔ دوسری مثال میں فصیل کا عطف۔ کم خبریہ کی تمیز پر ہے۔ تیسری مثال میں اباله لائے نفی جنس کا اسم ہے۔ اور تینوں نکارت کے مستحق ہیں۔ لہٰذا یہ کلمات اضافت کے باوجود نکرہ ہی رہیں گے معرفہ نہیں بنیں گے۔

اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَـةِ) وذلك لانّ نون المثنیٰ والمجموع علیٰ حَدِّهٖ قائمـة مُقام تنـوين المفـرَدِ۔

وَالیٰ هٰذَا اشرتُ بقولی «ويجرّدُ المضاف من تنـوين اَوْ نونٍ تُشْبِهُـه» واحترزتُ بقولِی «تُشْبِهُهٗ» من نون المفرد وجمع التكسير، كشيطان، وشياطين، تقـولُ شيطانُ الانسِ شرٌمِنْ شياطينِ الجنِّ، فَتَثْبُتُ النون فيهمَا، ولايجوز غيرذلك، وقولی «مطلقـاً» اشرتُ (بِهٖ) إلیٰ انهاقاعِـدةٌ عامّـةٌ لايستثنی منها شئٌ۔، بخلاف القـاعدة الـتی بعـدها۔

ش : مجرورات کی اقسام میں سے دوسری قسم مجرور بالاضافۃ ہے۔ اور اضافت لغت میں (بمعنی) اسناد ہے۔ (چنانچہ) امرؤ القیس نے کہا ہے فلمّا دخلنا[1] الخ یعنی جب ہم اس گھر میں داخل ہوئے تو ہم نے اپنی کمریں ہراس (نئے) کجاوہ سے ٹکائیں جو مقام حیرہ کی طرف منسوب ہے جس میں لائنیں تھیں اور اسمیں دھاریاں پڑی تھیں۔ اور اصطلاح[2] میں ایک اسم کی دوسرے کی طرف نسبت کرنا دوسرے کو پہلے کی تنوین یا پہلے کی تنوین کے قائم مقام کے درجہ میں اُتار کر (یعنی قرار دیکر) اور اسی وجہ سے غلام زید جیسے میں مضاف کو تنوین سے اور غُلاَمَی زیدٍ اور ضاربِی زَیْدٍ جیسے میں نون سے خالی کرنا ضروری ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے تَبَّتْ[3] يَدَا اَبِی لَهَبٍ، اِنَّا مُرْسِلُوا[4] النَّاقَةِ اور اِنَّا مُهْلِكُوْا[5] اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ اور یہ اس لئے کہ تثنیہ وجمع کا نون مستقل طور پر مفرد کی تنوین کے قائم مقام ہے۔ اور اسی کی طرف میں نے اپنے قول ويجرّد المضاف الخ سے اشارہ کیا ہے۔ اور میں نے اپنے قول «تشبهه» کے ذریعہ مفرد اور جمع مکسّر کے نون مثلاً شیطان وشیاطین سے احتراز کیا ہے۔ تم کہوگے شیطانُ الانسِ[6]

---

[1] ترجمہ ماتن نے کردیا ہے۔ منشأ آتنا ہے کہ اضفنا بمعنی اسندنا ہے۔

[2] ایک اسم کی دوسرے اسم کی طرف بایں طور نسبت کرنا کہ اسمیں دوسرا اسم پہلے اسم کی یا تو تنوین کے عوض میں ہو جیسے ضاربُ زید میں زید پہلے اسم یعنی ضارب کی تنوین کے عوض میں ہے یا تنوین کے قائم مقام یعنی نون تثنیہ یا نون جمع کے عوض میں ہو جیسے ضاربَا زیدٍ، ضاربو زیدٍ کی اصل ضاربَان، ضاربون تھی۔ نون کے عوض میں زید لایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضاف الیہ اور مضاف پر تنوین یا نون دونوں جمع نہیں ہوسکتے، ورنہ عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا۔

[3] ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے پ۳۰۔

اس میں یدان کا نون اضافت کی وجہ سے گرگیا۔ [4] ہم اونٹنی کو بھیجتے ہیں۔ پ۲۷ ع ۹۔ مُرْسلون کا نون حذف کردیا گیا۔

[5] ہم کو اس بستی والوں کو غارت کرنا ہے پ۲۰ ع ۱۶) مُهْلِكُوْن کا نون جمع بوجہ اضافت ساقط کردیا گیا۔

[6] انسانی شیاطین جناتی شیاطین سے زیادہ شریر ہیں۔ شیطان میں مفرد کا نون ہے اور شیاطین جمع مکسّر ہے۔

شرٌمِنْ شَیَاطِینِ الجنِّ۔ نون کو ان دونوں میں باقی رکھا جائیگا[1] اسکے علاوہ (نون کا ابقاء) جائز نہیں اور میں نے اپنے قول "مطلقاً" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ اس سے کسی کا بھی استثناء نہیں ہے۔ بخلاف (مضاف کو تعریف سے خالی کرنے کے) اس قاعدہ کے جو اس کے بعد ہے اس قاعدہ میں استثناء ہے۔

وکَمَا انّ الاضافۃ تستدعی وجوبَ حذفِ التنوینِ والنونِ المشبهةِ له، کذلك تستدعی وجوبَ تجریدِ المضافِ مِنَ التعریفِ، سَواء کان التعریف بعلامة لفظية أمْ بامرٍ معنوی، فلا تقول: الغلامُ زیدٍ، ولا زَیْدُ عَمْرٍو۔ مع بقاء زید علی تعریف العلمية، بل یجبُ ان تجرّد الغلام من أل، وان تعتقد فی زیدٍ الشیوع والتنکیر، وحینئذٍ یجوز لك اضافتهما، وهٰذه هی القاعدة الّتی تقدمت الاشارة الیها آنفًا۔ والّذی یُستثنیٰ منها مَسألة "الضاربِ الرّجلِ"، و "الضاربِ رَأسِ الرَّجلِ"، و "الضارِبَا زیدٍ"، و "الضارِبُو زیدٍ"، وقد تقدّم شرحُهُنّ فی فصل المحلی بأل: فأغنیٰ ذلك عن اِعادته، فلذلك قلتُ: "الّا فیما استُثنی" ای: الّا فیما تقدم لی اسْتِثْنَاؤُہ۔

اور جس طرح اضافت تنوین اور اس کے مشابہ نون کے حذف کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح مضاف کے تعریف سے خالی ہونے کا تقاضا کرتی ہے، خواہ تعریف کسی لفظی علامت کے ذریعہ ہو یا امرِ معنوی کے ذریعہ چنانچہ زید کو علمیت کی تعریف پر باقی رکھتے ہوئے نہ الغلام زید کہیں گے اور نہ زید عمرو، بلکہ (پہلی مثال میں) غلام کو اَل سے خالی کرنا ضروری ہے۔ اور (دوسری مثال میں) زید میں عمومیت و نکارت کا اعتقاد رکھنا (ضروری ہے) اور اس وقت آپ کے لئے اضافت کرنا جائز ہے۔ اور یہی وہ قاعدہ ہے جس کی طرف ("بخلاف القاعدة التی بعدہ" کے ذریعہ) اشارہ ابھی گذرا، اور جو اس (یعنی مضاف کو تعریف سے خالی کرنے) سے مستثنیٰ ہے (وہ) الضارب الرّجل، الضارب رأس الرّجل، الضاربا زید، اور الضاربو زید جیسی صورت ہے ان کی شرح معرف باللّام کی فصل میں گذر چکی ہے، اور اس (شرح مذکور) نے اس کے اعادہ سے بے نیاز کر دیا۔ اسی وجہ سے میں نے کہا "الّا فیما[2] استثنی" یعنی سوائے اس صورت کے جس کا استثناء گذر چکا ہے۔

---

[1] اضافت کی وجہ سے تثنیہ و جمع سالم کا نون گرتا ہے۔ اور شیطان اور شیاطین نہ تثنیہ ہے اور نہ جمع سالم ہے بلکہ پہلا مفرد دوسرا جمع مکسر ہے اسلئے نہیں گرا۔ [2] مصنف نے سابق میں الّا فیما استثنی کہیں نہیں کہا ہاں الا فیما مرّ کہا ہے۔ اسلئے یہی توجیہ کی جائے گی کہ الّا فیما مرّ کو الّا فیما استثنیٰ سے تعبیر کر دیا ہے۔

ثمّ بينت بعد ذلك انّ الاضافة على قسمين: محضة وغير محضة۔

وانّ غير المحضة عبارة عمّا اجتمع فيها امران، أمرٌ فى المضاف، وهو كونه صفة، وامرٌ فى المضاف اليه، وهو كونه معمولا لتلك الصّفة، وذلك يقع فى ثلاثة ابواب: اسم الفاعل، كـ "ضارب زيد" واسم المفعول كـ "مُعطى الدينار" والصّفة المشبهة، كـ "حَسَنِ الوَجْهِ"، وهٰذه الإضافة لا يستفيد بها المضاف تعريفًا ولا تخصيصًا، امّا انّه لا يستفيد تعريفًا فبالاجماع، ويدلّ عليه انّك تصف به النكرة فتقول: "مَرَرْتُ برجُلٍ ضَاربِ زيدٍ" وقال الله تعالى: (هَدْيًا بالغَ الكعبةِ) (هٰذا عارِضٌ مُّمْطِرُنَا) إن لم تُعرب (ممطرنا) خبرًا ثانيًا، ولا خبرًا لمبتدأ محذوف، وامّا انّه لا يستفيد تخصيصًا فهو الصّحيح، وزعم بعض المتأخرين انّه يستفيده، بناءً على أن "ضَارِبَ زَيْدٍ" أخصّ مِن "ضارب"، والجوابُ انّ "ضارب زَيْدٍ" ليس فرعًا عن "ضارب" حتى تكون الاضافة قد افادته التخصيص وانما هو فرعٌ عن "ضَارِبٍ زَيْدًا" بالتنوينِ والنصب، فالتخصيص حاصلٌ بالمعمولِ أضفتَ أم لم تُضِفْ۔

پھر اس کے بعد میں نے بیان کیا کہ اضافت کی دو قسمیں ہیں۔ محضہ، غیر محضہ۔

اور یہ (بھی بیان کیا) کہ غیر محضہ نام ہے اس اضافت کا جس میں دو چیزیں جمع ہوں۔ ایک چیز مضاف میں ہے یعنی مضاف کا صفت (کا صیغہ) ہونا، اور ایک چیز مضاف الیہ میں یعنی مضاف الیہ کا اس صفت کا معمول ہونا، اور یہ پایا جاتا ہے تین بابوں میں۔ اسم فاعل جیسے ضارِبُ زَیْدٍ اسم مفعول جیسے مُعْطَی الدِّینار اور صفتِ مشبہ جیسے حَسَنُ الوَجْہِ اور اس اضافت سے مضاف نہ تو تعریف حاصل کرتا ہے اور نہ ہی تخصیص۔ رہا یہ کہ تعریف نہیں حاصل کرتا، تو یہ امر بالاتفاق ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایسے مضاف کو نکرہ کی صفت بنایا جاتا ہے جیسے آپ کہیں گے مررتُ برجُلٍ ضاربِ زیدٍ، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے هَدْیًا بالغَ الکعبۃِ[1]، هٰذا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا[2]۔ بشرطیکہ آپ مُمْطِرُنَا کو (هٰذا کی

---

[1] بطور نیاز کے جو کعبہ تک پہونچایا جاوے۔ پ ۷ ع ۳ [2] یہ ابر ہے ہم پر برسنے والا (پ ۲۶ ع ۳) آیت میں ممطرنا مرکب اضافی باضافت لفظیہ ہے۔ جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اسی وجہ سے یہ عارض نکرہ کی صفت بن رہا ہے۔ اگر ممطرنا کو ھٰذا کی خبر ثانی یا مبتدا محذوف کی خبر مانی جائے تو آیت بحث سے خارج ہو جائے گی اور مذکورہ قاعدہ کی مثال نہیں بن سکے گی۔

خبر ثانی نہ بنائیں، اور نہ (ھو کا مبتدا محذوف کی خبر۔ اور رہا یہ کہ تخصیص حاصل نہیں کرتا تو یہی صحیح (بات) ہے۔ اور بعض متاخرین[1] کا خیال ہے کہ تخصیص حاصل کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے کہ ضارب زید بنسبت ضارب کے اخص ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضاربُ زیدٍ ضارب کی فرع نہیں ہے کہ (کہا جا سکے) اضافت نے اس کو تخصیص کا فائدہ دیا ہے۔ بلکہ یہ ضاربٌ زیداً (تنوین و نصب کے ساتھ) کی فرع ہے۔ لہٰذا تخصیص معمول کی وجہ سے پائی جا رہی ہے (نہ کہ اضافت کی وجہ سے) آپ اضافت کریں یا نہ کریں

وانما سمّیت هٰذه الاضافة غیر محضة لانها فی نیة الانفصال، اذِ الاصلُ «ضاربٌ زیداً» کما بیّنا، وانما سمّیت لفظیة لانها افادت امراً لفظیًا، وهو التخفیفُ، فإن «ضاربَ زیدٍ» اخفّ من «ضاربٍ زیداً»۔

اور اس اضافت کا نام غیر محضہ رکھا گیا۔ کیونکہ یہ انفصال کے قصد میں ہے۔ اس لئے کہ اصل ضاربٌ زیداً ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور اس کا نام لفظیہ رکھا گیا۔ کیونکہ اس اضافت نے ایک لفظی چیز یعنی تخفیف کا فائدہ دیا۔ اس لئے کہ ضاربُ زیدٍ بنسبت ضاربٌ زیداً کے اخف ہے۔

وانّ الاضافة المحضة عبارةٌ عمّا انتفی منها الامران المذکوران أو أحدُهما، مثال ذلك «غلامُ زیدٍ» فانّ الامرین فیها منتفیانِ، و «ضربُ زیدٍ» فانّ المضاف الیهِ وان کان معمولاً للمضافِ لکنّ المضاف غیر صفةٍ، و «ضاربُ زیدٍ أمسِ» فانّ المضاف وان کان صفة لکن المضاف الیهِ لیس معمولاً لها، لانّ اسم الفاعلِ لا یعمل إذا کان بمعنی الماضی، فهٰذه الامثلة الثلاثة وما اشبهها تسمّی الاضافة فیها محضة - ای: خالصة مِنْ شائبة الانفصالِ — ومعنویة لانّها افادت امرًا معنویًا، وهو تعریف المضاف ان کان المضاف الیه معرفة، نحو «غلام زیدٍ» وتخصیصهُ ان کان نکرة، نحو «غلام امرأةٍ» اللّٰهمّ إلّا فی مسألتینِ، فانّهُ لا یتعرف، ولکن یتخصص۔

اور (میں نے یہ بھی بیان کیا) کہ اضافت محضہ نام ہے اس اضافت کا جس سے مذکورہ دونوں امر یا ان میں سے ایک امر فوت ہو جائے، اس کی مثال غلام زید ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں امر (صیغہ صفت

---

[1] مصنف کے قول "اضافت لفظیہ تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی ہے" پر بعض متاخرین کو اعتراض ہوا ہے کہ ضارب کی بنسبت ضارب زید میں خصوصیت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ضارب کا اطلاق تمام مارنے والوں پر ہوتا ہے۔ بخلاف ضارب زید کے کہ اس کا اطلاق صرف انہیں لوگوں پر ہوگا جو زید کو مارنے والے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ضارب زید کو آپ نے ضارب سے ماخوذ مانا ہے جس کی بنا پر آپ کو اعتراض ہوا جبکہ ایسا نہیں بلکہ ضارب زید ماخوذ ہے ضارب زیداً سے۔ اور جتنی عمومیت یا خصوصیت ضارب زیداً میں پائی جاتی ہے اتنی ہی ضارب زید میں خواہ آپ اضافت کریں یا نہ کریں۔

اور معمول ہونا) مفقود ہیں۔ اور ضربُ زیدٍ اس لئے کہ اس میں مضاف الیہ اگرچہ مضاف کا معمول ہے۔ لیکن مضاف صفت کے علاوہ ہے۔ اور ضاربُ زیدٍ اَمْسِ اس لئے کہ مضاف اگرچہ صفت ہے لیکن مضاف الیہ اس کا معمول نہیں ہے۔ کیونکہ اسم فاعل (صیغہ صفت) اس وقت عمل نہیں کرتا جبکہ معنیٰ ماضی ہو۔ ان تینوں مثالوں اور ان سے مشابہ مثالوں میں اضافت کا نام محضۃ (یعنی انفصال کے شائبہ سے خالی) اور معنویہ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اضافت ایک معنوی چیز یعنی مضاف کی تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر مضاف الیہ معرفہ ہو۔ جیسے غلامِ زیدٍ۔ اور (یہ اضافت) اس کی تخصیص کا (فائدہ دیتی ہے) اگر مضاف الیہ نکرہ ہو جیسے غلامِ امْرأۃٍ ہاں مگر دو صورتوں میں۔ اسلئے کہ (اس وقت مضاف میں) تعریف تو پیدا نہیں ہوتی ہے لیکن تخصیص ہو جاتی ہے۔

إحداهما: ان يكون المضاف شديدَ الابهام، وذلك كغَيْرٍ ومِثْلٍ وشِبْهٍ وخِدْنٍ، بكسر الخاءِ المعجمة وسُكونِ الدَّالِ المهملة۔ بمعنى صَاحب، وَالدَّليل على ذلك انَّك تصِفُ بها النكرات، فتقول « مَرَرْتُ برجُلٍ غَيْرِكَ وبِرجُلٍ مِثْلِكَ وبرجُلٍ شِبْهِكَ، وبِرجُلٍ خِدْنِكَ » قَالَ اللهُ تَعَالى: ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ﴾

الثانية: ان يكون المضافُ في موضعٍ مستحقٍ للنكرة، كان يقع حالًا أو تمييزًا أو اسمًا لِـ«لا» النافية للجنس، فالحال كقولهم « جاء زيدٌ وَحْدَهُ » والتمييز كقولهم « كَمْ نَاقَةً وَفصِيلَهَا » فكَمْ: مُبْتدأٌ، وهي استفهاميّة، ونَاقَةً: منصوبٌ على التمييز، وفصيلها: عاطف ومعطوف، والمعطوف على التمييز تمييز، واسم « لا » كقولك « لا أَبَا لزَيْدٍ » و « لا غلامَيْ لعمرٍو » فانَّ الصّحيحَ انَّهُ مِنْ بَابِ المضاف واللام مقحمَةٌ، بدَليلِ سُقوطها في قولِ الشاعر:

١٦٥ـ أَبِالموتِ الَّذِي لا بُدَّ أَنِّي مُلَاقٍ ـ لا أَبَاكِ ـ تُخَوِّفِينِي

فهذه الانواع كلّها نكرات، وهي في المعنى بمنزلة قولك: جَاءَ زيدٌ مُنفردًا، وكَمْ نَاقَةً وفصيلًا لها، وَلَا أَبًا لَكَ۔

ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مضاف کثیر الابہام ہو۔ اور وہ جیسے غَیْر ہے مِثْل ہے شِبہ ہے اور خِدْن ہے (خاء کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ) بمعنی صاحب (دوالا) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ان الفاظ

کو نکروں کی صفت بناتے ہیں۔ چنانچہ آپ کہتے ہیں مَرَرْتُ برجلٍ غیرِكَ و برجلٍ مثلِكَ وبرجلٍ شبهِكَ وبرجلٍ خِدنِكَ ۔ نیز باری تعالیٰ کا ارشاد ہے رَبَّنَا اَخْرِجْنَا[1] الخ

دوسری صورت یہ ہے کہ مضاف ایسے مقام میں واقع ہو جو نکرہ کا مستحق ہے مثلاً حال، تمیز یا لائے نفی جنس کا اسم واقع ہو۔ چنانچہ حال کی مثال جیسے جَاءَ زَيْدٌ وَحْدَهٗ۔ اور تمیز کی مثال جیسے کَمْ نَاقَةً[2] وَ فصیلَها چنانچہ کَمْ مبتداء ہے استفہامیہ ہے، اور ناقة تمیز ہونیکی بناء پر منصوب ہے۔ وفصیلها (میں واو) عاطف (اور فصیلها تمیز کا) معطوف ہے ۔ اور تمیز کا معطوف تمیز ہوتا ہے۔ اور "لا" (نفی جنس) کے اسم کی مثال جیسے لَا اَبَا لِزَيْدٍ اور لَا غُلَامَيْ لِعَمْرٍو ہے۔ کیونکہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ مضاف کی قبیل سے ہے، اور لام زائد ہے شاعر کے قول اَبِا لْمَوْتِ[3] میں گرجانے کی دلیل کی وجہ سے حاصل یہ کہ یہ تمام اقسام نکرہ ہیں ۔ یہ مفہوم میں تمہارے قول جَاءَ زَيْدٌ منفردًا، وکَمْ ناقةً وفصيلًا لها۔ اور لَا اَبَا لَكَ کے درجہ میں ہیں۔

ثُمَّ بينتُ انّ الاضافةَ المعنويّةَ على ثلاثةِ اقسامٍ: مقدّرة بفي، ومقدّرة بمن، ومُقدّرة باللّامِ۔

فالمقدّرة بفي ضابطُها: ان يكونَ المضاف اليهِ ظرفًا للمُضافِ، نحو قول الله تعالى: (بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ) (تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ) ونحو قولك "عُثمانُ شهيدُ الدّارِ" و "الحُسينُ شهيدُ كربلاء" "و مَالِكٌ عالِمُ المدينةِ" واكثر النحويّين لَمْ يُثبت مجيء الاضافة بمعنى في۔

---

[1] اے ہمارے رب ہم کو نکال کر کچھ نیک عمل کریں وہ نہیں جو کرتے رہے (پ۲۲ ع۱۶)۔ صالحًا نکرہ موصوف ہے اور غیر الّذی الخ صفت۔ اگر صفت بوجہ اضافت معرفہ ہوتی تو نکرہ کی صفت نہیں بن سکتی تھی۔ معلوم ہوا کہ اضافت کے باوجود نکرہ ہی رہتا ہے معرفہ نہیں ہوتا، ہاں مخصصہ ہوجاتا ہے۔

[2] اونٹنی اور اسکے بچے کتنے ہیں۔ اس مثال میں ناقة معطوف علیہ اور فصیلها معطوف ہے۔ دونوں ملکر کم استفہامیہ کی تمیز اور خبر ہے۔ اور واضح رہے کہ معطوف معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے۔ اور معطوف علیہ نکرہ ہے تو معطوف کو بھی نکرہ مانا جائیگا۔ لہٰذا فصیلها اگرچہ صورۃً بوجہ اضافت الی الضمیر معرفہ ہے۔ مگر تمیز ہونے کی وجہ سے حکمًا نکرہ ہے۔

[3] کیا تم مجھ کو اس موت سے ڈرارہے ہو جس سے ضرور، بالضرور، (دیر سویر) پالا پڑنا ہے۔ تیرا باپ نہ رہے۔ محلِ استشہاد: "لَا اَبَاكَ" ہے کہ شاعر نے کلمہ "ابا" کو "لا" نفی جنس کا اسم بنایا ہے جو بصورت الف منصوب ہے۔ اور "ابا" ضمیر "كَ" کی طرف مضاف ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کا قول "لا ابا لك" بھی از قبیلِ اضافت ہے۔ اور "لكَ" کا لام زائد ہے اور اگر اسکو از قبیل اضافت نہ بناتے تو "ابا" بصورت الف نہ ذکر کیا جاتا۔

والمقدرة بِمِنْ ضابطها: ان یکون المضاف الیه کلا للمضاف وصالحا للاخبار به عنه، نحو قولك «هٰذا خاتم حدید» الا ترى ان الحدید کل، والخاتم جزء منه، وانّه یجوز ان یقال: الخاتم حدیدٌ، فیخبر بالحدید عن الخاتم۔

وبمعنى اللّام فیما عدا ذلك، نحو «یدُ زیدٍ» و «غلام عمرو» و «ثوب بکر»۔

پھر میں نے بیان کیا کہ اضافت معنویہ کی تین قسمیں ہیں۔ اضافت بتقدیر فی، بتقدیر مِنْ، اور بتقدیر اللّام۔ بتقدیر فِي کا ضابطہ یہ ہے کہ اس میں مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ[1]۔ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ[2] اور جیسے تمہارا قول عثمانُ شهیدُ الدّارِ، الحسینُ شهیدُ کربلاء، اور مَالِكٌ عالِمُ المدینةِ۔ اکثر نحویوں نے اضافت بمعنی فی کا وجود ثابت نہیں مانا ہے ـــــ اور بتقدیر مِنْ کا ضابطہ یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کا کل ہو، اور مضاف کی خبر بننے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے تمہارا قول هٰذا خاتم حدید کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ حدید کل ہے اور خاتم اسی کا ایک جزء ہے۔ اور یہ کہ الخاتم حدید کہا جاسکتا ہے کہ حدید کو خاتم کی خبر بنایا جائے ـــــ اور اضافت بمعنی اللّام (مذکورہ) مقامات کے علاوہ میں ہوگی جیسے یَدُ زیدٍ غلامُ عمرو، اور ثوبُ بکرٍ۔

ثمّ قلتُ: الثالث المجرورُ للمجاورةِ، وهُوَ شاذٌّ، نحو «هٰذا جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ»۔
وقوله: ؎ یَاصَاحِ بَلِّغْ ذَوِي الزَّوْجَاتِ كُلِّهِمِ ؎
ولیس مِنهُ (وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ) على الأصحّ۔

واقول: الثالثُ مِنْ انواعِ المجروراتِ: مَا جُرَّ لمجاورةِ المجرورِ، وذلك فی بابی النعتِ والتاکیدِ، قیل: وبابِ عطفِ النَّسَقِ۔

فامّا النعتُ ففی قولهم: «هٰذا جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ» روی بخفض «خرب» لمجاورته للضبّ، وانما کان حقهُ الرفع، لانّهُ صفة للمرفوع، وهو الجُحْرُ، وعلى الرفع اکثر العرب۔

---

[1] بلکہ تم کو رات دن کی تدبیروں نے (روکا) پ ۲۲ ع ۱۔) ای بل صدّنا مکرفی اللّیل والنهار۔

[2] (ان کے لئے) چار مہینے کی مہلت ہے۔ (پ ۲ ع ۱۲) ای تربّص فی اربعة اشهر۔

واما التوكيد ففي نحو قوله:

۱۶۶- يَا صَاحِ بَلِّغْ ذَوِي الزَّوْجَاتِ كُلِّهِمِ

أَنْ لَيْسَ وَصْلٌ إِذَا انْحَلَّتْ عُرَى الذَّنَبِ

فكلّهم: توكيد لذوى، لا لِلزّوجاتِ، والّا لقال كلّهنّ، وَذَوِي: منصوبٌ على المفعولية، وكان حق «كلهم» النصبُ، ولكنه خُفِضَ لمجاورةِ المخفوضِ۔

م: تیسرا مجرور وہ ہے مجرور ہوتا ہے جوار کی بناپر۔ اور یہ شاذ ہے۔ جیسے هٰذَا جُحْرُضَبٍّ خَرِبٍ۔ اور شاعر کا قول يَا صَاحِ بَلِّغْ الخ ہے اور وَامْسَحُوا الخ صحیح قول کے مطابق اس قبیل سے نہیں ہے۔

ش: مجرورات کی اقسام میں سے وہ ہے جس کو جر دیا گیا ہو جوار مجرور کی بناپر۔ اور یہ نعت و تاکید کے ابواب میں ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ عطفِ نسق کے باب میں بھی۔

رہا نعت تو (جیسے) ان کے قول هٰذَا جُحْرُ[1] الخ یہ مروی ہے خرب کے جر کے ساتھ۔ خرب کے ضب سے متصل ہونے کی بناپر۔ جبکہ اس کو مرفوع ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ مرفوع یعنی جُحر کی صفت ہے۔ اور رفع کے مطابق اکثر عربوں کا استعمال ہے۔

رہا تاکید تو (اس کی مثال) شاعر کے قول يَا صَاحِ[2] بَلِّغْ جیسے میں ہے۔ چنانچہ کلّھم، ذوی کی تاکید ہے۔ نہ کہ زَوْجَات کی، ورنہ تو کہا جاتا كلّهنّ اور ذَوِي مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ کلّھم پر نصب ہونا چاہئے تھا مگر جوار مجرور کی بناپر جر دیا گیا۔

واما المعطوف فكقوله تعالى: (إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ) في قراءة

---

[1] جُحْرٌ: سوراخ ج أَجْحَار، أَجْحِرَة، جِحَرَة۔ ضَبٌّ گوہ، سوسمار ج أَضُبٌّ، ضِبَاب، ضُبَّان، خَرِبٌ ویران، اُجاڑ ج خَرِبٌ۔ یہ گوہ کا ویران سوراخ ہے۔

[2] صَاحِ، صاحب کا مرخم ہے۔ اِنْحِلَال کھلنا۔ عُرَى عُرْوَة کی جمع ہے۔ کاج، پھندا، دستہ۔ ذَنَبٌ۔ دم، تابع۔ عُرَى الذَّنَب سے جنسی ضعف مراد ہے۔ شعر ابو الغريب النصری کا ہے۔ اے جناب تمام بیویوں والوں کو یہ پیغام پہنچادو کہ جب جنسی ضعف آجاتا ہے تو کسی قسم کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ محل استشہاد: کلّھم ہے۔ اس پر جر صرف اس لئے آتا ہے کہ زوجات سے قریب ہے۔ ورنہ اس پر نصب آنا چاہئے تھا کیونکہ ذوی کی تاکید ہے، جو مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ زوجات کی تاکید نہیں، ورنہ کلّھن ہوتا۔

مَنْ جرَّ الْاَرْجُلَ لمجاورتہٖ للمخفوضِ وھو الرّءوس، وانّما کانَ حقہٗ النصبُ، کما ھو فی قراءۃ جماعۃ اٰخرین، وھو (منصوبٌ) بالعطف علی الوجوہِ وَالاَیْدِی، وھٰذا قول جماعۃ من المفسّرین والفقہاءِ۔

وخَالَفھم فی ذٰلک المحققون، وَرَاَوْا انّ الخفض علی الجوارِ لا یحْسُنُ فی المعطوف، لِانّ حرف العطفِ حَاجِزٌ بَیْنَ الاِسْمَیْنِ ومُبْطِل لِلمُجَاوَرۃ، نعم لا یمتنع فی القیاسِ الخفض علی الجوارِ فی عطفِ البیان، لانّہٗ کالنعتِ وَالتوکیدِ فی مجاورۃ المتبوع، وینبغی اِمتِنَاعہٗ فِی البدلِ، لانّہٗ فی التقدیرِ مِنْ جُمْلۃٍ اُخرٰی، فھو محجوز تقدیرًا، و رَاٰی ھؤلاءِ انّ الخفضَ فِی الاٰیۃِ اِنّما ھُوَ بالعطف علی لفظ الرّءوس، فقیل الارجُل مغسُولۃ لا ممسُوحَۃ، فاَجَابُوا علی ذٰلک بوجھین، اَحَدُھُمَا: انّ المسحَ ھنا الغَسْلُ، قال ابو علی: حکی لنا مَنْ لا یتّھم انّ اَبَا زیدٍ قال: المسحُ خفیف الغَسْلِ، یقال: مسحتُ للصّلوٰۃ، وخُصّتِ الرِّجلان من بَین سَائرِ المغسولاتِ باسْمِ المسح لیقتصد فی صبّ الماءِ عَلیھما، اِذ کانتَا مظنّۃً لِلاِسْرافِ، وَالثانی: انّ المراد ھنا المسح علی الخفین، وجعل ذٰلک مَسْحًا للرِّجْلِ مجازًا۔ وانما حقیقتہٗ انّہٗ مسح للخُفِّ الّذی علی الرّجلِ، والسنۃ بیّنت ذٰلک۔

رہا معطوف تو اس کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَی[1] الخ ان لوگوں کی قرارت کے مطابق

---

[1] جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت، اور اپنے سَروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت (پ۶ ع ۲) (نافع، ابن عامر، حفص، کسائی اور یعقوب کی قرأت نصب کیساتھ ہے بقیہ قرار کی جر کیساتھ مفسرین اور فقہاء کا کہنا ہے کہ ارجلکم پر اصولی طور پر نصب ہونا چاہیے کیونکہ اس کا عطف وجوھکم وایدکم پر ہے اور یہ دونوں فاغسلوا کے مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہیں۔ اور منصوب کا معطوف منصوب ہوتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود اسکو جوار کی بنا پر جر دیا گیا ہے۔
مگر محققین کا کہنا ہے کہ اس پر جوار کی بنا پر جر نہیں آسکتا۔ کیونکہ جر جوار ماننے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی مانع نہ ہو جبکہ یہاں مانع حرف عطف موجود ہے۔ جو مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور مجاورت کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے محققین کا کہنا ہے کہ یہاں جر جوار نہیں بلکہ ارجلکم کا عطف رؤسکم پر ہے۔ اور رؤسکم معطوف علیہ مجرور ہے اور مجرور کا معطوف مجرور ہوتا ہے ـــــ پھر اس قول پر اعتراض ہوا کہ رؤس پر مسح ہوتا ہے لہٰذا ارجل پر مسح ہونا چاہیے۔ اسکے دو جواب دیتے ہیں۔ (۱) مسح سے مراد غسلِ خفیف ہے۔ کیونکہ لوگ عموماً پاؤں دھونے میں اسراف سے کام لیتے ہیں لہٰذا حکم دیا گیا کہ مسح کرو یعنی زیادہ پانی مت خرچ کرو۔
(۲) مسح علی الارجل بولا گیا ہے مگر مجازاً مسح ما علی الارجل مراد لیا گیا ہے۔ یعنی تم ان موزوں پر مسح کرو جو پاؤں میں پہنے ہوئے ہو۔

جنہوں نے ارجل پر اس کے مجرور یعنی رؤس سے متصل ہونے کی بنا پر جر پڑھا ہے، جبکہ اس پر نصب ہونا چاہئے تھا، جیسا کہ ایک دوسری جماعت کی قراءت میں ہے۔ اور یہ (ارجل) وجوہ اور آیدی پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور یہ مفسرین اور فقہاء کی ایک جماعت کا قول ہے۔

اور محققین نے اس سلسلہ میں فقہاء اور مفسرین سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جوار کی بنا پر جر معطوف (بالحروف) میں مستحسن نہیں ہے۔ کیونکہ حرف عطف دو اسموں کے درمیان حائل ہے اور مجاورت کو ختم کر رہا ہے۔ ہاں قیاساً جرِ جوار عطف بیان میں ممتنع نہیں ہے۔ کیونکہ عطفِ بیان متبوع سے اتصال میں نعت و تاکید کی مانند ہے۔ اور جرِ جوار بدل میں ممتنع ہونا چاہئے۔ کیونکہ بدل تقدیراً دوسرے جملہ کا جزء ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تقدیراً (ماقبل سے) کٹا ہوا ہے۔ اور انہیں لوگوں کا خیال ہے کہ آیت میں جر لفظ رؤس پر عطف کی بنا پر ہے۔

پھر اس پر اعتراض ہوا کہ (جناب!) ارجل تو مغسول ہیں نہ ممسوح، تو انہوں نے اس کا جواب دو طرح سے دیا ہے۔ پہلا جواب یہ ہے کہ مسح یہاں (یعنی) غسل ہے۔ ابوعلی کا کہنا ہے کہ ہم سے ایسے آدمی نے بیان کیا جس کو متہم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کہ ابوزید نے کہا ہے کہ مسح معمولی دھونے کا نام ہے۔ کہا جاتا ہے : مسحتُ للصّلوٰۃ (میں نے نماز کے لئے ہلکا وضوء کیا) اور تمام مغسولہ اعضاء میں سے پیروں کی تخصیص اسلئے کی گئی تاکہ متوضی پاؤں پر پانی ڈالنے میں اعتدال اختیار کرے۔ اسلئے کہ پیر اسراف کے گمان کے محل میں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں (پیروں پر مسح کرنے سے مُراد) موزوں پر مسح کرنا مُراد ہے۔ (مگر) اسکو پیروں کا مسح مجازاً قرار دیدیا گیا۔ اور حقیقۃً یہ اس موزہ کا مسح ہے جو پیر پر ہے۔ اور سنت (حدیث) نے اس کو بیان کیا ہے۔

ویُرجح ذلك القولَ ثلاثة امور، أحدها: انّ الحملَ على المجاورة حملَ على شاذ، فينبغي صونُ القرآن عنه، والثاني: انّه اذا حُمل على ذلك كان العطف في الحقيقة على الوجوه والايدي، فيلزم الفصلُ بين المتعاطفين بجُملة اجنبيّة وهو (وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ) واذا حمل على العطف على الرءوس لم يلزم الفصلُ بالاجنبي، وَالاصلُ ان لا يُفصل بين المتعاطفين بمفردٍ فضلًا عن الجُملةِ، الثالثُ: انّ العطف على هذا التقدير حمل على المجاور، وعلى التقدير الاول حَمل على غير المجاور، والحمل على المجاورِ أَوْلىٰ۔

فانْ قلتَ: يَدل للتوجيهِ الاوّل قراءة النصب۔

قلتُ: لانُسَلِّم أنّها عطف على الوجوهِ والأيدِي، بَل على الجارِ والمجرُورِ، كما قال:

۱۶۷ - ﴿ يَسْلُكْنَ فِي نَجْدٍ وَغَوْرًا غَايِرًا ﴾

اور محققین کس قول کو تین امور ترجیح دیتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جوار پر محمول کرنا شاذ پر محمول کرنا ہے۔ (کیونکہ عطف بالحروف میں جرِ جوار خلافِ قاعدہ اور شاذ ہے۔) لہٰذا قرآن کو اس سے بچانا چاہئے۔

دوم۔ جب اس کو جوار پر محمول کیا جائیگا تو درحقیقت وجوہ اور ایدی پر عطف ہوگا جس کے نتیجہ میں معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان ایک اجنبی جملہ یعنی وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ کے ذریعہ فصل لازم آئیگا۔ اور جب اس کو عطف بر رؤس پر محمول کیا جائے تو فصل بالاجنبی لازم نہیں آئیگا۔ اور اصل یہ ہے کہ معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان کسی مفرد کا بھی فصل نہو، چہ جائیکہ جملہ کا۔

سوم یہ کہ اس صورت میں عطف کرنا (در اصل) مجاور پر محمول کرنا ہے۔ اور پہلی صورت میں مجاور کے علاوہ پر محمول کرنا ہے۔ جبکہ مجاور پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے (یعنی محققین کے مسلک کے مطابق معطوف معطوف علیہ قریب قریب رہتے ہیں۔ بخلاف مفسرین وفقہاء کے قول کے کہ اُن کے مسلک کے مطابق معطوف معطوف علیہ دونوں دور ہو رہے ہیں، جبکہ قریب ہونا بہتر ہے۔

اعتراض: پہلی توجیہ کے لئے نصب کی قرارت دلیل بن رہی ہے۔

جواب:۔ ہم وجوہ اور ایدی پر عطف ہی تسلیم نہیں کرتے، بلکہ جار مجرور کے محل پر ہے۔ اور رُؤُوس محلاً مفعول بہ ہے۔ اسی کے مطابق شاعر نے کہا ہے یسلکن الخ۔

ثمّ قلتُ: بابٌ — المجزُوماتُ الأفعالُ المضارعةُ الدّاخلُ عليها جازِمٌ، وهو ضَرْبانِ: جازِمٌ لفعلٍ، وهُوَ لَمْ، ولمّا، ولامُ الأمرِ، ولا في النهيِ، وجازِمٌ لفعلَيْنِ، وهُوَ أدواتُ الشرطِ: إنْ، وإذما، لمجرّدِ التعليقِ، وهُما حرفانِ، ومَنْ للعاقِلِ،

لہ دوسرا مصرعہ ہے فواسقا عن قصدها جوائرا۔ نجد زمین کا اٹھا ہوا حصہ۔ غور نشیبی حصہ۔ غائر گہرا۔ غوراً غائراً موصوف صفت میں۔ فواسق فاسقۃ کی جمع ہے۔ ہٹنے والی۔ جوائر جائرۃ کی جمع ہے دور ہونے والی۔ وہ اونچی اور بہت گہری زمین میں میانہ روی سے ہٹ کر اور دور ہو کر چل رہی ہیں۔

محل استشہاد: وغوراً ہے۔ اس کا عطف جار مجرور یعنی فی نجد پر ہے اس پر جر ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ فی نجد مفعول بہ کی جگہ میں واقع ہے اسلئے معطوف علیہ کی رعایت میں اس کو نصب دیدیا گیا۔ اسی طرح ارجلکم کو معطوف علیہ یعنی برؤس کے محل کی رعایت میں نصب دیدیا گیا۔ اور برؤس محلاً مفعول بہ ہے۔

وَمَا وَمَهْمَا لِغَيْرِهِ، وَمَتیٰ وَاَیَّانَ لِلزَّمَانِ، وَاَیْنَ وَاَنّٰی وَحَیْثُمَا لِلْمَکَانِ، وَاَیٌّ بِحَسْبِ مَا تُضَافُ اِلَیْهِ، وَیُسَمّٰی اَوَّلُهُمَا شَرْطًا، وَلَا یَکُوْنُ مَاضِیَ الْمَعْنٰی، وَلَا اِنْشَاءً، وَلَا جَامِدًا، وَلَا مَقْرُوْنًا بِتَنْفِیْسٍ، وَلَا قَدْ، وَلَا نَافٍ غَیْرِ لَا وَلَمْ، وَثَانِیْهِمَا جَوَابًا وَجَزَاءً

م : باب ۔ مجزوم وہ افعالِ مضارع ہیں جن پر کوئی جازم داخل ہو۔ جازم کی دُو قسمیں ہیں۔ (صرف) ایک فعلؔ کو جزم دینے والا، وہ لم، لما، لامِ امر اور لائے نہی ہے۔ اور دُو فعلوں کو جزم دینے والا۔ وہ کلماتِ شرط ہیں۔ (جنمیں سے) اِنْ اور اذما صرف تعلیق کیلئے ہیں۔ یہ دونوں حرف ہیں۔ اور مَنْ عاقل کیلئے ہے۔ اور مَا، مہما غیر عاقل کے لئے ہیں۔ اور متیٰ، اَیَّانَ زمانہ کے لئے ہیں۔ اور اَیْنَ، اَنّٰی، حَیْثُمَا، مکان کے لئے ہیں۔ اور اَیٌّ مضاف الیہ کے حساب سے ہوگا۔ اور دو فعلوں میں سے پہلے کا نام شرط ہوگا۔ اور وہ شرط نہ تو معنیٰ ماضی ہوتی ہے اور نہ انشاء اور نہ جامد اور نہ ہی حرفِ تنفیس (س وسوف) سے متصل ہوتی ہے، اور نہ ہی قد سے، اور نہ حرفِ نفی سے، سوائے لَا اور لَم کے۔ اور دوسرے فعل کا نام جواب اور جزاء رکھا جاتا ہے۔

واقول: لما انھیتُ القولَ فِی المجروراتِ شرعتُ فی المجزوماتِ، وَبِهٰذَا الْبَابِ تتم انواعُ المعربات، وبیّنت انّ المجزوماتِ هِیَ الْاَفعالُ المضارعةُ الداخِلُ علیها اداةٌ من هٰذِهِ الادواتِ الخمسةَ عشرَ، وانَّ هٰذِهِ الادواتِ ضربانِ:
ما یجزم فعلًا واحدًا، وهو اربعة: لَمْ، نحو (لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ کُفُوًا اَحَدٌ) وَلَمَّا، نحو (لَمَّا یَقْضِ مَا اَمَرَهٗ) (بَلْ لَمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ) (وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْکُمْ) وَلامُ الْاَمْرِ، نحو (لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ) و لَا، فی النهی نحو (لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا) وقد یُسْتَعَارَانِ لِلدُّعَاءِ، کقوله تعالیٰ: (لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ) (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا)۔

ش : جب مجرورات کی بات ختم کرلی تو مجزومات میں لگ گیا۔ اور اس باب پر معرب کی اقسام مکمل ہورہی ہیں۔ اور میں نے یہ بیان کیا کہ مجزوم وہ افعالِ مضارع ہیں جن پر ان پندرہ کلمات میں سے کوئی کلمہ داخل ہو۔ اور یہ کلمات دو قسم کے ہیں۔ جو ایک فعل کو جزم دے وہ چار ہیں۔ لَمْ جیسے لَمْ یَلِدْ[1] وَ

---

[1] نہ کسی کو جنا، نہ کسی سے جنا، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ (پ ۳۰ ع ۲۷)

لَمْ يُوْلَدْ الخ لَمَّا جیسے لَمَّا يَقْضِ[1] مَآ اَمَرَهٗ ، بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ[2]، وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ[3] الخ
لامِ امر جیسے لِيُنْفِقْ[4] الخ، اور لائے نہی جیسے لَا تَحْزَنْ[5] الخ اور کبھی یہ آخری دونوں کو دعاء کے لئے
مجازًا استعمال کئے جاتے ہیں جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لِيَقْضِ[6] الخ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا[7]۔

وَمَا يجزمُ فعلين وهو الاِحدى عشرةَ الباقيةُ، وقد قسمتُها الى ستةِ اقسامٍ:

اَحَدُهَا: مَا وضع للدلالةِ على مجردِ تعليقِ الجوابِ على الشرطِ وهو اِنْ و اِذْمَا،
قال الله تعالىٰ: (وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ) وتقول «اِذْمَا تَقُمْ اَقُمْ»۔

وهُمَا حَرفانِ، اَمَّا اِنْ فبالاجماع، و اَمَّا اِذْمَا فعند سيبويه، والجمهورِ،
وذهبَ المبردُ وابن السّراج والفارسي الى انها اِسْمٌ۔

وفهم من تخصيصي هٰذين بالحرفيةِ ان مَا عداهما من الادواتِ اسماء، وذلك
بالاجماع في غيرِ مهمَا، وعلى الاصح فيها، وَالدَّليلُ عليهِ قولهٗ تعالىٰ:
(مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ) فعاد الضمير المجرورُ عليها، ولا يعود (الضمير)
الّا على اسمٍ۔

اور وہ جو[8] دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں وہ بقیہ گیارہ ہیں جن کو میں نے چھ حصّوں پر تقسیم کیا ہے۔ اوّل وہ
ہیں جو شرط پر جزاء کے صرف معلق ہونے کو بتلانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ وہ اِنْ اور اِذْمَا ہیں
باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ الخ اور آپ کہتے ہیں: اِذْمَا تَقُمْ اَقُمْ، اور یہ دونوں
حرف ہیں۔ بہرحال «اِنْ» تو وہ بالاتفاق (حرف ہے) اور رہا «اِذْمَا» تو سیبویہ اور جمہور کے نزدیک
(حرف ہے) اور مبرد، ابن السراج اور فارسی اس طرف گئے ہیں کہ وہ اسم ہے۔ اور (وہما حرفان میں) ان
دونوں کو حرفیت کے ساتھ خاص کرنے سے یہ بات سمجھی گئی کہ ان کے علاوہ دیگر کلمات اسماء ہیں۔ اور
یہ (اسمیت مہما کے علاوہ میں بالاتفاق ہے۔ اور مہما میں بھی صحیح مذہب کے مطابق (اسمیت ہی ہے) اور

---

[1] اس نے وہ حکم پورا نہیں کیا جو اس کو دیا۔ پ۳۰ ع ۵) [2] ابھی انہوں نے میری مار چکھی ہی نہیں۔ پ۲۳ ع ۱۰)
[3] ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو پ۴ ع ۵) [4] چاہیئے کہ وسعت والا
اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔ پ۲۸ ع ۱۷) [5] تو غم نہ کھا، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پ۱۰ ع ۱۲) [6] تمہارا
پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے۔ پ۲۵ ع ۱۳) [7] اے ہمارے رب نہ مواخذہ کر تو ہم سے (پ۳ ع ۸)۔
[8] اور اگر پھر یہی کروگے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے۔ پ۹ ع ۱۶)۔

اور اس کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ ہے کہ (بہٖ کی) ضمیر مجرور مَهْمَا کی طرف لوٹی، اور ضمیر اسم ہی کی طرف لوٹتی ہے (اور ضمیر کا مہما کی طرف لوٹنا اس بات کی علامت ہے کہ مہما اسم ہے ورنہ ضمیر اس کی طرف نہیں لوٹتی)

الثانی مَاوضع للدّلالةِ عَلیٰ مَنْ يَعْقِل، ثم ضُمِّنَ معنی الشرط، وهو مَنْ، نحو (مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ)۔

الثالثُ: مَاوضع لِلدلالةِ علیٰ مَالایعْقل، ثم ضمّن معنی الشرط وهو مَا ومَهْمَا، نحو قوله تعالیٰ: (وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ) (مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ) الآيَة۔

الرابع: مَاوضع لِلدّلالةِ عَلَی الزَّمَانِ، ثم ضُمِّنَ معنی الشرطِ، وهو مَتیٰ واَيَّانَ، كقولِ الشاعرِ:

۱۶۸۔ ولستُ بحلّالِ التّلاعِ مخافةً　　　ولٰكِنْ متیٰ يَسْتَرْفِدِ القومُ اَرْفِدِ

وقول الآخر:

۱۶۹۔ اَيَّانَ نُؤْمِنْكَ تَأْمَنْ غيرَنَا، وَإِذَا
لَمْ تُدْرِكِ الْاَمْنَ مِنَّا لَمْ تَزَلْ حَذِرَا

الخامسُ: مَاوضع لِلدلالةِ علی المكان، ثم ضمّن معنی الشرط، وهو ثلاثة: اَيْنَ، وَاَنّیٰ، وحَيْثُمَا، كقوله تعالیٰ: (اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ)۔

وقول الشّاعرِ:

۱۷۰۔ خَلِيْلَيَّ اَنّیٰ تَأْتِيَانِي تَأْتِيَا　　　اَخًا غَيْرَ مَا يُرْضِيْكُمَا لَا يُحَاوِلُ

وقوله: ۱۷۱۔ حَيْثُمَا تَسْتَقِمْ يُقَدِّرْ لَكَ اللّٰهُ نَجَاحًا فِي غَابِرِ الْاَزْمَانِ۔

السَّادِسُ: مَاهُوَ مُتَرَدِّدٌ بَيْنَ الْاَقْسَامِ الْاَرْبَعَةِ، وَهِيَ اَيٌّ، فَاِنَّهَا بِحَسْبِ مَاتُضَافُ اِلَيْهِ: فَهِيَ فِي قولِكَ «اَيُّهُمْ يَقُمْ اَقُمْ مَعَهٗ» مِنْ بَابِ مَنْ، وفي قولِكَ: «اَيَّ الدَّوَابِّ تَرْكَبْ اَرْكَبْ» مِنْ بَابِ مَا، وفي قولِكَ: «اَيَّ يومٍ تَصُمْ اَصُمْ»

لے اور جو کچھ تو ہمارے پاس نشانی لاوے گا۔ پ ۹ ع ۶)

مِنْ بَابِ مَتیٰ، وفی قولك: « اَیَّ مَکَانٍ تَجلِسْ اَجْلِسْ » مِنْ بَابِ اَیْنَ۔

دوسرا وہ کلمہ ہے جو ایسے شخص کو بتلانے کے لئے وضع کیا گیا ہے جو عقل رکھتا ہے پس اس میں شرط کے معنی شامل کر دیئے گئے ہیں وہ مَنْ ہے جیسے مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا یُّجْزَبِہٖ[1]۔

تیسرے وہ کلمات ہیں جو غیر عاقل کو بتلانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں، پھر شرط کے معنی ان میں شامل کر دیئے گئے ہیں، وہ مَا اور مَھْمَا ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا تَفْعَلُوْا[2] الخ مَھْمَا تَاْتِنَا الخ

چوتھے وہ کلمات ہیں جو زمانہ کو بتلانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں، پھر ان میں شرط کے معنی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ وہ مَتیٰ اور اَیَّانَ ہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے ولستُ[3] بحلال الخ اور دوسرے[4] شاعر کا قول ہے اَیَّانَ[4] نُؤْمِنكَ الخ

پانچویں وہ کلمات ہیں جو مکان کو بتلانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں، پھر شرط کے معنی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ وہ تین ہیں۔ اَیْنَ، اَنّیٰ اور حَیْثُمَا جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا[5] الخ اور شاعر کا قول ہے خَلِیْلَیَّ[6] الخ اور دوسرے شاعر کا قول ہے حَیْثُمَا[7] تَسْتَقِمْ الخ

---

[1] جو کوئی بُرا کام کریگا اس کی سزا پاوے گا۔ پ۵ ع۱۵) [2] جو کچھ تم نیکی کرتے ہو اللہ اسکو جانتا ہے۔ پ۲ ع۹)

[3] حَلّال اترنے والا۔ حَلَّ (ن) حلولاً اُترنا، التلاع، تِلعۃ کی جمع ہے، ٹیلہ یا نشیبی حصہ، یہاں نشیبی حصہ یا وادی مُراد ہے۔ طرفہ بن عبید کا شعر ہے: میں (دشمنوں سے) ڈر کے مارے وادیوں میں قیام کرنے والا نہیں ہوں لیکن جب بھی قوم مجھ سے بخشش اور مدد چاہتی ہے کرتا ہوں، اس شعر میں شاہد متی یسترفد القوم اَرفد ہے۔ کہ متیٰ کو زمان کے لئے وضع کیا گیا ہے، اور پھر شرط کے معنی شامل ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے اس نے دو فعلوں کو جزم دیا ہے یسترفد اور ارفد

[4] جس وقت ہم تجھ کو امن دیں گے تو تو ہمارے علاوہ (دیگر قوموں کے ظلم) سے محفوظ رہے گا۔ اور جب تو ہماری طرف سے امن نہ حاصل کر سکے گا تو تو برابر خائف رہے گا۔ اس میں شاہد اَیَّانَ نُؤْمِنكَ تأمن ہے۔ کہ ایان، جو زمان کے لئے موضوع ہے، پھر شرط کے معنی کو متضمن ہو گیا اس نے دو فعلوں کو جزم دیا ہے۔ پہلا نُؤمنْ ہے دوسرا تأمَنْ ہے۔

[5] جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آپکڑے گی۔ پ۵ ع۸)۔

[6] اے میرے دونوں دوستوں! جہاں بھی تم میرے پاس آؤ گے تو تم ایسے بھائی کے پاس آؤ گے جو تم کو راضی کرنیکے سوا (اور کچھ) نہیں چاہتا۔ شاہد اس میں انّی تَأتِیَانِی تاتیا ہے کہ انّی جو مکان کے لئے وضع کیا گیا ہے اس نے دو فعلوں کو جزم دیا۔ تاتیانی تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اسکی اصل تاتیاننی ہے۔ جازم کی وجہ سے نونِ تثنیہ حذف کر دیا گیا اور نون وقایہ باقی ہے۔

[7] یقدر، مہیا کرنا۔ غابر الازمان، سے مراد آئندہ زمانہ ہے۔ جہاں تم اعتدال اختیار کرو گے یا سیدھے راستہ پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ آئندہ زمانہ میں تمہارے لئے کامیابی مقدر کریگا۔ اس میں شاہد حَیْثُمَا ہے۔ شرط وجزا دونوں کو جزم دے رہا ہے۔ مکان کے معنی کے لئے موضوع ہے۔ شرط کے معنی کو متضمن ہو گیا ہے۔

چھٹے وہ کلمہ ہے جو چاروں قسموں کے درمیان دائر ہے وہ اَیّ ہے۔ اس لئے کہ وہ مضاف الیہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اَیّ تمہارے قول اَیُّھُمْ یَقُمْ اَقُمْ مَعَہٗ میں مَنْ کی قبیل سے ہے۔ اور تمہارے قول اَیَّ الدَّواب ترکبْ ارکبْ میں مَا کی قبیل سے ہے۔ اور تمہارے قول اَیَّ یَوْمٍ تَصُمْ اَصُمْ میں مَتیٰ کی قبیل سے ہے۔ اور تمہارے قول ایّ مکانٍ تجلِسْ اجلِسْ میں اَیْنَ کی قبیل سے ہے۔

ثُمَّ بیّنتُ انَّ الفِعلَ الاوّلَ یُسمّٰی شرطًا، وذٰلک لانّہٗ عَلَامَۃٌ علیٰ وجود الفعلِ الثانی، والعلامۃ تسمّٰی شرطًا، قال اللہ تعالیٰ: (فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُھَا) (ای: عَلَامَاتھا) وَالاشراط فی الاٰیۃ جمع شَرَطٍ، بفتحتین۔ لاجمع شَرْط ــــ بسکون الراء ــــ لانّ فَعْلًا لا یُجمع علیٰ افعال قیاسًا الا فی معتل الوسط، کاَثْوَاب، واَبْیَات۔

پھر میں نے بیان کیا کہ پہلے فعل کا نام شرط رکھا جاتا ہے۔ اور یہ نام اس لئے کہ یہ دوسرے فعل کے وجود پر علامت ہے۔ اور علامت کو شرط کہا جاتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فقد جاء اشراطھا[1] یعنی اس کی علامتیں (آئی ہیں) اور آیت میں اَشْرَاط، شَرَط (بفتحتین) کی جمع ہے، نہ کہ شَرْط (بسکون الراء) کی کیونکہ قیاسی طور پر فَعْل کی جمع اَفْعَال نہیں آتی[2]، سوائے معتل الاوسط (اجوف) کے جیسے (ثَوْب کی جمع) اَثْوَاب اور (بَیْت کی جمع) اَبْیَات۔

---

[1] تو اس کی علامتیں اور نشانیاں آچکی ہیں۔ (پ ۲۶ ع ۶)۔

[2] یہ بات ابن ہشامؒ نے سیبویہ کی اقتداء میں کہی ہے۔ ورنہ ڈاکٹر امیل یعقوب نے صراحت کی ہے کہ فَعْل غیر اجوف کی جمع اَفْعَال کے وزن پر فصحاء عرب سے کثرت سے سنی گئی ہے۔ اور اس کا استعمال کثیر ہے۔ بلکہ انہوں نے اس باب کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ فَعْل کی قیاسی جموع اَفْعُل، فُعُول اور فِعَال کے وزن پر کم آتی ہیں۔ اور جس وزن کی مصنف علام نے نفی کی ہے اس وزن پر زیادہ آتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اَفْعُل کے وزن پر کل ۱۴۲ کلمات اور فِعَال کے وزن پر ۲۱۱ کلمات اور فُعُول کے وزن پر ۴۲ کلمات آتے ہیں جبکہ اَفْعَال کے وزن پر آنے والے کلمات کی تعداد ۳۴۳ ہے۔ جو مذکورہ اوزان میں سے کسی کی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فَعْل کی جمع اَفْعَال کو قیاسی کہنا زیادہ بہتر ہے۔ قاہرہ کی مجمع اللغۃ العربیۃ نے فعل صحیح العین کی جمع اَفْعَال کے وزن پر آنے کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حبر، احبار، حمل، احمال، شکل، اشکال، فرد، افراد، لفظ، الفاظ، سطر، اسطار، جفن، اجفان، لحن، الحان، الف، آلاف، انف، آناف وغیرہ۔

ثم بيّنت انّ فعل الشرط يُشترط فيه ستة امور:

أحَدُهَا: أنْ لا يكون ماضى المعنى فلا يجوز: «ان قام زيد أمسِ أقُمْ معه»

وأمّا قوله تعالىٰ: (إنْ كنتُ قُلْتُهُ فقدْ عَلِمْتَهُ) فالمعنى إنْ يتبيّن انّى كنتُ قلتُهُ، كقوله:

۱۷۲ - • إذا مَا انْتَسَبْنَا لَمْ تَلِدْنِي لَئِيمَةٌ •

فهٰذا فى الجواب نظير الآية الكريمة فى الشرط۔

الثانى: أنْ لا يكون طلبًا، فلا يجوز «إنْ قُمْ» ولا «إنْ لِيَقُمْ» أوْ «إنْ لا يَقُمْ»

الثالث: أنْ لا يكون جامدًا، فلا يجوز «إنْ عسىٰ» ولا «إنْ ليس»۔

الرابع: أنْ لا يكون مقرونًا بتنفيس فلا يجوز أنْ سوف يَقُمْ الخامس ألّا يكون مقرونا بـ«قَدْ» فلا يجوز «إنْ قدْ قامَ زيد» ولا «إنْ قدْ يَقُمْ»۔

السّادس: أنْ لا يكون مقرونًا بحرف نفى، فلا يجوز «إنْ لمّا يَقُمْ» ولا «إنْ لَنْ يَقُمْ» ويُستثنىٰ من ذلك لم ولا فيجوز اقترانه بهما، نحو (وَإنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ) ونحو (إلّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ)

ثم بيّنتُ ان الفعل الثانى يُسمّى جوابًا وجزاءً، تشبيهًا له بجواب السّؤال وبجزاء الأعمال، وذلك لانّه يقع بعد وقوع الاوّل كما يقع الجواب بعد السّؤال، وكما يقع الجزاء بعد الفعل المجازىٰ عليه۔

پھر میں نے بیان کیا کہ فعل شرط میں چھ امور شرط ہیں۔ امرِ اوّل یہ ہے کہ فعل شرط ماضی المعنی[1] نہو۔ چنانچہ

---

[1] شرط وجزاء کی ماضی ومضارع ہونیکے اعتبار سے چار قسمیں نکلتی ہیں۔ (۱) دونوں مضارع ہوں۔ یہ اصل ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإنْ تَعُودُوا نَعُدْ (۲) دونوں ماضی ہوں جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (۳) شرط ماضی اور جزاء مضارع ہو جیسے مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ (۴) شرط مضارع اور جزاء ماضی ہو۔ جمہور اسکو ضرورتًا جائز قرار دیتے ہیں۔ اور فراء، ابن مالک بلاضرورت بھی جائز کہتے ہیں۔ اور مندرجہ ذیل جملے انکے مستدل ہیں۔ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من يقم ليلة القدر ايمانًا واحتسابًا غفر له (۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز میں خلیفہ بنانے کے متعلق کہتی ہیں ان ابابكر رجل أسيف متى يقم مقامك رق (۳) شعر ؎

ان تَصْرِمُونَا وَصَلْنَاكُمْ وَإنْ تَصِلُوا مَلَأْتُمْ أنْفُسَ الأعْدَاءِ إرْهَابَا

صاحب منتہی الارب اس آخری رائے کو راجح قرار دے رہے ہیں۔ (منتہی الارب)

• ان قام زَیدٌ امس اقوم معَہٗ جائز نہیں۔ اور رہا باری تعالیٰ کا ارشاد اِن کنتُ قلتُہٗ تو اسکے معنی ان یتبین انی کنت قلتہٗ کے ہیں جیسے شاعر کے قول اذا انتسبنا[1] الخ میں۔

یہ شعر جوابِ شرط میں آیت کریمہ کی مانند ہے شرط میں۔

امرِ دوم یہ ہے کہ وہ طلب نہ ہو جیسے نہ اِنْ قُمْ جائز ہے اور نہ لِیَقُمْ یا ان لا یقُمْ۔

امرِ سوم: یہ ہے کہ وہ جامد نہ ہو۔ لہٰذا نہ اِنْ عَسٰی جائز ہے اور نہ ہی اِنْ لَیْسَ۔

امرِ چہارم یہ ہے کہ حرفِ تنفیس سے متصل نہ ہو۔ لہٰذا اِنْ سَوْفَ یَقُمْ جائز نہیں۔

امرِ پنجم یہ ہے کہ وہ قد سے متصل نہ ہو۔ لہٰذا نہ اِنْ قَدْ قَامَ زَیدٌ جائز ہے اور نہ اِنْ قَدْ یَقُمْ۔

امرِ ششم یہ ہے کہ وہ حرفِ نفی کے ساتھ متصل نہ ہو۔ لہٰذا نہ اِنْ لَمَّا یَقُمْ جائز ہے اور نہ اِنْ لَنْ یَقُمْ۔

اور اس (قید) سے • لَمْ • اور • لَا • مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے فعل شرط کا اتصال ان دونوں سے جائز ہے۔ جیسے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ[2] الخ اور جیسے اِلَّا تَفْعَلُوْہُ[3] الخ

پھر میں نے بیان کیا کہ فعل ثانی کا نام جواب اور جزاء رکھا جاتا ہے۔ اس کے سوال کے جواب اور اعمال کی جزاء سے مشابہت کی وجہ سے۔ اور یہ اس لئے کہ پہلے کے بعد واقع ہوتا ہے جس طرح جواب سوال کے بعد واقع ہوتا ہے، اور جس طرح جزاء اس فعل (عمل) کے بعد واقع ہوتی ہے جس پر جزاء دی جاتی ہے۔

---

[1] زائد بن صعصعۃ الفقعسی کا شعر ہے۔ دوسرا مصرعہ ہے وَلَم تجدی مِنْ اَنْ تُقِرِّیْ بِھَا بُدًّا۔ جب ہم نسب کو فخریہ انداز میں بیان کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مجھ کو کسی گھٹیا عورت نے نہیں جنا ہے۔ محلِ استشہاد: اذا انتسبنا لم تلدنی ہے۔ بظاہر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ جوابِ شرط لم تلدنی ہے۔ جو لفظاً فعل مضارع ہے مگر معنیً ماضی ہے۔ کیونکہ • لم • فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور تین عمل کرتا ہے (۱) مضارع کو منفی بنا دیتا ہے (۲) مضارع جو حال و استقبال دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے کو ماضی میں تبدیل کر دیتا ہے (۳) مضارع کو جزم دیتا ہے جبکہ متن میں گذرا کہ جواب ماضی المعنی نہیں ہونا چاہئے۔ اور ماضی المعنی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شاعر کو پیدا ہوئے زمانہ گذر چکا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں جو بظاہر جوابِ شرط نظر آ رہا ہے وہ نہیں بلکہ محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ہے اتا اذا تفاخرنا بانسابنا تبین انی لم تلدنی لئیمۃ۔ اس تقدیر سے معلوم ہوا کہ جوابِ شرط تبین ہے۔ اب ترجمہ ہوگا کہ جب ہم اپنے نسبوں پر فخر کریں تو معلوم ہوگا الخ اور ظاہر ہے کہ • معلوم ہوگا • مستقبل ہے۔ ماضی المعنی نہیں ہے۔

نوٹ:۔ جو تاویل شعر کے جوابِ شرط میں کی گئی ہے اس طرح کی تاویل آیت کریمہ • ان کنت قلتہٗ • کے فعل شرط میں کی گئی ہے یعنی آیت میں بظاہر فعل شرط ماضی المعنی معلوم ہو رہا ہے جو غلط ہے۔ اس لئے آیت کی تقدیر ماننا پڑے گی ان تبین انی کنت قلتہٗ، تاکہ اعتراض سے بچا جا سکے۔ (منتہی الارب)

[2] اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام نہیں پہنچایا۔ (پ۶ ع ۱۴)

[3] اور اگر تم یوں نہ کروگے تو ملک میں فتنہ پھیلے گا۔ (پ۱۰ ع ۶)

ثم قلت: وقد يكونُ واحداً من هٰذه، فيقترنُ بالفاء، نحو: (إنْ كانَ قميصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فصدقت) الآية (فَمَنْ يُؤمنْ بربِّه فلا يخافُ بخساً) أو جملة اسمية فيقترن بها أو بإذا الفجائية، نحو (فهو على كلِّ شيءٍ قديرٌ) ونحو (إذا هم يقنطون)۔

واقول: قد يأتي جواب الشرط واحداً من هٰذه الامور الستة التي ذكرت انها لا تكونُ شرطاً، فيجبُ ان يقترن بالفاء۔

مثال ماضي المعنى: (إنْ كانَ قميصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فصدقت وهو من الكاذبين وإنْ كانَ قميصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فكذبت وهو من الصادقين)۔

ومثال الطلب قوله تعالىٰ: (قُلْ إنْ كنتم تُحبُّونَ اللهَ فاتَّبعوني يُحببكم الله) (فَمَنْ يُؤمنْ بربِّه فلا يخفْ بخساً ولا رهقاً) فيمن قرأ (فلا يخفْ بخساً) بالجزم على ان لا ناهية، واما من قرأ (فلا يخافُ) بالرفع فلا نافية، ولا النافية تقترن بفعل الشرط كما بيّنّا، فكان مقتضى الظاهر ان لا تدخل الفاء، ولكن هٰذا الفعل مبنيٌّ على مُبتدأ محذوف، والتقدير: فهو لا يخاف، فالجملة اسمية، وسيأتي ان الجملة الاسمية تحتاج الى الفاء أو إذا، وكذا يجبُ هٰذا التقدير في نحو: (ومَنْ عادَ فينتقمُ اللهُ منه) اى فهو ينتقمُ اللهُ منه، ولولا ذلك التقدير لوجب الجزم وتركُ الفاء۔

م: کبھی جواب شرط مذکورہ امور میں سے کوئی ایک واقع ہوتا ہے تو اس پر فاء داخل ہوگا جیسے إِنْ كَانَ الخ فَمَنْ يُؤمِنْ بِرَبِّهِ الخ یا (جواب شرط) جملہ اسمیہ (ہوتا ہے) تو اس پر فاء یا إذا مفاجاتیہ داخل ہوگا۔ جیسے فهو على كلّ شيءٍ قديرٌ۔ اور جیسے إذا هُم يَقْنَطُونَ۔

ش: کبھی جواب شرط ان چھ امور میں سے کوئی ایک ہوتا ہے جو میں نے ذکر کیے۔ کہ وہ چھ امور شرط نہیں بنتے ہیں۔ تو فاء کا دخول واجب ہے۔ ماضی المعنی کی مثال إِنْ كَانَ[1] قَمِيصُهُ الخ

---

[1] اور اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے، اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔ پ ۱۲ ع ۱۴) آیت میں چونکہ فصدقت جواب شرط ماضی المعنی ہے۔ گویا کہ پہلی شرط مفقود ہوگئی اس لئے اس پر فاء کا دخول واجب ہے۔

اور طلب کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ الخ[1]، فَمَنْ يُؤْمِنْ بِرَبِّهِ الخ[2] ان لوگوں کی قرارت کے مطابق جنہوں نے فلا یخف بخسا (بالجزم) پڑھا ہے۔ اس بنا پر کہ لَا ناہیہ ہے۔ اور جن لوگوں نے فلا یخاف (بالرفع) پڑھا ہے تو (ان کے نزدیک) لَا نافیہ ہے۔ اور لَا نافیہ فعل شرط پر داخل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ لہٰذا ظاہر کا تقاضا یہ تھا کہ فار داخل نہو تا۔ لیکن اس فعل کی بنیاد مبتدا محذوف پر ہے۔ اور اصل عبارت ہے فھو لا یخاف۔ لہٰذا یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اور عنقریب یہ بات آئے گی کہ جملہ اسمیہ کو فار یا اِذَا (مفاجاتیہ) کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اسی طرح یہ تقدیر عبارت وَمَنْ عَادَ الخ جیسے میں واجب ہے۔ اصل ہے فَهُوَ يَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ۔ اور اگر یہ تقدیر عبارت نہو تو جزم اور فار کا ترک واجب ہے۔

وَمِثَالُ الْجَامِدِ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ: (إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا فَعَسَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ) (إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ) (وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا)۔

ومثال المقرون بالتنفيس قوله تعالى: (وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ) (وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا)

ومثال المقرون بقد قوله تعالى: (إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ)

ومثال المقرون بنافٍ غير لا ولم (وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ) (وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ) (وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا)۔

---

[1] آپ کہدیجے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے۔ پ۳ ع ۱۲) اس میں دوسری شرط یعنی طلب کا نہونا مفقود ہے۔ اس لئے اس پر فار کا دخول واجب ہے۔ [2] پھر جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائیگا تو وہ نہ ڈرے نقصان سے اور نہ زبردستی سے۔ پ۲۹ ع ۱۱) یہ مثال اس وقت درست ہوگی جبکہ لا یخف یعنی فعل نہی پڑھا جائے۔ لیکن اگر اسکو فعل مضارع منفی پڑھا جائے جیسا کہ بعض لوگوں کی قرارت ہے تو اس سے استدلال درست نہو گا۔ اور اس وقت فلا یخاف بخسا ولا رھقا جملہ فعلیہ ہو کر مبتدأ محذوف ھو کی خبر ہوگا۔ اور پورا جملہ اسمیہ ہو کر جزار ہوگی۔ اور قاعدہ ہے کہ جب جزار جملہ اسمیہ ہوتی ہے تو اس پر فار یا اِذَا کا دخول واجب ہوتا ہے۔ اس قاعدہ کی رُو سے فار اسپر داخل ہے۔ تقدیر عبارت ہے فھو لا یخاف الخ مگر "ھو" کو حذف کر دیا گیا اور فار کو خبر پر داخل کر دیا گیا ہے۔ یہی وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ میں کیا گیا ہے۔

[3] اور جو کوئی پھرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لیگا۔ (پ۷ ع ۳)۔

وقد يكون الجواب جملة اسمية فيجب اقترانه بأحد امرين، اما بالفاء أو «اذا» الفجائية، فالاول كقوله تعالى: (وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) والثاني كقوله تعالى: (وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ)

اور جامد (غیر متصرف) کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے إِنْ تَرَنِ[1] الخ إِنْ تُبْدُوا[2] الخ وَمَنْ يَكُنِ[3] الخ اور حرفِ تنفیس کے دخول کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِنْ خِفْتُمْ[4] الخ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ[5] الخ اور قَدْ کے دخول کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے إِنْ يَسْرِقْ[6] الخ اور لَا و لَمْ کے علاوہ حرفِ نفی کے دخول کی مثال وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ[7] الخ وَمَا يَفْعَلُوا[8] الخ وَمَنْ يَنْقَلِبْ[9] الخ ہے۔ اور کبھی جواب جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں دو چیزوں میں کسی ایک کا اقتران ضروری ہے۔ یا تو فار یا إِذَا مفاجاتیہ۔ پہلے کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِنْ يَمْسَسْكَ[10] الخ اور دوسرے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِنْ تُصِبْهُمْ[11] الخ

ثم قلت: ويجوز حذف ما عُلِمَ من شرطٍ بعد (وَإِلَّا) نحو افعل هذا وإلّا عاقبتك أو جواب شرطه ماضٍ، نحو (فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ- أو جملة شرط وأداته إن تقدمها طلبٌ ولو باسمية أو باسم فعل أو بما لفظه الخبر نحو (تَعَالَوْا أَتْلُ) ونحو «أين بيتك ازرك»، و «حسبك الحديث ينم الناس»

وقال: مكانَكِ تُحْمَدِي أو تَستريحي

وشرط ذلك بعد النهي كون الجواب محبوبا، نحو «لا تكفر تدخل الجنة» ـ

---

[1] اگر تو دیکھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو تیرے باغ سے بہتر دیوے۔ پ۱۵ ع۱۷)۔

[2] اگر تم خیرات کو ظاہر کرو تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ پ۳ ع۵) [3] اور جس کا ساتھی شیطان ہوا تو وہ بُرا ساتھی ہے۔ پ۵ ع۳)۔ مذکورہ تینوں مثالوں میں جواب شرط یعنی فعسی، فنعما ھی، اور فساء بالترتیب جامد ہے۔

[4] اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو اللہ اپنے فضل سے تم کو آئندہ غنی کر دیگا پ۱۰ ع۱۰ [5] اور جو اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرے اور تکبر کرے تو وہ ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کریگا (پ۶ ع۳)۔ مذکورہ دونوں مثالوں میں سے پہلی حرف تنفیس فسوف اور دوسری فسیحشرھم میں سین داخل ہے۔ [6] اور اگر اس نے چرایا تو اسکے بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔ (پ۱۳ ع۲)

[7] اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالےٰ کا ایک پیغام نہیں پہونچایا (پ۶ ع۱۳)

[8] اور جو کچھ وہ نیک کام کریں گے تو اس کی ہرگز ناقدری نہیں ہوگی۔ (پ۴ ع۲) [9] اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھریگا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا۔ (پ۴ ع۶) [10] اور اگر تجھ کو بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے پ۷ م)

[11] اور اگر ان کے کرتوتوں کی بدولت اُن پر کچھ بُرائی آپڑے تو وہ آس توڑ بیٹھیں۔ (پ۲۱ ع۷)۔

واقول: مسائل الحذفِ الواقع فی باب الشرطِ والجزاء ثلاثة۔

المسئلة الاولیٰ: حذف الجوابِ وشرطه امرانِ، احدهما: ان یکون معلومًا، وَالثانی: ان یکونَ فِعلُ الشرطِ ماضیًا، تقول: انتَ ظالمٌ ان فعلتَ، لوجودِ الامرینِ، ویمتنع «اِن تقم» و «اِن تقعد» ونحوهما حیث لادلیل لانتفاءِ الامرینِ، ونحو «ان قمت» حیث لادلیل لانتفاءِ الامرِ الاوّلِ، ونحو «انت ظالِمٌ ان تفعل» لانتفاء الامرِ الثانی قال الله تعالیٰ: (وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ) تقدیره: فافعل، والحذف فی هٰذه الآیة فی غایةٍ من الحسن، لانه قد انضم لوجودِ الشرطین طول الکلام، وهو ممّا یحسن معه الحذف۔

م: اور «ولا» کے بعد واقع اس شرط کا حذف جائز ہے جو معلوم (ومتعین) ہو جیسے افعل هٰذا والا عاقبتك، یا اس جواب کا (حذف جائز ہے) جس کی شرط ماضی ہو۔ جیسے فَاِنِ اسْتَطَعْتَ الخ یا جملۂ شرطیہ کا مع ادات شرط کے (حذف جائز ہے) بشرطیکہ اس سے پہلے (صیغۂ) طلب ہو۔ اگرچہ وہ طلب بشکل جملہ اسمیہ ہو یا بشکل اسم فعل ہو یا ایسے کلام کی شکل میں ہو جو لفظًا وصورةً خبر ہو جیسے (بشکل اسم فعل کی مثال) تَعَالَوْا اَتْلُ اور جیسے (بشکل جملہ اسمیہ کی مثال) اَیْنَ بیتُك اَزُرك ہے۔ (اس کی اصل ہوگی ان کان بیتُك قریبًا ازرك) اور (بشکل کلام خبری کی مثال) حسبك الحدیث ینم الناس (اس کی اصل ہوگی حسبك الحدیث ان تختم حدیثك ینم الناس) اور شاعر نے کہا ہے مکانك الخ اور نہی کے بعد واقع جواب کے حذف کی شرط، جواب کا محبوب شئ ہونا ہے۔ جیسے لا تکفر تدخل الجنة۔

ش: شرط وجزاء کے باب میں واقع حذف کے مسائل تین ہیں۔ پہلا مسئلہ جواب کا حذف ہے۔ اس کی شرط دو امور ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جواب معلوم (متعین) ہو۔ اور دوسرا یہ ہے کہ فعل شرط ماضی ہو جیسے تم کہو گے انتَ ظالمٌ اِن فعلتَ دونوں امور کے پائے جانے کی وجہ سے۔ اور ان تقم، ان تقعد، اور ان جیسا ناجائز ہے۔ کیونکہ دونوں امور کے نہ پائے جانے کے سبب کوئی دلیل نہیں ہے۔

لہ بات کافی ہوگئی ہے (اگر بات بند کردیں گے تو) لوگ سوئیں گے

اوران قمت جیسا ناجائز ہے امر اول کے منتفی ہونیکی وجہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔
اور انت ظالم ان تفعل جیسا (ناجائز ہے) امر ثانی کے منتفی ہونے کے باعث باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وان کان کبر الخ[1] تقدیر عبارت ہے فافعل اور اس آیت میں حذف انتہائی بہتر ہے۔ کیونکہ دو شرطوں کے پائے جانے کی وجہ سے اس میں طول کلام ہو گیا ہے۔ اور اس صورت میں حذف ہی بہتر ہوتا ہے۔

المسألة الثانية: حذف فعل الشرط وحده، وشرطه ايضا امران: دلالة الدليل عليه وكون الشرطِ واقعًا بعد «والّا» كقولك: «تب وَالّا عَاقبتُك» اى: وَالّا تتبْ عَاقبتُك، وقول الشاعر:

۱۷۳ - فَطَلّقها فَلَستَ لها بِكُفءٍ ... وَالّا يَعلُ مفرِقَكَ الحُسَامُ

اى: وَالّا تطلقها يَعلُ۔

وقد لا يكون بعد «وَالّا» فيكون شاذًا، الّا فى نحو «إنْ خيرًا فخيرٌ» فقياسٌ كما مرّ فى بابِه، على انّ ذلك لم يحذف فيه جُملة الشرط بجُملتها، بل بعضها، وكذلك نحو (وَإنْ اَحَدٌ مِنَ المُشرِكِينَ استَجَارَكَ) فليستا ممّا نحن فيه، واكثر مَا يكونُ ذلك مع اقترانِ الاداة بلا النافية، كما مثّلت۔

دوسرا مسئلہ صرف فعل شرط کا حذف ہے۔ اور اس کی شرط بھی دو امور ہیں۔ اس[2] پر کسی دلیل کا ہونا اور شرط کا والّا کے بعد واقع ہونا جیسے تمہارا قول تُب والّا عاقبتك اصل ہے وَالّا تتب عَاقبتك۔ اور شاعر کا قول ہے فطلّقها[3] الخ اصل عبارت ہے والّا تطلقها يعلُ۔
اور کبھی حذف والّا، کے بعد نہیں ہوتا ہے (بلکہ بغیر والّا کے ہوتا ہے) تو وہ شاذ ہوتا ہے سوائے اِن خیرًا فخیرٌ جیسے کے کہ وہ قیاس (کے مطابق) ہے جیسا کہ اس کے باب میں گذرا، علاوہ ازیں اسمیں پوری شرط اپنے جملہ کے ساتھ نہیں حذف ہوئی۔ بلکہ اس کے جملہ کا بعض حذف ہوا ہے۔ اور اسی طرح وان احد[4] من الخ

---

[1] اگر ان کا اعراض تجھ پر گراں ہے تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ نکالے (تو نکال لے) پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لاوے۔ پ ع ۱۰)۔ [2] کف ومعنی کفو، ہمسر۔ مفرق، سر کی مانگ۔ درمیان سر۔ یہ شعر محمد بن عبد اللہ انصاری الاحوص کا ہے۔ اس کو تو طلاق دیدے کہ تو اس کا کفو نہیں ہے ورنہ تیرے بیچ سر پر تلوار ہوگی۔ اس میں شاہد۔ والا یعل، ہے۔ کلام سابق سے فعل شرط سمجھا جارہا تھا اس لئے اس کو حذف کر دیا گیا۔ اصل عبارت ہے وان لا تطلقها یعل۔ [4] اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے (تو تو اس کو پناہ دیدے) پ ع ۷) آیت میں شرط کا ایک جز یعنی صرف فعل شرط کو حذف کیا گیا ہے۔ جبکہ اس کی شرط یعنی «والّا» کے بعد ہونا مفقود ہے۔

جیسا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں ہماری اس بحث سے متعلق نہیں ہیں۔ اور اکثری استعمال یہی ہے کہ یہ حذف حرف شرط (ان) کے لا نافیہ کے اقتران کے ساتھ یعنی الا کے بعد ہوتا ہے جس طرح کہ میں نے مثال دی۔

المسألة الثالثة حذف أداة الشرطِ وفعل الشرطِ۔

وَشرطهُ انْ يتقدم عليهما طلبٌ بلفظ الشرطِ ومعناه، او بمعناه فقط، فالاوّل نحو، ائتني اكرمك، تقديره: ائتني فان تاتني اكرمك، فاكرمك: مجزوم في جَواب شرط محذوف دلّ عليه فعل الطلب المذكور، هٰذا هو المذهب الصحيح۔

والثاني: نحو قوله تعالىٰ (قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ) اى تعالوا فان تأتوا اَتْلُ، ولا يجوز ان يقدر فان تتعالوا، لانّ تعالَ فعلٌ جامدٌ لا مضارع لهٗ ولا ماضى حتى توهّمَ بعضهم انهٗ اسمُ فعلٍ۔

ولا فرقَ بَيْنَ كون الطّلبِ بالفعلِ كما مثلنا، وكونِهِ باسم الفعلِ كقول عمرو ابن الإطنابةِ، وغلط ابو عُبَيْدَةَ فنسبهٗ الى قَطَرِيّ بن الفجاءة۔

۱۴۷۔
اَبَتْ لِيْ عِفَّتِيْ وَاَبَىٰ بَلَائِيْ وَاَخْذِي الْحَمْدَ بِالثَّمَنِ الرَّبِيْحِ
وَاِمْسَاكِيْ عَلَى الْمَكْرُوهِ نَفْسِيْ وَضَرْبِيْ هَامَةَ الْبَطَلِ الْمُشِيْحِ
وَقَوْلِيْ كُلَّمَا جَشَأَتْ وَجَاشَتْ مَكَانَكِ تُحْمَدِيْ اَوْ تَسْتَرِيْحِيْ
لِاَدْفَعَ عَنْ مَاٰثِرَ صَالِحَاتٍ وَاَحْمِيْ بَعْدُ عَنْ عِرْضٍ صَحِيْحِ

فجزم «تحمدى» بعد قوله «مكانك»، وهو اسم فعلٍ بمعنى اثبتى۔

وَشرط الحذفِ بعد النهى كونُ الجَوابِ امرًا محبوبًا كدخول الجنةِ والسّلامةِ في قولك: «لا تَكْفُرْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ» و «لا تَدْنُ من الاسَدِ تسلمْ»، فلو كان امرًا مَكْرُوهًا كدخول النار واكل السّبع في قولك «لا تكفر تدخل النّار» وَ «لا تَدْنُ مِنَ الاسدِ يَأْكُلُكَ» تعين الرفع، خلافًا للكسائى، ولا دليل لهٗ في قراءة بعضهم (وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ) لجواز ان يكونَ ذلك موصولًا بنية الوقفِ وَسَهّل ذلك انّ فيهِ تحصيلًا لتناسب الافعال المذكورةِ مَعَهٗ، ولا يحسن انْ يقدر بدلًا ممّا قبله، كما زعم بعضهم، لاختلاف معنيهما وعدمِ دَلالةِ الاوّلِ على الثاني۔

تیسرا مسئلہ کلمہ شرط اور فعل شرط کا حذف ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے طلب ہو، شرط کے لفظ اور معنی کے ساتھ یا صرف معنی کے ساتھ۔ پہلے کی مثال جیسے ائتنی اکرمك اس کی اصل ائتنی فان تأتنی اکرمك ہے چنانچہ اکرمك اس شرط محذوف کے جواب میں مجزوم ہے۔ جس پر مذکورہ فعل طلب دال ہے۔ یہی صحیح مذہب ہے۔ اور دوسرے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ الخ اصل تعالوا فَإِنْ تَأْتُوا أَتْلُ ہے اور فَإِنْ تَتَعَالَوْا مقدر ماننا جائز نہیں کیونکہ تعال فعل جامد ہے جس کا نہ مضارع آتا ہے نہ ماضی۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ یہ اسم فعل ہے۔ اور طلب کے بصورت فعل (جس کی مثال ہم نے دی) ہونے اور اس کے بصورت اسم فعل ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسے عمرو بن الاطنابہ کا قول ہے (اور ابو عبیدہ نے غلطی کی کہ اس کلام کو قطری بن الفجاءة کی طرف منسوب کیا۔) ابت لی عفتی الخ کہ شاعر نے تحمدی کو جزم دیا ہے۔ اپنے قول مکانك کے بعد۔ اور مکانك اسم فعل ہے بمعنی اثبتی۔

اور نہی کے بعد حذف کی شرط جواب کا محبوب شئ ہونا ہے جیسے تمہارے قول لا تکفر تدخل الجنة۔ اور لا تدن من الاسد تسلم میں دخول جنت اور سلامتی (محبوب شئ ہیں) لہٰذا اگر جواب ناپسندیدہ امر ہو جیسے تمہارے قول لا تکفر تدخل النار اور لا تدن من الاسد یأکلك میں دخول نار اور درندہ کا پھاڑ کھانا تو (جواب پر) رفع متعین۔ امام کسائی اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں (جیسے حسن اور ابن عبلہ) کی قرأت ولا تمنن تستکثر (بالجزم) میں امام کسائی کی دلیل نہیں (بن سکتی) اس بات کے

لہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو وہ سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا ہے۔ پ ۸ ع ۷)۔

لہ اَبَت (ف) اِبَاءً ناپسند کرنا۔ اَبَی اِبَاءً خوددار بنانا۔ ھَامَة سر، کھوپڑی۔ ج ھَامَات، ھَام۔ بَطَل جو ابطال بہادر۔ المشیح سامنے سے حملہ کرنے والا۔ جَشَأَت جُشُوْءًا (ف) غم یا خوف کے باعث جی متلانا۔ جَاش (ض) جَشًا جی متلانا، جوش میں آنا، بھاگنے کا ارادہ کرنا۔ مآثر مأثرة کی جمع ہے، کارنامہ۔ حمی (ض) حمایة بچانا، روکنا۔ میرے فائدے کے لئے میری عفت نے انکار کیا اور میرے امتحان نے اور میرے نفع بخش ثمن کے بدلہ تعریف کو اختیار کرنے نے اور مصیبت میں اپنے آپ کو جانے رکھنے نے اور حملہ آور بہادر کی کھوپڑی پر میرے مارنے نے، اور جب جب بھی جی متلاتے اور میرا نفس بھاگنے کا ارادہ کرے تو میرے مکانك تحمدی الخ کہنے نے خوددار بنایا تاکہ میں عمدہ کارناموں سے دفاع کروں اور پھر صحیح عزت کی حفاظت کروں۔ مکانك تحمدی الخ کا ترجمہ ہے: اے نفس تو اپنی جگہ جمارہ کہ تیری ستائش کیجائے یا (دشمن اور پریشانی سے) آرام پائے۔

اس میں شاہد مکانك تحمدی ہے کہ تحمدی جواب شرط ہے جو مجزوم ہے۔ شرط محذوف ہے جس پر مکانك اسم فعل دال ہے۔ اور اسم فعل کے بعد مضارع پر بلا اختلاف جزم جائز ہے۔ جبکہ جواب شرط پر فاء داخل نہ ہو۔ تقدیر عبارت ہے مکانك ان تثبتی تحمدی۔ سے اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو۔ (پ ۲۹ ع ۱۵)

ممکن ہونے کی وجہ سے کہ یہ وقف کی نیت سے موصول ہو، اور (اس میں رفع کو سکون سے بدل کر تسہیل یعنی تخفیف کر دی ہو اس کے ساتھ ذکر کردہ افعال میں مناسبت حاصل کرنے کی خاطر، اور اس کو ماقبل سے بَدل بنانا جائز نہیں۔ جیساکہ بعض لوگوں کا خیال ہے (کہ ان دونوں کو بَدل مُبدل منہ بنایا جاتے) ان دونوں کے معانی کے مختلف ہونے اور دوسرے پر پہلے کی دلالت نہ ہونے کے باعث (جبکہ بَدل و مبدل منہ میں معنیٰ کا اتحاد اور ایک کی دُوسرے پر دلالت ضروری ہے)۔

تشریح: قولہٗ بلفظ الشرط و معناہ الخ کلمہ شرط اور فعل شرط کو حذف کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس سے صیغہ طلب ہو، خواہ صیغہ طلب میں فعل شرط کا مادہ اور معنیٰ دونوں پائے جاتے ہوں یا صرف معنیٰ پائے جاتے ہوں جیسے ائتنی اکرمك میں فان تاتینی حذف ہے اور تاتینی کا مادہ اتیان اور اس کا مفہوم آنا دونوں ائتنی میں پائے جاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ الخ میں شرط فان تَأتوا محذوف ہے تاتوا کے الفاظ تو نہیں مگر اس کے معنیٰ بہرحال تَعالوا میں پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ فَاِنْ تَتَعَالَوْا محذوف کیوں نہیں مان سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعَال کا ماضی و مضارع نہیں آتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے تَعالوا کو اَمر نہیں مانا بلکہ اسم فعل بمعنی اَمر مانا ہے۔

قولہٗ تعین الرفع الخ جمہور لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ جیسی مثالوں میں رفع کو واجب کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک نہی کے بعد جزم آنے کے لئے ضروری ہے کہ اِنْ شرطیہ کا دخول "لا" نافیہ پر ممکن ہو اور یہاں یہ ممکن نہیں۔ اسلئے کہ اگر آپ داخل کریں تو تقدیر عبارت ہوگی لاتکفر ان لا تکفر تدخل النّار اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ عدمِ کفر کا دخولِ نار کا سبب ہونا لازم آرہا ہے۔ جبکہ کفر دخولِ نار کا سبب ہے۔ نہ کہ عدمِ کفر۔ امام کسائی کے نزدیک چونکہ یہ شرط نہیں اس لئے ان کے نزدیک جزم جائز ہے۔ ان کے نزدیک تقدیر عبارت ہوگی لَاتَكْفُر ان تكفر تدخل النّار۔ اور یہ صحیح ہے۔ امام کسائی اپنے مسلک پر وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ دیکھئے نہی کے بعد تَسْتَكْثِرْ پر جزم آیا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ (۱) تَسْتَكْثِرُ پر رفع ہے، جزم نہیں۔ (۲) لیکن اگر حسن اور ابن ابی عبلہ کی قرارت کے مطابق سکون مان بھی لیا جائے تو یہ سکون اعرابی نہیں۔ بلکہ وقفی ہے، یعنی اصلاً رفع تھا مگر اگلی آیتوں کے فواصل کی رعایت میں رفع کو سکون سے بدل دیا گیا اور تَسْتَكْثِرْ پر سانس توڑ کر ماقبل سے جوڑ دیا گیا۔

ثم قلت: ويجب الاستغناء عن جواب الشرط بدليله متقدمًا لفظًا نحو هو ظالمٌ ان فعل، او نيّة نحو ان قُمْتَ أقومُ، ومن ثَمَّ امتنع في النثر "اِنْ تَقُمْ أَقُوْمُ" ويجواب ما تقدّم من شرطٍ مُطلقًا، او قسمٍ الّا اِنْ سَبَقَهُ ذو خبرٍ فيجوز ترجيح الشرط المؤخّر۔

واقول: حَذفُ الجواب على ثلاثةِ أَوْجُهٍ:

مُمْتَنِعٌ، وهو ما انتفى منه الشرطانِ المذكوران او احدهما۔

وجَائِزٌ، وهو ما وُجِدا فيه، ولم يكن الدليل الذي دلّ عليه جملة مذكورة في ذلك الكلام متقدّمة الذكر لفظًا او تقديرًا۔

وواجبٌ، وهو ما كانَ دليلهُ الجُملةُ المذكورة۔

م: اور جوابِ شرط سے استغناء (حذف) واجب ہے۔ اس (حذف) پر سابق میں دلیل (کے پائے جانے) کی وجہ سے خواہ (وہ دلیل) لفظًا (سابق) ہو جیسے ھُوَ ظالمٌ اِنْ فعلَ یا تقدیرًا جیسے اِنْ قمتَ اقُوم اور اسی وجہ سے نثر میں اِنْ تَقُمْ اَقُوْم ناجائز ہے۔ اور گذری ہوئی شرط مطلقًا (یعنی خواہ وہ قسم سے مقدم ہو یا مؤخر) کے یا (گذری ہوئی) قسم کے جواب کی وجہ سے حذف واجب ہے۔ مگر یہ کہ خبر (کا تقاضا کرنے) والی اس سے پہلے کوئی چیز ہو تو بعد والی شرط کو (بھی) ترجیح دینا جائز ہے۔

ش: جواب کا حذف تین صورتوں میں ہوتا ہے۔ ناجائز: وہ وہ ہے مذکورہ دونوں شرطیں یا انمیں سے ایک مفقود ہو۔ (جیسے اِنْ تقم اقم) اور جائز وہ وہ ہے جس میں دونوں شرطیں پائی جاتی ہوں۔ اور وہ دلیل جس نے اس حذف پر دلالت کی ہے ایسا جملہ نہ ہو جو اس کلام میں مذکور ہو جس کا ذکر لفظًا یا تقدیرًا پہلے آچکا ہو۔ اور واجب: وہ وہ ہے جس کی دلیل پہلے ذکر کیا ہوا جملہ ہو۔

تشریح: جوابِ شرط کا حذف وجوبًا دو جگہ ہوتا ہے۔ (۱) جبکہ جوابِ شرط کے حذف پر کلامِ سابق میں کوئی دلیل پائی جاتی ہو۔ وہ دلیل خواہ لفظوں میں مقدم ہو جیسے ھو ظالم ان فعل تقدیر عبارت ہے ھو ظالمٌ اِنْ فعل فھو ظالمٌ۔ مگر پہلے ذکر کئے ہوئے ھو ظالمٌ کی بنا پر جزاء کو حذف کر دیا گیا۔ یا تقدیرًا مقدم ہو جیسے ان قمتَ اقوم میں تقدیر عبارت اقوم ان قمت اقم ہے۔ (۲) کلام میں جب شرط اور قسم دونوں جمع ہو جائیں تو جملہ جزائیہ پہلے والے کا جواب ہوگا۔ یعنی اگر شرط پہلے مذکور ہے تو جملہ جزائیہ جوابِ شرط ہوگا۔ اور جوابِ قسم کو حذف کر دیا جائیگا، اور اسکے حذف

پر جوابِ شرط قرینہ بن جائیگا۔ اور اگر قسم پہلے مذکور ہے تو جملہ جزائیہ جوابِ قسم ہوگا، اور جوابِ شرط محذوف ہوگا۔ جیسے ان قام زَیدٌ واللهِ اکرمه میں اکرمه جوابِ شرط ہے۔ وَاللهِ ان قامَ زید اکرمه میں اکرمه جوابِ قسم ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے، اور مصنف علاّم بھی اسی کے ہم نوا ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے مَانقدّم مِنَ الشرط کے بعد مطلقًا کی قید بڑھائی ہے۔ کہ خواہ شرط قسم سے پہلے ہو یا قسم کے بعد، ہر صورت میں پہلے والے کا جواب ہوگا۔ مگر اس میں ایک استثناء ہے کہ اگر شرط و قسم سے پہلے کوئی ایسا اسم آجائے جو خبر کا تقاضا کرنے والا ہو تو شرط کو ترجیح دی جائیگی۔ اور جملہ جزائیہ کو جوابِ شرط کہا جائیگا نہ کہ جوابِ قسم جیسے زیدٌ اِنْ قامَ وَاللهِ اکرمه یا زیدٌ واللہِ ان قَامَ اکرمه میں اکرمه جوابِ شرط ہے۔ (مستفاد شرح ابن عقیل)

سوال :- آپ نے جس طرح ان قمتَ اقومُ میں اقومُ کو تقدیرًا مقدم مانا ہے اور اسکی جزاء محذوف مانی ہے تو اسی طرح ان تقم اقم میں کیوں نہیں مانتے۔؟

جواب :- اِنْ قمتَ اقومُ میں اِنْ شرطیہ نے جزءِ اوّل میں عمل نہیں کیا تو دوسرے کو جزم دینا اور اسپر عمل کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اِنْ شرطیہ اور جزاء کے درمیان شرط یعنی فعل مَاضی حائل ہوگئی۔ اسی وجہ سے ان قمتَ اقومُ میں اقومُ کو تقدیرًا پہلے مَانا گیا، اور جزاء کو محذوف تسلیم کیا گیا۔ بخلاف ان تقم اقم کے پہلا جزء یعنی شرط مضارع ہے جس پر اِنْ عمل کر رہا ہے۔ اور دوسرے والے میں عمل قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے لہٰذا اس میں عمل مَانا جائیگا۔ تاکہ موجود کو چھوڑ کر معدوم میں عمل لازم نہ آئے۔ پھر قاعدہ بھی ہے کہ جب شرط و جزاء دونوں مضارع ہوں تو دوسرے میں عمل واجب ہے۔

قولهٗ حَذف الجوَاب علىٰ ثلاثة اَوْجُهٍ :- مصنفؒ نے جوابِ شرط کے حذف کے اعتبار سے تین قسمیں کی ہیں۔ (۱) اگر جوابِ شرط پر دلالت کرنے والی دلیل پائی جائے اور شرط ماضی ہو تو جوابِ شرط کا حذف ضروری ہے جیسے انت شجاع ان قلتَ الحق فی وجه الظالِم۔

(۲) اگر مذکورہ دونوں شرطیں یا ایک شرط نہ پائی جائے تو حذف ممتنع ہے۔ جیسے ان تقُمْ اقم۔

(۳) اگر دونوں شرطیں پائی جائیں مگر جواب پر دلالت کرنے والی دلیل نہ ہو تو حذف جائز ہے۔ اس کی زیادہ مشہور دو صورتیں ہیں۔ (الف) جملہ شرطیہ کسی سوال کا جواب ہو جیسے کوئی آدمی کہے اَتُرْشِدُ الغَرِیْبَ کیا تم پردیسی کو راستہ بتلاتے ہو۔ اسکے جواب میں آپ کہیں اِنْ رأیتهٗ اس میں

آپ نے جواب شرط کو حذف کر دیا۔ تقدیر عبارت ہے ان رایتہٗ ارشدۃ۔ (ب) جواب محذوف پر جملہ شرطیہ خود دلالت کرے اور حذف پر لفظاً یا تقدیراً مقدم مؤخر کوئی اور دلیل نہو۔ جیسے باری تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر کہا ہے فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ تقدیر عبارت ہے فَإِنِ اسْتَطَعْتَ.... فافعل۔

فالمتقدّمة لفظًا كقولهم «انتَ ظالِمٌ ان فعلتَ» والمتقدمة تقديرًا لها صورتانِ، إحداهما: قولك «انْ قامَ زيدٌ اقومُ» وقول الشاعر:

۱۷۵۔ وَإِنْ أَتَاهُ خَلِيلٌ يَوْمَ مَسْأَلَةٍ　　يَقُولُ: لَا غَائِبٌ مَالِي وَلَا حَرِمُ

فان المضارع المرفوع المؤخّر على نيةِ التقديم على اداةِ الشرطِ في مذهب سيبويه والاصل اقوم ان قام، ويقول إن اتاه خليل، والمبرد يرى انهٗ هو الجواب، وانّ الفاء مُقدّرة۔

والثانية: أنْ يتقدّم على الشرطِ قسم نحو «والله ان جاءني لاكرمنّه» فان قولك «لاكرمنّه» جوابُ القسمِ، فهو في نيةِ التقديمِ الى جانبه، وحذف جوابُ الشرطِ لِدلالته عليهِ، ويدلّك على ان المذكور جواب القسم توكيد الفعل في نحو المثال، ونحو قوله تعالى: (وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ) ورفعه في قوله تعالى: (ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ)۔

ثمّ اشرتُ الى انّهٗ — كما وجبَ الاستغناء بجواب القسمِ المتقدم — يجبُ العكس في نحو «إنْ يَقُمْ وَاللهِ أَقُمْ» وانّهٗ اذا تقدم عليهما شيء يطلب الخبر وجبتْ مراعاة الشرطِ تقدم او تأخر، نحو «زيد واللهِ ان يقم اقم»

چنانچہ لفظاً پہلے ذکر کئے ہوئے کی مثال ہے جیسے لوگوں کا قول انتَ ظالِمٌ إنْ فعلْتَ اور تقدیراً پہلے ذکر کئے ہوئے کی دو صورتیں ہیں، ان میں سے ایک (کی مثال) تمہارا قول إنْ قام زَيدٌ اقوم ہے۔ اور شاعر کا قول وَإِنْ أَتَاهُ[1] الخ ہے اسلئے کہ مضارع مرفوع مؤخر

---

[1] زہیر بن ابی سلمیٰ کے قصیدہ کا شعر ہے جس میں ہرم بن سنان مری کی تعریف کی گئی ہے۔ اور اگر اسکے پاس کوئی دوست (بخشش کی) طلب کے دن میں آئے تو وہ کہتا ہے میرا مال غائب نہیں ہے اور نہ ہی محرومی ہے (یعنی وہ سخی ہے کسی کو محروم نہیں کرتا) اس میں شاہد یقول ہے۔ سیبویہ کا کہنا ہے کہ یہ مضارع مرفوع ان اتاہ خلیل کا جواب

سیبویہ کے مذہب کے مطابق کلمہ شرط کے مقدم ہونے کے درپے میں ہوتا ہے۔ اور اصل ہے اقول ان قام (زید) اور یقول ان اتاہ خلیل اور مبرد کا خیال ہے کہ یہی جواب ہے اور فار مقدر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شرط سے پہلے قسم ہو جیسے واللہِ ان جاءنی لاکرمنّہٗ۔ اسلئے کہ تمہارا قول لاکرمنّہ جوابِ قسم ہے۔ چنانچہ یہ جوابِ شرط، شرط کے برابر میں بتقدیر تقدیم ہے۔ اور جوابِ شرط کو جوابِ قسم کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ اور مذکور کے جوابِ قسم ہونے کو اس مثال جیسی میں فعل کو مؤکد لانا بتلا رہا ہے۔ اور باری تعالیٰ کے ارشاد وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ[1] الخ جیسا اور باری تعالیٰ کے ارشاد ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ جیسے میں جوابِ قسم کا وقوع ہونا بتلا رہا ہے۔ پھر میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جس طرح جوابِ قسم مقدم کی وجہ سے (واللہِ ان یقم لاقومن جیسے میں جوابِ شرط کا) حذف ضروری ہے۔ اسی طرح ان یقم واللہ اقم جیسے میں شرط مقدم کے جواب کی وجہ سے عکس (یعنی جوابِ قسم کا حذف) ضروری ہے۔ اور اس بات کی طرف (اشارہ کیا) کہ جب شرط وقسم دونوں پر کوئی ایسی چیز مقدم ہو جائے جو خبر کا تقاضا کرے تو شرط کی رعایت ضروری ہے۔ خواہ شرط مقدم ہو یا مؤخر جیسے زید واللہ ان یقم اقم (میں شرط وقسم پر زید مقدم ہو گیا جو خبر کا تقاضا کر رہا ہے۔ لہٰذا شرط کی رعایت میں اقم کا جوابِ شرط بنانا ضروری ہے[2]

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) نہیں ہے ورنہ مرفوع نہ ہوتا۔ کیونکہ جوابِ شرط مجزوم ہوتا ہے۔ بلکہ جوابِ شرط محذوف ہے۔ اور یقول جواب کا قرینہ ہے جو لفظاً اگرچہ مؤخر ہے مگر رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے۔ گویا کہ عبارت یہ ہوگی یقول لاغائب مالی ان اتاہ خلیل یقل۔ مبرد، ابوزید اور کوفیوں کا کہنا ہے کہ یقول ہی جوابِ شرط ہے اور جوابِ شرط پر داخل ہونے والی فاء محذوف ہے اور اس فاء کا مدخول جو مبتدا ہے بھی محذوف ہے تقدیر عبارت ہے ان اتاہ خلیل فھو یقول یہ بات بعینہ وہی ہے جو ص۳۶۲ پر آیت کریمہ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا اور آیت کریمہ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ کے ذیل میں گزری۔ نیز یاد رہے کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ فعل شرط ماضی ہو۔ لیکن اگر مضارع ہو تو فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جواب پر جزم آنا ضروری ہے جیسے ان تَذَاکِرْ تنجح۔
(منتہی الارب)

[1] اور اگر انہوں نے ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہوگی (پ۲۸ ع۵)۔

[2] جزاء پر دلالت کرنے والی دلیل کی تقدیم کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) تقدیم لفظی جیسے انت ظالمٌ ان فعلتَ کہ اس مثال میں دلیل اَنْتَ ظَالِمٌ شرط پر مقدم ہے اور جزاء محذوف ہے۔ (۲) تقدیم تقدیری۔ اس کی دو شکلیں ہیں (الف) شرط ماضی ہو، جزاء کی جگہ پر فعل مضارع واقع ہو وہ بظاہر اگرچہ مؤخر ہوگا مگر حقیقۃً وہ مقدم ہوگا جیسے ان قام زید اقوم جس کی توضیح گذر چکی۔ (ب) شرط پر قسم مقدم ہو تب بھی جزاء کی جگہ میں رکھا ہوا جملہ بظاہر مؤخر ہوگا۔ مگر وہ تقدیراً مقدم ہوگا۔ اور قسم کے پڑوس میں ہوگا جیسے واللہ ان جاءنی زید لاکرمنّہٗ میں لاکرمنّہ اگرچہ مؤخر ہے مگر شرط سے تقدیراً مقدم ہے۔ کیونکہ جوابِ قسم ہے۔ جس کو قسم کے پہلو میں ہونا چاہئے۔ اور جوابِ شرط محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ہے واللہ لاکرمنّہٗ ان جاءنی زید۔ مصنف علام نے لاکرمنّہ کے جوابِ قسم ہونے کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں
(بقیہ صفحہ آئندہ)

ثُمَّ قلت: وَجَزْمُ مَا بَعْدَ فَاءٍ أَوْ وَاوٍ مِنْ فِعْلٍ تَالٍ لِلشَّرْطِ أَوِ الْجَوَابِ قَوِيٌّ، وَ نَصْبُهُ ضَعِيفٌ، وَرَفْعُ تَالِي الْجَوَابِ جَائِزٌ۔

وَاقول: ختمتُ باب الجوازم بِمَسْأَلَتَيْنِ: اولاهما يجوز فيها ثلاثة أوجهٍ، وَالثانية يجوز فيها وجهان، وكلتاهما يكون الفعل فيها واقعا بعد الفاء أو الواو۔ فامّا مسألة الثلاثة الاوجه فضابطها: ان يقع الفعل بَعْدَ الشرط وَالجزاء كقوله تعالىٰ (وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ) الآيَة، قرئ (فيغفر) بالجزم على العطف، و(فيغفر) بالرفع على الاستئناف، و(فيغفر) بالنصب باضمار أن، وهو ضعيف، وهي عن ابن عبّاس رضى الله عنهما۔

وَامّا مسألة الوجهين فضابطها: ان يقع الفعل بَيْنَ الشرط والجزاء كقولك «إِنْ تأتني وتمشيَ اليّ اكرمك» فالوجه الجزم، ويجوز النصب كقوله:

۱۷۶۔ وَمَنْ يَقْتَرِبْ مِنَّا وَيَخْضَعَ نُؤْوِهِ
(وَلَا يَخْشَ ظُلْمًا مَا اقام وَلَا هَضْمًا)

م: اور فا یا واؤ کے مابعد واقع اس فعل کو جو شرط یا جواب سے مؤخر ہو جزم دینا قوی ہے۔ اور نصب دینا ضعیف ہے۔ اور جواب سے مؤخر (فعل) پر رفع جائز ہے۔

ش: میں نے باب الجوازم کو دو مسئلوں پر ختم کیا۔ پہلے مسئلہ میں تین شکلیں جائز ہیں اور دوسرے میں دو۔ اور دونوں صورتوں میں فعل فا یا واؤ کے بعد واقع ہوتا ہے۔ بہرحال سہ شکلی مسئلہ کا ضابط (اور اس کی علامت) یہ ہے کہ اس میں فعل شرط اور جزا کے بعد واقع ہو جیسے باری تعالیٰ

(حاشیہ بقیہ سابقہ) (۱) لاکرمنّہ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ ہے جو جواب قسم ہونیکی علامت ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب جواب قسم جملہ فعلیہ مثبتہ مضارعیہ ہو تو اس پر لام تاکید با نون تاکید کا دخول ضروری ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ میں لام تمہید قسم کا ہے۔ اس سے پہلے واللہ قسم محذوف ہے۔ نصروہم شرط ہے۔ اور لیولنّ الادبار جواب قسم ہے، جواب شرط نہیں۔ کیونکہ اگر جواب شرط ہوتا تو لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ حالت جزمی میں ہوتا جبکہ یہ حالت رفعی میں ہے۔ اس لئے کہ اس کا معطوف لا ينصرون حالت رفعی میں ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کا ایک ہی حکم ہوتا ہے۔

کا ارشاد ہے وَاِنْ تُبْدُوْا الخ (یُحَاسِبْکُمْ پر) عطف کی بنا پر فَیَغْفِرْ کو جزم کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور مستانفہ ہونے کی بنا پر فَیَغْفِرُ کو رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور اُن کی تقدیر کی وجہ سے فَیَغْفِرَ نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور آخری صورت ضعیف ہے۔ اور یہی ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور دوشکلی مسئلہ کا ضابطہ (اور پہچان) یہ ہے کہ فعل کا وقوع شرط و جزاء کے درمیان ہو۔ جیسے تمہارا قول اِنْ تَاْتِنِیْ وَتَمْشِیْ اِلَیَّ اُکْرِمْكَ۔ تو راجح جزم ہے اور نصب (مرجوح مگر) جائز ہے جیسے شاعر کا قول ہے ومن یقترب[2] الخ۔

ثمّ قلت: بَابٌ فی عَمَلِ الفِعْلِ — کُلُّ الافعَالِ تَرْفَعُ اِمَّا الفَاعِلَ اَوْ نَائِبَهٗ اَو المشبَّهَ بِهٖ، وَتنصبُ الاَسماءَ الّا المشبَّهَ بالمفعُوْلِ بِهٖ مطلقًا، وَاِلّا الخبَرَ والتمییزَ والمفعُوْلَ المطلقَ فنَاصبُهَا الوصفُ والنَاقِصُ والمبهَمُ المعنیٰ اَو النسبَةِ فَالمتصرّفُ التَّامُ ومَصْدَرُهٗ وَوَصْفُهٗ، والّا المفعُوْلَ بِهٖ فَاِنّهَا بالنسبَةِ الیهِ سَبْعَةُ اَقْسَامٍ۔ مَا لَا یَتَعَدّٰی الیهِ اَصْلًا: کالدّالِّ علیٰ حُدُوْثِ ذاتٍ کحدثَ ونبتَ، اَوْ صِفَةٍ حِسیّةٍ کطَالَ وخلُقَ، اَوْ عَرَضٍ کمَرِضَ وفَرِحَ، وکالموازنِ لِانفعَلَ کانکسَرَ، اَوْ فَعُلَ کظَرُفَ، اَوْ فَعَلَ اَوْ فَعِلَ اللّذَیْنِ وصفُهمَا علیٰ فَعِیْلٍ فی نحوِ ذَلَّ وسَمِنَ، وَمَا یَتَعَدّٰی الیٰ وَاحِدٍ دَائِمًا بالجارّ کغَضِبَ ومَرَّ، اَوْ دائمًا بنفسهٖ کافعَالِ الحوَاسِّ، اَوْ تَارَةً وتَارَةً کشَکَرَ ونَصَحَ وقصَدَ ومَا یَتَعَدّٰی لهٗ بنفسهٖ تارَةً ولَا یَتعَدّٰی الیهِ اُخْرٰی کفغَرَ وشَحَا، وَمَا یَتَعَدّٰی الیٰ اثنین، فامّا اَنْ یتعدّٰی اِلیهمَا تَارَةً ولا یتعدّٰی اُخرٰی کنقَصَ وزَادَ، اَوْ یتعدّٰی الیهمَا دائمًا، فامّا ثانیهمَا کمفعُوْلِ شَکَرَ کاَمَرَ واستَغْفَرَ واختَارَ وصَدَّقَ وزَوَّجَ وکَنّٰی وسَمّٰی ودَعَا بمعناه، و

---

[1] اور اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو تم سے اللہ اس کا حساب لیگا پھر بخشے گا جسے چاہے۔ (پ۳ ع ۸)

[2] نُؤْوِہٖ اِیْوَاء ٹھکانا دینا۔ جو ہمارے قریب اور (ہمارے حکموں کا) تابع ہوگا ہم اس کو ٹھکانا دیں گے (یا اسکی حفاظت کریں گے) اور وہ جب تک قیام کرے گا اس کو نہ ظلم کا اندیشہ ہوگا نہ نقصان کا۔

محلِ استشہاد: "ویخضع" ہے۔ جو شرط (یعنی یقترب) اور جواب (یعنی نؤوہ) کے درمیان واقع ہے۔ اسی وجہ سے اس پر نصب آیا ہے۔ اور نصب یہاں جائز ہے راجح نہیں ہے۔

وكالَ ووزنَ أوْ أوّلهُمَا فاعِل فى المعنى كاعطىٰ وكَسَا، اَوْ اَوّلهُمَا وثانيهمَا مُبتدأ وخبرٌ فى الاصْلِ، وهو افعَالُ القلوبِ ظَنَّ لا بمعنى اتّهَمَ، وعَلِمَ لا بمعنى عَرَفَ، ورَاٰى لامنَ الرأيِ، ووَجَدَ لابمعنى حَزِنَ اَوْحَقَدَ، وحَجَا لابمعنى قَصَدَ، وحَسِبَ وزَعَمَ، وخالَ وجَعَلَ ودَرَى فى لُغيَّةٍ[1]، وهبْ، وتَعَلَّمَ بمعنى اَعْلَمَ، ويلْزَمُ الأمْرَ۔ وأفعَالُ التصْييرِ كجعَلَ، وتَخِذَ، واتَّخذَ وردَّ، وتَرَكَ، ويجوز الغاء القلبيَّةِ المتَصرِّفة مُتَوَسِّطَةً اَوْمتأخرة ويجبُ تعليقهَا قبلَ لام الابتِداءِ اَو القَسَمِ، اَوْ استِفهامٍ، اَوْ نفيٍ بـ "ما" مطلقًا اَوْ بِـ "لا" اَوْ "اِنْ" فِي جوابِ القَسَمِ، اَوْ لَعَلَّ اَوْ لَوْ اَوْ اِنَّ اَوْ كَمِ الخبرِيّةِ، و مَايتعَدّى اِلىٰ ثَلاثَةٍ، وهو اَعْلَمَ، واَرٰى ومَا ضُمِّنَ معناهُمَا من اَنبَأَ ونَبَّأَ واَخْبَرَ وخَبَّرَ وحَدَّثَ۔

بَابُ عَمَلِ الفِعْلِ۔ تمام افعال رفع دیتے ہیں یا تو فاعِل کو یا نائب فاعل کو یا مشابہ فاعِل (جیسے کَانَ ناقصہ کا اسم وغیرہ) کو اور اسمار کو نصب دیتے ہیں سوائے مشابہ مفعول بہ کے علی الاطلاق (یعنی ہر حال میں) اور سوائے (کَانَ کی) خبر، تمیز اور مفعول مطلق کہ ان کے نواصب (بالترتیب) صیغہ صفت، فعل، ناقص، (اسم) مبہم المعنی یا (فعل مجہول) النسبۃ اور فعل متصرف تام اور اسکا مصدر، اور اسکا صیغہ صفت ہوتا ہے۔ اور سوائے مفعول بہ کے کہ اس کے اعتبار سے افعال کی سات قسمیں ہیں۔ وہ (فعل[1]) جو قطعاً متعدی نہیں ہوتا۔ جیسے ذات کے ہونے پر دلالت کرنیوالا جیسے حدث، نبت یا صفت حسیہ پر دلالت کرنے والا جیسے طَالَ، خَلُقَ یا عرض پر دلالت کرنے والا جیسے مَرِضَ، فَرِحَ اور جو انفعل کے وزن پر ہو جیسے انکسَرَ یا فَعُلَ کے (وزن پر ہو) جیسے ظَرُفَ یا اس فعَل اور فعِلَ کے وزن پر ہو جن کا صیغہ صفت فعیل کے وزن پر آتا ہے جیسے ذَلَّ، سَمِنَ۔

وہ[2] فعل جو ایک مفعول کی طرف ہمیشہ حرفِ جار کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے جیسے غَضِبَ، مَرَّ۔ یا ہمیشہ[3] بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے جیسے افعَالِ حواس یا کبھی[4] (بلا واسطہ) اور کبھی (بواسطہ جار) جیسے شکَرَ، نَصَحَ، قَصَدَ۔ اور وہ (فعل[5]) جو کبھی بلا واسطہ متعدی ہوتے ہیں، اور کبھی متعدی

---

[1] لُغَيَّة لُغَة کی تصغیر ہے بمعنی نادر و غیر استعمالی لغت۔

(ہی) نہیں ہوتے۔ جیسے نقص، نَادَ یا ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ پھر یا تو ان دونوں مفعولوں سے دوسرا شکر کے مفعول کی مانند ہوگا جیسے اَمَرَ، استغفر، اختار، صَدَّق زَوَّج، کَنَی، سَمَّی، دَعَا اور سَمَّی کے ہم معنی ہے۔ کَالَ اور وَزَنَ۔ اور یا تو ان میں کا پہلا معنیً فاعل ہوگا۔ جیسے اَعطٰی، کَسَا۔ اور یا ان میں کا پہلا دوسرا دراصل مبتدا، خبر ہوگا۔ اور وہ افعالِ قلوب میں (جیسے) ظَنَّ (بمعنی گمان کرنا) نہ کہ وہ جو بمعنی اتّھَمَ ہو، عَلِمَ (بمعنی جاننا) نہ کہ وہ جو بمعنی عَرَفَ ہو، رَاٰی (بمعنی سمجھنا) نہ کہ وہ جو رَاٰی (اعتقاد رکھنے) سے مشتق ہو۔ وَجَدَ (بمعنی پانا) وہ نہیں وہ بمعنی حزن یا حقد ہو، حَجَا (بمعنی خیال کرنا) وہ نہیں جو بمعنی قصد ہو۔ حَسِبَ، زَعَمَ، خَالَ، جَعَلَ اور ایک نادر لغت کے مطابق دَرٰی بھی اور ھَبْ، تَعَلَّم بمعنی اَعْلَمْ۔ اور یہ امر (کے معنی) کیلئے لازم ہے۔ اور افعالِ تعییر جیسے جعل، تخذ، اتخذ، رد، ترك اور درمیان یا آخر میں واقع ہونے والے افعال قلوب متصرفہ کا الغاء جائز ہے۔ اور ان کی تعلیق واجب ہے۔ لام ابتداء یا استفہام سے پہلے یا علی الاطلاق "ما" کے ذریعہ نفی سے پہلے یا جوابِ قسم میں واقع لَا یا اِنْ سے پہلے یا لَعَلَّ یا لَوْ یا اِنَّ یا کَمْ خبریہ سے پہلے۔ اور وہ افعال جو متعدی بسہ مفعول ہوتے ہیں وہ اَعْلَمَ، اَرٰی ہیں۔ اور وہ افعال ہیں جو ان دونوں کے معنی کو متضمن ہوں جیسے اَنبأ، نبّأ، اَخبرَ، خَبّرَ اور حَدَّثَ۔

واقول: عقدتُ هٰذا البابَ لبيانِ عَمَلِ الافعالِ، فذكرتُ انّ الأفعالَ كلّها قاصِرها ومُتعدّيها، تامّها وناقِصها — مشتركةٌ في امرين:

اَحدُهُما: انّها تعمَلُ الرفع، وبيان ذلك انّ الفعل امّا ناقِص فيرفع الاسم نحو: "كانَ زيدٌ فاضلًا"، وامّا تامٌّ اتٍ على صيغته الاصلية فيرفع الفاعِلَ نحو قامَ زيدٌ وامّا تامٌّ اتٍ على غير صيغته الاصلية فيرفع النائبَ عن الفاعل نحو (وقُضِيَ الأمرُ) وقد تقدّم شرح ذٰلك كلّه۔

الثاني: انها تنصبُ الاسماءَ غيرَ خمسةِ انواعٍ، اَحدُها: المشبّهُ بالمفعول به، فانّما تنصبهُ عند الجمهور الصّفاتُ نحو: "حَسَنٌ وجهَهُ"، والثاني: الخبر، فانما تنصبهُ الفعلُ الناقِص وتصاريفه نحو: "كانَ زيدٌ قائمًا"، و"يعجبني كونُهُ قائمًا"، ولَمْ اذكرْ تصاريفهُ في المقدّمة لوضوح ذٰلك، والثالث التمييز فانّما ينصبهُ الاسمُ المبهم المعنى كـ "رطل زيتًا" اَوِ الفعلُ المجهولُ النسبةِ

كـ «طَابَ زيدٌ نفسًا»، وكذلك تصاريفه، نحو: «هو طيّبٌ نفسًا»، وَ الرَّابِعُ: المفعول المطلق، وانما ينصبه الفِعلُ المتصرفُ التامُّ وتصاريفه، نحو: «قُمْ قيامًا» و «هو قائمٌ قيامًا»، ويمتنع «مَا أَحْسَنَهُ إِحْسَانًا» و «كنتُ قائمًا كونًا»، والخامِسُ: المفعول به، وانّما ينصبهُ الفعل المتعدِّي بنفسِهِ، كـ «ضربتُ زيدًا».

ش: میں نے یہ باب افعال کے عمل کو بیان کرنے کے لئے باندھا ہے۔ پھر ذکر کیا کہ تمام افعال یعنی لازم ومتعدی، تام وناقص دُو امور میں مشترک ہیں۔

ایک امر یہ ہے کہ افعال رفع کا عمل کرتے ہیں، اور اس کی توضیح یہ ہے کہ فعل یا تو ناقص ہوگا تو وہ اسم کو رفع دیگا جیسے کَانَ زیدٌ فاضِلاً۔ اور یا تام ہوگا اپنے اصلی صیغہ کے مطابق آیا ہوگا۔ تو وہ فاعل کو رفع دیگا جیسے قامَ زیدٌ۔ اور یا تام ہوگا اپنے غیر اصلی صیغہ کے مطابق آیا ہوگا۔ تو وہ نائب فاعل کو رفع دیگا جیسے وقُضِیَ الامر اور ان تمام کی وضاحت گذر چکی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ افعال پانچ قسم کے علاوہ اَسماء کو نصب دیں گے۔ ان میں سے پہلا مشابہ مفعول بہ ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کو صفات نصب دیتی ہیں جیسے حَسَنٌ وَجْهَهُ دُوسرا اسم خبر ہے اس کو فعل ناقص اور اس کی تمام تصریفات[1] نصب دیتے ہیں جیسے کَانَ زیدٌ قائمًا اور یُعْجِبُنِی کَوْنُہٗ قائمًا۔ اور میں نے متن میں اسکی تصاریف کا تذکرہ اس کے واضح ہونے کی وجہ سے نہیں کیا۔ اور تیسرا اسم تمیز ہے۔ اس کو اسم مبہم المعنی نصب دیتا ہے۔ جیسے رطلٌ زیتًا۔ یا وہ فعل جو مجہول النسبۃ ہو جیسے طَابَ زیدٌ نفسًا اور اس کی تمام تصریفات۔ جیسے ہو طیّبٌ نفسًا۔ اور چوتھا اسم مفعول مطلق ہے اس کو فعل متصرف تام نصب دیتا ہے۔ اور اسکی تمام تصریفات جیسے قُمْ قِیَامًا، ھُوَ قَائِمٌ قِیَامًا۔ اور مَا أَحْسَنَهُ إِحْسَانًا (میں مَا أَحْسَنَهُ کے متصرف نہونے کی وجہ سے) اور کُنتُ قائمًا کونًا (میں کُنتُ کے تام نہونے کی وجہ سے) ناجائز ہیں۔

---

[1] تصاریف تصریف کی جمع ہے۔ تصریف کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ (۱) مختلف معانی کے لئے کلمہ کو مختلف شکلوں میں تبدیل کرنا جیسے مصدر کو ماضی مضارع، اسم فاعل، نسبت، تصغیر وغیرہ بنانا۔ (۲) طاری ہونے والے معنی کے علاوہ کسی دوسری غرض کی خاطر کلمہ میں تبدیل کرنا۔ یہ قسم صرف زیادۃ، حذف، ابدال، قلب اور ادغام میں منحصر ہے۔ (جامع الدروس العربیۃ ج ۱) تصاریف سے افعال کے تمام صیغے اور مشتقات اور انکے مصادر مراد ہیں۔

اور پانچواں اسم مفعول بہ اس کو فعل متعدی بلا واسطہ (حرف جر) نصب دیتا ہے جیسے ضربتُ زیدًا۔

وَقد قسّمتُ الفعل بحسب المفعول بہٖ تقسیمًا بدیعًا، فذکرتُ انّہٗ سبعۃ انواع،

احدُھا: مَالایطلب مفعولًا بہ البتّۃ، وذکرتُ لہٗ علاماتٍ۔

اِحدَاھَا: اَنْ یدلّ علیٰ حُدوثِ ذاتٍ کقولِك «حَدَثَ امرٌ» و «عَرَضَ سَفرٌ»

و «نبتَ الزّرعُ» و «حَصَل الخِصبُ» وقولہٗ:

۱۷۷۔ اِذَا کانَ الشِّتاء فادفِئُونِي　　فاِنَّ الشیخَ یُھرِمُه الشِّتَاءُ

فان قلتَ: فانّك تقول: حَدَثَ لِی امرٌ، وعَرَضَ لِی سَفرٌ،

فعندِی انّ ھٰذا الظرف صفۃ المرفوع المتأخّر، تقدّم علیہ فصارحالًا،

فتعلّقہٗ اولًا وآخرًا بالمحذوفِ وھوالکون (المطلق) اومتعلق بالفعلِ المذکورِ

علیٰ انّہٗ مفعولٌ لاجلہ، والکلام فی المفعول بہ۔

میں نے مفعول بہ کے اعتبار سے فعل کی ایک نرالی تقسیم کی ہے۔ چنانچہ میں نے ذکر کیا کہ اسکی سات قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو بالکل مفعول کا تقاضا نہیں کرتی۔ اور اس کی چند علامات ذکر کی ہیں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ کسی ذات کے موجود ہونے کو بتلائے جیسے تمہارا قول حَدَثَ[1] امرٌ، عرضَ سفرٌ، نبتَ الزّرعُ اور حصَل الخصبُ اور شاعر کا قول ہے اذا[2] کانَ الشتاء۔

اعتراض: آپ تو کہتے ہیں حَدَثَ لِی امرٌ اور عَرَضَ لِی سَفرٌ۔ تو (جواب) میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ ظرف (جار مجرور) مرفوع مؤخر کی صفت ہے (مگر) مرفوع پر مقدم ہوگیا جس کی وجہ سے یہ حال ہوگیا لہٰذا مکمل طور پر اس کا تعلق محذوف سے ہے، اور وہ مطلقًا کون ہے۔ یا فعل مذکور سے متعلق ہے۔ اس بنیاد پر کہ یہ مفعول لہٗ ہے جبکہ ہماری گفتگو مفعول بہ میں (چل رہی) ہے۔

---

[1] حَدَثَ امرٌ شئی موجود ہوئی۔ عرض سفر سفر پیش آیا۔ نبتَ الزّرعُ کھیتی اُگی۔ اور حصَل الخصبُ شادابی حاصل ہوئی ان مثالوں میں امر، سفر، زرع اور خصب ذات ہیں یعنی یہ الفاظ ایسے معنیٰ پر دلالت کررہے ہیں جو قائم بالذات ہیں۔ اور حدث، عرض، نبت اور حصل، حدوث پر دلالت کررہے ہیں یعنی ایسے معنیٰ کو ظاہر کررہے ہیں جو پہلے معدوم تھے۔ بعد میں موجود ہوتے ہیں۔

[2] شعر: ربیع بن ضبع فزاری کا ہے۔ جب سردی کا موسم ہوجائے تو (آگ جلاؤ اور) مجھے گرمی پہنچاؤ کیونکہ زیادہ عمر والے کو سردی بوڑھا کرتی ہے (اور تکلیف دیتی ہے) محلِ استشہاد: اِذا کانَ الشتاء ہے کہ کانَ تامہ ہے جو حدوثِ ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا ہے۔

تشریح: آپ نے ضابطہ بیان کیا کہ حدوث پر دلالت کرنے والے افعال مفعول کا تقاضا نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حَدَثَ لِی اَمرٌ اور عَرَضَ لِی سَفَرٌ بولا جاتا ہے کہ ان افعال کے ساتھ جار مجرور متعلق ہے۔ اور جار مجرور جو کسی فعل سے متعلق ہوں معنیً مفعول بہ ہوتے ہیں۔
جواب دو طریقہ پر دیا گیا ہے۔ (۱) ہمیں تسلیم نہیں کہ اس کا متعلق فعل مذکور یعنی حَدَثَ یا عَرَضَ ہے۔ بلکہ اس کا متعلق محذوف جو فاعل کی صفت بن رہا ہے۔ تقدیر عبارت ہے حَدَثَ اَمرٌ کَائِنٌ لِی۔ عَرَضَ سَفَرٌ کَائِنٌ لِی۔ (۲) چلئے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ فعل مذکور سے متعلق ہے لیکن مفعول بہ ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ مفعول لہٗ ہونے کے اعتبار سے۔ اور یہ ہمارے دعوی کے خلاف نہیں کیونکہ ہمارا دعوی مفعول بہ کے تقاضا نہ کرنے کا ہے نہ کہ مفعول لہٗ۔

الثانية: ان يدل على حدوثِ صفةٍ حِسّيّةٍ[1]، نحو طالَ اللّيلُ، وقصُرَ النّهارُ، وخَلُقَ الثّوبُ، ونَظُفَ، وطَهُرَ، ونَجُسَ، واحترزت بالحِسّيّةِ من نحو علم وفهم وفرِحَ، الاترى ان الاوّل منها متعدّ لاثنين، والثاني لواحد بنفسه، والثالث لواحد بالحرف، تقول: علمتُ زيدًا فاضِلًا، وفهمتُ المسألةَ، وفرِحتُ بزيد۔ الثالثة: ان يكون على وزنِ فَعُلَ۔ بالضمّ۔ كظَرُفَ وشَرُفَ وكَرُمَ ولَؤُمَ۔ وامّا قولهم: «رَحُبَتْكُمُ الطّاعةُ» و«طَلُعَ اليَمَنَ» فضمّنا معنى وَسِعَ وبَلَغَ۔
الرابعة: اَنْ يكون على وزنِ انفعَلَ، نحو: اِنكَسَرَ، وانصَرَفَ۔
الخامسة: اَنْ يدلّ على عَرَضٍ، كَمَرِضَ زيدٌ، وفرِحَ، وأشِرَ، وبَطِرَ۔
السّادسة والسّابعة: اَنْ يكونَ على وزنِ فَعَلَ اَوْ فَعِلَ اللّذَيْنِ وصفُهما على فَعِيلٍ، كَذَلَّ فهو ذَلِيلٌ، وسَمِنَ فهو سَمِينٌ، ويدلّ على ان ذَلَّ فَعَلَ بالفتح قولُهم يَذِلُّ بالكسر، وقلتُ «في نحو ذلّ» احترازًا من نحو بَخِلَ فانّهُ يتعدّى بالجارِ، تقول: بَخِلَ بكذا۔

دوسری علامت یہ ہے کہ وہ فعل صفت حِسّیہ کے حدوث کو بتلائے جیسے طَالَ اللّیلُ، قصر النھار۔

---

[1] صفت حِسیہ وہ فعل کہلاتا ہے جس کا تعلق حواسِ خمسہ ظاہرہ سے ہو جیسے طَالَ لمبا ہونا، قصر چھوٹا ہونا، خلق پرانا ہونا وغیرہ۔ کا ادراک انسان حواسِ ظاہرہ سے کرتا ہے۔ بخلاف علم اور فہم کے کہ ان کا ادراک حواسِ باطنہ کے ذریعہ کرتا ہے۔

خلق الثوب، ونظف، وطهر، نجس۔ اور میں نے حِسّیہ (کی قید) کے ذریعہ علم، فہم اور فرح جیسے سے احتراز کیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ان میں سے پہلا (علم) متعدی بدو مفعول ہے۔ اور دوسرا (فہم) بلاواسطہ متعدی ہے۔ اور تیسرا متعدی بالحرف ہے جیسے علمت زید فاضلاً، فهمتُ المسألة اور فرحت بزید۔ تیسری علامت یہ ہے کہ وہ فَعُلَ یعنی بضم العین کے وزن پر ہو۔ جیسے ظَرُفَ، شَرُفَ، کَرُمَ اور لَؤُمَ۔ اور رہا عربوں کا قول رَحُبتكم الطاعة، طَلُعَ اليمن تو وہ وَسِعَ اور بَلَغَ کے معنیٰ کو متضمن ہیں۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ اِنْفَعَلَ کے وزن پر ہو جیسے اِنْكَسَرَ، اِنْصَرَفَ۔ پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ عرض (کے معنیٰ) کو بتلائے جیسے مَرِضَ زَيْدٌ، فَرِحَ، أَشِرَ (مغرور ہونا) اور بَطِرَ (اترانا)۔ چھٹی اور ساتویں علامت یہ ہے کہ وہ فَعَلَ یا فَعِلَ کے وزن پر ہو جن کا صیغہ صفت فَعِيْل کے وزن پر ہو جیسے ذَلَّ اس کا صیغہ صفت ذَلِيْلٌ ہے۔ سَمِنَ اس کا صیغہ صفت سَمِيْنٌ ہے۔ اور ذَلَّ کے (بروزن) فعل بفتح العین ہونے پر انکا قول يذِلّ بکسر الذّال دلالت کرتا ہے[۲]۔ اور میں نے (ما قبل میں) فِي نَحْوِ ذَلَّ، کہا بَخِلَ جیسے سے احتراز کرتے ہوئے۔ کیونکہ یہ حرفِ جار کے واسطہ سے متعدی ہوتا ہے۔ تم کہتے ہو بَخِلَ بِكَذَا۔

النوع الثاني: مَا يتعدّى الى واحدٍ دائمًا بالجار، كـ «غَضِبتُ مِنْ زَيْدٍ» و «مَرَرْتُ بِهِ» أَوْ «عَلَيْهِ»

فان قلتَ: وكذلك تقول فيما تقدّم: ذلّ بالضربِ، وسَمِنَ بكذا۔

قلتُ: المجروران مفعول لاجله لا مفعول بـه۔

الثالث: مَا يتعدّى لواحدٍ بنفسه دائمًا، كافعَالِ الحواسِ، نحو «رأيتُ الهلالَ» و «شَمِمت الطيبَ» و «ذُقْتُ الطعَامَ» و «سمعتُ الاذانَ» و «لمستُ المرأةَ» وفي التنزيل (يومَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ) (يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ)، (لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ) (أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ)۔

---

[۱] رَحُبَ اور طَلُعَ اگرچہ کَرُمَ کے باب سے آتے ہیں۔ مگر رَحُبَ، وَسِعَ کے معنیٰ کو اور طَلُعَ بَلَغَ کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ اس لئے متعدی ہے۔ ترجمہ ہے تمہارے لئے اطاعت کی وسعت (گنجائش) ہوگئی اور یمن پر چڑھ گیا یعنی یمن پہونچ گیا۔

[۲] مضاعف صرف باب نَصَرَ، ضَرَبَ اور سَمِعَ سے آتا ہے۔ اور جب يذِلّ بکسر الذال ہونا ثابت ہوگیا تو باب ضرب سے ہونا یعنی اس کی ماضی کا فَعَلَ کے وزن پر ہونا متعین ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو ہمیشہ بواسطہ حرف جر متعدی بیک مفعول ہوتی ہے۔ جیسے غضبتُ من زیدٍ، اور مررتُ بہ یا علیہ۔

اعتراض: اور پہلے والے میں بھی تو اسی طرح کہتے ہو (جیسے) ذقّ بالضّربِ، سمِنَ بکذا،

جواب: یہ دونوں مجرور (معنیً) مفعول لہٗ ہیں نہ کہ مفعول بہٖ۔

اور تیسری قسم وہ ہے جو ہمیشہ متعدی بیک مفعول بلاواسطہ ہوتی ہے۔ جیسے افعالِ حسّیہ مثلاً رأیتُ الھلالَ، شممتُ الطیبَ، ذقتُ الطّعامَ، سمعتُ الاذانَ، لمستُ المرأۃ، اور قرآن میں ہے یومَ یرونَ[1] الملائکۃَ، یومَ یسمعونَ[2] الصّیحۃَ، لایذوقونَ[3] فیھما الموتَ، اَوْ لٰمستُمُ[4] النّساءَ۔

الرابع: مَایتعدّی الی واحدٍ تارۃً بنفسہٖ وَ تارۃً بالجارِ، کَشکرَ ونَصَحَ و قَصَدَ، تقول: شکرتُہٗ، وَ "شکرتُ لہٗ" و "نصحتہٗ" و "نصحتُ لہٗ" و "قصدتُہٗ" و "قصدتُ لہٗ" و "قصدتُ الیہِ" قال تعالیٰ "وَاشکُروا نعمۃَ اللہِ" (اَنِ اشکُرلی وَلِوالِدَیکَ) (ونصحتُ لکُم)۔

الخامِسُ: مَا یتعدّی لواحدٍ بنفسہٖ تارۃً ولایتعدّی اُخریٰ لابنفسہٖ ولابالجارِ وذلکَ نحو فَغَرَ — بالفاءِ والغینِ المعجمۃ — و شحا — بالشّینِ المعجمۃِ و الحاءِ المھملۃِ — تقول: "فَغَرَ فاہ" و "شحاہ" بمعنی فتحہ، و "فَغَرَ فوہٗ" و "شحا فوہ" بمعنی انفتح۔

چوتھی قسم وہ ہے جو متعدی بیک مفعول کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے کبھی بواسطہ جار جیسے شکرَ، نَصَحَ، قَصَدَ تم کہتے ہو شکرتُہٗ، شکرتُ لہٗ، نصحتہٗ، نصحتُ لہٗ، قصدتُہٗ، قصدتُ لہٗ، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاشکُروا[5] نِعمَۃَ اللہِ، اَنِ اشکُرلی وَلِوالِدَیکَ[6]، ونصحتُ[7] لکُم۔

پانچویں قسم وہ ہے جو متعدی بیک مفعول کبھی بلاواسطہ ہوتی ہے اور کبھی متعدی ہی نہیں ہوتی، نہ بلاواسطہ اور نہ بواسطہ جار۔ اور وہ جیسے فَغَرَ (فاء اور نقطہ والی غین کے ساتھ۔ اور شحا (نقطہ والی شین، اور بے نقطہ حاء کے ساتھ) تم کہتے ہو فَغَرَ فاہ و شحاہ یعنی اس نے اپنے منہ کو کھولا۔ اور فَغَرَ فوہ و شحا فوہ یعنی اس کا منہ کھلا۔

---

[1] جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے۔ (پ۱۹ ع۱) [2] جس دن چنگھاڑ سنیں گے۔ (پ۲۶ ع۱۷) [3] اس میں موت کو نہ چکھیں گے (پ۲۵ ع۱۶) [4] یا تم بیویوں کو چھولو۔ (پ۵ ع۴) [5] اور اللہ کے احسان کا شکر کرو۔ (پ۱۴ ع۲۱) [6] میرا اور اپنے والدین کا حق مان (پ۲۱ ع۱۱) [7] اور تمہاری خیرخواہی کی۔ (پ۸ ع۱۷)

السَّادِسُ: مَایتعدّی الیٰ اثنین، وقسمتُہٗ قسمَین۔

اَحَدُھُمَا: مَا یتعدّی الیہما تارۃً ولا یتعدّی اُخرٰی، نحو نقَص، تقول «نقَص المَالُ» و «نقصتُ زیدًا دینارًا» بالتخفیف فیہما، قَالَ اللّٰہُ تعَالیٰ: (ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا) واجاز بعضہم کون (شیئًا) مفعولاً مطلقًا، ای: نقصًا ما۔

الثانِي: مَا یتعدّی اِلیہمَا دائمًا، وقسمتہٗ ثلاثۃ اقسام:

اَحَدُھَا: مَا ثانِي مفعُولَیہِ کمفعولِ شکر، کَاَمَرَ، وَاسْتَغْفَرَ تقول: «اَمَرْتُکَ الخَیرَ» و «اَمَرْتُکَ بِالْخَیرِ» وسَیأتی شرحُہما بعد۔

والثانِي: مَا اوّلُ مَفعُوْلَیہِ فَاعِلٌ فِي المعنیٰ، نحو «کَسَوْتُہٗ جُبَّۃً» و «اعطیتُہٗ دِیْنَارًا» فإنّ المفعول الاوّل لَابِسٌ واٰخِذٌ، ففیہِ فاعِلیّۃ معنویۃ۔

چھٹی قسم وہ ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتی ہے۔ اور اس کی میں نے دو قسمیں کی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو کبھی متعدی بدو مفعول ہوتی ہے۔ اور کبھی متعدی ہی نہیں ہوتی جیسے نَقَصَ تم کہتے ہو نقصَ المَال اور نقصتُ زیدًا دینارًا۔ دونوں مثالوں میں تخفیف کے ساتھ (یعنی تفعیل سے نہیں بلکہ باب نَصَرَ سے) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا[1]۔ اور بعض لوگوں نے شیئًا کو بمعنی نقصًا ما لیکر مفعول مطلق ہونا بھی جائز کہا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو ہمیشہ متعدی بدو مفعول ہوتی ہے۔ اور میں نے اس کی تین قسمیں کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے کہ دوسرا مفعول شَکَرَ کے مفعول کی طرح ہو جیسے اَمَرَ، اِسْتَغْفَرَ تم کہتے ہو اَمَرْتُکَ الخَیرَ، اَمَرْتُکَ بالخیرِ۔ اس کی تشریح آگے آئے گی۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس کا پہلا مفعول معنًی فاعل ہو جیسے کَسَوْتُہٗ جُبَّۃً، اَعْطَیْتُہٗ دِیْنَارًا اس لئے کہ مفعولِ اوّل لَابِس (پہننے والا) اور اٰخِذ (لینے والا) ہے اس میں معنوی فاعلیت ہے۔

الثالثُ: مَا یتعدّی لمفعولین اوّلُھُمَا وثانیہما مُبتدأ وخبر فی الاصلِ، وھو افعَال القلوب المذکورۃ قبل، وافعَال التصییر، وشاھِدُ افعَالِ القلوب قولُہٗ تعَالیٰ: (وَاِنِّي لَاَظُنُّکَ یَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا) (فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنَاتٍ)

---

[1] پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی۔ (پ ۱۰ ع ۷)۔

(تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا) (لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ) (وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ) اى: أعتَقَدُوْهُم، وَقول الشاعر:

۱۷۸ - قَد كُنتُ أحْجُو أبَا عَمْرٍو أخًا ثِقَةً
حَتّٰى أَلَمَّتْ بِنَا يَوْمًا مُلِمَّاتُ

وقول الأخر:

۱۷۹ - ❊ زَعَمَتْنِي شَيْخًا وَلَسْتُ بِشَيْخٍ ❊

وَالاكثر تَعَدّي زَعَمَ إلىٰ أنْ أوْ أنَّ وصِلَتِهِما، نحو: (زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا أَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا) وقوله:

۱۸۰ - ❊ وَقَدْ زَعَمَتْ أَنِّيْ تَغَيَّرْتُ بَعْدَهَا ❊

وقال: ۱۸۱ - دُرِيْتَ الْوَفِيَّ الْعَهْدِ يَا عُرْوَ فَاغْتَبِطْ
فَإِنَّ اغْتِبَاطًا بِالْوَفَاءِ حَمِيْدُ

وَالاكثر فى دَرَى أنْ تتعدّى إلىٰ وَاحِدٍ بالبَاءِ، تقول: «دَرَيْتُ بِكَذا»، قال الله تعالىٰ: (وَلَا أَدْرٰىكُمْ بِهٖ) وَانّما تعدّت الى الكافِ والميم بواسطة همزة النقلِ، وقوله:

۱۸۲ - فَقُلْتُ أَجِرْنِي أَبَا خَالِدٍ وَإِلَّا فَهَبْنِي امْرَأً هَالِكًا

اى: اعتقدنى، وقوله:

۱۸۳ - ❊ تَعَلَّمْ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عَدُوِّهَا ❊

والاكثر فى «تعلم» أنْ يتعدّى الى انَّ وصلتها كقوله:

۱۸٤ - ❊ تَعَلَّمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَّكَ مُدْرِكِي ❊

وشاهدُ افعالِ التَّصْيِيْرِ قوله تعالىٰ: (فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا) (وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا) (لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا) (وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ)

تیسری قسم وہ ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتی ہے۔ پہلا دوسرا مفعول (آپس میں) دراصل مبتدا، خبر ہوتے ہیں۔ اور وہ افعالِ قلوب ہیں۔ جو پہلے مذکور ہوئے، اور افعالِ تصییر ہیں۔ افعالِ قلوب

(کے متعدی بدو مفعول ہونے) کی دلیل باری تعالیٰ کے ارشادات وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ[1] الخ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ[2] الخ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ[3] الخ، لَاتَحْسَبُوْهُ[4] الخ اور وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ[5] (جعلوا) بمعنی اعتقدوھم ہے۔ اور شاعر کا قول ہے قد کنت[6] اور ایک دوسرے شاعر کا قول ہے زَعَمْتَنِیْ[7] اور اکثر زَعَمَ (اَنْ) اور اَنَّ کی طرف ان دونوں کے صلوں کے ساتھ متعدی ہوکر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے زَعَمَ الَّذِیْنَ[8] الخ اور شاعر کا قول ہے وقد زعمت[9] الخ اور شاعر نے کہا ہے دریت[10] الوفی الخ اور "دری" میں اکثر یہ ہے کہ یہ متعدی بیک مفعول بواسطۂ باء ہوتا ہے تم کہتے ہو دریت بکذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا اَدْرٰىكُمْ بِهٖ[11]۔

---

[1] اے فرعون! اور تیرے بارے میں میرا خیال ہے کہ تو غارت ہوا چاہتا ہے۔ (پ ۱۵ ع ۱۲) [2] پھر اگر تمہارا ان کے بارے میں یقین ہو کہ مومن ہیں۔ (پ ۲۸ ع ۸) [3] اس کو پاؤ گے اللہ کے نزدیک بہتر۔ (پ ۲۹ ع ۱۴) [4] تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو (پ ۱۸ ع ۸) [5] اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں (عورتیں) بنایا (یعنی عقیدہ رکھا) (پ ۲۵ ع ۸)
[6] تجا (ن) جوا خیال کرنا۔ اَلَمَّ اِلْمَام آنا، پہنچنا۔ مُلِمات جمع مُلِمة کی مصیبت، بڑا حادثہ، تمیم بن عقیل کہہ رہا ہے کہ میں ابوعمرو کو قابلِ اعتماد بھائی سمجھتا تھا یہاں تک کہ ایک دن ہمارے اوپر زبردست حوادث آپڑے (تب حقیقت معلوم ہوئی) محلِ استشہاد: احجو اباعمرو اخا ثقة ہے کہ شاعر نے احجو کو بمعنی اظن لیکر متعدی بدو مفعول استعمال کیا ہے۔ پہلا مفعول اباعمرو اور دوسرا اخا ثقة ہے۔
[7] دوسرا مصرعہ ہے انما الشیخ من یدب دبیبا۔ دَبَّ یَدِبُّ رینگنا، بوجھل قدموں سے چلنا۔ ابوامیہ اوس حنفی عورت کو مخاطب بناکر کہتا ہے تو نے مجھے بوڑھا خیال کیا (حالانکہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔ بوڑھا تو وہ ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ محل استشہاد: زعمتنی شیخا ہے کہ شاعر نے زعم بمعنی ظن کو متعدی بدو مفعول استعمال کیا ہے۔ پہلا مفعول یاءِ متکلم اور دوسرا شیخا ہے۔
[8] کافرین یہ خیال کرتے ہیں کہ دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ پ ۲۸ ع ۱۵) [9] یہ شعر کثیر عزہ کا ہے۔ اس عورت کا خیال ہے کہ اسکے بعد میرے اندر تبدیلی آگئی ہے۔ اور اے عزہ کون وہ شخص ہے جس میں تبدیلی نہ آتی ہو۔ یا عزّ منادی مرخم ہے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ زعم اکثر اَنْ یا اَنَّ اور ان کے صلوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اور اَنْ اور اَنَّ مع اپنے صلوں کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ چنانچہ اَن اور اسکے صلہ کی طرف متعدی کی مثال آیتِ کریمہ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ہے۔ اور اَنَّ اور اسکے صلہ کی طرف متعدی کی مثال یہ شعر ہے۔ [10] اے عروہ تم وعدہ وفا کرنے والے سمجھے گئے لہٰذا خوش ہوجاؤ۔ کیونکہ وفا پر خوش ہونا قابلِ ستائش ہے۔ محلِ استشہاد: دریت جو بمعنی علمت ہے۔ متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا تاء ہے جو نائب فاعل ہے۔ اصل کے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہوتا ہے اور دوسرا الوفی ہے۔
[11] اور نہ وہ اسکی تم کو خبر کرتا۔ (پ ۱۱ ع ۷) دری متعدی بیک مفعول بواسطہ حرف جر ہوتا ہے۔ مگر آیت میں اس کو بابِ افعال میں لیجانے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول استعمال کیا گیا ہے۔

لیکن (اس آیت میں) کاف اور میم (یعنی کُمْ) کی طرف متعدی ہمزہ نقل (یعنی ہمزہ افعال) کے واسطہ سے ہے۔ اور شاعر کا قول ہے فقلت اجْرنی الخ[1] (ھبنی) بمعنی اعتقدنی۔ اور شاعر کا قول ہے تعلّم[2] شفاء الخ تعلم میں اکثر یہ ہے کہ یہ اَنَّ اور اس کے صلہ کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے تعلّم[3] رسول الخ اور افعالِ تصییر (کے متعدی بدو مفعول ہونے) کی دلیل باری تعالیٰ کے ارشادات ہیں فجعلناہ[4] الخ واتخذ[5] الخ لو یردونکم[6] الخ اور وترکنا بعضھم[7] الخ

واحترزت من ظن بمعنی اتّھم فانھا تتعدّی لواحدٍ نحو قولك «عُدِمَ لِي مَالٌ فَظَنَنْتُ زَيْدًا» ومنه قوله تعالى: (وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِينٍ) اى مَا هُوَ بمتّهمٍ على الغيب، واما من قرأ بالضاد فمعناه: ما هو ببخيلٍ، وكذلك علم بمعنى عرف، نحو (وَاللهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا) ورأى من الرأى، كقولك: رأى ابو حنيفة حِلّ كذا، او حرمته» وحجا بمعنى قصد نحو «حجوتُ بيتَ اللهِ» ومن وجد بمعنى حَزِنَ او حقد، فانّهما

---

[1] یہ شعر عبداللہ بن ہمام سلولی کا ہے۔ تو میں نے کہا: اے ابو خالد تو مجھے پڑوسی بنالے (یعنی میری حمایت وحفاظت کر) ورنہ تو مجھے ہلاک ہونے والا آدمی خیال کر۔ محلِ استشہاد: ھَبْنِي اَمرءًا ہے جو بمعنی ظن واعتقد ہے۔ اور متعدی بدو مفعول ہے۔ ایک یا متکلم دوسرا امرءًا ہے۔
نوٹ:- ھَبْ اسم فعل بمعنی امر ہے، جامد غیر متصرف ہے۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي الخ اور يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ میں جو استعمال ہوا ہے وہ ہبۃ سے ہے۔ اور کبھی ہَبْ اَنَّ پر داخل ہو کر استعمال ہوتا ہے جیسے عمر کی حدیث کا جز ہے ھَبْ اَنَّ اَبَانَا كَانَ حِمَارًا۔
[2] زیاد بن سیار کا شعر ہے جس کا دوسرا مصرعہ ہے فَبَالِغْ بِلُطْفٍ فِي التَّحَيُّلِ وَالْمَكْرِ۔ یقین کر کہ نفس کی شفاء اس کے دشمن کو قابو میں رکھنے میں ہے۔ نرمی سے زبردست حیلہ وتدبیر کر۔ شعر میں تَعَلَّمْ بمعنی اِعْلَمْ متعدی بدو مفعول ہو کر استعمال ہوا ہے۔
[3] انس بن زنیم دیلی کا شعر ہے جس کا دوسرا مصرعہ ہے: واَنّ وعیدًا منك كالاخذ باليدِ۔
اے اللہ کے رسول! آپ یقین کر لیجئے کہ آپ مجھے یقیناً پکڑ کر رہیں گے۔ اور یہ بھی کہ آپ کی دھمکی ایسی (یقینی) ہے جیسے ہاتھ پکڑ لینا۔
شاعر نے اَنْ مصدر کے واسطہ سے تعلّم بمعنی اعلم کو متعدی بدو مفعول استعمال کیا ہے۔
[4] پھر اس کو ہم نے اڑنے والی خاک بنا دیا۔ پ۱۹ ع۱)
[5] اور اللہ نے ابراہیم کو خالص دوست بنالیا۔ پ۵ ع۱۵) [6] حسد کی وجہ وہ (اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کسی طرح) تم کو مسلمان ہونے کے بعد کافر بنادیں۔ پ۱ ع۱۳) [7] اور ہم اس روز ان کی یہ حالت کرکے چھوڑیں گے کہ بعض بعض میں گڈمڈ ہوجائیں گے۔ (پ۱۶ ع۲)۔

لایتعدّیانِ بانفسہما، بَل تقول: " وجدتُ علی المیت " و " حقدتُ ۔

اور میں نے ظن بمعنی اتہم سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسے تمہارا قول ہے: عُدِمَ لِی مَال فظننتُ زَیدًا[1]۔ اور اسی کی قبیل سے باری تعالیٰ کا ارشاد وَمَاهُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِظَنِیْنٍ ہے یعنی وہ غیب پر متہم نہیں ہیں۔ اور جن لوگوں نے (ظنین کو) ضاد کے ساتھ پڑھا ہے تو اسکے معنی ہیں وہ (غیب پر) بخیل نہیں ہے۔ اور ایسے ہی (متعدی بیک مفعول ہوتا) ہے علم بمعنی عرف۔ نحو وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ الخ[2] اور ایسے ہی متعدی بیک مفعول ہوتا ہے رأی[3] جو رأی سے مشتق ہے۔ جیسے تمہارا قول رائی ابوحنیفۃ[4] اور ایسے ہی (متعدی بیک مفعول ہوتا) ہے حَجّا بمعنی قصد جیسے حَجَوْتُ بَیْتَ اللّٰهِ اور (میں نے احتراز کیا ہے) وَجد بمعنی حزن یا بمعنی حقد سے۔ کیونکہ یہ دونوں خود متعدی نہیں ہوتے۔ بلکہ (اگر تم متعدی بنانا چاہو تو علیٰ کا سہارا لیکر) کہوگے وجدتُ[5] علی المیت اور حقدتُ[6] عَلَی المسیئ ۔

ثمّ اعلم انّ لافعال القلوب ثلاث حالاتٍ: الإعمال، والإلغاء، والتعلیق،

فامّا الاعمال فهو نصبها المفعولین، وهو واجبٌ اذا تقدّمت علیهما، ولم یأتِ بعدها مُعَلّق، نحو " ظننتُ زَیدًا عالِمًا "، وجائز اذا توسّطت بینهما نحو " زَیدًا ظننتُ عالِمًا " اَوْ تأخّرت عنهما، نحو " زَیدًا عالِمًا ظننتُ " ۔

وامّا الإلغاء فهو: ابطال عَمَلِها إذا توسّطت اَوْ تأخرتْ، فتقول " زَیدٌ ظننتُ عالِمٌ " و " زیدٌ عالِمٌ ظننتُ " والإلغاء مع التاخیر احسن مِنَ الإعمالِ، والإعمال مع التوسّطِ احسنُ مِنَ الإلغاءِ، وقیل: هما سیان۔

وامّا التعلیق فهو: ابطال عَمَلِها فی اللفظ دونَ التقدیر، لاعتراض مَالَهُ صَدرُ الکلام بَینها وبَینَ معمولیها، وهو واحدٌ من امورٍ عشرة:

---

[1] میرا مال معدوم ہوگیا تو میں نے زید پر تہمت باندھی ۔ [2] اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس طرح نکالا کہ تم کسی کو پہچانتے نہ تھے (پ۱۴ ع۱)۔ [3] دیکھنا، اعتقاد رکھنا۔ [4] ابوحنیفہؒ نے اس کی حلت یا حرمت کا اعتقاد رکھا۔ [5] میں میت پر غمگین ہوا [6] غلط کار سے میں نے بغض رکھا۔

پھر جان لو کہ افعالِ قلوب کے تین احوال ہیں۔ اعمال (عمل دینا) الغاء (عمل کو باطل کرنا) تعلیق
بہرحال ان کا عمل تو دونوں مفعولوں کو نصب دینا ہے۔ اور یہ عمل واجب ہے، جبکہ وہ مفعولوں سے مقدم ہوں۔ اور ان کے بعد کوئی مانع نہ آئے جیسے ظننتُ زیداً عالِمًا اور عمل جائز ہے، جبکہ افعال دونوں مفعولوں کے درمیان واقع ہوں۔ جیسے زیداً ظننتُ عالِمًا یا دونوں مفعولوں سے مؤخر ہوں جیسے زَیْداً عالِمًا ظننتُ۔

اور رہا الغاء تو وہ انکے عمل کو باطل کردیتا ہے۔ جبکہ (دونوں مفعولوں کے) درمیان واقع ہوں یا بعد میں۔ اسی وجہ سے تم کہتے ہو زیدٌ ظننتُ عالِمٌ اور زیدٌ عالِمٌ ظننتُ۔ اور افعال کے مؤخر ہونے کی صورت میں عمل دینے سے الغاء بہتر ہے۔ اور درمیان میں ہونے کی صورت میں الغاء سے عمل دینا بہتر ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں۔

اور رہا تعلیق: تو وہ انکے عمل کو لفظًا باطل کرنا ہے نہ کہ تقدیرًا اس چیز کے افعالِ قلوب اور ان کے معمول کے درمیان آجانے کی وجہ سے جس کے لئے صدارتِ کلام ہے۔ اور وہ (جسکے لئے صدارتِ کلام ہے) دس امور میں سے کوئی ایک ہے۔

اَحَدُهَا: لام الابتداء نحو «عَلِمتُ لَزَیْدٌ فَاضِلٌ»، وقولهُ تعالیٰ: (وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ)

الثانِي: لام جواب القسم، نحو «عَلِمتُ لَيَقُومَنَّ زَيْدٌ» اى عَلِمتُ۔ واللهِ۔ لَيَقُومَنَّ زَيْدٌ، وقولهُ:

۱۸۵۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُ لَتَأتِيَنَّ مَنِيَّتِي إِنَّ الْمَنَايَا لَاتَطِيشُ سِهَامُهَا

الثالث: الإستفهامُ، سَوَاءٌ كَانَ بِالحرفِ كقولك: عَلِمتُ أَزَيْدٌ فِي الدَّارِ امرعَمْرٌو، وقولهُ تعَالىٰ: (وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ) أَوْ بالاسْمِ سَوَاءٌ كان الاسمُ مبتدأً نحو (لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى) (وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا) أَوْخبرًا، نحو «عَلِمتُ متى السفرُ» أَوْ مضافًا اليه المبتدأ، نحو «علمتُ أَبُومَنْ زَيْدٌ» أو الخبر، نحو «علمتُ صبيحةَ اى يَوْمٍ سَفرُكَ» او فضلة نحو (وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ) فـ «ايّ» منصوب على المصدر بمابعدهُ، وتقديرهُ:

ينقلبون اىّ انقلاب، وليس منصوبًا بما قبله، لانّ الاستفهام له الصدر فلا يعمل فيه ما قبله۔

وهٰذه الانواع كلها داخلة تحت قولى: « استفهام »

امرِ اول لامِ ابتداء ہے جیسے علمت لزید فاضل اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَقَدْ عَلِمُوا[۱] الخ

امرِ دوم جوابِ قسم کا لام ہے جیسے علمت لیقومنّ زید اصل ہے علمت ۔ واللّٰہِ۔ لیقومنّ زید اور شاعر کا قول ہے ولقد علمتُ[۲] الخ

امرِ سوم استفہام ہے، خواہ حرف کے ذریعہ ہو جیسے تمہارا قول علمتُ ازیدٌ فی الدّار ام عمروٌ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ اَدْرِیْ[۳] اَقَرِیْبٌ الخ یا (استفہام) اسم کے ذریعہ ہو چاہے وہ اسم استفہام مبتدا ہو جیسے لنعلم[۴] ای الخ وَلَتَعْلَمُنَّ[۵] اَیُّنَا یا (وہ اسم استفہام) خبر ہو جیسے علمتُ متی السفر یا استفہام کا مضاف مبتدا ہو جیسے علمتُ ابو مَنْ زید یا (مضاف) خبر ہو جیسے علمت صبیحۃ ای یوم سفرك۔ یا اسم استفہام فضلہ ہو۔ جیسے وَسَیَعْلَمُ[۶] الَّذِیْنَ الخ چنانچہ اىّ مابعد کا مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اس کی تقدیر ینقلبون اىّ انقلاب ہے۔ اور ماقبل کی وجہ سے منصوب نہیں۔ کیونکہ استفہام کے لئے صدارتِ کلام ہے۔ لہٰذا ماقبل اس میں عمل نہیں کر سکتا۔ اور (استفہام کی) یہ تمام اقسام میرے قول « استفہام » کے تحت داخل ہیں۔

الرابع « مَا » النافية، نحو « علمتُ مَا زيدٌ قائمٌ » ، وقوله تعالىٰ: (لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ)۔

---

۱ اور وہ خوب جان چکے ہیں اس کو جس نے جادو کو اختیار کیا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے (پ ۱ ع ۱۲)

۲ لبید ابن ربیعہ کہہ رہا ہے کہ میں نے خوب جان لیا ہے کہ ضرور میری موت آئے گی۔ کیونکہ موتوں کے تیر خطا نہیں کرتے ہیں۔ محلِ استشہاد: علمت لتاتینّ منیّتی ہے علمت متعدی بدو مفعول کا عمل لامِ قسم کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے معلق ہو گیا ہے۔

۳ اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ ہوا ہے وہ قریب ہے یا دور۔ (پ ۱۷ ع ۷)۔

۴ تاکہ دونوں فریق یاد رکھیں کہ کس نے یاد رکھی ہے۔ (پ ۱۵ ع ۱۳)

۵ اور جان لوگے ہم میں کس کا عذاب سخت ہے۔ (پ ۱۶ ع ۱۲)

۶ اور اب ظالم معلوم کرلیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں (پ ۱۹ ع ۱۵)۔

الخامس: «لا» النافية في جواب القسم، نحو «علمتُ واللهِ لا زيدٌ في الدّارِ ولا عمرٌو»۔

السّادسُ: «إنْ» النافية في جواب القسم، نحو «علمتُ واللهِ إنْ زيدٌ قائمٌ» بمعنى مَا زيدٌ قائمٌ۔

السّابع: «لَعَلَّ» نحو: (وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ) ذكرهُ ابو علي في التذكرة۔

الثامنُ: «لو» الشرطية، كقول الشاعر:

۱۸۶- وَقَدْ عَلِمَ الْأَقوامُ لَوْ انّ حَاتِمًا   اَرَادَ ثَرَاءَ المالِ كانَ لهُ وفرُ

التاسعُ: «إنَّ» التي في خبرها اللامُ، نحو «علمتُ انّ زيدًا لقائمٌ» ذكرهُ جماعة من المغاربة، والظاهرُ انّ المعلّق انما هو اللام، لا إنَّ، إلّا انّ ابن الخبّاز حكى في بعض كتبه انهُ يجوز «علمتُ انّ زيدًا قائمٌ» بالكسرِ مع عدمِ اللام، وان ذلك مذهب سيبويه، فعلى هٰذا المعلّق إنَّ۔

امرِ چہارم «ما» نافیہ ہے جیسے علمتُ ما زیدٌ قائمٌ۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد علمتَ الخ امرِ پنجم: جوابِ قسم میں واقع «لا» نافیہ ہے۔ جیسے علمتُ واللهِ لا زیدٌ فی الدّار ولا عمرٌو۔ امرِ ششم: جوابِ قسم میں واقع «ان» نافیہ ہے جیسے علمتُ واللهِ ان زیدٌ قائمٌ بمعنی مَا زیدٌ قائمٌ ہے۔ امرِ ہفتم: لَعَلَّ ہے جیسے وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ الخ اس کا تذکرہ ابوعلی نے اپنی کتاب «تذکرہ» میں کیا ہے۔ امرِ ہشتم: «لو» شرطیہ ہے جیسے شاعر کا قول ہے وَقَدْ عَلِمَ الخ امرِ نہم: وہ إنَّ ہے جس کی خبر پر لام ہو جیسے عَلِمتُ انّ زیدٌ لقائمٌ۔ اس کا تذکرہ مغاربہ کی ایک جماعت نے کیا ہے۔ اور ظاہر بات یہ ہے کہ مانع لام ہے نہ کہ انَّ۔ مگر ابن الخباز نے اپنی ایک کتاب میں نقل کیا ہے کہ لام کے ہونے کے باوجود عَلِمتُ اِنَّ زیدًا قائمٌ بکسرِ انّ بھی جائز ہے۔ اور یہ سیبویہ کا مسلک ہے۔ اس مذہب کی بنا پر مانع ان ہوگا۔

---

[1] تو تو جانتا ہے کہ بولتے نہیں ہیں۔ (پ ۱۷ ع ۵) [2] اور میں نہیں جانتا کہ تم کو آزمانا ہے۔ (پ ۱۷ ع ۷)
[3] حاتم طائی کا شعر ہے، لوگ واقعۃً جانتے ہیں کہ اگر حاتم مال جمع کرنا چاہتا تو اسکے پاس بہت مال ہوتا۔
محلِ استشہاد: علم الاقوام ہے کہ دونوں مفعولوں سے پہلے «لو» کے آجانے کی وجہ سے «علم» کا عمل معلق ہے۔

العَاشِر: «كم» الخبرية، نصّ على ذلك بعضهم، وَحَمَلَ عليهِ قولهُ تعَالىٰ: (أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ) وقدر «كم» خبريّة منصوبة باهلكنا، والجملة سَدّت مَسدّ مفعولَي (يَرَوْا) و(انّهم) بتقدير بانّهم، وكأنّه قيل اهلكنا هُم بالاستئصال، وهٰذا الاعرابُ و المعنى صحيحَان، لكن لا يتعيّن خبريّة (كَم) بَل يجوز ان تكون استفهامية، ويؤيّدهُ قراءة ابن مسعود (مَن اَهْلَكنا) وجوّز الفراء انتصاب (كم) بِيَرَوْا، وهو سهو، وَسواء قدرت خبريّة او استفهامية، وقال سيبويه: «انّ» ومعمولاها بَدلٌ من «كَم» وهٰذا مشكل، لانّهُ اِن قدر «كم» مَعْمُولة لِيَرَوْا لزم مَا اوردناه على الفراء من اخراج كم عن صَدرِيّتها، وان قدرهَا معمُولة لأهْلكنا لزم تسلّط اهلكنا على انهم، ولا يصح ان يقال: اَهْلكنا عدم الرجوع، والّذي يصحّح قولَهُ عندي ان يكون مرادهٗ انّها بَدل من كَم ومَا بعدهَا، فإن (يرو ا) مُسلّطة في المعنى على انّ و صلتها، فهٰذه جملة المعلّقات۔

امر دہم کم خبریہ ہے۔ اس کی صراحت بعض لوگوں نے کی ہے۔ اور باری تعالیٰ کے قول اَلَمْ يَرَوْا الخ کو اسی پر محمول کیا ہے۔ اور اھلکنا کی بنا پر کم خبریہ کو منصوب مانا ہے۔ اور پورا جملہ يَرَوْا کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اور انّھم، بأنّھم کی تقدیر پر ہے۔ گویا کہ کہا گیا ہم نے ان کو بیخ کنی کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ اور یہ ترکیب اور معنی دونوں درست ہیں۔ لیکن (آیت میں) کم کا خبریہ ہونا متعین نہیں۔ بلکہ استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرارت مَنْ اَھلکنا اس کی تائید کرتی ہے۔ اور فراء نے یروا کی وجہ سے کم کا منصوب ہونا جائز کہا ہے۔ اور یہ سہو ہے۔ اور چاہے کم کو خبریہ مانا جائے یا استفہامیہ۔ اور سیبویہ کا کہنا ہے کہ «ان» اپنے دونوں معمول سمیت «کم» سے بدل ہے۔ یہ قول مشتبہ ہے۔ کیونکہ اگر کم کو يَرَوْا کا معمول بنایا جائے تو وہی اعتراض لازم آئیگا جو اعتراض ہم نے فراء پر کیا ہے یعنی کم کو اس کی صدارت سے خارج کرنا۔ اور اگر اھلکنا کا معمول بنایا جائے تو اھلکنا کا تسلط انّھم پر لازم آئے گا۔ اور یہ صحیح نہیں کہ کہا جائے اَھلکنا الخ ہم نے نہ لوٹنے کو ہلاک کر دیا۔ اور میرے نزدیک ان کے قول کو یہ بات صحیح

کر سکتی ہے کہ ان کی مُراد یہ ہو کہ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ کَمْ اور اس کے مابعد یعنی اھلکنا سے بدل ہے۔ اس لئے کہ یروا دراصل انّ اور اس کے صلہ پر مسلّط (داخل) ہے۔

یہ (مذکورہ دس امور) معلقات کا مجموعہ ہیں۔

تشریح: بقول بعض الناس افعالِ قلوب کے عمل کو معلق کرنے والا دسواں امر "کم" خبریہ ہے۔ اس کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد اَوَلَمْ یَرَوْا الخ ہے۔ کہ اس میں یروا افعالِ قلوب میں سے ہے۔ اور جملہ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ بار کی تقدیر کے ساتھ دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کے فعلِ قلب اور اس کے معمول کے درمیان حائل ہو جانے کی وجہ سے فعلِ قلب کا عمل معلق ہے۔ تقدیر عبارت ہے کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ۔ اَوَلَمْ یَرَوْا بِاَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ پہلا جملہ جو معترضہ ہے اس کی ترکیب یہ ہے کہ "کم" خبریہ ہے جو اَھْلَکْنَا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ قبلھم ظرف ہے مِنَ الْقُرُوْنِ "کم" کا بیان ہے۔ دونوں جملے معنی اور ترکیب کے اعتبار سے بالکل صحیح ہیں۔ آیت کے معنی ہوں گے۔ ہم نے بہت سی امتوں کو ان سے پہلے ہلاک کر دیا، کیا انہوں نے دیکھا نہیں وہ ان اہلِ مکہ کے پاس واپس آنے والے نہیں ہیں۔ اور اگر کم کو استفہامیہ مانا جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرارت من اھلکنا الخ سے معلوم ہوتا ہے۔ تو بھی درست ہے۔ تو معنی ہوں گے (اے مخاطبو! بتلاؤ کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا؟

امام فراء کا کہنا ہے کہ "کم" یروا کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، چاہے کم کو استفہامیہ مانا جائے یا خبریہ۔ مگر یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ مفعول ہونے کی وجہ سے "کم" کی صدارت کا بطلان لازم آتا ہے۔

امام سیبویہ کا کہنا ہے اَنَّ اور اس کے دونوں معمول یعنی انھم الیھم لا یرجعون کو "کم" کا بدل مانا جائے۔ مگر اس قول میں خفاء ہے کیونکہ پتہ نہیں چل پا رہا ہے کہ "کم" کس کا معمول ہے۔ چنانچہ اگر "کم" کو یروا کا معمول بنایا جائے تو کم کی صدارت کے فوت ہونے کی خرابی لازم آتی ہے۔ اور اگر کم کو اَھْلَکْنَا کا معمول مانا جائے تو اَھْلَکْنَا کا دخول انھم الیھم لا یَرْجعون پر لازم آ رہا ہے جو بتاویل مفرد ہو کر اَھْلَکْنَا کا مفعول بہ ہوگا، اور تقدیر عبارت ہوگی اھلکنا عدم الرجوع یعنی ہم نے ان کے نہ لوٹنے کو ہلاک کر دیا۔ اور یہ مضمون غلط ہے۔ بالآخر مصنف علام نے سیبویہ

کے قول کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ ان کے قول اَنّ ومعمُولاھا بدلٌ مِنْ کَمْ سے انکی مراد یہ ہے کہ انہم الیہم لا یَرْجِعُوْنَ، کَمْ اَھْلَکنا الخ سے بدل اشتمال ہے۔ اور بدل مُبدل منہ میں چونکہ مقصود بالذات بدل ہی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ عامل یعنی یروا دراصل انہم الیہم لا یرجعون پر داخل ہے، نہ کہ کم اھلکنا پر۔

بھٰذا التأویل اندفع الاشکال بجمیع حذافیرہ۔

والجملة المعلّق عنها العامِلُ فی موضع نصب بذلك المعلّق، حتّی انّه یجوز لك ان تعطف علی محلها بالنصب، قال کُثَیِّر:

۱۸۷- وَمَا کنتُ اَدْرِیْ قَبْلَ عَزَّةَ مَا البُکیٰ
ولا مُوْجِعَاتِ الْقَلْبِ حتّٰی تَوَلَّتِ

یروی بنصب «مُوجِعَات» بالکسرة عطفًا علی محلِ قولِهِ «مَا البُکیٰ»، وَمِنْ ثم سمّی ذلك تعلیقًا، لانّ العَامِلَ مُلغی فی اللفظِ وعامِل فی المحلِ فھو عامِل لا عامل، فسمی مُعَلقًا، اخذًا من المرأة المعلقة التی (ھی) لا مُزَوَّجَةٍ ولا مُطلّقة، وَلِھٰذا قال ابن الخشّاب: لقد أجاد اَھْلُ ھٰذِهِ الصِناعَةِ فی وضع ھٰذا اللّقب لِھٰذا المعنی۔

وہ جملہ جس سے عامل معلق (بے عمل) ہو وہ اس معلق کی وجہ سے محلِ نصب میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تمہارے لئے جائز ہے کہ اس جملہ کے محل پر نصب کے ساتھ عطف کرو۔ کُثیر نے کہا ہے وَمَاکنتُ اَدْرِیْ الخ[1]

---

[1] کُثیر عزّہ کا شعر ہے۔ عزہ اس کی محبوبہ کا نام ہے۔ میں عزہ سے پہلے جانتا بھی نہ تھا کہ آہ و بکا اور دردہائے دل کیا چیز ہیں۔ یہاں تک کہ وہ چلی گئی۔ محلِ استشہاد: اَدْرِی مَا البُکیٰ ولا مُوْجِعَات ہے اور اَدْرِی افعالِ قلوب میں سے ہے۔ جس کا کام ایسے دو مفعولوں کو نصب دینا ہے جو دراصل مبتدا خبر ہوں۔ اور «ما البکی» مبتدا خبر سے مرکب جملہ ہے۔ لہٰذا فعل مذکور کو مبتدا یا خبر کے لفظ یا محل میں عمل کرنا چاہیئے لیکن مبتدا اسم استفہام ہے۔ اسم استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عمل کرنے کی وجہ سے اس کا صدارتِ کلام میں ہونا فوت ہوتا ہے۔ لہٰذا جب فعل نے مبتدا خبر کے لفظ میں عمل نہیں کیا تو لامحالہ یہی سمجھا جائیگا کہ مبتدا خبر کے محل میں عمل کیا۔ اور محل میں عمل کرنے کی دلیل یہ ہے کہ موجعات «جو معطوف ہے اس پر نصب بصورت کسرہ آیا ہے، اور معطوف پر معطوف علیہ والا اعراب ہوتا ہے۔ اور معطوف پر نصب ہے۔ تو معطوف علیہ پر بھی نصب ہوگا۔ اور معطوف علیہ یعنی «ما البکی» پر نصب نہ تو لفظاً ہے اور نہ تقدیراً۔ تو یہی کہنا پڑیگا کہ معطوف علیہ یعنی ما البکی محلاً منصوب ہے۔

موجبات پر نصب بصورت کسرہ مروی ہے شاعر کے قول ما البکی کے محل پر عطف کرتے ہوئے، اسی وجہ سے اس کا نام تعلیق رکھا گیا۔ کیونکہ عامل لفظاً ملغیٰ اور محلاً عامل ہے لہٰذا وہ عامل (بھی ہے) غیر عامل (بھی) ہے۔ چنانچہ اس کا نام معلق رکھا گیا، اس معلقہ عورت سے استعارہ کے طور پر جو نہ شادی شدہ ہی ہے اور نہ مطلقہ۔ اسی وجہ سے ابن الخشاب نے کہا ہے اس فن والوں نے اس لقب کو اس معنی کے لئے متعین کرنے میں کمال ہی کر دیا ہے۔

ولنشرح مَا تقدم الوعد بشرحه من الافعال التی تتعدّی الیٰ مفعولین اولهما مُسَرَّح دائمًا، ای مُطلق من قید حرف الجر، والثانی تارة مسرّح منه وتارة مقیّدٌ به، وقد ذكرت منها فی المقدّمة عشرة أفعال۔

احدها: «امر» قال الله تعالیٰ: (أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ) وقال الشاعر:

۱۸۸۔ أَمَرْتُكَ الْخَيْرَ فَافْعَلْ مَا أُمِرْتَ بِهِ فقد تركتك ذا مالٍ وذا نَشَبِ

فجمع بين اللغتين:

الثانی: (اسْتَغْفَرَ) قال الشاعر:

۱۸۹۔ أَسْتَغْفِرُ اللهَ من عَمَدِی ومن خَطَئِی
ذَنْبِی وَكُلُّ امْرِئٍ لا شك مُؤْتَزِرُ

وقول الآخر:

۱۹۰۔ أَسْتَغْفِرُ اللهَ ذنبًا لَسْتُ مُحْصِيَهُ رَبَّ العِبادِ اليهِ الْوَجْهُ والعَمَلُ

الثالث: «اختار»، قال الله تعالیٰ: (وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا)

وقال الشاعر:

۱۹۱۔ وقالوا: نَأَتْ فَاخْتَرْ مِنَ الصَّبْرِ وَالْبُكَى
فقلتُ: البُكَى أَشْفَى إذًا لِغَلِيلِ

ای: اختر مِنَ الصّبرِ والبُكى احدَهُمَا۔

الرابع: «كَنَى» بتخفيف النون، تقول «كَنَيْتُهُ أَبَاعَبْدِ الله» و «بأبی عَبْدِ اللهِ» ويقال ايضًا «كَنَوْتُهُ» قال:

۱۹۲- هِيَ الخَمرُ لاشكَّ تُكنَى الطِّلَا ٭ كَمَا الذِّئبُ يُكنَى أَبَا جَعدَةٍ

وقال :

۱۹۳- ٭ وَكِتمَانُهَا تُكنَى بِأُمِّ فُلَانِ ٭

ہم اس کی شرح کرتے ہیں جس کی شرح کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے۔ یعنی ان افعال کی جو ایسے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں جن میں سے پہلا مفعول ہمیشہ آزاد یعنی حرف جر کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ اور دوسرا مفعول کبھی آزاد کبھی حرف کی قید سے مقید ہوتا ہے۔ اور میں نے ان میں سے متن میں دس افعال ذکر کئے ہیں۔

ان میں سے پہلا اَمَرَ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اتامرون[1] الناس الخ اور شاعر نے کہا ہے اَمَرتُكَ[2] الخ کہ شاعر نے (شعر میں) دونوں لغتیں جمع کر دی ہیں۔
ان میں سے دوسرا[1] اِستَغفَرَ ہے۔ شاعر نے کہا ہے اَستَغفِرُ[3] اللهَ الخ اور دوسرے شاعر کا قول ہے اَستَغفِرُ[4] اللهَ الخ تیسرا اختار ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے واختار[5] موسٰی الخ اور شاعر نے کہا ہے وقالوا: نات[6] الخ یعنی صبر اور بکا میں سے ایک کو اختیار کر۔

---

[1] کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو۔ (پ۱ ع۵) [2] عمر بن معدیکرب اپنے کسی عزیز سے کہہ رہا ہے میں نے تم کو نیکی کا حکم دیا ہے لہٰذا جس کام کو حکم دیا گیا ہے اسے کرو۔ میں نے تم کو مالدار اور جائیداد والا بنا کر چھوڑا ہے۔ محلِ استشہاد اَمَرتُكَ الخیر اور امرت بہ ہے۔ کہ یہ دونوں متعدی بدو مفعول ہیں۔ پہلا بلاواسطہ اور دوسرا بواسطہ حرفِ جر۔ [3] میں بالقصد اور بلاقصد کیے ہوئے گناہوں کی اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور ہر آدمی گناہ کرنے والا ہے (کوئی معصوم نہیں)۔ محلِ استشہاد: اَستَغفِرُ اللهَ مِن عَمَدِی ہے کہ استغفر پہلے فعل کی طرف بلا واسطہ متعدی ہے۔ اور دوسرے کی طرف بواسطہ حرفِ جر۔ لیکن مصنف علام نے اپنی کتاب مغنی اللبیب میں لکھا ہے :
انّ الحق انّ هٰذا الفعل ينصبُ المفعولين بنفسه دائمًا، لان الفعل الثلاثى المجرد- وهو-غفر- ينصب مفعولًا، والسّين والتاء الدّالان على الطلب يزيد انه مفعولا، وقال، واما قولهم استغفرت الله من الذنب فهو على تضمين معنى اتوب اليه منه (منتهى الارب)
[4] ان تمام گناہوں سے استغفار کرتا ہوں جن کو میں شمار نہیں کر سکتا اس اللہ کی بارگاہ میں جو بندوں کا رب ہے۔ اور اسی طرف چہرے اور اعمال رخ کرتے ہیں۔ محلِ استشہاد: استغفر اللہ ذنبا ہے کہ پہلا اور دوسرا مفعول بلاواسطہ حرف جر استغفر کی وجہ سے منصوب ہیں۔ [5] اور موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم میں سے ستر مرد چن لیے۔ (پ۹ ع۹)
[6] نَأَى يَنأَى نَأيًا دور ہونا۔ غَلِيل سخت پیاس۔ مراد سوزشِ قلب اور (کثیر عزہ سے) لوگوں نے کہا کہ وہ دور چلی گئی لہٰذا صبر و بکا اختیار کر۔ اس پر میں نے کہا، تب تو میری سوزشِ قلب کے لیے رونا ہی زیادہ شفا بخش ہے۔
محلِ استشہاد: اختر من الصبر والبکی۔ ہے کہ اختر ایک مفعول کی طرف تو بواسطہ حرف جر متعدی ہے جو مذکور ہے۔ اور دوسرے مفعول کی طرف بلاواسطہ جو محذوف ہے۔ اصل عبارت ہے اختر من الصبر والبکی احدهما۔

جو تھا کَنَی بتخفیف النون ہے۔ تم کہتے ہو کنیتُہٗ اَبا عَبدِاللہ اور کنیتُہٗ بِاَبِی عبداللہ اور کنوتُہٗ[1] بھی کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے ھی الخمر[2] الخ اور ایک شاعر نے کہا ہے وکتمانُہا[3]۔

الخامِسُ: «سمّی»، تقول «سَمَّیتُہٗ زیدًا»، و «سمّیتُہٗ بزیدٍ»، قال:

۱۹۴- وسَمَّیتُہٗ یَحییٰ لِیَحیَا، فَلَم یَکُن

لِاَمرٍ قَضَاہُ اللّٰہُ فِی النَّاسِ مِن بُدِّ

السَّادِسُ: «دعا» بمعنی سمّی، تقول «دعوتُہٗ بزیدٍ»، وقال الشاعر:

۱۹۵- دَعَتنِی اَخَاھَا اُمُّ عَمرٍو، وَلَم اَکُن

اَخَاھَا، وَلَم اَرضَع لَھَا بِلِبَانِ

السَّابِعُ: «صَدَقَ» بتخفیف الدّالِ۔ نحو (وَلَقَد صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعدَہٗ) (ثُمَّ صَدَقنَاھُمُ الوَعدَ)، وتقول: صَدَقتُہٗ فِی الوَعدِ۔

الثامِنُ: «زوّج»، تقول: «زَوَّجتُہٗ ھِندًا، وبِھِندٍ» قال اللّٰہ تعالیٰ: (زَوَّجنَاکَھَا) وقال: «وَزَوَّجنَاھُم بِحُورٍ عِینٍ)۔

التاسِعُ والعاشِر: «کَالَ، وَوَزَنَ» تقول: «کِلتُ لزیدٍ طَعَامَہٗ»، و «کِلتُ زیدًا طعامَہٗ» و «وزنتُ لِزیدٍ مَالَہٗ» و «وزنتُ زیدًا مَالَہٗ» قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ (وَاِذَا کَالُوھُم اَو وَزَنُوھُم یُخسِرُونَ)، والمفعول الاول فیہما محذوف۔

---

[1] کنوتہ سے اِس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ فعل معتل یائی بھی اور واوی بھی یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے مستعمل ہے اور مفعول اوّل کی طرف بلا واسطہ حرف جر اور مفعول ثانی کی طرف بواسطہ حرف جر باء متعدی ہوتا ہے۔

[2] الطلاء: وہ شیرۂ انگور جس کو پکا کر دو تہائی خشک کر دیا گیا ہو اس کو خمر بھی کہتے ہیں۔ عبید ابن ابرص کا کہنا ہے کہ بلاشبہ اس خمر کی کنیت طلاء ہے جس طرح بھیڑیئے کی کنیت ابوجعدہ ہے۔
اس میں شاہد: تکنی الطلاء اور یکنی ابا جعدۃ ہے۔ کہ دونوں فعل بلا واسطہ متعدی بدو مفعول ہیں۔ پہلا نائب فاعل کی ضمیر ہے جو دراصل مفعول بہ ہے۔ اور دوسرا طلاء اور ابا جعدہ ہے۔

[3] ابن مقبل کا شعر ہے۔ جس کا پہلا مصرعہ ہے لقد طال عن دھماء لدِّی وعِذرتی۔ دھماء محبوبہ کا نام ہے لِدّ بھی جھگڑا، عِذرۃ معذرت ج عِذر حجت۔ دھماء سے میری لڑائی اور حجت لمبی ہو گئی ہے۔ اور اسکے اخفاء کا یہ عالم ہے کہ اس کی کنیت ام فلاں کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔ اس میں شاہد تکنیٰ بامِّ فلان ہے کہ فعل کو متعدی بدو مفعول استعمال کیا گیا ہے۔ پہلا بشکل نائب فاعل بلا واسطہ ہے۔ اور دوسرا بواسطہ حرف جر ہے۔

پانچواں سمّٰی ہے تم کہتے ہو سمّیتہٗ زیدًا و سمّیتہ بزیدٍ۔ شاعر نے کہا ہے وسمّیتہ یحییٰ الخ[1]

چھٹا دعا ہے بمعنی سمّٰی تم کہتے ہو دعوتہٗ بزیدٍ شاعر نے کہا ہے دَعَتْنِی اَخَاھَا الخ[2]

ساتواں صدق بتخفیف الدال ہے جیسے وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ الخ[3] ثُمَّ صَدَقْنَاھُمُ الْوَعْدَ[4] اور تم کہتے ہو صَدَقتہٗ فی الوعدِ۔

آٹھواں زَوَّجَ ہے تم کہتے ہو زوّجتہٗ ھندًا و بھندٍ۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے زَوَّجْنَاکَھَا[5]۔ اور ارشاد ہے زَوَّجْنَاھُمْ بِحُوْرٍعِیْنٍ[6]۔

نواں اور دسواں کَالَ اور وَزَنَ ہے تم کہتے ہو کلتُ لزیدٍ طعامہٗ اور کلتُ زیدًا طعامہٗ اور وزنتُ لزیدٍ مالہٗ اور وزنتُ زیدًا مالہٗ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا کَالُوْھُمْ الخ[7] اور دونوں فعلوں کا پہلا مفعول محذوف ہے۔

السّابع: مَا یتعدّی الٰی ثلاثۃ مفاعیل، وھو سبعۃ:

احدھا: «اَعْلَمَ» المنقولۃ بالھمزۃ من «عَلِمَ» المتعدّیۃ لاثنین، تقول: «اَعْلَمْتُ زیدًا عمرًا فاضلًا»۔

الثانی: «اَرٰی» المنقولۃ بالھمزۃ من «رَاٰی» المتعدیۃ لاثنین، نحو «اَرَیْتُ زیدًا عمرًا فاضلًا» (بمعنی اعلمتہٗ)، قال اللّٰہ تعالیٰ: (کَذٰلِکَ یُرِیْھِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ حَسَرَاتٍ عَلَیْھِمْ)، فالھاء والمیم مفعول اول، و(اعمالھم) مفعول ثانٍ، و(حسرات) مفعول ثالث۔

والبواقی مَا ضُمِّن معنی اَعْلَمَ وَاَرٰی المذکورتین من «انبأ» و «نبّأ» و «اَخْبَرَ» و «خَبَّرَ» و «حَدَّثَ» تقول: «اَنْبَأتُ زیدًا عمرًا فاضلًا»

---

[1] اور میں نے اس کا نام یحیٰی رکھا تاکہ وہ زندہ رہے۔ مگر اس شیٔ (موت) سے مفر نہیں جس کا فیصلہ اللہ نے لوگوں کے لئے کر رکھا ہے۔ شاہد اس میں سمّیتہٗ یحیٰی ہے کہ فعل متعدی بدو مفعول بلاواسطہ ہے۔

[2] یہ عبدالرحمٰن بن حکم کا شعر ہے۔ ام عمرو نے مجھے اپنے بھائی کے نام سے پکارا جبکہ میں نہ تو اس کا (نسبی) بھائی ہوں اور نہ میں نے اس کے ساتھ دودھ پیا ہے۔

[3] اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔ (پ۴ ع۶)

[4] پھر سچا کر دیا ہم نے ان سے وعدہ (پ۱۷ ع۱)

[5] ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دیدیا۔ (پ۲۲ ع۲) [6] ہم نے ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے نکاح کرادیا۔ (پ۲۵ ع۱۶) [7] اور جب ناپ کر دیں یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ (پ۳۰ ع۸)

بمعنی اعلمتہٗ، وکذلک تفعل فی البواقی۔

وَاِنَّمَا اَصْلُ هٰذِهِ الخمسة ان تتعدّی لاثنین: الی الاول بنفسها، والی الثانی بالباءِ او عَنْ، نحو (اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ، فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ) (نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ) (وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ)، وقد يحذف الحرف نحو (مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا)

ساتویں قسم وہ فعل ہے جو متعدی بسہ مفعول ہوتا ہے اور وہ سات ہیں۔

ان میں سے ایک اَعْلَمَ ہے جو ہمزہ کے ذریعہ عَلِمَ متعدی بدو مفعول سے منقول ہے تم کہتے ہو اعلمتُ زَیْدًا عَمْرًوا فَاضِلًا۔ دوسرا اَرٰی ہے جو رَاٰی متعدی بدو مفعول سے بذریعہ ہمزہ منقول ہے جیسے اریتُ زیدًا عمرًوا فاضلًا بمعنی اعلمتہٗ ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کَذٰلِکَ[1] یُرِیْهِمُ اللّٰهُ الخ چنانچہ یُرِیھم میں ھَا اور میم (یعنی ھُمْ) مفعول اول ہے اور اَعْمَالَهُمْ مفعول ثانی ہے اور حَسَرَاتٍ مفعول ثالث ہے۔ اور بقیہ (پانچ) وہ ہیں جو اُوپر ذکر کیے ہوئے اَعْلَمَ اور اَرٰی کے معنی کو متضمن ہوں جیسے اَنْبَاَ، نَبَّاَ، اَخْبَرَ، خَبَّرَ اور حَدَّثَ تم کہتے ہو اَنْبَاتُ زیدًا عمرًوا فاضِلًا بمعنی اَعْلَمتہٗ اور یہی آپ بقیہ میں کریں گے۔

اور ان پانچ کا اصول یہ ہے کہ یہ متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں پہلے کی جانب بلاواسطہ اور دوسرے کی طرف بَا یا عَنْ کے واسطہ سے جیسے اَنْبِئْهُمْ[2] بِاَسْمَآئِهِمْ اور نَبِّئُوْنِیْ[3] الخ وَنَبِّئْهُمْ[4] عَنْ الخ اور کبھی حرف کو حذف کردیا جاتا ہے جیسے مَنْ اَنْبَاَکَ[5] هٰذَا۔

ثمّ قلتُ: ولا یجوز حذف مفعولٍ فی بابِ ظَنَّ، وَلاغَیْرِ الاولِ فِی بَابِ اَعْلَمَ واَرٰی، الّا لِدَلِیْلٍ، وبنوسُلَیمٍ یُجِیْزُوْنَ اِجْرَاءَ الْقَوْلِ مجری الظَّنِّ، وَغَیْرُهُمْ یخصُّهٗ بصیغةِ (تقول) بَعْدَ استفهامٍ متصلٍ، اَوْ منفصلٍ بظرفٍ او معمولٍ اَوْ مجرورٍ۔

---

[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ ان پر حسرت بناکر ان کے کام ان کو دکھلائیگا۔ (پ۲ ع۴)

[2] ان کو ان چیزوں کے نام بتلادو۔ پھر جب انہوں نے ان کے نام بتلادیئے۔ (پ۱ ع۴)

[3] مجھ کو سند بتلاؤ۔ (پ۸ ع۶) [4] ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال بتا۔ (پ۱۴ ع۴)

[5] مجھ کو یہ کس نے بتلایا۔ (پ۲۸ ع۱۹)

واقول: ذكرتُ فی هٰذا الموضع مَسألتين متممتين لهٰذا الباب :

اِحدٰاهما : انهٗ يجوز حذف المفعولين او اَحدهما لِدليلٍ ، ويمتنع ذلك لغير دليلٍ، مثال حذفهما لدليلٍ قوله تعالیٰ : (اَيْنَ شُرَكَآئِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ) ، ای تزعمونهم شركاء، كذا قدروا ، والاحسنُ عندی ان يقدر : انهم شركاء ، و تكون انّ وصلتها سادة مَسَدّها ، بدليلِ ذكر ذلك فی قوله تعالیٰ : (وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكَاءُ) ، ومثال حذف اَحدِهما لدليل وبقاء الاٰخر قوله تعالیٰ : (وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ) ای بُخلَهُمْ هو خيرًا لهم ، فحذف المفعول الاولِ وابقی ضميرَ الفصلِ والمفعول الثانی ، وقال عنترة :

۱۹۶ - ولقد نزلتِ فلا تظنی غيرهٗ ... منّی بمنزلة المحبّ المُكرمِ

فلا ای تظنّی غيرهٗ واقعًا ، او كائنًا ، فحذف المفعول الثانی ـ

ولا يجوز لك ان تقول «علمتُ» او «ظننتُ» ، مقتصرًا عليه من غير دليلٍ، علی الاصحّ ، ولا ان تقول «علمتُ زيدًا» ولا «علمتُ قائمًا» ، وتترك المفعول الاول فی هٰذا المثالِ والمفعول الثانی فی الذی قبلهٗ من غير دليل عليهما ، اجمعوا علی ذلك ـ

م : اور باب ظنّ کے مفعول کا حذف جائز نہیں ہے ۔ اور نہ ہی باب عَلِم اور اَرٰی کے باب میں مفعولِ اوّل کے علاوہ کا حذف مگر کسی دلیل کی وجہ سے ۔ اور بنو سُلیم قول کو ظن کے قائم مقام کرنا جائز قرار دیتے ہیں، اور انکے علاوہ قائم مقامی کو تقول کے صیغہ کے ساتھ خاص کرتے ہیں ۔ (جبکہ تقول) استفہام کے بعد متصلاً ہو یا منفصلاً ، (خواہ انفصال بذریعہ ظرف (ہو یا بذریعہ) مفعول ہو یا بذریعہ مجرور ۔

ش : میں نے اس مقام پر ایسے دو مسئلے ذکر کئے ہیں جو اس باب کو مکمل کرنے والے ہیں ۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ دونوں یا ایک مفعول کا حذف کسی دلیل کی وجہ سے جائز ہے اور بغیر دلیل کے ناجائز ہے ۔ دلیل کی وجہ سے دونوں مفعولوں کو حذف کرنیکی مثال باری تعالیٰ کا قول ہے اَیْنَ شُرَکَآئِیَ الخ[1]

---

[1] میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو شریک خیال کرتے تھے ۔ (پ ۲۰ ع ۱۰) آیت میں دونوں مفعول محذوف ہیں پہلا ھُمْ ضمیر ہے دوسرا شرکاء ہے اور دونوں مفرد ہیں لیکن مصنف کا کہنا ہے کہ تزعمون کے مفعول کو مفرد ماننے کے بجائے پورا جملہ ماننا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس فعل کا استعمال ساتویں پارہ میں اسی طرح ہوا ہے چنانچہ آیت وما نری معکم الخ میں مفعول انہم فیکم شرکاء ہے جو پورا جملہ ہے لہٰذا یہاں بھی مفرد کے بجائے جملہ مانا جائے ۔ اور وہ دونوں مفعولوں کے قائم مقام کر دیا جائے ۔

اصل ہے تزعمونہم شرکاء ایسا ہی نحویوں نے مقدر مانا ہے میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ انّھم شرکاء مقدر مانا جائے اور انّ اور اس کا صلہ دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہو جائے گا باری تعالیٰ کے ارشاد وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ الخ میں اسی مفہوم کے ذکر کی وجہ سے اور ایک مفعول کے بالدلیل حذف اور دوسرے کے باقی رہنے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ الخ ہے تقدیر عبارت بُخْلَھُمْ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ہے پہلے مفعول (بخلھم) کو حذف کر دیا اور ضمیر فصل اور مفعول ثانی کو باقی رکھا۔ اور عنترہ نے کہا ہے ولقد نزلت الخ اصل عبارت فلا تظنی غیرہٗ وَاقِعًا یا کَائِنًا ہے پھر مفعول ثانی کو حذف کر دیا اور صحیح قول کے مطابق بلا دلیل صرف فعل پر اکتفا کرتے ہوئے آپ کے لئے عَلِمْتُ یا ظننتُ کہنا جائز نہیں اور نہ ہی (یہ جائز ہے کہ) عَلِمْتُ زَیْدًا کہو اور نہ ہی عَلِمْتُ قائمًا اس حال میں کہ اس مثال میں بلا دلیل مفعول اول کو ترک کردو اور اس سے پہلے والی مثال میں مفعول ثانی کو اس پر تمام نحویوں کا اتفاق ہے۔

الثانیۃ: انّ العربَ اختلفوا فی إجراء القولِ مُجْرَی الظّنِ فی نصب المفعولین علٰی لُغَتَیْنِ:

فَبَنُو سُلیم یُجیزونَ ذلك مطلقًا، فیجوزون ان تقول «قلتُ زیدًا منطلقًا»

وغیرھم یوجبُ الحکایۃَ، فیقول «قلتُ زیدٌ منطلقٌ» ولا یجیز اجراء القولِ مُجْرَی الظّنِّ اِلّا بثلاثۃ شروطٍ:

اَحدُھا: ان تکونَ الصّیغۃ «تقول» بتاء الخطاب۔

الثانی: ان یکونَ مَسْبوقًا باستِفھامٍ۔

الثالث: ان یکون الاستفھام متصلًا بالفعلِ، او منفصلًا عنہ بظرفٍ اَوْ مجرورٍ اَوْ مفعولٍ۔

مثال المتصلِ قولُكَ «أتقول زیدًا منطلقًا» وقولِ الشاعر:

لہ اور ہم تمہارا ساتھ دینے والا تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں سمجھتے جن کے بارے میں تم یہ خیال کرتے ہو کہ وہ شریک ہیں۔ (پ ع ۱۷)

لہ جو لوگ اس چیز میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے وہ یہ خیال نہ کریں کہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے۔ (پ ع ۹)

لہ تو میرے دل میں باعزت محبوب کی جگہ لے چکی ہے۔ میری طرف سے اس کے علاوہ (اور کچھ) مت خیال کر۔ اس میں شاہد فلا تظنّی غیرہٗ ہے۔ اس سے مفعول ثانی کو حذف کر دیا گیا ہے جو واقعًا یا کائنًا ہے۔

۱۹۷۔ مَتٰی تَقُولُ القُلُصَ الرَّوَاسِمَا ‏ يُدْنِيْنَ اُمَّ قَاسِمٍ وَ قَاسِمَا

ومثال المنفصلِ بالظرفِ قول الشاعرِ:

۱۹۸۔ اَبَعْدَ بُعْدٍ تقول الدَّارَ جَامِعَةً ‏ شَمْلِی بِهِم ام تقول البُعْدَ مُحْتَومًا

(ومثال المنفصلِ بالمَجْرُوْرِ ، اَفِي الدَّارِ تقول زيدًا جَالِسًا ،)

ومثال المنفصلِ بالمفعولِ قول الشاعر:

۱۹۹۔ اَجُهَّالًا تقول بَنِي لُؤَیٍّ ‏ لَعَمْرُ اَبِيْكَ اَمْ مُتَجَاهِلِيْنَا

ولو فصلت بغير ذلك تعينت الحِكَايَة ، نحو ، اَ اَنتَ تقول زيدٌ منطلقٌ ؟ ،

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عرب دونوں مفعولوں کو نصب دینے کی بابت قول کو ظن کے قائم مقام کرنے میں دو لغتوں میں بٹ گئے ہیں چنانچہ بنو سُلیم اس کو مطلقاً جائز کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ تمہارے قول قلتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا کو درست قرار دیتے ہیں جبکہ ان کے علاوہ اعرابِ[1] حکائی کو واجب کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ قلتُ زیدٌ منطلقٌ کہتے ہیں اور قول کو ظن کے قائم مقام کرنا تین شرطوں کے ساتھ جائز مانتے ہیں پہلی شرط یہ ہیکہ صیغہ تقول یعنی تاء خطاب کے ساتھ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے استفہام ہو تیسری شرط یہ ہیکہ استفہام فعل سے متصل ہو۔ یا منفصل بالظرف یا منفصل بالجرور یا منفصل بالمفعول ہو متصل کی مثال تمہارا قول اَتَقُوْلُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا ہے۔ اور شاعر کا قول ہے مَتٰی تَقُوْلُ[2] الخ اور منفصل بالظرف کی مثال شاعر کا قول اَبَعْدَ بُعْدٍ[3] الخ ہے۔ اور منفصِل بالمجرور کی مثال اَفِي الدَّارِ تقول زيدًا جَالِسًا۔

---

[1] اعراب حکائی کا مطلب یہ ہے کہ اگر زیدًا منطلقًا کسی جملہ میں واقع ہوا ہے مثلاً عَلِمتُ زیدًا منطلقًا۔ اور اعراب میں تبدیلی کیے بغیر بطور نقل آپ کہیں کہ میں نے زیدًا منطلقًا کہا ہے یا کہیں پر زیدٌ منطلقٌ واقع ہوا ہے پھر آپ کہنا چاہیں تو کہیں گے قلتُ زیدٌ منطلقٌ۔

[2] القُلُص قلوص کی جمع ہے۔ نوجوان اونٹ۔ الرَّوَاسِم رَاسِمَة کی جمع ہے۔ تیز رو۔ ہدبہ بن خشرم کا شعر ہے۔ کیا خیال کریگا تو تیز رو اونٹوں کو کہ وہ ام قاسم اور (اسکے بیٹے) قاسم کو قریب کر رہے ہیں (یعنی لیکر چل رہے ہیں)

محلِ استشہاد: تقول القلص یدنین ہے کہ تقول متی استفہامیہ سے متصل ہونے کی وجہ سے بمعنی تظن ہے۔ اسی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا القلوص ہے اور دوسرا یدنین فعل ہے جو بتاویل مصدر ہے۔

[3] کیا دوری کے بعد تو خیال کرتا ہے کہ گھر میرے معاملات کو ان کے ساتھ جوڑنے والا ہے۔ یا دوری کو حتمی خیال کرتا ہے۔

محلِ استشہاد: ایک تو تقول الدار جامِعَۃ اور دوسرا تقول البعد محتومًا ہے کہ دونوں جگہ اوپر ذکر کی ہوئی شرط پائی جانے کی وجہ سے تقول بمعنی تظن ہے جو متعدی بدو مفعول ہے۔

اور منفصل بالمفعول کی مثال شاعر کا قول ہے اجہالاً تقول الخ[1] اور اگر آپ اس مذکور کے علاوہ فصل کریں تو اعراب حکائی متعین ہے جیسے أأنتَ تقول زیدٌ منطلقٌ۔

ثمّ قلتُ: بَابُ الاَسْمَاءِ الّتِی تَعْمَلُ عَمَلَ الفعلِ۔ وهی عشرۃ: اَحَدُهَا المصدرُ، وهو: اسم الحدثِ الجارِی علی الفعلِ، کضَرْب واِکْرَام، وشرطُه: اَن لَایُصَغَّرَ، وَلَا یُحَدَّ بالتاءِ (نحو، ضربتَیْن او ضربَات ») ولا یتبعَ قبلَ العَمَلِ، وان یَخْلُفَهُ فعلٌ مع اَنْ اَوْ مَا، وعَمَلُه مُنَوَّنًا اَقیَسُ، نحو: (اَوْ اِطْعَامٌ فِی یَوْمٍ ذِی مَسْغَبَةٍ یَتِیْمًا)[2] ومُضافًا للفاعلِ اَکْثَر، نحو: (وَلَوْلَادَفْعُ اللهِ النَّاسَ) ومقرونًا بِاَلْ ومضافًا لمفعُولٍ ذُکِرَ فَاعِلُهُ ضَعِیْفٌ،

واقول: لما انتهیتُ حُکْمَ الفعلِ بالنسبةِ الی الاعمالِ اَرْدَفتُهُ مِمَّا یَعْمَلُ عَمَلَ الفعلِ من الاسماء، وبدأتُ منها بالمصدرِ، لانّ الفِعلَ مشتقٌ منه علی الصَّحیح۔

م:۔ ان اسماء کا بیان جو فعل جیسا عمل کرتے ہیں یہ دس ہیں۔ ان میں سے ایک مصدر ہے مصدر اس حدثی معنی کا نام ہے جو فعل کے مطابق ہے جیسے ضَرْب اور اِکْرَام اور اس کے عمل کی شرط یہ ہے کہ مصغر نہ ہو اس کے آخر میں تاء وحدت نہ لگی ہو جیسے ضَرْبَتَیْن یا ضَرَبَات۔ اور عمل (پورا نہ ہونے) سے پہلے متبوع نہ بنا ہو اور یہ بھی (شرط ہے) کہ اَنْ یا مَا کے ساتھ کوئی فعل اس کے قائم مقام بن سکتا ہو اور منون ہونے کی حالت میں اسکا عمل قیاس کے مطابق ہے۔ جیسے اَوْ اِطْعَامٌ الخ[2] اور فاعل کی طرف مضاف ہونیکی حالت میں (اس کا عمل) اکثری ہے جیسے وَلَوْلَادَفْعُ الخ اور (مصدر کا عمل) الْ کا مدخول ہونے اور اس مفعول کی جانب مضاف ہونیکی حالت میں جسکا فاعل مذکور ہو ضعیف ہے۔

ش:۔ جب میں عمل کے اعتبار سے فعل کا حکم ختم کر چکا تو اس کے بعد ان اسماء کا تذکرہ کیا جو فعل جیسا عمل کرتے ہیں ان میں سے سب سے پہلے مصدر کو ذکر کیا کیونکہ صحیح مذہب کے مطابق فعل مصدر ہی سے مشتق ہے۔

---

[1] الکمیت بن یزید کا شعر ہے تیرے باپ کی عمر کی قسم کیا تو بنی لوی کو حقیقۃً جاہل سمجھتا ہے یا متجاہل (یعنی بتکلف جاہل) اس میں شاہد اجہالاً تقول بنی لوئی ہے کہ تقول نے تظن جیسا عمل کیا ہے۔ چنانچہ مفعول اول جہالاً اور مفعول ثانی بنی لوئی کو نصب دیا ہے۔ جبکہ استفہام اور فعل کے درمیان جہالاً کا فصل ہے۔ مگر مفعول کا فصل مانع نہیں ہے جس طرح کہ اوپر والے شعر میں ظرف کا فصل مانع نہیں تھا۔ کیونکہ یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے۔ اور مانع وہ فصل بنتا ہے جو اجنبی ہو۔ [2] یا کسی یتیم کو فاقہ کے دن کھانا کھلانا۔ (پ ۳۰ ع ۱۵)

واحترزتُ بقولي «الجاري على الفعلِ» من اسمِ المصدر، فإنّهُ وإن كانَ اسمًا دَالًّا على الحدثِ، لكنهُ لا يجري على الفعلِ، وذلك نحو قولك: «اعطيتُ عَطَاءً» فإنّ الّذي يجري على اعطيتُ إنّما هُوَ إعطاء، لانهُ مستوفٍ لحروفهِ، وكذا «اغتسلتُ غُسْلًا» بخلاف «اغتسل اغتِسالًا» وسيأتي شرح اسم المصدر بعدُ۔

واشرت بتمثيلي بضَرْب وإكْرام إلى مثالَيْ مَصْدر الثلاثي وغيرهٖ۔

ومثال مَا يخلفهُ فعل مع أنّ قولهُ تعالىٰ: (وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ) اى: وَلَوْلَا ان يدفع اللهُ النَّاسَ، أَوْ أن دفع اللهُ النَّاسَ، ومثال مَا يخلفهُ فعل مع مَا قولهُ تعَالىٰ: (تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ) اى: كَمَا تخافون انفسكم، ومثال مَا لا يخلفهُ فِعْل مع احَدِ هٰذين الحرفين قولهم «مَرَرْتُ بهٖ فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ» اذ ليسَ المعنى على قولك فإذَا لهُ أنْ صَوَّتَ، أَوْ أنْ يُصَوِّتَ، أَوْ مَا يصوت، لانّك لم تُرِد بالمصدر الحدوث فيكون في تأويلِ الفعلِ، وانما اردتُ انّك مَرَرْت بهٖ وهو في حَالةِ تصويتٍ، ولهٰذا قدروا لِلصَّوْتِ الثاني ناصبًا، ولَمْ يَجْعَلُوا صَوْتًا الاوّل عَامِلًا فيه۔

اور میں نے اپنے قول «الجَاري عَلى الفعل» کے ذریعہ اسم مصدر سے احتراز کیا کیونکہ وہ اگرچہ حدث پر دلالت کرنیوالا اسم ہوتا ہے لیکن وہ فعل کے مطابق نہیں ہوتا ہے۔ اور وہ جیسے تمہارا قول اعطیت عطاء ہے اسلئے کہ جو اعطیت کے مطابق ہے وہ اعطاء ہے (نہ کہ عطاء) کیونکہ وہ اس فعل کے تمام حروف کو جامع ہے اور اسی طرح اغتسلت غسلًا ہے بخلاف اغتسلت اغتِسالًا کے۔ اور اسم مصدر کی شرح آگے آئیگی۔

اور میں نے ضَرْب اور اِکْرَام دو مثالیں دینے کے ذریعہ ثلاثی، غیر ثلاثی مصدر کی مثالوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس مصدر کی مثال جسکے قائم مقام فعل مع اَنْ ہوتا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ الخ تقدیر عبارت ہے وَلَوْلَا اَنْ یَدْفَعَ اللهُ النَّاسَ یا اَنْ دَفَعَ اللهُ النَّاسَ اور اس (مصدر کی) مثال جس کے قائم مقام فعل مع مَا کے ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے تَخَافُوْنَهُمْ الخ

۱؎ اگر اللہ کا دفع کرانا نہوتا۔ (پ ۲ع ۱۷) ۲؎ خطرہ رکھو انکا جیسا کہ اپنوں کا خطرہ رکھتے ہو۔ (پ ۲۱ ع ۷)

تقدیر عبارت ہے کَمَا تَخَافُوْنَ اَنْفُسَکُمْ اور اس مصدر کی مثال جسکے کوئی فعل ان دونوں حرفوں میں سے کسی ایک کے ساتھ قائم مقام نہیں ہوتا ہے انکا قول مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ ہے اس لئے کہ اس کے معنی تمہارے قول کے بموجب فَاِذَا لَهٗ اَنْ صَوَّتَ یا اَنْ یصوت یا مَا یصوت نہیں ہوسکتے کیونکہ تم نے مصدر (صوت) سے حدثی معنی نہیں مراد لئے ہیں کہ یہ فعل کی تاویل میں ہو بلکہ تم نے یہ مراد لیا ہے کہ تم اس کے پاس سے اس حال میں گذرے کہ وہ آواز نکالنے کی حالت میں تھا اور اسی وجہ سے نحویوں نے دوسرے "صوت" کے لئے ناصب مقدر مانا ہے۔ اور پہلے "صوت" کو اسمیں عامل نہیں مانا ہے۔

تشریح وَمِثَالُ مَا یَخْلُفُهٗ الخ مصدر کے عمل کرنے کی یہ تیسری شرط کا بیان ہے کہ مصدر کی جگہ میں کوئی مضارع یا ماضی اَنْ یا مَا کے ساتھ رکھا جاسکتا ہو۔ فعل مع اَنْ کے رکھے جانے کی مثال لَوْلَا دَفْعُ الخ ہے اور فعل مع مَا کے رکھے جانیکی مثال تَخَافُوْنَهُمْ الخ ہے لہٰذا اگر یہ شرط فوت ہوجائے تو مصدر عمل نہیں کریگا چنانچہ مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صوت صَوْتَ حِمَارٍ میں فعل کو مع اَنْ یا مَا کے مصدر کی جگہ میں رکھیں تو تقدیر عبارت ہوگی مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ اِنْ صوت یا اَنْ یصوت یا مَا یصوت پھر معنی حدثی یعنی مصدری معنی لیکر ترجمہ کریں تو ترجمہ ہوگا کہ جب میں زید کے پاس سے گذرا تو اس کا کام گدھے جیسی آواز نکالنا تھا۔ اور یہ معنی قائل کی مراد کے خلاف ہی کیونکہ قائل کی مراد تو یہ ہےکہ میرا گذر جب اس کے پاس سے ایسی حالت میں ہوا کہ اس کی آواز گدھے جیسی نکل رہی تھی۔ یعنی گذر آواز نکلنے کی حالت میں ہوا نہ کہ گذرنے پر اس نے آواز نکالنا شروع کی ہے۔ اور یہ خرابی مصدر کو عامل ماننے کی وجہ سے لازم آرہی ہے لہٰذا مصدر ہی کو غیر عامل قرار دیا جائے گا بہرحال جب پہلا مصدر غیر عامل قرار پایا اور دوسرے صوت پر نصب ہے تو لامحالہ اس کا کوئی عامل یُمَاثِلُ یا یُشْبِهُ وغیرہ جیسا مقدر ماننا پڑے گا جو دوسرے صوت کو نصب دے۔

نوٹ: مصنف علامؒ نے اس کتاب میں مصدر کے عمل کرنیکی صرف چار شرطیں ذکر کی ہیں جبکہ مصنف نے اپنی دوسری کتاب "قطر الندی" میں آٹھ شرطیں ذکر کی ہیں۔ افادہ کی خاطر

ے یعنی گذرنے پر اس نے آواز نکالنا شروع کی۔

درج کی جا رہی ہیں۔ (۱) مصغر نہ ہو لہٰذا اَعْجَبَنِی ضُرَیْبُكَ زَیْدًا جائز نہیں (۲) مصدر کے آخر میں تائے وحدت نہ لگی ہو لہٰذا اَعْجَبَنِی ضَرْبَتُكَ زَیْدًا درست نہیں (۳) مصدر قبل العمل متبوع یعنی موصوف نہ بنا ہو۔ لہٰذا اَعْجَبَنِی ضَرْبُكَ الشَّدِیْدُ زَیْدًا صحیح نہیں کیونکہ اس مثال میں ضربك کو اپنے معمول زیدًا میں عمل سے پیشتر موصوف اور الشدید کو صفت بنا دیا گیا ہے ضربك کو موصوف بنانیوالا چونکہ الشدید ہے جو زید سے مقدم ہے۔ لہٰذا اگر الشدید کو مؤخر اور زیدًا کو مقدم کر دیا جائے تو جائز ہے (۴) کوئی بھی فعل اَنْ یا مَا کے ساتھ مصدر کی جگہ میں رکھا جا سکتا ہو اسکی تشریح ابھی اوپر گذری (۵) مصدر اسم ضمیر نہ ہو لہٰذا ضربی زیدًا حسنٌ و ھو عمروٌ اقبحُ جائز نہیں کیونکہ ھو ضمیر سے مراد ضربی ہے تقدیر عبارت ہے ضربی زیدًا حسنٌ وضربی عمروًا قبیح۔ مگر کوفی مصدر کو ضمیر ہونیکے باوجود عامل مانتے ہیں (۶) محذوف نہ ہو اسی وجہ سے بعض نحویوں نے بِسْمِ اللهِ کی تقدیر ابتدائی بِسْمِ اللهِ ثابتٌ کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ بِسْمِ اللهِ معمول ہے۔ اور ابتدائی اسکا عامل ہے۔ اور عامل اپنی خبر۔ ثابتٌ۔ سمیت حذف ہے اور اسی بنا پر مالك و زیدًا کی تقدیر۔ مالك وملابستك زیدًا۔ کو ناجائز کہا ہے۔ (۷) مصدر اپنے معمول سے مفصول نہ ہو یہی وجہ ہے کہ بعض نحویوں نے اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ یَوْمَ تُبْلَی السَّرَائِرُ میں یَوْمَ پر نصب رَجْعِه مصدر کی وجہ سے نہیں مانا کیونکہ درمیان میں انّ کی خبر لَقَادِرٌ حائل ہے بلکہ یَوْمَ سے پہلے ایک فعل یرجعه محذوف ہے اسکی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ (۸) مصدر معمول سے مؤخر نہ ہو اسی وجہ سے اَعْجَبَنِی زَیْدًا ضربك جائز نہیں۔

وانما کان عَمَلُ المنوّنِ اقیس لانّهٗ یشبه الفعل بکونه نکرة۔

وانما کان اِعْمَالُ المضاف للفاعلِ اکثرَ لانّ نسبةَ الحدثِ لمن اَوْجَدَهٗ اظهرُ مِنْ نسبتِهٖ لمن اوقع علیه، ولانّ الّذی یظهر حینئذٍ انما هو عَمَلُهٗ فی الفَضْلَةِ ونظیرهٗ انّ «لات» لما کانت ضعیفة عن العَمَلِ لم یظهر واعملها غالبًا الّا فی منصوبها۔ وانما کانَ اِعمالُ المضاف للمفعول الّذی ذکر فاعلهٗ ضعیفًا لانّ الّذی یظهر حینئذٍ انما هو عملهٗ فی العُمْدَةِ، ولقد غلا بعضهم فزعم فی المضاف للمفعول ثم یذکر فاعلهٗ بعد ذلك انّهٗ مختصٌّ بالشعر کقول الشاعر:

۲۰۰۔ أَفْنَى تِلَادِي وَمَا جَمَّعْتُ مِنْ نَشَبٍ قَرْعُ الْقَوَاقِيزِ أَفْوَاهُ الْأَبَارِيقِ

فِيمَنْ رَوَى "الأفواهُ" بِالرَّفْعِ، ويردّ عَلَى هٰذَا القائلِ انّه روى ايضًا بالنصب فلاضرورة في البيتِ، وقول النّبيِّ صَلَّى اللّٰه عليهِ وسلم: "وحجّ البيتِ من استطاع اليه سبيلًا"۔

اور منون مصدر کا عمل قیاس کے زیادہ موافق ہے کیونکہ منون مصدر، نکرہ ہونیکی وجہ سے فعل کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور مصدر مضاف الی الفاعل کا عمل دینا اکثری استعمال ہے اسلئے کہ حدث کی نسبت اس شخص کی طرف جس نے اس کو ایجاد کیا ہے۔ اسکی بنسبت زیادہ ظاہر ہے جس پر وہ واقع ہوا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اس صورت میں جو چیز ظاہر ہوگی وہ اس کا فضلہ میں عمل ہے اور اس کی نظیر یہ ھیکہ۔ (د ت۔ جب عمل میں کمزور ہے تو نحویوں نے اس کے عمل کو عموماً ظاہر نہیں کیا۔ مگر صرف اس کے منصوب میں۔

اور اس مصدر مضاف الی المفعول کا عمل جس کا فاعل ذکر کیا گیا ہو ضعیف ہے کیونکہ اس وقت جو چیز ظاہر ہوگی وہ ہے عمدہ میں اسکا عمل کرنا اور بعض لوگوں نے غلو کیا ہے چنانچہ انہوں نے اس مصدر مضاف الی المفعول کے بارے میں کہا ہے جسکا فاعل بعد میں مذکور ہو کہ یہ شعر کیساتھ خاص ہے۔ (حالانکہ یہ غلط ہے) جیسے شاعر کا قول افنی تلادی[1] الخ اس شخص کی روایت میں جس نے افواہ کو رفع کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس قائل کی تردید کرتی ہے یہ بات کہ یہ نصب کے ساتھ بھی مروی ہے۔ لہٰذا کوئی ضرورت شعری نہیں ہے اور (تردید کرتی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وحج البیت الخ (کہ اسمیں بھی مصدر مضاف الی المفعول ہے اور اسکا فاعل آگے مذکور ہے)۔

---

[1] التلاد قدیم مال۔ النشب پائیدار مال جیسے مکانات، جائداد۔ قواقیز قاقوزۃ کی جمع ہے، پیالہ۔ اباریق ابریق کی جمع ہے، لوٹا، کیتلی۔ لوٹوں کے دہانوں کے پیالوں کو کھٹکھٹانے (یعنی لوٹوں کے منہ سے پیالہ میں شراب انڈیل کر پینے نے) میرا قدیم مال اور میری جمع کردہ جائیداد کو برباد کر دیا۔ (یہ شعر اقیشر اسدی کا ہے۔ محل استشہاد: قرع القواقیز افواہ ہے کہ اسمیں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ اور فاعل "افواہ" آگے بعد میں مذکور ہے۔ یہ شعر ان لوگوں نے اپنے استدلال میں پیش کیا تھا جو صرف اشعار میں اضافت الی المفعول کے ضرورۃً قائل ہیں۔ علی الاطلاق جواز کے قائل نہیں۔ مگر مصنف علام نے دو طرح ان لوگوں کی تردید کی ہے۔ (۱) استدلال "افواہ" پر رفع پڑھنے کی صورت میں ممکن ہے لیکن اگر افواہ پر نصب پڑھا جائے جیسا کہ بعض لوگ روایت کرتے ہیں تو استدلال باطل ہو جائے گا۔ (۲) اضافت الی المفعول کی مثال تو افصح العرب حضور ؐ کی حدیث میں ملتی ہے جو بخاری جیسی ؒ پر درج ہے حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً اس حدیث میں حج مصدر ہے اسکی اسناد البیت کی طرف ہو رہی ہے جس کا مفعول ہونا اور من استطاع کا فاعل ہونا متعین ہے۔ اس کا کیا جواب دیں گے۔

تشریح عمل کرنے والا مصدر تین طرح استعمال ہوتا ہے۔ (۱) منوّن جیسے اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَتِیْمًا۔ اِطْعَام مصدر منون ہے۔ اور یتیمًا اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ استعمال کا یہ طریقہ موافق قیاس ہے۔ کیونکہ مصدر نکرہ ہونے کی وجہ سے فعل کے مشابہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فعل نکرہ موصوف کی صفت بن جاتا ہے۔ باری تعالیٰ کے ارشاد اَوْ اِطْعَامٌ الخ کی تقدیر ہوگی اَوْ اَنْ یُّطْعِمَ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَتِیْمًا۔ (۲) مضاف ہوکر پھر اس کی دو صورتیں ہیں (الف) مضاف الی الفاعل۔ اس صورت میں اگر مصدر متعدی ہوگا تو مفعول کو نصب دیگا۔ اور فاعل کو لفظاً مجرور بنائیگا۔ اور محلاً مرفوع جیسے مُصَاحَبَةُ المرءِ العقلاءَ الزَّہْرُ وَ اَکْلِہِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ میں مصاحبة مصدر ہے۔ المرء فاعل ہے اور اَلْعُقَلاءَ مفعول ہے منصوب ہے اسی صورت کے بارے میں مصنف نے کہا ہے کہ یہ استعمال اکثری ہے۔ اسکی دو وجہیں ذکر کی ہیں۔ (۱) اس صورت میں مصدر کی اضافت فاعل کی جانب ہوتی ہے اور فاعل کی جانب نسبت مفعول کی جانب نسبت سے بہتر ہے (۲) لفظی عمل عمدہ یعنی فاعل میں نہیں ہوگا صرف فضلہ یعنی مفعول میں ہوگا اور اسکی نظیر کلام عرب میں پائی جاتی ہے جیسے (کلات) کہ اس کا عمل صرف ایک معمول یعنی اسکی خبر میں ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ منصوب ہوتی ہے لہٰذا مصدر کا عمل فاعل کے بجائے مفعول میں زیادہ بہتر ہے (ب) مضاف الی المفعول اس صورت میں مفعول لفظاً مجرور ہوگا۔ محلاً منصوب اور اگر فاعل آئیگا تو لفظاً مرفوع ہوگا جیسے صیانة الحواس الشاب ودیعة تنفعه فی شیخوخته میں الحواس لفظاً مجرور ہے اور الشاب فاعل مرفوع ہے

(نوٹ) عموماً اضافت الی الفاعل میں مفعول کو یا فاعل مفعول دونوں کو حذف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اضافت الی المفعول میں فاعل کو یا دونوں کو حذف کر دیتے ہیں۔ الا یہ کہ مقام دونوں کے ذکر کا تقاضا کرے۔ لیکن یاد رہے کہ اضافت الی المفعول ہو اور فاعل اسکا مذکور ہو تو اس صورت کو مصنف نے ضعیف بتلایا ہے۔ (۳) معرف باللام جسکی مثال مصنف نے خود پیش کی ہے۔ مزید ایک مثال یہ شعر ہے عجبت من الرزق المسیئ الٰهه ، ومن ترك بعض الصّالحین فقیرًا۔ خدا کے غلط کار کو روزی دینے اور بعض نیکوں کو فقیر بنا دینے سے مجھے تعجب ہوا۔ اس مثال میں الرزق مصدر معرف باللام ہے جو مضاف الی المفعول ہے۔ اور الٰهه اسکا فاعل مذکور ہے۔ اس صورت کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ بلکہ قطر الندیٰ میں کہا ہے وَاِعْمَالُهٗ شَاذٌ قِیَاسًا وَّ اسْتِعْمَالًا۔ (انتہی)

فان قلتَ: فهلا استدللت علیه بالاٰیةِ الکریمةِ، اٰیةِ الحج،

قلتُ: الصّواب انها لیست من ذلك فی شیئٍ، بل الموصُول فی موضع جر بدل بعض من (الناس) اَوْ فی موضع رفع بالابتداءِ علیٰ ان (مَنْ) موصُولة ضمنت معنی الشرطِ، اَوْ شرطیة، وحذف الخبر اَو الجواب، ای من استطاع فلیحج،

ویؤید الابتداء (وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ) وَاَمَّا الحَمْلُ على الفاعِلِيَّةِ فمفسد للمعنى، اذ التقدير إذْ ذاك: وللّٰهِ على النَّاسِ ان يحجَّ المستطيع، فعلى هٰذا اذا لم يحجَّ المستطيع يَأْثَمُ النَّاسُ كلهم۔

وَلو أُضِيفَ للمفعول ثم لم يذكر الفاعل لم يمتنع ذالك فى الكلام عند أحد، نحو: «لَا يَسْأَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ) اى مِنْ دُعائِه الخير۔

ومثال إعمال ذى الألف واللام قول الشاعر يصف شخصًا بضعف الرَّأى والجبن: ۲۰۱۔ ضَعِيفُ النِّكَايَةِ اَعْدَاءَهُ يَخَالُ الفِرَارَ يُرَاخِي الأَجَلْ

اعتراض: آپنے اس (تردید) پر آیتِ کریمہ یعنی آیتِ حج سے کیوں استدلال نہیں کیا؟

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ آیتِ کریمہ اس (مسئلہ) سے بالکل متعلق نہیں ہے بلکہ اسم موصول (مَنْ) محلِ جر میں ہے کیونکہ الناس سے بدل بعض ہے۔ یا مبتدا ہونے کی بنا پر محلِ رفع میں ہے اس طور پر کہ مَنْ موصولہ ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے۔ یا (مَنْ) شرطیہ ہے اور (مَنْ مبتداء کی) خبر کو یا (شرط کے) جواب کو حذف کر دیا گیا ہے۔ تقدیر عبارت ہے مَن استطاع فليحج۔ اور مبتدا ہونے کی تائید وَمَنْ كَفَرَ الخ کرتا ہے۔ اور رہا فاعلیت پر محمول کرنا تو یہ معنی کو فاسد کرنے والا ہے۔ اسلئے کہ اس وقت تقدیرِ عبارت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ ان يحجّ المستطيع ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں جب مستطیع حج نہیں کریگا تو تمام لوگ گنہگار ہونگے۔ اور اگر مصدر کو مفعول کی جانب مضاف کر دیا جائے پھر فاعل کو نہ ذکر کیا جائے تو یہ کلام میں کسی کے نزدیک ناجائز نہیں ہے۔ جیسے لَا يَسْأَمُ الْاِنْسَانُ الخ[1] اصل ہے مِنْ دُعَائِهِ الْخَيْرَ۔ اور معرف باللام مصدر کے عمل دینے کی مثال شاعر کا قول ہے جو ایک شخص کی ضعف رائے اور بزدلی کا وصف بیان کر رہا ہے۔ ضَعِيفُ[2] النِّكَايَةِ الخ۔

---

[1] انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا۔ (پ ۲۵ ع ۱۴)

[2] نَكى (ض) نكاية دشمن پر غالب آنا۔ دشمنوں پر کمزور دبدبہ والا ہے۔ فرار کو خیال کرتا ہے کہ وہ موت کو ہٹا دے گا۔ اس میں شاہد النكاية اعداءَهُ ہے کہ مصدر معرف باللام نے اپنے مفعول بہ اَعْدَاءَهُ کو نصب دیا ہے۔

نوٹ:۔ مصدر معرف باللام کو عمل دینا سیبویہ اور خلیل کا مذہب ہے جنکی مصنف نے تقلید کی ہے۔ ورنہ ابو العباس مبرد اس کو عامل ہی نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مصدر معرف باللام کے بعد مذکور منصوب کا ناصب مصدر غیر معرف ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اس کی اصل ضعيف النكايةِ نكايةً اعداءَهُ ہوگی۔

تشریح

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا کو مصا
مضاف الی المفعول کی مثال بنایا جائے اور مَنِ اسْتَطَاعَ اس مصدر کا فاعل مانا جائے
تو آیت کے معنی فاسد ہو جائیں گے۔ اسوقت ترجمہ ہوگا۔ اللہ کیلئے مستطیع پر بیت اللہ کا قصد کرنا لوگوں پر فرض
ہے۔ اب اگر کوئی مستطیع حج کرلیتا ہے تو فبہا ورنہ تمام لوگوں کے ذمہ حج باقی رہ جانے کے باعث گنہگار
یہ معنی فاسد ہیں۔ کیونکہ اس ترکیب کے مطابق مستطیع وغیر مستطیع سب کا گنہگار ہونا لازم آدت کے
خرابی سے بچنے کیلئے مصنف نے مثال میں آیت کے بجائے حدیث کو پیش کیا ہے۔ لہٰذا اگر اشارہ کیا ہے کہ
مضاف الی المفعول مانا جائے اور مَنِ اسْتَطَاعَ کو فاعل نہ بنایا جائے تو کسی کو مضارع کے صیغہ
جیسے لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ الخ میں دُعاء مصدر ہے اسکی اضافت مفعول کی طرف ہے موم اور ما قبل آخر کسرہ
عبارت ہے من دُعائه الخير۔ دوسری تراکیب جو مصنف نے ذکر کی ہو موصول داخل ہو جو الٰی سے خالی
ہوکر خبر مقدم۔ اور علٰی حرف جار۔ النّاس مُبدل منہ۔ اور مَنِ ا[illegible] کرتا ہے۔ خواہ ماضی ہو یا حاضر
مگر مجرور مجرور پہلے ہی والے کائن سے متعلق اور حجُّ الْبیت یا غد[illegible]۔ امرؤ القیس نے کہا
(۲) لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ایک الگ جملہ ہے ماضی ہونے کے باوجود عمل کیا ہے کیوں کہ وہ
ہے۔ مَنْ موصولہ اِسْتَطَاعَ اسکا صلہ ع[illegible] ادلے [illegible] ہا ہے۔ اور اس شعر میں اسم فاعل
جملہ مبتدا معنی شرط کو متضمن ہے۔ اسلئے
بعد والے جملہ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ [illegible]:

(۳) مَنْ شرطیہ۔ اِسْتَطَاعَ أو الاستقبال، لا للماضي، خلافاً للكسائي وهشام
له تعالى: (وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ)، و

ثم قلتُ: الثانی
الحدوث [illegible] دالًا على واحد من اربعة، وهي: (۱) الاول: النفي كقوله:

إِلَّا عَمِلَ [illegible] ذِمَّةَ نَائِلٍ ... بَلْ مَنْ وَفَى يَجِدُ الخليلَ خليلًا

تقدیرہ [illegible]
اصل شرافت النائل بخشش عطیہ۔ یہ شعر امرؤ القیس کا ہے۔
واقول [illegible] قتل کروں گا) جو بہادر شہنشاہ (یعنی میرے باپ) کو قتل کرنے والے ہیں۔ جو بنی اسد میں
اعتبار سے بہت اچھا آدمی تھا۔ اس میں استشہاد: القاتلین الملک سے ہے کہ
وقولی [illegible] عل نے الملک کو نصب دیا ہے۔ اسکے ماضی المعنی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ الملک الحلاحل
الحلاحل [illegible] اور ظاہر ہے کہ اس شعر کے کہنے کے وقت باپ قتل ہوچکا تھا۔

الفعلِ لِمَنْ وقع عَليهِ، ولاسماءِ الزمَانِ والمكانِ المأخوذةِ من الفعلِ، فإنّها انما اشتقت لِمَا وقع فيها، لا لِمَنْ قامت بهِ، وذلك نحو المضرب، بكسر الراء، اسمًا لِزمانِ الضرب اَوْ مكانه۔

دوسرا اسم فاعل ہے جو حدوث کے طور پر کسی فعل سے ایک ایسی ذات کیلئے مشتق ہو جس کیساتھ جیسے ضَارِبٌ، مُكْرِمٌ اگر اسکو مصغر بنادیا جائے یا اسکی صفت ذکر کردی جائے تو عمل نہیں اگر مصغر یا صفت نہیں بنایا گیا ہے) تو اگر وہ ال کا صلہ (مدخول) ہو تو ہر صورت میں ومثال کا صلہ نہیں ہے) تو وہ اس شرط کیساتھ عمل کریگا کہ بمعنی حال یا استقبال ہو اور نفی والجبن، مبتدأ اور نواسخ کے اسم یا موصوف پر اعتماد کئے ہوئے ہو اگرچہ تقدیرًا۔

اعتراض: آپنے اس (فعل) میں (بحذف مضاف) مجاز ہے اسکو ہونا چاہئے مَا اشْتُقَ

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ آپ مصدر سے مشتق ہوتا ہے نہ کہ فعل سے) اور میرا قول۔ لِمَنْ قَامَ جر میں ہے (کیونکہ بالناس سے بدل کیونکہ اسکو حدث کے زمانہ کی تعیین کیلئے مشتق کیا گیا ہے نہ کر موصول ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے۔ یا (مرہے۔ اور اسم مفعول کو (نکال رہا ہے) کیونکہ اسکو اس حذف کر دیا گیا ہے۔ تقدیر عبارت ہے من استط واقع ہوا ہے اور فعل سے ماخوذ اسمار زمان لانے) کیلئے مشتق کیا گیا ہے جسمیں وہ فعل اور رہا فاعلیت پر محمول کرنا تو یہ معنی کو فاسد کرنے والا ام ہے۔

النّاسِ ان يحج المستطيع ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں لاسم التفضيل، كظريف اور اگر مصدر کو مفعول کی جانب مضاف کر دیا جائے پھر فاعل ان معنى الثبوتِ، لا على ناجائز نہیں ہے۔ جیسے لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ الخ اصل ہے مِنْ[1] کے عمل دینے کی مثال شاعر کا قول ہے جو ایک شخص کی ضعف را۔ ثلاثی جاء على ضَعِيفُ النِّكَايَةِ[2] الخ۔

لیل حــــرف

---

[1] انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا۔ (پ ۲۵ ع ۱۴)

[2] نَكَى (ض) نكاية دشمن پر غالب آنا۔ دشمنوں پر کمزور دبدبا۔ فالمقرون بها موت کو ہٹادے گا۔ اس میں شاہد النكاية اعداءہ ہے کہ مصدر معرف نصب دیا ہے۔ قبلاً۔

نوٹ:۔ مصدر معرف باللام کو عمل دینا سیبویہ اور خلیل کا مذہب ہے جنکی مبرد اس کو عامل ہی نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مصدر معرف باللام کے بعد غیر معرف ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اس کی اصل ضعیف النکایۃ نکاۃ لا بلقیس:

فاعمل ، القاتلین ، مع کونہ بمعنی الماضی ، لانہٗ یرید بالملک الحلاحل اباہ ، و فیہ دلیل ایضاً علی اِعمالِہٖ مجموعاً۔

اور میرا قول علی الحدوث صفت مشبہ اور اسم تفضیل کو نکال رہا ہے جیسے ظریف اور افضل اسلئے کہ ان دونوں کو لِمَنْ قَامَ بِہِ الْفِعْل (ذات مع الوصف) کیلئے مشتق کیا گیا ہے لیکن ثبوت کے طور پر نہ کہ حدوث کے طور پر اور میں نے ضارِبٌ اور مُکرِمٌ دو مثالیں دیکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر وہ ثلاثی فعل سے ہوگا تو فَاعِلٌ کے وزن پر آئیگا اور اگر اسکے علاوہ سے ہوگا تو مضارع کے صیغہ پر آئیگا حرف مضارع کو ہر صورت میں (خواہ رباعی مجرد ہو یا ثلاثی مزید) میم مضموم اور ما قبل آخر کسرہ سے بدلنے کی شرط کے ساتھ پھر اسم فاعل کی (دو) قسمیں نکلتی ہیں جس پر ال موصولہ داخل ہو جو ال سے خالی[1] پھر جس پر ال داخل ہو وہ ہر حال میں اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے۔ خواہ ماضی ہو یا حاضر یا مستقبل تم کہتے ہو ھٰذَا الضَّارِبُ زَیْدًا اَمْسِ یا الآن یا غدًا۔ امرؤ القیس نے کہا ہے القاتلین الخ[1] چنانچہ القاتلین نے بمعنی ماضی ہونے کے باوجود عمل کیا ہے کیوں کہ وہ المَلِکَ الحُلَاحِل سے اپنے باپ کو مراد لے رہا ہے۔ اور اس شعر میں اسم فاعل جمع کے عمل کرنے پر دلیل ہے۔

والمجردُ عنہا اِنما یعمل بشرطین :

اَحَدُھُمَا : ان یکون للحالِ اَو الاستقبال ، لا للماضی ، خلافاً للکسائی وھشام وابن مضاء ، استدلوا بقولہ تعالیٰ : (وَکَلْبُہُم بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ) ، و تأولہا غیرھما۔

الثانی : ان یکون معتمدًا علی واحد من اربعۃ ، وھی : (۱) الاول : النفی کقولہ :

۲۰۳۔ مَادَاعِ الخِلّانُ ذِمَّۃَ نَاکِثٍ   بَلْ مَنْ وَفٰی یَجِدُ الخَلِیلَ خَلِیلًا

---

[1] الحُلَاحِل بہادر۔ الحسب اصلی شرافت النائل بخشش عطیہ۔ یہ شعر امرؤ القیس کا ہے۔
(میں قبیلہ مالک اور کاہل کو ضرور قتل کروں گا) جو بہادر شہنشاہ (یعنی میرے باپ) کو قتل کرنے والے ہیں۔ جو بہترین شرافت نسبی اور سخاوت کے اعتبار سے بہت اچھا آدمی تھا۔ اس میں استشہاد : القاتلین الملک سے ہے کہ ماضی المعنی معرف باللام اسم فاعل نے الملک کو نصب دیا ہے۔ اسکے ماضی المعنی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ الملک الحلاحل سے امرؤ القیس کا باپ مراد ہے اور ظاہر ہے کہ اس شعر کے کہنے کے وقت باپ قتل ہو چکا تھا۔

(۲) الثانی : الاستفهام ، كقوله :

۲۰٤۔ أَنَا وِ رِجَالُكَ قَتْلَ امْرِئٍ
مِنَ العِزِّ فِي حُبِّكَ اعْتَاضَ ذُلًّا ؟

(۳) الثالث : اسمٌ مُخْبَرٌ عنه باسم الفاعلِ ، كقوله تعالیٰ : (إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ)

(۴) الرابع : اسمٌ موصوف باسم الفاعلِ ، كقولك : « مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضاربٍ زيدًا »

وقولی : « ولو تقديرًا » اشارة إلى مثل قوله :

۲۰۵۔ كَنَاطِحٍ صخرةً يومًا لِيُوهِنَهَا فَلَمْ يَضِرْهَا ، وَأَوْهَى قَرْنَهُ الوَعِلُ

وقوله :

۲۰۶۔ لَيْتَ شِعْرِي مُقِيمٌ العُذْرَ قَوْمِي
لِي أَمْ هُمْ فِي الحُبِّ لِي عَاذِلُونَا ؟

وقولك « ضاربًا عمرًا » جوابًا لِمَنْ قالَ : كيف رأيت زيدًا ؟ ألا ترى أنّ هٰذه عملت لاعتمادها على مقدّر ، اذ الاصل : كَوَعِلٍ ناطحٍ ، وليتَ شعري أَمُقِيمٌ ، ورأيتهُ ضاربًا ۔

اور جو ال سے خالی ہو وہ دو شرطوں کے ساتھ عمل کرتا ہے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ (بمعنی) حال یا استقبال ہو (بمعنی) ماضی نہ ہو بخلاف کسائی ، ہشام اور ابن مضاء کے انہوں نے باری تعالیٰ کے ارشاد وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ سے استدلال کیا ہے اور دیگر حضرات نے اس آیت کی تاویل کی ہے ۔

لہ اس حال میں کہ ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے ۔ (پ۱۵ ع ۱۴)

لہ کسائی ، ہشام اور ابن مضاء نے کہا کہ اسم فاعل اگر بمعنی ماضی ہو تب بھی عمل کریگا ۔ استدلال میں آیت کریمہ کو پیش کیا تھا کہ باسط اسم فاعل بمعنی ماضی ہونے کے باوجود ذِرَاعَيْهِ کو اپنا مفعول بنا کر نصب دے رہا ہے ۔ جمہور نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں اسم فاعل بمعنی ماضی نہیں ۔ بلکہ بمعنی حکایت حالِ ماضیہ ہے ۔ یعنی سابقہ واقعہ کو اس انداز سے ذکر کیا جارہا ہے گویا واقعہ ابھی حال ہی میں رونما ہوا ہے ۔ حکایت حال ماضیہ ہونے کی دلیل وَكَلْبُهُمْ میں واوِ حالیہ کا استعمال ہے ۔ دوسرے نقلبہم فعل مضارع لایا گیا ۔ جو حال پر دلالت کر رہا ہے ۔ اگر حکایت حال ماضیہ مقصود نہ ہوتی تو قلبناهم ماضی کا صیغہ لانا چاہیئے تھا ۔

قولہ تأولها غیرهما : مقام کا تقاضا تھا کہ ضمیر مجرور کو تثنیہ کے بجائے جمع لاتے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جاتی ۔ کیونکہ مرجع کسائی ، ہشام اور ابن مضاء ہیں ۔ مگر مصنف علام سے یا ابن مضاء نظر انداز ہو گئے یا بالقصد نظر انداز کر دیا کیونکہ بعض کتابوں میں اختلاف کرنے والوں میں ابن مضاء کا نام نہیں ۔ بلکہ ابن جنی کا نام ہے ۔

دوسری شرط یہ ہیکہ چار امور میں سے کسی ایک پر اسکا اعتماد ہو ان میں سے پہلا امر نفی ہے جیسے شاعر کا قول ہے مَا رَاعٍ[1]۔ دوسرا امر استفہام ہے جیسے شاعر کا قول ہے أَنَاوٍ رِجَالُكَ[2] الخ اور تیسرا امر کوئی ایسا اسم ہو جسکی خبر اسم فاعل بن رہا ہو جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ[3] الخ چوتھا امر کوئی ایسا اسم ہو جسکی صفت اسم فاعل ہو جیسے تمہارا قول مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ زَیْدًا اور میرے قول وَلَوْ تَقْدِیْرًا سے شاعر کے قول کَنَاطِحٍ[4] الخ اور دوسرے شاعر کے قول لَیْتَ شِعْرِیْ[5] جیسے کی طرف اشارہ ہے۔ اور تمہارے قول ضَارِبًا عَمْرًا (کی طرف) جو اس شخص کا جواب ہو جس نے کہا کیف رأیت زیدًا کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ ان اسماء نے مقدر پر اعتماد کرنیکی بناء پر عمل کیا ہے کیونکہ اصل ، کَوَعِلٍ ناطحٍ ، اور لَیْتَ شِعْرِیْ أَمُقِیْمٌ ہے اور رأیتہ[6] ضاربًا ہے۔

---

[1] خِلَّانٌ خَلِیْلٌ جمع ہے وفادار دوست۔ نَاکِثٌ باب نَصَرَ سے اسم فاعل، توڑنے والا۔
وفادار دوست عہد شکنی والے کے وعدہ کی حفاظت نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ وفاداری کرنیوالا دوست کو ہر موقع پر دوست ہی پائیگا۔ اس میں شاہد: مَارَاعِ الخلّان ذمّۃ ناکثٍ ، ہے کہ اسم فاعل ، راع ، الخلّان کو رفع اور مفعول ، ذمّۃ ، کو نصب دے رہا ہے۔ اور اس سے پہلے نفی ہے۔

[2] کیا تمہارے آدمی ایسے آدمی کے قتل کا ارادہ کرنے والے ہیں جس نے تمہاری محبت میں عزت کے بدلہ ذلت لی ہے۔
محل استشہاد: أَنَاوٍ رِجَالُكَ قتل ہے کہ اسم فاعل (جس سے پہلے استفہام ہے) نے فاعل رجالک کو رفع اور قتل امرئ کو نصب دیا ہے۔ [3] بیشک اللہ تعالیٰ اپنے کام (کی انتہاء) کو پہنچنے والا ہے۔ (پ ۲۸ ع ۱۷)۔
اِنَّ بالغ اسم فاعل ، اللّٰہ ، کی خبر ہے۔ [4] أَوْھیٰ اِیْھَاءً کمزور کرنا۔ الوعل پہاڑی کا بکرہ۔ یضر (ض) ضرًا نقصان پہنچانا۔ ابو بصیر اعشیٰ میمون بن قیس کا شعر ہے۔ (وہ آدمی) دن میں کسی چٹان سے سینگ لڑانے والے (بکرے) کی طرح ہے۔ تاکہ اس کو کمزور کر دے (اور اسکے ٹکڑے کر دے) مگر اس چٹان پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ اور بکرے نے اپنا سینگ کمزور کیا۔ محل استشہاد: کناطحٍ صخرۃً ہے کہ اسم فاعل ناطح کا موصوف جس پر اسکا اعتماد ہے وہ یہاں پر لفظًا مذکور نہیں۔ بلکہ تقدیرًا ہے۔ اصل عبارت ہے کَوَعِلٍ ناطحٍ صخرۃً اگر اس کو مقدر نہ مانا جائے تو شرط کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اسم فاعل عمل نہیں کر سکتا تھا۔ ناطح کا فاعل اسمیں پوشیدہ ضمیر ہے۔ صخرۃ اس کا مفعول۔ اور یومًا اس کا ظرف ہے۔ اس مثال میں اسم فاعل کا موصوف محذوف ہے ،

[5] شعری بمعنی علمی ہے۔ لیتَ کا اسم ہے۔ اور خبر، حاصل محذوف ہے۔ عَاذِلُوْن ملامت کرنیوالے۔
کاش کہ مجھے معلوم ہو جاتا کہ میری قوم عذر کو میرے لئے ثابت کرنیوالی ہے یا محبت کے سلسلہ میں مجھے ملامت کرنے والی ہے اسمیں شاہد مقیم العذر قومی ہے کہ اسم فاعل نے فعل جیسا عمل کیا ہے کہ فاعل قومی کو رفع تقدیری اور العذر کو نصب دیا ہے۔ اور اسم فاعل سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ہے۔ اگر مقدر نہ مانا جائے تو اسم فاعل کے عمل کی شرط فوت ہو جانیکی وجہ سے عمل متعذر ہو جائیگا۔ اور مقدر ہونیکی ایک دلیل یہ ہے کہ لیت شعری کے بعد استفہام آتا ہے۔ دوسری یہ کہ اگلے مصرعہ میں اَمْ معادلہ ہے جو اپنے پہلے ہمزہ استفہام لفظی ورنہ تقدیری کا تقاضا کرتا ہے۔

[6] ضاربًا عمرًا اس اسم فاعل کی مثال ہے جس کا مخبر عنہ مقدر ہے۔ کیونکہ اسکے جواب میں واقع ہونیکی وجہ سے اسکی اصل رأیتہ ضاربًا عمرًا ہے۔ اور رأیتہ کی ضمیر مفعول مخبر عنہ ہے۔ اسلئے یہ رأیت فعل قلب کا مفعول ہے۔ اور فعل قلب کے دونوں مفعول اصل میں حکمًا مخبر عنہ اور خبر یا مبتدا اور خبر ہوتے ہیں۔

ثم قلتُ: الثالثُ المِثالُ، وهو: مَا حُوِّلَ للمُبالغةِ مِنْ فاعِلٍ إِلىٰ فَعَّالٍ أَوْ مِفْعَالٍ أَوْ فَعُوْلٍ، بِكَثْرَةٍ، او فَعِيْلٍ أَوْ فَعِلٍ، بِقِلَّةٍ،

وَأَقُوْلُ: الثالث من الاسماء العاملة عمل الفعلِ: امثلةُ المبالغةِ، وهي عبارة عن الاوزانِ الخمسةِ المذكورة، محوّلة عن صيغة فاعلٍ، لقصد إفادةِ المُبالغةِ والتكثير۔

وحُكمها حكم اسم الفاعلِ، فتنقسم الى مايقع صلة لأل فتعمل مطلقًا، والى مجرَّدٍ عنها فتعمل بالشرطين المذكورين۔

ومِثَالُ إعمَال فعّال قولهم "أمَّا العَسَل فانا شَرَّابٌ"، وقول الشاعر:

۲۰۷۔ أخا الحربِ لبَاسًا اليها جِلالَهَا وليسَ بولّاجِ الخَوالِفِ أعْقَلا

ومِثَالُ إعمالِ مِفعَال قولهم "انّهُ لَمِنْحَارٌ بوائكها" اى سِمانها۔

ومِثَال إعمال فَعُوْل قَوْل أبي طالبٍ:

۲۰۸۔ ∴ ضروبٌ بِنَصْلِ السَّيْفِ سُوقَ سِمَانِها ∴

وإعمال هٰذه الثلاثة كثيرٌ، فلهٰذا اتفق عليه جميع البصريين۔

ومِثَال إعمالِ فَعِيْلٍ قولُ بعضهم "إنَّ اللهَ سميعٌ دُعَاءَ مَنْ دعاهُ"،

ومثال إعمَال فَعِل قولُ زيد الخيل رضى الله عنه:

۲۰۹۔ ∴ أتَاني انّهُمْ مَزِقُوْنَ عِرْضِي ∴

وَإعمَالُهما قليلٌ، فلهٰذا خالفَ سيبويه فيهما قومٌ من البصريين، ووافقه منهم آخرون، ووافقه بعضهم فى فَعِلٍ لانهٗ على وزنِ الفعلِ، وخالفهٗ فى فَعِيلٍ لانّهٗ على وزنِ الصّفةِ المشبهة كظريفٍ، وذلك لاينصب المفعولَ۔

وأمّا الكوفيّون فلايجيزون إعمال شىءٍ مِنَ الخمسةِ، ومتىٰ وجدوا شيئًا منها قد وقع بعدهٗ منصوبٌ أضمروا لهٗ فعلاً، وهو تعسف۔

م:۔ تیسرا (اسم) مثال ہے اور وہ وہ ہے جس کو مبالغہ کی خاطر فاعل (کے صیغہ) سے فَعَّال یا مِفْعَال یا فَعُوْل کی طرف بدل دیا گیا ہو (ان کا عمل) کثرت کے ساتھ ہے یا فَعِیْل یا فَعِل (کی طرف) بدلدیا گیا ہو (ان کا عمل) قلت کے ساتھ ہے۔

ش :- فعل جیسا عمل کرنیوالے اسماء میں سے تیسرا مبالغہ کی مثالیں ہیں مثالوں سے مراد وہ مذکورہ پانچ اوزان ہیں جنکو مبالغہ اور کثرت کے فائدہ دینے کے قصد سے فاعل کے صیغہ سے بدل[1] دیا گیا ہے۔ اور ان کا حکم اسم فاعل کا حکم ہے۔ اسی وجہ سے ان کی بھی (دو) قسمیں نکلتی ہیں جو ال کا صلہ واقع ہوں یہ بہر صورت عمل کرتے ہیں جو ال سے خالی ہوں یہ مذکورہ دو شرطوں کیساتھ عمل کرتے ہیں۔ اور فعّال کے عمل کی مثال عربوں کا قول اما العسل فانا شرابٌ، اور شاعر کا قول اخا الحرب[2] ہے اور مِفعَال کے عمل کی مثال عربوں کا قول انّہ لمنحار[3] بوائکھا ہے یعنی سمانہا۔ اور فَعُول کے عمل کی مثال ابو طالب کا قول ضروبٌ[4] الخ ہے۔ اور ان تینوں کا عمل دینا بکثرت ہے۔ اسی وجہ سے تمام بصریین کا اس پر اتفاق ہے۔ اور فعیل کے عمل کی مثال بعض کا قول ہے۔ اِنّ[5] اللہَ سمیعٌ الخ اور فَعِل کے عمل کی مثال زید الخیلؓ کا قول اَتَانِی[6] الخ ہے۔ اور ان دونوں کا عمل دینا قلیل ہے۔ اسی وجہ سے ان دونوں میں بصریین[7] میں سے کچھ لوگوں نے سیبویہ سے اختلاف کیا ہے۔ اور کچھ بصریوں نے سیبویہ کی موافقت کی ہے۔ اور بعض بصریوں نے سیبویہ کی فَعِل میں موافقت کی ہے۔ کیونکہ یہ فعل[8] کے وزن پر ہے۔

---

[1] مُبالغہ کے صیغے فعل ثلاثی مجرد کے مصدر سے بنائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے مصنف نے محول عن صفۃ کہا ہے مگر کبھی غیر ثلاثی مجرد سے بھی آتے ہیں جیسے نذیر انذار سے زھوق انزھق سے یہ مزید سے بنائے گئے ہیں کیونکہ ان کا ثلاثی مجرد نہیں آتا (منتہی الادب) [2] اخو الحرب جنگی، جنگ کا خوگر لباس بہت زیادہ پہننے والا اجلال جھول مراد زرہیں۔ ولاج بہت داخل ہونے والا۔ مبالغہ کا صیغہ ہے الخوالف خالفۃ کی جمع ہے۔ گھر کا ستون یا خیمہ کی لکڑی۔ مراد گھر یا خیمہ ہے۔ اَغقل وہ شخص ڈرے جس کے گھٹنے آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ قلاخ بن حزن بن جناب کا شعر ہے۔ جنگ کا خوگر ہے۔ اور سمین زرہیں پہن کر جانے والا ہے گھروں میں گھسنے والا (اور) ڈرپوک نہیں ہے۔ اس میں شاہد لباسًا الیہا جِلالہا، ہے کہ صیغہ مبالغہ لبّاس نے موصوف مذکور اخو الحرب پر اعتماد کرنے کی وجہ سے فعل جیسا عمل کیا ہے۔

[3] منحار مبالغہ کا صیغہ ہے۔ نحرَ (ف) نحرًا سے ذبح کرنا۔ بوائک بائکۃ کی جمع ہے پائیدار اور موٹا کھجور کا درخت سِمان سَمِین کی جمع ہے یعنی موٹا۔ وہ کھجور کے موٹے اور پائیدار درختوں کو کاٹنے والا ہے۔ دوسرا ترجمہ: موٹے موٹے اونٹوں کو بہت ذبح کرنیوالا ہے (یعنی مہمان نواز ہے)۔ ضروب بروزن فعول نے اپنے فعل جیسا عمل کیا ہے۔

[4] وہ موٹے اونٹوں کی پنڈلیوں کو تلوار کی دھار سے بہت زیادہ مارنیوالا (مہمان نواز) ہے۔

[5] اللہ بہت زیادہ سننے والا ہے اس شخص کی پکار کو جو اس کو پکارے۔

[6] مزقون مزق کی جمع ہے بہت زیادہ آبرو ریزی کرنے والا۔ میرے پاس یہ (اطلاع) آئی ہے کہ وہ میری بہت آبرو ریزی کرنیوالے ہیں۔ اسمیں مزق بروزن فعل نے فعل جیسا عمل کیا ہے۔ اس کا اگلا مصرعہ ہے جحاش الکرملین لھا فدید۔ کرملین نامی چشمہ کے گدھے ہیں جن کی یہ آواز ہے۔ یعنی اس اطلاع کی حیثیت میری نگاہ میں گدھوں کی آواز سے زیادہ نہیں ہے۔ [7] بلکہ سیبویہ نے بصریین سے اختلاف کیا ہے۔

[8] بعض افعال اس وزن پر آئے ہیں جیسے سمع، علم، فھم، فرح، فعل ماضی ہیں اور فَعِل کے وزن پر ہیں۔

اور فَعِیل میں مخالفت کی ہے۔ اسلئے کہ وہ صفتِ مشبہ کے وزن پر ہے جیسے ظریف اور یہ مفعول کو نصب نہیں دیتا ہے۔ اور بہرحال کوئی پانچوں میں سے کسی کو بھی عمل دینا جائز نہیں کہتے ہیں۔ اور جب بھی ان میں سے کسی کو پاتے ہیں کہ ان کے بعد کوئی منصوب واقع ہے تو اس کے لئے ایک فعل مقدر مانتے ہیں یہ (ان کی) زبردستی ہے (یعنی دھاندلی ہے اور امر غیر معقول ہے۔

ثُمَّ قلتُ: الرابع اِسْمُ المفعُوْلِ، وَهُوَ: مَا اشْتُقَّ من فِعْلٍ لِمَنْ وَقع عَليهِ كمضروبٍ وَمُكْرَمٍ۔

واقولُ: الرابعُ مِنَ الاسماءِ العَامِلَةِ عملَ الفعلِ: اسمُ المفعُولِ۔

وفی قولی فی حَدِّهٖ «مَا اشتقَّ مِنْ فِعْلٍ» منَ المجازِ مَا تقدَّم شرحُهٗ فی حدِّ اسم الفاعلِ۔ وَقولِی «لِمَنْ وَقعَ عَلَيْهِ» مُخْرِجٌ للافعَالِ الثلاثةِ، واسمِ الفاعلِ، ولاِسمَی الزمانِ والمكانِ، وقد تبين [شرح ذلك] مِمَّا تقدَّم۔

ومثّلت بمضروبٍ ومُكْرَمٍ لأنبه على ان صيغته من الثلاثی على زنة «مفعول» كمضروبٍ ومقتولٍ ومكسورٍ ومَأْسورٍ، ومن غيرِهٖ بلفظ مضارعه بشرط ميمٍ مضمومةٍ مكان حرف المضارعةِ [وفتح مَا قبلَ آخرهٖ] كمُخْرَجٍ ومُسْتَخْرَجٍ۔

ثُمَّ قلتُ: وشرطُهما كاسْمِ الفَاعِلِ۔

واقول: ای شرطُ إعمالِ المثالِ وإعمالِ اسمِ المفعولِ كشرطِ إعمالِ اسمِ الفاعلِ على التفصيلِ المتقدمِ فی الواقعِ صلةً لألْ والمجرّدِ منها، وقد مضى ذلك۔

م: چوتھا اسم مفعول ہے۔ وہ وہ ہے جو فعل سے اس شخص کیلئے مشتق ہو جس پر فعل واقع ہوا ہے جیسے مَضْرُوْب ومُکْرَم۔

ش: فعل جیسا عمل کرنے والے اسماء میں سے چوتھا اسم مفعول ہے۔ اور اسکی تعریف سے متعلق میرے قول میں (مذکور) مَا اشْتُقَّ مِنْ فِعْلٍ مجاز کی قبیل سے ہے۔ جس کی شرح اسم فاعل کی تعریف کے (ضمن) میں گذر چکی[1]۔ اور میرا قول "لِمَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ" تینوں افعال اسم فاعل اور اسم زمان ومکان کو خارج کر رہا ہے۔ اس کی وضاحت مَاقبل سے ہو چکی ہے۔

---

[1] یعنی اس میں بھی مجاز بالحذف ہے۔ اصل عبارت ہونی چاہئے مَا اشتق من مصدر فعلٍ۔ کیونکہ اسم مفعول مصدر سے مشتق ہوتا ہے۔

اور میں نے مضروب اور مُکرم کی مثال اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے دی ہے کہ اس کا صیغہ ثلاثی سے مَفعُول کے وزن پر ہوگا۔ جیسے مضروبٌ، مقتولٌ، مکسُور اور مَأسُور۔ اور ثلاثی کے علاوہ سے اسکے مضارع کے صیغہ پر ہوگا حرفِ مضارع کی جگہ میم مضموم اور ماقبلِ آخر کے فتحہ کی شرط کیساتھ جیسے مُخْرَج، مُسْتَخْرَج۔

م : اوران دونوں کی شرط اسم فاعل کی (شرط کی) طرح ہے۔

ش : یعنی مثال اور اسم مفعول کے عمل کرنے کی شرط اسم فاعل کے عمل کی شرط کی طرح ہے۔ اس تفصیل کے مطابق جو اس (اسم فاعل) کے ضمن میں گذر چکی۔ جو آل کا صلہ واقع ہو۔ اور آل سے مجرد ہو، اور یہ (بیان) گذر چکا ہے۔

ثمّ قلتُ: الخامِسُ الصِّفةُ المشبَّهة، وهِيَ: كلّ صِفَةٍ صحّ تحويلُ إسنادِها إلىٰ ضميرِ موصوفها، وتختصّ بالحالِ، وبالمَعمُولِ السَّببي المؤخرِ، وَترفعُهُ فاعِلًا أو بدلًا، أوْ تنصبهُ مشبَّهًا أوْ تمييزًا، أوْ تجرّه بالاضافةِ إلّا إنْ كانتْ بأل وَهُوَ عَارٍ منها۔

واقول: الخامسُ من الاسماءِ العاملةِ عَمَلَ الفِعلِ: الصِّفةُ المشبّهة، وَهِيَ عبارة عمّا ذكرت۔ وَمثال ذلك قولك «زيدٌ حَسَنٌ وجهَهُ» بالنصب أوْ بالجرّ، وَالاصل وجهُهُ بالرفع لانّهُ فاعِلٌ في المعنى، اذ الحسنُ في الحقيقةِ إنما هو للوجهِ۔ ولٰكنّك اردت المبالغة فحوّلتَ الاسناد إلى ضميرِ زيد، فجعلتَ زيدًا نفسهُ حَسَنًا، وأخّرتَ الوجهَ فضلةً ونصبته على التشبيه بالمفعول بهٖ لانّ العَامِل وهو «حَسَن» طالبٌ لهُ من حيث المعنى۔ لانهُ معمُوله الاصلي، ولايصح ان ترفعهُ على الفاعلية — والحالة هٰذهٖ — لاستيفائهٖ فاعله، وهو الضمير، فاشبه المفعول في قولك: زيدٌ ضاربٌ عمرًا، لانّ ضاربًا طالبٌ لهُ، ولايصح ان ترفعهُ على الفاعلية، فنُصِبَ لذلِك۔

م : پانچواں صفت مشبہ ہے۔ وہ ہر وہ صیغہ صفت ہے جس کی اسناد اسکے موصوف کے ضمیر کیطرف پھیرنا درست ہو۔ اور یہ حال کے ساتھ اور مؤخر معمول سببی کے ساتھ خاص ہے۔ اور آپ اس معمول کو فاعل یا بدل بنا کر رفع دیں گے۔ یا مشابہ مفعول یا تمیز بنا کر نصب یا اضافت کی وجہ سے جر دینگے۔

مگر یہ کہ صیغہ صفت معرف باللام ہو، اور (اسکا) معمول آل سے خالی ہو۔

ش: فعل جیسا عمل کرنے والے اسماء میں سے پانچویں صفت مشبہ ہے۔ اس کی تعریف وہی ہے جو میں نے ذکر کی۔ اس کی مثال تمہارا قول زیدٌ حَسَنٌ وجهًا ہے۔ (وجهه کے) نصب یا جر کے ساتھ۔ اور اصل وجهُهُ رفع کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ معنیً فاعل ہے۔ اس لئے حُسن درحقیقت چہرہ میں ہے۔ لیکن آپ نے مبالغہ کا ارادہ کیا، جسکی وجہ سے آپ نے اسناد زید کی (طرف لوٹنے والی) ضمیر کی طرف کر دی۔ پھر زید ہی کو حسن (حسین) قرار دیا۔ اور وجهه کو فضلہ بنا کر مؤخر کر دیا۔ اور مشابہ مفعول بہ قرار دیکر اس کو نصب دیدیا۔ کیونکہ عامل یعنی حسنٌ معنیٰ کے اعتبار سے اسی کا تقاضا کر رہا ہے۔ کیونکہ یہی اسکا اصلی معمول ہے۔ اور اس حالت کے ہوتے ہوئے فاعل بنا کر اس کو رفع دینا درست نہیں حسنٌ کے اپنے فاعل یعنی ضمیر مستتر کو حاصل کر لینے کی وجہ سے۔ لہٰذا وجهه تمہارے قول زیدٌ ضاربٌ عمرًوا میں واقع ہونے والے مفعول کے مشابہ (اور اسکی جگہ میں) ہوگیا۔ کیونکہ ضاربًا (عمرًوا کو) مفعول بنانے کا تقاضا کر رہا ہے۔ اور عمرًوا کو فاعل بنا کر رفع دینا درست نہیں (کیونکہ حسنٌ کی طرح ضاربٌ میں فاعل کی ضمیر آچکی ہے۔) اسی وجہ سے رفع کے بجائے نصب دیا گیا۔

فالصِّفة مشبّهة باسمِ الفاعلِ المتعدِّی لواحدٍ، ومنصوبُها یشبه مفعول اسم الفاعلِ وقد تقدمت الاشارة الی هٰذا التقدیر۔

ثمّ لك بعد ذلك ان تخفضه بالاضافة، وتکون الصّفة حینئذٍ مشبّهةً ایضًا لانّ الخفض ناشیٌٔ۔ علی الاصح۔ عن النصب، لاعن الرفع، لئلا یلزم اضافة الشیٔ الی نفسه، إذ الصّفة ابدًا عینُ مرفوعها وغیرُ منصوبها فافهمه۔

وتُفارِقُ هٰذه الصفة اسمَ الفاعلِ من وجوهٍ۔

اَحَدُهَا: انها لاتکون الاّ للحالِ۔ واعنی به الماضی المستمر الی زمن الحالِ،

لہ یعنی حسنٌ کا فاعل تو (اسمیں) آچکا ہے۔ اب دوبارہ وجهه کو فاعل بنا کر اس کو رفع دینا درست نہیں — اور وجهُهُ ایسا ہی ہے جیسا کہ زیدٌ ضاربٌ عمرًوا میں عمرًوا۔ لہٰذا جب عمرًوا پر مفعول ہونے کی وجہ سے نصب ہے تو وجهُهُ پر بھی مشابہ مفعول ہونے کی وجہ سے نصب آئیگا۔ اور مشابہ مفعول اس لئے کہا کیونکہ صفت مشبہ لازم ہوتی ہے، اس کا مفعول نہیں آتا۔

واسم الفاعلِ یکون للمَاضِی وللحَالِ وللاستقبالِ۔

والثانی: انّ معمولہا لایکون الّاسَببیًّا، واعنی بہ مَاھو متصِل بضمیرِالموصوف لفظًا اَوْتقدیرًا، واسم الفاعلِ یکون معمولہٗ سببیًّا واَجنبیًّا، تقول فی الصِّفۃِ المشبہۃ "زیدٌحسنٌ وجہہٗ" و"زیدٌحسنُ الوجہِ" ای: الوجہ منہ، اَوْ وجہہ، فھواِمّاعلیٰ نیابۃ "أل" منابَ الضمیرِالمضاف الیہِ اَوْعلیٰ حذف الضمیرمن غیرنیابۃٍ عنہ، ولاتقول "زیدٌحسنٌ عمرًوا" کما تقولُ زیدٌضاربٌ عمرًوا۔

والثالثُ: انّ معمُولہا لایکون الّامؤخرًاعنہا، تقول "زیدٌحسنٌ وجہہٗ" ولاتقول "زیدٌ وجہَہٗ حسنٌ" ومعمُول اسم الفاعلِ یکون مؤخرًاعنہ ومقدّمًا علیہِ، تقول "زیدٌغلامَہٗ ضاربٌ"

الرابع: انہٗ یجوزفی مرفوعہاالنصبُ وَالجرّ، ولایجوز فی مرفوعِ اسم الفاعلِ الّاالرّفع۔

پھر صفت اسم فاعل متعدی بیک مفعول کے مشابہ ہے۔ اور اس کا منصوب اسم فاعل کے مفعول کے مشابہ ہے۔ اور اس تقدیر کی طرف (زیدٌ ضاربٌ عمرًا میں) اشارہ گذرچکا ہے۔ پھر اب آپ کو اختیار رہے کہ معمول کو اضافت کی بناپر جردیں اور صفت اس وقت بھی (اسم فاعل کے) مشابہ ہوگی۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق جر نصب ہی کی پیداوار ہے نہ کہ رفع کی تاکہ اضافت الشیٔ الیٰ نفسہٖ لازم نہ آئے۔ کیونکہ صفت ہمیشہ اپنے مرفوع کا عین اور اپنے منصوب کا غیر ہوتی ہے۔ فافہم۔

اور یہ صفت چند اعتبارات سے اسم فاعل سے جُدا ہے۔ پہلا یہ کہ صفت صرف حال کیلئے ہوتی ہے۔ اور حال سے مراد وہ ماضی ہے جس کا بقاء زمانۂ حال تک رہے جبکہ اسم فاعل ماضی، حال اور استقبال (تینوں) کیلئے ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کا معمول صرف سببی ہوتا ہے۔ اور اس (معمول سببی) سے مُراد وہ ہے جو موصوف کی ضمیر سے لفظًا یا تقدیرًا متصل ہو، جبکہ اسم فاعل کا معمول سببی اور (غیر سببی یعنی) اجنبی (دونوں) ہوتا ہے (جیسے) آپ صفت مشبہ میں کہیں گے زیدٌ حسنٌ وجہہٗ اور زیدٌ حسنُ الوجہِ یعنی الوجہ منہ یا وجہہٗ۔ پھر اس (دوسری یا اس جیسی مثال) میں یا تو "أل" مضاف الیہ کی ضمیر کے قائم مقام ہوگا۔ بلا نیابت کے ضمیر حذف ہوگی۔ اور آپ (معمول کے سببی نہ ہونیکی وجہ سے)

زیدٌ حسنٌ عمرًا نہیں کہہ سکتے۔ جس طرح کہ زیدٌ ضاربٌ عمرًا کہہ سکتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ اسکا معمول صفت سے مؤخر ہی ہوتا ہے۔ آپ زیدٌ حسنٌ وجهُهٗ کہہ سکتے ہیں اور زیدٌ وجهُهٗ حسنٌ نہیں کہہ سکتے۔ جبکہ اسم فاعل کا معمول مؤخر اور مقدم (دونوں) ہوتا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں زید غلامَهٗ ضاربٌ۔ چوتھا یہ کہ اس کے مرفوع میں نصب وجر (دونوں) جائز ہیں۔ جبکہ اسم فاعل کے مرفوع میں صرف رفع ہی جائز ہے۔

تشریح قولہ لك ان تخفضهٗ الخ زیدٌ حسنٌ وجهُهٗ جیسی مثالوں میں وجهه پر تینوں اعراب درست ہیں۔ (۱) رفع فاعلیت کی بنا پر۔ یا حسنٌ میں ضمیر مستتر فاعل سے بدل ماننے کی بنا پر۔ (۲) نصب یا تو مشابہ مفعول ہونے کی بنا پر یا تمیز ہونے کی بنا پر۔ (۳) جر صرف اضافت کی بنا پر۔

اب سوال یہ ہے کہ تیسری صورت میں اضافت کی وجہ سے جو جر آیا ہے اس کی اصل حقیقت کیا ہے یعنی معمول اصلاً فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع تھا یا تمیز ہونے کی بنا پر منصوب تھا، بعد میں اضافت کی بنا پر مجرور کر دیا گیا۔ بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ معمول اصلاً فاعل تھا یعنی زیدٌ حسنٌ وَجْهِه درحقیقت زیدٌ حسنٌ وجهُهٗ تھا فاعل کی طرف اضافت کر دی گئی اور رفع کو بوجہ اضافت جر میں تبدیل کر دیا گیا۔ مگر مصنف علامؒ اس نظریہ کو صحیح نہیں کہہ رہے ہیں۔ ان کا رجحان یہ ہے کہ جر نصب سے بدل کر آیا ہے۔ یعنی زیدٌ حَسَنُ وَجْهِهٖ اصلاً زیدٌ حَسَنٌ وَجْهَهٗ تھا اور وجهه تمیز یا مشابہ مفعول ہونے کی بنا پر منصوب تھا جب اضافت کی گئی تو نصب کو جر میں تبدیل کر دیا گیا۔

پہلی رائے اس لئے غلط ہے کہ اگر وجهه پر رفع مانیں تو یہ فاعل ہوگا۔ اور حسنٌ ضمیر فاعل سے خالی ہوگا۔ اور اس وقت حسن کا ثبوت چہرہ کے لئے ہوگا، گویا جو حسین ہے وہ چہرہ ہے۔ اور جو چہرہ ہے وہ حسین ہے۔ جب دونوں عین ہو گئے اور کسی شئی کی اضافت اس کے عین کی طرف درست نہیں ہوتی۔ جیسے اسد کی اضافت لیث کی طرف درست نہیں۔ اسی کو اضافت الشئی الی نفسہٖ کہا جاتا ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس خرابی سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ کہا جائے کہ جر نصب سے بدل کر آیا ہے۔ اور اس صورت میں یہ خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ وجهه پر نصب پڑھیں گے تو وجهه معمول ہوگا۔ اور صفت مشبہ میں ضمیر مستتر اس کا فاعل ہوگی۔ اس صورت میں حسن کا ثبوت فاعل کے لئے ہوگا۔ نہ کہ وجهه کے لئے۔ تو اگر اضافت کریں گے تو اضافت الشئی الی نفسہٖ لازم نہیں آئیگی۔ بلکہ اضافت الشئی الی غیرہ لازم آئے گی جو جائز ہے۔

قولہٗ سَبَبًا الخ سببی سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کے آخر میں موصوف کی جانب لوٹنے والی ضمیر لگی ہو۔ خواہ وہ ضمیر لفظاً ہو جیسے زیدٌ حسنٌ وجھہ یا تقدیراً جیسے زید حسنُ الوجہ کہ اس کی تقدیر زید حسن الوجہ منہ یا زیدٌ حسن وجھہ ہے۔

ثُمّ بیّنتُ انّ الخفض لهٗ وجه واحدٌ وهو الاضافة، وانّ الرّفع لهٗ وَجْهَانِ، اَحَدُهُما: ان یکونَ فاعِلًا، والثانی اَنْ یَکونَ بَدَلًا مِنْ ضمیرٍ مستترٍ فِی الصِّفَةِ، وانّ النصبَ فیه تفصیل، وذلك انّ المنصوبَ ان کانَ نکرةً ففیهِ وَجْهَانِ، اَحَدُهُمَا: اَنْ یکونَ انتصابُهٗ علَی التّشبیهِ بالمفعُول بهٖ۔ والثانی (ان یکون) تمییزًا، وَان کانَ معرفةً امتنع کونهٗ تمییزًا، وتعیّن کونهٗ مشبّهًا بالمفعولِ بهٖ، لانّ التمییز لا یکون الّا نکرةً۔

ثُمّ بیّنتُ انّ جوازَ الرفعِ والنصبِ مُطلقٌ۔ وانّ جوازَ الخفضِ مقیدٌ بألّا تکون الصّفة بأل والمعمُول مجرّد منها، ومِنَ الإضافة لِتَالیها، وتضمن ذلك امتناع الجرّ فی «زیدٌ الحَسَنُ وَجْهَهٗ» و «الحَسَنُ وَجْهُ اَبِیهِ، و «الحَسَنُ وَجْهًا» و «الحَسَنُ وَجْهُ اَبٍ»۔

پھر میں نے بیان کیا کہ جر کا صرف ایک ہی سبب ہے یعنی اضافت، اور یہ (بیان کیا) کہ رفع کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ فاعل ہو، دوسرے یہ کہ صفت میں پوشیدہ ضمیر سے بدل ہو۔ اور نصب میں تفصیل ہے وہ یہ کہ منصوب اگر نکرہ ہو تو اس میں دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا نصب مشابہ مفعول بہ ہونے کی بنا پر ہو، دوسرا یہ کہ تمیز ہونے کی بنا پر۔ اور اگر معرفہ ہو تو اس کا تمیز ہونا تو ناجائز ہے، اور مشابہ مفعول بہ ہونا متعین ہے۔ کیونکہ تمیز صرف نکرہ ہوتی ہے[1]۔

---

[1] صفت مشبہ کے منصوب معمول میں نحویوں کے چار مذاہب ہیں۔ پہلا مذہب تمام کوفیوں کا ہے کہ اس کا نصب صرف تمیز کی بنا پر ہوگا۔ خواہ معمول نکرہ ہو یا معرفہ۔ جیسا کہ شعر میں تمیز النفس معرفہ ہے ؎

رَأیتُكَ لمّا ان عرفتَ وُجُوهَنَا   صَدَدتَ وطِبتَ النفسَ یا قیسُ عن عمرٍو

دوسرا مذہب جمہور بصریین کا ہے۔ صاحب کافیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ اگر معمول نکرہ ہو تو وہ صرف تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا۔ اور اگر معرفہ ہے تو صرف مشابہ مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک تمیز کا معرفہ ہونا جائز نہیں ہے۔ اور شعر میں وطبت النفس کے آل کو زائد مانتے ہیں۔ جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتا۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ صفت مشبہ کا منصوب معمول پر نصب مشابہ مفعول بہ ہونے کی بنا پر ہوگا، خواہ معرفہ ہو یا نکرہ۔ چوتھا قول وہی ہے جس کو مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ اگر معرفہ ہے تو نصب کی ایک ہی وجہ ہے یعنی مشابہ مفعول بہ ہونا۔ اور اگر نکرہ ہو تو اس کی دو وجہیں (۱) تمیز ہونا (۲) مشابہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پھر میں نے یہ بیان کیا کہ رفع ونصب کا جواز مطلق (بلاقید) ہے۔ اور یہ (بیان کیا) کہ جر کا جواز اس بات کے ساتھ مقید ہے کہ صفت معرف باللام نہ ہو اس حال میں کہ اس کا معمول اَل سے اور معرف باللام کی جانب اضافت سے خالی ہو[1]۔ اور یہ زیدٌ الحسنُ وجهَهٗ اور الحسنُ وجهُ ابیه اور الحسنُ وجهًا اور الحسنُ وجهُ اَبٍ میں جر کے ناجائز ہونے کو متضمن ہے[2]۔

ثمّ قلتُ: السّادسُ اسمُ الفعلِ، نحو بَلْهَ زيدًا، بمعنى دَعْهُ، وعَلَيْكَهٗ، وَبِهٖ بمعنى الزمْهُ، والْصَقْ، ودُونَكَهٗ، بمعنى خُذْهُ، ورُوَيْدَهٗ وتَيْدَهٗ، بمعنى اَمْهِلْهُ، وهَيْهَاتَ وشَتَّانَ بمعنى بَعُدَ وافْتَرَقَ، واَوْهِ واُفٍّ بمعنى اَتَوَجَّعُ واتضجرُ، ولايضاف، ولايتأخّر عن معمولِه، ولاينصب في جوابه، وما نُوِّنَ منه فَنَكِرَةٌ۔

(ما بقیہ حاشیہ گذشتہ) مفعول بہ ہونا۔ (منتہی الارب)

[1] صفت مشبہ کے معمول پر رفع اور نصب آنیکی کوئی شرط نہیں ہے۔ لیکن جر داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ صفت مشبہ الف لام سے خالی ہو۔ اور معمول الف لام اور معرف باللام کی جانب اضافت سے خالی ہو جیسے زید حسن وجه یا زید حسن وجه اب۔ یہ ضابطہ بہت محدود ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ جر کے جواز کی مزید صورتیں ہیں۔ جو عباس حسن نے اپنی کتاب النحو الوافی میں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے علی سبیل المثال چند کو ذکر کرتے ہیں۔ (۱) صفت مشبہ معرف باللام ہو اور موصوف بھی معرف باللام ہو جیسے غرّد الطائر الرخیمُ صوتِه۔ (۲) صفت معرف باللام ہو اور معمول بھی معرف باللام ہو جیسے لاتجادل الاالسّمح الخلقِ۔ (۳) صفت معرف باللام ہو معمول الف لام سے خالی ہو مگر معمول کی اضافت معرف باللام کی طرف ہو رہی ہے۔ جیسے هٰذا الحسنُ تدبیرِالامورِ (۴) صفت معرف باللام ہو معمول الف لام سے خالی ہو لیکن معمول کی اضافت ایسے اسم کی طرف ہو رہی ہو جس کا مضاف الیہ ایسی ضمیر ہو جو موصوف معرف باللام کی جانب لوٹ رہی ہو، جیسے داقنی الطاؤس البدیع لونِ ریشِه کہ ریش کے آخر میں ضمیر ہے جو الطاؤس معرف باللام کی جانب لوٹ رہی ہے۔

(النحو الوافی ج۳ ص۲۹۶)

[2] اس عبارت سے مصنفؒ نے جر کے عدم جواز کی ان چار صورتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں صفت مشبہ کا موصوف غیر معرف باللام ہوتا ہے۔ (۱) صفت معرف باللام ہو، معمول الف لام سے خالی ہو ضمیر کی طرف مضاف ہو جیسے زید الحسنُ وجهه ۔ ابراهیم النبیل خُلقِه۔ (۲) صفت معرف باللام ہو معمول الف لام سے خالی ہو لیکن اسکی اضافت ایسے اسم کی طرف ہو رہی ہو جو موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی طرف مضاف ہو اور خود موصوف غیر معرف باللام ہو جیسے زید الحسنُ وجهِ ابیه، ابراهیم النبیل خلق والده۔ (۳) صفت معرف باللام ہو اور معمول الف لام سے اور اضافت سے خالی ہو جیسے زید الحسنُ وجهٍ، هٰذا النبیل خُلقٍ۔ (۴) صفت معرف باللام ہو معمول الف لام سے خالی ہو۔ لیکن وہ معمول الف لام سے اور اضافت سے خالی اسم کی طرف مضاف ہو جیسے زید الحسنُ وجهِ ابٍ، هٰذا النبیل خلقِ والدٍ۔

(النحو الوافی ج۳ ص۲۹۶)

نوٹ:۔ ہم نے مذکورہ مثالوں میں جر کا اعراب جاری کیا ہے۔ اگرچہ جر ان مثالوں میں ناجائز ہے۔ اور مصنفؒ نے مذکورہ مثالوں میں جر کے بجائے وہ اعراب جاری کیا ہے جو ان پر جر کے بدلہ میں آنا چاہیے۔

واقول: السَّادِسُ مِنَ الاسماءِ العَامِلَةِ عَمَلَ الفعلِ: اسم الفعلِ، وهو على ثلثة انواع:

(۱) مَا سُمِّيَ به الاَمْرُ، وهو الغالبُ، فلهٰذا ابدأت بِهٖ، ومثلته بخمسة امثلة، وهي: "بَلْهَ" بمعنى دَعْ، كقَوْلِ الشاعرِ في صِفَةِ السّيوف،

۲۱۰- تَذَرُ الجَمَاجِمَ ضَاحِيًا هَامَاتُهَا بَلْهَ الاَكُفَّ كَانَّهَا لَمْ تُخْلَقِ

اى: دَعِ الاَكُفَّ، وذلك فى روايةِ مَنْ نصبَ الاكفَّ، امَّا مَنْ خفضها، فـ"بَلْهَ" مَصْدَرٌ، بمنزلة قولك "ترك الاكفِّ"، وَاَمَّا مَنْ رَفَعَهَا وَهُوَ شَاذٌّ — فهي اسْتِفهامٌ بمنزلة كيف، ومَا بعدها مبتدأٌ، وهي خبره،

و "عَلَيْكَهُ" بمعنى الزمْهُ، وقولهُ تعالى: (عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ) اى: الزمُوا شأن انفسكم، ويُقَالُ ايضًا: "عَلَيْكَ بِهٖ" فقيل: الباء زائدة، وقيل: اسم لالصق دون الزم۔

و "دُوْنَكَهُ" بمعنى خُذْهُ، كقول صبيةٍ لأمها:

۲۱۱- دُوْنَكِهَا يَا اُمِّ لَا اُطِيْقُهَا

و "رُوَيْدَهُ" "تَيْدَهُ" بمعنى اَمْهِلْهُ۔

م: چھٹا اسم فعل ہے جیسے بَلْهَ زَيْدًا بمعنی اس کو چھوڑ دے۔ اور عَلَيْكَهُ اور بِهٖ بمعنی اس کو لازم پکڑ لے اس کے ساتھ لگ جا۔ اور دونکہ بمعنی اس کو لے۔ اور رُوَيْدَهُ، تَيْدَهُ بمعنی اس کو مہلت دے۔ اور هَيْهَاتَ، شَتَّانَ بمعنی دُور ہوا، جُدا ہوا، اور اَوَّهٖ، اُفٍّ بمعنی میں درد محسوس کر رہا ہوں۔ میں بے قرار و بے چین ہو رہا ہوں۔ اور اسم فعل نہ تو مضاف ہوتا ہے نہ اپنے معمول سے مؤخر ہوتا ہے اور اسکے جواب میں نصب نہیں آتا ہے۔ اور جس اسم فعل پر تنوین داخل ہوجائے تو وہ نکرہ ہوتا ہے۔

ش: فعل جیسا عمل کرنیوالے اسماء میں سے چھٹا اسم فعل ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ کہ جس کو امر کا نام دیا گیا ہے (یعنی جو بمعنی امر ہے) وہی (تعداد میں) زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کو سب سے پہلے بیان کیا اور اس کی پانچ مثالیں دیں۔ وہ بَلْهَ بمعنی دَعْ ہے۔ جیسے تلوار کے وصف میں شاعر کا قول ہے تَذَرُ الجَمَاجِمَ الخ بمعنی دَعِ الاَكُفَّ۔ اور یہ اس شخص کی روایت کے مطابق ہے جس نے

له چھوڑتا ہے، چھوڑتی ہے۔ اس باب کا صرف مصدر اور امر آتا ہے، ماضی اور مصدر نہیں آتا ہے۔ اگر ماضی آئی بھی تو دوسرا معنی دیگی جیسے وذر اللحم ای قطعه۔ جماجم جمجمة کی جمع ہے، سر کی ہڈی کا ڈھانچہ، کھوپڑی، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الاکفَ کو نصب دیا ہے، لیکن جس نے اس کو جر دیا ہے تو ان کے (نزدیک) بلہ مصدر ہے (اور الاکف مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے) تمہارے قول ترك الاكف کے درجہ میں ہے اور جس نے اس کو رفع دیا ہے جبکہ یہ شاذ ہے۔ تو بله بمعنی کیف اسم استفہام ہے اور اس کے بعد والا مبتدا ہے۔ اور یہ خود خبر ہے۔ اور عَلَيْكَهُ بمعنی اِلْزَمْ ہے۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے کام میں لگے رہو۔ اور عَلَيْكَ بِهٖ (یعنی بصلہ بار بھی) کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بار زائدہ ہے اور بعض کا کہنا ہے اور کہا گیا ہے کہ الصق کے معنی کے لئے اسم ہے نہ کہ الزم کے لئے۔ اور دُوْنَكَهُ بمعنی خُذْ ہے جیسے ایک بچی کا اپنی ماں سے کہنا دُوْنَكِهَا الخ اور رُوَيْدَهٗ اور تَيْدَهٗ بمعنی اَمْهِلْهُ ہے

(۲) وَمَا سُمِّيَ بِهِ الماضِي، وَهُوَ اَكْثَرُ مِمَّا سُمِّيَ بِهِ المضارع، فلِهٰذا قُدِّمَ عليهِ، ومثلتُ لهُ بمثالين: « هَيْهَاتَ » بمعنى بَعُدَ، و « شَتَّانَ » بمعنى افترق،

قال: ۲۱۲ـ فَهَيْهَاتَ فَهَيْهَاتَ العَقِيقُ وَمَنْ بِهٖ ... وَهَيْهَاتَ خِلٌّ بِالعَقِيقِ نُوَاصِلُهُ

وقال:

۲۱۳ـ شَتَّانَ هٰذَا وَالعِنَاقُ وَالنَّوْمُ ... وَالمَشْرَبُ البَارِدُ فِي ظِلِّ الدَّوْمُ

ولك زيادة « ما » قبل فاعل شَتَّانَ، كقوله:

۲۱۴ـ شَتَّانَ مَا يَوْمِي عَلٰى كُورِهَا ... وَيَوْمُ حَيَّانَ اَخِي جَابِرِ

ولايجوز عند الاَصْمَعِي « شَتَّانَ مَابَيْنَ زيدٍ وعمرٍو » وجوّزهُ غيرهُ محتجًا بقولهِ

۲۱۵ـ لَشَتَّانَ مَا بَيْنَ اليَزِيدَيْنِ فِي النَّدٰى ...

(بقیہ گذشتہ صفحہ) هَامَاتُ هَامَةٌ کی جمع ہے۔ سَر۔ ضَاحِيًا دھوپ کھانے والا۔ ضحا (ن) ضحوًا دھوپ کھانا، ظاہر ہونا۔ کعب بن مالک کا شعر ہے: وہ تلواریں کھوپڑیوں کو اس حال میں چھوڑتی ہے کہ انکے سر دھوپ کھانیوالے ہیں (یعنی زمین پر دھوپ میں پڑے رہتے ہیں۔) ہتھیلیوں (کے تذکرہ) کو چھوڑ (کہ وہ کہاں ہیں) وہ تو ایسی ہیں گویا کہ پیدا ہی نہیں کی گئیں۔ اسمیں شاہد بَلْهَ الاكُفَّ ہے۔ کہ بَلْه اسم فعل ہے۔ جو الاکف کو مفعول ہونیکی بنا پر نصب دیرہا ہے۔ اور نیز الاکف پر جر اور رفع کا اعراب بھی درست ہے۔ جر پڑھنے کی صورت میں بَلْهَ کو مصدر مضاف اور الاکف کو مضاف الیہ قرار دیا جائیگا۔ اور رفع پڑھنے کی صورت میں بلہ بمعنی کیف ہوگا۔ تقدیر عبارت ہوگی کیف الاکفُ اس ترکیب میں الاکف مبتدا ہوگا۔ [۱] عليك بہ میں بار یا تو زائدہ ہے جس کے ہٹ جانے سے معنی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یا بار بمعنی الصق ہے کیونکہ الصاق کیلئے آتا بھی ہے گویا بار کو اس معنی میں لینے کے دو فائدے ہوگئے ایک لزوم کے معنی کا جو علی، دیرہا ہے اور دوسرے لصوق کے معنی کا جو بار ادا کررہا ہے اگر بار کو الزم کے معنی کیلئے لیتے تو تکرار اور تاکید ہوتی بکہ اہل بلاغت تاکید سے بہتر تاسیس کو کہتے ہیں یعنی دو لفظ ہوں تو دو ہی معنی مراد لینا بہتر ہے [۲] اے اماں اسکو لے تو یہ میرے بس میں نہیں ہے۔

وَأَمَّا قَوْلُ بعض المحدثين :

۲۱۶- حَيَاْ زَيْتَمُوْنِي بِالوِصَالِ قَطِيعَةً شَتَّانَ بَيْنَ صَنِيْعِكُمْ وَصَنِيْعِي

فلم تستعمله العربُ، وقد يُخَرَّجُ على إضمار «مَا» موصولة ببين، وذلك على قولِ الكوفيين انّ الموصول يجوز حذفه۔

(۲) وَمَا سُمِّيَ به المضارع، نحو «أَوَّهْ» بمعنى أتوجّع، و «أُفٍّ» بمعنى أتضجَّرُ، و بعضهم اسقط هٰذا القسم، وفسّر هٰذين بتوجعت و تضجّرت۔

(۲) اور وہ (اسم فعل) جس کو ماضی کا نام دیا گیا ہے (یعنی جو بمعنی ماضی ہو اور یہ ان اسماء افعال سے زائد ہیں جن کو مضارع کا نام دیا گیا ہے اسی وجہ سے بمعنی ماضی کو بمعنی مضارع پر مقدم کیا گیا۔ اور میں نے اس کی دو مثالیں ذکر کیں هَيْهَاتَ بمعنی بَعُدَ اور شَتَّان بمعنی اِفْتَرَقَ. شاعر نے کہا ہے فهيهاتَ[۱] الخ ایک اور شاعر نے کہا ہے شَتَّانَ[۲] هٰذا الخ اور شَتَّانَ کے فاعل سے پہلے آپ کو «ما» کے زیادہ کرنے کا اختیار ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے شَتَّانَ[۳] مَا الخ اور امام اصمعی کے نزدیک شَتَّانَ مَا بَيْنَ زَيْدٍ وعَمْرٍو ناجائز ہے۔[۴]

---

[۱] عقیق: جگہ کا نام ہے۔ خِلٌّ وفادار دوست۔ جریر کہتا ہے کہ دور ہوگیا مقام عقیق دور ہوگیا، اور وہ جو اس مقام کا رہنے والا ہے اور عقیق میں رہنے والا وہ جگری دوست دور ہوگیا جس سے ہم تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں استشہاد هَيْهَاتَ العقيق اور هيهاتَ خِلٌّ ہے۔ کہ اسم فعل دونوں جگہ ماضی کے معنی میں ہے۔ اور فاعل کو رفع دے رہا ہے۔

[۲] الدوم ایک درخت کا نام ہے۔ اصمعی کا کہنا ہے کہ شاعر یعنی لقیط بن زرارہ بن عدس چونکہ نجد کا رہنے والا ہے اور وہاں یہ درخت نہیں ہوتا ہے اسلئے الدوم کو مصدر بمعنی الدائم کے ما ناجائے۔ لقیط بن زرارہ کہتا ہے کہ بہت جدا ہوگیا یہ اور (وہ یعنی) معانقہ، سونا، دائمی سایہ میں ٹھنڈا پانی (یعنی کہاں یہ اور کہاں وہ، دونوں حالتوں میں بہت دوری ہوگئی) اسمیں محلِ استشہاد شَتَّانَ هٰذا ہے کہ شَتَّانَ نے فعل جیسا عمل کیا کہ هٰذا کو فاعل بناکر اس کو محلاً رفع دیا ہے۔ کیونکہ اسکے معطوف پر رفع ہے لامحالہ معطوف علیہ پر بھی رفع ہوگا۔

[۳] میرے اس دن میں جو اونٹنی کے کجاوہ پر تھا اور جابر کے بھائی حیّان کے دن میں بہت فرق ہے۔ استشہاد اس میں شتان ما يومي ويوم حيان سے ہے کہ شتان بمعنی افترق۔ نے فعل کی طرح یوم کو فاعل بناکر رفع دیا ہے اور فاعل سے پہلے «ما» زائدہ ہے۔

[۴] امام اصمعی نے شتان مَا بينَ زيدٍ وعمرٍو کو کیوں ناجائز قرار دیا، کوئی وجہ ان سے منقول نہیں ہے۔ مگر علماء نے کچھ وجوہات ذکر کی ہیں۔ منجملہ ایک وجہ وہ ہے جس کا تعلق شتان سے نہیں۔ بلکہ «بین» سے ہے۔ کہ بین ہمیشہ متعدد کی جانب مضاف ہوکر استعمال ہوتا ہے جیسے جلست بين محمد وعمرو۔ لیکن وہ متعدد تثنیہ یا جمع نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ آپ جلستُ بَيْنَ الزَّيْدَيْنِ اور جلستُ بَيْنَ الكِرَامِ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ توجیہ جمہور کے خلاف ہے۔ جمہور کا کہنا ہے کہ «بین» کا مضاف الیہ کا متعدد ہونا کافی ہے۔ خواہ تعدد افرادی ہو۔ خلا مضاف الیہ معطوف معطوف علیہ ہو جیسے جلستُ بين زيدٍ وعمرٍو۔ خواہ اجتماعی ہو جیسا تثنیہ اور جمع میں ہوتا ہے۔ اسکے صحیح ہونے کی دلیل لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ۔ (البقرۃ کلمہ صفر)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور دوسری وجہ جو لوگوں نے بیان کی ہے جسکی بنا پر امام اصمعیؒ نے اس تعبیر کو ناجائز قرار دیا ہے یہ ہے کہ اس میں مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں پائی جاتی ان لوگوں کا کہنا ہے کہ "شتان" بکسر النون "شتٌ" کا تثنیہ ہے، حالت رفعی میں ہے۔ کیونکہ خبر مقدم ہے اور "بین" مبتدا مؤخر ہے۔ درمیان میں "ما" زائد ہے۔ اور مبتدا مفرد کی خبر تثنیہ کو نہیں بنایا جاسکتا۔ اس خرابی کی بنا پر اس تعبیر کو ناجائز قرار دیا جائیگا لیکن یہ وجہ چند وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے (۱) "شتان" فصیح ترین لغت کے مطابق بفتح النون ہے بکسر النون نہیں ہے اور بفتح النون تثنیہ نہیں ہوسکتا (۲) اور اگر بالفرض "شتان" کو بکسر النون بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اسم فعل ہی ہے تثنیہ نہیں ہے۔

اور تیسری وجہ جو علامہ رضی نے ذکر کی ہے جسکی بنا پر امام اصمعی اس تعبیر کو ناجائز کہتے ہیں یہ ہے کہ "ما" کے اندر دو احتمال ہیں یا تو "ما" زائدہ ہوگا یا موصولہ، اگر "ما" کو زائدہ مانا جائے تو "شتان" کا فاعل "بین" بنے گا اور "بین" واحد غیر متعدد ہے جبکہ "شتان" کا فاعل متعدد ہونا چاہیئے جیسے "شتان الاحسان والاساءة"۔ اور اگر "ما" کو موصولہ مان کر اس کو فاعل بنایا جائے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی چنانچہ اگر "ما" کو مفرد مانا جائے تو پہلی والی خرابی یعنی فاعل کے غیر متعدد ہونے والی خرابی لازم آئے گی اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ "بین" کی اضافت ایسے اسم کی جانب ماننا پڑیگی جسکے افراد نسبت میں برابر اور شریک نہیں ہیں کیونکہ شاعر کا منشا یہ ہے کہ دونوں یزیدوں میں بہت فرق ہے اور دونوں الگ الگ صفتوں کے ساتھ متصف ہیں ایک انمیں سے صفت بخل کیساتھ دوسرا صفت سخاوت کے ساتھ متصف ہے جبکہ "بین" کی اضافت ایسے اسم کی جانب ضروری ہوتی ہے جسکے افراد متساوین فی النسبۃ ہوتے ہیں جیسے بین الرجلین قرابة کہ اس مثال میں دونوں آدمی قرابت میں برابر کے شریک ہیں۔ لیکن لشتان مابین الیزیدین فی الندی، میں دونوں آدمی ایک صفت میں شریک نہیں ہیں بلکہ الگ الگ صفات کیساتھ متصف ہیں جیسا کہ اوپر گذرا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ "لشتان مابین الیزیدین فی الندی" میں ہم "ما" کو موصولہ مانتے ہیں اور وہی "شتان" فاعل ہے اور "بین الیزیدین" اور "فی الندی" "کائنةٌ یا ثابتةٌ" سے متعلق ہیں جو "ما" موصولہ کا صلہ بن رہا ہے رہی دونوں یزیدوں کے ایک صفت میں شریک نہ ہونیکی خرابی تو اسکا جواب یہ ہے کہ شعر میں "ما" سے مراد "مسافةٌ" ہے۔ اب مطلب یہ ہو جائیگا کہ دونوں یزیدوں کے درمیان بون بعید ہے اور بون بعید یا مسافت میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اور دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ "ما" سے مراد صفت سخاوت ہے مگر سخاوت کے دو درجے کر لئے جائیں ایک اعلیٰ درجہ جسکے ساتھ وہ یزید متصف ہے جو حاتم کا بیٹا ہے اور ادنیٰ درجہ جسکی سرحدیں بخل سے ملتی ہیں۔ اسکے ساتھ دوسرا یزید متصف ہے جو اُسید کا بیٹا ہے۔

لہٰذا دونوں یزید ایک ہی صفت یعنی صفت سخاوت کیساتھ متصف ہیں اس توجیہ کی صورت میں مضاف الیہ متساوین فی النسبۃ ہو جائے گا اور مضاف الیہ کے غیر متساوین فی النسبۃ والی خرابی رفع ہو جائے گی۔

(منتہی الارب صفحہ ۲۰۴-۲۰۵)

اور دیگر حضرات نے شاعر کے قول لشتّانَ مَا[1] الخ سے استدلال کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔
اور رہا بعض متأخرین کا قول جَاذِبِیْتُمُوْنِي الخ[2] تو اسکا جواب یہ ہے کہ) اس کو اہل عرب نے استعمال نہیں کیا ہے۔ اور کبھی اس شعر کی تخریج بینَ سے متصلاً (پہلے) "ما" مقدر مان کر کی جاتی ہے۔ اور یہ کوفیوں کے قول کے مطابق ہے کہ موصول کا حذف جائز ہے۔

(۳) اور وہ جس کو مضارع کا نام دیا گیا ہے جیسے اوّہ بمعنی اتوجع ہے اور اُفّ بمعنی اتضجر ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس قسم کو ساقط قرار دیا ہے۔ اور ان دونوں مثالوں کی تفسیر توجعت اور تضجرت سے کی ہے (گویا اس قسم کو دوسری قسم میں شامل کر دیا)

ومِنْ احکام اسم الفِعْلِ: انهُ لایُضَافُ، کماانَّ مُسَمَّاهُ ـ وهو الفِعْلُ ـ کذلك،
ومن ثم قالوا: اذا قلتَ "بَلْهَ زيْدٍ" و "رُوَيْدَ زيْدٍ" بالخفض کانا مصدرين
والفتحةُ فيهما فتحةُ إعْرَابٍ، واذا قلتَ "بَلْهَ زَيْدًا" و "رُوَيْدَ زيْدًا"
کانا اسمی فعلين، ومعلوم انّ الفتحة فيهما حينئذٍ فتحةُ بناء لعَدمِ التنوين،
ومِنها: أنَّ معْمُوْلَهَا لايتقدّم عليها، لاتقول "زيدًا عَلَيْكَ" وخالف فی ذلك
الکسائی، تمسّکًا بظاهرِ قولهِ تعالیٰ: (كِتَابَ اللهِ عَلَيْكُمْ) وقول الراجز:

۲۱۷ـ ❊ يَا اَيُّهَا المَائِحُ دَلْوِيْ دُوْنَكَا ❊

ومنها: ان المضارع لاينصبُ فی جوابِ الطلبی منه، لاتقول: "صه فَأُحَدِّثَكَ"
بالنصب، خلافًا للکسائی ایضًا، نَعَمْ يُجْزَمُ فِي جَوابِهِ، کقولهِ:

۱۷۴ـ ❊ مَكَانَكِ تُحْمَدِي اَوْ تَسْتَرِيْحِي ❊

ومنها: ان ماتُنوّن منها نکرة، ومَالم ينوّن معرفة، فاذا قلت: "صَهٍ"
فمعناه اسکت سکوتًا، واذا قلتَ: "صَهْ" فمعناه اسکت السکوت العين۔

---

[1] ربیعہ رقی کا شعر ہے دوسرا مصرعہ ہے يَزِيْدِ سُلَيْمٍ وَالاَغَرِّ ابن حَاتِمٍ ۔ ترجمہ: از روئے سخاوت دونوں یزیدوں یعنی یزید سلمی اور یزید اغر ابن حاتم کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ محل استشہاد: ولشتان مابين اليزيدين ہے کہ اسم فعل اور بین کے درمیان "ما" داخل ہے۔ جو شتان کا فاعل ہے لہذا فاعل سے پہلے "ما" کے دخول کا جواز ثابت ہے۔
[2] کہ مجھے وصال کے بدلہ قطع تعلق دیا تمہارے عمل اور میرے عمل میں بون بعید ہے۔ عربوں کے یہاں شتان کے بعد بین کا استعمال بغیر "ما" کے ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے "ما" کی تقدیر کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ کوفی حضرات "ما" موصولہ کے حذف کو جائز مانتے ہیں۔

اور اسم فعل کے احکام میں سے یہ ہے کہ یہ مضاف نہیں ہوتا جیسا کہ اس کا مسمّٰی یعنی فعل اسی طرح (مضاف نہیں ہوتا) ہے۔ اور اسی وجہ سے نحویوں نے کہا ہے کہ جب تم بَلْهَ زَيْدٍ اور رُوَيْدَ زَيْدٍ جر کے ساتھ کہو گے تو دونوں (اسم فعل نہیں بلکہ) مصدر ہوں گے اور فتحہ ان دونوں پر اعرابی فتحہ ہوگا۔ اور جب کہو گے بَلْهَ زَيْدًا اور رُوَيْدَ زَيْدًا [1] تو یہ دونوں اسم فعل ہوں گے۔ اور یہ واضح ہے کہ فتحہ ان دونوں میں مبنی کا فتحہ ہوگا تنوین کے نہ ہونے کی وجہ سے۔

اور منجملہ احکامات میں سے یہ ہے کہ ان کا معمول ان پر مقدم نہیں ہوتا ہے۔ تم نہیں کہو گے، زَيْدًا عَلَيْكَ، اور اس سلسلہ میں کسائی نے اختلاف کیا ہے باری تعالیٰ کے قول كِتَابَ [2] اللهِ عَلَيْكُمْ زاجر کے قول يَا أَيُّهَا الْمَائِحُ [3] الخ کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے۔ اور ایک حکم یہ ہے کہ اسم فعل طلبی (یعنی امر) کے جواب میں (واقع) فعل مضارع پر نصب نہیں آئیگا۔ آپ نہیں کہیں گے صَهْ فَاحَدِّثَكَ نصب کے ساتھ۔ یہاں بھی کسائی کا اختلاف ہے۔ ہاں اسکے جواب میں (واقع مضارع پر) جزم آئیگا۔ جیسے شاعر کا قول ہے مَكَانَكِ تُحْمَدِي الخ۔ اور ایک حکم یہ ہے کہ اسماء افعال میں سے جن کو تنوین دیجائے وہ نکرہ ہے۔ اور جس کو تنوین نہ دی جائے وہ معرفہ ہے۔ چنانچہ جب آپ کہیں گے صَهٍ تو اسکے معنی ہیں کسی طرح کی خاموشی اختیار کر۔ اور جب آپ کہیں گے صَهْ تو اس کے معنی ہیں معین خاموشی اختیار کر۔ [4]

---

[1] رُوَيْدَ زَيْدًا میں رُوَيْدَ مبنی ہے، اور رُوَيْدَ زَيْدٍ میں روید معرب ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں زیدًا مفعول ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کو نصب دینے والا عامل اسم فعل ہے۔ جو مبنی ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں زیدٍ کا مجرور ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے والا اسم مصدر مضاف ہے۔ اور وہ معرب ہے۔ یہی حال بله زیدًا اور زیدٍ کا ہے۔

[2] اللہ نے تم پر حکم کیا ہے۔ (پ ۵ ع ۱) امام کسائی کا آیت سے استدلال درست نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ یا تو مفعول مطلق ہے ای كَتَبَ كِتَابًا عَلَيْكُمْ یا اغراء کی بناء پر منصوب ہے ای الزموا كِتَابَ اللهِ۔ (روح المعانی ج ۲)

[3] المائح: کنویں میں اتر کر پانی بھرنے والا۔ اور ڈول سے کھینچکر پینے والا۔ اے کنویں پر جانے والے میرا ڈول بھی لیتا جا۔ دلوی بظاہر اسم فعل کا معمول معلوم ہو رہا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ دلوی سے پہلے دونك کے ہم معنی ایک فعل مثلاً خذ محذوف ہے۔ جو دلوی کو اپنا مفعول بنا کر نصب دے رہا ہے۔ اور دونك خود دلوی کو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اسم فعل ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ اسی طرح اسم فعل دونك ایک اور بھی محذوف نہیں مان سکتے جس کی تفسیر آگے ذکر کئے جانے والا اسم فعل کر رہا ہو۔ کیونکہ اسم فعل محذوف بھی اسم ظاہر میں عمل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کی تقدیر كِتَابَ اللهِ عَلَيْكُمْ میں نکالی جائے گی یعنی خذوا كتابَ اللهِ عَلَيْكُمْ۔

[4] تنکیر و تعریف کے اعتبار سے اسماء افعال کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) واجب التنکیر جیسے واهًا ويهًا۔ (۲) واجب التعریف جیسے نَزَالِ، تَرَاكِ یعنی وہ اسماء افعال جو ثلاثی مجرد سے "فَعَالِ" کے وزن پر بنائے جاتے ہیں اور بمعنی امر ہوتے ہیں۔ (۳) جائز التنکیر والتعریف جیسے صَه، آيه، اف، مَهْ۔ نوٹ: جب اسماء افعال پر تنوین آئے خواہ وجوبًا یا جوازًا تو سمجھ لیجئے کہ یہ نکرہ ہیں، ورنہ معرفہ ہیں۔

ثمّ قلتُ: السّابعُ وَالثامنُ الظرفُ والجرورُ المُعْتَمِدَانِ، وعَمَلُهما عَمَلُ اسْتَقَرَّ۔

واقول: اذا اعتمد الظرفُ والجرورُ على مَا ذكرتُ فی بابِ اسْمِ الفاعِلِ۔ وهو النفی، والاستفهام، والاسمُ المخبرعنه، والاسم الموصوف، وَالاِسْمُ الموصُوْل ـ عَمِلا عَمَلَ فعلِ الاستقرارِ، فَرَفعَا الفاعِلَ المضمرَ والظاهِرَ، تقول: «مَا عِنْدكَ مَالٌ» و «مَا فِي الدَّارِ زَيدٌ»، والاصل: مَا استقرَّ عِنْدَكَ مَال، ومَا استقرَّ فِي الدَّارِ زيدٌ، فحذف الفعل، وأُنيبَ الظرف والجرورُ عنه، وصَارَ العَمَلُ لهُمَا عند المحققين، وقيل: انما العَمَل للمحذوف، واختارهٗ ابنُ مَالكٍ، ويجوز لك ان تجعلهما خبرًا مقدمًا ومَابعْدَهُمَا مُبتدأً مؤخرًا، والاوّل اَولیٰ، لِسَ[illegible] ن مجاز التقديم والتاخير، و هٰكذا العَمَل فِي بقيَةِ مَا يعتمد[illegible] عليه، نحو (اَفِي اللهِ شَكٌّ)، و قولك: «زيدٌ عندك اَبوه» و «جَاء الّذي فی الدَّارِ اخوهٗ»، و «مَرَرْتُ برجُلٍ فيهِ فضْلٌ»۔

فان قلتَ: ففی ایِّ مَسْألةٍ يعتمد الوصف على الموصُوْل حتى يُحَال عليهِ الظرف والجرور؟

قلتُ: اذا وقعَ بعد أل، فإنها موصُوْلةٌ والوصْف صِلةٌ، ولهٰذا حَسُنَ عطفُ الفعلِ عليهِ فی قوله تعالیٰ: (اِنَّ المُصَّدِّقِيْنَ وَالمصَّدِّقَاتِ وَاقرضُوا اللهَ)۔

م:۔ ساتواں آٹھواں اعتمادی ظرف اور مجرور ہیں اور ان کا عمل اسْتَقَرَّ جیسا عمل ہے۔

ش:۔ جب ظرف اور مجرور ان چیزوں پر اعتماد کریں گے جو میں نے اسم فاعل کے باب میں ذکر کی ہیں اور وہ نفی، استفہام، اسم مخبر عنہ، اسم موصوف اور اسم موصول ہیں تو دونوں استقرار کے فعل جیسا عمل کریں گے کہ فاعل مضمر اور مظہر کو رفع دیں گے جیسے تم کہو گے مَا عِنْدَكَ مَالٌ اور مَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ تو اس کی اصل مَا اسْتَقَرَّ عِنْدَكَ مَالٌ اور مَا اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ زَيْدٌ ہے پھر فعل کو حذف کر دیا گیا اور ظرف و مجرور کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور یہ عمل محققین کے نزدیک ان دونوں ہی کا ہو گیا اور ایک قول یہ ہے کہ عمل فعل محذوف کا ہے اور اس قول کو ابن مالک نے اختیار کیا ہے اور آپ کے لئے یہ جائز ہے۔ ان دونوں کو خبر مقدم بنا دیں اور مَا بعد کو مبتدا مؤخر

اور پہلا والا بہتر ہے اس کے تقدیم وتاخیر کے مجاز سے محفوظ ہونے کی بنا پر۔ اور اسی طرح کا عمل ان بقیہ میں سے جن پر یہ دونوں اعتماد کرتے ہیں جیسے اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ[1]، اور تمہارا قول ہے زیدٌ عندك اَبُوہ جَاءَ الَّذِی فِی الدَّارِ اَخُوہُ اور مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فِیہِ فَضْلٌ۔

اعتراض: کس صورت میں وصف موصول پر اعتماد کرتا ہے کہ اس پر ظرف اور مجرور کو محمول (قیاس) کیا گیا ہے۔

جواب:۔ جب وصف اُل کے بعد واقع ہو تو اُل موصول ہوتا ہے اور وصف اسکا صلہ اسی وجہ سے باری تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ[2] الخ میں فعل کا عطف اس پر جائز ہے۔

ثم قلتُ: التاسعُ اسمُ المصدرِ، وَالمرادُ بِہٖ اِسْمُ الجنسِ المنقولِ عن موضوعہٖ الیٰ اِفادۃِ الحدثِ، کَالکَلَامِ وَالثوابِ، وانما یُعمِلُہ الکُوفِی والبغدادِیُّ، وَاَمّا نحو «مُصَابُكَ الکَافِرَحَسَنٌ» فجائزٌ اجماعًا، لانّہٗ مَصْدَرٌ، وَعَکْسُہٗ نَحْوُ فَجَارِ وحَمَادِ۔

واقولُ: التاسعُ اسمُ المصدرِ، وھو یطلق علیٰ ثلاثۃ امور:

اَحَدُھَا: مَایَعْمَلُ اِتفاقًا، وَھو مابُدِئَ بمیمٍ زائدۃٍ لغیرِ المفاعلۃِ، کالمَضْرَبِ وَالمَقْتَلِ، وذلك لانہٗ مصدرٌ فی الحقیقۃِ، ویسمّی المصدرَ المیمیَّ وانما سَمَّوہُ اَحْیانًا اسمَ مَصْدرٍ تجَوّزًا، وَمِنْ اِعمالِہٖ قَوْلُ الشاعِرِ:

۲۱۸۔ اَظَلُومُ اِنَّ مُصَابَکُم رَجُلًا ... اَھْدَی السَّلَامَ تحِیَّۃً ظُلْمُ

الھمزۃُ للنِداءِ، وظلومُ: اسم امرأۃٍ منادی، ومُصَابکم: اسم اِنَّ، وھو مَصْدرٌ بمعنی اصابتکم، ویسمّی اسم مصدرٍ مجازًا، ورجُلًا: مفعولٌ بالمصدرِ، واھدی السَّلام: جملۃ فی موضع نصب علیٰ انہا صفۃ لرجُلا، وتحیۃ: مَصْدرٌ لاھدی السَّلامَ، مِنْ بَابِ «قعدتُ جُلوسًا» وظلم: خبرُ اِنَّ، ولھذا البیت حِکایۃ شھیرۃ عند اھلِ الادبِ۔

---

[1] کیا اللہ میں شبہ ہے (پ۱۳ ع۱۴) یہ جار مجرور کے استفہام پر اعتماد کرنے کی مثال ہے۔

[2] حاصل جواب یہ ہے کہ وصف (اسم فاعل ومفعول وغیرہ) پر جب "اُل" داخل ہوتا ہے تو اُل بمعنی موصول ہوتا ہے۔ اور وصف صلہ اور یہ وصف اس موصول پر اعتماد کرتا ہے اسکی مثال اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہ (بیشک خیرات دینے والے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض دیا (پ۲۷ ع۱۸) صلہ چونکہ جملہ ہوتا ہے لہٰذا صلہ پر جملہ کا عطف بھی جائز ہوگا چنانچہ آیت میں اقرضوا کا عطف مصدقین پر ہے جو اصدقن کی تقدیر میں ہے، قیاساً علیٰ ہٰذا جار مجرور اور ظرف بھی تو موصول کے بعد ذکر ہو سکتے ہیں۔

م:۔ نواں اسم مصدر ہے اور اس سے مراد وہ اسم جنس ہے جسکو اسکے وضعی معنی سے حدثی معنی کا فائدہ دینے کی طرف منتقل کر لیا گیا ہو جیسے کلام، ثواب اور اس کو صرف کوفی اور بغدادی عامل مانتے ہیں اور رہا مصابك الكافر حَسَنٌ جیسا تو یہ بالاتفاق جائز ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور فَجَادِ اور حَمَادِ جیسا اسکا الٹا ہے (یعنی ان کو عمل دینا جائز نہیں ہے ۔)

ش:۔ نواں اسم مصدر ہے اور اسکا اطلاق تین امور پر ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ کہ بالاتفاق عمل کرتا ہے۔ وہ وہ ہے جس کے شروع میں مفاعلت کے علاوہ میم زائدہ ہو جیسے مضرِب، مقتل، اور یہ اس لئے کہ درحقیقت مصدر ہے اور اسی کا نام مصدر میمی رکھا جاتا ہے اور کبھی اسکو مجازاً اسم مصدر بھی کہہ دیتے ہیں اور اسکے عمل دینے کی قبیل سے شاعر کا قول أظلومُ الخ[1] ہے ہمزہ ندا کا ہے اور ظلوم ایک عورت کا نام ہے۔ منادیٰ ہے اور مصابكم اِنَّ کا اسم ہے اور یہ مصدر ہے بمعنی اِصَابتکم اور اسکا نام مجازاً اسم مصدر رکھا جاتا ہے اور رَجُلًا مصدر کا مفعول ہے اور اَهْدَى السَّلَام جملہ ہے رَجُلًا کی صفت ہونیکی بنا پر محلِ نصب میں ہے اور تحیۃ مفعول مطلق ہے اهدى السّلام کا قعدتُ جلوسًا کی قبیل سے اور ظلم اِنَّ کی خبر ہے اور اُدباء کے یہاں اس شعر کا ایک قصہ[2] مشہور ہے۔

---

[1] اے ظلوم! تمہارا کسی ایسے آدمی کو تکلیف دینا ظلم ہے جس نے سلام کا ہدیہ پیش کیا ہے۔ یہ شعر حارث بن خالد مخزومی کا ہے۔ محلِ استشہاد مصابکم رَجُلًا ہے کہ شعر میں مصدری معنی پر دلالت کرنیوالے مصدر میمی نے فاعل یعنی کم کو محلاً رفع اور مفعول یعنی رَجُلًا کو نصب دیا ہے۔

[2] ابوعثمان مازنی مشہور نحوی فقیر اور قلاش تھے۔ ایک دن ان سے ایک ذمی نے سو دینار اُجرت پر کتاب سیبویہ پڑھنے کی درخواست کی، ابوعثمان نے درخواست رَد کر دی، اور ان کے جلیل القدر شاگرد ابو العباس مبرد جو ان کی پریشان حالی اور فقر و فاقہ سے واقف تھے انہوں نے ان کے انکار پر کسی قدر غصہ کا اظہار کیا۔ ابوعثمان نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذمی کو ایسی کتاب پڑھاؤں جس میں تین سو ...... ہیں۔ اور اتنی قرآنی آیات ہیں۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ ایک لڑکی نے واثق عباسی کے دربار میں شعر اظلوم ان الخ پڑھا۔ یزیدی جو اسی مجلس میں موجود تھا اس نے لڑکی کے رجلاً کو منصوب پڑھنے پر نکیر کی اور کہا کہ رفع پڑھو، لڑکی نے کہا کہ میں نے اپنے استاذ ابوعثمان مازنی سے اسی طرح سُنا ہے۔ چنانچہ واثق نے ابوعثمان کو بصرہ سے بُلوایا پھر لڑکی نے نصب کے ساتھ شعر پڑھا۔ ابوعثمان نے وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ مُصَاب بمعنی اِصَابۃ مصدر میمی ہے، اور رجلاً اس کا مفعول ہے۔ واثق نے خوش ہوکر ایک ہزار کا حکم کیا۔ ابوعثمان جب بصرہ واپس آئے تو اپنے شاگرد مبرد کو قصہ سُنایا اور ترکنا ماشۃ للہ فعوضنا اللہ منہا الفًا۔

(منتہی الارب)

والثاني: مَالا يعمَل اتفاقًا، وهُوَمَا كانَ مِنْ أسْماءِ الاحْداثِ عَلَمًا كـ «سُبْحان» عَلَمًا لِلتسبيح، و «فَجَارِ» و «حَمادِ» عَلَمَيْنِ للفجرة والمحمدة۔

والثالث: مَا اختلف في إعْمَالهِ، وهو مَا كان اسْمًا لغير الحدثِ، فاستعمل له، كـ «الكلام» فإنّه في الاصْلِ اسْم للملفوظِ به مِنَ الكلمات، ثم نُقِل إلى معنى التكليم، و «الثوابِ» فإنّه في الاصْلِ إسْمٌ لِمَا يُثَابُ به العُمّالُ، ثم نقل إلى معنى الاثابةِ، وهٰذا النوع ذهبَ الكوفيون و البغداديونَ إلى جوازِ إعْمَالهِ تمسكًا بما وردَ مِنْ نحو قوله۔

۲۱۹۔ أكفرًا بعدَ ردِّ الموتِ عنّي ۔۔۔ وَبَعْدَ عَطائِكَ المِائَةَ الرِّتَاعَا

وقوله:

۲۲۰۔ لِأنَّ ثوابَ اللّٰهِ كُلَّ مُوَحّدٍ ۔۔۔ جِنَانٌ مِنَ الفِرْدَوْسِ فِيهَا يُخَلَّدُ

وقوله:

۸۔ قالوا: كَلَامُكَ هِنْدًا وهي مُصْغِيَةٌ ۔۔۔ يَشْفِيكَ؟ قلتُ: صَحِيحٌ ذاكَ لَوْ كَانَا

ومنعَ ذلك البصريُّون، فاضمروا لهٰذه المنصوبات افعالًا تعمل فيها۔

اور دوسرا وہ ہے جو بالاتفاق عمل نہیں کرتا اور وہ اسمار احداث ہیں جبکہ عَلَم ہوں جیسے سُبْحَان تسبیح کا عَلَم ہونیکی حالت میں اور فَجَارِ، حَمَادِ، فَجَرَة (فاجر ہونا) اور محمدة (بمعنی تعریف کرنا) کے عَلَم ہونیکی حالت میں۔ اور تیسرا وہ ہے جسکے عمل میں اختلاف ہے وہ وہ ہے جو غیر حدث کا اسم ہو پھر حدث کیلئے مستعمل ہو جیسے کلام کہ وہ دراصل تلفظ کئے ہوئے کلمات کا نام ہے پھر اسکو تکلیم (مصدری معنی یعنی گفتگو کرنے) کی طرف منتقل کر لیا گیا اور ثَوَاب وہ دراصل اس (بدلہ) کا نام ہے جو عمل کرنیوالوں کا دیا جاتا ہے پھر اِثَابَة (ثواب دینے) کے معنی کی طرف منتقل کر لیا گیا اور اس نوع کو عمل دینے کے جواز کی طرف کوفی و بغدادی گئے ہیں ان اشعار سے استدلال کرتے ہوئے جو وارد ہوئے جیسے شاعر کا قول اکفرا بعد الخ[۱]

---

[۱] کفرًا ناشکری، نعمت کا انکار کرنا۔ الرتاع رَاتِعَة کی جمع ہے، شادابی میں چرنے والا، فربہ اونٹ۔ عمیر قطامی کا شعر ہے: کیا ناشکری (کروں؟ آپکے) مجھ سے موت کو رد کرنے (یعنی قید سے رہا کرتے) کے بعد اور آپ کے (مجھ کو) سو موٹے موٹے اونٹ دینے کے بعد۔ محل استشہاد: عطائك المائة، ہے اسم مصدر عطاء نے فعل جیسا عمل کیا کہ «ك» ضمیر فاعل اور المائة کو مفعول بنایا ہے۔

اور شاعر کا قول لانّ ثواب[1] الخ اور شاعر کا قول قالوا کلا ملک[2] الخ اور بصریوں نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ اسی وجہ سے ان منصوبات کے لئے کچھ ایسے افعال مقدر مانتے ہیں جو ان میں عمل کرتے ہوں۔

ثمّ قلتُ: العاشرُ اسم التفضيلِ، كأفضَلَ و أعْلَمَ، ويَعمل في تمييزٍ، وظـرفٍ، وحَالٍ، وفاعلٍ مُستترٍ، مُطلقاً، ولا يَعمَل في مَصْدرٍ، ومفعُولٍ به أو لَـهُ، أو مَعَهُ، ولا في مرفوعٍ مَلفوظ به - في الاصحّ - إلّا في مَسألةِ الكُحْلِ،

واقول: إنّما أخّرتُ هٰذا عنِ الظرفِ والمجرُورِ، وإن كان مَاخوذاً مِـن لفظِ الفِعلِ، لِانّ عمَلَهُ في المرفوعِ الظاهـر ليسَ مطرداً كما تراه الآنَ۔

وأشرتُ بالتمثيلِ بأفضَلَ وأعـلَمَ الى انّهُ يبنى من القاصر والمتعدّي۔

ومِثالُ إعمالِهِ في التمييز: (أنا أكثرُ مِنكَ مَالاً وَأعَزُّ نفراً) (هُم أحسَنُ أثاثاً وَرِئياً)

ومِثالُ إعمالِهِ في الحَالِ « زيدٌ أحسَنُ النّاسِ مُتبَسِّماً » و « هٰذا بُسْراً أطيبُ مِنهُ رُطَباً»

ومِثالُ إعمالِهِ في الظـرفِ قولُ الشّاعِـرِ:

۲۲۱- فَإنّا وَجَدْنَا العِرضَ أحوَجَ سَاعَةً ‎ ‎ إلَى الصَّوْنِ مِن رَيطٍ يمانٍ مُسَهَّمِ

ومِثالُ إعمالِهِ في الفاعلِ المُستترِ جَميعُ مَاذكرنَا۔

م :- دسواں اسم تفضیل ہے جیسے افضل، اعلم اور اسم تفضیل تمیز، ظرف، حال اور ہر طرح کے فاعل مستتر میں عمل کرتا ہے اور مصدر، مفعول بہ، مفعول لہ، مفعول معہ میں عمل نہیں کرتا اور نہ ہی صحیح قول کے مطابق مرفوع لفظی میں سوائے مسئلہ کحل کے۔

ش : اس کو میں نے ظرف اور مجرور کے بعد میں اس لئے بیان کیا کہ مرفوع ظاہر میں اسکا عمل عام نہیں ہے اگرچہ فعل سے مشتق ہے جیسا کہ ابھی آپ دیکھتے ہیں۔

---

[1] حضرت حسانؓ کا شعر ہے۔ ہر موحّد کا اللہ کے یہاں بدلہ جنت الفردوس کے باغات ہیں جنہیں وہ ہمیشہ رہیگا اس شعر میں ثواب، اسم مصدر ہے اس نے کل موحد کو مفعول بنایا ہے۔ [2] لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارا ہند سے گفتگو کرنا باعث تسکین ہوتا ہے جبکہ وہ متوجہ ہو میں کہتا ہوں۔ ہاں یہ صحیح ہے بشرطیکہ ایسا ہو۔ کلام اسم مصدر اسلئے اس نے فعل جیسا عمل کیا ہے کہ ھندا کو مفعول بنایا ہے۔

اور میں نے افضل اور اَعْلَم مثال دیکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ لازم اور متعدی (دونوں) سے بنایا جاتا ہے تمیز میں اسکے عمل کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد اَنَا اَکْثَرُ مِنْكَ الخ[1] اور هُمْ اَحْسَنُ الخ[2] ہے اور حال میں اس کے عمل کی مثال زیدٌ اَحْسَنُ النَّاسِ متبسمًا اور هٰذَا بُسْرًا اَحْسَنُ منه رُطَبًا[3] ہے اور ظرف میں اسکے عمل کی مثال شاعر کا قول فَاِنَا وَجَدْنَا الخ[4] ہے اور فاعل مستتر میں اسکے عمل کی مثال وہ تمام ہیں جو ہم نے ذکر کیں۔

ولا يعمَل فی مَصْدرٍ، لاتقول: زيدٌ احسنُ النَّاسِ حسنًا، ولا فی مفعول بـه، لاتقول: زيدٌ اشربُ الناسِ عَسَلًا، وانما تعدّيه اليهِ باللّام، فتقول: زيدٌ اشربُ الناسِ للعَسَلِ، ولافی فاعلٍ ملفوظ بـه، لاتقول: مَرَرْتُ برجُلٍ اَحْسَنُ منه اَبُوهُ، الّا فی لغةٍ ضعيفةٍ حكاها سيبويه، واتفقتِ العَـربُ علیٰ جَوازِ ذٰلك فی مَسْألةِ الكحلِ، وضابطها: ان يكون اَفعَـل صفةً لاسْمِ جنسٍ مَسْبوقٍ بنفیٍ، والفاعـل مُفَضلًا علیٰ نفسِه باعتبارين، وذٰلك كقولِ النبی صَلی اللهُ عليهِ وسَلم: «مَا مِنْ اَيّامٍ احبَّ الیٰ اللهِ فـيها الصَّومُ منه فی عشرِ ذی الحجةِ»، وقول العرب: مَارأيتُ رجُلًا اَحْسَنَ فی عَيْنِـه الكُحلُ منه فی عينِ زيْـدٍ، وبهٰذا المثالِ لُقبتِ المسألة بمَسْألةِ الكُحلِ، وقوله:

۲۲۲۔ مَارأيتُ امرًا احبَّ اليهِ البَذْلُ　　منه اليكَ يـا ابْنَ سِنَانِ

ولم يقع هٰذا التركيبُ فی التنزيـلِ۔

واعلم انّ مرفوعَ «احبّ» فی الحديث والبيت نائبُ الفاعلِ، لِانّهُ مبنیٌ من فعل المفعول، لا من فعلِ الفاعلِ، ومرفوع اَحسن فِی المثالِ بالعكسِ، لانّ بناءهُ علی العكسِ

---

[1] میرے پاس مال اور باعزت لوگ تجھ سے زیادہ ہیں۔ (پ ۱۵ ع ۱۷)

[2] وہ ان سے سامان اور نمود میں زیادہ بہتر تھے۔ پ ۱۶ ع ۸)

[3] یہ (کھجور) گدر کھجور ہونے کی حالت میں اس سے پکی کھجور ہونے کی حالت میں ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔

[4] الصَّون (ن) حفاظت کرنا، ریط ، ریطة کی جمع ہے، ایک پاٹ کی چادر، پلہ، مسہم دھاری دار۔ اوس بن حجر کا شعر ہے، ہم نے عزت کو ایسا پایا یعنی سمجھا کہ اس کی حفاظت کی ہر وقت یمنی دھاری دار چادروں سے زیادہ ضرورت ہے۔ اَحْوَجُ اسم تفضیل ہے۔ اس نے ساعت کو ظرفیت کی بنا پر نصب دیا ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ النبی اَوْلیٰ بالمؤمنینَ مِنْ انفسهم میں اسم تفضیل اولیٰ ظرف یعنی بالمؤمنین میں عمل کر رہا ہے۔

اور اسم تفضیل مصدر (یعنی مفعول مطلق) میں عمل نہیں کرتا تم زَیۡدٌ اَحۡسَنُ النَّاسِ حُسۡنًا نہیں کر سکتے اور نہ ہی مفعول بہ میں تم زَیۡدٌ اَشۡرَبُ النَّاسِ عَسَلًا نہیں کر سکتے لیکن تم اسکو لام کے ذریعہ مفعول بہ کی طرف متعدی کر سکتے ہو چنانچہ اسوقت آپ زَیۡدٌ اشربُ النَّاسِ لِلۡعَسَلِ کر سکتے ہیں اور نہ ہی فاعل ملفوظ میں (عمل کرتا ہے) آپ مَرَرۡتُ بِرَجُلٍ اَحۡسَنَ مِنۡهُ اَبُوۡهُ نہیں کر سکتے سوائے ایک ضعیف لغت کے جسکو سیبویہ نے نقل کیا ہے اور عرب مسئلۃ الکحل میں اسکے جواز پر متفق ہیں اور اس مسئلہ کا ضابط (یعنی اسکی علامت) یہ ہے کہ اسم تفضیل کسی ایسے اسم جنس کی صفت ہو جس سے پہلے نفی ہو اور فاعل مفضل علیہ ہو (اور مفضل بھی) دو الگ الگ اعتبارات سے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے مَا مِنۡ اَیَّامٍ الخ[۱] اور عربوں کا قول ہے مَا رَأَیۡتُ الخ[۲] اور اسی (دوسری) مثال کی وجہ سے مسئلہ کا لقب مسئلۃ الکحل پڑا اور شاعر کا قول ہے مَا رأیتُ[۳] الخ اور یہ ترکیب قرآن پاک میں نہیں واقع ہوتی ہے ——— اور جان لو کہ حدیث اور شعر میں، اَحَبَّ، کا مرفوع (یعنی الصَّوم اور البذل) نائب فاعل ہے کیوں کہ وہ مفعول کے فعل (یعنی فعل مجہول) سے بنا ہے نہ کہ فاعل کے فعل (یعنی معروف) سے اور مثال میں ،اَحۡسَنَ، کا مرفوع اس کے برعکس ہے کیونکہ اس کی ساخت اس کے برعکس ہے[۴] (کہ اَحۡسَنَ فعل معروف لازم سے بنا ہے اور فعل لازم کا فاعل ہی آتا ہے نائب فاعل نہیں)۔

ثم قلتُ: وَاِذَا کَانَ بِاَلۡ طَابَقَ، اَوۡ مُجَرَّدًا اَوۡ مُضَافًا لِنَکِرَۃٍ اُفۡرِدَ وَذُکِّرَ، اَوۡ لِمَعۡرِفَۃٍ فَالۡوَجۡهَانِ۔

---

[۱] دوسرے دنوں میں روزہ رکھنا اللہ کو اتنا پسند نہیں ہے جتنا کہ عشرۂ ذی الحجہ میں روزہ رکھنا۔ اَحَبَّ اسم تفضیل ہے اس سے پہلے نفی ہے اور الصوم نائب فاعل ہے۔ جو مفضل اور مفضل علیہ دونوں ہے۔ صوم عشرہ میں واقع ہونے کے اعتبار سے مفضل ہے۔ اور دوسرے دنوں میں واقع ہونے کے اعتبار سے مفضل علیہ ہے۔

[۲] میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کی آنکھ میں سرمہ اتنا زیادہ اچھا لگتا ہو جتنا کہ زید کی آنکھ میں۔ اسمیں بھی الکحل فاعل ہے۔ جو زید کی آنکھ کے اعتبار سے مفضل ہے اور غیر کی آنکھ کے اعتبار سے مفضل علیہ ہے۔

[۳] اے ابن سنان! میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کو خرچ کرنا اتنا زیادہ پسند ہو جتنا کہ تجھ کو۔ اس میں محل استشہاد: احبّ الیه البذل ہے۔ کہ اسم تفضیل احبّ نے اسم ظاہر غیر سببی یعنی البذل کو رفع دیا ہے۔ اور البذل ابن سنان کے اعتبار سے مفضل اور اس کے علاوہ کے اعتبار سے مفضل علیہ ہے۔

[۴] حدیث میں الصوم اور شعر میں البذل نائب فاعل ہیں فاعل نہیں ہیں۔ کیونکہ فاعل تو فعل معروف سے یا فعل معروف سے مشتق سے آتا ہے۔ اور احبّ فعل مجہول سے مشتق ہے۔ لہٰذا اس کا نائب فاعل آئیگا۔ یہی وجہ ہے کہ الصوم اور البذل پر عمل واقع ہے۔ بخلاف مارأیت رجلا احسن الخ کے کہ اس میں الکحل فاعل ہے نائب فاعل نہیں۔ کیونکہ احسن فعل معروف لازم سے بنا ہے اور لازم کا نائب فاعل نہیں آتا۔

واقول: استطردت فِي اَحْكَامِ اسْمِ التفضيل، فذكرت انّهٗ علی ثلاثۃِ اقسامٍ:

اَحَدُهَا: مایجبُ (فیہ) ان یکون طِبقَ مَنْ ھولہٗ، وھومَا کانَ بالالفِ واللام،

تقول: « زیدٌ الافضلُ » و « ھِندٌ الفُضْلٰی » وَ الزیدَانِ الْاَفْضَلَانِ » و « الھِندانِ الفُضْلَیَانِ » وَ « الزَّیدونَ الاَفْضَلُونَ » وَ « الھِندَاتُ الفُضْلَیَاتُ » اَوِ الفُضَلُ »

الثانی: مَایجبُ فیہِ ان لایطابق، بَل یکون مفردًا مُذکرًا علیٰ کل حَالٍ، وھو نوعَانِ، اَحَدُھُمَا: المجرّدمن اَل والاضافۃِ، تقول « زید— اَوْھِند— افضل من عَمْرٍو » والزَّیْدَانِ — اوالھندانِ — افضل من عَمْرٍو »

و الثانِی: المضاف الیٰ نکرۃ، تقول « زیدٌ افضلُ رجُلٍ » و « الزیدانِ افضلُ رَجُلَیْنِ » وَ « الزیدونَ افضل رِجَالٍ » و « ھِنْدٌ افضلُ امراۃٍ » و « الھِنْدانِ افضل امرأتینِ » و « الھِنْدَاتُ افضلُ نسوۃٍ » وتجبُ المطابقۃ فِی تلک النکرۃِ کَمَا مَثَّلْنَا » واَمّا قولہٗ تعالیٰ: (وَلَاتَکُونُوا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ) فالتقدیر اَوّل فریق کافرٍ، ولولا ذالک لقیل: اوّل کافرِیْنَ، اَوْ التقدیر: ولایکن کلّ منکم اوّل کافرٍ، مثل (فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃً) ۔

م:۔ اور جب اسم تفضیل معرف باللام ہو تو مطابق ہوگا یا اَلْ سے خالی ہو یا نکرہ کی جانب مضاف ہو تو (ان دونوں صورتوں میں) مفرد ہوگا اور مذکر ہوگا یا معرفہ کی طرف مضاف ہوگا تو دونوں صورتیں (جائز) ہیں۔

ش:۔ میں نے اسم تفضیل کے احکام میں جامعیت پیدا کرنا چاہی اسی وجہ سے میں نے ذکر کیا کہ اسکی تین قسمیں ہیں ایک قسم یہ کہ جسمیں اسم تفضیل کا اس کے مطابق ہونا واجب ہے جس کے لئے وہ ہے اور یہ وہ اسم تفضیل ہے جو معرف باللام ہو جیسے زَیْد الْاَفْضَل اور ھِند الفُضْلیٰ، الزَّیْدَانِ الاَفضلانِ، الھندَانِ الفُضْلَیانِ، الزَّیْدُوْنَ الافضلون اور الھِنْدَاتُ الفُضْلَیَاتُ یا الفُضَل۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں مطابق ہونا واجب ہے بلکہ ہر حال میں مفرد مذکر ہوگا۔ اس کی دو انواع ہیں پہلی نوع وہ ہے جو اَلْ اور اضافت سے خالی ہو جیسے زید — یا ھند — افضل

مِنْ عَمْرٍو، الزیدانِ - یا - الهندانِ — افضل من عمرو، اور الزیدون - یا الهندات — افضل من عمرو اور دوسری نوع وہ ہے جو نکرہ کی طرف مضاف ہو جیسے زیدٌ افضلُ رجلٍ، الزیدانِ افضل رَجُلَین، الزیدون افضل رجالٍ، هندٌ افضل امرأةٍ، الهندانِ افضل امرأتین، اور الهنداتُ افضل نسوة اور اس مضاف الیہ نکرہ کا (مذکر، مونث، مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں اس موصوف یعنی مَنْ هُوَ لَهُ کے مطابق ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہم مثالیں دیں۔ اور رہا باری تعالیٰ کا ارشاد وَلَا تَكُونُوا[1] الخ تو اس کی تقدیر اول فریق کافر ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو کہا جاتا اوّل کافرین یا تقدیر فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً کی طرح ولا یکن کُلّ منکم اوّل کافر ہے۔

---

[1] اور تم اسکے سب سے پہلے منکر مت ہو۔ (پ ۱ ع ۵) یہ آیت دراصل جمہور کے مسلک پر ہونے والے ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض :- آپ نے ذکر کیا کہ اسم تفضیل کا استعمال اگر اضافت الی النکرۃ کے ساتھ ہو تو تذکیر و تانیث، مفرد، تثنیہ اور جمع کے اعتبار سے مضاف الیہ اور مَن ہولہٗ میں مطابقت ضروری ہے۔ جبکہ آیت میں یہ ضابطہ ٹوٹ رہا ہے، کہ اوّل اسم تفضیل ہے، اس کا مضاف الیہ کافر مفرد ہے، اور مَن ہولہٗ یعنی تکونوا کی ضمیر انتم ہے جو جمع ہے۔ بالفاظ دیگر مفضل علیہ مفرد اور مفضل جمع۔

جواب :- جمہور آیت میں تاویل کرتے ہیں۔ تاویل یا تو مفضل علیہ میں کیجائیگی کہ مفضل علیہ کسی ایسے مقدر لفظ کو بنایا جائے جو لفظاً مفرد ہو مگر جمع کا مفہوم ادا کرے جیسے فریق اسم جمع ہے، اس کو اول کا مضاف الیہ بنا دیا اور کافر کو اس کی صفت قرار دیا جائے۔ تقدیر عبارت ہوگی ولا تکونوا اوّل فریق کافر بہٖ۔ اس صورت میں مفضل اور مفضل علیہ دونوں جمع ہونے میں مطابق ہو جائیں گے۔ اگر اس تاویل کو نہ کریں تو عبارت ولا تکونوا اوّل کافرین بہٖ ہونی چاہیے تھی۔ اور تاویل یا مفضل میں کی جائے گی کہ مفضل (یعنی انتم) کو کسی ایسے لفظ سے تعبیر کیا جائے جو لفظاً مفرد ہو مگر مفہوم جمع ہی کا ادا کرے۔ مثلاً کل منکم نکرہ ہے جو تحت النفی واقع ہو رہا ہے۔ اور نکرہ تحت النفی عموم سلب کا فائدہ دیتا ہے۔ اس لئے آیت کے مفہوم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تقدیر عبارت ہوگی ولا یکن کل منکم اوّل کافر بہٖ۔ اس صورت میں مفضل اور مفضل علیہ میں مفرد ہونیکے اعتبار سے مطابقت ہو جائے گی۔ فلا اعتراض۔

اور اسی انداز کی تاویل فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً میں کی جائے گی۔ یعنی تقدیر عبارت ہوگی فاجلدوا کُلاً منہم ثمانین جلدۃ۔ یعنی ہر تہمت لگانے والے کو اسّی کوڑے لگاؤ۔ اگر یہ تاویل نہ کریں تو مفہوم ہوگا کہ تمام تہمت لگانے والوں کے مجموعہ کے اسّی کوڑے لگاؤ۔ حالانکہ یہ مُرادِ باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔

والثالثُ: مَايجوزفيه الوجهان، وهوالمضاف لمعرفةٍ، تقول: زيدٌ افضلُ القومِ، وَ « الزَّيْدَانِ افضلُ القومِ » و « الزيـدُوْنَ افضلُ القومِ » و « هِندٌ افضـلُ النساءِ » و « الهِنْدَانِ افضلُ النِساءِ » وَ « الهِـنْدَاتُ افضلُ النِساءِ » وان شئتَ قلت « الزيـدَانِ افضَلَا القَومِ » و « الزيـدُوْنَ اَفْضَلو القَومِ » و « هِندٌ فُضْلَى النِساءِ » و « الهِنْدَانِ فُضْلَيَا النِساءِ » و « الهندَاتُ فضليات النِساءِ » وتَرْكُ المُطابقةِ اَوْلىٰ، قَالَ الله تعالىٰ: (وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيَاةٍ) وَلَمْ يقل اَحْرَصِي النَّاسِ، وقَـال الشاعر:

۲۲۳- وَمَيَّةُ اَحْسَنُ الثَقَلَيْنِ جِيْدًا   وسَالِفَةً، وَاَحْسَنُهُمْ قَـذَالَا

وَلَمْ يقل حُسنَى الثَقَلَيْنِ، ولاحُسْنَاهُمْ۔

وعن ابن السَرَّاج اِيجابُ تركِ المطابقةِ، ورُدَّ بقوله سُبحَانَهُ وتعَـالىٰ: (اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا) (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكَابِرَ مُجْرِمِيْهَا)

اور تیسری قسم وہ ہے جسمیں دونوں صورتیں جائز ہیں اور وہ وہ ہے جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جیسے زیدٌ افضلُ القومِ، الزیدَانِ افضَلُ القومِ، الزیدُوْنَ افضل القومِ، ھندٌ افضلُ النِساءِ « الھندانِ افضل النساءِ » اور « الھِـنْدَاتُ افضل النِساءِ اور اگر تم چاہو تو کہو۔ زیـدٌ اَفْضَلُ القَومِ، الزیدَانِ اَفْضَلَا القَومِ، الزَیـدُوْنَ اَفْضَلُو القومِ، ھِندٌ فُضْلَی النِساءِ، « الھِنْدَانِ فُضْلَیَا النِسَاءِ » اور الھِندَاتُ فُضْلَیَاتُ النِساءِ اور عدم مطابقت اولیٰ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَتَجِدَنَّهُمْ الخ اور اَحْرَصِی النّاسِ نہیں کہا۔ اور شاعر نے کہا ہے

ومَیَّۃُ احسنُ الخ

لہ تو دیکھے گا ان کو لوگوں میں (زندگی پر) سب سے زیادہ حریص (پ ۱ ع ۱۱) باری تعالیٰ کا مفضل کے جمع ہونیکے باوجود اسم تفضیل کا مفرد استعمال کرنا بتلا رہا ہے کہ عدم مطابقت اولیٰ ہے ورنہ احرص کی جمع لائی جاتی اور کہا جاتا ولنجدنہم احرصی الناس۔ اور احرصی الناس اصل میں احرصاین الناس تھا، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ لہ الثقلان جن وانس، جید گردن، سالفۃ گردن کا پہلو، بال القذال گدی۔ ذوالرمہ کا شعر ہے: اسکا نام غیلان بن عقبہ ہے۔ میۃ گردن اور بالوں کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔ اور ان میں گدی کے اعتبار سے بھی عمدہ ہے۔ محل استشہاد: احسنُ الثقلین اور احسنہم ہے کہ اسم تفضیل جو مضاف الی المعرفہ ہے اسکو مفرد مذکر لایا گیا ہے حیکہ مفضل یعنی میہ مفرد مؤنث ہے لفظی رعایت میں حسنی الثقلین اور معنوی رعایت میں حسناھم کہنا چاہئے۔

اور حسنی الثقلین نہیں کہا۔ اور نہ ہی حسناھم۔ اور ابن السراج سے عدم مطابقت کا وجوب منقول ہے اور یہ بات باری تعالیٰ کے ارشاد اِلَّا الَّذِیْنَ[1] الخ اور وکذٰلِكَ جَعَلْنَا[2] الخ کی وجہ سے مردود ہے۔

ثم قلت: ولایُبْنٰی ولایُنْقَاسُ هو وَلاَاَفْعَالُ التَّعَجُّبِ — وھِیَ: مَااَفْعَلَهٗ، وَاَفْعِلْ بِهٖ، وفَعُلَ — اِلَّامِنْ فِعْلٍ، ثُلَاثِیٍّ، مُجَرَّدٍ لفظًا وتقدیرًا، تَامٍّ، متفاوِتِ الْمَعْنٰی غَیْرِمَنْفِیٍّ، ولامبنی للمفعُولِ۔

واقول: لایبنی افضل التفضیل، وَلَامَااَفْعَلَهٗ واَفْعِلْ بهٖ وفَعُلَ فِی التَّعجبِ من نحو جِلْفٍ وکلبٍ وحمارٍ، لانّہا غیرُ أفعال، وقولُهم "مَا اَجْلَفَهٗ" و"مَا اَحْمَرَہٗ" و"مَا اَکْلَبَهٗ" خطأٌ، ولامن نحو دَحْرَجَ، لِانّهٗ رباعیّ، ولامن نحو انطلق وَاسْتَخْرَجَ، لِانّهٗ وَاِنْ کانَ ثُلَاثِیًّا لکنّهٗ مزیدٌ فیه، ولامن نحو هَیِفَ وغَیِدَ وحَوِلَ وسَوِدَ وحَمِرَ وعَمِیَ وعَرِجَ، لِانّہا وان کانت ثلاثیّة مجرّدة فِی اللفظِ لکنّہا مزیدة فِی التقدیرِ، اِذْ اَصْلُ حَوِلَ اَحْوَلَّ وعَوِرَ اَعْوَرَّ وغَیِدَ اَغْیَدَّ، والدلیلُ علٰی ذلك ان عینا تہا لم تقلب الفًا مع تحرّکہا وانفتاح مَا قبلہا، فلولا ان مَا قبل عیناتہا ساکن فی التقدیر لوجبَ فیہا القلبُ المذکور، ولامن نحو کَانَ وظلّ وبَاتَ وصَارَ، لِانّہا غیرُ تامّةٍ، ولامن نحو ضُرِبَ لانّهٗ مبنی للمفعول، ولامن نحو مَا قام وماعاج بالدَّواءِ، لانّهٗ منفی۔

م:۔ اسم تفضیل نہ بنایا جاتا ہے اور نہ اسکو (خلاف ضابطہ مثالوں پر) قیاس کیا جاتا ہے اور نہ افعال تعجب کو جو مَااَفْعَلَهٗ و اَفْعِلْ بِهٖ اور فَعُلَ ہیں۔ مگر اس ثلاثی فعل سے جو لفظًا اور تقدیرًا مجرد ہو، تام ہو، مختلف المعنی ہو منفی نہ ہو اور نہ ہی مجہول ہو۔

---

[1] مگر جو ہم میں نیچے قوم ہیں۔ (پ۱۲ ع۳) اَرَاذِلُ کو مفضل کی رعایت میں جمع استعمال کرنا مطابقت کے جواز کی دلیل ہے۔ لہٰذا ابن السراج کا عدم مطابقت کو واجب کہنا باطل ہے۔

[2] اور ہم نے گنہگاروں کے سردار ہر بستی میں اسی طرح کئے ہیں۔ (پ۸ ع۲) آیت کریمہ سے بھی ابن سراج کا قول باطل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ آیت میں اسم تفضیل یعنی اکابر کو جمع استعمال کیا گیا ہے۔ اگر عدم مطابقت ضروری ہوتی تو باری تعالیٰ قطعًا استعمال نہیں کرتے۔

ش :۔ اسم تفصیل نہیں بنایا جاتا ہے اور نہ ہی مَا اَفْعَلَهٗ و اَفْعِلْ بِهٖ اور فَعُلَ تعجب[1] کے لئے جَلَفَ ، کَلَبَ اور حمار جیسے الفاظ سے کیونکہ یہ تینوں کلمات غیر افعال ہیں اور عربوں کا قول «مَا اَجْلَفَهٗ» و «مَا اَحْمَرَهٗ» اور مَا اَكْلَبَهٗ غلط ہے اور نہ ہی دَحْرَجَ جیسے سے کیونکہ یہ رُباعی ہے اور نہ ہی اِنْطَلَقَ اور اِسْتَخْرَجَ جیسے سے اسلئے کہ یہ اگرچہ ثلاثی ہیں لیکن مزید فیہ ہیں اور نہ ہی هَيِفَ ، غَيِدَ ، حَوِلَ ، سَوِدَ ، حَمِرَ ، عَمِيَ اور عَرِجَ جیسے سے کیونکہ یہ اگرچہ لفظاً ثلاثی مجرد ہیں لیکن تقدیراً مزید ہیں اسلئے کہ حَوِلَ کی اصل اِحْوَلَّ ہے اور عَوِرَ کی (اصل) اِعْوَرَّ اور غَيِدَ کی (اصل) اِغْيَدَّ ہے۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ انکے عین کلمے متحرک ماقبل مفتوح ہونیکے باوجود الف سے نہیں بدلے اگر انکے عین کلموں کا ماقبل تقدیراً ساکن نہ ہوتا تو ان میں مذکورہ تبدیلی واجب ہوتی اور نہ ہی (اسم تفضیل اور افعال تعجب) کَانَ ، ظَلَّ ، بَاتَ اور صَارَ سے (بنائے جاتے ہیں) کیونکہ یہ غیر تامہ ہیں اور نہ ہی ضُرِبَ سے کیونکہ یہ مجہول ہے اور نہ ہی مَا قَامَ اور مَا عَاجَ[2] بِالدَّوَاءِ سے کیونکہ یہ منفی ہے۔

ومَا سُمِعَ مخالفًا لشيءٍ ممَّا ذكرنا لم يُقَسْ عليه ، فمن ذلك قولهم «هُوَ اَلَصُّ مِنْ فُلَانٍ» و «اَقْمَنُ مِنْهُ» فبنوه من غير فعل ، بل من قولهم : هو لصّ «وقَمِنٌ بكذا» ، وقولهم «مَا اَتْقَاهُ» «من اتَّقَى» و «مَا اَخْصَرَ هٰذَا الكَلَامَ» «من اُخْتُصِرَ» وهُمَا ذوا زيادة والثاني مبني للمفعول ، وفي التنزيل : (ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ) وهُمَا من اَقْسَطَ إذا عَدَلَ ومن اَقَامَ الشَّهَادَةَ ، وسيبويه يقيس ذلك إذا كان المزيد فيه اَفْعَلَ ،

وفهم من قولي «ولا يُنْقَاسُ» انّه قد يُبْنَى من غير ذلك بالسماع دُوْنَ القِيَاسِ ، كما بينته۔

---

[1] فعل تعجب کے مشہور دو ہی صیغے ہیں (۱) مَا اَفْعَلَهٗ جیسے مَا اَجْمَلَ الوَرْدَةَ النَّاضِرَةَ (۲) اَفْعِلْ بِهٖ جیسے اَجْمِلْ بِالْوَرْدَةِ النَّاضِرَةِ۔ بعض نحویوں نے اور بھی ذکر کیے ہیں۔ مثلاً اَفْعَلَ جیسے اَحْسَنْتَ قَوْلًا یعنی آپکی بات کتنی عمدہ ہے۔ اسی طرح فَعُلَ ہے جیسے كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ۔ اخیرین میں سے آخری زیادہ مشہور تھا۔ اسی وجہ سے مصنف نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (مستفاد النحو الوافی ص ۳۴۸ ج ۳)
یعنی جلف ، کلب اور حمار جیسے سے اسم تفضیل اور افعال تعجب نہیں آتے۔ افعال تعجب تین ہیں۔ ما افعلہ و افعل بہ وفعل

[2] اسکو دوا سے فائدہ نہیں ہوا۔ اس معنی میں یہ فعل ہمیشہ منفی استعمال ہوتا ہے۔

اور جو (اسم تفضیل یا فعل تعجب ہمارے ذکر وہ (ضوابط) میں سے کسی کے خلاف سُنا جائے تو اس پر قیاس نہیں کیا جائیگا چنانچہ اسی (مسموع) کی قبیل سے عربوں کا قول ما الصَّ من فلانٍ[1]، اور ، اَقْمَنُ بِہٖ[2] منہُ ہے کہ عربوں نے اسکو غیر فعل سے بنایا ہے بلکہ اپنے قول ھو لصّ اور قِمنٌ بکذا سے بنایا ہے اور انکا قول مَا انقاھم، اتقی سے (بنا) ہے اور مَا اخصرھٰذا الکلام، اختصر سے اور یہ دونوں مزید ہیں اور دوسرا تو مجہول (بھی) ہے۔ اور قرآن پاک میں ہے ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ[3] الخ اور یہ دونوں (اَقْسَطُ، اَقْوَمُ) اَقْسَطَ (جبکہ عدل کرے) اور (اَقْوَمُ) اَقَامَ الشَّھَادَۃَ سے ہیں اور سیبویہ اس کو قیاس کر (کے بنا) لیتے ہیں جبکہ مزید فیہ افعل (یعنی باب اِفعال سے) ہو۔

اور میرے قول ، ولا ینقاس ، سے یہ بات بھی گئی کہ کبھی اسکے علاوہ سے سماعاً بنایا جاتا ہے نہ کہ قیاساً جیسا کہ میں نے بیان کیا۔

ثم قلت : بابٌ — واذا تنازع من الفعلِ اَوْ شبھہٖ عاملانِ فاکثرُ ما تأخّرمِنْ معمولٍ فاکثر، فالبصریُّ یختارُ اِعمالَ المجاورِ، فیضمرُ فی غیرہٖ مرفوعہٗ ویحذفُ منصوبہٗ اِن استُغنِیَ عنہ والاّ اخّرہٗ ، والکوفی الاسبق، فیضمرُ فی غیرہٖ مَا یحتاجُہٗ۔

واقول : لمّا فرغتُ مِنْ ذکرِ العوامِلِ اَرْدَفْتُھا بحکمِھا فی التّنازع ، ویسمّٰی ھٰذا البابُ بَابَ التّنازع ، وبابَ الإعمالِ۔

والحاصِلُ انّہٗ یتأتّی تنازع عاملین ، و اکثر، فی معمولٍ واحدٍ واکثر ، وان ذلک (جائز) بشرطین ، اَحَدُھُمَا : ان یکونَ العامِلُ مِنْ جنسِ الفعلِ اَوْ شبھِہٖ مِنَ الاسماء ، فلا تنازع بینَ الحروف ولا بینَ الحرف وغیرِہٖ ، والثانی : ان لا یکون المعمُوْل متقدمًا ، ولا متوسّطًا ، بَل متأخرًا ، فلا تنازع فی نحو : ، زیدًا ضربتُ واکرمتُ ، لتقدّمہٖ ، ولا فی نحو ، ضربتُ زیدًا واکرمتُ ، لتوسّطہٖ ، وجوّز ذلک بعضھم فیھما۔

---

[1] وہ تو فلاں سے بڑا چور[2] اور فلاں سے زیادہ تیز رفتار ہے۔ یا فلاں فلاں سے زیادہ موزوں ہے۔

[3] یہ ہیں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے۔ (پ۳ ع ۷)

م:۔ باب جب فعل یا شبہ فعل میں سے دو عامل یا زائد اس ایک یا زائد معمول میں جھگڑا کریں جو مؤخر ہے تو بصری پڑوسی کو عمل دینا پسند کرتے ہیں اور دوسرے میں مرفوع (فاعل) کو مضمر مانتے ہیں۔ اور اسکے منصوب کو حذف کر دیتے ہیں۔ اگر اسکی ضرورت نہو ورنہ اسکو مؤخر کر دیتے ہیں اور کوفی پہلے کو (عمل دینا پسند کرتے ہیں) اور دوسرے میں اس (معمول) کو مضمر مانتے ہیں جسکا وہ (عامل) تقاضا کرے۔

ش:۔ جب میں عوامل کے تذکرہ سے فارغ ہو چکا تو انکے بعد تنازع سے متعلق ان کے حکم کو ذکر کیا اور اس باب کو باب التنازع اور باب الإعمال کا نام دیا جاتا ہے۔

اور حاصل یہ کہ دو یا دو سے زائد عاملوں کا نزاع ایک معمول میں ہوتا ہے اور زائد میں اور یہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے ایک شرط یہ جیکہ عامل فعل کی جنس سے ہو یا اسکے مشابہ اسماء میں سے ہو لہذا حروف میں نزاع نہیں ہوتا اور حرف اور غیر حرف میں نہیں ہوتا۔ دوسری شرط یہ جیکہ معمول مقدم نہو وسط میں نہو بلکہ مؤخر ہو لہذا زَیْدًا ضَرَبْتُ وَاَکْرَمْتُ جیسے میں معمول کے مقدم ہونیکی وجہ سے نزاع نہیں ہے اور نہ ہی ضربت زیدًا و اکرمت جیسے میں اس کے درمیان میں ہونیکی وجہ سے اور اس کو بعض لوگوں نے (تقدم و توسط کی) دونوں صورتوں میں (تنازع فعلان کو) جائز قرار دیا ہے۔

مثال تنازع العامِلین معمولاً قوله تعالیٰ: (اٰتُونِي اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا) فـ (یاتونی) و (افرغ) عامِلَان طالبان لـ (قطرًا)

ومثالُ تنازع العامِلین اکثر من مَعْمُول «ضَرَبْتُ واَهَنْتُ زَيْدًا يَوْمَ الخَمِيْسِ۔

ومثال تنازع اکثر من عامِلین مَعْمُولاً وَاحِدًا قولُ الشّاعر:

۲۲۷۔ اَرْجُوْ وَاَخْشَى وَاَدْعُوْ اللهَ مُبْتَغِيًا
عَفْوًا وعافيةً في الرُّوْحِ والجَسَدِ

ومثالُ: تنازع اکثرمِن عامِلَیْن اکثر من معمُولٍ واحدٍ قولهُ صلى اللهُ علیهِ وَسَلَّمَ: «تُسَبِّحُوْنَ وَتُحَمِّدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ» فـدُبُرَ: ظرفٌ وثَلَاثًا: مفعُول مطلق، وهُما مطلوبان لِکُلٍّ مِنَ العَوَامِلِ الثلاثةِ۔ ومثالُ تنازع الفعلين مَا مَثَّلنا، ومثال تنازع الاسمين

قولُ الشاعِرِ:

۲۲۵۔ قَضیٰ کُلُّ ذِی دَیْنٍ فَوَفّیٰ غَرِیْمَہٗ ۔۔۔ وَعَزَّۃُ مَمْطُوْلٌ مُعَنًّی غَرِیْمُھَا

فی اَحَدِ القَولَیْنِ۔ ومثالُ: تنازعِ الفِعْلِ وَالاِسْمِ: (ھَاؤُمُ اقْرَءُوْا کِتَابِیَہْ)

دو عاملوں کے ایک معمول میں نزاع کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اٰتُوْنِیْ اُفْرِغْ الخ[1] اٰتُوْنِیْ اور اُفْرِغْ دو عامل ہیں جو قِطْرًا کو (معمول بنانا) چاہتے ہیں۔

اور دو عاملوں کے ایک سے زائد معمول میں نزاع کی مثال ضربتُ واھنتُ زیدًا یومَ الخمیس۔ اور دو سے زائد عاملوں کے ایک معمول میں نزاع کی مثال شاعر کا قول اَرْجُو وَاَخْشٰی الخ[2] ہے اور دو عاملوں کے ایک معمول سے زائد میں نزاع کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تُسَبِّحُوْنَ الخ[3] دُبُرَ ظرف ہے اور ثَلٰثًا مفعول مطلق ہے اور تینوں عوامل میں سے ہر ایک کے یہ دونوں مطلوب ہیں۔ اور دو فعلوں کے نزاع کی مثال وہی ہے جو ہم نے دی اور دو اسموں کے نزاع کی مثال شاعر کا شعر قضیٰ کُلّ الخ[4] دو قولوں میں سے ایک قول کے اعتبار سے ہے اور فعل اور اسم کے نزاع کی مثال ھَاؤُمُ اقْرَءُوْا[5] کِتَابِیَہْ ہے۔

---

[1] لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔ (پ۱۶ ع۲) [2] میں امید وار ہوں اور (اسکے عذاب سے) خائف ہوں۔ اور معافی اور روحانی و جسمانی عافیت چاہتے ہوئے اس سے دعا گو ہوں۔ ارجو، اخشی اور ادعو تینوں عوامل لفظ اللہ کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں۔ [3] تم سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھتے ہو۔

[4] ہر قرضہ والے نے ادا کر دیا اور اپنے قرض خواہ (کے حق) کو پورے طور پر چکا دیا۔ جبکہ عزہ کا قرض خواہ ٹالا ہوا (اور) پریشان ہے۔ یہ شعر کثیر عزہ کا ہے۔ عزہ اس کی محبوبہ کا نام ہے۔ دونوں کے غایت تعلق کی وجہ سے دونوں کے نام میں بھی ترکیب شامل ہو گئی۔ جیسے لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ایسے ہی کثیر عزہ ہے۔ اس میں ممطول اور معنی دونوں اسم ہیں۔ اور غریمہا کو نائب فاعل بنانا چاہتے ہیں۔ ایک طرف تو اس مثال کو دو اسموں کی مثال قرار دیا ہے اور دوسری طرف بقول محمد محی الدین عبد الحمید کے خود مؤلف نے اوضح المسالک میں کہا ہے ولیسَ منَ التنازعِ قولُہٗ: وعزۃ ممطول معنی غریمھا بل غریمھا مبتدأ و ممطول مُعنّی، خبرانِ او ممطول، خبر و، مُعَنًّی، صفۃ لہٗ، اَوْحالٌ من ضمیرہٖ۔ انتہی کلامہ۔ (منتہی)

[5] لو آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ (پ۲۹ ع۵) ھاؤم اسم فعل اور اقرؤا فعل دونوں کتابیہ کو اپنا اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں قال الرضی: ھَا اسمُ لِخُذْ، وقال ابو القاسم فیھا لغاتٌ اَجْوَدُھَا مَاحَکاہ سیبویہ فی کتابہٖ فقال العربُ تقول ھاءَ یَا رجُل بفتح الھمزۃ وھاءِ یَا امرأۃ بکسرِھَا وھاؤُما یا رجُلانِ اَو امرأتانِ وھَاؤُمْ یا رِجَال وھاؤن یا نسوۃ فالمیم فی ھاؤم کالمیم فی انتم وضمھا کضمھا فی بعض الاحیانِ، ونظمھُنا یخذوا وھو متعد بنفسہٖ الی المفعول۔

(روح المعانی ج۱۵)

واتفق الفريقان على جواز إعمال اىّ العاملين شئت، ثم اختلفوا فى المختار:

فاختار الكوفيون إعمال الاوّل لتقدّمه، والبصريون إعمال المتأخر لمجاورته

المعمولَ، وهو الصّواب فى القياس، والاكثرُ فى السّماع۔

فإذا أُعمل الثانى نظرت، فإذا احتاج الاوّل لمرفوع اضمر على وفق الظاهر

المتنازع فيه، نحو «قَامَا وَقَعَدَ اَخَوَاكَ» و«قامُوا وقَعَدَ إخْوَتُكَ» و«قُمْنَ

وقَعَدَ نسوتُك» وهٰذا اجماع من البصريين، وان احتاج لمنصوب فلا يخلو:

إمّا ان يصحّ الاستغناء عنه اولا، فان صحّ الاستغناء عنه وَجَبَ حَذْفُهُ،

نحو «ضربتُ وضربنى زيدٌ» ولا يجوز ان تضمرهٗ فتقول: ضربتهُ وضربَنِي زيدٌ،

الّا فى ضرورةِ الشعر:

۲۲۶۔ إذا كنتَ ترضيهِ ويُرْضِيكَ صَاحِبٌ

جِهَارًا فَكُنْ فِي الغيبِ اَحْفَظَ لِلْوُدِّ

وان لم يَصِحَّ وجبَ تاخيرهٗ، نحو: «رَغِبْتُ ورَغِبَ فى الزّيدَانِ عنهُمَا»

فریقین دونوں عاملوں میں سے جس کو آپ چاہیں اسکے عمل کے جواز پر متفق ہیں. پھر انکا اختلاف مختار و پسندیدہ (عمل) میں ہوا چنانچہ کوفیوں نے پہلے کو عمل دینا اسکے مقدم ہونیکی وجہ سے پسند کیا۔ اور بصریوں نے مؤخر کو اسکے معمول سے قریب ہونیکی وجہ سے (پسند کیا) ازروئے قیاس یہی صحیح ہے اور اسی کا سماع زیادہ ہے۔

جب دوسرے کو عمل دیا جائے تو آپ دیکھئے جب پہلا مرفوع کا محتاج ہو تو (معمول) متنازع فیہ ظاہر کے موافق اسمیں ضمیر مانی جائیگی جیسے قَامَا وقَعَدَ اخواك، قَامُوا وقَعَدَ إخْوَتُكَ ——— اور قُمْنَ وقَعَدَ نِسْوَتُكَ اور یہ بصریوں کا اجماع ہے اور اگر پہلا منصوب کا محتاج ہو تو (دو صورتوں سے) خالی نہیں یا تو اس سے استغنا درست ہوگا یا نہیں اگر اس سے استغنا درست ہو تو اسکا حذف واجب ہے جیسے ضربتُ وضربَنِي زيدٌ اور یہ جائز نہیں کہ آپ اسکی ضمیر مانیں پھر کہیں ضربتهٗ وضربَنِي زيدٌ۔ ہاں ضرورتِ شعری میں جائز ہے شاعر نے کہا ہے إذا كنتَ الخ اور اگر استغنا درست نہ ہو تو اس کو مؤخر ذکر کرنا ضروری ہے جیسے رغبت ورغبَ فِي الزيدانِ عنهُمَا۔

(حاشیہ نمبر آئندہ صفحہ پر)

وإذا أعمل الأول أضمر في الثاني ما يحتاجه: من مرفوع، ومنصوب، ومجرور،
فتقول: «قَامَ وقَعَدَا أخَوَاكَ» و«قَامَ وضَرَبْتُهُمَا أخَوَاكَ»، و«قَامَ ومررتُ
بِهِمَا أخَوَاكَ» ولا يجوز حذفه إذا كان مرفوعًا باتفاق، ولا إذا كان منصوبًا،
إلّا في ضرورة الشعر، كقول الشاعر:

۲۲۷- بِعُكَاظَ يعشِي الناظِرِينَ إذَا هُمُ لَمحُوا شُعَاعَهُ۔

ومن ثَمَّ قلنا في قوله تعالىٰ: (آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا) إنّه أعمل الثاني،
لأنّه لو أعمل الأول لوجب أن يقال «آتُونِي أُفْرِغْهُ عَلَيْهِ قِطْرًا»، وكذا في
بقية آي التنزيل الواردة من هذا الباب۔

اور جب پہلے کو عمل دیدیا جائے تو دوسرے میں مرفوع، منصوب اور مجرور میں سے جسکا وہ تقاضا کرے
اسکی ضمیر مانی جائے گی چنانچہ تم کہوگے قَامَ وقَعَدَا أخَوَاكَ، قَامَ وضربتهما اخواك اور قَامَ
ومَرَرْتُ بِهِمَا أخَوَاكَ اسکا حذف بالاتفاق اس وقت جائز نہیں جبکہ مرفوع ہو
اور نہ ہی اس وقت جبکہ منصوب ہو سوائے ضرورتِ شعری کے جیسے شاعر کا قول ہے بِعُكَاظَ[1] يعشي الخ

(حاشیہ گذشتہ اوراس صفحہ کا) [1] جب تم ساقی کو خوش کرتے ہو برملا اور ساقی تم کو راضی و خوش کرتا ہو تو محبوبت میں محبت کی خوب حفاظت کرنیوالے ہوجاؤ۔ اس میں شاہد «تُرْضِيهِ ويُرْضِيكَ صَاحِبٌ» ہے کہ دونوں فعلوں میں نزاع واقع ہوا۔ پہلا صَاحِب کو مفعول اور دوسرا صَاحِب کو فاعل بنانا چاہتا ہے۔ اور دوسرے کو عمل دے بھی دیا گیا۔ چنانچہ فاعل ہونے کی بناپر وہ مرفوع ہے۔ پھر پہلے میں صَاحِب کی ضمیر مفعول بناکر لگا دی گئی۔ یہ صرف ضرورۃ جائز ہے۔ کیونکہ نزاع کے حل کا اصول یہ ہے کہ جب دوسرے کو عمل دیدیا جائے اور پہلا غیر مرفوع اسم کا تقاضا کر رہا ہو، اور اسکو حذف کیا جا سکتا ہو تو حذف کرنا ضروری ہے۔ اسلئے کہ اگر ضمیر لائیں گے تو وہ ضمیر آگے والے اسم کی طرف لوٹے گی جس کے نتیجہ میں اضمار قبل الذکر لفظًا و رتبۃً لازم آئیگا۔ جو فضلہ میں ناجائز ہے۔ — حاشیہ صفحہ ھٰذا:

[1] عکاظ ایک بازار کا نام ہے جس میں عرب قبائل جمع ہوتے اور فخریہ اشعار پڑھتے۔ بعکاظ کا تعلق اس شعر سے نہیں ہے بلکہ جَمَعُوا سے ہے جو اس سے پہلے شعر میں مذکور ہے۔ یعنی جو انہوں نے عکاظ میں ہتھیار جمع کئے۔ یُعْشِي اِعْشَاء چندھیا دینا، نگاہ کو خیرہ کر دینا۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب بن ھاشم کا شعر ہے۔ دیکھنے والوں (کی نگاہ) کو خیرہ کر دے گی۔ اس (ہتھیار) کی شعاع جب وہ دیکھیں گے۔ محلِ استشہاد: یُعْشِي لمحوا شعاعَه ہے کہ یُعْشِي اور لمحوا میں سے ہر ایک شعاعَه کو اپنا معمول بنانا چاہتا ہے۔ یعنی پہلا فاعل اور دوسرا مفعول بنانا چاہتا ہے۔ پھر پہلے کو عمل دیدیا گیا اور دوسرے میں ضمیر لائی گئی اور عبارت ہوگئی۔ لمحوہ۔ مگر دوسرے سے مفعول کی ضمیر کو حذف کر دیا گیا۔ اور یہ صرف ضرورت شعری کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ دوسرے میں ضمیر ماننے سے نہ تو اضمار قبل الذکر لفظًا اور نہ رتبۃً لازم آتا ہے۔ بخلاف پہلے میں ضمیر ماننے کے کہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

اور اسی وجہ سے ہم نے باری تعالیٰ کے ارشاد۔ آتُوْنِیْ الخ میں کہا ہے کہ دوسرے کو عمل دیا گیا ہے کیونکہ اگر پہلے کو عمل دیا جاتا تو آتُوْنِیْ اُفْرِغْهُ عَلَیْهِ قِطْرًا کہا جانا واجب تھا یہی حال قرآن کی بقیہ ان آیتوں کا ہے جو اس باب سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

ثم قلتُ: بَابٌ — إذا شغل فعلاً أو وصفاً ضميرُ اسمٍ سابقٍ أو مُلابسٌ لضميرهِ عن نَصبِهِ وَجَبَ نصبُهُ بمحذوفٍ مُماثلٍ للمذكورِ ان تلا ما يختصُّ بالفعلِ كإنِ الشرطيّةِ وهلّا ومتى، وترجّح إن تلا ما الفعلُ بهِ أولى كالهمزةِ وما النافيةِ أو عاطفاً على فعليةٍ غيرِ مفصولٍ بأمّا نحو (أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ) (وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ) أو كان المشغولُ طلبًا، ووجب رفعُهُ بالابتداءِ إن تلا ما يختصُّ بهِ كإذا الفجائيّةِ، أو تلاهُ ما لهُ الصدرُ كـ «زيدٌ هل رأيتَهُ»، وهذا خارجٌ عن أصلِ هذا البابِ، مثلُ (وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ) و «زيدٌ ما أحسنَهُ»، و «ترجّح في نحو «زيدٌ ضربتُهُ» واستويا في نحو «زيدٌ قامَ وعمرًا أكرمتُهُ»۔

م:۔ باب۔ جب سابق اسم کی ضمیر یا اسکی ضمیر کا متعلق کسی فعل کو یا وصف کو نصب دینے سے باز رکھے تو مذکور کے مثل محذوف کے ذریعہ اسکو نصب دینا واجب ہے بشرطیکہ اسکے بعد کوئی ایسی چیز ہو جو فعل کیساتھ خاص ہو جیسے اِنْ شرطیہ، هَلَّا اور مَتٰی، اور نصب راجح ہوگا اگر اسکے بعد ایسی چیز آئے جسکا فعل زیادہ مستحق ہے جیسے همزہ اور مَا نافیہ، یا اس کا عطف ایسے جملہ فعلیہ پر ہو جو اَمّا کے ذریعہ مفصول نہ ہو۔ جیسے اَبَشَرًا مِّنَّا الخ اور وَالْاَنْعَامَ الخ یا فعل مشغول (مفسر طلبی ہو) تو بھی نصب راجح ہوگا) اور اسکو مبتدا ہونیکی وجہ سے رفع دینا واجب ہے اگر اسکے بعد ایسی چیز ہو جو مبتدا کے ساتھ خاص ہے جیسے اِذَا مُفَاجَاتِیہ یا اس کے بعد ایسی چیز ہو جسکے لئے صدارتِ کلام ہے جیسے زَیْدٌ هَلْ رَأَیْتَهُ اور کُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ اور زَیْدٌ مَا اَحْسَنَهُ جیسا خارج ہے اور زَیْدٌ ضَرَبْتُهُ جیسے میں رفع راجح ہے اور زَیْدٌ قَامَ وَعَمْرًا اَکْرَمْتُهُ جیسے میں دونوں (نصب ورفع) برابر ہیں۔

واقول: هذا الباب المسمّى بباب الاشتغال، وحقيقتهُ: ان يتقدم اسمٌ، ويتأخر عنه عاملٌ، هو فعلٌ أو وصفٌ، وكلٌّ من الفعلِ والوصفِ المذكورَين مشتغلٌ عن نصبهِ لهُ بنصبهِ لضميرهِ لفظًا كـ «زيدًا ضربتُهُ» او محلًّا كـ «زيدًا

مررتُ بِهٖ ، او لما لابسَ ضميرَه ، نحو: « زيدٌ اضربتُ غلامهٗ » اَوْ سمررتُ بِغُلَامِهٖ ،

والاسم فى هٰذه الامثلة ونحوها اَصْلُهٗ ان يجوز فيهِ وَجْهَانِ، اَحَدُهُمَا

ان يرفع على الابتِداءِ، فالجُمْلةُ بعدهٗ فى محلِ رفع على الخبريةِ، و الثانى: ان

ينصبَ بفعلٍ محذوفٍ وجوبًا يفسّره الفعل المذكور، فلا موضع لِلجُملَةِ

بعدهٗ لانها مفسّرة۔

وفُهِمَ من قولى « فِعْلٌ اَوْ وَصْفٌ » اَنّ العَامِلَ اِن لم يكن اَحَدَهُمَا لم تكن المسألة

مِنْ بَابِ الاشتغالِ، وذلك نحو: « زَيْدٌ اِنَّهٗ فاضِلٌ » و « عَمْرٌو كَانّهٗ اَسَدٌ »

وذلك لِاَنّ الحرف لايعمل فيما قبلهٗ، وكذلك نحو: « زيدٌ دَرَاكِهٖ » و « عَمْرٌو

عَلَيْكَهٗ » لِاَنّ اسم الفِعلِ لايعمَل فيما قبلهٗ ، وَمَا لايعمَل لايفسر عَامِلًا ،

ومِنْ ثَمّ لَمْ يَجُزِ النصبُ على الاشتغالِ فى نحو: (وَكلّ شىءٍ فَعلوه فى الزُّبُرِ)

وقولك « زَيْدٌ مَا اَحْسَنَهٗ » ، لانّ (فعلوه) صفة ، والصّفة لاتعمل فى

الموصوفِ ، وفعل التّعجّبِ جَامِدٌ ، فهو شبيهٌ بالحرفِ فلا يعمل فيما قبلهٗ ،

لاسيما وبينهما « مَا » التعجّبية ، و لها الصّدرُ ، وكذلك « زيد انا الضاربُهٗ ،

لانّ اَل موصُولة ، فلا يتقدّم عَلَيْهَا معمُولُ صِلَتِها۔

ش :- یہ باب وہ ہے جسکا نام باب الاشتغال (یعنی ما اضمر عَاملهٗ على شريطة التفسير) ہے اور اسکی حقیقت یہ ہیکہ پہلے کوئی اسم ہو اسکے بعد کوئی عامل یعنی فعل یا وصف ہو اور مذکورہ فعل اور وصف میں سے ہر ایک اس اسم کو نصب دینے سے اعراض کر رہا ہو اس اسم کی ضمیر کو یا تو لفظاً نصب دینے کی وجہ سے جیسے زیدًا ضربتہٗ یا محلًا جیسے زیدًا مَرَرْتُ بِهٖ یا اسکی ضمیر کے متعلق (کو نصب دینے) کی وجہ سے جیسے زیدٌ ضربتُ غلامَهٗ یا مَرَرْتُ بِغُلَامِهٖ۔

اور اِن اور ان جیسی مثالوں میں (ایسے) اسم کی اصل یہ ہیکہ دو صورتیں جائز ہوں انمیں سے ایک یہ ہیکہ اسکو مبتدا ہونیکی بنا پر رفع دیا جائے۔ لہٰذا اسکے بعد والا جملہ خبر ہونیکی بنا پر محل رفع میں ہوگا اور دوسری صورت یہ ہیکہ اس فعل کی بنا پر نصب دیا جائے جو وجوباً محذوف ہے جس کی فعل مذکور تفسیر کر رہا ہے لہٰذا بعد والے جملہ کا کوئی (اعرابی) محل نہیں ہوگا کیونکہ وہ مفسّر ہے۔

اور میرے قول "فعلٌ" او "وصف" سے یہ بات سمجھی گئی کہ اگر عامل ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو تو مسئلہ باب اشتغال سے نہیں ہوگا اسکی مثال جیسے زیدٌ اِنَّہٗ فاضِلٌ ، عَمْرٌو کَاَنَّہٗ اَسَدٌ کیونکہ (یہ حروف ہیں اور) حرف ماقبل میں عمل نہیں کرتا ہے اور ایسے ہی زیدٌ دَرَاکِہٖ، عمرٌو عَلَیْکَہٗ جیسا کیونکہ اسم فعل ماقبل میں عمل نہیں کرتا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ کسی عامل کی تفسیر بھی نہیں کرتا ہے اور اسی وجہ سے وَکُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْہُ فِی الزُّبُرِ[1] اور تمہارے قول زیدٌ مَا اَحْسَنَہٗ جیسے میں اشتغال کی بنا پر نصب جائز نہیں ہے کیوں کہ فعلوہ صفت ہے اور صفت اپنے موصوف میں عمل نہیں کرتی ہے اور فعل تعجب جامد ہے جس کی وجہ سے وہ حرف کے مشابہ ہے۔ لہٰذا ماقبل میں عمل نہیں کرے گا۔ بالخصوص جبکہ ان دونوں (عامل و معمول) کے درمیان ما تعجبیہ ہے جس کے لئے صدارت کلام (لازم) ہے۔ اور ایسا ہی زَیْدٌ انا الضَّارِبُہٗ ہے کیوں کہ اَلْ موصول ہے جس کی وجہ سے "ال" پر اس کے صلہ کے معمول کو مقدم نہیں کیا جا سکتا۔

ثم الاسم الَّذی تقدَّم ، وبعدہٗ فعلٌ او وَصْفٌ ، وکلٌّ منہما ناصبٌ لضمیرہٖ اَوْ لسببیہ ، ینقسم خَمْسَۃَ اَقْسَامٍ:

(۱) اَحَدُھَا: مَا یَتَرَجَّحُ نصبہ ، وذلک فی ثلاث مسائل:

اِحْدَاھَا: ان یکون الفِعْل المشغول طلبیًّا، نحو: «زیدًا اِضْرِبْہُ»، و«عمرًا لاتُہِنْہُ»

الثانیۃ: ان یتقدم علیہ اَدَاۃٌ یغلبُ دخولھا علی الفعل ، نحو: (اَبَشَرًا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُہٗ)۔

الثالثۃ: ان یقترن الاسمُ بعاطفٍ مسبوقٍ بجملۃٍ فعلیۃٍ لم تُبْنَ علی مبتدأ، کقولہٖ تعالیٰ: (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا لَکُمْ)

(۲) الثانی: مَا یَتَرَجَّحُ رفعہٗ بالابتداءِ ، وذلک فیما لم یتقدم علیہ ما یطلب الفعل وجوبًا اَوْ رُجْحَانًا، نحو: «زیدٌ ضربتُہٗ» وذلک لانّ النصب محوجٌ الی التقدیر ولا طالب لہٗ ، والرفع غنیٌّ عنہ، فکان اَوْلٰی، لِاَنّ التقدیر خلافُ الاصلِ ،

---

[1] اور ہر وہ چیز جو انہوں نے کی ہے صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے۔ (پ ۲۷ ع ۱۰)

ومن ثم منعه بعض النحويين، ويردّهٗ انّهٗ قُرِئَ: (جَنّٰتِ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا) (سُوْرَةً اَنْزَلْنٰهَا) بنصب (جنّات) و (سورةً)۔

(۳) الثالث: مَا يجبُ نصبُهٗ، وذلك فيما تقدم عليه ما يطلب الفعل على سبيل الوجوب، نحو: «اِنْ زَيْدًا رأيتَهٗ فَاَكْرِمْهُ»۔

پھر وہ اسم جو پہلے مذکور ہو اور اسکے بعد فعل یا وصف ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک اسکی ضمیر یا اس کے سببی کو نصب دے رہا ہو اس کی پانچ قسمیں نکلتی ہیں پہلی قسم یہ ہیکہ اسکا نصب راجح ہو اور یہ تین صورتوں میں ہوتا ہے ایک صورت یہ ہیکہ فعل مشغول مفسر طلبی ہو جیسے زید اضربہ، وعمرًا لاتُھِنۃ[1] دوسری صورت یہ ہیکہ اسکے پہلے کوئی ایسا اَدَاۃ ہو جسکا دخول عموماً فعل پر ہوتا ہو جیسے اَبَشَرًا[2] الخ تیسری صورت یہ ہیکہ اسم کسی ایسے حرف عطف سے متصل ہو جس سے پہلے ایسا جملہ فعلیہ ہو جسکی بنا مبتدا پر نہ رکھی گئی ہو جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ[3] الخ دوسری قسم وہ ہے کہ جسکا رفع مبتدا ہونے کی بنا پر راجح ہو اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس سے پہلے کوئی ایسی چیز نہ ہو جو فعل کا وجوباً یا رجحاناً تقاضا کرے جیسے زید ضربتہ اور یہ اس لئے کہ نصب (کی درستگی) کیلئے (کچھ نہ کچھ) مقدر ماننے کی ضرورت ہے جبکہ اسکا تقاضا کرنیوالا کوئی نہیں ہے اور رفع اس (تقدیر) سے مستغنی ہے۔ لہٰذا وہی بہتر ہوگا کیوں کہ محذوف ماننا خلاف اصل ہے اسی وجہ سے بعض نحویوں نے اس کو ناجائز کہا ہے اس قول (یعنی ناجائز کہنے) کی تردید جَنّٰتُ[4] عَدْنٍ الخ اور سُوْرَۃٌ[5] اَنْزَلْنٰہُ کی قرارت کرتی ہے جو جنّات اور سُورۃ کے نصب کے ساتھ ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس پر نصب واجب ہے اور وہ اسوقت ہے جبکہ اس سے پہلے کوئی ایسی چیز ہو جو علیٰ سَبِیْلِ الوجوب فعل کا تقاضا کرتی ہو جیسے اِنْ زیدًا رأیتہٗ فاکرمہ، (کہ ان کا دخول صرف فعل پر ہوتا ہے)۔

---

[1] عمرو کی توہین مت کیجئے۔ [2] کیا ہم اپنے میں سے اکیلے آدمی کی اتباع کریں۔ (پ۲۷ ع ۸) ہمزہ کا دخول عادۃً فعل پر ہوتا ہے [3] اللہ نے آدمی کو نطفہ سے بنایا پھر وہ جھگڑالو اور بولنے والا ہوگیا، اور چوپایے بنائے کہ تمہارے لئے ان میں سردی سے حفاظت کا سامان ہے۔ (پ۱۴ ع ۷) آیت میں الانعام اسم ہے جو واو سے متصل ہے اس سے پہلے جملہ فعلیہ خلق الخ ہے جسکا اعتماد مبتدا پر نہیں یعنی اس سے پہلے مبتدا نہیں ہے۔
[4] رہنے کے باغ میں وہ داخل ہوں گے۔ (پ۱۳ ع ۹) [5] سورۃ کو ہم نے نازل کیا (پ۱۸ ع ۷)
بعض لوگوں نے جنات اور سورۃ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نصب اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس سے پہلے کوئی ناصب مقدر مانا جائے۔ لہٰذا بعض نحویوں کا نصب کو بالکل ناجائز کہنا تو غلط ہے ہاں نصب جائز ہے مگر رفع زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ پہلے میں مقدر کا ماننا پڑ رہا ہے بخلاف رفع کے اس میں مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔

(٤) الرابع: مَا يجب رفعهُ، وذلك اذا تقدم عليه مَا يختصُّ بالجُمل الاسمية كاِذَا الفجائية، نحو: «خرجتُ فاِذا زيدٌ يضربُهُ عمرٌو» ولِجَارَة اكثر النحويين النصبَ بعدها سهوٌ، أوحَالَ بين الاسم والفعلِ شيءٌ من أدوات التصدير نحو: «زيدٌ هَل رأيتَهُ» و«عمرٌو مَا لقيتُهُ»

(٥) الخامسُ: مَا يستوى فيهِ الامرَانِ، وذلك اذا وقع الاسمُ بعد عاطف مَسْبوقٍ بجملةٍ فعليةٍ مبنيةٍ على مبتداء، نحو: «زيدٌ قامَ وعمرًا اكرمتُهُ» وذلك لانَّ الجملة السَّابقة اسميّة الصّدر فعلية العَجز، فاِنْ راعيتَ صَدرَهَا رفعت، وان راعيت عجزهَا نصبت، فالمناسبة حَاصِلة على كِلَا التقديرَين، فلذلك جاز الوَجْهَانِ على السَّواء، وقد جاء التنزيل بالنصبِ، قال الله تعالىٰ: (الرحمٰنُ علّم القرآن) الأيات — الرحمٰن: مبتداءٌ وعلم القرآن: جملة فعلية، والمجموع جُملة اِسْمية ذات وجهين، والجُملتانِ بعد ذلك معطوفتانِ على الخبر، وجُملتا (والشمسُ والقمرُ بحُسْبَانٍ، والنجمُ والشجرُ يسجدانِ) معترضتانِ (والسَّماءَ رَفَعَهَا) عطف على الخبر ايضًا، وهي محل الاستشهاد

چوتھی قسم وہ ہے جس پر رفع واجب ہے اور یہ اسوقت ہے جبکہ یا تو اس سے پہلے کوئی ایسی چیز ہو جو جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہو مثلاً اِذَا مُفَاجَاتیہ جیسے خَرَجْتُ فَاِذَا زَیْدٌ یَضْرِبُهُ عَمْرٌو اور اکثر نحویوں کا اِذَا مُفَاجَاتِیہ کے بعد نصب کو جائز رکھنا سہو ہے اور یا اسم اور فعل کے درمیان صدارتی اَدَوَات میں سے کوئی حائل ہو جائے جیسے زَیْدٌ هَلْ ضربته، عَمْرٌو مالقیتُهُ۔[له]

پانچویں قسم وہ ہے جسمیں دونوں امور برابر ہیں اور یہ اسوقت ہے جبکہ اسم ایسے حرف عطف کے بعد واقع ہو جس سے پہلے جملہ فعلیہ ہو جسکا مدار مبتدا پر ہو جیسے زَیْدٌ قَامَ وَعَمْرًا اَکْرَمْتُهُ اسلئے کہ پہلا جملہ (یعنی زَیْدٌ قَامَ) ابتداء (جزء اوّل) کے اعتبار سے اسمیہ ہے اور انتہا کے اعتبار سے فعلیہ ہے لہٰذا اگر آپ اسکی ابتداء (پر عطف) کا لحاظ کریں گے تو (عمرًا کو) رفع دیں گے اور اگر اسکی انتہا کا اعتبار کریں گے تو نصب دیں گے لہٰذا دونوں صورتوں میں مناسبت (مجوّز) موجود ہے اسی وجہ سے دونوں صورتیں بلا ترجیح

له اور کیا عمرو سے میری ملاقات ہوئی؟ ۔ دونوں مثالوں میں کلمہ استفہام درمیان میں واقع ہے۔

جائز ہیں۔ اور قرآن نصب کے ساتھ وارد ہوا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ[1] (آیات کی آیات پڑھتے جایئے) اَلرَّحْمٰنُ مبتدا ہے اور عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ جملہ فعلیہ ہے اور پورا مجموعہ ذو جہتین جملہ اسمیہ ہے اور اسکے بعد والے دونوں جملوں (یعنی خَلَقَ الْاِنْسَانَ اور عَلَّمَهُ الْبَيَانَ) کا خبر (یعنی عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ) پر عطف ہے اور اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ الخ کے دونوں جملے معترضہ ہیں اور وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا کا بھی خبر ہی پر عطف ہے اور یہی محلِ استشہاد ہے۔

ثُمَّ قُلْتُ: بَابٌ ـ يَتْبَعُ مَا قَبْلَهُ فِي الاعرابِ خَمسةٌ، اَحَدُهَا: التَّوكِيدُ، وهُوَ: تَابِعٌ يقرِّرُ اَمْرَ المتبوعِ فِي النِسبَةِ اَوِ الشُّمُوْلِ، فالاول نحو: «جاءني زَيْدٌ نَفْسُهُ» و «الزيدانِ اَوِ الهندانِ اَنفُسُهُمَا» و «الزَّيدُوْنَ اَنْفُسُهُمْ» و «الهِنْدَاتُ اَنفُسُهُنَّ» والعَيْنُ كالنفسِ، و الثاني نحو «جاء الزيدانِ كِلاهُمَا» و «الهِنْدانِ كِلْتَاهُمَا» و «اشتريتُ العبدَ كلَّهُ» و «العَبِيدَ كلَّهم» و «الامةَ كلَّها» و «الإماءَ كلَّهُنَّ» ولا تُؤَكَّدُ نكرةٌ مطلقًا، وتُؤكَّد بإعادةِ اللفظِ اَوْ مُرادِفِهِ نحوُ (دَكًّا دَكًّا) و (فِجَاجًا سُبُلًا) ولا يُعَادُ ضميرٌ متصلٌ ولا حرفٌ غيرُ جَوَابِي اِلَّا مَعَ مَا اتَّصَلَ بِهِ۔

واقول: اِذا استوفتِ الْعَوامِلُ معمولاتِها فلا سَبِيْلَ لها الى غيرِها اِلَّا بالتبعية، والتوابعُ خمسةٌ: نعت، وتوكيد، وعطفُ بيان، وبدل، وعطفُ نسقٍ، وقيل: اربعة، فأدرجَ هٰذا القائل عطفَي البيان والنسق تحت قوله: والعطف، وقال آخر: ستة، فجعل التاكيد اللفظي بابًا وحدَه، والتاكيد المعنوي كذلك۔

---

[1] الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ، الشَّمْسُ والقمرُ بِحُسْبَانٍ، والنَّجْمُ والشَّجَرُ يَسْجُدَانِ، وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا (پ۲۷ ع۱۱) رحمٰن نے قرآن سکھایا، آدمی بنایا، بات کرنا سکھایا، سورج چاند کیلئے ایک حساب ہے۔ ستارے اور درخت سجدہ میں مشغول ہیں۔ اور آسمان کو اونچا کیا۔ السّماء حرف عطف کے بعد ہے۔ اور اس سے پہلے ایک جملہ فعلیہ ہے جو ذو جہتین ہے۔ یعنی ابتداء (الرحمٰن) کے اعتبار سے جملہ اسمیہ اور انتہاء (علم القرآن) کے اعتبار سے جملہ فعلیہ ہے۔ لہٰذا «السّماء» کا «الرحمٰن» پر عطف کرنیکے اعتبار سے رفع درست ہے۔ اور علّم القرآن پر عطف کے اعتبار سے نصب درست ہے۔ اور قرآن میں نصب ہی کی قراءت وارد ہوئی ہے۔

م:- باب پانچ چیزیں اعراب میں ماقبل کے تابع ہوتی ہیں انمیں سے ایک تاکید ہے اور وہ ایسا تابع ہے جو نسبت یا شمولیت (احاطہ کرنے) میں متبوع کی حالت کو ثابت کرے چنانچہ پہلا جیسے جاءنی زید نفسہ، الزیدانِ اَوِ الھندانِ انفسھما، الزیدونَ انفسھم ۔ اور الھنداتُ انفسھنّ اور عین (استعمال کے اعتبار سے) نفس کی طرح ہے اور دوسرا (شمولیت کا فائدہ دینے والا) جیسے جاء الزیدانِ کلاھما، الھندانِ کلتاھما، اشتریتُ العبدَ کلّہ، العبید کلھم، الامۃَ کلّھا او الاماء کلھنّ اور نکرہ کی جملہ تاکیدات نہیں آتیں اور اسکی تاکید (حرف) اسی لفظ یا مرادف کے اعادہ کے ذریعہ ہوتی ہے جیسے دکًّا دکًّا[1] اور فجاجًا سُبُلًا اور نہ ضمیر متصل کا اعادہ کیا جاسکتا اور نہ ہی غیر جوابی حرف کا مگر اس (کلمہ) کے ساتھ جسکے ساتھ وہ متصل تھے[2]۔

ش: جب عوامل اپنے معمولات مکمل حاصل کرلیں تو ان کیلئے معمولات کے علاوہ کی طرف کوئی راہ نہیں ہے سوائے تابع ہونے کے۔ اور توابع پانچ ہیں۔ نعت، تاکید، عطفِ بیان، بدل اور عطف نسق، اور ایک قول چار کا ہے۔ تو اس قائل نے عطفِ بیان وعطفِ نسق کو اپنے قول والعطف کے تحت داخل کر دیا ہے۔ اور ایک صاحب چھ کے قائل ہیں۔ انہوں نے تاکید لفظی کو مستقل ایک باب بنا دیا اور تاکید معنوی اسی طرح (ایک مستقل باب) ہے۔

---

[1] دکًّا (ن) دکًّا برابر کرنا، ہموار کرنا۔ فجاجًا جمع ہے فج کی، دو پہاڑیوں کے درمیان کا کشادہ راستہ یا راستہ۔ سُبُل جمع ہے سَبیل کی، راستہ۔ پہلی مثال بعینہٖ پہلے لفظ کے اعادہ کی مثال ہے اور دوسری مرادف کے اعادہ کی مثال ہے۔

[2] ضمیر متصل کی تاکید بصورت تکرار لانا چاہیں تو نہیں لاسکتے۔ کیونکہ اس صورت میں ضمیر متصل کا منفصل کرنا لازم آئیگا۔ جو ناجائز ہے۔ ہاں اس کی ایک شکل ہے جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے الّا مَعَ مَا اتصل سے بیان کیا ہے۔ یعنی اگر ضمیر متصل کی تاکید لانا ہے تو ضمیر متصل کے ساتھ جو کلمہ جڑا ہوا ہو اسکا بھی اعادہ کرنا پڑیگا۔ چنانچہ آپ جعلتُ تُ نہیں کہیں گے بلکہ جعلتُ جعلتُ کہیں گے۔ اسی طرح اسمعہ ہٗ نہیں کہیں گے بلکہ اسمعہ اسمعہ کہیں گے۔ اسی طرح مررتُ بِکَ کَ نہیں کہیں گے بلکہ مررتُ بکَ بکَ کہیں گے۔

اسی طرح اگر کسی حرف کی تاکید لانا چاہیں تو صرف حرف کا تکرار جائز نہیں ہے۔ بلکہ حرف کا تکرار اس سے متصل کلمہ کے ساتھ ہوگا چنانچہ آپ اِنَّ اِنَّ زیدٌ اقائم، اسی طرح فی فی الدارِ زیدٌ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ اس سے متصل کلمہ کا اعادہ کریں۔ جیسے اِنَّ زیدًا اِنَّ زیدًا قائم، اسی طرح فی الدارِ فی الدارِ زیدٌ۔ حرف کے سلسلہ میں ذکر کیا ہوا یہ ضابطہ اسوقت ہے جبکہ حرف غیر جوابی ہو لیکن اگر حرف جوابی ہو یعنی ایسا حرف ہو جسکو جواب کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے نعم، بلی، جیر، اَجل، ای، لا۔ تو حرف کا تکرار اس سے متصل کے بغیر بھی جائز ہے۔ چنانچہ اگر آپ سے کوئی کہے اَقامَ زیدٌ تو آپ جواب میں کہیں نعم نعم یا آپ کہیں لا لا، تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے الم تقم زیدٌ تو آپ کہیں بلیٰ بلیٰ۔

(شرح ابن عقیل)

ومثال المقرر لأمر المتبوع في النسبة «جاء زيدٌ نفسهُ» فانهُ لولا قولك «نفسهُ» لجوّز السامع كون الجائي خبرهُ أو كتابهُ بدليل قوله تعالى: (وجاء ربُّك) اى امرهُ۔ ومثال المقرر لامره في الشمول قوله عز وجل: (فسجد الملائكة كلُّهم أجمعون) إذ لولا التاكيد لجوّز السامع كون الساجد أكثرهم۔

ويجب في المؤكَّد كونهُ معرفةً، وشذّ قول عائشة رضي الله عنها: ماصام رسُولُ الله صلّى الله عليه وسلّم شهرًا كلّهُ الا رمضانَ» وقول الشاعر:

۲۲۸ - لكنّهُ شاقهُ ان قيلَ ذا رجبٌ　　يا ليتَ عِدّةَ حولٍ كلِّهِ رجبُ

وانشده ابن مالك وغيره «ياليتَ عِدّةَ شهرٍ» وهو تحريف۔

ويجب في التاكيد كونهُ مضافًا إلى ضمير عائد على المؤكَّد مطابق لهُ، كامثلنا ويستثنى من ذلك «اجمع» وما تصرّفَ منه، فلا يُضفن لضمير، تقول: «اشتريتُ العبدَ كلّهُ أجمعَ» و «الامةَ كلّها جمعاءَ» و «العبيدَ كلّهُم أجمعينَ» و «الإماءَ كلّهنّ جُمَعَ»۔

اور نسبت میں متبوع کی حالت کو ثابت کرنیوالے کی مثال جاءَ زیدٌ نفسهُ ہے اسلئے اگر تمہارا قول نفسهُ نہ ہوتا تو سامع سمجھ سکتا تھا کہ آنیوالا (زید نہ ہو بلکہ) اسکی خبر یا اس کا خط ہو باری تعالیٰ کے ارشاد وَجَاءَ رَبُّكَ[1] ای امرہ کی دلیل کی وجہ سے۔

اور شمول میں متبوع کی حالت کو ثابت کرنیوالی (تاکید) کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَسَجَدَ[2] الْمَلَائِكَةُ الخ اسلئے کہ اگر تاکید نہ ہوتی تو سامع سمجھ سکتا تھا کہ سجدہ کرنیوالے (کل نہیں بلکہ) اکثر ہوں۔ اور مؤکد کیلئے اس کا معرفہ ہونا ضروری ہے اور عائشہ رضؓ کا قول مَاصَامَ[3] الخ اور شاعر کا قول لکنّهُ شاقهُ[4] الخ شاذ ہے اور ابن مالک وغیرہ نے (دوسرا مصرعہ) یَالیتَ عدةَ شہر الخ پڑھا ہے یہ تحریف ہے۔

---

[1] تمہارا رب آیا یعنی اسکی شان (پ۳۰ ع۱۴) "رب" غیر مؤکد اسی لئے ہے کہ اسکی ذات مراد نہیں بلکہ اسکی تجلیات مراد ہیں۔ معلوم ہوا کہ غیر مؤکد میں غیر کا احتمال ہوتا ہے۔ [2] پھر تمام فرشتوں نے ملکر سجدہ کیا (پ۱۴ ع۴)
[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے رمضان کے کسی بھی پورے مہینہ کا روزہ نہیں رکھا۔ شہرًا مؤکد کے نکرہ ہونیکی وجہ سے یہ قول شاذ ہے۔ [4] عبداللہ بن مسلم ہذلی کا شعر ہے: لیکن اس کو مشتاق بنا دیا اس کہنے نے کہ یہ رجب ہے۔ اے کاش پورا سال رجب ہی ہوتا۔ یہ شعر بھی شاذ ہی کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ "حول" نکرہ کی تاکید "کلہ" سے لائی گئی ہے۔
نوٹ: حضرت عائشہ رضؓ کے قول مَاصَامَ رَسُوْل الخ یا شعر کو شاذ کہنا بصریوں کے مذہب کے مطابق ہے۔
(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اور تاکید میں اسکا ایسی ضمیر کی طرف مضاف ہونا ضروری ہے جو موکد کی طرف لوٹنے والی ہو اور اسکے مطابق ہو جیسے کہ ہم نے مثال ذکر کی اور اس سے۔ اجمع، اور اس سے بننے والے صیغے مستثنیٰ ہیں ان کی ضمیر کی طرف اضافت نہیں ہوتی ہے تم کہو گے اشتریتُ العبدَ کلّهٗ اَجْمَعَ، الامۃ کلہا جمعاء، العبیدُ کلّہم اَجْمَعِیْن، اور الاِماء کلّہنّ جُمَع۔ (مگر اشتریتُ العبدَ اَجْمَعَهٗ الخ نہیں کہہ سکتے۔)

....

ویجبُ فی النفسِ والعینِ اِذَا اکّد بہما ان یکونا مفردین مع المفرد، نحو "جاءَ زَیدٌ نفسُهٗ عَینُهٗ" و "جاءتْ ھِندٌ نفسُھا عینُھا" مجموعین مع الجمع، نحو "جاءَ الزیدُوْنَ انفسُہم اَعْیُنُہم" و "الھِندَاتُ انفسھنّ اعینھنّ"، وَاَمَّا اِذَا اُکِّدَ بہما المثنی ففیہما ثلاثُ لغاتٍ: افصحہَا الجمع، فتقول: جاء الزایدان انفسُہما اعینُہما، ودونہٗ الاِفراد، ودون الاِفراد التثنیۃ، وھی الاوجہ الجاریۃ فی قولك: "قطعتُ رءُوسَ الکبشَیْنِ"۔

اور نفس وعین کے ذریعہ جب تاکید لائی جائے یہ بات ضروری ہیکہ وہ دونوں مفرد کے ساتھ مفرد ہوں جیسے جَاءَ زید نفسُهٗ عینُهٗ، جاءتْ ھند نفسُہا عینُہا (اور) جمع کے ساتھ جمع ہوں جیسے جَاءَ الزیدون انفسہم اعینہم، الھِندَاتُ اَنْفُسُهُنَّ اَعْیُنُهُنَّ لیکن جب ان کے ذریعہ تثنیہ کی تاکید لائی جائے تو ان میں تینوں لغات ہیں (یعنی مفرد تثنیہ اور جمع تینوں لانا جائز ہے) ان میں فصیح ترین جمع لانا ہے چنانچہ آپ کہیں گے جَاءَ الزَّیْدَانِ انفسُہما اَعْیُنُہُمَا اور جمع سے نیچے کا درجہ مفرد لانا ہے اور مفرد سے نیچے کا درجہ تثنیہ لانا ہے (اگر کہنا چاہیں تو کہیں گے (جَاءَ الزَّیْدَان نفسہما اور جَاءَ الزیدانِ نفساھما۔ اور یہی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) صحیح بات اس مسئلہ میں یہ ہے کہ تاکید لانے سے نکرہ میں اگر ایسی تحدید یا تخصیص حاصل ہو جائے جسکی وجہ سے نکرہ کسی درجہ میں معرفہ کے قریب ہو جائے تو تاکید لانا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اور تحدید و تخصیص کے حصول کیلئے دو امور کا اجتماعی طور پر پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) نکرہ ایسے زمانہ پر دلالت کرے جسکی ابتداء وانتہاء متعین ومعلوم ہو جیسے یوم وشہر واسبوع۔ یا مقدار معلوم پر دلالت کرے جیسے درہم، دینار۔ (۲) الفاظ تاکید احاطہ وشمول پر دلالت کرنے والے ہوں جیسے کل، جمیع، عامۃ وغیرہ۔ لہٰذا عملت یوما کلہٗ، سافرتُ اُسبوعًا جمیعہٗ، تنقلت شہرا عامتہ کہنا جائز ہے۔ کیونکہ مذکورہ تمام مثالوں اور حضرت عائشہؓ کے قول اور شعر میں دونوں امور اجتماعی طور پر پائے جاتے ہیں۔ لیکن امر اول کے فوت ہونے کی وجہ سے عملت زمنا کلہٗ۔ اور امر ثانی کے فوت ہونے کی وجہ سے انفقت مالاً کلّهٗ کہنا جائز نہیں ہے۔

(النحو الوافی ج ۲ ص ۵۲۲، جامع ج ۳)

تینوں صورتیں تمہارے قول قطعتُ رُؤوسَ الکبشَین میں جاری ہوں گی۔

مَسْأَلَة: قال بعض العلماء فی قولہٖ تعالیٰ (فسجد الملٰئکة کلّهم اجمعون):
فائدة ذکر (کل) رفعُ وَهْم مَن یتوهم انّ السّاجد البعض، وفائدة ذکر (اجمعون) رفع وَهْم مَن یتوهّم انهم لم یسجدوا فی وقتٍ واحدٍ، بَل سَجَدُوا فِی وقتَین مختلفین، والاوّل صحیحٌ، والثانی باطلٌ، بدلیلِ قولہٖ تعالیٰ: (لاغوینّهم اَجْمَعِیْنَ) لِانّ اِغواءَ الشیطانِ لهم لیس فی وقتٍ واحدٍ، فدلّ علیٰ انّ (اجمعین) لاتعرّضَ فیہِ لاتحادِ الوقتِ، وانما معناہ کمعنی کلّ سواء، وهو قول جمهور النحویین، وانما ذکر فی الآیةِ تاکیدًا علیٰ تاکیدٍ، کما قال تعالیٰ: (فَمَهِّلِ الْکَافِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا)

مسئلہ: بعض علماء نے باری تعالیٰ کے ارشاد فَسَجَدَ الْمَلٰئِکَةُ الخ میں لفظ "کل" کا فائدہ بیان کرتے ہوئے) کہا ہے کہ "کل" کے ذکر کا فائدہ اس شخص کے وہم کو دور کرنا ہے جو یہ خیال کرتا ہو کہ سجدہ کرنے والے بعض ہیں اور اَجْمَعُوْنَ کے ذکر کا فائدہ اس شخص کے وہم کو دور کرنا ہے جو یہ خیال کرتا ہو کہ تمام نے بیک وقت سجدہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے مختلف اوقات میں سجدہ کیا ہے اور پہلا صحیح ہے اور دوسرا باری تعالیٰ کے ارشاد لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ کی وجہ سے باطل ہے اسلئے کہ شیطان کا لوگوں کا گمراہ

---

[1] چنانچہ آپ کہیں گے قطعتُ راْس الکبشین، قطعت رأسی الکبشین، قطعت رءوسَ الکبشَین۔
نوٹ:۔ اس کے ذیل ایک اہم ضابطہ صاحب النحو الوافی نے ذکر کیا ہے۔ افادہ کے پیش نظر یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔
ان کل شیٔ فی المعنی مضاف الی ما اشتمل علی المضاف یجوز فیہ الافرادُ والتثنیةُ والجمعُ۔ نحو قولہٖ تعالیٰ ان تتوبا الی اللّٰہ فقد صغت قلوبکما۔ و نقول تصدقت برأس الکبشین۔ او رأسی الکبشین او رؤسهما وانما فضل الجمع علی التثنیة لان المتضائفین کالشیٔ الواحد، فکرهوا الجمع بین تثنیتهما ولان المثنی جمع فی المعنی، وفضل الجمع علی الافراد لان المثنی جمع فی المعنی والافراد لیس کذلک فهو اقل منه دلالة علی المثنی۔ (النحو الوافی ص ۵۵ ج ۳)

[2] میں ان تمام کو ضرور بالضرور گمراہ کروں گا۔ (پ ۱۴ ع ۳) یعنی اجمعین اجتماعی طور پر کام کو بتلانے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی وہی ہیں جو کل کے ہیں یعنی تمام کو گمراہ کروں گا۔ یہ نہیں کہ اجتماعی طور پر گمراہ کروں گا اور بیک وقت کرونگا۔ کیونکہ شیطان کا اجتماعی گمراہ کرنا ضروری نہیں بلکہ انفرادی طور پر بھی گمراہ کرتا ہے۔ اس لئے کہا جائیگا کہ جن لوگوں نے فَسَجَدَ الْمَلٰئِکَةُ کلهم اجمعون میں اجتماعی طور پر سجدہ کرنا مراد لیا ہے وہ باطل ہے۔

کرنا یک وقت نہیں ہوتا ہے جس سے اس بات کا پتہ چلا کہ اَجْمَعِیْن کا وقت کے اتحاد سے کوئی تعلق نہیں ہے (بلکہ) اسکے معنی بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کُلّ کے معنی۔ اور یہی جمہور نحویوں کا قول ہے اور آیت میں اس کو تاکید در تاکید کے طور پر ذکر کیا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ[1] الخ

ثم قلتُ: الثانِي النعتُ، وهُوَ: تَابِعٌ مشتقٌ أوْ مُؤَوَّلٌ بِهِ، يفيدُ تخصيصَ متبوعِهِ أوْ توضيحِهِ أوْ مدحَهُ أوْ ذمَّهُ أوْ تأكيدَهُ أوْ الترحُّمَ عليهِ، ويتبعُهُ فِي واحدٍ من أوْجُهِ الإعْرابِ، ومنَ التعريفِ والتنكيرِ، ولا يكونُ أخصَّ منه، فنحو «بالرجُلِ صَاحِبِكَ» بَدَلٌ، ونحوُ «بالرَّجُلِ الفاضِلِ» و «بزيْدٍ الفَاضِلِ» نعتٌ، وأمرُهُ في الإفرادِ والتذكيرِ وأضدادِهِمَا كالفِعْلِ، ولكِنْ يترجّح نحوُ «جاءني رجلٌ قعودٌ غِلْمَانُهُ» على «قاعِدٍ»، وأمّا «قاعِدُوْنَ» فضعيفٌ، ويجوزُ قطعُهُ إنْ عُلِمَ متبوعُهُ بِدُوْنِهِ بالرَّفعِ، أوْ بالنَّصبِ۔

م :- دوسرا نعت ہے اور وہ ایسا تابع ہے جو مشتق ہو یا بتاویل مشتق ہو اپنے متبوع کی تخصیص یا توضیح یا مدح یا مذمت یا تاکید یا ترحم (رحم کرنا) کا فائدہ دے اور نعت وجوہِ اعراب (رفع، نصب، جر) اور تعریف و تنکیر میں سے کسی ایک میں متبوع کے موافق ہوگی اور متبوع سے خاص بھی نہیں ہوگی لہٰذا بِالرَّجُلِ صَاحِبِكَ جیسا بدل ہے اور بِالرَّجُلِ الْفَاضِلِ اور بِزَيْدٍ الْفَاضِلِ جیسا نعت ہے اور اسکی حالت اِفراد و تذکیر اور ان دونوں کی اضداد میں فعل جیسی ہے اور لیکن جَاءَنِي رَجُلٌ قُعُوْدٌ غِلْمَانُهُ جیسا، قاعد غلمانہ پر راجح ہے اور رہا قَاعِدُوْنَ تو وہ ضعیف ہے اور اگر متبوع بغیر نعت کے معلوم و متعین ہو تو رفع یا نصب دینے کے ذریعہ اسکو (ما قبل سے) الگ کرنا جائز ہے۔

---

[1] لہٰذا کافروں کو ڈھیل دے ان کو تھوڑے دنوں ڈھیل دے۔ (پ ۳۰ ع ۱۱) آیت میں مَهِّل کی تاکید اوّلاً اَمْهِل سے لائی گئی پھر رُوَيْدًا سے یہی تاکید در تاکید ہے۔

واقول: مثال المشتق «مررتُ برجُلٍ ضاربٍ» اَوْ مضروبٍ، اَوْحَسَنِ الوَجْهِ، اَوْخيرٍمِنْ عمرٍو» ومثال المؤوّل به «مَرَرْتُ برجُلٍ اَسَدٍ» اى شُجاعٍ، ومثال مَايفيدُ تخصيص المتبوع قولهُ تعالى: (فتحريرُرقبةٍ مّؤمنةٍ) ومثال مَايفيد مَدحَهُ (اَلحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ) ومثال مَايفيد ذمّهُ «اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ» ومثال مَا يفيدُ الترحُّمَ عليهِ «اَللّٰهُمَّ اَنَا عَبْدُكَ المِسْكِيْنُ» ومثال التوكيد (نفخةٌ وَّاحِدَةٌ) و (عشرةٌ كامِلةٌ) و (لاَتَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ) و زعمَ قوم من اهلِ البيَان ان (اثنين) عطف بيَان، ويحتاج شرح ذلك اِلٰى بَسْطٍ طويلٍ۔

وقَدْ لهِجَ المعربونَ بانَّ النعتَ يتبع المنعوتَ فى اربعةٍ من عشرةٍ، والتحقيقُ انّ الامرَ على النصفِ فى العَددينِ، وانهُ انما يتبعُ فى اثنين من خمسةٍ، وهُمَا واحِد مِنْ اَوْجُهِ الاعرابِ الثلاثةِ — التى هى الرفعُ و النصبُ والجرُّ، وواحِد من التعريفِ والتنكيرِ، فلا تُنعتُ نكرةٌ بمعرفةٍ، ولا العكسُ، لا تقول: «مررتُ برَجُلٍ الفاضِلِ» ولا «بزيدٍ فاضِلٍ» كما انّهُ لايُتبَعُ المرفوعُ بمنصوبٍ ولا مجرورٍ، ولانحو ذلك۔

ش: مشتق کی مثال مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضاربٍ یا مضروبٍ یا حَسَنِ الْوَجْهِ یا خیرٍ من عمرٍو ہے۔ اور بتاویل مشتق کی مثال مَرَرْتُ بِرَجُلٍ اَسَدٍ بمعنی شجاع ہے اور اس نعت کی مثال جو متبوع کی تخصیص کا فائدہ دے باری تعالیٰ کا ارشاد فتحریرُ رقبةٍ مؤمنةٍ ہے اور مفید مدح کی مثال اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ ہے اور مفید مذمت کی مثال اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ اور مفید ترحم کی مثال اَللّٰهُمَّ اَنَا الخ ہے اور تاکید کی مثال نفخةٌ وَّاحِدَةٌ اور عشرةٌ كامِلةٌ اور ولاَ تَتَّخِذُوْا الخ ہے اور اہل بیان میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اثنين عطف بیان ہے اور اس کی وضاحت ایک لمبی تفصیل کا تقاضا کرتی ہے اور فصحاء عرب اس بات پر فریفتہ ہیں کہ نعت دس میں سے چار چیزوں میں منعوت

لہ تو مؤمن غلام کا آزاد کرنا ہے۔ (پ۵ ع۱۰) ؎۲ ایک بار پھونکنا۔ (پ۲۹ ع۵) ؎۳ دو معبود مت قرار دو (پ۱۴ ع۱۲) ؎۴ نکرہ میں عطف بیان ہو سکتا ہے یا نہیں علماء نحو کے اس سلسلے میں تین فریق ہیں۔ (۱) ایک فریق کی رائے بالکل عدم جواز کی ہے۔ لہٰذا «اثنین» عطف بیان ہونے کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

کے تابع ہوتی ہے اور تحقیقی بات یہ ہے کہ (تابعیت کا) حکم دو عدد[1] (یعنی دو نوعوں) میں آدھے سے متعلق ہے، اور یہ کہ وہ پانچ میں سے صرف دو میں تابع ہوتی ہے اور دو سے مراد اعراب کی تینوں وجوہ میں سے ایک ہے جو کہ رفع نصب اور جر ہیں اور تعریف و تنکیر میں سے ایک ہے۔ لہٰذا نکرہ کی نعت معرفہ نہیں آئیگی اور نہ ہی اس کے برعکس آپ مَرَرْتُ بِرَجُلِ الفاضِلِ نہیں کہیں گے اور نہ ہی بزَیْدٍ فاضلٍ، جس طرح کہ مرفوع کا تابع منصوب نہیں ہوگا اور نہ ہی مجرور اور نہ ہی اس جیسا۔

ویجبُ عند جَمَاهِیرِ النحویّین کونُ الموصوفِ إمّا أعْرَفَ مِنَ الصِّفَةِ، او مُسَاوِیًا لهَا، فلا یجُوز ان یکونَ دونها، فالاوّل کقولك: «مَرَرْتُ بِزَیْدٍ الفاضِلِ، فإنّ العَلَمَ أعْرَفُ مِنَ المعرّفِ باللّامِ، والثانِی نحو: «مررتُ بالرجُلِ الفاضِلِ، فإنّهما معرّفانِ باللّامِ، والثالث نحو: «مررتُ بالرجُلِ صَاحِبِكَ»

(حاشیہ صفحہ گزشتہ و بقیہ) (۲) دوسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ عطف بیان مبیّن سے زیادہ واضح ہو۔ اس قول کے مطابق بھی اثنین عطف بیان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ اپنے مبیّن النین سے زیادہ واضح نہیں ہے۔ (۳) تیسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے چاہے عطف بیان زیادہ واضح بھی نہ ہو مگر دونوں سے ملکر وضاحت ہوجاتی ہو۔ اس قول کے مطابق اثنین عطف بیان ہوسکتا ہے کیونکہ دونوں کے ملنے سے وضاحت ہورہی ہے۔

[1] ماتن کا قول وانه انما یتبع فی اثنین من خمسة عطف تفسیری ہے۔ اس کا عطف انّ الامرَ علی التّصفِ فی العددین پر ہے۔ دو عددوں سے مراد دو انواع ہیں۔ انہیں سے ایک نوع رفع نصب جر ہے۔ اور دوسری نوع معرفہ نکرہ۔ دونوں نوعوں کے افراد پانچ ہوئے۔ ان پانچ میں سے صرف دو میں مطابقت ضروری ہے۔ رفع نصب جر میں سے ایک میں، اور معرفہ نکرہ میں سے ایک میں۔ اس طرح مطابقت صرف پانچ میں سے دو میں پائی جائے گی۔
ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دس امور میں سے چار میں مطابقت کو ضروری قرار دیا ہے۔ مزید پانچ مفرد تثنیہ جمع تذکیر و تانیث ہیں۔ ان میں سے دو میں مطابقت ضروری ہے۔ اس طرح ان کا کہنا ہے کہ کل چار میں مطابقت پائی جانی چاہئے۔
نوٹ:۔ مؤلف کا دیگر لوگوں سے اختلاف اختلافِ حقیقی نہیں بلکہ اختلافِ لفظی ہے۔ کیونکہ دونوں کا مآل ایک ہے مؤلف کی گفتگو مطلقاً نعت کے بارے میں ہے خواہ وہ منعوت میں پائے جانے والے معنی کو بیان کرے یا متعلق منعوت میں۔ اور ان دونوں صورتوں میں مطابقت و عدم مطابقت کے اعتبار سے مشترک طور پر پائے جانیوالے امور پانچ میں سے صرف دو ہی ہیں۔
اور دیگر لوگوں کی گفتگو اس نعت کے بارے میں ہے جو منعوت میں پائے جانے والے معنی کو بیان کرے۔ اور یہ قسم دس امور میں سے چار امور میں مطابق ہوتی ہے۔

فصَاحِبُكَ بدل عندهم، لا نعت، لانّ المضاف للضمير فى رتبةِ الضمير اَوْ رتبة العلم، وكِلاهُمَا اَعْرَفُ من المعرّفِ باللّامِ.

واَمّا الافراد وضِدّاه — وهُمَا التثنية والجمع — وتذكير وضدّه – وهو التّانيث – فان النعتَ يُعطى من ذالك حُكم الفعلِ الّذى يحلّ محلّهُ من ذالك الكلام فنقول: « مَرَرْتُ بامرأةٍ حَسَنٍ ابوهَا » بالتذكير، كما تقول: « حَسُنَ اَبُوهَا » وفى التنزيل: (رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا) و « برَجُلٍ حَسَنةٍ اُمُّهُ » بالتّانيثِ، كما تقول: « حَسُنَتْ امُّهُ » وتقول: « برَجُلٍ حَسَنٍ اَبَوَاه » و « برَجُلٍ حَسَنٍ اٰبَاؤُهُ » ولا تقول: « حَسَنَيْنِ » ولا « حَسَنِيْنَ » الّا على لُغَةِ مَنْ قال « اَكَلُونِى البَرَاغِيثُ » وعلىٰ ذالك فقِسْ، الّا انّ العربَ اَجْرَوْا جمع التكسير مُجْرَى الوَاحِدِ، فَاَجَازُوا فَصِيْحًا « مَرَرْتُ برَجُلٍ قعُوْدٍ غِلْمَانُهُ » كَمَا تقول « قَاعِدٍ غِلْمَانُهُ » وقَومٌ رجّحوه علَى الافرادِ، وَاِلَيْهِ اَذْهَبُ، وَاَمّا جمع التصحيح فاِنما يقولهُ من يقول « اَكَلُوْنِي الْبَرَاغيث ».

اور جمہور نحویوں کے نزدیک موصوف کا یا تو صفت سے اعرف یا اسکے مساوی ہونا واجب ہے لہٰذا اس سے کم (معرفہ) ہونا جائز نہیں پہلا جیسے تمہارا قول ہے مَرَرْتُ بزیدِ الفاضلِ اسلئے کہ علم معرف باللام سے اعرف ہے دوسرا جیسے مَرَرْتُ بِالرجلِ الْفَاضلِ کیونکہ دونوں معرف باللّام ہیں اور تیسرا جیسے مَرَرْتُ بِالرّجُلِ صَاحِبِكَ چنانچہ صَاحبكَ نحویوں کے نزدیک بدل ہے نعت نہیں کیونکہ ضمیر کا مضاف ضمیر کے درجہ میں ہے یا علم کے درجہ میں ہے اور دونوں معرف باللّام سے اعرف ہیں (لہٰذا صَاحبكَ معرف باللّام کی صفت نہیں بدل بن سکتا ہے) اور رہا افراد اور اسکی دونوں اضداد یعنی تثنیہ اور جمع اور (رہی) تذکیر اور اسکی ضد یعنی تانیث تو نعت کو اس سلسلہ میں اس فعل کا حکم دیا جاتا ہے جو فعل اس کلام میں اسکے قائم مقام ہو سکتا ہو۔ چنانچہ آپ مَرَرْتُ بامرأةٍ حَسَنٍ اَبُوهَا تذکیر کے ساتھ کہ سکتے ہیں جس طرح کہ آپ حَسُنَ اَبُوهَا کہہ سکتے ہیں اور قرآن میں ہے رَبَّنَا اَخْرِجْنَا[1] الخ اور

---

[1] اے ہمارے رب ہم کو اس لبستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔ (ن ۵ ع ۷) جسطرح مررت بامرأة حسن ابوھا میں صیغہ صفت فعل قائم مقام ہے اور اسکا فاعل مذکر اور ظاہر ہونیکی وجہ سے نعت مذکر لائی گئی ہے اسی طرح آیت میں الظالم کو مذکر لایا گیا ہے باوجودیکہ اسکا موصوف مؤنث ہے۔

برجُلٍ حَسَنَةٍ اُمّـهُ تانیث کے ساتھ جس طرح کہ آپ حَسُنَتْ امّهٗ کہہ سکتے ہیں اور آپ برجُلٍ حَسَنٍ اٰبَاؤُهٗ اور برجُلٍ حَسَنٍ اٰبَاؤُهٗ کہہ سکتے ہیں اور حَسَنَيْن نہیں کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی حَسَنِيْن کہہ سکتے ہیں سوائے ان لوگوں کی نعت کے جنہوں نے اَکَلُوْنِي الْبَرَاغِيْثُ کہا ہے اسی پر مزید قیاس کر لیجئے۔ مگر یہ کہ عربوں نے جمع تکسیر کو واحد کے قائم مقام قرار دیا ہے چنانچہ انہوں نے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قُعُوْدٍ غِلْمَانُهٗ کو فصیح کہہ کر جائز قرار دیا ہے جس طرح تم کہتے ہو قَاعِدٍ غِلْمَانُهٗ اور کچھ لوگوں نے تو اس کو مفرد پر ترجیح دی ہے، اور یہی میرا مذہب ہے۔ اور رہا جمع سالم (جیسے قَاعِدُوْنَ) تو اس کو صرف وہی درست کہتے ہیں جو اَکَلُوْنِي الْبَرَاغِيْثُ کو جائز کہتے ہیں۔

وإذا كانَ المنعُوتُ معلومًا بدُونِ النعتِ نحو «مررتُ بِامرىءِ القيسِ الشاعرِ» جازَ لكَ فيهِ ثلاثةُ أوجُهٍ: الاتباعُ فيخفض، والقطعُ بالرفعِ بإضمارِ هُوَ، و بالنصبِ بإضمارِ فعلٍ، ويجبُ ان يكونَ ذلكَ الفعلُ اخصّ أوْ أعني في صِفةِ التوضيحِ، وأمدحُ في صفةِ المدحِ، واذمُّ في صفةِ الذمّ، فالاوّلُ كما في المثالِ المذكورِ والثاني كما في قولِ بعضِ العربِ «الحمدُ للهِ أهلَ الحمدِ» بالنصبِ، والثالثُ كما في قولهِ تعالى: (وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ) يقرأ في السّبعِ (حَمَّالَةَ الحَطَبِ) بالنصبِ بإضمارِ اذمّ، وبالرفعِ امّا على الاتباعِ، أوْ بإضمارِ هي۔

لہ مجھے پسوؤں نے کھا ڈالا۔ اس سے ایک قاعدہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ فاعل جب اسم ظاہر مؤخر ہو اور عامل مقدم ہو تو عامل میں تثنیہ و جمع کی علامت نہیں لگا سکتے۔ چنانچہ قام اخواك اور قام اِخوتُك اور قمنَ نسوتُك نہیں کہا جائیگا۔ لیکن قبیلہ ازدشنوءہ کے نزدیک علامتِ تثنیہ و جمع لگانا جائز ہے خواہ عامل فعل ہو جیسے حضورؐ کا ارشاد یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیلِ وملائکۃ بالنھارِ۔ یا عامل اسم ہو جیسے حضورؐ کو جب حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس لیکر گئیں تو ورقہ نے کہا وَدِدْتُ اَنْ اَکونَ مَعَكَ اِذ یخرجُكَ قومُكَ تو آپؐ نے از راہِ تعجب پوچھا اَوَمُخْرِجِیَّ هُمْ۔ کیا وہ لوگ مجھے وطن سے نکال دیں گے۔ اس میں «ھم» فاعل ہے۔ اور «مخرجی» اس کا عامل ہے۔ اس کی اصل مخرجوی ھم ہے مگر واو کو یاء سے بدل دیا گیا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ علامتِ تثنیہ و جمع لگانے نہ لگانے کا جو اختلاف فعل فاعل میں ہے وہی صفت اور اسکے فاعل میں ہے۔ اسی وجہ سے اوّل الذکر نحوی مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنَیْنِ ابواہ اور مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِیْنَ اٰباؤُہٗ کو درست نہیں کہتے جبکہ قبیلہ ازدشنوءہ جائز کہتے ہیں الا یہ کہ صفت کا صیغہ جمع مکسر ہو جیسے قعودٌ غلمانُہٗ کو دونوں فریق جائز کہتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو جمع مکسر کو مفرد پر ترجیح دی ہے چنانچہ انکے نزدیک قاعدٌ غلمانُہٗ سے قعودٌ غلمانُہٗ زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر صیغہ صفت جمع سالم ہو جیسے قاعدُوْنَ غلمانُہٗ تو وہی سابقہ اختلاف عود کر آئیگا۔

اور جب منعوت بغیر نعت کے معلوم ومشہور ہو جیسے مَرَرْتُ بِامْرِئِ الْقَيْسِ الشَّاعِرِ تو اسمیں آپ کو تین صورتوں کا اختیار ہے (ماقبل کے) تابع کرنا جسکے نتیجہ میں اس پر جر آئیگا ھو ضمیر مقدر ماننے کے ذریعہ رفع دیکر الگ کر دینا (یعنی صفت کو مبتدا محذوف ھو کی خبر بنا دیا جائے) اور فعل مقدر ماننے کے ذریعہ نصب دیکر (الگ کر دینا) اور صفت توضیح میں اس فعل کا اخص یا اعنی ہونا ضروری ہے۔ اور صفت مدح میں اَمْدَحُ ہونا اور مذمت میں اذمُّ ہونا چنانچہ پہلا (اخص یا اعنی) جیسے کہ مذکورہ مثال (مَرَرْتُ بِامْرِئِ الْقَيْسِ الشَّاعِرِ) میں اور دوسرا امدح جیسے بعض عربوں کے قول میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَهْلَ الْحَمْدِ نصب کے ساتھ اور تیسرا اذم جیسے باری تعالیٰ کے ارشاد وَامْرَأَتُهُ[1] اقرأت سبعہ میں اذمُّ مقدر ماننے کر حَمَّالَةَ الْحَطَبِ نصب کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور رفع کے ساتھ (پڑھا جاتا ہے) یا تو تابعیت کی بنا پر یا ھی (مبتدا) مقدر ماننے کی بنا پر۔

ثم قلتُ: الثالث: عطف البيانِ، وهو: تابعٌ غيرُ صفةٍ يُوضِحُ مَتْبُوعَهُ أو يخصِّصُهُ، نحوُ:

• أَقْسَمَ بِاللهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَر •

ونحوُ: (أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ) ويتبعُهُ في أَرْبَعَةٍ مِنْ عَشَرَةٍ، ويجوزُ إعرابُهُ بَدَلَ كُلٍّ ان لم يَجِبْ ذِكْرُهُ كـ «هِنْدٌ قامَ زيدٌ اخوها»، ولَمْ يمتنع إحلالُهُ محلَّ الاوّلِ، نحو «يا زَيْدُ الحارِثُ»

و • أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ •

و • يَا نَصْرُ نَصْرٌ نَصْرًا •

ويمتنعُ في نحوِ: (مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ) وفي نحوِ «يَا سَعِيدُ كُرْزٌ»، و «قَرَأَ قَالُونُ عِيسَى»

وأقولُ: قولي «تابعٌ» جنسٌ يشملُ التوابعَ كُلَّها۔

وقولي: «غيرُ صفةٍ» مُخْرِجٌ لِلصِّفَةِ، فإنّها توافقُ عطفَ البيانِ في إفادةِ توضيحِ

---

[1] اور اسکی عورت (جہنم میں داخل ہوگی) میں مذمت کرتا ہوں لکڑیاں اٹھانے والی کی۔ (پ ۳۰ ع ۲۶) اسکی تقدیر ہے وَامْرَأَتُهُ اذمّ حمّالة الحطبِ جس طرح کہ مَرَرْتُ بامرئِ القيسِ الشاعرِ کی تقدیر مَرَرْتُ بامرئِ القيسِ اعنى الشاعرَ اور الحمدُ للهِ اهلَ الحمدِ کی تقدیر الحمدُ للهِ أمدحُ أهلَ الحمدِ ہے۔

المتبوع إنْ كانَ معرفةً وتخصيصهُ إنْ كانَ نكرةً، فلابُدّ مِنْ إخراجِها، وَالّا دخلتْ في حدِّ البيانِ.

وقولي «يوضح متبُوعهُ أوْ يخصّصهُ» مخرج لما عدا عطف البيانِ.

ومِثالُ المُوَضّحِ قولهُ:

۲۲۹- أقسَمَ بِاللهِ أبُوحفْصٍ عُمَر   مَا مَسَّها مِنْ نَقَبٍ وَلا دَبَر

ومثال العطفِ المخصّصِ قولهُ تعالىٰ: (أوْ كفّارةٌ طعامُ مَساكِيْنَ) فِيْمَنْ نوّنَ الكفّارةَ ورفعَ الطّعامَ.

وحُكم المعطوفِ انّهُ يتبع المعطوفَ عليهِ في اربعةٍ من عشرةٍ، وهي: واحد من الرفعِ والنصبِ والجرِّ، ووَاحِد مِن التعريفِ والتنكيرِ، ووَاحِد مِنَ الإفرادِ والتثنيةِ والجمع، ووَاحِد مِنَ التذكيرِ والتأنيثِ۔

م:۔ تیسرا عطف بیان ہے اور وہ صفت کے علاوہ ایک ایسا تابع ہے اپنے متبوع کو واضح کرے یا اسکو خاص کرے جیسے أقسَمَ بِاللهِ الخ اور جیسے أوْ كفّارةٌ الخ اور یہ اپنے متبوع کے دس میں سے چار امور میں تابع ہوتا ہے اور اسکی ترکیب بدلِ کل کی بھی جائز ہے بشرطیکہ اسکا ذکر ضروری نہو جیسے هند قَامَ زَيْدٌ أخُوْهَا اور اسکا پہلے کے قائم مقام کرنا ممتنع نہو (اسکی مثال) جیسے يَا زَيْدُ الحَارِث، أنَا ابْنُ التَّارِكِ الخ اور يا نَصْرُ نَصْرُ نَصْرًا ہے اور مَقَام إبْرَاهِيْم جیسے میں اور يَا سَعِيْدُ كُرْز اور، قَرَأْتُ قَالُوْنُ عِيْسىٰ، جیسے میں ممتنع ہے۔

ش:۔ میرا قول «تابع» جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور میرا قول غیرُ صفةٍ، صفت کو خارج کر رہا ہے کیونکہ یہ اگر معرفہ ہو متبوع کی توضیح کا فائدہ دینے میں عطف بیان کے موافق ہوتی ہے اور اگر نکرہ ہو تو تخصیص کا (فائدہ دینے میں) لہٰذا اس صفت کو نکالنا ضروری ہے ورنہ صفت عطف بیان میں داخل ہو جائیگی۔ اور میرا قول «يُوَضّح متبوعه أو يخصّصه» عطف بیان کے علاوہ دیگر (توابع) کو نکال رہا ہے اور (متبوع کی) توضیح کرنیوالے کی مثال شاعر کا قول أقسَمَ بِاللهِ الخ ہے اور عطف بیان مخصّص کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد أوْ كفّارةٌ الخ ہے ان لوگوں کی قرأت کے مطابق جنہوں نے كفّارة کو تنوین اور طعام کو رفع دیا ہے۔

لہ نَقَب (س) اونٹنی کے کھروں کا گھس جانا۔ دَبَرَ (س) دَبَرًا کجاوہ کی وجہ سے کوہان کا زخمی ہونا جفحص۔ شیر بہادری کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی کنیت ابوحفص ہے۔ عبداللہ بن کیسبہ حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہنے لگے کہ میرے گھر والے دور ہیں اور میری اونٹنی کے پیر گھسے ہوئے ہیں۔ کوہان زخمی ہے، مجھے کوئی سواری دیدیجئے۔ حضرت عمرؓ نے (باقی آئندہ صفحہ پر)

اور معطوف کا حکم یہ ہے کہ دس امور میں سے چار میں معطوف علیہ کے تابع ہوتا ہے اور وہ (چار یہ) ہیں۔ رفع، نصب اور جر میں سے ایک اور تعریف و تنکیر میں سے ایک اور مفرد و تثنیہ اور جمع میں سے ایک اور تذکیر و تانیث میں سے ایک۔

وكلّ شيء جاز إعرابهُ عطفَ بيانٍ جاز إعرابهُ بَدَلًا۔ أعني بَدَل كُلٍّ من كُلٍّ۔ إلّا إذا كان ذِكرهُ واجبًا، كـ «هند قامَ زيدٌ أخوهَا»، ألا ترى أنّ الجُملةَ الفِعليةَ خبرٌ عن هندٍ، والجُملةُ الواقعةُ خبرًا لا بُدَّ لها من رابطٍ يربطها بالمُخبرِ عنه، والرابطُ هُنا الضميرُ في قولهِ «أخوهَا» الّذي هُو تابعٌ لِزيدٍ، فإنْ أُسقط لم يصحّ الكلامُ، فوجبَ أنْ يُعربَ بيانًا، لا بدلًا، لِأنّ البَدلَ على نيّةِ تكرارِ العَامِلِ فكأنّهُ من جُملةٍ أخرى، فتخلو الجُملةُ المُخبرُ بها عن رابطٍ، وإلّا إذا امتنعَ إحلالُهُ محلَّ المتبوعِ، ولـذلك أمثلةٌ كثيرةٌ منها قولك «يا زيدُ الحارثُ»، فهذا من بابِ البيانِ، وليس من بابِ البَدلِ، لأنّ البَدلَ في نيّةِ الإحلالِ محلّ المُبدلِ منه، إذْ لو قيل «يا الحارث» لم يجز، لِأنّ «يا» و «أل» لا يجتمعانِ هنا، ومنها قولُ الشاعرِ:

۲۳۰۔ أنا ابنُ التّارِكِ البَكريِّ بِشْرٍ عَلَيْهِ الطَّيرُ ترقبهُ وقُوعًا

فـ «بشرٍ» عطفُ بيانٍ على «البَكرِيّ»، وليسَ بَدَلًا، لِامتِناعِ «أنا ابنُ التّارِكِ بشرٍ»، إذ لا يضافُ مَا فيه الألفُ واللّامُ إلى المجرّدِ منها، إلّا أن كان المضافُ صفةً مُثنّاةً أو مجموعةً جمعَ المذكّرِ السّالِمِ، نحو «الضّارِبَا زيدٍ»،

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) اسکی بات کو حقیقت نہ سمجھ کر واپس کر دیا۔ وہ اسی اونٹنی پر سوار ہو کر یہ شعر پڑھتا ہوا جا رہا تھا کہ ابوحفص عمر نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ نہ تو اونٹنی کو پاؤں کا گھسنا لاحق ہوا ہے اور کوہان کا زخم۔ اتفاق سے کنکر لی زمین میں حضرت عمرؓ نے یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا تو حقیقت کھلی، تو اسکی تصدیق کی۔ اور اونٹ، توشہ اور جوڑا دیکر روانہ کیا۔

اس میں شاہد۔ ابوحفص عمر، ہے۔ کہ عمر عطف بیان مبین کی وضاحت کر رہا ہے۔ اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کنیت اور نام یکجا جمع ہو جائیں تو کنیت کو مقدم کرنا جائز ہے، مؤخر کرنا واجب نہیں۔

لہ (اسیر) کفارہ یعنی چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (پ ۷ ع ۲) اس میں دو قراءتیں ہیں۔
(۱) كفّارةٌ طعامُ مساكين، یہ قراءت نافع اور عامر کی ہے۔ (۲) بقیہ کی وہ قراءت ہے جس سے استشہاد کیا گیا ہے یعنی كفّارةٌ طعامُ مساكينَ كفّارة مبین اور طعام بیان ہے جو مبین کی وضاحت کر رہا ہے۔

و «الضاربُو زَيْدٍ» ولا يجوز «الضاربُ زيْدٍ» خِلافًا لِلفرّاء۔

ومنها قول الراجز، وهو ذو الرّمة:

۲۳۱- إنّي وَأَسْطَارٍ سُطِرْنَ سَطْرًا   لَقَائِلٌ يَانَصْرُ نَصْرٌ نَصْرًا

لِأنّ نصرًا الثاني مرفوعٌ، والثالث منصوبٌ، فلا يجوز فيهما أن يكونا بَدَلَيْنِ، لِأنّهُ لا يجوز «يَانصرٌ» بالرفع، ولا «يَانصرًا» بالنصب، قالُوا وإنما نصر الأوّل عطفُ بيان على اللفظ، والثاني عطفُ بيانٍ على المحل، واستشكل ذلك ابنُ الطراوة، لِأنّ الشئ لا يُبَيِّنُ نفسهُ، قال: وإنما هذا مِن باب التوكيد اللفظي، وتابعهُ على ذلك المحمّدان ابنا مَالِك ومُعْطِي۔

اور ہر وہ شئ (کلام) جسکی ترکیب عطف بیان کے ساتھ ہوسکتی ہے اسکی ترکیب بدل کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے یعنی بدل کل من الکل کے ساتھ سوائے[1] اس کے کہ جب اسی (یعنی عطف بیان) کا تذکرہ ضروری ہو تب نہیں ہوسکتی) جیسے هِندٌ قَامَ زَيْدٌ اَخُوهَا کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ جملہ فعلیہ ہند کی خبر ہے اور جو جملہ خبر واقع ہو اس کیلئے کسی ایسے رابطہ کا ہونا ضروری ہے جو اس جملہ کو مخبر عنہ سے جوڑ دے اور رابطہ یہاں قائل کے قول اَخُوهَا میں ضمیر ہے جو زید کا تابع ہے اگر اسکو حذف کردیا جائے تو کلام درست نہیں ہوگا لہٰذا (یہاں) بیان کی ترکیب ضروری ہے نہ کہ بدل کی کیونکہ بدل عامل کے تکرار کے درجہ میں ہوتا ہے گویا کہ وہ دوسرے جملہ کا جزء ہے جسکے نتیجہ میں مخبر بہ جملہ رابطہ سے خالی ہوجائیگا اور (عطف بیان میں بدل کی ترکیب جائز ہے) اور سوائے[2] اسکے کہ جب اسکو متبوع کے قائم مقام کرنا ممتنع ہو اور اسکی بہت مثالیں ہیں۔ منجملہ ان کے تمہارا قول۔ يَا زَيْدُ الْحَارِثُ ہے۔ تو یہ عطف بیان ہی کی قبیل سے ہوگا اور بدل نہیں ہوگا کیوں کہ بدل مبدل منہ کے قائم مقام کے درجہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر کہا جائے يَا الحارث تو جائز نہیں کیوں کہ یَا اور أل، دونوں[3] یہاں جمع نہیں ہوسکتے۔

---

[1] مصنف نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے کہ جس کلمہ کو ترکیب میں عطف بیان بنایا جاسکتا ہے اسکو بدل کل من الکل بھی بنایا جاسکتا ہے۔ مگر دو مقام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پہلا مقام وہ ہے کہ جہاں عطف بیان بنایا جانے والے کلمہ کا ذکر ضروری ہو جیسے هند قام زيد اخوهَا میں اخوها کا ذکر ضروری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قامَ زيْد اخوهَا جملہ فعلیہ ہے جو ہند کی خبر بن رہا ہے۔ جبکہ قاعدہ ہے کہ جب خبر جملہ بنے تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے جو مخبر عنہ کی جانب لوٹے۔ اور عائد صرف اخوها میں بشکل ضمیر پایا جارہا ہے۔ اسلئے جملہ کی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے اس کا ذکر ضروری ہے۔ اس مثال میں اخوها کو بدل نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ بدل بنائیں گے تو اسکا عامل مقدر ماننا پڑیگا۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

اور اسی کی مثال شاعر کا قول اَنَا ابنُ التَّارِكِ البَكرِيِّ بِشرٍ الخ ہے کہ "بشر" "البکری" کا عطف بیان ہے بدل نہیں، "اَنَا ابنُ التَّارِكِ بِشرٍ" کے ممتنع ہونے کی وجہ سے کیوں کہ معرف باللام غیر معرف باللام کی جانب مضاف نہیں ہوتا ہے اِلّا یہ کہ مضاف ایسا صیغہ صفت ہو جو تثنیہ یا جمع مذکر سالم ہو جیسے الضَّارِبَا زَیْدٍ اور الضَّارِبُو زَیْدٍ اور الضاربُ زَیدٍ جائز نہیں۔ برخلاف فراء کے[۱]۔
اور اسی کی ایک مثال رجز یہ گو شاعر یعنی ذو الرمہ کا قول ہے انی و اسطار الخ[۲] اسلئے کہ دوسرا نصر مرفوع اور تیسرا منصوب ہے ان دونوں کا بدل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ نہ تو یا نصرُ رفع کیساتھ جائز ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) نتیجۃً یہ جملہ بالکل الگ ہو جائیگا۔ اور پہلا والا جملہ عائد سے خالی ہو جائیگا۔ دوسرا مقام وہ ہے جسکی طرف مصنفؒ نے والآذا امتنع اِحلالُہُ سے اشارہ کیا ہے کہ جہاں متبوع کی جگہ پر تابع کو رکھنا ممنوع ہو یعنی تابع کو متبوع کی جگہ رکھنے سے کسی محظور کا ارتکاب لازم آتا ہو، مصنفؒ نے اسکی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔ مثلاً یا زَیدُ الحارِثُ میں زید کی جگہ الحارث کو نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ اگر رکھیں گے تو تقدیر عبارت ہوگی "یا الحارث" یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ کلام عرب میں حرفِ نداء "یا" اور "الف لام" کا اجتماع جائز نہیں ہے۔ سوائے مندرجہ ذیل دو جگہوں کے۔ (۱) یا اللہ میں۔ (۲) جب کسی شخص کا نام کسی ایسے جملہ کے ساتھ رکھدیا جائے جس کے شروع میں الف لام آیا ہو جیسے المنطلق زید کسی کا نام رکھدیا جائے پھر نداء کے وقت کہا جائے یا المنطلق زید۔

[۱] بکری: بکر بن وائل کی طرف منسوب ہے۔ بشر سے بشر بن عمر بن مرثد مراد ہے۔ شاعر مرار اسدی کہتا ہے کہ میں اس آدمی کا بیٹا ہوں۔ جو بکری یعنی بشر کو اس حال میں کر کے چھوڑنے والا ہے کہ پرندے اس پر اترنے کی حالت میں انتظار کر رہے ہیں محلِ استشہاد: التارك البكری بشر ہے کہ اس میں بکری مبین اور بشر عطف بیان ہے۔ اور اس کو بدل نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ بدل عامل کے تکرار کے درجہ میں ہونیکی وجہ سے التارک کے دخول کا تقاضا کریگا اور عبارت ہو جائیگی "التارک بشر" جو ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں معرف باللام کی اضافت غیر معرف باللام کی طرف لازم آرہی ہے[۱] فراء معرف باللام کی اضافت غیر معرف باللام کی جانب جائز قرار دیتے ہیں لہٰذا انکے نزدیک بشر کو بدل بنانا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ناجائز ہے۔

[۲] اَسطار جمع ہے سطر کی۔ اور سطراً مفعول مطلق ہے۔ نصر سے نصر بن سیار مراد ہے۔ ان سطروں کی قسم جو کھینچی گئیں میں (اپنی مدد کے لئے پکار کر) کہنے والا ہوں یا نصر نصر نصر۔
اس میں شاہد یا نصرُ نصرٌ نصراً ہے کہ پہلا نصر منادیٰ ہے۔ دوسرا لفظاً عطف بیان ہے، تیسرا محلاً عطف بیان ہے۔ دوسرے اور تیسرے کو منادیٰ سے بدل بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر بدل بناتے ہیں تو تینوں نصر کو مبنی علی الضم پڑھنا پڑیگا۔ وہ اسلئے کہ بدل تکرار عامل کا تقاضا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تینوں نصر پر "یا" کا دخول تقدیراً ہوگا۔ اور وہ انکے مفرد معرفہ ہونیکی بناء پر مبنی علی الضم کو چاہے گا۔ حالانکہ یہ مبنی علی الضم نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا نصر مرفوع ہے۔ کیونکہ اس کو پہلے والے نصر کے لفظ پر محمول کیا گیا ہے۔ اور تیسرا منصوب ہے۔ کیونکہ اسکو پہلے والے کے محل پر محمول کیا گیا ہے اور منادیٰ محلاً مفعول بہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ دوسرے اور تیسرے کو بجائے بدل بنانے کے عطف بیان ہی قرار دیا جائے۔

اور نہ ہی یَا نَصْرٌ نصب کے ساتھ اور نحویوں نے کہا ہے کہ پہلا نصر عطف بیان ہے لفظاً[1] اور دوسرا عطف بیان ہے محلاً اور (عطفِ بیان بنانے کی صورت میں) ابن الطراوہ کو ایک اشتباہ ہوا کیونکہ شئ اپنے آپ کو واضح نہیں کرتی ہے انکا کہنا ہے کہ یہ تاکید لفظی کی قبیل سے ہے اور اس باب میں مالک کے محمد نامی دونوں بیٹوں اور معطی نے ان کی اقتدا کی ہے۔

فان قلت «یَا سعیدُ کُرزُ» بضم «کرز» وجبَ کونهُ بَدلًا، وامتنع کونهُ بیانًا، لِانّ البَدلَ في بابِ النّداء حکمهُ حکمُ المنادی المستقلّ، و«کرز» اذا نودی ضم من غیر تنوین، وامّا البیان المفرد التابع لمبنی فیجوز رفعهُ ونصبهُ، ویمتنع ضمهُ من غیر تنوین، ومثله فی ذلك النعتُ والتوکیدُ، نحو «یَا زیدُ الفاضِلُ، وَ«الفَاضِلَ» و «یَا تمیمُ اجمعونَ، و «اجمعین»

وکذلك یمتنع البیان فی قولك «قرأ قالونُ عیسٰی» ونحوه ممّا الاوّل فیه اَوْضَحُ من الثانِی، وانما قال العُلماء فی قولهٖ تعالٰی: (اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ) اِنّهُ بیان، لِانّ فرعون کانَ قد ادّعیٰ الرّبُوبیة، فلو اقتصروا علیٰ قولهم (بِرَبِّ العَالَمِینَ) لم یکن ذلك صَرِیحًا فی الایمانِ بالربّ الحق سُبحانهُ وتعالٰی۔

اگر آپ یَا سَعِیدُ کُرزُ ضمہ کیساتھ کہیں گے تو اسکا بدل ہونا واجب ہے اور بیان ہونا ممتنع ہے کیوں کہ بابِ ندا میں بدل کا حکم مستقل منادیٰ کا حکم ہے اور «کرز» کو جب منادیٰ بنایا جائیگا تو (لازماً) بلا تنوین ضمہ دیا جائیگا اور رہا وہ عطفِ بیان مفرد جو مبنی کے تابع ہوتا ہے اسمیں رفع نصب (دونوں) جائز ہوتے ہیں اور ضمہ بلا تنوین ممتنع ہوتا ہے اور اس باب میں اسی کی طرح نعت اور تاکید ہے جیسے یَازیدُ الفَاضِلُ وَالفَاضِلَ، اور یَا تَمِیْمُ اَجْمَعُوْنَ وَاَجْمَعِیْنَ[2]۔

---

[1] لفظاً کا مطلب یہ ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ پر ضمہ آتا ہے۔ اور ضمہ اور رفع قولاً و کتابۃً ایک ہی ہیں بس فرق یہ ہوگا کہ پہلا چونکہ منادیٰ مبنی ہے اسپر ضمہ بلا تنوین آئیگا اور دوسرا معرب ہے اس پر رفع مع التنوین آئیگا۔ اور محلاً کا مطلب یہ ہے کہ نصر پہلا «اُدْعُو» یا «اَطْلُبُ» فعل محذوف کا مفعول کی جگہ میں واقع ہے، اور مفعول منصوب ہوتا ہے تو تبعیت والے نصر کو بھی نصب دیا گیا ہے۔

[2] یا سعید کرزٌ جیسے میں کرز کو بدل بھی بنایا جا سکتا ہے اور عطفِ بیان بھی۔ اگر یا سعید کی زیر ضمہ بلا تنوین پڑھیں گے تو کرز صرف بدل ہوگا۔ کیونکہ بدل کا وہی حکم ہوتا ہے جو اسکے متبوع کا ہوتا ہے چنانچہ جب ہم کرز کو منادیٰ بنائیں تو اسکے منادیٰ مفرد معرفہ ہونیکی بنا پر اس کو صرف ضمہ بلا تنوین ہی دیں گے کیونکہ اس صورت میں وہ مبنی علی الضم ہوگا۔ اسی طرح جب اسکو بدل بنائیں گے تو بھی اسکو ضمہ بلا تنوین دینگے۔ اور اگر آپ کرز کو عطفِ بیان مانیں تو رفع مع التنوین اور نصب مع التنوین دیں گے۔ چنانچہ آپ یا سعیدُ کرزٌ یا سعیدُ کرزًا کہیں گے کیونکہ منادیٰ مفرد کے تابع اگر عطفِ بیان ہو تو اسپر یہ دونوں اعراب جاری ہوتے ہیں۔ نیز منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع اگر

(باقی آئندہ صفحہ پر)

اوراسی طرح تمہارے قول قَرَأَ قَالُوْنُ عِيْسٰی میں اوراس جیسی جگہ میں یعنی جہاں پہلا دوسرے سے زیادہ واضح ہوتا ہے عطف بیان ناجائز ہے اور علماء نے باری تعالیٰ کے ارشاد اٰمَنَّا بِرَبِّ الخ میں عطف بیان کا قول اسلئے کیا ہے کیوں کہ فرعون (خود اپنی) ربوبیت کا مدعی تھا لہٰذا اگر وہ (یعنی جادوگر) اپنے قول بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ پر اکتفا کرتے تو یہ قول رب حقیقی سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان میں صریح نہ ہوتا۔

ثم قلتُ: الرابع البَدَلُ، وهُوَ: التابعُ المقصودُ بالحُكمِ بلا واسطةٍ، وَهُوَ إمّا بَدَلُ كُلٍّ نحو: (صِرَاطَ الَّذِيْنَ) أَوْ بَعْضٍ نحو (مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا) أَوْ اشتِمالٍ نحو (قِتَالٍ فِيْهِ) أَوْ إِضْرَابٍ نحو «مَا كُتِبَ لَه، نِصْفُهَا ثُلُثُهَا رُبُعُهَا» أَوْ نِسْيَانٍ أَوْ غَلَطٍ كـ «جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو» و «هٰذَا زَيْدٌ حِمَارٌ»، وَالْأَحْسَنُ عَطْفُ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ بِبَلْ، وَيُوَافِقُ متبوعَه وَيُخَالِفُهُ فِي الإظهارِ وَالتعريفِ وضِدَّيْهِما، ولكِنْ لا يُبْدَلُ ظَاهِرٌ مِنْ ضَمِيرِ حَاضِرٍ، الَّا بَدَلَ بَعْضٍ أَوْ اِشْتِمَالٍ مُطلقًا، أَوْ بَدَلَ كُلٍّ إِنْ أَفَادَ الإِحَاطَةَ۔

واقولُ: البَدَلُ فِي اللُّغَةِ العِوَضُ، وفِي التَّنْزِيْلِ (عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا) وفِي الاِصْطِلَاحِ مَا ذُكِرَ۔

و «التَّابِعِ» جنسٌ يشمل (جميع) التَّوَابِعِ۔

و «المقصودُ بالحُكمِ» فَصْلٌ مُخرِجٌ للنعتِ والبيانِ وَالتَّاكِيدِ، فانّهن مُتمِّمَاتٌ للمقصودِ بالحكمِ، لا مقصودةٌ بالحُكمِ، ولنحو «جَاءَ القومُ لا زَيْدٌ»۔

(بقیہ سابقہ) صفت یا تاکید ہو تب بھی یہی ضابطہ جاری ہوگا ـ چنانچہ آپ کہیں گے يَا زَيْدُ الفَاضِلُ والفاضلَ يَا تَيْمُ اَجْمَعُوْنَ اَجْمَعِيْنَ ـ

لہ قَرَأَ قَالُوْنُ عِيْسٰی میں چونکہ قالون زیادہ واضح ہے۔ ہر آدمی ان کو قالون کے نام سے جانتا ہے۔ عیسیٰ کے نام سے بہت کم لوگ متعارف ہیں ـ امتناع کی وجہ یہ ہے کہ عطف بیان اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ اور عیسیٰ کے ذریعہ متبوع کی وضاحت نہیں ہورہی ہے۔ کیونکہ وہ خود مجہول ہے۔ قرآن کے مشہور قراء میں ایک قاری قالون بھی ہیں ـ

لہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لاتے یعنی جو موسیٰ اور ھارون کا رب ہے۔ (پ ۱۹ ع ۷) اس آیت میں ربّ موسیٰ و ھارون کو عطف بیان بنانا علماء نے اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ تنہا ربّ العالمین کہہ دیا جاتا تو ربّ حقیقی کی طرف ذہن پورے طور پر منتقل نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ فرعون بھی اپنے ربّ العالمین ہونیکا مدعی تھا۔ اور جب ربّ موسیٰ و ہارون کہدیا گیا تو فرعون نکل گیا۔ کیونکہ موسیٰ اور ھارون کے عقیدہ کے مطابق ربّ العالمین نہیں تھا۔ اور جب ربّ موسیٰ و ھارون کے ربّ العالمین کی وضاحت ہورہی ہے تو ربّ موسیٰ کو عطف بنانا درست ہوا۔

فانّ زیدًا منفی عنہ الحکم، فلا یصح ان یُقال انّہٗ المقصود بالحکمِ، ولغو: عمرٌو، فی «جاء زیدٌ عمرٌو» او «فعمرٌو» او «ثم عمرٌو» او «القوم حتی عمرٌو»، فانّہٗ مقصود بالحکم مع الاوّل، فلا یصدُق علیہ انّہٗ المقصود بالحکم۔

و «بلا واسطۃ» مخرجٌ للمَعْطوفِ عطفَ النسق فی نحو «جاء زیدٌ بل عمرٌو» فانّہٗ وانْ کانَ المقصودَ بالحکم، لکنّہٗ انّما یتبع بواسطۃِ حرفِ العطفِ۔

م:۔ چوتھا بدل ہے اور وہ وہ تابع ہے جو حکم میں بلا واسطہ مقصود ہوتا ہے وہ یا تو بدل کل ہوگا جیسے صِرَاطَ الَّذِیْنَ یا بدلِ بعض ہوگا جیسے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا یا بدلِ اشتمال ہوگا جیسے قِتَالٍ فِیْہِ۔ یا بدلِ اِضراب ہوگا جیسے مَاکتب لہٗ نِصفُھا ثُلُثُھا رُبعُھا اور یا بدل نسیان یا غلط ہوگا جیسے جَاء زیدٌ عمرٌو اور ھٰذا زیدٌ حمارٌ اور ان (آخری) تینوں میں بَل کے ذریعہ عطف زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ اظہار اور تعریف اور ان دونوں کی اَضداد (اضمار و تنکیر) میں اپنے متبوع کے موافق بھی ہوتا ہے۔ اور مخالف بھی اور لیکن اسم ظاہر ضمیر حاضر سے بدل نہیں بنتا ہے سوائے بدلِ بعض یا اشتمال کے بلا شرط یا بدلِ کل بشرطیکہ احاطہ (واستغراق) کا فائدہ دے۔

ش:۔ بدل (کا معنی) لغت میں عوض ہے اور قرآن میں ہے عَسٰی رَبُّنَا الخ[1] اور اصطلاح میں وہی جو ذکر کئے گئے اور «التابع» جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور «المقصود بالحکم» فصل ہے جو نعت، بیان اور تاکید کو نکال رہی ہے کیونکہ یہ تینوں مقصود بالحکم کیلئے مکمّل ہیں (خود) مقصود بالحکم نہیں اور جَاءَ القومُ لا زیدٌ جیسے کو (نکال رہی ہے) کیونکہ زید سے حکم کی نفی کی گئی ہے اسی وجہ سے یہ کہا جانا درست نہیں کہ یہ مقصود بالحکم ہے اور جَاءَ زیدٌ وعمرٌو، فعمرٌو، ثم عمرٌو یا القوم حتّٰی عمرٌو جیسے میں عمرو کو (نکال رہی ہے) کیونکہ یہ پہلے والا سمیت مقصود بالحکم ہے لہٰذا اس پر یہ صادق نہیں آتا کہ یہی مقصود بالحکم ہے اور «بلا واسطۃ» جَاءَ زیدٌ بَلْ عَمرٌو جیسے میں معطوف بعطفِ النسق کو نکال رہا ہے کیونکہ یہ اگرچہ مقصود بالحکم ہے لیکن یہ حرفِ عطف کے واسطہ سے تابع ہوتا ہے۔

و اقسامُہٗ ستّۃ: بَدل کُلٍ من کُلٍ، وبَدل بعضٍ من کُلٍ، وبَدل اشتمال، وبَدل اضراب، وبَدل نسیان، وبَدل غلط، فبَدل الکل نحو (اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

---

[1] شاید ہمارا پروردگار اس سے بہتر عوض عطا فرمائے۔ (پ ۲۹ ع ۲) مقصود اتنا بتلانا ہے کہ بدل بمعنی عوض ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ) فالصّراط الثاني هو نفس الصّراط الاوّل۔

وبَدل البعض نحو: (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا) ف (مَنْ) فی موضع خفضٍ علیٰ انها بَدل من (الناس) والمستطيع بعض الناسِ لاکلّهم۔

وبَدل الاشتمالِ نحو (يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ) ف (قتال) بَدل من (الشهر) وليس القتال نفس الشهرِ ولا بعضهٗ، ولكنّهٗ مُلابِسٌ له لوقوعه فيهِ ــــ وبَدل الاضراب كقوله عليه الصّلاة والسّلام: «انّ الرَّجُلَ ليصلّي الصَّلوة مَا كُتِبَ له نصفُها ثلثُها ربعُها، الى العُشرِ» وضابطهٗ ان يكون البَدلُ والمُبدل منه مقصودَيْن قصدًا صحيحًا، وليس بينهما توافق كما في بَدلِ الكلِ، ولا كلية وجزئية كما في بَدلِ البعض، ولا ملابسة كما في بَدلِ الاشتمالِ،

وبَدل النِسيان كقولك «جاءَنِي زيدٌ عمروٌ» اِذا كنت اِنما قصدت زيدًا اَولا، ثم تبيّن فسادُ قصدك فذكرت عمروًا۔

وبَدل الغلطِ كقولك «هٰذا زيدٌ حمارٌ» والاصلُ انّك اردت ان تقول: هٰذا حِمَار، فسَبَقَكَ لِسانُكَ اِلى زيدٍ، فرفعت الغلط بقولك حمار، و سَمّاه النحويُّون بَدل الغلط، علیٰ معنیٰ بَدل الاسم الّذی هو غلطٌ، اَلا ترى انّ الحمارَ بَدل مِن زيدٍ، وانّ زيدًا اِنّما ذكر غلطًا۔

ويصحّ ان يمثّلَ لهٰذه الابدالِ الثلاثة بقولك «جاءَنِي زيدٌ عمروٌ» لِانّ الاوّل وَالثانِي اِن كانا مقصودَيْن قصدًا صحيحًا فبَدلُ اِضراب، واِن كان المقصودُ اِنّما هُو الثاني فبدل غلط، وان كان الاول قُصد اوّلًا ثم تبين فساد قصده فبدل نسيان۔

اور بدل کی قسمیں چھ ہیں۔ بدل کل من الکل، بدل بعض من الکل، بدل اشتمال، بدل اضراب، بدل نسیان، اور بدل غلط۔ چنانچہ بدل الکل جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الخ[1] کہ دوسرا صراط بعینہٖ پہلے والا صراط ہے۔
اور بدل بعض جیسے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ الخ[2] کہ مَن محلِ جر میں ہے اس بنیاد پر کہ النّاس کا بدل ہے۔

---

[1] ہم کو سیدھے رستہ کی رہنمائی فرما یعنی ان لوگوں کی راہ جن الخ (پ ۱ ع ۱) [2] اور اللہ کا لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا حق ہے یعنی ان پر (باقی آئندہ صفحہ پر)

اور مستطیع بعض لوگ ہوتے ہیں نہ کہ کل۔

اور بَدلِ اشتمال جیسے یَسْئَلُوْنَكَ[1] الخ کہ قتال، شھر، کا بدل ہے اور قتال نہ تو بعینہٖ شہر ہے اور نہ ہی بعض لیکن وہ اسکا متعلق ہے قتال کے شہر میں واقع ہونیکی وجہ سے۔

اور بدل اضراب[2] جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اِنَّ الرَّجُل الخ (اس سلسلہ کو لیجاتے) عُشر تک اور اسکا ضابط (یعنی علامت) یہ ہےکہ بَدل اور مُبدل منہ دونوں صحیح قصد کے ساتھ مقصود ہوتے ہیں اور ان میں (کامل) توافق نہیں ہوتا جیساکہ بَدلِ کل میں ہوتا ہے اور نہ ان میں کلّیہ وجُزئیت ہوتی ہے۔ جیسی کہ بَدلِ بعض میں اور نہ ہی مُلابَسَت ہوتی ہے جیسی کہ بَدلِ اشتمال میں اور بَدلِ نسیان[3] جیسے تمہارا قول جَاءَنِی زیدٌ عَمْرٌو یہ اس وقت ہے کہ جبکہ تم نے اوّلاً زید کا قصد کیا پھر تمہارے قصد کا فساد واضح ہوگیا تو عمرو کو ذکر کردیا۔

اور بَدَلِ غلط[4] جیسے تمہارا قول ھٰذَا زیدٌ حمارٌ اصل یہ ہےکہ تم نے ھٰذَا حِمَار کہنے کا ارادہ کیا۔ تمہاری زبان زید کی طرف سبقت کرگئی پھر تم نے اپنے قول حمار کے ذریعہ غلطی کو ختم کیا نحویوں نے اسکا

(بقیہ سابقہ) جو وہاں تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ (پ۴ ع۱) النَّاس میں تمام لوگ شامل تھے مگر مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا سے بعض لوگ مُراد ہیں کیونکہ تمام لوگ مستطیع نہیں ہوتے بعض ہی ہوتے اس لئے مَن اسْتَطَاعَ کو النَّاس سے بدل البعض من الکل بنایا جائیگا۔ اس کے خلاف ماننے میں تمام لوگوں پر حج کی فرضیت لازم ہوگی جو غلط ہے۔

[1] آپ سے حرام مہینہ یعنی اس میں قتال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ (پ۲ ع۱۱)

[2] بدل اضراب وہ بدل ہے کہ بدل اور اس کے مُبدل منہ کا صحیح قصد ہو مگر یہ کہ متکلم مُبدل منہ کے قصد سے بَدل کے قصد کی طرف عدول کرے۔ مثلاً خذ القلمَ الورقةَ کہ آپ نے مخاطب کو قلم لینے کا حکم کیا پھر کاغذ لینے کی طرف عدول کیا، اور مبدل منہ کو متروک کے حکم میں کردیا جبکہ آپ کی مراد قلم اور کاغذ دونوں کا قصد ہے۔ اسی طرح حدیث۔ ان الرّجل الخ کہ آدمی نماز پڑھتا ہے اس کے لئے ثلث ثواب نہیں لکھا جاتا ہے، ربع خمس حتیٰ کہ عشر (بھی نہیں لکھا جاتا) حدیث میں بدل یعنی صرف عشر مراد نہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ کوئی بھی حصہ ثواب کا نہیں لکھا جاتا۔

[3] بدل نسیان وہ بدل ہے جو اس لفظ کے بعد ذکر کیا جائے جسکے ذکر کے بعد اسکے ذکر کا فساد سامنے آیا مثلاً سَافَرَ عَلِیٌّ اِلیٰ دمشق، بعلبك، آپ کا خیال تھا کہ علی نے دمشق کا سفر کیا بعد میں معلوم ہوا کہ بعلبک کا سفر کیا۔

[4] بدل غلط: وہ بدل ہے جس کو اس لفظ کے بدلہ میں ذکر کیا جائے جس کا ذکر سبقتِ لسانی کے نتیجہ میں ہوگیا ہے جیسے جَاءَ المعلّم۔ التلمیذ کہ جَاءَ التلمیذ کہنا چاہتے تھے مگر جَاءَ المُعَلّم زبان سے نکل گیا۔

مصنف علاّم نے قطر الندیٰ میں بدل الغلط اور بدل النسیان کے درمیان فرق کرتے ہوئے کہا ہے انّ الغلط فی اللِّسَانِ والنسیان فِی الجنان (قطر الندیٰ ص۳۳۶)

نام بدل غلط رکھا اس اسم کے بدلے میں ہونیکا لحاظ کرنیکی بناء پر جو اسم کے غلط ہے کیا نہیں دیکھتے کہ حمار زید کا بدل ہے۔ اور زید تو غلطی سے ذکر ہو گیا۔

اور تمہارے قول جاءَنِی زَیْدٌ عَمْرٌو کو ان تینوں بَدلوں کی مثال بنایا جانا درست ہو سکتا ہے کیونکہ پہلا اور دوسرا دونوں قصد صحیح کے ساتھ مقصود ہوں تو بَدلِ اضراب ہے۔ اور اگر صرف دوسرا مقصود ہو تو بدل غلط ہے اور اگر اولاً پہلے کا قصد کیا گیا پھر اس کے قصد کا فساد سامنے آیا تو بدل نسیان ہے۔

ثم اعلم انّ البَدل والمُبْدل منه ينقسمانِ بحسب الإظهار والاضمار اربعة اقسام، وذلك لانهما يكونانِ ظاهِرَيْن، ومضمرين، ومختلفين، وذلك على وَجهَيْن، فإبدال الظاهر من المظهر نحو "جاءَنِي زَيدٌ اخوك"،

وإبْدال المضمر من المضمر، نحو "ضربتهُ اِيّاهُ"، فايّاه بَدلٌ اَوْ تَوكِيدٌ. واَوْجَبَ ابنُ مَالك الثاني، واسقط هٰذا القسم من اقسامِ البَدل، ولو قلت: "ضربتُهُ هو" كان بالاتفاق توكيداً لا بدلاً۔

وإبدال المضمر من الظاهر نحو "ضربتُ زيداً اِيّاه"، واسقط ابن مَالك هٰذا القسمَ ايضاً مِن بابِ البَدلِ، وزعَمَ انهُ ليس بمسموعٍ، قَال، ولو سمع لاُعرب توكيداً لا بَدلاً، وفيما ذكرهُ نظر، لانهُ لا يؤكد القوى بالضعيف، وقد قالت العرب: "زيدٌ هو الفَاضِلُ" وجوّز النحويّون فى "هو" ان يكون بدلاً، وَاَنْ يكون مبتدأ، وان يكون فصلاً۔

پھر جان لیجئے کہ بَدَل اور مُبدل منہ کی اِظہار و اِضمار کے اعتبار سے چار قسمیں نکلتی ہیں وہ اس لئے کہ دونوں ظاہر ہوں گے اور دونوں مضمر ہونگے اور دونوں مختلف ہونگے اسکی دو صورتیں ہیں۔

چنانچہ ابدال الظاہر من المظہر جیسے جاءَنِی زَیدٌ اَخوکَ ہے۔

اور ابدال المضمر من المضمر جیسے ضربتُہٗ اِیّاہُ ہے کہ اِیّاہ بدل یا تاکید ہے اور ابن مالک نے دوسرے (تاکید) کو واجب قرار دیا ہے۔ اور بدل کی قسموں میں سے اس قسم کو ساقط کر دیا ہے اور اگر آپ ضربتُہٗ ھُوَ کہیں تو یہ بالاتفاق تاکید ہوگا نہ کہ بدل۔

اور ابدال المضمر من الظاہر جیسے ضربت زیدا ایّاہ ہے اور ابن مالک نے اس قسم کو بھی بَدل کے

باب سے ساقط کر دیا ہے۔ اور انکا خیال ہے کہ یہ مسموع نہیں ہے انہوں نے کہا ہے اور اگر مسموع بھی ہوتا تو اسکی ترکیب تاکید کی ہوتی نہ کہ بدل کی اور جس بات کو انہوں نے ذکر کیا ہے اسمیں نظر ہے کیونکہ قوی کی تاکید ضعیف سے نہیں کیجاتی ہے (جبکہ یہاں ایسا ہی ہو رہا ہے کیونکہ اسم ظاہر دلالت میں ضمیر غائب سے قوی تر ہے۔ لہٰذا تاکید درست نہیں تو بدل کی ترکیب کیجائیگی) اور (اسکی وجہ یہ ہے کہ) عربوں نے کہا ہے زیدٌ ھو الفاضل اور نحویوں نے ھُوَ میں یہ جائز رکھا ہے ھو بدل ہو نیز ھُو کا مبتدا ہونا اور ھو کا ضمیر فصل ہونا (بھی جائز رکھا ہے)

وابدالُ الظاهِرِ من المضمرِ فيه تفصيلٌ، وذلك انّ الظاهر ان كان بدلاً من ضميرِ غيبةٍ جاز مُطلقًا، كقولهِ تعالى: (وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ) فـ (ان اذكرهُ) بدلٌ من الهاءِ في (أنسانيهِ) بدل اشتمال، ومثلهُ (وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ)، وقولُ الشاعرِ:

۱۱۷- عَلَى حَالَةٍ لَوْ أَنَّ فِي القَوْمِ حَاتِمًا ... عَلَى جُودِهِ لَضَنَّ بِالمَاءِ حَاتِمِ

الّا انّ هذا بدل كل من كل۔

وان كان ضميرَ حاضرٍ، فإن كان البدلُ بعضًا أو اشتمالًا جاز، نحو «أعجبتني وَجْهُكَ» و «أعجبتني عِلْمُكَ»، وقولُهُ:

۲۳۲- أَوْعَدَنِي بِالسِّجْنِ وَالأَدَاهِمِ ... رِجْلِي فَرِجْلِي شَثْنَةُ المَنَاسِمِ

فـ «رجلي»: بدلُ بعضٍ من ياءِ «أوعدني» وقوله:

۲۳۳- ذَرِينِي إِنَّ أَمْرَكِ لَنْ يُطَاعَا ... وَمَا أَلْفَيْتِنِي حِلْمِي مُضَاعَا

فـ «حلمي» بدل اشتمال من ياءِ «ألفيتني»

وإنْ كان بدلَ كُلٍّ فإمّا أن يدلَّ على إحاطةٍ، أو لا، فإن دلَّ عليها جاز نحو (تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا) وإن كان غير ذلك امتنع، نحو «قُمْتَ زيدٌ»، و «رأيتُكَ زيدًا»، وجوّز ذلك الأخفش والكوفيون، تمسكًا بقولهِ:

۲۳۴- بِكُمْ قُرَيْشٍ كُفِينَا كُلَّ مُعْضِلَةٍ ... وَأَمَّ نَهْجَ الهُدَى مَنْ كَانَ ضِلِّيلًا

وكذلك ينقسمانِ - بحسب التعريفِ والتنكيرِ - الى معرفتين نحو (اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ) ونكرتين نحو (إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا حَدَائِقَ) ومتخالفين فإمّا ان يكونَ البدلُ معرفةً والمبدلُ منه نكرةً نحو

(اِلیٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللهِ) اَوْ يَكُوْنَا بِالعَكْسِ نحو (لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ) وقَوْلُ الشَّاعِرِ:

۲۳۵- • اِنَّ مَعَ الْيَوْمِ اَخَاهُ غَدْوًا •

اور اسم ظاہر کو ضمیر سے بدل بنانے میں تفصیل ہے وہ یہ کہ ظاہر اگر ضمیر غائب سے بدل ہو تو مطلقاً جائز ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا اَنْسَانِيْهُ[1] الخ کہ ۔ اَنْ اَذْكُرَهٗ ، اَنْسَانِيْهُ ، کی ھاء سے بدل اشتمال ہے اور اسی کی مانند وَنَرِثُهٗ[2] مَا يَقُوْلُ اور شاعر کا قول عَلٰی حَالَةٍ[3] الخ ہے مگر یہ کہ یہ بدل کل من کل ہے۔

اور اگر (اسم ظاہر بدل) (ضمیر حاضر (سے) ہو تو پھر (دیکھا جائیگا کہ) اگر بدل بعض یا اشتمال ہو تو جائز ہے جیسے اَعْجَبْتَنِي وَجْهُكَ اور اَعْجَبْتَنِي علمك اور (جیسے) شاعر کا قول اَوْعَدَنِي بِالسِّجْنِ[4] الخ کہ رِجْلِي ، اَوْعَدَنِي ، کی یاء سے بدل بعض ہے اور (جیسے) شاعر کا قول ذرینی انّ[5] الخ کہ حِلْمِي ، اَلْفَيْتَنِي ، کی یاء سے بدل اشتمال ہے۔

اور اگر ظاہر بدل کل ہو پھر یا تو وہ احاطہ و استغراق پر دلالت کریگا یا نہیں اگر دلالت کرتا ہے تو جائز ہے جیسے تَكُوْنُ لَنَا[6] الخ اور اسکے علاوہ ہو (یعنی احاطہ و استغراق پر دلالت نہ کرتا ہو) تو ناجائز ہے۔ جیسے قُمْتَ زَيْدًا ، رَاَيْتُكَ زَيْدًا اور اخفش اور کوفیوں نے شاعر کے قول بكم قُرَيْشٍ[7] الخ سے

---

[1] اور شیطان نے مجھے اس کا یاد دلانا بھلا دیا۔ (پ ۱۵ ع ۲۱) [2] ہم اس کے مرنے پر اس سے لے لیں گے جو وہ بتلا رہا ہے پ ۱۶ ع ۸) ٗہ ضمیر مُبدل منہ اور مَا يَقُوْلُ بدل ہے۔ [3] اس شعر میں ، حاتم ، اسم ظاہر جو دِہٖ ، کی ضمیر غائب سے بدل ہے۔ ترجمہ: (میں اس پر ایثار کیا ہے) ایسی حالت میں کہ اگر قوم میں حاتم (زندہ) ہوتا تو حاتم بھی اپنی سخاوت کے باوجود پانی پر بخل کر جاتا [4] اَوْعَدَ دھمکی دینا اَدَاهِم ادهم کی جمع ہے بیڑی۔ سَنْتَةٌ قوی، مضبوط ، پُر گوشت ۔ مَنَاسِم مَنْسِم کی جمع ہے ، اونٹ کے پیر۔ عدیل بن فرخ شاعر نے حجاج بن یوسف کے پاس دھمکی کے نتیجہ میں یہ شعر بھیجا تھا۔ وہ مجھے یعنی میرے پیروں کو جیل اور بیڑیوں کی دھمکی دے رہا ہے تو (سن لے کہ) میرے پیر اونٹ کے پیروں کی طرح مضبوط ہیں۔ (برداشت میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی) رجلی اسم ظاہر اَوْعَدَنِي کی ضمیر مفعول سے بدل بعض من الکل ہے۔

[5] عدی بن زید عبادی کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دے تیرے حکم کی ہرگز اطاعت نہیں کی جائیگی۔ اور تو نے مجھ کو یعنی میرے علم و عقل کو ضائع نہیں پایا۔ الفیتنی کی ضمیر مفعول مُبدل منہ اور حِلمی اسم ظاہر بدل اشتمال ہے۔

[6] جو ہمارے اگلے اور پچھلوں (یعنی تمام لوگوں) کیلئے عید ہو جائے (پ ۷ ع ۵) اسمیں اوّل و آخر لَنَا کی ضمیر مجرور متکلم سے بدل ہے۔

[7] مُعْضِلَة مصیبت اسم فاعل ہے اَعْضَلَ الامرُ سخت ہونا اَمَّ (ن) اَمًّا قصد کرنا۔ ضِلِّيْل زبردست گمراہ تمہارے یعنی قریش کے ذریعہ ہماری ہر مصیبت سے کفایت ہوئی اور ہدایت کی راہ کا ایسے لوگوں نے قصد کیا زبردست گمراہ تھے۔ اسمیں ، کم ، ضمیر مجرور مُبدل منہ اور ، قریش ، اسم ظاہر بدل ہے۔ مگر بدل کی یہ قسم صرف کوفیوں اور اخفش کے نزدیک درست ہے ، جمہور کے نزدیک درست نہیں۔ چونکہ بدل احاطہ و استغراق پر دلالت نہیں کر رہا ہے۔

استدلال کرتے ہوئے اسکو جائز قرار دیا ہے۔

اور اسی طرح بدل مُبدل منہ کی تعریف وتنکیر کے اعتبار سے (چار) قسمیں نکلتی ہیں دونوں معرفہ جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الخ اور دونوں نکرہ جیسے اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ[1] الخ اور دونوں مختلف: تو پھر یا تو بدل معرفہ اور مُبدل منہ نکرہ ہوگا جیسے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[2] الخ اور دونوں اسکے برعکس ہونگے جیسے لَنَسْفَعًا[3] الخ اور شاعر کا قول اِنَّ مَعَ الْيَوْمِ[4] الخ

ثم قلتُ: الخامِسُ: عطفُ النسقِ، وَهُوَ بالواوِ لمطلقِ الجمعِ، وبالفاءِ للجمعِ والترتيبِ والتعقيبِ، وبِثُمَّ للجمعِ والترتيبِ والمهلةِ، وبحتّٰى لِلجمعِ والغايةِ، وبِأَمْ المتصلةِ وهي: المسبوقه بهمزةِ التسويةِ أَوْ بِهَمْزَةٍ يُطلبُ بها وبِأَمْ التعيين، وهي في غيرِ ذلك (منقطعة) مختصّة بالجُمَلِ ومُرادِفَه لِبَلْ، وقد تُضمّن مع ذلك معنى الهمزةِ، وبِأَوْ بعدَ الطلبِ لِلتخييرِ أَوِ الإباحةِ، وبعدَ الخبرِ لِلشكِّ أَوِ التشكيكِ أَوِ التقسيمِ، وبِبَلْ بعدَ النفيِ أَوِ النهيِ لِتقريرِ متلوِّها وإثباتِ نقيضِه لِتاليها كَلٰكِنْ، وبعدَ الإثباتِ وَالأمرِ لِنقلِ حُكمِ ما قبلَها لما بعدَها، وبِلَا للنفيِ، وَلا يُعطَفُ غالبًا على ضميرِ رفعٍ متصلٍ ولا يُؤكّدُ بالنفسِ أو بالعينِ إلّا بعدَ توكيدِهٖ بمنفصلٍ أَوْ بعدَ فاصِلٍ ما، ولا على ضميرِ خفضٍ إلّا بإعادةِ الخافِضِ۔

م:۔ پانچواں عطف نسق ہے اور وہ (عطف) واؤ کے ذریعہ مطلقاً جمع کے لیے ہوتا ہے اور فاء کے ذریعہ جمع ترتیب اور تعقیب کیلئے اور ثم کے ذریعہ جمع ترتیب اور مہلت کیلئے ہے اور حتّٰی کے ذریعہ جمع اور غائب کیلئے اور اَمْ متصلہ کے ذریعہ (بھی ہے) اور متصلہ وہ ہے جس سے پہلے ہمزۂ تسویہ ہو یا وہ ہمزہ ہو کہ اسکے ذریعہ اور اَمْ کے ذریعہ تعیین کو طلب کیا جاتا ہو اور وہ (ہمزہ) اسکے علاوہ میں منقطعہ ہے جو

---

[1] بیشک ڈرنے والوں کو کامیابی یعنی باغات ملتے ہیں۔ (پ۳۰ ع۲) اسمیں بدل حدائق اور مبدل منہ مفازا دونوں نکرہ ہیں
[2] سیدھی راہ یعنی اللہ کی راہ۔ (پ۲۵ ع۶) [3] ہم چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے یعنی جھوٹی چوٹی۔ (پ۳۰ ع۲۱)
[4] پہلا مصرعہ ہے لَا تَقْلُوَاهَا وَادْلُوَاهَا دَلْوًا۔ فَلَا يَقْلُوْ (ن) قَلْوًا۔ الابل ـــــ اونٹ کو تیز ہانکنا۔ دَلَا يَدْلُوْ (ن) دَلْوًا ـــ نرمی کرنا۔ مدارات کرنا۔
تم دونوں اونٹوں کو تیز مت ہانکو اور ان کو نرمی کے ساتھ لیکر چلو اس لئے آج کے ساتھ اس کا بھائی کل (جڑا ہوا) ہے (یعنی آج نہیں کل پہونچ جاؤگے) اسمیں اخاہ مبدل منہ معرفہ ہے اور غدًا نکرہ ہے جس کو بدل بنایا گیا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح آیت لنسفعا الخ ہے کہ مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہے۔

جملوں کے ساتھ خاص ہے اور بل کے مرادف ہے اور اسکے ساتھ ساتھ کبھی وہ (اَم) ہمزہ کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور (عطف) اَوْ کے ذریعہ طلب کے بعد تخییر یا اباحت کیلئے ہوتا ہے۔ اور خبر کے بعد شک یا تشکیک یا تقسیم کیلئے ہوتا ہے۔ اور (عطف) بَلْ کے ذریعہ نفی یا نہی کے بعد اسکے ماقبل کی تقریر کیلئے اور اسکی نقیض کے اسکے مابعد کے حق میں اثبات کیلئے ہوتا ہے جیسے لٰکِنْ (میں ہوتا ہے) اور اثبات اور امر کے بعد ماقبل کے حکم کو مابعد کی طرف منتقل کرنے کیلئے (ہوتا ہے) اور لا کے ذریعہ نفی کیلئے ہوتا ہے۔ اور ضمیر مرفوع متصل پر عموماً عطف نہیں کیا جاتا ہے اور نفس یا عین کے ذریعہ تاکید نہیں کی جاتی ہے مگر ضمیر منفصل یا کسی بھی طرح کے فاصل کے بعد اور ضمیر مجرور پر عطف نہیں کیا جاتا ہے۔ مگر جار کے اعادہ کے ساتھ۔

واقولُ: معنَی کَونِ الوَاوِ لِمُطلقِ الجمعِ، انّما لا تقتضِی ترتیباً، ولا عَکسَه، ولا مَعِیَّةً، بَل هِی صَالِحَةٌ بوضعِها لذٰلکَ کُلِّه، فمِثالُ استِعمالِها فِی مقامِ الترتیبِ قولُه تعالیٰ: (وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ) وَمِثالُ استِعمالِها فی عکسِ الترتیبِ نحو (وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ) (کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ) (اُعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ) (اُقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ)، ومِثالُ استِعمالِها فی المُصاحَبَةِ نحو (فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْکِ) ونحو (فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ) ونحو (وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ) وَمِثالُ افادةِ الفاءِ للترتیبِ والتعقیبِ، وثُمَّ للترتیبِ وَالمهلةِ قولُه تعالیٰ: (اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ، ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ)، فعطفَ الإقبارِ علی الإماتةِ بالفاءِ، وَالإنشارَ علی الإقبارِ بثُمَّ، لِاَنَّ الإقبارَ یعقبُ الإماتةَ، والإنشارَ یَتَراخی عَن ذٰلکَ — ومعنی «حتی» الغایة، وغایةُ الشیءِ نِهایتُه، وَالمرادُ انّها تعطفُ مَا هو نهایةٌ فی الزیادةِ اَو القِلّةِ، وَالزیادةُ اِمّا فِی المقدارِ الحِسّی، کقولِك «تصدّقَ فلانٌ بالاعدادِ الکثیرةِ حتی الالوفِ الکثیرةِ» اَو فی المقدارِ المعنویّ، کقولِك «مَاتَ النّاسُ حتی الانبیاءُ» وکذلك القلّةُ تکونُ تارةً فی المقدارِ الحِسّیِ، کقولِك: «اللّٰهُ سُبحانَه وتَعالیٰ یُحصِی الاشیاءَ حتی مثاقیلَ الذَّرِّ» وتارةً فِی المقدارِ المعنوی، کقولِك: «زارنی النّاسُ حتی الحجّامُونَ»۔

ش:۔ واؤ کے مطلقاً جمع کیلئے ہونیکے معنی یہ ہیں کہ نہ تو یہ ترتیب کا تقاضا کرتا ہے اور نہ اسکے برعکس (عدم ترتیب) کا اور نہ ہی معیت کا بلکہ یہ اپنی وضع (کے اعتبار) سے ان تمام معانی کی صلاحیت رکھتا ہے چنانچہ اسکے ترتیب کے مقام میں استعمال کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَوْحَيْنَا اِلٰى[1] الخ اور اسکے ترتیب کے عکس میں استعمال کی مثال جیسے وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ[2] اور كَذٰلِكَ يُوْحِيْ[3] الخ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ[4] الخ اُقْنُتِيْ لِرَبِّكِ[5] الخ ہے اور اسکے مصاحبت میں استعمال کی مثال جیسے فَاَنْجَيْنَاهُ[6] الخ اور جیسے فَاَخَذْنَاهُ[7] الخ اور جیسے وَاِذْ يَرْفَعُ[8] الخ ہے اور فاء کے ترتیب وتعقیب اور ثم کے ترتیب ومہلت کا فائدہ دینے کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد اَمَاتَهٗ[9] فَاَقْبَرَهٗ الخ ہے کہ اَقْبَرَهٗ کا عطف اَمَاتَ پر فاء کے ذریعہ اور اَنْشَرَهٗ کا عطف اَقْبَرَهٗ پر ثم کے ذریعہ کیا گیا ہے کیونکہ دفنانا مرنے کے بعد ہوتا ہے اور دوبارہ زندہ کرنا اسکے بہت بعد ہے۔ اور حتی کے معنی غایت کے ہیں اور غاية الشیء بمعنی نهاية الشیء ہے اور اس سے مراد یہ ہیکہ یہ اس کو معطوف بناتا ہے جو زیادہ یا کم ہونے میں منتہی ہو اور زیادہ ہونا یا تو حسی مقدار میں ہوتا ہے جیسے تمہارا قول ہے تَصَدَّقَ[10] الخ یا معنوی مقدار میں جیسے تمہارا قول ہے مَاتَ النَّاسُ الخ اور اسی طرح کم ہونا کبھی حسی مقدار میں ہوتا ہے جیسے تمہارا قول ہے اللہ۔ سُبْحَانَهٗ الخ اور کبھی معنوی مقدار میں جیسے تمہارا قول ہے ذَارَنِيْ الخ

---

[1] اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر وحی بھیجی (پ۶) مذکورہ انبیاء کا زمانہ اسی ترتیب سے ہے۔ [2] ترتیب زمانی میں ایوبؑ پہلے اور عیسیٰ بعد میں ہیں [3] اسی طرح وہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلوں کی طرف وحی بھیجتا ہے (پ۲۵ ع۳) ترتیب بالکل برعکس ہے کہ پہلے پہلوں کی طرف پھر آپ کی طرف وحی بھیجی ہے۔
[4] اپنے اس رب کی عبادت کر جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے (پ۱ ع۳)۔
[5] تو اپنے رب کی بندگی کر اور سجدہ کر اور رکوع کر۔ (پ۳ ع۳) رکوع جو بعد میں مذکور ہے پہلے ہوتا ہے اور سجدہ جو پہلے مذکور ہے بعد میں ہوتا ہے۔
[6] پھر ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا۔ (پ۱۲ ع۱۰)۔
[7] پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا۔ (پ۲۰ ع۷) [8] اور یاد کر جب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھاتے تھے۔ (پ۱ ع۱۰)۔
[9] اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا پھر جب چاہا دوبارہ زندہ کیا۔ (پ۳۰ ع۵)۔
[10] مقدار کی کمی و زیادتی کبھی محسوس طور پر ہوتی ہے کہ آدمی اسکو آنکھ سے دیکھ کر یا ہاتھ سے چھو کر محسوس کر سکتا ہے۔ اور کبھی معنوی طور پر ہوتی ہے کہ اسکو اس طرح محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ زیادتی کے محسوس طور پر ہونیکی مثال تصدق الخ ہے۔ کہ ہزاروں کی تعداد میں جن اشیاء کو صدقہ کیا گیا وہ محسوس ومشاہد ہیں۔ اور چونکہ غایت کو بتلاتا ہے۔ تو الوف کا عدد ایسا ہے کہ عربی اعداد میں اپنی غایت اور انتہاء کو پہونچا ہوا ہے۔ اور زیادتی معنوی کی مثال مات الخ ہے کہ انبیاء کرام اپنی رفعت وبلندی میں انتہاء کو پہونچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور رفعت وبلندی ایک معنوی امر ہے جس کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح یحصی الخ قلت محسوس کی مثال ہے۔ کیونکہ ذرات کا حجم قلت میں اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ مگر محسوس ہوتا ہے۔ اور مقدار معنوی کی مثال زارنی الخ ہے کہ حجام یعنی پچھنے لگانیوالوں کو حقیر اور معمولی درجہ کا تصور کیا جاتا ہے اور یہ ایک معنوی امر ہے۔

د۔ام، علیٰ قسمین: متصلۃ، ومنقطعۃ، وتسمی ایضا منفصلۃ۔

فالمتصلۃ ھی: المسبوقۃ اِمّا بھمزۃ التسویۃ، وھی الداخلۃ علیٰ جملۃ یصح حلول المصدر محلھا، نحو (سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ) الا ترٰی انہ یصح ان یقال، سَواء علیھم الانذارُ وعدمُہ او بھمزۃ یطلب بھا و بام التعیین: نحو، أَزَيْدٌ فِي الدَّارِ أَمْ عَمْرٌو، وسمیت، ام، فی النوعین متصلۃ لانّ ماقبلھا ومابعدھا لایُستغنیٰ باحدھما عن الآخر۔

والمنقطعۃ ماعدا ذلک، وھی بمعنی بَلْ، وقد تتضمن مع ذلک معنی الھمزۃ، وقد لاتتضمنہ، فالاول نحو (أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ) ای: بل اتخذ، بھمزۃ مفتوحۃ مقطوعۃ للاستفھام الانکاری، ولایصح ان تکون فی التقدیر مجردۃ من معنی الاستفھام المذکور، والّا لزم اثبات الاتخاذ المذکور، وھو محال۔ والثانی کقولہ تعالیٰ: (هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ) ای: بَلْ ھَلْ تستوی، وذلک لانّ، ام، اقترنت بھل، فلاحاجۃ الی تقدیرھا بالھمزۃ۔

اور، اَمْ، کی دو قسمیں ہیں، متصلہ، منقطعہ اور اسکو منفصلہ بھی کہا جاتا ہے۔

پھر متصلہ وہ ہے جس سے پہلے یا تو ہمزۂ تسویہ ہو اور وہ وہ ہے جو ایسے جملہ پر داخل ہو کہ مصدر کا جس جملہ کے قائم مقام ہونا درست ہو جیسے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ[1] الخ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ سواء علیھم انذارک وعدمہ کہا جا سکتا ہے اور یا ایسا ہمزہ ہو کہ اسکے ذریعہ اور اَمْ کے ذریعہ تعیین کو طلب کیا جاتا ہو۔ جیسے أَزَيْدٌ فِي الدَّارِ أَمْ عَمْرٌو دونوں قسموں میں اَمْ کا نام متصلہ رکھا گیا کیونکہ ماقبل ومابعد میں سے کسی کے ذریعہ دوسرے سے مستغنی نہیں ہوا جا سکتا۔ (گویا ہر ایک دوسرے سے متصل ہے)

اور منقطعہ وہ ہے جو اسکے علاوہ ہے اور یہ بَلْ کے معنی ہوتا ہے اور کبھی اسکے ساتھ ساتھ ہمزہ کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے، چنانچہ پہلا جیسے ام اتخذ مما[2] الخ یہ بمعنی بل اتخذ ہمزۂ مفتوحہ قطعی کے ساتھ (جو) استفہام انکاری کے لئے (ہے) اور نہیں صحیح ہے کہ ام منقطعہ

---

[1] برابر ہے ان پر آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ (پ ۱ ع ۱)۔

[2] کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں؟ (پ ۲۵ ع ۸) یہ اَمْ منقطعہ کی پہلی قسم کی مثال ہے جو ہمزہ استفہامیہ

(باقی آئندہ صفحہ پر)

تقدیر عبارت میں مذکورہ استفہام کے معنی سے خالی ہو ورنہ تو مذکورہ اتخاذ کا اثبات لازم آئیگا اور یہ محال ہے۔ اور دوسرا (جو ہمزہ کے معنی کو متضمن نہیں ہوتا) ہے اسکی مثال) باری تعالیٰ کا ارشاد هَلْ تَسْتَوِي[1] الخ ہے بمعنی بَلْ هَلْ تَسْتَوِي اور اس لئے کہ اَمْ، هَلْ پر داخل ہے۔ لہٰذا اسکی تقدیر عبارت ہمزہ کے ساتھ ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

۹۔ "أوْ" لها اربعة معانٍ، أحدها: التخيير، نحو (فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ)،

والثاني: الاباحة، كقوله تعالى: (وَلَا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ)، وهذانِ المعنيانِ لها اذا وقعت بعد الطلبِ، والثالث: الشك، نحو (لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ)، والرابع: التشكيك، وهو الذي يعبّر عنه بالإبهام، نحو (وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ) وهذانِ المعنيانِ لها إذا وقعت بعد الخبرِ۔

واَمّا "بَل" فيعطف بها بعد النفي، أو النهي، ومعناها حينئذ: تقريرما قبلها

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) کو متضمن ہے۔ تقدیر عبارت اَمْ اَتَّخَذَ ہے۔ اور اس تقدیری عبارت میں ہمزہ کونسا ہے؟ مفتوح یا مجزوم قطعی یا وصلی اس کو بتلانے کیلئے مصنف نے بهمزة مفتوحة مقطوعة کو ذکر کیا ہے کہ ہمزہ مفتوح ہے قطعی ہے جو استفہام انکاری کا معنی دے رہا ہے۔ اب آیت کا مفہوم ہو جائیگا کہ سابقہ بات کو چھوڑیئے بلکہ یہ بتلایئے۔ استفہام انکاری کے لہجہ میں ــ کہ کیا خدا نے بیٹیاں پسند کی ہیں؟ ہرگز نہیں کیوں کہ یہ اسکے شایانِ شان نہیں ہے۔

آیت میں ہمزۂ استفہام انکاری کا ماننا ضروری ہے ورنہ آیت کا مفہوم ہو جائیگا ــ جملہ خبریہ کے لہجہ میں ــ بلکہ اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کی ہیں۔ اور آیت کا یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ اللہ کے نہ کوئی بیٹی ہے نہ بیٹا اس کی ذات اس سے پاک ومنزہ ہے اس محال سے بچنے کیلئے ہمزہ استفہام انکاری کا ماننا لازم ہے۔

[1] کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے یا کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔ (پ۱۳ع۸) یہ مثال اس اَمْ منقطعہ کی ہے جس کے بعد ہمزہ پوشیدہ نہیں ہے۔ اور پوشیدہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ام کے بعد ہمزہ مانتے ہیں تو هل استفہامیہ اور ہمزۂ استفہامیہ میں سے ایک کا دوسرے پر دخول لازم آئیگا حالانکہ ایک نوع کے دو حرف ایک دوسرے پر داخل نہیں ہوتے ہیں۔

بحَالِهٖ، وَاِثْبَاتُ نقيضه لِمَا بَعْدَهَا، نحو، ما جاءني زيدٌ بل عمروٌ، و، لَا يقُمْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، وبَعْدَ الاثْبَاتِ اَوِ الاَمْر، ومَعْنَاهَا حِيْنَئِذٍ، نقل الحكم الّذي قبلها للاسْمِ الّذي بَعْدَهَا، وجَعْل الاوّل كَالمَسْكوت عنه۔

واَمَّا "لٰكن" فلا يعطف بها الّا بعد النفي اَو النهي، ومَعْنَاهَا كمعنى بَلْ، وعن الكوفيين جواز العطف بها بعد الاِثباتِ قياسًا على بَلْ، وآباهُ غيرهم لِانّهُ لم يُسْمع، وَاَمَّا "لا" فانّها لنفي الحكمِ الثابتِ لما قبلها عمّا بعدها فلذلك لا يُعْطف بها الّا بَعْدَ الاِثْبَاتِ، وذلك كقولك "جَاءَنِي زَيْدٌ لا عَمْرٌو"۔

اور "اَوْ" کے چار معنی ہیں انمیں سے ایک تخییر ہے جیسے فَكَفَّارَتُهٗ[1] الخ اور دوسرا اباحۃ ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا عَلٰی[2] اَنْفُسِكُمْ الخ اور اَوْ کے یہ دونوں معنی اسوقت ہیں جبکہ طلب کے بعد واقع ہوں اور تیسرا شک ہے جیسے لَبِثْنَا[3] يَوْمًا الخ اور چوتھا تشکیک ہے وہ وہی ہے جسکو ابہام (عدم تعیین) سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے وَاِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ[4] الخ اور او کے یہ دونوں معنی اسوقت ہیں جبکہ خبر کے بعد واقع ہوں اور رہا "بل" تو اسکے ذریعہ نفی یا نہی کے بعد عطف کیا جاتا ہے اور اسکے معنی اسوقت اسکے ماقبل کو اپنی حالت پر باقی رکھنا ہے اور ماقبل کی نقیض کو اسکے مابعد کیلئے ثابت کرنا ہے جیسے مَا جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو اور لَا يَقُمْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو اور (کبھی بل کے ذریعہ) اثبات یا امر کے بعد (عطف کیا جاتا ہے) اور اسکے معنی اسوقت اسکے ماقبل کے حکم کو مابعد کے اسم کی طرف منتقل کرنا اور پہلے والے کو کالعدم قرار دینا ہوتا ہے۔

اور رہا "لکن" تو اس کے ذریعہ صرف نفی یا نہی کے بعد عطف کیا جاتا ہے اور اس کے معنی بل کے معنی کی طرح ہیں۔ اور کوفیوں سے بل پر قیاس کرتے ہوئے اثبات کے بعد بھی اس (لکن) کے ذریعہ عطف

---

[1] تو اسکا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیتے ہو۔ یا ان کو کپڑا پہنانا ہے۔ یا غلام آزاد کرنا ہے۔ (پ ۷ ع ۲) ۔ اسمیں تینوں چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا ہے۔

[2] اور تمہارے اوپر (کوئی حرج نہیں ہے) کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماں کے گھر سے۔ (پ ۱۸ ع ۱۵) ۔ مذکورہ لوگوں کے گھروں سے کھانا جائز ومباح ہے واجب فرض یا حرام نہیں ہے۔

[3] ہم رہے ہیں ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم۔ (پ ۱۵ ع ۱۶) [4] یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں صریح گمراہی میں پڑے ہیں۔ (پ ۲۲ ع ۹)

کا جواز منقول ہے۔ اور ان کے علاوہ نے اسکا انکار کیا ہے کیونکہ یہ سُنا نہیں گیا ہے۔
اور رہا "لا" تو وہ ماقبل کیلئے ثابت شدہ حکم کی مابعد سے نفی کیلئے ہے اسی وجہ سے اس کے ذریعہ اثبات کے بعد ہی عطف کیا جاتا ہے جیسے تمہارا قول ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو۔

ومثال العطف على الضمير المرفوع المتصل بعد التوكيد (لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ) ومثاله بعد الفصل (بالمفعول) يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ) فمَن، عطف على الواو من يدخلونها، وجاز ذلك الفصلِ بينهما بضمير المفعولِ، ومثال العطف من غير توكيد ولا فصل قول النبي صلى الله عليه وسلم: "كنتُ وابو بكر وعمرُ، وفعلتُ وابو بكر وعمر" وقول بعضهم، مررتُ برجلٍ سواءٍ وَالعدمُ، فسواءٍ صفة لرجلٍ، وهو بمعنى مُستوٍ، وفيه ضمير مستتر عائد على رجلٍ والعدمُ، معطوف على ذلك الضمير، ولا يُقاسُ على هذا، خلافا للكوفيين، ومثال العطف على الضمير المخفوض بعد اعادة الخافض (قوله تعالى): فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ) (قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ) (وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ) ولا يجب ذلك خلافا لاكثر البصريين، بدليل قراءة حمزة رحمه الله (وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامِ) بخفض (الأرحامِ) وحكاية قطرب "ما فيها غيرُه وفرسِه"۔

اور تاکید کے بعد ضمیر مرفوع متصل پر عطف کی مثال لَقَدْ كُنْتُمْ الخ ہے اور اس (عطف على الضمير المرفوع المتصل) کی مثال مفعول کے ذریعہ فصل کے بعد يَدْخُلُونَهَا الخ ہے چنانچہ مَنْ کا يَدْخُلُونَهَا کے واو (ضمیر جمع غائب) پر عطف کیا گیا ہے اور ان دونوں (معطوف معطوف علیہا) کے درمیان ضمیر مفعول کے ذریعہ فصل کی وجہ سے یہ جائز ہے اور بغیر تاکید اور بلا فصل عطف کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كُنْتُ وَأَبُوبَكْرٍ وعمر اور فَعَلْتُ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَر۔ اور بعض لوگوں کا قول ہے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ سَوَاءٍ وَالعَدَمُ چنانچہ سَوَاءٍ رَجُلٍ کی صفت ہے جو بمعنی مستوی (صحیح سالم) ہے اور اس میں ایک ضمیر پوشیدہ ہے جو رجل

۱ے تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں ہیں (پ۱۷ ع۵) ۲ے انہیں وہ لوگ داخل ہوں گے اور جو نیک ہیں (پ۱۳ ع۹)
۳ے میں محمد اور ابوبکر اور عمر۔ ۴ے میں نے کیا اور ابوبکر نے اور عمر نے۔
۵ے میں ایسے آدمی کے پاس سے گذرا کہ (یعنی اسکا وجود) اور عدم برابر ہے۔

کی طرف عود کر رہی ہے اور "المقدم" اسی ضمیر کا معطوف ہے اور اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔
برخلاف کوفیوں[1] کے

اور اعادۂ عطف کے بعد ضمیر مجرور پر عطف کی مثال باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ[2]، قُلِ اللّٰهُ الخ[3] وَعَلَيْهَا وَعَلَى[4] اور یہ واجب نہیں ہے اکثر بصریوں کا حمزہ کی قرات وَاتَّقُوا اللّٰهَ الخ الْأَرْحَامِ کے جر کے ساتھ اور قطرب کی حکایت مَا فِيهَا[5] الخ کی وجہ سے اختلاف ہے۔

ثُمَّ قُلْتُ: فَصْلٌ — وَإِذَا أُتْبِعَ الْمُنَادَى بِبَدَلٍ أَوْ نَسَقٍ مُجَرَّدٍ مِنْ "أَلْ" فَهُوَ كَالْمُنَادَى الْمُسْتَقِلِّ مُطْلَقًا، وَتَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ غَيْرِهِمَا يُرْفَعُ أَوْ يُنْصَبُ، إِلَّا تَابِعَ "أَيٍّ" فَيُرْفَعُ، وَإِلَّا التَّابِعَ لِلْمُضَافِ الْمُجَرَّدِ مِنْ "أَلْ" فَيُنْصَبُ، كَتَابِعِ الْمُعْرَبِ۔

---

[1] کوفیوں کے نزدیک ضمیر مرفوع پر حرف عطف جائز ہے خواہ مرفوع بارز ہو یا مستتر متصل ہو یا منفصل پھر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل ہو یا نہ ہو ان کا استدلال ایسے لوگوں کے اقوال سے ہے جن کی روایت معتبر اور قابل اعتماد ہے (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بخاری کی روایت ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ کھڑا تھا جو حضرت عمر کے لئے دعا میں مشغول تھے جبکہ ان کو تختہ پر لٹایا گیا تھا اچانک ایک آدمی آیا اور اپنی کہنی میرے مونڈھے پر رکھدی اور کہنے لگا رحمک اللہ انی لارجو ان یجعلک اللہ مع صاحبیک لانی کثیرا ما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کنت وابوبکر وعمر، وانطلقت وابوبکر وعمر۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی بن ابی طالب تھے (۲) عمر بن ابی ربیعہ مخزومی کا شعر ہے: قلت اذ اقبلت وزهر تهادى ... كنعاج الفلا تعسفن رملا — کہ اس شعر میں زہر کا عطف اقبلت کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہے (۳) جریر بن عطیہ کا شعر ہے:

وَرَجَا الْأُخَيْطِلُ مِنْ سَفَاهَةِ رَأْيِهِ ... مَا لَمْ يَكُنْ وَأَبٌ لَهُ لِيَنَالَا

کہ اب کا عطف یکن کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہے۔
(۴) مررت برجل سواء والعدم۔ ان تمام دلائل کی بنا پر کوفیوں کے مذہب کو قوی کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا ہوا بصریوں کا مذہب ہے اور مؤلف نے بھی بصریوں کے مذہب کو ابن مالک کی اتباع میں قوت پہنچائی ہے۔ (منتہی الارب)

[2] پھر اس کو اور زمین کو کہا (پ۲۴ع۱۵) [3] کہہ دیجئے اللہ تم کو اس سے اور ہر سختی سے بچاتا ہے (پ۷ع۱۴)۔

[4] ان (چوپایوں) پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو (پ۱۸ع۲) اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطے سے اور رشتہ داروں کے واسطے سے سوال کرتے ہو (پ۴ع۱۲) یہ ترجمہ حمزہ کی قراءت کے مطابق ہے ورنہ نصب کی قراءت کے مطابق ترجمہ ہوتا۔ اللہ سے اور رشتہ داروں سے ڈرتے رہو۔

[5] اس (گھر) میں کوئی نہیں ہے اور اس کے گھوڑے کے علاوہ نہیں ہے، اس مثال میں فرسہ کا غیرہ کی ضمیر مجرور پر عطف کیا گیا ہے جس طرح اتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام کا بہ کی ضمیر مجرور پر عطف کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بصریوں نے اعادۂ جار کو واجب نہیں کہا ہے۔

وَاقول: لتوابع المنادیٰ احکام تخصّها، فلهٰذا افردتُها بفصل۔

والحاصل انّ التابع اِذا کان بَدلًا اَوْ نسقًا مجرّدًا من «أل»، فاِنّهٗ یستحقّ حینئذٍ مَایستحقّهٗ لوکانَ منادیٰ، تقول فی البدلِ: «یَازیدُ کُرزُ» بالضم، کماتقول «یاکُرزُ» و کذلك «یَاعَبْدَاللّٰہ کُرزُ» وفی النسق «یَازیدُ وخالِدُ» بِالضمّ، کماتقول «یَا خالِدُ» وکذلك «یَاعَبْدَاللّٰہ وخَالِد» لافرقَ فی البابین المذکورین بین کون المنادیٰ معربًا اَوْمَبْنیًا۔

م: فصل۔ اور جب مُنادیٰ کا تابع بَدل کو یا ایسے معطوف کو بنایا جائے جو أل سے خالی ہو تو وہ مطلقاً مستقل منادیٰ کی طرح ہے اور منادیٰ مبنی کے اس تابع کو جو ان مذکورہ دونوں کے علاوہ ہو رفع یا نصب دیا جائیگا سوائے "ایّ" کے تابع کے کہ اس کو (صرف) رفع دیا جائیگا۔ اور سوائے اس تابع کے جو مضاف ہو أل سے خالی ہو کہ اسکو معرب کے تابع کی طرح نصب دیا جائیگا۔

ش:۔ منادیٰ مبنی کے کچھ مخصوص احکامات ہیں اسی وجہ سے میں نے ان کو الگ ایک فصل میں ذکر کیا۔ اور حاصل یہ ہیکہ تابع جب بَدل یا أل سے خالی معطوف ہو تو وہ اسوقت اسی (اعراب) کا مستحق ہو گا جس کا وہ مستحق ہوتا اگر منادیٰ ہوتا۔ بدل میں تم کہو گے یَازَیدُ کُرزُ، ضمہ کے ساتھ جس طرح کہ تم یا کُرزُ کہتے ہو۔ اور اسی طرح یَا عَبدَ اللّٰہ کُرزُ اور عطف میں (تم کہو گے) یَازَیدُ وخَالِدُ ضمہ کیساتھ جس طرح کہ تم یَا خَالِدُ کہتے ہو اور اسی طرح یَاعَبْدَاللّٰہِ وَخَالِد اور مذکورہ دونوں بابوں کے درمیان منادیٰ کے معرب یا مبنی ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

واِن کانَ التابع غیرَبدَلٍ ونسقٍ مجرّدٍ من «أل» فاِن کانَ المنادیٰ مبنیًا فالتابع لهٗ ثلاثۃ اقسام، مَایجبُ رفعهٗ، ومَایجبُ نصبُهٗ، ومَایجبُ فیه الوجهانِ۔

فالواجبُ رفعُهٗ: نعتُ «ایّ» نحو (یٰاَیُّهَا الاِنسَانُ) (یٰاَیُّهَا النَّاسُ)۔

وعَن المازنی اِجَازۃ نصبه، وانّهٗ قُرِیَٔ (قُلْ یٰاَیُّهَا الکَافِرِیْنَ) وهٰذا اِن ثَبتَ فهو مِنَ الشّذوذِ بمکانٍ۔

وَالوَاجبُ نصبُهٗ: التابعُ المضاف، مثالهٗ فِی النعتِ نحو «یَازَیدُ صَاحِبَ عَمرو» ومثالهٗ فی التوکید «یَاتمیمُ کُلَّهم» اَوْ «کُلَّکم» ومثالهٗ فِی البیانِ «یَازَیدُ اَبَا عَبدِ اللّٰہ» والجائزُ فیه الوَجْهَان، التابعُ المفردُ، نحو یَازیدُ الفَاضِلُ، والفَاضِلَ، و «یَاتَمِیمُ اَجْمَعُوْنَ واَجْمَعِیْنَ» و «یَاسَعِیدُ کُرزٌ وکُرزًا»، قَالَ ذُوالرمۃ:

۲۳۱۔ ٭ لَقَائِلٌ یَا نَصْرُ نَصْرٌ نَصْرًا ٭

وإن كان المنادى معربًا تعين نصب التابع، نحو «يَا عَبْدَ اللهِ صَاحِبَ عَمْرٍو» و «يَا بَنِي تَمِيمٍ كُلَّهُمْ» و «يَا عَبْدَ اللهِ أَبَا زَيْدٍ»۔

وَإذا وجب نصبُ المضاف التابع للمبني فنصبهُ تابعًا لمعرب أحقّ، قال الله تعالیٰ: (قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ) ففاطر: صفة لاسم الله سبحانهٗ، وزعم سيبويه انهٗ نداءٌ (ثانٍ) حُذف منه حرف النداء، لان المنادى الملازم للنداء لايجوزُ عنده ان يوصف، وكلمة «اَللّٰهُمَّ» لاتستعمل إلّا فی النداء۔

اور اگر تابع بدل اور اَل سے خالی معطوف کے علاوہ ہو تو پھر (دیکھا جائیگا کہ) اگر مُنادیٰ مبنی ہو تو اس کے تابع کی تین قسمیں ہیں جس پر رفع واجب ہو، جس پر نصب واجب ہو اور جسمیں دونوں صورتیں جائز ہوں۔ چنانچہ جس پر رفع واجب ہو وہ ای، کی نعت ہے جیسے یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ ، یَا اَیُّھَا النَّاسُ اور امام مازنی سے اسکے نصب کی اجازت منقول ہے اور یہ کہ قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرِیْنَ (نصب کے ساتھ) پڑھا گیا ہے۔ اور یہ اگر محقق ہو جائے تو وہ کسی درجہ میں شاذ ہے اور جس پر نصب واجب ہو وہ ایسا تابع ہے جو مضاف ہو اسکی مثال نعت میں یَا زَیْدُ صَاحِبَ عَمْرٍو ہے اور اسکی مثال تاکید میں یَا تَمِیْم کلّھم یا کلّکم ہے اور اسکی مثال عطف بیان میں یَا زَیْدُ اَبَا عَبْدِاللّٰہِ ہے اور جسمیں دونوں صورتیں جائز ہیں وہ تابع مفرد ہے جیسے یَا زَیْدُ الْفَاضِلُ وَالْفَاضِلَ اور یَا تمیمُ اَجْمَعُوْنَ و اَجْمَعِیْنَ اور یَا سَعِیْدُ کُرْزٌ وکُرْزًا ، ذوالرمہ نے کہا ہے : لقائل یا نصرُ الخ

اور اگر منادیٰ معرب ہو تو تابع کا نصب متعین ہے جیسے یَا عَبْدَ اللّٰہِ صَاحِبَ عمرٍو اور یَا بَنِیْ تَمِیْم کُلَّھُمْ اور یَا عَبْدَ اللّٰہِ اَبَا زَیْدٍ ۔

اور جب مبنی کے تابع مضاف پر نصب واجب ہے تو اسکا نصب معرب کا تابع ہونیکی حالت میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے قُلِ اللّٰھُمَّ فَاطِرَ الخ کہ فَاطِرَ لفظ اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) کی صفت ہے۔ اور سیبویہ کا خیال ہے کہ یہ دوسرا منادیٰ ہے جس سے حرفِ نداء کو حذف کر دیا گیا ہے اس لئے وہ منادیٰ جو نداء کے لئے لازم ہو سیبویہ کے نزدیک اس کو موصوف بنانا جائز نہیں ہے اور کلمہ اَللّٰھُمَّ صرف نداء ہی میں استعمال ہوتا ہے۔

لے کہئے اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے (پ ۲۴ ع ۲) یہ منادیٰ مبنی کے تابع مضاف کی مثال ہے

ثم قلتُ: بابُ موانعِ الصرفِ تسعةٌ يجمعها قولُه:

اجمع وزِن عادِلًا أنِّث بمعرفةٍ ... رَكِّب وزِد عُجمةً فالوصفُ قد كَمُلا[1]

فالتأنيثُ بالألفِ كبُهمى وصحراءَ، والجمعُ المماثلُ لمساجدَ ومصابيحَ، كلٌّ منهما يستقلُّ بالمنعِ، والباقي منها ما لا يمنعُ الاسمَ إلا مع العلميةِ، وهو التأنيثُ كفاطمةَ وطلحةَ وزينبَ، ويجوزُ في نحوِ هندٍ وجهانِ، بخلافِ نحوِ سَقَر وبَلْخ وزيدٍ لامرأةٍ، والتركيبُ المزجيُّ كمعديكرب، والعجمةُ كإبراهيمَ، وما يمنعُ تارةً مع العلميةِ وأخرى مع الصفةِ، وهو العدلُ كعُمَرَ وزُفَرَ، وكمَثنى وثُلاثَ وأُخَرَ مقابلِ آخَرِينَ، والوزنُ كأحمدَ وأحمرَ، والزيادةُ كعثمانَ وغضبانَ، وشرطُ تأثيرِ الصفةِ أصالتُها وعدمُ قبولِها التاءَ، فأرنبٌ وصفوانٌ بمعنى ذليلٍ وقاسٍ ويَعْمَلٌ وندمانٌ من المنادمةِ منصرفةٌ، وشرطُ العجمةِ كونُ علميتِها في العجميةِ والزيادةُ على الثلاثةِ، فنوحٌ منصرفٌ، وشرطُ الوزنِ اختصاصُه بالفعلِ كشَمَّرَ وضُرِبَ علمَينِ، أو افتتاحُه بزيادةٍ هي بالفعلِ أولى كأحمرَ وأفكلَ علمًا۔

م:- باب موانع صرف نو ہیں جن کو شاعر کا قول اجمع وزن الخ جامع ہے چنانچہ تانیث بالالف جیسے بُہمٰی[2] اور صحراء اور وہ جمع جو مساجد و مصابیح کے ہم وزن ہو ان دونوں میں سے ہر ایک غیر منصرف بنانے میں مستقل ہے اور بقیہ میں سے بعض وہ ہیں جو علمیت کے بغیر غیر منصرف نہیں بناتے ہیں اور وہ تانیث ہے جیسے فاطمۃ، طلحۃ اور زینب۔ اور ہند جیسے میں دونوں صورتیں جائز ہیں بخلاف سقر، بلخ اور زید جیسے کے جو کسی عورت کا نام رکھ لیا ہو اور ترکیب امتزاجی ہے جیسے معدیکرب اور عجمہ ہے جیسے ابراہیم اور بعض وہ ہیں جو کبھی علمیت اور کبھی صفت کے ساتھ غیر منصرف بناتے ہیں اور وہ عدل ہے جیسے عمر، زفر اور جیسے مثنٰی، ثلاث اور اُخر جو آخرین کا بالمقابل ہے اور وزن فعل ہے جیسے احمد، احمر اور (الف نون کی) زیادتی ہے جیسے عثمان،

---

[1] تم جمع کرو اور انصاف کی حالت میں وزن کرو معرفہ کے ساتھ مؤنث بناؤ، مرکب کرو اور عجمی کو زیادہ کرو پھر وصف کامل ہو گیا ہے۔ شعر کے ہر جز سے ایک علت کی طرف اشارہ ہے۔

[2] قوله بُهمٰى: نبات يشبه الشعير۔

غَضْبَان اور صفت کے مؤثر ہونیکی شرط اسکا اصلی ہونا اور تاء کو قبول نہ کرتا ہے لہٰذا اَرْنَب اور صفوان جو بمعنی ذلیل، سخت ہیں اور یَعْمَل اور ندمان (بمعنی شراب کا ساقی)، (جو) منادمۃ سے ماخوذ ہے منصرف ہیں اور عجمہ کی شرط اسکا عجمی زبان میں علم ہونا اور زائد علی الثلاث ہونا ہے لہٰذا نوح منصرف ہے اور وزن کی شرط اس کا فعل ہی کے ساتھ خاص ہونا ہے جیسے شَمَّرَ، ضُرِبَ جبکہ دونوں علم ہوں یا اس کا ایسی زیادتی سے شروع ہونا جو فعل سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے جیسے اَحْمَر اور جیسے اَفْکَل بحالت علمیت۔

واقولُ: الاَصْلُ فی الاسماءِ اَنْ تکونَ مصروفةً اَعنِی مُنَوَّنَةً تنوینَ التمکینِ، واِنّما تخرجُ عن هٰذا الاَصْلِ اِذَا وُجِدَ فِیہا عِلَّتَانِ مع عِلَلٍ تسعٍ، اَوْ واحِدةٌ منها تقومُ مَقامَہُما، والبیتُ المنظومُ لبعضِ النحویینَ، وھو یجمعُ العِلَلَ المذکورةَ اِمّا بصریحِ اسمِہا اَوْ بالاشتقاقِ، والّذِی یقومُ مَقامَ عِلَّتَینِ شیئانِ، التانیثُ بالالفِ: مقصورةً کانت کحُبْلٰی اَوْ ممدودةً کصَحْراءَ، والجمعُ الّذِی لانظیرَ لہٗ فی الآحادِ ای لامفردَ علٰی وزنِہٖ۔ وھو مَفَاعِلُ کمَسَاجِدَ، ومَفَاعِیلُ کمَصَابِیحَ ودَنَانِیرَ، واِنّما مثّلتُ المقصورةَ بحُبْلٰی دُوْنَ حُبْلٰی والممدودةَ بصَحْراءَ دُوْنَ حَمْراءَ لِئَلّا یُتَوَھَّمَ اَنّ المانعَ الصِّفَةُ والِفُ التانیثِ کما تَوَھَّمَ بعضُھُمْ۔

ش:۔ اصل اسماء میں منصرف ہونا یعنی تنوین تمکن کے ساتھ منون ہونا ہے لیکن اسماء اس اصل سے اسوقت ہٹ جاتے ہیں جبکہ انیں نو علتوں میں سے دو علتیں یا ایک علت جو دو کے قائم مقام ہو پائی جاتی ہوں اور ایک نحوی کا بنایا ہوا شعر ہے جو مذکورہ تمام علتوں کو یا تو انکے صریح نام کیساتھ یا اشتقاق کیساتھ جامع ہے اور دو علتوں کے قائم مقام ہونے والی دو چیزیں ہیں: تانیث بالالف خواہ مقصورہ ہو جیسے حُبْلٰی یا ممدودہ ہو جیسے صَحْرَاء اور وہ جمع جس کی مفردات میں کوئی نظیر نہ ہو یعنی اس کے وزن پر کوئی مفرد نہ ہو، اور وہ مفاعل جیسے مساجد اور مفاعیل ہے جیسے مصابیح اور دنانیر اور میں نے مقصورہ کی مثال حُبْلٰی چھوڑ کر حُبْلٰی دی اور ممدودہ کی حمراء چھوڑ کر صحراء دی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ مانع صرف صفت (وہ ہوتا جیسے حمراء) اور الف تانیث (والا ہوتا جیسے حُبْلٰی) ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔

وَمَاعدا هَاتَين العِلّتين لايؤثر الّا بانضمام عِلّة اُخرٰى له، ولكن يشترط فى التانيث وَالتركيب والعجمة ان تكون العِلّة الثانية الجامعة لكلّ منهن العلمية، ولهذا صرفت صنجة وقامة، وَاِن وُجِدَ فيهما عِلّة اُخرٰى مع التانيث، وهى العجمة في صنجة والصِفة فى قامةٍ، وماذاك الّا لانّ التانيث والعجمة لايمنعان الّامع العلية، وكذلك اذربيجان -اسم لبلدة- فيه العلمية والعجمة والتركيب الزيادة قيل: وعلّة خامسة وَهى التانيث، لانّ البلدة مؤنثة، وليس بشى، لانّا لانعلم هل لحظوا فيه البقعة أو المكان، وَلَوقُدِّرَخُلُوّهُ من العلميّة وجب صَرفهُ، لِانّ التانيث والتركيب العجمة شرط اعتبار كلّ منهن العلمية كما ذكرنا، والالف والنون اِذا لَم تكن فى صفة كسكرَان فلا تمنع الّامع العلمية كسلمان، ولا وصفية فى اذربيجان، فتعينت العلمية ولاعلمية اذا نكرته، فوجب صرفه۔

ومثلت للتانيث بفاطمة وطلحة وزينب لأُبيّن انه على ثلثة اقسام: لفظى ومعنوى، ولفظى لامعنوى، ومعنوى لالفظى۔

اوران دونوں علتوں کے علاوہ نہیں مؤثر ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ دوسری علت کے جڑنے کے ساتھ لیکن تانیث ترکیب اور عجمہ میں یہ شرط ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کے ساتھ جڑنے والی دوسری عِلّت عَلمیت ہو اسی وجہ سے صَنجَة (باٹ) اور قامَة منصرف ہیں اگر چہ ان دونوں میں تانیث کے ساتھ ساتھ دوسری علت پائی جارہی ہے اور وہ دوسری صَنجَه میں عجمیت اور قامَة میں صفت ہے۔ اور یہ (منصرف ہونا) نہیں ہے مگر اسلئے کہ تانیث اور عجمہ غیر منصرف نہیں بناتے ہیں مگر علمیت کیساتھ اور یہی حال اذربیجان کا ہے جو ایک شہر کا نام ہے۔ اسمیں (چار علتیں ہیں) علمیت ہے، عجمہ ہے، ترکیب ہے اور زیادتی ہے اور ایک قول کے مطابق پانچویں علت یعنی تانیث بھی ہے کیونکہ بَلدَة مؤنث ہے۔ (لیکن) یہ کچھ (معتبر) نہیں کیوں کہ ہم نہیں جانتے کہ لوگوں نے اسمیں بقعة (کی تانیث) کا لحاظ کیا ہے یا مکان (کی تذکیر) کا اور اگر اسکو علمیت سے خالی ہونا مان لیا جائے تو اس کا منصرف ہونا واجب ہے کیوں کہ تانیث، ترکیب اور عجمہ میں سے ہر ایک کے معتبر ہونے کی شرط علمیت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور الف نون جب صفت میں نہوں جیسے سَکرَان تو غیر منصرف نہیں بناتے ہیں مگر علمیت کیساتھ جیسے سلمان اور اذربیجان میں وصفیت تو ہے نہیں لہٰذا علمیت متعین ہے اور جب آپ اسکو نکرہ بنادیں تو علمیت بھی نہیں (بچی) لہٰذا اسکا منصرف ہونا واجب ہے۔

اور میں نے تانیث کی مثال فاطِمَۃ، طلحَۃ اور زینب اس لئے دی تاکہ یہ بتلاؤں کہ تانیث کی تین قسمیں ہیں: لفظی معنوی (جیسے فاطمۃ) لفظی غیر معنوی (جیسے طلحۃ) اور معنوی غیر لفظی (جیسے زینب)۔

و امّا بقیۃ العِلل فإنّہا تمنع تارۃً مَعَ العلمیّۃ وتارۃ مع الصّفۃ۔

مثال العدلِ مع العلمیۃ عُمَرُ وزُفَرُ وزُحَلُ وجُمَعُ ودُلَفُ۔ فإنّہا مَعْدُولۃ عن عَامِرٍ وزَافِرٍ وزَاحِلٍ وجَامِعٍ ودَالِفٍ، وطریق معرفۃِ ذالك اَنْ یُتَلقیٰ من افواھہم ممنوع الصّرف ولیس فیہ مع العَلمیۃ عِلّۃ ظاھرۃ، فیحتاج حینئذٍ الیٰ تکلّف دعوی العَدلِ فیہ۔ ومِثالہ مع الصّفۃِ اُحَادُ ومَوْحَد، وثُنَاء ومَثْنیٰ، وثُلَاث ومَثْلث، ورُبَاع ومَرْبَع، فإنّہا معدولۃ عن وَاحدٍ وَاحدٍ، واِثنین اِثنین، وثلاثۃ ثلاثۃ، وأربعۃ أربعۃ، قال تعالیٰ: (أُولِي أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ) فھٰذہ الکلمات الثلاث مخفوضۃ لانّہا صفۃ لِأَجْنِحَۃٍ وھی ممنوعۃ الصّرف، لانّہا مَعْدولۃ عمّا ذکرنا، فلھٰذا کان خفضہا بالفتحۃ، ولم یظھر ذٰلك فی مثنی لِانّہٗ مقصور، وظھر فی ثُلَاث ورُبَاع لانّہما اسمانِ صحیحا الآخر، ومن ذٰلك «اُخَرُ» فی نحو قولہٖ تعالیٰ: (فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) فأُخَرُ صِفۃ لأیّامٍ وھی مَعْدُولۃ عن آخَرَ، بفتح الھمزۃ والخاء وبینہما الف۔ لِانّہا جمع اُخریٰ اُنثیٰ آخَر بالفتح، وقیاس فُعْلیٰ اَفْعَلَ ان لا تستعمل الا مضافۃ الیٰ معرفۃٍ او مقرونۃ بلام التعریفِ، فامّا ما لا اِضافۃ فیہ ولا لام فقیاسُہٗ أفعل کأفضل، تقول «ھندٌ اَفْضَل» و «الھندات افضل» ولا تقول فُضْلیٰ ولا فُضَّل، فامّا اُخَر فصفۃ معدولۃ، فلھٰذا خفضت بالفتحۃِ، فإن کانت اُخَر جمع اُخرٰی اُنثیٰ آخِر۔ بکسر الخاء۔ فھی مصروفۃ، تقول: «مَرَرْتُ باَوّلٍ وآخِرٍ» بالصّرف، اِذ لا عَدل ھنا۔

رہی بقیہ علتیں تو وہ کبھی غیر منصرف بناتی ہیں علمیت کے ساتھ، کبھی صفت کے ساتھ، عدل مع العلمیت کی مثال عُمَر، زُفَر، زُحَل، جُمَع اور دُلَف ہے اسلئے کہ یہ تمام عَامِر، زَافِر، زَاحِل، جَامِع اور دَالِف سے معدول ہیں اور اس کے پہچان کا طریقہ عربوں کی زبانوں سے ان کا غیر منصرف استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ انمیں علمیت کے ساتھ کوئی ظاہری علت نہیں ہے اسی وجہ سے اسوقت ان میں زبردستی دعویٰ عدل کی

ضرورت پڑتی ہے۔

اور عدل مع الصفت کی مثال اُحَادُ مَوْحَد، ثُنَاءُ مَثْنیٰ، ثُلَاثُ مَثْلَثَ اور رُبَاعُ مَرْبَع ہے اسلئے کہ یہ واحد واحد، اثنین اثنین، ثلاثہ ثلاثہ اور اَرْبَعَہ اَرْبَعَہ سے معدول ہیں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولِیْ اَجْنِحَۃٍ الخ[1] یہ تینوں کلمات (مثنیٰ ثُلاث اور رُباع) مجرور ہیں کیوں کہ اَجْنِحَۃٍ کی صفت ہیں اور یہ غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ انہیں کلمات سے معدول ہیں جو ہم نے ذکر کئے اسی وجہ سے انکا جر فتحہ کیساتھ ہے اور یہ (جر بشکل فتحہ) مثنیٰ میں اسلئے ظاہر نہیں ہوا کیونکہ یہ (اسم) مقصور ہے اور ثُلاث و رُباع میں ظاہر ہو گیا کیونکہ دونوں ایسے اسم ہیں جن کا آخری حرف صحیح ہے اور اسی کی قبیل سے باری تعالیٰ کے ارشاد فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَر[2] میں اُخَر ہے کہ اُخَر اَیَّام کی صفت ہے اور یہ اٰخَر (ہمزہ و خاء کے فتحہ کیساتھ ہے درمیان میں الف ہے) سے معدول ہے کیونکہ یہ اُخَر (بفتح الخاء) کے مؤنث اُخْریٰ کی جمع ہے اور اسم تفضیل کے فُعْلیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ نہیں استعمال کیا جاتا ہے مگر یا تو معرفہ کی طرف مضاف ہو کر یا معرف بلام تعریف ہو کر اور جسمیں نہ اضافت ہو اور نہ لام تعریف تو اسکا طریقہ (استعمال صرف) اَفْعَل ہے (یعنی اسمیں تثنیہ اور جمع تذکیر اور تانیث کا لحاظ نہیں ہوگا) جیسے افضل تم کہتے ہو ھندٌ اَفْضَل، الھندات اَفْضَل اور تم نہ تو فُضْلیٰ کہو گے اور نہ فُضَل بہرحال اُخَر تو یہ (اَیَّام کی) صفت ہے، معدول ہے اسی وجہ سے فتحہ کی شکل میں جر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر اُخَر، آخِر (بکسر الخاء) کے مؤنث آخری کی جمع ہو تو وہ منصرف ہو گا تم کہتے ہو مَرَرْتُ بِاَوَّلٍ وَّ آخَرٍ (منصرف ہونے کے ساتھ) کیوں کہ اس وقت عدل نہیں ہے۔

ومثال الوزن مع العلمیۃ اَحْمَد ویَزِید ویَشْکُر، ومع الصفۃ اَحْمَرُ واَفْضَلُ، ولا یکونُ الوزنُ المانع مع الصفۃ الا فی اَفْعَل، بخلاف الوزن المانع مع العَلَمِیَّۃِ۔

ومثال الزیادۃ مع العلمیۃ سَلْمَان وعِمْرَان وعُثْمَان واَصْبَهَانُ، ومثالها مع الصفۃ سَکْرَان وغَضْبَان ولا تکون الزیادۃ المانعۃ مع الصفۃ الا فی فَعْلَان، بخلاف الزیادۃ المانعۃ مع العَلَمِیَّۃِ۔

ویشترط لتأثیر الصفۃ اَمران، احدهما: کونها اصلیۃ فیجب الصرف فی

---

[1] جو پَر والے ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔ (پ۲۲ ع۱۲)۔
[2] تو اتنی ہی گنتی ہے دوسرے دنوں سے۔ (پ۲ ع۷)۔

نحو قولك «هٰذا قلبٌ صَفْوَانٌ» بمعنى قاسٍ، و «هٰذا رجلٌ أَرْنَبٌ» بمعنى ذليل اى ضعيف، والثاني: عدم قبولها التاء، ولهٰذا انصرف نحو نَدْمَان وأَرْمَل، لقولهم نَدْمَانَة وأَرْمَلَة، قال الشاعر:

۲۳۶۔ وَنَدْمَانٍ يَزِيدُ الكَأسَ طِيبًا ۔۔۔ سَقَيْتُ وَقَدْ تَغَوَّرَتِ النُّجُومُ

اور وزن فعل مع العلمیت کی مثال أَحْمَد، يَزِيد اور يَشْكُر ہے اور مع الصفت کی مثال أَحْمَر اور أَفْضَل ہے اور صفت کے ساتھ ملکر غیر منصرف بنانے والا وزن صرف أَفْعَل (کے صیغہ) میں ہوتا ہے۔ بخلاف علمیت کے ساتھ ملکر غیر منصرف بنانے والے وزن کے (کہ وہ اسکے علاوہ دیگر اوزان کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جیسے يَزِيد وغیرہ)

اور زیادتی مع العلمیت کی مثال سَلْمَان، عِمْرَان، عُثْمَان اور أَصْبَهَان ہے اور زیادہ مع الصفت کی مثال سَكْرَان اور غَضْبَان ہے اور صفت کے ساتھ ملکر غیر منصرف بنانے والی زیادتی صرف فَعْلَان (کے وزن) میں ہوتی ہے۔ بخلاف علمیت کیساتھ ملکر غیر منصرف بنانے والی زیادتی کے۔

اور صفت کو مؤثر بنانے کیلئے دو چیزیں شرط ہیں ان میں سے ایک اس کا اصل ہونا اسی وجہ سے تمہارے قول هٰذا قلبٌ صَفْوَانٌ بمعنی سخت اور هٰذا رجلٌ أَرْنَبٌ بمعنی ذلیل یعنی کمزور جیسے میں صَفْوَان اور أَرْنَب کو منصرف پڑھنا واجب ہے اور دوسرا اسکا تاء کو قبول نہ کرنا اور اسی وجہ سے ان کے نَدْمَانَة اور أَرْمَلَة بولنے کے باعث نَدْمَان اور أَرْمَل جیسے منصرف ہیں شاعر نے کہا ہے: وَنَدْمَانٍ[1] الخ

ويشترط لتأثير العجمة أمران، أحدهما: كون علميتها في اللغة العجمية فنحو لِجَامٍ وفَيْرُوزٍ علمين لمذكرين مصروف، والثاني: الزيادة على الثلاثة، فنُوحٌ ولُوطٌ وهُودٌ ونحوهن مصروفة وجهاً واحداً، هٰذا هو الصحيح. قال الله

---

[1] نَدْمَان: شراب پینے کا ساتھی و شریک اسکا مؤنث نَدْمَانَة آتا ہے اور نَدْمَان بمعنی شرمندہ کا مؤنث نَدْمَى آتا ہے جیسے ظَمْآن ظَمْأى۔ تغورت غروب ہونا، ڈوبنا۔

بُرج بن مُسہر کا کلام ہے۔ اور میں نے بہت سے ایسے ساتھیوں کو پلایا ہے جو جام کی عمدگی کو بڑھاتے میں اس حال میں کہ ستارے ڈوب چکے ہیں۔ محل استشہاد نَدْمَان ہے کہ وصف اور الف نون زائدتان کے باوجود اس لئے منصرف ہے کہ اس کا مؤنث نَدْمَانَة آتا ہے جبکہ وصفیت کے تاثیر کے لئے اس کے مؤنث کا فَعْلَانَة کے وزن پر نہ آنا ہے۔ چنانچہ اگر اس کو ندامت سے مشتق مانا جائے تو اس کا مؤنث نَدْمَى آئیگا اس وقت یہ غیر منصرف ہو جائیگا جیسے سَكْرَان سَكْرَى۔

تعالیٰ (کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ) وقال تعالیٰ: (وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ) وقال تعالیٰ: (أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ) و لیس مما نحن فیه، لانه عربی، ولیس فی أسماء الانبیاء علیہم الصّلاۃ والسّلام عربی غیرہ وغیر صالح وشعیب ومحمّد صلی اللہ علیہ وسلّم، وزعم عیسی بن عمرو ابن قتیبۃ والجرجانی والزمخشری ان فی نوح ونحوہ وجہین، وھو مردود، لانّہ لم یرد بمنع الصرف سماع مشہور، ولا شاذ۔

وشرط الوزن کونہ امّا مختص بالفعل، أو کونہ بالفعل أولیٰ منه بالاسم،

فالاوّل نحو، شَمَّرَ وضُرِبَ علمین، قال الشاعر:

۲۳۷۔ • وجَدِّیَ یا حَجَّاجُ فَارِسُ شَمَّرَا

والثانی نحو أحمر صفة أو علماً، وأفکل علماً، والأفکل اسم للرّعدة، فانّ ھٰذا الوزن وان کان یوجد فی الاسماء والافعال کثیراً، ولکنہ فی الافعال أولیٰ منه فی الاسماء، لانّہ فی الافعال یدلّ علی التکلم کاذھب وانطلق، وفی الاسماء لا یدلّ علی معنی، والدال أصل لغیر الدالّ۔

اور عجمہ کو مؤثر بنانے کیلئے دو چیزیں شرط ہیں انہیں سے ایک عجمی زبان میں اسکا علم ہونا ہے۔ لہٰذا لجام اور فیروز جیسے (اس حال میں کہ دو مذکوروں کے علم ہیں) منصرف ہیں اور دوسرا زائد علی الثلاث ہونا ہے۔ لہٰذا نوح، لُوط، ھُودٌ اور ان جیسے ایک اعتبار سے منصرف ہیں اور یہی صحیح ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کَذَّبَتْ قَوْمُ[1] الخ اور ارشاد ہے وَقَوْمُ لُوطٍ[2] الخ اور ارشاد ہے اَلَا بُعْدًا[3] الخ اور ھُود ہماری بحث میں داخل نہیں ہے کیونکہ عربی ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسّلام کے ناموں میں اسکے علاوہ اور صالح، شعیب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ (کوئی) عربی نہیں ہے۔ اور عیسیٰ ابن عمر، ابن قتیبہ، جرجانی اور زمخشری کا خیال ہے کہ نوح اور اس جیسے میں دونوں صورتیں (جائز) ہیں اور یہ قول مردود ہے کیوں کہ نہ تو (انہیں) غیر منصرف ہونیکا کوئی مشہور سماع وارد ہوا ہے اور نہ ہی شاذ سماع۔

اور وزن کی شرط اسکا یا تو فعل کے ساتھ خاص ہونا ہے یا اسکا اسم کے ساتھ خاص ہونیکی نسبت فعل کے

---

[1] قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔ (پ۱۹ ع۱۰) [2] قوم لوط اور مدین کے لوگ (جھٹلا چکے ہیں) (پ۱۷ ع۱۳)
[3] خبردار: عاد کو پھٹکار ہے جو ہود کی قوم تھی۔ (پ۱۲ ع۵)

زیادہ قریب و مناسب ہوتا ہے چنانچہ پہلا شَمَّر اور ضُرِبَ جیسا ہے جبکہ دونوں عَلم ہوں۔ شاعر نے کہا ہے وَجَدِّیْ[1] الخ اور دوسرا اَحْمَر جیسا ہے جبکہ صفت ہو یا عَلم اور اَفْکَل جیسا جبکہ عَلم ہو اور اَفْکَل کپکپی کا نام ہے اس لئے کہ یہ وزن اگرچہ اسماء اور افعال میں بکثرت پایا جاتا ہے لیکن اسکے اسماء میں پائے جانے کی نسبت اسکا افعال میں پایا جانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ وزن افعال میں صیغہ متکلم ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے اَذْھَبُ اَنْطَلِقُ اور اسماء میں یہ وزن کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا اور دلالت کرنیوالا دلالت نہ کرنیوالے کی نسبت اصل ہے۔

واعلم ان المؤنث ان کان تانیثہٗ بالالِف کبُھْمیٰ وصَحْرَاء امْتنع صَرْفُہٗ، ولم یحتج لعِلّۃٍ اخریٰ، وقد مضی ذٰلک، وقول ابی علی اِن حَمْرَاء امتنع صرفہٗ للصِّفَۃِ والِف التانیث منتقض بمنع صرف صَحْرَاء۔

وَان کانَ بالتاءِ امتنع صَرفہٗ مع العَلَمِیّۃِ، سَواء کان لمذکر کطلحۃ وحمزۃ اَوْلمؤنث کفاطِمۃ وعَائشۃ، وقول الجوھرِی ان (ھاویۃ) من قولہٖ تعالیٰ: (فَاُمُّہٗ ھاوِیَۃ) اسم من اَسماءِ النارِ معرفۃ بغیر الاَلِف واللّامِ خطأٌ، لِانّ ذٰلک یوجبُ منع صرفہٖ، وان کان بغیر التاءِ امتنع صَرفہٗ وجُوبًا ان کانَ زائدًا علیٰ ثلاثۃ کسُعَادَ وزینبَ او ثلاثیًا محرکَ الوسَطِ کسَقَرَ ولَظیٰ، قال اللّٰہ تعالیٰ (مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ) (کَلَّآ اِنَّھَا لَظیٰ) اَوْسَاکن الوَسَطِ اَعْجمیًا کمَاہَ وجُوْرَ وحِمْصَ وبَلْخَ۔ اَسماءِ بلادٍ۔ اَوْعَربیًا ولٰکنہٗ منقول من المذکر الی المؤنث نحو زَیْد وبَکر وعَمرو۔ اَسْماء نسوۃٍ، ھٰذا قول سیبویہٖ، وذھب عیسیٰ بن عمر الی انّہٗ یجوز فیہِ الْوَجْھانِ، وان لم یکن منقولًا من المذکر الی المؤنث فالوَجْھانِ کھِنْد ودَعْد وجُمل، ومنع الصَّرف اَوْلیٰ، واَوْجَبَہٗ الزّجاج، وقد اجتمع الْوَجْھَانِ فی قولہٖ:

۲۳۸۔ لم تَتَلَفَّعْ بفضْلِ مِئْزَرِھَا دَعْدٌ، ولَمْ تُسْقَ دَعْدُ فِی الْعُلَبِ

---

[1] جمیل بثینہ کا شعر ہے پہلا مصرعہ ہے ؎ اَبُوْکَ حُبَابٌ سارق الضیف بُرْدَہٗ۔ حباب، خبیث مکار، سانپ۔ شَمَّر: گھوڑے کا نام ہے تیرا باپ خبیث (حقیر) ہے، مہمان کی چادر چرانے والا ہے۔ اور اے حجاج! میرا دادا شمر نامی گھوڑے کا سوار ہے (یعنی بہادر ہے)، شمر چونکہ کلّم کے وزن پر ہے، جو فعل ہی کا وزن ہے، علمیت اور وزن فعل کی بنا پر غیر منصرف ہے۔

اور جان لیجئے کہ مؤنث کی تانیث اگر الف کے ذریعہ ہو جیسے بُشریٰ، صحراء، تو غیر منصرف ہوگا۔ اور اسکو کسی دوسری علت کی ضرورت نہیں ہوگی اور یہ گذر چکا ہے اور ابو علی کا یہ کہنا کہ حمراء صفت اور الف تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے صحراء کے غیر منصرف ہونے کے ذریعہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (کیونکہ صحراء میں تو صفت کا مفہوم نہیں ہے)

اور اگر مؤنث تاء کے ذریعہ ہو تو وہ علمیت کے ساتھ غیر منصرف ہوگا خواہ وہ مذکر کا علم ہو جیسے طَلْحَة حمزة یا مؤنث کا جیسے فاطمة، عائشة اور جوہری کا یہ کہنا غلط ہے کہ باری تعالیٰ کے ارشاد فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ میں هَاوِيَة جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے بغیر الف لام کے معرفہ ہے کیونکہ یہ کہنا غیر منصرف ہونے کو واجب کرتا ہے (جبکہ یہ منصرف ہے) اسی وجہ سے اس پر تنوین آتی ہے۔

اور اگر مؤنث بغیر تاء کے ہو تو اس کو وجوباً غیر منصرف پڑھا جائیگا اگر وہ زائد علی الثلاث ہو جیسے سُعَاد، زَيْنَب، یا ثلاثی ہو متحرک الاوسط ہو جیسے سَقَر، لَظٰی، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ، كَلَّا إِنَّهَا لَظٰى۔ یا ساکن الاوسط عجمی ہو جیسے مَاهُ جُوْرُ، حِمْص و بَلْخ (اس حال میں کہ شہروں کے نام ہیں) یا ساکن الاوسط عربی ہو لیکن مذکر سے مؤنث کی طرف منقول ہو جیسے زَيْد، بَكْر اور عَمْرو جبکہ عورتوں کے نام ہوں اور یہ سیبویہ کا قول ہے اور عیسیٰ بن عمر اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں اور اگر وہ مذکر سے مؤنث کی طرف منقول نہ ہو تو دونوں صورتیں جائز ہیں جیسے هِنْد، دَعْد، جُمْل اور غیر منصرف پڑھنا اولیٰ ہے اور زجاج نے اس کا غیر منصرف ہونا واجب قرار دیا ہے اور شاعر کے قول لَمْ تَتَلَفَّعْ الخ میں دونوں صورتیں جمع ہوگئی ہیں۔

---

۱ تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (پ۳۰ ع۲۴) ۲ تم کو کس چیز نے جہنم میں داخل کردیا (پ۲۹ ع۱۶)۔
۳ ہرگز نہیں وہ تپتی ہوئی آگ ہے (پ۲۹) ۴ التلفع گھونگٹ نکالنا۔ عُلَب عُلبۃ کی جمع ہے۔ لکڑی کا برتن۔ جریر کہتا ہے کہ دعد نامی عورت نے نہ تو اپنے جامہ کے زائد حصہ سے گھونگٹ نکالا۔ اور نہ ہی دعد کو پیالوں میں پلایا گیا (یعنی دعد شہری عورت ہے نہ دیہاتی عورتوں کی طرح پہنتی ہے نہ پیتی ہے)۔
شاعر نے دعد کو دو مرتبہ استعمال کیا ہے پہلی مرتبہ تنوین سے منصرف ہے اور دوسری مرتبہ بغیر تنوین غیر منصرف ہے کیونکہ جب مؤنث علم ثلاثی ہو ساکن الاوسط ہو مذکر سے منتقل نہ ہو تو منصرف و غیر منصرف دونوں پڑھا جاتا ہے۔

ثم قلت: باب العَدَدِ۔ الوَاحِدُ والاثنانِ ومَا وَزنَ فاعِلاً كثالثٍ والعشرةُ مُرَكَّبةً يُذَكَّرنَ مَعَ المُذكرِ ويُؤنَّثنَ مع المؤنثِ، والثلاثةُ والتسعةُ ومَا بَيْنَهُمَا مُطلقًا، والعشرةُ مفردةً بالعكسِ، وتمييزُ المائةِ ومَا فوقَهَا مفردٌ مخفوضٌ، والعشرةِ مفردةً ومَا دونَها مجموعٌ مخفوضٌ، إلَّا المائةَ فمفردةٌ، وكم الخبريةِ كالعشرةِ والمائةِ والاستفهاميةُ المجرورةُ كالأحدَ عشرَ والمائةِ، ولا يميزُ الواحدُ والاثنانِ، وثنتا حنظلٍ ضرورةٌ۔

واقولُ: العَدَدُ فِي أصلِ اللُّغةِ اسمٌ للشيءِ المَعدُودِ، كالقَبضِ والنَّقضِ والخَبطِ، بمعنى المقبوضِ والمنقوضِ والمخبوطِ، بدليلِ: (كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ) والمرادُ به هُنَا الألفاظُ التي تُعدُّ بها الأشياءُ۔

م: عدد کا بیان۔ واحِد اور اِثنَانِ اور جو فاعل کے وزن پر ہو جیسے ثالِث اور عَشَرَة مرکب ہونے کی حالت میں (یہ چاروں) مذکر کے ساتھ مذکر ہوں گے اور مؤنث کے ساتھ مؤنث اور ثلاثة اور تِسعَة اور جو ان کے درمیان ہیں وہ علی الاطلاق اور عشرة مفرد ہونے کی حالت میں (مذکورہ حکم کے) برعکس ہیں۔ اور مِائة اور اسکے مافوق کی تمیز مفرد مجرور ہوگی اور عشرة کی مفرد ہونے کی حالت میں اور اس کے ماتحت کی تمیز جمع مجرور ہوگی سوائے مِائة کے (کہ وہ خود تمیز بنے) تو وہ مفرد ہوگا۔ اور کم خبریہ (تمیز میں) عشرة اور مِائة کی (تمیز کی) طرح ہے اور کم استفہامیہ مجرور اَحَدَ عشر اور مِائَة کی طرح ہے اور وَاحِد و اثنانِ کی تمیز نہیں آتی اور ثِنتَا حَنظَل ضرورۃً ہے

ش:۔ عدد اصل لغت میں معدود (شمار کی ہوئی چیز) کا نام ہے جیسے قبض، نقض اور خبط بمعنی مقبوض، منقوض اور مخبوط ہے کَم لَبِثتُم الخ کی وجہ سے اور مراد یہاں وہ الفاظ ہیں جنکے ذریعہ اشیاء شمار کی جاتی ہیں۔

والكَلامُ عليهما في مَوضعينِ، أحدُهما: في حُكمِهَا في التذكيرِ والتأنيثِ، والثاني في حُكمِهَا بالنسبةِ إلى التمييزِ۔

فأمَّا الأوّلُ فإنَّها فيه على ثلاثةِ أقسامٍ۔

---

[۱] تم زمین میں شمار کئے ہوئے کتنے سال رہے۔ (پ ۱۸ ع ۶)
آیت میں عدد بمعنی معدود ہے، اسی کو بتلانے کیلئے آیت ذکر کی ہے۔

القسم الاول مَا يُذكَّر مع المذكر و يؤنث مع المؤنث دائمًا، كما هُوَ القياس،
وذلك الواحد والاثنانِ، تقول فِي المذكّر: وَاحِد، و اثنانِ، وفي المؤنث: وَاحِدَة
و اثنتانِ، قال الله تعالىٰ: (وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ) (الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ
نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) (حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ) (رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا
اثْنَتَيْنِ) وكذلك مَا كَانَ مِنَ الْعَدَدِ على صيغة اسم الفاعِلِ نحو ثالثٌ و ثالثةٌ
وَرَابِع ورَابِعَةٌ، اِلىٰ عَاشِر في المذكّرِ و عَاشِرَةٍ في المؤنث، قال الله تعالىٰ: (سَيَقُوْلُوْنَ
ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ) اى: هم ثلاثة اَوْ هٰؤُلاءِ ثلاثة (وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ
اللّٰهِ عَلَيْهَا) اى: وَالشهادة الخَامِسَة۔

(اعداد سے متعلق کلام دو محل میں ہے انمیں سے ان کے حکم کے بیان میں ہے تذکیر و تانیث کے اعتبار سے
اور دوسرا ان کے حکم کے بیان میں لانے کے اعتبار سے۔
پھر بہرحال پہلا تو ان اعداد کی اس سلسلہ میں تین قسمیں ہیں۔
پہلی قسم وہ ہے جو ہمیشہ مذکر کے ساتھ مذکر اور مؤنث کے ساتھ مؤنث ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ قیاس (کا
تقاضا) ہے اور وہ وَاحِد اور اِثْنَانِ ہے تم مذکر میں کہو گے وَاحِد، اِثْنَانِ اور مؤنث میں وَاحِدَة
و اِثْنَتَانِ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ[1]، اَلَّذِيْ خَلَقَكُمْ[2] الخ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ
اثْنَانِ[3]، رَبَّنَا[4] اَمَتَّنَا الخ اسی طرح ہر وہ عدد ہے جو اسم فاعل کے صیغہ پر ہو جیسے ثَالِث، ثَالِثَة،
اور رَابِع، رَابِعَة مذکر میں عَاشِر تک اور مؤنث میں عَاشِرَة تک۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے سَيَقُوْلُوْنَ[5] الخ
یعنی هم ثلاثة یا هٰؤُلاءِ ثلاثة، وَالْخَامِسَةُ[6] یعنی وَالشهادة الخَامِسَة۔)

القسم الثاني: مَا يؤنّث مَعَ المذكر ويُذكّر مع المؤنث دائمًا، وهُوَ الثلاثة والتسعة
وَمَا بَيْنَهما، سَوَاء كانت مركبة مع العشرة، اولا، تقول فى غَيْرِ المُرَكَّبَةِ:

---

[1] تم سب کا معبود ایک معبود ہے۔ (پ ۲ع ۲) [2] جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ (پ ۴ع ۱۲)۔
[3] وصیت کے وقت دو شخص ہونے چاہئیں۔ (پ ۷ع ۴)۔
[4] اے ہمارے رب تو ہم کو دوبار موت دے چکا اور دوبار زندگی دے چکا۔ (پ ۲۴ع ۷)۔
[5] رب یہی کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا۔ (پ ۱۵ع ۱۵)۔ ثلاثة خبر ہے اسکا مبتدا مذکر محذوف ہے۔
ای هُمْ ثلاثة یا هٰؤُلاءِ ثلاثة۔ رابع کا موصوف رجل مذکر ہے اسلئے رابع مذکر لایا گیا۔
[6] اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب ہو اس پر۔ (پ ۱۸ع ۷) الخامسة صفت ہے اسکا موصوف مؤنث محذوف ہے، ای الشهادة الخامسة

ثلاثة رِجال، بالتاء، الیٰ تِسعة رِجالٍ، قال الله تعالیٰ: (اٰیَتُكَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ) وتقول: ثلاثُ نسوةٍ، قال الله تعالیٰ: (اٰیَتُكَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ) وتقول فی المرکّبة «ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا» بالتاء فی ثلاثة، و«ثَلَاثَ عَشْرَةَ اِمْرَأَةً» بحذفِ التاء من ثلاث، قال الله تعالیٰ: (عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ) ای مَلَكًا، اَوْ خَازِنًا۔

القسم الثالث: مَافیهِ تفصیل، وهو العشرة، فإنْ کانت غیر مرکبة فهی کالتِسعةِ والثَّلَاثة ومَا بَیْنَهُما: تذکّر مع المؤنث، وتؤنث مع المذکّر، وإنْ کانَتْ مُرکّبة جَرَتْ علی القیاسِ، فذکّرتْ مع المذکّرِ واُنّثت مع المؤنثِ، قال الله تعالیٰ: (اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا) (فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا) وتقول: «عِنْدِی اِحْدٰی عَشْرَةَ اِمْرَأَةً» و«اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا»۔

اور دوسری قسم وہ عدد ہے جو ہمیشہ مذکر کے ساتھ مؤنث اور مؤنث کے ساتھ مذکر ذکر کیا جاتا ہے۔ اور وہ ثلاثة، تِسعة اور ان (دونوں کے درمیان (کا عدد) ہے خواہ عشرة کے ساتھ مرکب ہو یا نہ ہو تم غیر مرکب میں کہو گے ثَلَاثَةَ رِجالٍ تا کے ساتھ تِسْعَةَ رِجالٍ تک۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اٰیَتُكَ[1] الخ اور تم کہو گے ثلاث نِسوَة باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اٰیَتُكَ[2] الخ اور مرکب میں کہو گے ثلاثة عشر رجلًا، ثلاثة میں تا کے ساتھ، اور ثلاث عشرة اِمرأة ثلاث سے تا کے حذف کے ساتھ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ[3] ای مَلَكًا اَوْ خَازِنًا۔

اور تیسری قسم وہ ہے جس میں تفصیل ہے اور وہ عشرة ہے اگر یہ غیر مرکب ہو تو یہ تسعة، ثلاثة اور ان دونوں کے درمیان (کے عدد) کی طرح ہے یعنی مؤنث کے ساتھ مذکر آتا ہے اور مذکر کے ساتھ مؤنث اور اگر یہ مرکب ہو تو قیاس (ضابطہ) کے مطابق چلیگا کہ مذکر کے ساتھ مذکر لایا جائیگا۔ اور مؤنث کیساتھ

---

[1] تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن بات نہ کر سکو گے۔ (پ۳ ع۴) اسمیں ثلاثة کی تمیز جمع مذکر ہے۔ یعنی ایام یوم مذکر کی جمع ہے۔

[2] تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین رات بات نہ کر سکو گے۔ (پ۱۶ ع۴) ۔ اس میں تمیز لَیَالٍ ہے جو جمع مؤنث ہے یعنی لَیْلَة کی جمع ہے۔

[3] اس پر انیس[19] فرشتے یا ذمہ دار مقرر ہیں۔ (پ۲۹ ع۱۵) ۔ ذمہ دار خازن کا ترجمہ ہے۔

مؤنث. باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنِّیْ رَأَیْتُ[1] الخ فَانْفَجَرَتْ[2] الخ اور تم کہوگے عِنْدِیْ اِحْدٰی عشرۃ امرأۃ۔ اور اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا۔

وَاَمَّا الثَّانِیْ — وھو التمییز — فَاِنَّھَا فِیْہِ عَلٰی اقسامٍ خَمْسَۃٍ۔

اَحَدُھَا: مَا لا یُحتاج لتمییزٍ اصلًا، وھو الواحِدُ والاثنان، لا تقول: واحد رجُلٍ، ولا اثنا رجُلَیْنِ، وَاَمَّا قولہٗ:

۲۲۹- • فِیْہِ ثِنْتَا حَنْظَلٍ •

فضرورۃٌ:

والثانی: مَا یحتاج الی تمییزٍ مجموعٍ مخفوضٍ، وھو الثلاثۃ والعشرۃ وَمَا بینھما تقول: «عِنْدِیْ ثلاثۃ رجالٍ» و «عشرُ نسوۃٍ» وکذا ما بینھما، ویستثنی من ذلك ان یکون التمییز کلمۃ «المائۃ» فَاِنَّھَا یجِبُ اِفرادھا، تقول: «عندی ثلٰثُمِائَۃٍ» ولا یجوز «ثلاثُ مِاٰتٍ» ولا «ثلاث مِئِیْنَ» الّا فی ضرورۃٍ۔

والثالثُ: مَا یحتاج الی تمییزٍ مفردٍ منصوبٍ، وھو الاَحَدَ عَشَرَ والتِّسعۃ والتِّسعون وَمَا بینھما، نحو: (اِنِّیْ رَأَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا) (وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا) (وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً) (اِنَّ ھٰذَآ اَخِیْ لَہٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَۃً) وَاَمَّا قولہٗ تعالیٰ: (وَقَطَّعْنٰھُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ اَسْبَاطًا) فلیس (اَسْبَاطًا) تمییزًا، بل بدلٌ مِنْ (اثنتی عشرۃ) والتمییز محذوف، ای: اثنتی عشرۃ فرقۃ۔

والرابع: مَا یحتاج الی تمییزٍ مفردٍ مخفوضٍ، وھو المائۃ والالف، تقول «عندی مِائَۃُ رجُلٍ، والفُ رَجُلٍ۔

---

[1] میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا کہ وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ (پ ۱۲ ع ۱۱) اس میں تمیز ممیز دونوں مذکر ہیں۔

[2] پھر اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ (پ ۱ ع ۷) اس میں تمیز ممیز دونوں مؤنث ہیں۔

اور رہا دوسرا یعنی تمیز تو اس سلسلہ میں اعداد کی پانچ قسمیں ہیں۔

انہیں سے ایک قسم وہ ہے جسکو تمیز کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی ہے اور واحد اور اثنان ہے آپ واحد رجل، اور اثنان رجلین، نہیں کہیں گے اور رہا شاعر کا قول فیہ ثنتا الخ[1] تو یہ ضرورۃً ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جسے جمع مجرور تمیز کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ثلاثۃ عشرۃ اور ان دونوں کے درمیان کے عدد ہیں تم کہوگے عِندِی ثَلاثَۃُ رِجالٍ، وعَشرُ نِسوَۃٍ " اور ایسے ہی ان دونوں کے درمیان کے اعداد ہیں اور اس (ضابطہ) سے مستثنیٰ ہے لفظ مائۃ کا تمیز بننا۔ کیونکہ اس کا مفرد ہونا ہی ضروری ہے تم کہوگے عِندِی ثلثمائۃ اور ثَلاثُ مِئَاتٍ جائز نہیں ہے اور نہ ہی "ثَلاثُ مِئِینَ" مگر ضرورۃً (جائز ہے) اور تیسری قسم وہ ہے جسے مفرد منصوب تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ احد عشر، اور تسعۃ عشر اور ان کے درمیان اعداد ہیں۔ جیسے اِنّی رأیت الخ وبعثنا الخ[2] وواعدنا الخ[3] اِنَّ ھٰذَا اَخِی الخ[4] اور رہا باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَطَّعنٰھُمُ الخ[5] تو (جان لیجئے کہ) اَسبَاطاً تمیز نہیں ہے بلکہ اثنتی عشرۃ سے بدل ہے اور تمیز محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ہے۔ اثنتی عشرۃ فرقۃ۔

اور چوتھی قسم وہ ہے جسے مفرد مجرور تمیز کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ مائۃ اور الف ہے تم کہوگے عِندِی مِائَۃُ رجُلٍ، الفُ رجُلٍ۔

ویلتحق بالعدد المنتصب تمییزہ تمییزُ "کم" الاستفہامیۃ، وھی بمعنی ایّ عدد، ولا یکون تمییزھا الّا مفرداً، تقول "کم غُلاماً عندک" ولا یجوز "کم غلماناً" خلافاً للکوفیین۔

ویلتحق بالعَدَدِ المخفوض تمییزُ "کم" الخبریۃ، وھی اسم دال علیٰ عَدَدٍ مجھُولٍ

---

[1] پورا شعر اس طرح ہے کانّ خُصیَیہِ مِنَ التَّدَلدُلِ ٭ ظَرفُ عَجُوزٍ فیہِ ثِنتا حنظلِ۔
ظرف برتن۔ حنظل اندرائن جو بہت کڑوا ہوتا ہے۔ اسکے دونوں خصیے ڈھیلے ہونیکی وجہ سے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ کسی بڑھیا کا کوئی برتن ہے جس میں دو عدد حنظل ہیں۔ معدود کے باوجود ثنتا ذکر کیا گیا ہے۔ عربی میں ایسا استعمال ضرورۃً ہے ورنہ معدود ہی کو تثنیہ بنایا جاتا ہے۔ کہا جانا چاہئے تھا حنظلتان۔

[2] ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے۔ (پ۶ ع۷)

[3] ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور ان کو دس سے پورا کیا، کہ تیرے رب کی مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی۔ (پ۹)

[4] یہ میرا بھائی ہے اسکے یہاں ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے یہاں ایک دنبی ہے۔ (پ۲۳ ع۱۱)

[5] اور ہم نے بارہ جماعتوں میں بانٹ دیا (یعنی ان کے دادوں کے اعتبار سے بارہ اولادوں میں۔ (پ۹ ع۱۰)

الجنسِ والمقدار، يُستعمَل للتكثير، ولهٰذا اِنما يُستعمل غالبًا فی مقام الافتخار والتعظیم، ویفتقر الی تمییز یبین جنسَ المرادِ به، ولکنهٗ لایکون الاّ مخفوضًا کماذکرنا، ثم تارۃً یکون مجموعًا کتمییز الثلاثۃ والعشرۃ واخواتہما، وتارۃ یکون مفردًا، کتمییز المائۃ والالف ومَا فوقہا۔

والخامِسُ: مایحتاج الی تمییز مفرد منصوب او مخفوض، وھو «کم» الاستفہامیۃ المجرورۃ، نحو «بکم دِرْھَمٍ اشتریْتَ» فالنصبُ علی الاصل، والجربِمن مضمرۃ، لابالاضافۃِ، خلافًا للزّجّاج۔

وامالم اذکر فی المقدّمۃِ انّ تمییزکم الاستفہامیۃ وتمییز الاحَد عشر والتسعۃ والتسعین ومَابینہما منصوبٌ لاشئ قد ذکرتہٗ فی باب التمییز، فلذلک اختصرت اعَادتہٗ فی ھٰذاالموضع من المقدّمۃ۔

اور «کم» استفہامیہ کی تمیز اس عدد کے ساتھ لاحق ہے جس کی تمیز منصوب ہوتی ہے اور یہ (کم) اسی عدد کے معنی میں ہے اور اسکی تمیز صرف مفرد ہوتی ہے تم کہوگے کہ «غلامًا عِنْدَكَ» اور نہیں جائز ہے «کم غِلْمَانًا» بخلاف کوفیوں کے اور «کم» خبریہ کی تمیز عدد مجرور کے ساتھ لاحق ہے اور اور یہ (کم خبریہ) ایسے عدد کو تبلانیوالا لفظ ہے جسکی جنس اور مقدار مجہول ہو اور کثرت کے معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ عموماً فخر اور عظمت کے مقام پر استعمال ہوتا ہے اور اسکو ایسی تمیز کی ضرورت پڑتی ہے جو اسکی مراد کی جنس کو ظاہر کرے لیکن وہ تمیز صرف مجرور ہوتی ہے۔ جیساکہ ہم نے ذکر کیا پھر کبھی یہ ثلاثۃ اور عشرۃ اور ان دونوں کے درمیان اعداد کی تمیز کی طرح جمع ہوتی ہے جیسے کَمْ عُلُوْمٍ اَعْرَفُ) اور کبھی مِائَۃ الف اور انکے مَافوق۔ عدد کی تمیز کی طرح مفرد ہوتی ہے (جیسے کَمْ عِلْمٍ قرأتُ) اور پانچویں قسم وہ ہے جسے ایک مفرد منصوب یا مجرور تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ کم استفہامیہ مجرورہے جیسے «بِکَمْ دِرْھَمٍ اشْتَرَیْتَ» نصب اصول تمیز کی بنا پر ہے اور جرمِن مقدّرۃ کی بنا پر ہے اضافت کی بنا پر نہیں بخلاف زجاج کے۔

اور میں نے متن میں یہ بات نہیں ذکر کی کہ کم استفہامیہ کی تمیز اور اَحَدَعَشَرَ، تِسْعَۃَ وتِسْعِیْن اور ان دونوں کے درمیان اعداد کی تمیز منصوب ہوتی ہے۔ کیونکہ میں نے تمیز کے باب میں اس کو ذکر کردیا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے متن کے اس مقام پر دوبارہ ذکر کو مختصر کردیا۔

وَالحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى إِحْسَانِهٖ، وقد اتيت على ما اردت ايراده فى شرح
هٰذه المقدمة وللّٰه سُبْحَانَهٗ وتعالٰى الحَمْدُ والمنّة،
وَإِيَّاه أَسْأَل ان يجعل ذلك لوجهه الكريم خَالِصًا مصروفًا،
وعلى النفع به موقوفا، وَان يغفر لى خطيئتى يوم الدّين،
وان يدخلنى برحمته فى عِبَادِه الصَّالحين بمنّه وكرمه
اٰمين - وَالصَّلٰوة والسَّلام على سَيّدنا محمّد وّعلى
اٰلِه وصحبه اَجْمَعِيْن - وَالحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ العَالَمِيْن -

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی

Phone: 2627608
2623782

فہرست اہم حواشی متعلقہ بہ کنوز العرب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۱	وصف صریح، تعریف اور فعل مضارع سے مشابہت	۱۴۹
۳۲	موصول حرفی	۱۵۵
۳۳	مَالَمْ يَكُنْ نَفْعُ الخ حدیث نہیں ہے	"
۳۴	اضافت لفظیہ کے جواز کا معیار اور فراء، ابن حاجب کا اختلاف	۱۶۱
۳۵	معارف کی ترتیب	۱۶۲
۳۶	حذفِ فاعل کے سلسلہ میں مصنف کی آراء میں تعارض	۱۷۲
۳۷	لَيَسْجُنُنَّهُ کی مختلف تراکیب	۱۷۴
۳۸	اسناد لفظی ومعنوی کی تعریفیں، زعموا مطية الكذب	۱۷۵
۳۹	فاعل کے مظہر اور جمع ہونے کی صورت میں فعل کی تذکیر و تانیث کے بارے میں تین مذاہب	۱۷۷
۴۰	اسم جنس جمعی وافرادی، تعریفات وامثلہ	۱۸۰
۴۱	تَسْمَعُ بِالْمُعَيْدِيِّ میں تین روایتیں	۱۸۴
۴۲	إنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ کی متعدد توجیہات	۱۹۲
۴۳	ارشادِ نبوی إن یکنہ کا ترجمہ، ابن صیاد کا تعارف	۱۹۳
۴۴	قد جعلت یثقلنی پر نحوی اشکال وجواب	۱۹۴
۴۵	بَيْنَ کا ضابطۂ استعمال	۱۹۸
۴۶	شعر محمد تفد الخ پر نقد، اشرب غیر میں "ربیع" کی توضیح	۲۱۲
۴۷	تحذیر (محذر و محذر منہ) کے طرق استعمال	۲۲۲
۴۸	مثل شبہ مثل کی توضیح	۲۲۳
۴۹	ما شرطیہ اور ما موصولہ کے درمیان فرق	۲۲۶
۵۰	تیرہ اسماء مفعول مطلق کے قائم مقام ہوتے ہیں	۲۳۰
۵۱	"کفانی ولم اطلب" میں تنازع فعلان نہیں ہے	۲۳۴
۵۲	ظرف زمان مبہم کی تعریف	۲۳۵
۵۳	تفاعل کو اَفاعل میں بدلنے کا قاعدہ	۲۴۸
۵۴	فعلۃ کی تعریف	۲۵۱
۵۵	علم جنس کی تعریف مع اشکال	۲۶۰
۵۶	رطل، قفیز اور مثقال کی مقدار، لله درہ فارسا کی تشریح	۲۶۴
۵۷	مَن، جریب، صاع کی مقدار	۲۶۸
۵۸	لفظ لاتَ کی اصل کیا ہے؟	۲۸۹
۵۹	"دلس" کی اصل کیا ہے؟	۲۹۹
۶۰	"اذن" کو لکھنے کے چار طریقے	۳۰۲
۶۱	"لام تعلیلیہ" کی پہچان	۳۰۷
۶۲	فعل منفی بہ "لا" پر "ان" کے اظہار واضمار کا حکم۔ "لام جحد" اور اسم محض کی تعریف	۳۰۸
۶۳	حتیٰ کا ناصبہ اور غیر ناصبہ ہونے کی تحقیق	۳۱۱
۶۴	فاء، واؤ اور أو عاطفہ کے بعد "ان" کے اظہار و اضمار کا وجوب وجواز	۳۱۵
۶۵	عرض وتحضیض کی تعریف	۳۲۸
۶۶	نفل کی جمع انفال کو مصنف کا غیر قیاسی کہنا زیادہ بہتر نہیں، قیاسی کہنا چاہئے	۳۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۷	ماضی ومضارع ہونیکے اعتبار سے شرط و جزا کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔	۳۶۲
۶۸	جزا پر دلالت کرنے والے قرائن	۳۷۵
۶۹	صفتِ مشبہ کے معمول پر نصب میں چار مذاہب	۴۲۳
۷۰	صفتِ مشبہ کے معمول پر جر کے دخول کی شرائط " " " عدمِ جواز کی صورتیں	۴۲۴
۷۱	لشتان مَابین الیزیدین فی الندیٰ کو اصمعی کا ناجائز کہنے کی وجوہات اور ان کی تردید۔	۴۲۹
۷۲	وَلَاتَکُوْنُوْا اَوَّلَ کَافِرٍبِہٖ پر ایک اعتراض اور جواب۔	۴۳۹
۷۳	ھَاؤُمُ کی گردان اور اس کا اعراب۔	۴۴۵
۷۴	النحو الوافی سے ایک اہم ضابطہ	۴۵۶
۷۵	نکرہ کے عطفِ بیان ہونے نہ ہونے میں تین فریق	۴۵۹
۷۶	فاعل کے مظہر ہونے کی صورت میں فعل میں علامت تثنیہ وجمع لگائی جائے یا نہیں	۴۶۴
۷۷	بدلِ اضراب، بدلِ نسیان، بدلِ غلط کی تعریفات	۴۷۲
۷۸	ضمیر مرفوع پر عطف کا علی الاطلاق جواز	۴۸۳

فہرس شرح شذور الذہب

الرقم	الموضوع	الصفحة
١	ترجمة ابن هشام	٣
٢	مقدمة المترجمان	٤
٣	خطبة المؤلف	٦
٤	الكلمة قول مفرد لغات الكلمة ثلاث	٨
٥	"كلا" في العربية على ثلاثة اوجه	١٠
٦	تنقسم الكلمة الى اسم وفعل وحرف	١١
٧	للاسم ثلاث علامات	١٤
٨	الفعل ثلاثة انواع	١٩
٩	معنى الكلام الاصطلاحي	٢٥
١٠	ينقسم الكلام الى خبر وطلب انشاء	٢٩
١١	حد الاعراب	٣٢
١٢	انواع الاعراب اربعة	٣٥
١٣	خرج عن الاصل في الاعراب سبعة ابواب	٣٨
١٤	الافصح في "هن" النقص	٤٦
١٥	تخريج القراءات في "ان هذان لساحران"	٥٢
١٦	الاعراب التقديري ثلاثة انواع	٧٦
١٧	حد البناء	٨١
١٨	المبني على السكون	٨٣
١٩	المبني على الفتح سبعة انواع	٨٦
٢٠	المبني على الفتح اوشابه	٩٨
٢١	المبني على الكسر خمسة انواع	١٠٢
٢٢	المبني على الضم اربعة انواع	١١٣
٢٣	المبني على الضم اوشابه	١١٩
٢٤	ينقسم الاسم الى نكرة ومعرفة	١٢٦
٢٥	المعرفة ستة انواع	١٣١
٢٦	الاول المضمر	١٣٩

الرقم	الموضوع	الصفحة
٢٧	قد يكون مرجع ضمير الغيبة متأخرا في اللفظ والرتبة	١٤١
٢٨	الثاني العلم	١٤٢
٢٩	الثالث اسم الاشارة	١٤٥
٣٠	الرابع الاسم الموصول	١٤٨
٣١	الخامس من المعارف المحلى بأل	١٥٦
٣٢	السادس المضاف لمعرفة	١٦٢
	المرفوعات عشرة	
٣٣	الاول الفاعل	١٦٣
٣٤	الثاني نائب الفاعل	١٦٦
٣٥	ينوب عن الفاعل واحد من اربعة اشياء	١٦٨
٣٦	للفاعل ونائبه خمسة احكام	١٧١
٣٧	الثالث المبتدأ	١٨٢
٣٨	الرابع خبر المبتدأ	١٨٧
٣٩	الخامس اسم كان واخواتها	١٨٨
٤٠	السادس اسم افعال المقاربة	١٩٢
٤١	السابع اسم الحروف العاملة	١٩٥
٤٢	عمل ليس وهي اربعة	
٤٣	اولها "ما"	١٩٦
٤٤	ثانيها "لا"	١٩٩
٤٥	ثالثها "ان"	١٩٩
٤٦	رابعها "لات"	٢٠٠
٤٧	الثامن خبر ان واخواتها	٢٠٢
٤٨	تكسر همزة ان في تسع مسائل	٢٠٣
٤٩	يجب فتح "ان" في ثمان مسائل	٢٠٦
٥٠	يجوز في همزة ان الوجهان في ثلاث	٢٠٧
٥١	التاسع خبر "لا" النافية للجنس	٢٠٩

الرقم	الموضوع	الصفحة
٥٢	العاشر المضارع الذي لم يسبقه ناصب ولا جازم	٢١١
	مقدمة المترجم	٢١٣
	المنصوبات	
٥٣	المفعول به وملحقاته	٢١٥
٥٤	المنادى	٢١٦
٥٥	المنصوب على الاختصاص والاغراء	٢٢١
٥٦	المفعول المطلق	٢٢٩
٥٧	المفعول له	٢٣٢
٥٨	المفعول فيه	٢٣٥
٥٩	المفعول معهٗ	٢٤٢
٦٠	المشبه بالمفعول بهٖ	٢٤٩
٦١	الحال	٢٥٠
٦٢	التمييز	٢٦٣
٦٣	المستثنیٰ	٢٧٣
٦٤	خبر «كان» واخواتها	٢٨٣
٦٥	خبر افعال المقاربة	٢٨٤
٦٦	خبر اخوات «ليس»	٢٨٨
٦٧	اسم «ان» واخواتها	٢٨٨
٦٨	اسم «لا» النافية للجنس	٢٩٦
٦٩	الفعل المضارع بعد ناصب	٢٩٨
	المجرورات	
٧٠	المجرور بالحرف	٣٢٥
٧١	المجرور بالاضافة	٣٤٤
٧٢	المجرور بمجاورة مجرور	٣٥٢
	المجزومات	
٧٣	ما يجزم فعلاً واحدًا	٣٥٧
٧٤	ما يجزم فعلين	٣٥٨
٧٥	احكام فعل الشرط	٣٦٢
٧٦	اقتران جواب الشرط بـ «الفاء»	٣٦٤
٧٧	حذف الشرط وجوابه	٣٦٦
٧٨	الاستغناء عن جواب الشرط	٣٠٢
٧٩	جزم مابعد «فاء» او «واو» من فعل تال للشرط او الجواب	٣٧٦
	عمل الفعل	
٨٠	عمل الرفع والنصب	٣٧٧

الرقم	الموضوع	الصفحة
٨١	الفعل اللازم	٣٧٩
٨٢	مايتعدى الى واحد	٣٨٣
٨٣	مايتعدى الى اثنين	٣٨٥
٨٤	اعمال افعال القلوب والغاءها وتعليقها	٣٨٥
٨٥	لافعال القلوب ثلاث حالات	٣٨٩
	الاسماء التي تعمل عمل الفعل	
٨٦	عمل المصدر	٤٠٤
٨٧	عمل اسم الفاعل	٤١١
٨٨	عمل اسم المبالغة	٤١٦
٨٩	عمل اسم المفعول	٤١٨
٩٠	عمل الصفة المشبهة	٤١٩
٩١	عمل اسم الفعل	٤٢٤
٩٢	عمل الظرف والجرور المعتمدان	٤٣١
٩٣	عمل اسم المصدر	٤٣٢
٩٤	عمل اسم التفضيل	٤٣٥
	التنازع	٤٤٣
	الاشتغال	٤٤٨
	التوابع	٤٥٣
٩٥	التاكيد	٤٥٣
٩٦	النعت	٤٥٨
٩٧	عطف البيان	٤٦٣
٩٨	البدل	٤٦٩
٩٩	عطف النسق	٤٧٦
١٠٠	توابعُ المنادى	٤٨٣
١٠١	موانع الصرف	٤٨٦
١٠٢	باب العدد	٤٩٥
١٠٣	الاعداد بالنسبة الى التذكير والتانيث	٤٩٦
١٠٤	الاعداد بالنسبة للتمييز	٤٩٦

جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف
١	النحو الوافی	عباس حسن سابق استاذ جامعہ قاہرہ
٢	جامع الدروس العربية	شیخ مصطفیٰ غلاینی
٣	قطری الندوی وبل الصدی	ابو محمد عبداللہ جمال الدین بن ہشام انصاری۔ م ٧٦١ھ
٤	شرح فاكهلى	یسین بن زین الدین حمصی۔ م ١٠٦١ھ
٥	منتهى الأرب حاشية شرح شذور الذهب	محمد محی الدین عبدالحمید
٦	حاشية شرح شذور الذهب	شیخ محمد امیر
٧	كتاب سيبويه محشى	ابو بشر عمر مشہور بہ علامہ سیبویہ
٨	كتاب المقتضب	ابو العباس محمد بن یزید مشہور بہ علامہ مبرد۔ م ٢٨٥ھ
٩	شرح شواهد المغنى	جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر سیوطی۔ م ٩١١ھ
١٠	شرح جامى	ابو البرکات نور الدین عبدالرحمان بن احمد بن محمد جامی م ٨٩٨ھ
١١	شرح كافيه	نجم الائمہ محمد بن الحسن استرابادی مشہور بہ علامہ رضی۔ م ٦٨٦ھ
١٢	شرح ابن عقيل	جمال الدین محمد بن عبداللہ بن مالک
١٣	حاشيه شرح بن عقيل	محمد سعید رافعی
١٤	البهجة المرضية فى شرح الفية	جلال الدین سیوطی
١٥	المفصل	ابو القاسم محمود بن عمر مشہور بہ علامہ زمخشری
١٦	المفضل	أبو فراس محمد بدر الدین حلبی
١٧	بيان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ م ١٣٦٩ھ
١٨	روح المعانى	محمود آلوسی بغدادی۔ م ١٢٧٠ھ
١٩	ترجمه شيخ الهند	مولانا محمود الحسن دیوبندی۔ م ١٣٣٩ھ
٢٠	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع پاکستانی۔ م ١٣٩٦ھ
٢١	بخارى شريف	محمد ابن اسماعیل بخاری۔ م ٢٥٦ھ
٢٢	ترمذى شريف	ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ترمذی۔ م ٢٧٩ھ
٢٣	فتح البارى	حافظ ابن حجر عسقلانی۔ م ٨٥٢ھ
٢٤	عمدة القارى	علامہ بدر الدین عینی۔ م ٨٥٥ھ
٢٥	أيضاح الطاوى	مفتی شبیر احمد
٢٦	المعجم المفهرس لالفاظ الحديث	مستشرقین کا گروپ
٢٧	المعجم الوسيط	لجنۃ من العلماء العرب
٢٨	المنجد اردو	ہندو پاک کے علماء کی ٹیم
٢٩	القاموس الجديد	مولانا وحید الزماں کیرانوی۔ م ١٤١٥ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آسان اور جدید اسلوب پر کم سے کم مدت میں عربی زبان سکھا دینے والی مایۂ ناز کتاب

اساسِ عربی

یعنی

عربی، صرف ونحو کے سلیس قواعد

جو

تھیچر کی عربی گرامر پر مبنی اور متعدد مستند

عربی صرف ونحو کی کتابوں سے ماخوذ ہے

مؤلفہ

محمد نعیم الرحمان ایم اے

(منشی فاضل۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس)

لیکچرار عربی وفارسی، الٰہ آباد یونیورسٹی

شائع کردہ

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

وذيل
بالإملاء وجداول تصريف الأفعال

عبد الغني الدقر

وفي هذه الطبعة زيادات مهمة

قديمي كتب خانه
مقابل آرام باغ - كراچی

مع ربطه بالأساليب الرفيعة، والحياة اللغوية المتجددة

القسم الموجز لطلبة الدراسات النحوية والصرفية بالجامعات

والمفصل للأساتذة والمتخصصين

مشتملاً على الضوابط والأحكام التي قررتها المجامع اللغوية ومؤتمراتها الرسمية

تأليف

عباس حسن

الجزء الرابع

قديمي كتب خانه
مقابل آرام باغ - كراچی

شرح

قطر الندى وبل الصدى

صنّفه

جمال الدين عبد الله بن هشام الأنصاري المتوفى ٧٦١ھ

وبهامش القطر كتاب

بلوغ الغايات في إعراب الشواهد والآيات

تأليف

بركات يوسف هبود

الناشر

قديمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی

تأليف

رضي الدين محمد بن الحسن الأستراباذي
المتوفى سنة ٦٨٦هـ

طبعة جديدة مصححة
ومذيلة بتعليقات مفيدة

■ الجزء الأول ■

قدم له ووضع حواشيه وفهارسه
الدكتور إميل بديع يعقوب

قديمي كتب خانه
مقابل آرام باغ ـ كراچی

ہماری دیگر مطبوعات

- آداب المعاشرت : مولانا تھانویؒ
- ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء
- اسباب زوالِ اُمت
- اِسلام اور جدید دور کے مسائل
- اجتہاد از مولانا تقی امینیؒ
- بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام
- تازیانۂ شیطان
- حدیث کا درایتی معیار
- خواص اسمائے حسنیٰ
- رحمتِ عالمؐ : سید سلیمان ندویؒ
- سیرت الرسولؐ : شاہ ولی اللہؒ
- شریعت یا جہالت : پالنپوری
- عربی بولئے (جدید عربی)
- عربی میں خط لکھئے
- عالمِ برزخ : قاری محمد طیبؒ
- فتوح الغیب : شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
- فقہ اِسلامی کا تاریخی پس منظر
- فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ
- قرآن حکیم کے اُردو تراجم
- مصباح اللغات (عربی اُردو ڈکشنری)
- موت کے عبرت انگیز واقعات
- تعبیر الرؤیا کلاں : علامہ ابن سیرینؒ

قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ ۔ کراچی

ہماری دیگر مطبوعات

آداب المعاشرت : مولانا تھانویؒ

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

اسبابِ زوالِ اُمت

اِسلام اور جدید دور کے مسائل

اجتہاد از مولانا تقی امینیؒ

بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام

تازیانۂ شیطان

حدیث کا درایتی معیار

خواص اسمائے حسنیٰ

رحمتِ عالمؐ : سیّد سلیمان ندویؒ

سیرت الرسولؐ : شاہ ولی اللہؒ

شریعت یا جہالت : پالنپوری

عربی بولئے (جدید عربی)

عربی میں خط لکھئے

عالمِ برزخ : قاری محمد طیبؒ

فتوح الغیب : شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

فقہ اِسلامی کا تاریخی پس منظر

فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ

قرآن حکیم کے اُردو تراجم

مصباح اللغات (عربی اُردو ڈکشنری)

موت کے عبرت انگیز واقعات

تعبیر الرؤیا کلاں : علامہ ابن سیرینؒ